اسم تاریخی

اشرف التفاسیر

۱۳ ۵ ۶ ۳

تفسیر نعیمی

(پارہ سوم)

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ اسلامیہ

۴۰۔ اردو بازار ٭ لاہور

نام کتاب	———	تفسیر نعیمی (پارہ سوم)
مصنف	———	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
تعداد صفحات	———	596
کمپوزنگ	———	لیزر کمپوزنگ ان' سٹار سائنس مارکیٹ' تکیہ املی والا' آبکاری روڈ' نیو انار کلی' لاہور
پرنٹر	———	نایاب پرنٹرز' لاہور
ناشر	———	مکتبہ اسلامیہ' 40 اردو بازار' لاہور۔
قیمت	———	

بسم الله الرحمن الرحيم

الصلوٰة والسلام علیک
یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم
خوشنویس، اعجاز احمد ساقی، مکتبہ نوریہ، لاہور

فہرست مضامین "تفسیر نعیمی" پارہ تلک الرسل

www.alahazratnetwork.org

انگلیاں میری ہیں اور ان میں قلم ہے تیرا
ہاتھ میرا ہے مگر اس پر کرم ہے تیرا

حکیم الامت

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ

یہ پیغمبر ہیں کہ بزرگی دی ہم نے بعض کو ان میں سے او پر بعض کے ان میں سے وہ ہیں کہ کلام فرمایا اللہ نے

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک دوسرے پر افضل کیا ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی

رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ

اور بلند کیا بعض کو ان میں سے درجوں اور دیں ہم نے عیسیٰ بیٹے مریم کو کھلی نشانیاں اور تائید کی

وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں اور پاکیزہ

بِرُوْحِ الْقُدُسِ

ہم نے ان کی ساتھ روح پاکیزہ کے

روح سے ان کی مدد کی۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: گذشتہ آیتوں میں پچھلے پیغمبروں کے مختلف واقعات بیان ہوئے کہ کسی نے کعبہ بنایا کسی نے رب سے کلام کیا۔ کسی نے کفار سے جہاد کیا۔ جس سے پتہ لگا کہ حضرات انبیائے کرام کے کام مختلف رہے۔ اب بتایا جارہا ہے کہ جیسے ان سب کے کام یکساں نہیں ایسے ہی ان کے درجات بھی یکساں نہیں تو گویا یہ آیت کریمہ گزشتہ آیتوں کا نتیجہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ مرسلین میں سے ہیں۔ جس سے وہم ہو تا تھا کہ سارے پیغمبر یکساں ہیں اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان میں سے ایک ہیں۔ اب یہ وہم دفع فرمایا جارہا ہے کہ نہیں ان میں فرق مراتب ہے اور آپ ان سب سے افضل ہیں۔

تفسیر : تلک اسم اشارہ ہے۔ اس سے یا تو ان پیغمبروں کی طرف اشارہ ہے جن کے واقعات پہلے گذر چکے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم اور حضرت داؤد و اسمٰعیل علیہم السلام یا ان پیغمبروں کی طرف اشارہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہیں۔ چونکہ ان کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت دور تھا نیز وہ حضرات بڑے درجے والے ہیں۔ اس لئے تلک اشارہ بعید فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں صراحۃً تمام پیغمبروں کا ذکر نہیں۔ صرف بعض کا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے **منهم من قصصنا علیک ومنهم من لم نقصص علیک** یعنی ہم نے قرآن میں بعض رسولوں کا ذکر کیا اور بعض کا نہ کیا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم سارے ہی پیغمبروں کا دیا گیا۔ بلکہ معراج میں سارے پیغمبر دکھائے گئے۔ رب فرماتا ہے **وکلا " نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت به فئوادک** یعنی قرآن کریم کے علاوہ اور وحی وکلام میں ہم نے تمام رسولوں کے قصے آپ کو سنادیے ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں لہٰذا اگر یہاں **تلک الرسل** سے وہ انبیاء و رسول مراد ہوں جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے تو بعض رسول ہوں گے اور اگر وہ رسل مراد ہوں جو حضور کے علم میں ہیں تو سارے رسول مراد ہوں گے۔ **الرسل** یہ رسول کی جمع ہے جس کے لغوی معنی ہیں "قاصد"۔ اصطلاح میں رسول وہ باکمال مرد ہیں جو رب کی

طرف سے تبلیغ کے لئے بھیجے گئے اور ان کے ساتھ کوئی نئی یا پرانی آسمانی کتاب بھی ہو۔ نبی میں کتاب کی قید نہیں۔ لہٰذا ہر رسول نبی ہے لور ہر نبی رسول نہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار (124000) یا کم و بیش ہیں۔ لور رسول تین سو تیرہ (313) مگر کبھی رسول بمعنی نبی بھی استعمال ہوتا ہے یہاں ایسا ہی ہے۔ خیال رہے: کہ رسول لغوی معنی سے فرشتے بھی ہیں۔ رب فرماتا ہے **جاعل الملئکۃ رسلا اولی اجنحۃ** اور فرماتا ہے **اللہ یصطفی من الملئکۃ و رسلا من الناس** مگر شرعی معنی سے رسول صرف انسان ہیں یعنی **مبعوث من اللہ للتبلیغ** صرف انسان ہی رسول ہوئے۔ حضرت جبریل وغیرہ علیہم السلام نہ کسی قوم کے مبلغ ہوئے نہ کوئی قوم ان کی امت ہوئی۔ قرآن کریم میں جب رسول مطلق ہوتا ہے تو اس سے شرعی رسول یعنی انسان پیغمبر مراد ہوتے ہیں۔ جیسے رجل سے مراد صرف انسان مرد ہیں اگرچہ جنات کو رجال فرمایا گیا ہے۔ **برجال من الجن**۔ رب فرماتا ہے **کل امن باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ** لہٰذا یہاں انسان رسول مراد ہیں۔ **فضلنا بعضھم علی بعض** یہ تفضیل سے بنا جس کا مادہ فضل ہے بمعنی بزرگی' تفضیل فضیلت عطا کرنے یا کسی وصف خصوصی میں ممتاز کرنے کو کہتے ہیں یا تو **تلک الرسل** مبتدا تھا اور یہ اس کی خبر یا تلک مبتداء اور رسل اسی جملے سے مل کر خبر یعنی یہ وہ رسول ہیں جن میں بعض کو بعض سے ہم نے بزرگی دی اور خاص صفتوں سے ممتاز فرمایا۔ یا یہ انبیاء عند کورین بعض بعض سے افضل ہیں۔ خیال رہے کہ یہ فرق نبوت کے سوا دیگر اوصاف میں ہے۔ نبوت میں سب یکساں ہیں۔ اسی لئے **تلک الرسل** میں سب کو شامل فرما کر فرق مراتب بیان فرمایا گیا۔ رسول وہی ہو سکتا ہے۔ جو بھیجنے والے سے لے سکے اور جس کی طرف بھیجا گیا ہے اسے دے سکے کہ اس کے بغیر رسالت ناممکن ہے اسی وجہ سے رسول کی نسبت بھیجنے والے سے کی جاتی ہے اور جس کی طرف بھیجا گیا اس سے بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھی رسول ہیں یعنی اس سے لینے والے اور ہمارے بھی رسول یعنی ہم کو دینے والے۔ جو کہے رسول کچھ نہیں دیتے وہ در حقیقت ان کی رسالت کا انکار کر رہا ہے۔ ایسے ہی جو کہے اللہ نے رسول کو کچھ نہ دیا وہ بھی ان کی رسالت کا منکر ہے۔ جب ان میں رب سے لینے ہم کو دینے کی طاقت نہیں تو وہ رسول کیوں کہلائے۔ خلق لور خالق میں رشتہ قائم کرنے والے رسول ہی تو ہیں۔ ورنہ خلق تو خالق سے بیگانہ ہو چکی تھی۔ پھر جیسے رب تعالیٰ نے آسمان کے تارے زمین کی تاثیریں اور دیگر تمام مخلوق میں فرق مراتب رکھا۔ تاروں کی روشنیاں لور رنگ مختلف صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں۔ اسی اجمال کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ **منھم من کلم اللہ** اس ضمیر کا مرجع رسل ہیں **کلم** کلام سے بنا کلام بامعنی منظوم الفاظ کا نام ہے۔ بندہ سے رب کا کلام چند طرح ہوتا ہے۔ ایک دل میں ڈال کر جسے وحی خفی کہتے ہیں۔ ایک حجاب کے پیچھے سے۔ ایک بواسطہ ایک بلاواسطہ ظاہر ہو کر اس کا ذکر سورہ شوریٰ میں بھی ہے۔ **ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب** الخ۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی پس پردہ بلاواسطہ فرشتہ کلام فرمانا اور من سے موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ رب نے ان سے کوہ طور پر بلاواسطہ فرشتہ کلام کیا اسی لئے انہیں کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کلام قدیم بغیر حروف اور آواز کے سنا جس کی کیفیت ہماری عقل سے بالاتر ہے۔ امام اشعری فرماتے ہیں کہ سنا تو کلام ازلی ہے مگر حروف اور آواز سے (روح البیان) اس کلام کی کیفیت یہ تھی کہ نہ تو بیچ میں سکتہ ہوتا تھا جیسا کہ ہم سانس لے لے کر کلام کرتے ہیں اور نہ اس کے لئے کوئی جہت تھی بلکہ ہر طرف سے ندا آرہی تھی اور صرف کان سے ہی نہ سنا بلکہ ہمہ تن گوش ہو کر مگر معراج میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چوتھی قسم کا کلام ہوا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

ورفع بعضھم درجات رفع کے معنی اٹھانا بلند کرنا اور نیچے سے اوپر پہنچانا ہیں۔ جہاں اس کے بعد علی یا الیٰ ہو تو اس سے رفع مکانی یعنی اٹھانا یا نیچے سے اوپر پہنچانا مراد ہوتا ہے۔ جیسے **ورفع ابویہ علی العرش** یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پر اٹھالیا اور **بل رفعہ اللہ الیہ** رب نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف یعنی آسمان پر اٹھالیا اور اگر رفع کا مفعول کوئی جسم ہو تو اس کے معنی اونچا کرنا یا بلند کرنا ہوتے ہیں۔ جیسے **و اذ یرفع ابرھیم القواعد من البیت و اسمعیل** حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام بیت اللہ کی دیواریں ابھار رہے تھے۔ یعنی اونچی کر رہے تھے اور جہاں یہ کوئی چیز نہ ہو وہاں رفع سے بلندی مراتب اور شرافت مراد ہوتا ہے یہاں یہ معنی مراد ہیں **بعضھم** سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقصود ہیں۔ ابہاماً اشارہ کرنے میں اعلیٰ درجہ کی اظہار شان ہے جیسا کہ ذوق پر ظاہر ہے۔ **درجت** درجۃ کی جمع ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں زینہ کی سیڑھیاں مگر اصطلاح میں مراتب و فضائل کو درجات کہا جاتا ہے۔ جس میں کوئی ترقی کرے۔ یہاں تو پوشیدہ ہے اور یہ **رفع** کا ظرف ہے۔ یا ب مقدر یا من محذوف یا بعضھم کی تمیز خیال رہے کہ درجات کی جمع کثرت کی طرف اور اس کی تنکیر عظمت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یعنی بے شمار اور عظیم الشان درجوں میں بلند کیا۔ درجات کی تنکیر و جمع سے معلوم ہوا کہ دائرہ عبدیت میں رہ کر جس قدر بلندی درجات دی جاسکتی ہے۔ وہ سب حضور کو عطا فرمادی گئی کوئی درجہ ایسا نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہ فرمایا گیا ہو حضور انور عبدیت کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں کہ آپ کے بعد صرف الوہیت کا درجہ ہے کیونکہ یہاں درجات بے قید ارشاد ہوا ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل کے پہلے صاحب شریعت پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام اس لئے حضور علیہ السلام کا ذکر ان عظیم الشان پیغمبروں کے درمیان کرنے کے لئے فرمایا **واتینا عیسی ابن مریم البینت** چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ بغیر والد پیدا ہوئے اور ابہاماً بیان کرنے میں ان کا یہ وصف ظاہر نہ ہوتا۔ لہٰذا صراحتاً ان کا اسم شریف بیان ہوا۔ آپ کا نام بزبان عبرانی یسوع تھا۔ بمعنی مخلص مریم اسی زبان کا لفظ ہے۔ بمعنی خادمہ۔ ہر جگہ انہیں ابن مریم فرمانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف والدہ سے پیدا ہوئے۔ خیال رہے کہ اسے بھی ابن کہتے ہیں جو اپنے نطفہ سے پیدا ہو اور اسے بھی ابن کہا جاتا ہے جو کسی کے بطن سے اس کا مثل خارج ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام دوسرے معنی سے ابن مریم ہیں نہ کہ پہلے معنی سے کیونکہ وہاں نطفہ تھا ہی نہیں اور حضرت حوا کسی لحاظ سے آدم علیہ السلام کی بیٹی نہیں کہ نہ تو ان کے نطفہ سے پیدا ہوئیں اور نہ ان کے بطن شریف سے خارج ہوئیں۔ بلکہ ان کی ایک پسلی علیحدہ کرکے سیدنا حوا کا قالب تیار کیا گیا۔ **بینت**۔ بینۃ کی جمع ہے بمعنی کھلی دلیل چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو بہت سے معجزات عطا فرمائے گئے۔ اس لئے **بینات** جمع ارشاد ہوا **وایدنہ** یہ لفظ **اید** سے بنا بمعنی قوت اسی لئے رائے شامل کرنے کو تائید کہا جاتا ہے کہ اس سے پہلی رائے کو قوت ملتی ہے۔ **بروح القدس** یہاں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے۔ روح حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نام ہے کیونکہ ان سے زندگی ملتی ہے انہیں کے گھوڑے کی ٹاپ کی خاک سامری کے بچھڑے کے منہ میں پہنچی تو اسے زندگی بخش دی۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش انہیں کی سانس سے ہوئی تھی اس لئے آپ کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ نیز وحی لانے والے جبرئیل ہی ہیں اور وحی بھی روح ہے جس سے ایمان کی زندگی ہے۔ رب فرماتا ہے **کذلک اوحینا الیک روحا من امرنا** انہیں کہا جاتا ہے قدس بمعنی بزرگ جیسے کہا جاتا ہے۔ رجل صدق بعض علماء نے فرمایا کہ قدس سے رب تعالیٰ مراد ہے اور اس کی طرف روح کی اضافت تشریفی ہے جیسے بیت اللہ (روح

البیان) یعنی ہم نے بذریعہ جبریل عیسیٰ علیہ السلام کو قوت دی کہ انہیں کی سانس سے انہیں پیدا فرمایا اور انہیں کے ذریعہ سے حضرت کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھا کہ حضرت جبریل امین ہروقت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے جیسے سلطان کے ساتھ ان کے باڈی گارڈ یا خاص خدام اور آخر کار یہود نے آپ کو شہید کرنا چاہا تو انہیں کے ذریعہ انہیں آسمان پر بلایا گیا۔ ان وجوہ سے صرف عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ورنہ حضرت جبریل امین سارے ہی نبیوں کے معاون و مددگار ہیں۔ سب پر وحی لاتے تھے اور ان کی خدمات انجام دیتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ روح القدس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے حضور کو روح القدس ہی فرمایا کہ میں جاتا ہوں تاکہ روح القدس آئے اگر میں نہ جاؤں تو وہ نہ آئے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں" (برناباس) اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طفیل ان کی والدہ ماجدہ کنواری بتول مریم کی عصمت کے خطبے پڑھے گئے اور ان کی حقانیت کا دنیا نے اقرار کیا ورنہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر دیا تھا۔ اور ان کی والدہ طیبہ طاہرہ کو تہمت لگا دی تھی۔ دنیا والے ان کی نبوت سے مشکوک ہو چکے تھے۔ ان کی نبوت کا اعلان ان کی والدہ ماجدہ کی عصمت کے خطبے فرمائے۔ حتیٰ کہ قرآن شریف میں سوائے بی بی مریم کے کسی عورت کا نام نہ لیا اور حضرت مریم کا نام جگہ جگہ لیا۔ یہاں تک کہ ان کے نام کی ایک سورت یعنی سورۂ مریم قائم فرمائی۔ یہ ہے جناب مسیح کی تائید و تقویت۔ تو معنی ہوئے اللہ کی روح۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا نام شریف ہے۔

خلاصہ تفسیر : جو رسول مذکور ہوئے یہ فضل و درجات میں یکساں نہیں۔ بلکہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر بزرگیاں دیں اور یہ حضرات اپنی خصوصیات و کمالات میں مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض یعنی موسیٰ علیہ السلام سے رب نے بلا واسطہ فرشتہ کلام فرمایا اور انہیں کلیم اللہ کا خطاب بخشا اور ان میں سے بعض یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بدرجہا بلند و بالا کیا کہ ان کی عظمت اور درجات انسانی سمجھ سے بالاتر ہیں اور وہ سید الانبیاء ہونے میں اس قدر مشہور ہیں کہ ان کے نام پاک لینے کی بھی حاجت نہیں ہر ایک خود بخود ہی سمجھ جاتا ہے کہ اس شان والے حضور ہی ہیں اور بنی اسرائیل کے آخری نبی یعنی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو کھلی ہوئی نشانیاں اور معجزات عطا فرمائے کہ انہیں بغیر باپ پیدا فرمایا۔ انہوں نے مردوں کو زندہ کیا اور مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کیا۔ مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں جان ڈالی۔ غیب کی خبریں دیں۔ انجیل جیسی عظیم الشان کتاب انہیں ملی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ روح القدس یعنی جبریل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی تائید فرمائی گئی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افضل الانبیاء ہونے کے دلائل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل ہیں۔ بلکہ بعد خدا آپ ہی کا درجہ ہے اسی پر امت کا اجماع ہے اور اس پر بے شمار دلائل عقلیہ و نقلیہ قائم ہیں۔ ہم کچھ دلائل تفسیر کبیر وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔ (1) رب نے اپنے لئے فرمایا رب العالمین اور حضور کے لئے فرمایا **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین** یعنی جس کا خدا رب ہے اس کے لئے حضور رحمت ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ عالمین میں انبیاء بھی داخل ہیں۔ لہٰذا آپ ان کے لئے بھی رحمت ہوئے اور یقیناً "رحمت مرحوم سے افضل ہے۔ (2) رب نے فرمایا **ورفعنا لک ذکرک** اے محبوب ہم نے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔ چنانچہ کلمہ' اذان' التحیات

بلکہ تقریباً ہر جگہ اپنے نام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رکھا۔ یہ درجہ کسی پیغمبر کو نہ ملا۔ (3) رب نے حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت حضور کی بیعت کو اپنی بیعت حضور کی عزت کو اپنی عزت حضور کی رضا کو اپنی رضا حضور کی اجابت کو اپنی اجابت قرار دیا کہ فرمایا **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** اور فرمایا **ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم** اور فرمایا **وللہ العزۃ و لرسولہ** اور فرمایا **و اللہ و رسولہ احق ان یرضوہ** اور فرمایا **استجیبو اللہ و للرسول** (4) سارا عالم رب کی رضا چاہتا ہے۔ مگر رب تعالیٰ حضور کی رضا آپ ہی کی خوشی کے لئے کعبہ کو قبلہ بنایا **فلنولینک قبلۃ ترضھا** اور فرمایا **ولسوف یعطیک ربک فترضی** کسی پیغمبر کو یہ شرف نہیں ملا۔ (5) قرآن کریم میں سارے پیغمبروں کو نام لے کر پکارا گیا مگر حضور علیہ السلام کو پیارے پیارے القاب سے **یا ایھا النبی۔ یا ایھا المزمل یا ایھا المدثر** وغیرہ۔ (6) حضور کو سب سے زیادہ معجزے ملے۔ کیونکہ قرآن کریم کی آیتیں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (6666) ہیں اور ہر آیت معجزہ تو 6666 معجزے تو یہ ہی ہو گئے۔ اس کے علاوہ آپ خود سر تا پا معجزہ ہیں اس کے علاوہ بے شمار معجزے آپ سے ظاہر ہوئے۔ دیگر انبیاء کرام کو صرف گنتی کے معجزات ملے۔ ان سب میں زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ یعنی کل نو معجزے جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب سے افضل ہیں۔ (7) حضور علیہ السلام کے معجزات تمام پیغمبروں کے معجزات سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔ اولاً تو اس لئے کہ ان معجزات کے قصے ہی رہ گئے۔ نہ عصا رہا نہ ید بیضا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا معجزہ یعنی قرآن کریم قیامت تک باقی ہے کہ دنیا آج تک اس کے مقابلہ سے عاجز ہے دوم اس لئے کہ حضور کے معجزات سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے طور پر بے حجاب میں رب سے کلام کیا۔ مگر حضور نے معراج میں عرش پر حجاب کلام فرمایا۔ عیسیٰ علیہ السلام چہارم آسمان پر بلائے گئے۔ مگر میرے آقا علیہ السلام وہاں پہنچے جہاں نہ کہاں تھا نہ وہاں تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ فرمائے۔ مگر حضور علیہ السلام نے خشک لکڑیوں اور بے جان کنکروں کو زندگی بخش کر اپنا کلمہ پڑھوا لیا اور آپ کو شجر و حجر نے سلام کیا۔ جانوروں نے سجدے کئے موسیٰ علیہ السلام نے پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری فرمائے حضور علیہ السلام.. نے انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیئے موسیٰ علیہ السلام نے عصا سے دریائے نیل کو پھاڑا۔ میرے شہنشاہ نے انگلی کے اشارے سے چاند چیر دیا وغیرہ وغیرہ۔ (8) حضور علیہ السلام صفات انبیاء کے جامع ہیں کہ ہر نبی کے کمالات آپ میں موجود ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **اولئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ** نہ تو اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اے محبوب آپ اصول دین میں سارے پیغمبروں کی پیروی کیجئے کہ اصول دین میں تقلید ناجائز ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ آپ فروع دین میں ان کی اطاعت کریں کیونکہ آپ کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہے یہ ہی مطلب ہے کہ آپ ان سب کے اخلاق سے متصف ہو جائیے۔ (9) سارے پیغمبر خاص خاص جماعتوں کی طرف آئے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساری خلق کے لئے نبی ہوئے کہ فرمایا گیا **وما ارسلنک الا کافۃ للناس** اور فرمایا گیا **لیکون للعلمین نذیرا** اور جس کا رقبہ سلطنت بڑا وہ سلطان بھی عظیم الشان۔ خیال رہے کہ آدم و نوح علیہما السلام ساری خلق کے نبی نہ تھے بلکہ اس وقت انسان تھوڑے ہی تھے۔ اس وجہ سے ان تھوڑے انسانوں کے نبی ہوئے۔ (10) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام دینوں سے افضل کہ وہ سب کا ناسخ ہے لہٰذا حضور بھی سارے پیغمبروں سے افضل۔ (11) حضور کی امت ساری امتوں سے افضل رب نے فرمایا **کنتم خیر امۃ** حضور کی بیویاں تمام عورتوں سے افضل رب نے فرمایا **یا نساء النبی لستن کاحد من النساء** حضور بھی سارے پیغمبروں سے

افضل جن کے دم سے یہ ساری بہار ہے۔ (12) حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں آدم وماسواہ آدم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ آپ ہی اولاد آدم کے سردار ہیں۔ آپ ہی جنت میں سب پیغمبروں سے پہلے تشریف لے جائیں گے۔ آپ کی امت سب امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی۔ سب سے پہلے قیامت میں آپ ہی اٹھیں گے۔ جب سب خاموش ہوں گے۔ تو آپ ہی رب سے کلام فرمائیں گے۔ آپ ہی کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔ آپ ہی کو حبیب اللہ کا خطاب ملا۔ آپ ہی شفیع المذنبین ہیں آپ ہی اولین آخرین کے سردار ہیں۔ حضور ہی کو معراج کرائی گئی۔ حضور ہی نے معراج کی شب تمام نبیوں کی امامت کی حضور ہی نے رب کو بلا حجاب دیکھا اور بلا حجاب رب تعالیٰ سے کلام کیا۔ یہ عظمتیں حضور کے سوا کسی کو نہیں ملیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولقد راٰہ نزلۃ اخری عند سدرۃ المنتھی** اور فرماتا ہے **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** دیدار الٰہی کی بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ فرمائیں۔ نیز اس آیت میں حضور کی بلندی درجات بغیر کسی قید کے مطلق ارشاد ہوئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ امکانی درجہ جو کسی بندہ کو دیا جاسکتا ہے۔ وہ حضور انور کو عطا فرمادیا گیا۔ حضور انور عبدیت کے اعلیٰ درجہ پر ہیں ایمان، تقویٰ، ولایت، قطبیت، غوثیت، قرب الٰہی وغیرہ تمام درجے حضور کی منزلیں تھیں۔ جنہیں طے فرماتے ہوئے سرکار اعلیٰ درجہ پر پہنچے۔ جس کے اوپر کوئی درجہ نہیں۔ شعر

جو ہوتی خدائی بھی تحت مشیت   خدا بن کے آتا ہو وہ بندہ خدا کا

(13) حضور فرماتے ہیں کہ چند چیزوں سے ہمیں بزرگی دی گئی۔ (14) سارے عالم کے ہم نبی ہیں۔ (15) ساری زمین ہمارے لئے مسجد اور طہارت گاہ ہے۔ (16) ایک مہینہ کی راہ سے ہمارا رعب قائم کیا گیا۔ (17) ہمارے ہی لئے غنیمتیں حلال ہوئیں۔ (18) ہم ہی کو شفاعت کبریٰ عطا ہوئی (19) ہم ہی پر نبی ختم کئے گئے کہ ہمارے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔ (20) قاعدہ ہے کہ جتنی بڑی سلطنت اتنا ہی زیادہ سلطان کا خزانہ لشکر اور علم اور انتظام کی قابلیت بڑھ کر۔ آدم علیہ السلام کو علم اسماء عطا ہوا۔ سلیمان علیہ السلام کو جانوروں کی بولیاں بتائی گئیں۔ حالانکہ ان کا رقبہ سلطنت محدود تھا۔ تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرق ومغرب جن وانس کے نبی ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کا علم ومعرفت اور خزانہ حکمت سب سے زائد ہوں۔ اور آپ کو وہ علوم دیئے گئے ہوں جو کسی کو نہ ملے۔ اسی لئے رب نے فرمایا **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** اور ظاہر ہے کہ جس کا علم زیادہ اس کا درجہ زیادہ (تفسیر کبیر) (21) حضور علیہ السلام قصر نبوت کی آخری اینٹ اور چمن نبوت کی آخری بہار اور گلشن رسالت کا آخری اور بہترین پھول ہیں یہ خوبیاں کسی پیغمبر کو نہ ملیں۔ غرضیکہ آپ بے مثل خدا کے بے مثل بندے ہیں۔ **صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ وبارک وسلم**۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** : سارے پیغمبر اصل نبوت میں یکساں ہیں جو کوئی بعض کی نبوت اصلی اور بعض کی عارضی یا بروزی یا ظلی مانے وہ کافر ہے جیسے قادیانی اور دیوبندی جیسا کہ **تلک الرسل** سے معلوم ہوا۔ نیز رب فرماتا ہے **لا نفرق بین احد من رسلہ**
دوسرا فائدہ: انبیاء کرام درجات میں یکساں نہیں۔ جو سب کا درجہ یکساں مانے وہ اس آیت کا منکر ہے اور بے دین ہے۔
تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہیں۔ ان کا منکر بے دین ہے۔ جیسا کہ **ورفع بعضھم درجات** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: رب نے بعض پیغمبروں سے بلاواسطہ کلام فرمایا جیسا کہ **من کلم اللہ** سے معلوم ہوا اس کا

منکر بے دین ہے **پانچواں فائدہ:** یہ کہنا درست ہے کہ بعض نبی بعض سے افضل ہیں۔ مگر یہ کہنا حرام ہے کہ بعض پیغمبر بعض سے کمتر کہ اس میں نبی کی توہین ہے دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ بعض کو بعض نبی سے افضل کیا یہ نہ فرمایا کہ بعض سے کمتر کیا **چھٹا فائدہ:** بزرگان دین سے امداد لینا برحق ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی حضرت جبریل کے ذریعہ مدد کی۔ حضرت جبریل مدد کرسکتے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** اگر بزرگوں کی بعض جہلا حد سے زیادہ تعظیم کریں اور انہیں خدا بھی کہہ دیں تو تم بزرگوں کو برا نہ کہو۔ ان کی تردید کرو۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائیوں نے خدا کہہ دیا مگر رب تعالیٰ نے ان کی تعریف ہی فرمائی۔ عیسائیوں کی تردید ہی کی۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کے درجے مختلف ہیں کہ بعض سے بعض افضل ہیں۔ مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے نبی یکساں ہیں ان میں کوئی فرق نہیں **لا نفرق بین احد من رسلہ** نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے یونس علیہ السلام پر بھی فضیلت مت دو۔ یا موسیٰ علیہ السلام سے افضل نہ کہو۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** آیت **لا نفرق** کے چند مطلب ہیں ایک یہ کہ ہم یہود و نصاریٰ کی طرح انبیاء کرام پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کریں۔ بلکہ سب پر ایمان لاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم نفس نبوت میں فرق نہیں کرتے کہ دیوبندیوں قادیانیوں کی طرح بعض کی نبوت اصلی اور بعض کی عارضی مانیں۔ بلکہ اس میں سب کو یکساں مانتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم انبیاء میں اس طرح فرق نہیں کرتے کہ بعض کی توہین ہو جائے بلکہ سب کا احترام کرتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ انبیاء کرام میں اپنی رائے سے فرق نہیں کرتے۔ رب کے دیئے ہوئے درجات کو مانتے ہیں یہ ہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ تم ہمیں یونس یا موسیٰ علیہ السلام پر اس طرح فضیلت نہ دو کہ ان کی توہین ہو جائے۔ لہذا آیتیں اور احادیث مطابق ہیں۔

لطیفہ : اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے سامنے کسی نعت خواں نے پڑھا۔ شان یوسف جو دبی وہ بھی یہیں آ کے دبی" فرمایا یوں نہ کہو کہ "شان یوسف جو بڑھی وہ بھی اسی در سے بڑھی" حضور سے بلندیاں ملتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمام انبیاء نبوت میں یکساں ہیں۔ کوئی نبی عارضی نہیں۔ مگر امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔ شعر

فانہ شمس فضل ہم کواکبہا　　یظہرن انوارہا للناس فی الظلم

دوسرا اعتراض: کہ حضور آپ تو بزرگی کا سورج ہیں اور دیگر انبیاء تارے معلوم ہوا کہ حضور اصلی نبی ہیں باقی رسول عارضی ہیں۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اس شعر میں نبوت کا ذکر نہیں۔ بلکہ فضل کی بزرگی کا ذکر ہے۔ یعنی دیگر انبیاء کرام نے آپ کے ذریعہ بزرگیاں لیں۔ جیسے تاروں نے سورج کے ذریعہ نور لیا۔ رہی نبوت وہ تمام میں یکساں۔ دوسرے یہ کہ اس شعر میں اصلیت و عارضی کا ذکر نہیں۔ بلکہ توسل و وساطت کا ذکر ہے۔ یعنی آپ کے توسل سے نبیوں کو نبوت ملی۔ مگر ملی اصلی ہی نہ کہ عارضی چنانچہ تاروں نے اگرچہ سورج ہی سے نور لیا۔ مگر وہ سب اصلی منور ہیں۔ ذروں اور آئینوں کی طرح عارضی نورانی نہیں۔ کسی کو ہم نے اپنا مکان رہنے کو عارضی طور پر دیا یہ شخص وہاں عارضی طور پر ہے دوسرے کو ہم نے مکان کا مستقل مالک بنا دیا۔ وہ مکان کا اصل مالک بن گیا۔ مگر ہمارے دینے سے۔ انبیاء کرام قصر نبوت کے اصلی مالک ہی ہیں مگر حضور کی عطا سے کہ اللہ معطی ہے۔ حضور قاسم۔ **تیسرا اعتراض:** بعض انبیاء کرام کے معجزات حضور کے معجزات سے کہیں بڑھ

کریں۔(۱) آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے سجدہ کیا نہ کہ حضور علیہ السلام کو۔ ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہوئی نہ کہ حضور علیہ السلام پر۔ موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا ملا نہ کہ حضور علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا نرم ہوا نہ کہ حضور علیہ السلام کے قبضہ میں۔ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے نہ کہ حضور علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کئے۔ بیماروں کو شفا بخشی نہ کہ حضور علیہ السلام نے۔ ان کا لقب کلمۃ اللہ ہے نہ کہ حضور علیہ السلام کا لہٰذا یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوئے۔ جواب: اس قسم کے اعتراضات کے دو جواب ہیں۔ ایک اجمالی دوسرا تفصیلی۔ اجمالی تو یہ ہے کہ یہ خصوصی فضیلتیں ہیں اور حضور علیہ السلام کو فضیلت کلی حاصل ہے۔ اگر بادشاہ کسی جرنیل کو کوئی خاص تمغہ عنایت فرمائے تو اگرچہ یہ تمغہ وزیر اعظم کو نہ ملا مگر درجہ اسی کا بڑا ہے اور قرب اسی کو زیادہ۔ جواب تفصیلی یہ ہے کہ آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ ہونے کی وجہ سے حضور علیہ السلام سے افضل نہ ہوئے۔ کیونکہ قیامت میں حضور ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ نیز حضور علیہ السلام اس وقت نبی تھے جب حضرت آدم آب و گل میں جلوہ گر تھے۔ نیز معراج کی رات جبریل امین نے براق مصطفیٰ کی رکاب تھامی سارے ملائکہ حضور علیہ السلام کو جھرمٹ میں لے کر دولہا بنا کر لے گئے یہ سجدے سے کہیں بڑھ کر ہے نیز سارے فرشتے اور خود رب حضور پر ہمیشہ درود بھیجتے ہیں۔ سجدہ ایک وقت خاص میں ہوا اور صرف ملائکہ نے کیا۔ مگر یہ درود قیامت تک جاری ہے نیز اس سجدہ کا انتظام ملائکہ نے کیا اور اس صلوٰۃ کا انتظام خود رب نے نیز ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا باغ بننا بھی اسی لئے ہوا کہ ان کی پیشانی میں نور محمدی تھا۔ (کبیر) (2) نیز حضور کے غلاموں پر دوزخ کی آگ گلزار ہو جائے گی۔ بلکہ پکارے گی کہ خدایا ان کو جلد یہاں سے نکال حضور علیہ السلام کے لئے پتھر نرم ہوئے۔ نیز سارے وحوش و طیور حضور کے قبضہ میں بھی تھے۔ ایک بار استنجا کی ضرورت ہوئی تو درختوں کو حکم دیا گیا وہ مل گئے۔ اشارے سے ڈوبا ہوا سورج واپس ہوا۔ چودہویں رات کا چاند پھٹا۔ اشارہ ابرو پر بادل آکر برسا۔ دوسرا اشارہ پاکر کھل گیا۔ معلوم ہوا کہ جن و انس تو کیا چاند و سورج بھی قبضہ میں ہیں جیسا کہ حدیث پڑھنے والوں پر مخفی نہیں نیز حضور علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی رب کو سجدہ کیا اور امت کی شفاعت فرمائی۔ دیکھو مدارج النبوت و شفا شریف چھ دن کے بچے نے آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھا اپنے والدین ماجدین کو ان کی وفات کے بعد زندہ فرما کر انہیں کلمہ پڑھا کر اپنا صحابی بنایا جابر کے ذبح شدہ بچوں کو زندہ فرما کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن کا مطالعہ فرمائیں۔ ایک دفعہ صدیق اکبر کو اندھیری رات میں ایک لاٹھی عطا فرمائی۔ جس نے اندھیرے میں گیس کا کام دیا۔ عمر فاروق نے اپنی لکڑی اس سے مس کی تو اس میں بھی روشنی پیدا ہو گئی حضور کے دندان مبارک کی روشنی میں گمی ہوئی چیز تلاش کی جاتی تھی۔ شعر

سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے تیرے شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

مولانا جامی نے کیا خوب فرمایا۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اگر عیسیٰ علیہ السلام اس عالم میں بغیر باپ پیدا ہوئے۔ تو نور محمدی عالم انوار میں بلاواسطہ پیدا ہوا اور تمام مخلوق آپ کے واسطے سے خود فرماتے ہیں انا نور من نور اللہ و کل الخلائق من نوری نیز اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوبیت تمام محبوبوں سے اعلیٰ عطا فرمائی کہ تمام حسینوں پر انسان فریفتہ ہوئے حضور پر جن و انس جانور بلکہ فرشتے بھی فدا کہ

لکڑیاں اور جانور بھی حضور کے فراق میں روتے دیکھے گئے۔ نیز اور حسینوں کو دیکھنے والے ہزاروں مگر ان کا عاشق صرف ایک دیگر آج حضور کو دیکھنے والا کوئی نہیں مگر عاشق لاکھوں۔ نیز تمام محبوبوں کی محبوبیت کو فنا ہے مگر حضور انور کی محبوبیت ابد الآباد تک باقی ہے۔ آج حسن یوسفی کا عاشق کوئی نہیں ملتا۔ مگر حسن محمدی کے عاشقوں کی انتہا نہیں۔ محبوبیت بھی درجات میں سے ایک عظیم الشان درجہ ہے۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا **والقیت علیک محبۃ منی**۔ **چوتھا اعتراض:**

رب سے ہم کلام ہونے میں فضیلت نہیں شیطان نے بھی خدا سے کلام کیا۔ (آریہ) **جواب:** موسیٰ علیہ السلام سے کلام بلاواسطہ ہوا اور شیطان سے بالواسطہ نیز ان سے محبت کا کلام تھا اور ابلیس سے غضب کا بادشاہ وزراء سے بھی کلام فرماتا ہے اور مجرمین سے بھی مگر ان کلاموں میں فرق ہے۔ **پانچواں اعتراض:** **تلک الرسل** میں سارے پیغمبر آگئے تھے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کا علیحدہ ذکر کیوں فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصیت سے نام کیوں لیا؟ **جواب:** اس لئے کہ مدینہ منورہ میں یہودی اور عیسائی ہی تھے۔ دیگر پیغمبروں کی امتیں نہ تھیں۔ نیز یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے سخت دشمن تھے کہ ان جناب کی نبوت کے انکاری تھے اور حضرت بتول مریم کو بہتان لگاتے تھے اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا اور ہم کو سکھایا گیا کہ ہمیشہ حضرات انبیاء و اولیاء کے دشمنوں کو منہ توڑ جواب دیا کرو اور ان بزرگوں کی حمایت کیا کرو۔ ان کی حمایت سنت الہیہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: انبیاء کرام صفات الٰہی کے مظہر ہیں اور صفات الٰہی تو مختلف لہٰذا ان کی شانیں بھی مختلف۔ نیز رب تعالیٰ کی بعض صفات بعض پر غالب ہیں۔ **سبقت رحمتی علی غضبی** اس لئے بعضے انبیاء بعض سے افضل ہیں۔ جمالی پیغمبر مثلاً ابراہیم علیہ السلام جلالی نبی (موسیٰ علیہ السلام) سے افضل اور چونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات ہیں لہٰذا ان سب سے افضل اسی طرح اولیاء اللہ انبیاء کے قدم پر ہیں اور انبیاء کی شانیں مختلف لہٰذا ان کے درجات بھی جدا گانہ ولایت عیسوی والے تارک الدنیا ولایت موسوی والے جلالی ہوتے ہیں۔ ولایت سلیمانی والے بہت شان و شوکت کے مالک ہوتے ہیں اور ولایت محمدی والے جامع صفات اور تمام اولیاء اللہ سے افضل ہوتے ہیں۔ حضور غوث الثقلین محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ شعر

وکل ولی لہ قدم ولی علی قدم النبی بدر الکمل

اس کی تحقیق پہلے بھی کی جاچکی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ساری مخلوق کا یہی حال ہے۔ نہ سب فرشتے برابر نہ عالم کی دیگر چیزیں مساوی۔

دوسری تفسیر: گروہ انبیاء نورانی جماعت ہے نور کی تجلیات مختلف لہٰذا ان کے درجات بھی متفاوت بلکہ (علم) نور ذات کی چمک ہے۔ نبی کا جس قدر علم زیادہ اتنا ہی درجہ بلند حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں آدم علیہ السلام کو پہلے آسمان پر یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو دوسرے پر یوسف علیہ السلام کو تیسرے پر ادریس علیہ السلام کو چوتھے پر حضرت ہارون کو پانچویں پر موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے اور ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر ملاحظہ فرمایا۔ اس کی یہی وجہ تھی اور خود سدرۃ المنتہیٰ سے ہوتے ہوئے عرش سے گزرتے ہوئے قاب قوسین او ادنیٰ تک پہنچے۔ جہاں نہ مکان تھا نہ امکان کیونکہ آپ علم میں سب سے افضل اور آپ کی نورانیت سب سے اعلیٰ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نور وحدانیت ظلمت انسانیت پر اتنا غالب ہوا کہ وہ ظلمت تجلی صفات

جمال و جلال میں فنا ہو گئی۔ اسی لئے رب نے انہیں مبین نور فرمایا قد جاء کم من اللہ نور اور ظاہر ہے کہ زینہ کی سیڑھیاں عمارت کی بلندی کے بقدر ہوتی ہیں۔ جتنی عمارت اونچی زینہ بھی اتنا ہی دراز (روح البیان) بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کے درجات تک نہ کسی کا وہم پہنچے نہ گمان نہ قیاس بس یہ ہی کہتے بن پڑے گی۔ کہ ورفع بعضھم درجت بعض نادان لوگ تمام اولیاء اللہ کو یکساں رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ بیوقوف ہیں۔ جب صفات الٰہیہ اور حضرات انبیاء کرام یکساں نہیں تو مظہر انبیاء یعنی اولیاء اللہ یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ولی وہ جو تارک الدنیا ہو ولایت و دولت جمع نہیں ہو سکتی۔ وہ بے وقوف ہیں۔ دیکھو حضور غوث پاک بڑے غنی تھے مگر ولی تھے۔ بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام تو نبی تھے مگر دولت و مملکت والے تھے۔ ہاں یہ درست ہے کہ ولی کے دل میں دنیا نہیں رہتی وہ دنیا میں رہتا ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل امین تمام فرشتوں سے افضل ہیں کیوں؟ اس لئے کہ یہ حضرات انبیاء کرام کے خادم خاص ہیں اور وحی لانے والے۔ جب حضرات انبیاء اور وحی الٰہی کی خدمت کرنے والا فرشتہ تمام فرشتوں سے افضل ہے تو حضرات صحابہ کرام تمام مسلمانوں سے افضل کیونکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا موقع ملا۔ پھر صحابہ میں خلفاء راشدین پھر ان میں حضرت ابوبکر صدیق بعد از انبیاء تمام خلق سے افضل ہیں کہ ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ درجہ کی خدمت کی۔ جب قرآن کی اور کعبہ کا غلاف یوسف علیہ السلام کی قمیض سب سے اعلیٰ تو حضرت صدیق کا زانو عائشہ صدیقہ کی گود میں نور نے آرام فرمایا کہ غار میں حضور نے صدیق اکبر کے زانو پر آرام کیا بوقت وفات جناب عائشہ کی گود میں استراحت فرمائی سب سے اعلیٰ ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ
اور اگر چاہتا اللہ تو آپس میں نہ لڑتے وہ لوگ جو ان کے بعد تھے پیچھے سے اس کے کہ آ گئیں ان کے
اور اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے آپس میں نہ لڑتے بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آ چکیں
الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَآءَ
پاس نشانیاں اور لیکن اختلاف کیا انہوں نے پس ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لائے اور ان میں سے وہ ہیں جنہوں
لیکن وہ تو مختلف ہو گئے ان میں کوئی ایمان پر رہا اور کوئی کافر ہو گیا اور اللہ چاہتا تو وہ
اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝
نے کفر کیا اور اگر چاہتا اللہ تو آپس میں نہ لڑتے اور لیکن اللہ کرتا جو چاہتا ہے۔
نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہے کرے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** بہت دور سے جہاد کا ذکر ہو رہا ہے کہ اولاً جہاد کا حکم دیا گیا۔ پھر جہاد میں مال خرچ کرنے کا فرمان دیا۔ پھر گزشتہ امتوں کے جہاد کا واقعہ بیان ہوا۔ اس کے درمیان میں انبیاء کرام کے درجات مذکور ہوئے۔ اب وجہ جہاد بیان ہو رہی ہے کہ چونکہ لوگوں میں دینی اختلاف ہے کہ بعض مومن ہیں بعض

کافر- اور عالم کے نظام کے لئے کفر کو دبانا ضروری ہے- لہٰذا جہاد بھی ضروری ہے **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں بتایا گیا کہ دنیا میں مختلف شان والے پیغمبر آئے جنہوں نے حسب مراتب معجزات دکھائے اور دلائل بیان فرمائے اب فرمایا جارہا ہے کہ سب لوگ کبھی مومن نہ ہوئے- نیک بختوں نے اطاعت کی بد بختوں نے سرکشی کی تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ پر بھی سب ایمان نہ لائیں تو آپ رنجیدہ نہ ہوں- کیونکہ جو کچھ ہو رہا ہے ہمارے ارادہ سے ہو رہا ہے **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ سب نبی ایک درجہ کے نہیں- بعض بڑے بعض بہت بڑے اب فرمایا جارہا ہے کہ عام لوگ بھی یکساں نہیں- بعض سعید ہیں اور بعض شقی اور یہ سب کچھ ہمارے ارادہ سے ہے-

شان نزول : ابن عساکر نے بروایت ضعیف عبداللہ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اور وہاں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے کہ اچانک حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر بارگاہ ہوئے- حضور علیہ السلام نے امیر معاویہ سے پوچھا کہ کیا تم علی سے محبت کرتے ہو- عرض کیا کہ ہاں- فرمایا عنقریب تم میں ان میں جنگ ہوگی- عرض کیا کہ یا حبیب اللہ جنگ کے بعد کیا ہوگا- فرمایا معافی اور رضا امیر معاویہ کہنے لگے **رضینا بقضاء اللہ** تب یہ جملہ نازل ہوا **ولو شاء اللہ ما اقتتلوا** الخ-(در منثور) یعنی اس جنگ کا انجام آپس کی صلح صفائی ہوگی- کہ آخر کار صلح ہو جائے گی- یا بارگاہ الٰہی میں حضرت علی مرتضیٰ کے لئے رضا ہوگی اور امیر معاویہ کے لئے معافی ہوگی- گویا جناب علی کی ڈگری اور امیر معاویہ کی معافی کیونکہ اس جنگ کی بنیاد نفسانیت پر نہیں للہیت پر ہے-

تفسیر : **ولو شاء اللہ- شاء** مشیت سے بنا مشیت اور ارادہ کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں- خیال رہے کہ رضا اور ارادہ میں فرق ہے اسی فرق سے غفلت کی وجہ سے مسئلہ تقدیر اعتراضات پیدا ہوتے ہیں **ما اقتتل الذین من بعدھم- اقتتل** اقتتال سے بنا یہ مقاتلہ کے ہم معنی ہے یعنی آپس میں جنگ کرنا **الذین** سے گزشتہ پیغمبروں کی امتیں مراد ہیں اور **ھم** کا مرجع وہ انبیاء ہیں- یعنی اگر اللہ چاہتا کہ سب لوگ ہدایت پر متفق ہو جائیں تو ان پیغمبروں کی امتیں ان کے بعد کبھی بھی جنگ نہ کرتیں- رب ہی کے ارادے سے ان میں لڑائیاں ہوئیں اور اس ارادے میں صدہا حکمتیں ہیں- **من بعد جاء تھم البینٰت**..... یہ **اقتتل** کے متعلق ہے- **ما** یا موصولہ ہے یا مصدریہ 'بینات' سے انبیاء کرام کے معجزات اور ان کی ہدایت اور دلائل مراد ہیں- یعنی یہ معجزات غلطی سے بچانے ہدایت پر رکھنے کے لئے کافی تھے- ان کے ہوتے ہوئے اختلاف ہونا ہی نہ چاہئے تھا- **ولکن اختلفوا** مگر چونکہ رب نے ان کے متفق نہ رہنے کا ارادہ فرمایا لہٰذا وہ اختلاف کر بیٹھے- یا تو **اختلفوا** کا فاعل گزشتہ امتوں کے کفار اور مومنین ہیں- یا صرف وہ مومنین جن میں سے بعض لوگ بگڑ گئے- یعنی وہ مختلف رہے یا وہ اختلاف کر بیٹھے اور یہ اختلاف نسبی یا رکی نہ تھا- بلکہ دینی کہ **فمنھم من امن ومنھم من کفر**.... اگر **اختلفوا** کا فاعل گزشتہ مومنین ہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض کافر رہے پہلی توجیہ نہایت قوی ہے- **ولو شاء اللہ ما اقتتلوا- اقتتلوا** کا فاعل گزشتہ لوگ ہی ہیں یا تو یہ جملہ پہلے کی تاکید ہے اور یا اس میں بعد کی جنگیں مراد ہیں- یعنی اگر رب چاہتا تو پھر آپس میں نہ لڑتے مگر وہ لڑتے ہی رہے لیکن ہم نے جو در منثور سے ان کا شان نزول نقل کیا- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فاعل حضور کی امت ہے اور اس سے مسلمانوں کی آئندہ جنگیں مراد ہیں- یعنی اے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر رب چاہتا تو آئندہ آپ کے امتی نہ لڑتے۔ مگر چونکہ ارادہ الٰہی ہو چکا۔ لہٰذا ان میں بھی جنگیں ہوں گی۔ ولکن اللہ یفعل ما یرید اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر رب چاہتا تو گزشتہ پیغمبروں کے بعد ان کی امتوں میں جنگ نہ ہوتی۔ کیونکہ ان کے پاس بے شمار معجزات آچکے تھے۔ جو انہیں ہدایت پر رکھنے کے لئے کافی تھے۔ لیکن رب کا ارادہ ہی یہ ہوا کہ ان میں دینی اختلاف پیدا ہوں اور جنگ و جدال بھی واقع ہوں کہ اس میں صدہا حکمتیں ہیں لہٰذا ان میں اختلاف ہوا کہ بعض تو ایمان پر قائم رہے اور بعض کافر ہو گئے اور ان میں سخت جنگیں واقع ہوئیں اور اگر رب چاہتا تو ان لڑائیوں کے بعد بھی ان کی آنکھ کھل جاتی اور وہ لوگ اپنے جانی مالی نقصان کو دیکھ کر پھر نہ لڑتے مگر اللہ جہان کا مالک ہے سب اس کی ملک اس کے ارادے کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دنیا کی ہر اچھی بری چیز ایمان و کفر رب کے ارادے سے ہے کہ رب ہر چیز کا خالق بھی ہے اور اسی کے ارادے سے ہر چیز واقع ہوئی ہے۔ دوسرا فائدہ: جو کہے کہ خیر تو رب کی طرف سے ہے اور سرکشی اور کی طرف سے ہے وہ بے دین ہے جیسے معتزلہ کہ اس صورت میں رب کی سلطنت قائم نہیں رہتی۔

لطیفہ : ایک یہودی ایک معتزلی کے ساتھ کشتی میں سفر کر رہا تھا۔ معتزلی بولا کہ اے یہودی تو مسلمان کیوں نہیں ہوتا اس نے کہا کہ خدا نہیں چاہتا کہ میں مسلمان ہوں میں کیسے ایمان لا سکتا ہوں۔ معتزلی نے کہا کہ خدا تو چاہتا ہے کہ تو ایمان لے آئے مگر شیطان تجھے روکے ہوئے ہے۔ یہودی بولا کہ پھر تو شیطان غالب ہوا۔ خدا مغلوب کہ رب کا چاہا نہ ہوا اور شیطان کا چاہا ہو گیا میں ایسے مغلوب خدا کو نہیں مانتا۔ شیطان ہی کے ساتھ رہوں گا۔ جو خدا پر غالب ہے۔ معتزلی حیران رہ گیا۔ (شرح عقائد)
تیسرا فائدہ: ارادہ اور رضا ایک نہیں ہم کڑوی دوائیں پینے کا ارادہ کرتے ہیں مگر ان سے راضی نہیں حکومتوں کو جرمانے دینے کا ارادہ کرتے ہیں مگر اس سے راضی نہیں۔ چوتھا فائدہ: برائی کا ارادہ برا نہیں بلکہ اس سے راضی ہونا اسے پسند کرنا برا ہے اگر کوئی مجبوراً شراب پی لے یا کلمہ کفر منہ سے نکالے تو گنہگار نہ ہو گا کہ اس نے برائی کا ارادہ تو کیا مگر اسے اچھا نہ سمجھا ہاں اس سے راضی ہونا کفر ہے رب تعالیٰ برائی کا ارادہ فرماتا ہے اس سے راضی نہیں۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جتنی لڑائیاں ہوتی ہیں وہ خدا ہی کی مرضی سے ہوتی ہیں تو کیا وہ خود بھی گناہ کر سکتا ہے۔ ایسا کرنے والا خدا ہی نہیں امن میں خلل ڈالنا کسی اچھے آدمی کا کام نہیں (ستیارتھ پرکاش) جواب:
پنڈت جی کی مرضی اور ہے ارادہ کچھ اور رسالہ ولو شاء اللہ ہے رضی اللہ عنہ نہیں خدا تعالیٰ کسی برائی سے راضی نہیں ہاں اس کے ملک میں جو ہوتا ہے۔ وہ اس کے چاہنے اور ارادے سے ہوتا ہے۔ اگر خدا انسان کو گناہ کرنے کی طاقت نہ دیتا یا اس کے دل میں برائی کا خیال نہ آنے دیتا۔ یا گناہ پیدا ہی نہ کرتا تو کوئی بھی گناہ نہ کر سکتا۔ لوگ اس کی دی ہوئی طاقت سے اسی کے پیدا کئے ہوئے خیال سے اسی کے پیدا کئے ہوئے گناہ کرتے ہیں اگر چھری پیدا نہ ہوتی یا قصائی کے ہاتھ میں طاقت نہ ہوتی یا قصائی کا دل نہ چاہتا تو کبھی تمہاری گاؤ ماتا کو ذبح نہ کرتا۔ بولو پنڈت جی شراب نوشی حرام خوری اور گاؤ ہتیا جو دنیا میں ہو رہی ہے اس کی خدا کو خبر

ہے یا نہیں اگر نہیں تو وہ بے علم ہے خدا کیسا اور اگر ہے تو اسے ان کو روکنے پر قدرت بھی ہے کہ نہیں اگر نہیں تو مجبور ہوا پھر خدا کیسا اور اگر ہے تو اس کے چاہنے سے یہ کام ہوا یا بغیر چاہے اگر بغیر ارادہ ہو گیا۔ تو اس کا جہاں پر پورا قبضہ نہ رہا۔ وہ خدا کیسا اور اگر اس کے ارادے سے ہوا تو یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** برے کام کا ارادہ بھی برا ہے بندہ برے کام کے ارادہ پر پکڑا جاتا ہے۔ تو رب تعالیٰ کا برے کاموں کا ارادہ برا ہونا چاہئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ برائیوں سے پاک ہے۔ **جواب:** نہ برا کام کرنے کا ارادہ برا ہے نہ رب تعالیٰ برائی کرتا ہے نہ برائی کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ بندہ سے برے کام صادر ہونے کا ارادہ برا نہیں۔ سلطان چاہتا ہے کہ میری مملکت کے چھپے بد معاشوں سے ایسے جرم صادر ہو جائیں جن سے ان کی بد معاشی ظاہر ہو جائے اور وہ قانونی شکنجہ کے لائق ہو جائیں۔ یہ ملکی انتظام ہے برا نہیں بعض لوگوں کے دل میں برائی کا تخم ہے۔ ان سے برے کام صادر ہونا ان کی بد معاشی کا ظہور ہے۔ ان ہی اعمال کی بنا پر وہ قانونی گرفت میں آ سکتے ہیں **خیال رہے:** کہ رب تعالیٰ برے بندوں کی توبہ پسند فرماتا ہے اس کا حکم بھی ہے مگر ان برائیوں کے صدور کا ارادہ فرماتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** جبکہ ہمارے کل اچھے برے کام لوح محفوظ پر تحریر ہو چکے اور ان سب کا فیصلہ ہو چکا تو وہ سب کچھ ضرور ہو کر رہے گا پھر اس طے شدہ چیز پر پکڑ دھکڑ کیسی؟ **جواب:** جی ہاں فیصلہ اور تحریر اس طرح ہوئی ہے کہ فلاں بندہ فلاں وقت کام اپنے ارادہ و اختیار سے کرے گا۔ یعنی ہمارے کاموں کی بھی تحریر ہے اور ہمارے ارادوں کی بھی ان ارادوں ہی کی وجہ سے ہم پر جرم و سزا ہے۔ یعنی ہمارا اپنے ارادے سے یہ سب کچھ کر لینا ضروری ہو گیا۔ **چوتھا اعتراض:** رب نے جنگ اور لڑائیوں کا ارادہ ہی کیوں کیا۔ سب کو ہدایت کیوں نہ دے دی۔ **جواب:** اس کا جواب بار بار دیا جا چکا کہ اچھی بری چیزوں سے دنیا قائم ہے اگر برائیاں نہ ہوں تو خوبیوں کی قدر معلوم نہ ہو۔ مدرسوں، مکتبوں اور سلطنتوں کی ضرورت ہی نہ رہے یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کہے رب نے بھوک اور بیماریاں پیدا ہی کیوں کیں اور پھر انسان کی پیدائش ہی کی کیا ضرورت تھی۔ فرشتے ہی کافی تھے۔ وہ سب بے گناہ تھے۔ سو دنیا جوڑ توڑ کا ہی نام ہے۔ اندھیرا اجالے سے بھوک غذا سے، بیماری دوا سے توڑی جاتی ہے۔ سانپ بنایا اسے ہلاک کرنے کے لئے لاٹھی دی۔ اس کا نام دنیا ایسے ہی اچھے آدمی اچھی چیزیں اس لئے پیدا کیں کہ ان سے برے آدمی اور بری چیزیں ہلاک کی جائیں۔ **پانچواں اعتراض:** پھر ہم گناہ کرنے میں مجرم کیوں ہیں ہم جو کچھ کرتے ہیں رب کے ارادہ سے کرتے ہیں۔ ہمارا کیا قصور؟ **جواب:** بعض کام وہ ہیں جن میں ہمارے ارادہ کو کوئی دخل نہیں۔ ان پر سزا و جزا بھی نہیں۔ بعض وہ کام ہیں جن میں ہمارے ارادہ کو دخل ہے اس کی وجہ سے ہم اس کام کے مختار کہلاتے ہیں نہ کہ مجبور اس اختیار کی بنا پر جزا و سزا ہے جیسے ہم ارادۃً "نیکی کر کے جنت کے مستحق ہیں۔ ایسے ہی ارادۃً "گناہ کر کے سزا کے لائق رعشہ میں بھی ہاتھ ہلتا ہے اور ارادہ سے بھی مگر اس جنبش پر پکڑ نہیں۔ اس پر پکڑ ہے۔ **خیال رہے:** کہ ہمارے کام بھی خدا کے ارادے سے ہیں اور ہمارا ارادہ بھی رب کے ارادے سے ہے کہ رب کا ارادہ یہ ہوا کہ بندہ فلاں وقت فلاں کام کا ارادہ کرے۔ اور اپنے اختیار و ارادے سے فلاں کام کرے۔ تو جیسے وہ کام رب کے ارادے سے ہے ایسے ہی اس کام کا ارادہ بھی رب کے ارادے سے ہے ہمارا یہ ارادہ ہم کو مختار اور ہمارے کام کو اختیاری بناتا ہے اور اسی ارادے کے درمیان آ جانے کی وجہ سے بندہ دنیا میں بھی سزا اور جزا کا مستحق بن جاتا ہے اور آخرت میں بھی قتل خطا اور قتل عمد کی سزائیں مختلف ہیں۔ فرق ان میں صرف ارادہ ہی کا ہے۔ انسان اور پتھر میں فرق کا باعث ارادہ ہی ہے معترض اس ارادے کا لحاظ نہیں رکھتا۔ اس لئے شبہ میں پڑ جاتا ہے۔

حکایت : مثنوی شریف میں ہے کہ ایک جبریہ مذہب کا آدمی انگور کے باغ میں گیا اور پھل کھانے لگا اتفاقاً باغ کا مالک آگیا اور بولا کہ میری اجازت کے بغیر پھل کیوں توڑتا ہے وہ بولا خدا کا بندہ خدا کے حکم سے خدا کا پھل کھا رہا ہے۔ میرا اس میں کیا اختیار ہے تو رب سے کہہ کہ تیرے پھل کیوں تڑوا رہا ہے۔ مالک بولا بہت اچھا غلام کو حکم دیا۔ اسے باندھ دو۔ بندھ ہوا کر پیٹنے لگا۔ جبریہ نے شور مچایا۔ مالک نے کہا کیوں چیختا ہے۔ خدا کا بندہ خدا کا ڈنڈا خدا کی رسی میں تجھے خدا کے حکم سے پیٹ رہا ہوں۔ تو اسی سے کہہ کہ مجھے کیوں پٹوا رہا ہے۔ تب جبریہ نے کہا

گفت توبہ کردم از جبر اختیار اختیار است اختیار است اختیار

میں جبر سے توبہ کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ واقعی بندہ کو بھی اختیار ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اے بے وقوف اگر تو کتے کو پتھر مارے تو کتا پتھر کو نہیں کاٹتا تجھے کاٹتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ پتھر مجبور ہے تو مختار بے عقل کتا تجھ میں اور پتھر میں فرق کرتا ہے اگر تو فرق نہ کرے تو کتے سے بھی زیادہ بے وقوف ہے۔

ہدایت : مسئلہ تقدیر میں تین مذہب ہیں۔ جبریہ۔ قدریہ۔ اہل سنت۔ جبریہ بندہ کو پتھر کی طرح مجبور محض مانتے ہیں۔ ان بے وقوفوں کے نزدیک پنکھے اور ہاتھ کی حرکت میں کوئی فرق ہی نہیں ان کے ہاں قلم اور کاتب دونوں یکساں ہیں کہ نہ قلم کو اختیار ہے نہ کاتب کو دونوں خدا کے حکم سے کٹھ پتلی کی طرح چل رہے ہیں۔ قدریہ بندہ کو مختار مطلق مانتے ہیں اور تقدیر کے منکر ہیں ان بے وقوفوں کے نزدیک رب اور بندہ میں کوئی فرق نہیں۔ ہم اہل سنت بندہ کو خلق میں مجبور اور کسب میں، عطاء الٰہی مختار مانتے ہیں۔ خلق کے معنی نیست کو ہست کر دینا۔ معدوم کو وجود بخش دینا۔ یہ صرف رب کا کام ہے۔ فرماتا ہے **خالق کل شئی** اور فرماتا ہے **خلقکم وما تعملون** کسب کے معنی ہیں ہستی کے اسباب کو جمع کر دینا یہ کام بندے کا ہے۔ حلق پر چھری چلانا بندے کا کام ہے۔ پھر جانور کو مردہ کر دینا رب کا کام ہے۔ لہٰذا بندہ ذابح تو ہے مگر ممیت نہیں۔ ممیت یعنی موت دینے والا رب تعالیٰ ہی ہے۔ ہمارے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ ہر کام رب کے ارادے سے ہوتا ہے مگر بعض وہ کام ہیں جن میں بندہ کے ارادہ کو کچھ دخل نہیں جیسے ہماری نبض اور قلب کی حرکت اس پر نہ عذاب نہ ثواب اور بعض وہ کام ہیں جن میں بندہ کے اختیار کو بھی دخل ہے۔ جیسے ہمارے ہاتھ پاؤں وغیرہ کی اختیاری حرکتیں ان پر ثواب و عذاب ہے۔ کوئی شخص مسئلہ تقدیر کا انکار کر کے خدا کو نہیں مان سکتا۔ اس کا عمدہ فیصلہ اسلام نے کیا۔ آج اگر ہم قتل یا چوری کر کے حاکم سے کہیں کہ ہم بے قصور ہیں رب نے کرایا کبھی نہ مانے گا۔

تفسیر صوفیانہ : عالم کی بعض چیزیں ملائکہ یا جنات و انس و جمادات کے واسطہ سے ہیں اور بعض بلا واسطہ مگر سب کچھ رب ہی کی طرف سے ہے یہ نہ سمجھو کہ زہر خود قتل کر دیتا ہے اور پانی اپنے آپ پیاس بجھاتا ہے اور شیطان خود بخود گمراہ کر دیتا ہے۔ بلکہ یہ سب اسباب ہیں اور خالق کے زیر فرمان جاہل سمجھتا ہے کہ قلم نے لکھا مگر عاقل جانتا ہے کہ قلم والے نے لکھا۔ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ قلم والا حکم دے رہا ہے مگر عارف جانتا ہے کہ قلم تو کاتب کے ہاتھ میں ہے اور کاتب خالق کے قبضہ میں۔ شعر

گرچہ تیر از کمان ہے گذرد از کماندار بیند اہل خرد

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیوی اسباب مظہر اسماء الٰہی ہیں۔ سورج اسم حی کا مظہر ہے۔ زہرہ مرید کا عطارد مسقط کا۔ مریخ قادر کا اور مشتری علیم کا زحل جولو کا۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ اصول اسماء چار ہیں۔ حیات، علم، قدرت اور ارادہ اسرافیل مظہر حیات ہیں اور جبریل مظہر علم و قول۔ اسی لئے انہیں روح القدس اور روح الامین کہتے ہیں اور وہ حامل وحی ہیں۔ اور میکائیل مظہر ارادہ جس میں جود شامل ہے۔ اس لئے وہ رزق پر مقرر ہیں اور عزرائیل مظہر قدرت اسی لئے وہ جابرو متکبرین کو موت دے کر ذلیل کرتے ہیں (روح البیان) انسان میں خیر و شر دونوں قوتیں ہیں۔ خیر کا مرکز قلب اور شر کا مرکز نفس امارہ ہے شیطان اور برے ساتھی شر کو قوت دیتے ہیں اور انبیاء کرام اور مقررہ فرشتہ خیر کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ ان میں آپس میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے۔ اگر رب چاہتا تو یہ کچھ نہ ہوتا **ولکن اللہ یفعل ما یرید** صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کی عطا میں فرق نہیں اور نہ جنات میں تفریق ہے وہ سب کے پاس پہنچیں اور نبیوں نے سب پر جودو کرم کیا۔ مگر لوگوں کے اخذ میں فرق ہے کسی کو فیض حاصل کرنے کی توفیق ہے۔ کسی کو نہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **ولکن اختلفوا** سورج کی روشنی اور شعاعوں کی پہنچ ہر جگہ ہے مگر چمگادڑ میں یہ نور لینے کی توفیق نہیں اور لینے والے اپنی حیثیت کے مطابق فیض لیتے ہیں۔ اگر رب چاہتا تو سب کو یہ توفیق بخش دیتا مگر یہ حکمت خلق کے خلاف ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَنفِقُوا۟ مِمَّا رَزَقْنَٰكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِىَ يَوْمٌ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے خرچ کرو اس میں سے جو دیا ہم نے تم کو پہلے سے اس کے کہ آئے وہ دن کہ نہیں
اے ایمان والو اللہ کی راہ میں ہمارے دیئے میں سے خرچ کرو وہ دن آنے سے پہلے جس میں
لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَٰعَةٌ ۗ وَٱلْكَٰفِرُونَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٢٥٤﴾
ہے تجارت بیچ اس کے اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور کفار ہی ظالم ہیں۔
نہ خرید و فروخت ہے نہ کافروں کے لئے دوستی اور نہ شفاعت اور کافر خود ہی ظالم ہیں۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** بہت دور سے جہاد کا ذکر چلا آرہا ہے جس میں جان و مال خرچ کرنے پڑتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں نفس پر گراں ہیں لہٰذا جانی قربانی کے بعد اب مالی قربانی کا حکم دیا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں ہمیشہ دینی اختلاف رہے گا جس کی وجہ سے ان میں ہمیشہ جنگ ہوتی رہے گی۔ اب مسلمانوں کو جہاد کفار کے لئے تیار کیا جارہا ہے۔ کہ اپنا مال خرچ کرکے ان کے مقابلہ کی تیاری کرو۔

تفسیر : یا یہا الذین امنوا ...... چونکہ اس آیت میں عمل یعنی صدقہ کا حکم دیا جارہا ہے اور کوئی نیکی بغیر ایمان قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے انہیں۔ صفت ایمان پکارا اعمال میں بدنی اعمال کے بعد مالی اعمال کا درجہ ہے۔ مال کمانا سب جانتے ہیں مگر

خرچ کرنا کوئی کوئی جانتا ہے اور جسے خرچ کرنا آگیا اس نے دین و دنیا کی بھلائی جمع کرلی۔ حضرت صدیق اکبر و عثمان غنی خرچ کی برکت سے بڑے درجات لے گئے۔ اس لئے رب نے بہت اہتمام سے مسلمانوں کو پکار کر خرچ کا حکم دیا۔ نیز اچھے القاب سے سننے والے کو خوشی ہوتی ہے اور بولنے والے کا کرم ظاہر ہوتا ہے اسی لئے فرمایا گیا کہ اے وہ لوگو جو رب پر ایمان لاچکے۔ خیال رہے: کہ پکارنا کبھی سوتے کو جگانے کے لئے ہوتا ہے کبھی غافل کو متوجہ کرنے کے لئے کبھی اظہار کرم کے لئے کبھی اظہار غضب کے لئے کبھی کچھ مانگنے کے لئے یہاں یہ نداء یا غافلوں کو متوجہ کرنے کے لئے یا اظہار کرم کے لئے اور جیسے رب تعالیٰ نے تمام انبیاء کو نام سے پکارا مگر ہمارے حضور کو خصوصی صفات سے۔ ایسے دوسری قوموں کو ان کے خاندانی ناموں سے پکارا مگر محبوب کی امت کو صفت ایمان سے۔ دوسروں سے فرمایا یابنی اسرائیل اور ہم کو پکارا **یا یھا الذین امنوا** یہ نہ فرمایا اے پٹھانو۔ اے شیخو وغیرہ کہ رب کے نزدیک ایمان اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ جسے یہ نعمت ملی اسے سب کچھ مل گیا **انفقوا** یہ انفاق سے بنا جس کا مادہ نفق ہے بمعنی بکھرنا۔ پراگندہ ہونا۔ اس کی پوری تحقیق سورہ بقر کے شروع میں **ینفقون**: کی تحت میں ہو چکی اگر اس سے زکوۃ مراد ہے تو یہ امر وجوبی ہے اور اگر دیگر صدقات مقصود ہیں تو استحبابی اور اگر جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے تو یہ امر مطلق ہے۔ کیونکہ حاجت کے وقت جہاد میں خرچ کرنا فرض ہے۔ ورنہ مستحب نیز اگر اس سے زکوۃ مراد ہے تو صرف مالداروں سے خطاب ہے۔ ورنہ عام غرباء سے بھی کہ ان پر بھی اہل و عیال کا نفقہ واجب دیگر نفلی صدقات و خیرات مستحب غرضیکہ **انفقوا** میں تین چار احتمال ہیں اور ہر احتمال کے ماتحت صدہا مسائل ہیں۔ صدقات واجبہ میں خرچ کرنا صدقات مستحبہ میں خرچ کرنا' جہاد میں خرچ کرنا' اپنے نفس و اہل و عیال پر خرچ کرنا۔ اس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے احکام ہیں۔ منکرین حدیث اس **انفقوا** کی تفسیر ہرگز نہیں کرسکتے **مما رزقنکم**' **انفقوا** کے متعلق ہے۔ **من تبعیضیہ** اور موصولہ ہے۔ **رزقنا**۔ رزق سے بنا ہے بمعنی حصہ و عطیہ یعنی ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے کچھ حصہ خرچ کرو۔ خیال رہے کہ مال بالکل خرچ نہ کرنا نہ اپنے پر اور نہ دوسروں پر امساک ہے اور اپنے پر خرچ کرنا دوسروں پر نہ کرنا بخل ہے۔ یہ دونوں عیب برے ہیں۔ خود بھی کھانا دوسروں کو بھی کھلانا سخاوت ہے خود نہ کھانا دوسروں کو کھلانا جود ہے۔ یہ اعلیٰ درجہ کی صفات ہیں۔ یہاں انفاق سے مراد سخاوت ہے ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے اور ناجائز مقام پر خرچ کرنا تبذیر یہ بدترین عیوب ہیں۔ رب نے بخل و امساک سے بھی منع فرمایا اور اسراف و تبذیر سے بھی۔ بلکہ درمیانی حالت میں انفاق کا حکم دیا **من قبل ان یاتی یوم** جار مجرور **انفقوا** کے متعلق ہے اور یوم سے قیامت مراد ہے نہ کہ انسان کی موت کا دن۔ کیونکہ مسلمان کی موت کے بعد بھی ثواب پہنچتے رہتے ہیں۔ بعض ثواب تو اپنے اعمال کے جیسے صدقہ جاریہ کے ذریعہ اور بعض ثواب لوگوں کے عطا کئے ہوئے۔ جیسے ختم ممات اور ایصال ثواب کے ثواب یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا۔ مگر قیامت کا دن وہ ہوگا جس میں یہ سارے سلسلے بھی منقطع ہو جائیں گے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اے مسلمانوں قیامت آنے سے پہلے صدقات و خیرات کرلو۔ خواہ وہ صدقات تمہیں صرف زندگی میں ہی مفید ہوں یا بعد موت بھی ان کا ثواب تمہیں پہنچتا رہے یوم بمعنی وقت بھی آتا ہے اور بمعنی دن بھی۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے کیونکہ اس دن سورج طلوع ہوگا۔ لہٰذا وہ دن ہوگا نہ کہ رات **لا بیع فیہ**۔ بیع کے معنی مبادلہ مال بالمال ہیں۔ یعنی تجارتی لین دین۔ کبھی فدیہ کو بھی مجازاً "بیع کہتے ہیں۔ یہاں اگر حقیقی معنی مراد ہوں تو یہ حکم مومن کافر سب کے لئے ہے کہ وہاں کوئی بھی مال سے اعمال نہیں خرید سکتا اور اگر فدیہ مراد ہو جیسا کہ دوسری

آیت میں فرمایا **فالیوم لا یوخذ منکم فدیۃ** تو اس میں کفار سے خطاب کیونکہ وہاں انشاء اللہ مسلمانوں کا فدیہ کفار ہوں گے جیسا حدیث میں وارد ہے۔ ہاں فدیہ مالی مومن کے لئے بھی نہ ہو گا **ولا خلۃ** یہ لفظ خلل سے بنا بمعنی کشادگی ودوستی خلت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دل کے وسط میں ہوتی ہے۔ یا اس لئے کہ وہ دل میں گھس جاتی ہے۔ محبت کو بھی اسی لئے محبت کہتے ہیں کہ وہ **حبۃ القلب**۔ یعنی قلب کے سیاہ دانہ میں ہوتی ہے۔ خلۃ سے خلیل اور حب سے حبیب مشتق ہے یہ نفی خاص کفار کے لئے ہے کہ مسلمانوں کی دوستیاں وہاں کام آئیں گی۔ رب فرماتا ہے۔ **الا خلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقین**۔ **ولا شفاعۃ** یہ شفع سے بنا بمعنی جوڑا اسی لئے طاق عدد کو فرد اور جفت کو شفع کہتے ہیں۔ سفارش کو اسی لئے شفاعت کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے مشفوع اکیلا نہیں رہتا۔ شفاعت کی نفی بھی کفار ہی کے ساتھ ہے۔ مسلمانوں کی شفاعت ہوگی۔ رب فرماتا ہے۔ **فما تنفعهم شفاعۃ الشافعین** یہ ہی بتانے کے لئے فرمایا جارہا ہے **والکفرون هم الظلمون** کافر ہی ظالم ہیں۔ کافر بمعنی منکر ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہاں منکر زکوۃ مراد ہو۔ اسی لئے روح البیان نے اس کی تفسیر میں فرمایا **ای التارکون للزکوۃ**۔ **هم** حصر کے لئے اور **الظلمین** کا الف لام عہدی ہے یہ لفظ **ظلم** سے بنا جس کے معنی ہیں کسی چیز کو غیر محل میں خرچ کرنا یا مالک کی بلا اجازت صرف کرنا کبھی منع کرنے کو بھی ظلم کہہ دیتے ہیں جیسے **اتت اکلها ولم تظلم منه شیا** (کبیر) یعنی کافر ہی اپنے نفس یا مساکین پر ظلم کرتے ہیں۔ یا کافر ہی بخیل ہوتے ہیں۔ خیال رہے: کہ کافر کو دو وجہ سے ظالم فرمایا گیا۔ ایک یہ کہ عالم کی ساری چیزیں اللہ کی ہیں اور انسان اللہ کے بندے' فرمانبردار بندے کو مالک کی چیزیں استعمال کرنے کا حق ہوتا ہے۔ نافرمان کو حق نہیں ہوتا کافر نافرمان بندہ ہے اس کا اللہ کی چیزوں کو استعمال کرنا ناحق ہے اور کسی کی چیز ناحق خرچ کرنا ظلم ہے۔ دوسرے اس لئے برات کی دعوت کھانے کا اس کو حق ہے جو دولہا سے تعلق رکھتا ہے۔ تعلق نہ رکھنے والا چور بن کر کھاتا ہے۔ مہمان بن کر نہیں۔ عالم برات ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دولہا۔ مسلمان بندے غلام ہیں۔ کفار ان کے دشمن لہذا کفار جو کچھ کھا رہے ہیں وہ چور بن کر ظلماً کھا رہے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے ایمان والو ہماری دی ہوئی نعمتوں میں سے حسب موقعہ خرچ کرو اور اس دن سے پہلے خیرات کر لو جس میں نہ تجارت ہوگی کہ کچھ کما کر خیرات کر دیا کسی سے اعمال خرید کر نامہ اعمال بھر لو اور منکرین زکوۃ یعنی کفار کے لئے کسی کی دوستی بھی کام نہ آئے گی۔ جس کا وہ یہاں بھروسہ کئے بیٹھے ہیں اور نہ انہیں کسی کی سفارش ہو اور بخیل کافر تو بڑے ہی ظالم ہیں کہ فقراء کا حق مار کر ان پر ظلم کرتے ہیں شرک' کفر کر کے اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ غیر اذن خداوندی مال خرچ کر کے اپنے پر ظلم کرتے ہیں خیال رہے: کہ دنیوی مقدمات میں تین ہی چیزوں سے کام لیا جاتا ہے۔ رشوت' دوستی' سفارش' حاکم کی مٹھی گرم کر دی چھوٹ گئے حاکم کے ساتھ دوستی ہے اس نے رعایت کر دی۔ حاکم کے پاس کوئی زبردست سفارش پہنچی۔ جس سے جرم معاف ہو گیا۔ یہاں ان تینوں کی نفی فرما کر بتا دیا گیا کہ وہاں کوئی حیلہ کارگر نہ ہو گا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: شفاعت اور محبت کا کام نہ آنا کفار کے لئے ہے۔ جیسا کہ **والکفرون** الخ۔ سے معلوم ہوا دوسرا فائدہ: عوام کو سارا مال خیرات نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ بعض جیسا کہ **مما** سے پتہ لگا تیسرا فائدہ: صدقہ حلال مال۔ سے چاہئے نہ کہ حرام مال سے جیسا کہ **رزقنا** میں رزق کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت دینے

سے معلوم ہوا کیونکہ اگرچہ ہر مال خدا کا ہی عطیہ ہے مگر اس کی طرف نسبت صرف حلال مال کی کی جاتی ہے۔ چوتھا فائدہ: بخل صفت کفار ہے جیسا کہ اس جگہ کفار کے ذکر کرنے سے معلوم ہوا۔ جس مسلمان میں یہ عیب ہو جلد دور کرے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت اور دوستی اور شفاعت مسلمانوں کے لئے بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں مسلمانوں کو خطاب فرمایا۔ یا ایھا الکفرون یا کہ یا ایھا الناس نہ ارشاد ہوا۔ جواب: ان نعمتوں سے کفار ہی محروم ہیں ورنہ ساتھ ہی کافروں کا ذکر نہ فرمایا جاتا دیگر آیات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو اس لئے خطاب فرمایا گیا کہ وہ زکوۃ کا انکار کر کے کافر نہ بنیں اور ہو سکتا ہے کہ یوم سے مراد انسان کی موت کا دن ہو یعنی اس دن سے پہلے خرچ کر لو۔ جبکہ تم نہ تو کسی کو دولت دے کر اس کی زندگی کا ایک سانس خرید سکو اور نہ ملک الموت سے دوستی کی بنا پر ایک دم کی مہلت لے سکو۔ اور نہ انہیں کسی کی سفارش سے ایک آن کے لئے ٹال سکو۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ وانفقوا مما رزقنکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الی اجل قریب الخ۔ اور ہو سکتا ہے کہ یوم سے قیامت کے دن کا اول وقت مراد ہو۔ جبکہ عدل کا ظہور ہو گا۔ اس وقت نہ شفاعت ہو سکے نہ دوستی کام آئے قیامت میں پھر فضل کا ظہور ہو گا۔ تب وہاں بیع بھی ہوگی کہ تین پیسہ قرضہ کے عوض مقروض کی سات سو نمازیں قرض خواہ کو دی جائیں گی (شامی) اور دوستی و محبت بھی کام دے گی رب فرماتا ہے الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین اور فرماتا ہے یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔ اور شفاعت بھی ہوگی۔ حتی کہ کعبہ معظمہ و قرآن و رمضان بھی شفاعت کریں گے۔ رب فرماتا ہے۔ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر ہی ظالم ہیں، حالانکہ بعض، مسلمان بھی بڑے ظلم کرتے ہیں۔ جواب: یہاں ظلم سے خاص ظلم مراد ہے۔ جیسا کہ تفسیر میں گزر چکا ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حرام مال خدا کا رزق نہیں۔ کیونکہ رزق میں سے خیرات کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور حرام کمائی سے خیرات کرنا حرام ہے (معتزلہ) جواب: اس کا جواب تیسرے فائدہ میں گزر چکا ہے کہ یہ اضافت تشریفی ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو قیامت آنے سے پہلے خیرات کرنی چاہئے۔ اس میں تو بعد موت کا زمانہ بھی داخل ہے کہ وہ بھی قیامت سے پہلے ہی ہے۔ حالانکہ بعد موت خیرات کون کر سکتا ہے لہٰذا یہاں موت سے مراد اپنی موت کا دن ہونا چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مر گیا اس کی قیامت تو آ گئی۔ جواب: قیامت سے پہلے یعنی موت کے بعد اگرچہ عمل کا وقت نہیں مگر اعمال کے ثواب ملنے کا وقت تو ہے۔ جیسے صدقات جاریہ کے ثواب مگر قیامت میں عمل نہ ہو گا نہ عمل کا ثواب پہنچے۔

تفسیر صوفیانہ: یا ایھا الذین امنوا میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے۔ مال والوں کی خصوصیت نہیں۔ لہٰذا انفقو اور مما رزقنا کے عام معنی ہی کرنے چاہئیں۔ جس پر امیر و غریب سب عمل کر سکیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو ہماری دی ہوئی نعمت میں سے ہماری راہ میں خرچ کرو۔ مال، بدن، نفس، وقت، سانس، خیالات میں سے زکوۃ نکالو۔ چوبیس گھنٹے میں سے کچھ ساعتیں ہمارے ذکر کے لئے وقف کر دو۔ چوبیس ہزار سانسوں میں سے کچھ سانس ہماری راہ میں خرچ کرو۔ چلنے، چھونے، دیکھنے، بولنے سمجھنے کی قوتیں جو تم کو ملی ہیں۔ یہ ہماری دی ہوئی روزیاں ہیں ان سب میں سے ہماری راہ میں خرچ کرو کہ کچھ

ہمارے لئے بولو۔ ہمارے لئے چلو' ہمارے لئے چھوڑو' ہمارے لئے دیکھو' ہمارے لئے سوچو' چونکہ دنیا میں کمائی کے تین ہی طریقے ہیں۔ تجارت دوستوں کے ہدیہ' بیٹوں کی مدد۔ انہیں تین کی نفی کردی گئی کہ قیامت میں ان میں سے کچھ نہ ہو گا۔ خیال رہے کہ بدترعیب بخل ہے کہ یہ کبھی کفر تک پہنچا دیتا ہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے رب نے بعض لوگوں کو ان کی ضرورت سے زیادہ مال دیا جنہیں غنی کہا جاتا ہے اور بعض کو ان کی ضرورت سے کم دیا جنہیں فقیر کہا جاتا ہے یوں ہی رب نے اندرونی روزی یعنی اعمال و کمال بعض کو ان کی ضرورت سے زیادہ بخشی ہے۔ جیسے حضرات انبیاء صحابہ' اولیاء اور بعض کو ان کی ضرورت سے کم جیسے ہم گنہگار' پھر جیسے اغنیاء کو حکم دیا کہ اپنے مال میں غریبوں کو شریک کرلو تم ان کی روزی کا وسیلہ ہو۔ ہم بلا وسیلہ انہیں بھی دے سکتے تھے۔ مگر تمہیں ثواب دینے کے لئے انہیں فقیر تمہیں غنی کیا۔ ایسے ہی باطنی اغنیاء کو حکم دیا کہ اپنے اعمال و کمال میں گنہگاروں کا بھی حصہ رکھو۔ اس آیت میں ان سے بھی خطاب ہے کہ ہماری دی ہوئی روزی یعنی اعمال و کمال میں سے گنہگاروں پر خرچ کرو۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی طرف سے بھی قربانی فرماتے تھے۔ لہٰذا اس آیت سے ایصال ثواب بھی ثابت ہے۔

حکایت : کسی بزرگ نے شیطان سے پوچھا کہ تو لوگوں کو کس طرح بہکاتا ہے۔ وہ بولا تین ذریعوں سے بخل' غصہ اور نشے میں غصہ ور آدمی کو ایسا گھماتا ہوں۔ جیسے بچے گیند کو اور نشہ والے آدمی کو ایسے ہانکتا ہوں۔ جیسے چرواہا بکریوں کو محمد بن اسمٰعیل بخاری سے روایت ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت جبریل سے پوچھا کہ اگر ہم تم کو زمین پر رکھتے تو تم کیا کرتے۔ عرض کیا کہ تین کام' غریبوں کی مدد کرنا' خلق کے عیب چھپانا' پیاسوں کو پانی پلانا (روح البیان) نیز یہاں خرچ کا تو حکم دیا مگر اس کا مصرف نہ بتایا۔ کیونکہ ہر خرچ کا مصرف جدا گانہ ہے۔ صدقات کا مصرف فقراء۔ ہدیہ کا مصرف اہل قرابت' جان کا مصرف جہاد کا میدان' سانس کا مصرف ذکر رحمٰن غرضیکہ بے شمار مصرف ہیں۔ ان سب کا اجمال یہ ہے کہ ساری نیکیوں کا مصرف رضاء خدا و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس عبادت سے وہ محبوب راضی ہو جائیں وہ ہی درست ہے۔ باقی برباد۔ رب فرماتا ہے **فا اللہ و رسولہ احق ان یرضوہ** نماز روزہ سے یہ ہی مقصود ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

مجھے فکر کب رکوع کا مجھے کیا کام تھا سجود سے کسی نقش پا کی تلاش تھی جو جھکا رہا میں نماز میں
در مصطفیٰ پہ رکھا جو سر تو ندا ہوئی کہ اے بے خبر تیرے وہ بھی سجدے ادا ہوئے جو قضا ہوئے تھے نماز میں

بظاہر وہ عابد معبود ہیں۔ مگر در حقیقت عابدوں کے اصل مقصود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کیا خوب کہا۔

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردہ میم کو اٹھا کر
وہ بزم طیبہ میں لاکھ بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ۬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌؕ لَهٗ مَا
اللہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے زندہ قائم رکھنے والا نہیں پکڑتی ہے اس کو اونگھ اور نہ نیند واسطے
اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا اسے نہ اونگھ آئے اور نہ نیند

فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ

اسی کے ہیں جو کچھ آسمانوں کے اور جو کچھ زمین کے ہیں کون ہے جو کہ شفاعت کرے نزدیک اس کے مگر ساتھ اجازت اس کی کے۔

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اس سے پہلے انبیاء کرام کے مراتب کا ذکر تھا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم اب رب کی ذات و صفات کا تذکرہ ہے کیونکہ ذکر نبوت بغیر ذکر توحید اور ذکر توحید بغیر ذکر نبوت مکمل نہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ قیامت میں کفار کے لئے شفاعت نہ ہوگی۔ اس سے جہاں اس دن کی عظمت کا پتہ چلا وہاں ہی رب تعالیٰ کی عظمت شان معلوم ہوئی کہ اس کے سامنے کسی کو بلا اجازت دم مارنے کی اجازت نہیں۔ اب اس آیت الکرسی میں اسی عظمت ذات اور کمال صفات کا صراحۃً ذکر ہے۔ گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تائید ہے۔ **تیسرا تعلق:** آیت میں **یاایھا الذین امنوا** فرما کر مسلمانوں کو اعمال کا حکم دیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بغیر درستی عقائد عمل درست نہیں۔ لہٰذا اب ذات و صفات کا ذکر فرمایا کہ ان پر ایمان لائیں۔ **چوتھا تعلق:** قرآن کریم کا طریقہ ہے کہ علم توحید علم احکام علم قصص ملا کر بیان فرماتا ہے۔ تاکہ سننے والے ایک مضمون سے اکتا نہ جائیں۔ اب تک انبیاء کرام کے قصے اور شرعی احکام بیان فرمائے۔ اب توحید کا ذکر ہے۔ وہ ہی بازار مکمل ہے۔ جس میں ہر قسم کی دکانیں یکجا ہوں۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ تمام کفار ظالم ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ کفار بہت قسم کے ہیں۔ رب کے منکر توحید کے منکر رب کی صفات کے منکر انبیاء کی شفاعت کے منکر سب کافر ہی ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ان تمام قسم کے کفار کی پرزور تردید ہو رہی ہے۔

تفسیر : **اللہ** رب تعالیٰ کے سارے نام صفاتی ہیں اور یہ اسم ذات اسی لئے قادر علیم رحیم وغیرہ مخلوق کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر اللہ کسی کو نہیں کہہ سکتے۔ اس لفظ کی پوری تفسیر ہم بسم اللہ میں کہہ چکے۔ خیال رہے کہ اسماء الٰہیہ میں مختلف تاثیریں ہیں۔ اللہ تزکیہ نفس کے لئے بہت مجرب ہے۔ اسم ذات یعنی اللہ کے نام کا نقش جو 18 سے شروع ہو کر 26 پر ختم ہوتا ہے اور پندرہ کے نقش کی چال سے بھرا جاتا ہے۔ ہر مقصد کے حصول کے لئے اکسیر اعظم ہے۔ بعض نے اللہ کو اسم اعظم مانا ہے کہ یہ ذاتی نام ہے باقی صفاتی۔ ذات اعظم ہے اللہ یہاں مبتداء ہے اور آئندہ جملہ اس کی خبر **لا الٰہ الا ھو۔ الٰہ** کے معنی ہیں معبود خیال رہے کہ معبود سے مراد لائق عبادت ہے نہ وہ جس کی عبادت ہوتی ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ معبود ازلی ہے اور مخلوق حادث جب کوئی عابد نہ تھا۔ اس وقت اس کی معبودیت میں کمی نہ تھی۔ رب کی تمام صفات کا یہ ہی حال ہے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ سے رزاق، سمیع، بصیر ہے اگرچہ مرزوق، مسموع، مبصر حادث ہیں وہ رزاق ہے خواہ کوئی اس سے روزی لے یا نہ لے۔ آفتاب چمکانے والا ہے کوئی اس سے چمکے یا نہ چمکے غرضیکہ چمکانا صفت اور ہے اور چمکانا فعل اور فعل چمکانا چمکنے والے پر موقوف ہے۔ مگر صفت اس پر موقوف نہیں اسی طرح صفات الٰہیہ قدیم ہیں۔ افعال الٰہیہ حادث۔ دیکھو انسان سونے میں بھی بصیر ہے اگرچہ وہ اس وقت کچھ نہیں دیکھ رہا۔ دیکھنا اور دیکھنے والا ہونا کچھ اور ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہاں الٰہ سے سچا معبود مراد ہے۔ کیونکہ جھوٹے معبود تو

بت وغیرہ بھی ہیں۔ یعنی اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ عبادت کے معنی ہیں۔ انتہائی عجز و نیاز۔ عابد انتہائی عاجز۔ معبود انتہائی عزت والا جس کے سامنے دوسرے انتہائی عاجزی کریں۔ بندہ جو کام اپنے کو بندہ سمجھ کر اور دوسرے کو رب یا رب کی مثل سمجھ کر کرے وہ عبادت ہے۔ سجدہ تعظیمی عبادت نہیں۔ وہ دوسری شریعتوں میں جائز تھا۔ مگر سجدۂ تعبدی عبادت ہے۔ وہ ہمیشہ اللہ ہی کو کیا گیا کسی آسمانی دین میں غیر اللہ کو جائز نہ ہوا۔ دونوں سجدوں میں فرق صرف نیت کا ہے۔ محترم سمجھ کر سجدہ تعظیمی ہے۔ رب یا رب کی مثل سمجھ کر سجدہ تعبدی ہے مشرکین سورج گنگا وغیرہ کو رب کی مثل سمجھ کر ان کی پوجا کرتے ہیں۔ **اذ نسویکم برب العلمین**۔ **الحی القیوم** یہ اللہ کی خبر بعد خبر ہے۔ **حی** اصل میں **حیو** تھا واؤ ی ہو کر ی میں مدغم ہو گیا۔ یہ حیات سے بنا ہے جس کے معنی ہیں زندگی۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ہر کامل کو حی کہا جاتا ہے۔ اسی لئے زمین کے آباد کرنے کو احیاء موات کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **کیف یحی الارض بعد موتہا** چونکہ زندگی ہی جسم کا کمال ہے اور وہ تمام صفات کا موقوف علیہ ہے۔ اسی لئے اسے بھی حیات کہہ دیتے ہیں۔ درختوں کی سرسبزی کو بھی حیات کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب ہے اپنی صفات میں کامل کہ وہ اور اس کی صفات حقیقیہ و صفات اضافیہ قابل عدم نہیں اور نہ اس کے کمال کی کوئی حد بندی ہے **القیوم** یہ قیام کا مبالغہ ہے۔ خیال رہے کہ قائم کے تین مبالغے ہیں۔ قیوم اور قیم جیسے دار کا مبالغہ دیار دیور اور دیر یہ اصل میں قیووم تھا۔ بروزن فیعول واؤ ی ہو کر ی میں مدغم ہوا۔ (کبیر) اس کے معنی خود قائم اور سارے عالم کا قائم رکھنے والا کہ سب اسی سے قائم ہیں نہ وہ کسی میں ہے نہ کسی سے ہے بلکہ سب اس سے ہیں۔ اس کا وجود کسی پر موقوف نہیں۔ موجودات تین طرح کے ہیں۔ بعض وہ جو دوسرے سے قائم ہیں۔ جیسے جسم کا رنگ و بو یا اجسام کا سایہ کہ رنگ و بو تو اپنے محل کا محتاج ہے اور سایہ تین چیزوں کا حاجتمند۔ سایہ دار جسم کا۔ نور کا اور اس محل کا جہاں سایہ پڑے۔ انہیں عرض کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو بغیر کسی محل کے خود موجود ہیں۔ جیسے اجسام انہیں جوہر یا قائم بالذات کہا جاتا ہے۔ تیسرے وہ جو خود بھی آپ موجود اور ان سے دوسرے موجود اسے قیوم کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ قیوم حقیقی ہے کہ اس کے ارادہ و اذن سے عالم موجود قائم ہے اور بعض حضرات اولیاء قیوم بالعرض ہیں۔ جن کے ذریعہ عالم کو رب نے قائم رکھا ہے۔ یہاں قیوم حقیقی یعنی جہان کو رکھنے والا مراد ہے۔ یہ رب تعالیٰ ہی کی صفت ہے۔ **لا تاخذہ سنۃ ولا نوم**۔ **تاخذ** اخذ سے بنا بمعنی پکڑنا یہ کبھی غلبہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جسے بطش کہتے ہیں اور کبھی عارضی یہاں ہر قسم کی پکڑ کی نفی ہے۔ **سنۃ** وسن سے بنا بمعنی غفلت اصطلاح میں نیند کے مقدمہ کو جس سے اعضاء بے قابو ہو جائیں اور پوری غفلت طاری نہ ہو سنۃ کہتے ہیں۔ یعنی اونگھ شاعر کہتا ہے۔ مصرع: **فی عینہ سنۃ ولیس بنائم**۔ پوری غفلت کی نیند کو نوم کہتے ہیں۔ نیند سے پہلے اونگھ کا اس لئے ذکر کیا کہ اخذ کے معنی غلبہ بھی ہے اور اونگھ اور نیند انسان پر غالب ہی آتی ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ جب اس پر نیند اور اونگھ جیسی چیزیں بھی غالب نہیں آتیں جو سلاطین اور شہنشاہوں کو بھی دبا لیتی ہیں تو اور کوئی چیز کیا غالب آ سکتی ہے۔ **لہ ما فی السموت وما فی الارض** یہ جملہ رب کی قومیت اور اس کی معبودیت کا ثبوت ہے۔ یعنی آسمانوں و زمین کی ساری چیزیں اس کی مخلوق اور اسی کی حقیقی مملوک ہیں۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ خیال رہے کہ کسی چیز کی طرف نسبت چار طرح ہوتی ہے۔ ملکیت کی قبضہ کی شے کی استحقاق کی مالک کہتا ہے۔ میرا مکان کرایہ دار کہتا ہے میرا مکان مالک کا بیٹا کہتا ہے میرا مکان اور جس کے پاس گروی ہے وہ کہتا ہے میرا مکان اس میں چار احتمال ہیں۔ ساری چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں۔ اس کی مملوک ہیں۔ اس کی محکوم ہیں۔ اس کی عبادت گزار ہیں۔

پہلے اور چوتھے معنی سے یہ رب کی خاص صفت ہے۔ کوئی چیز کسی بندے کی نہ مخلوق نہ عبادت گزار مگر دوسرے تیسرے معنی کی تجلی بعض بندوں میں پڑی ہے چنانچہ ہم اپنے گھربار کے مالک و حاکم ہیں۔ حضرت سلیمان کو رب نے تمام جہان کا مالک و حاکم بنایا تھا۔ **وسخرنا لہ الریح عاصفۃ تجری بامرہ** ہمارے حضور کو تمام جہان کا مالک بنایا۔ فرماتا ہے **انا اعطینک الکوثر** ہم نے تم کو عالم کثرت بخش دیا۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔ اللہ کے شہر میرا ملک میرے زیر فرمان ہیں۔ یہ چیزیں نہ اس آیت کے خلاف ہیں۔ نہ غلط ہیں۔ رب مالک حقیقی' بندے مالک مجازی اگرچہ لفظ ما غیر عاقلین کے لئے وضع ہوا مگر یہاں اس سے عاقل و غیر عاقل سب ہی مراد ہیں۔ چونکہ عالم میں عاقل کی قسمیں کم اور غیر عاقل کی زیادہ ہیں۔ اس لئے سب کو لفظ 'ما' سے تعبیر کر دیا گیا۔ اگرچہ آسمان بھی سات ہیں اور زمین بھی سات چونکہ ہر آسمان کی حقیقت جداگانہ ہے۔ کوئی چاندی کا کوئی سونے کا اور ہر زمین کی حقیقت ایک یعنی مٹی۔ نیز ہر دو آسمانوں میں بہت فاصلہ ہے۔ اور زمین کے طبقے پیاز کے چھلکوں کی طرح چپٹے ہوئے۔ لہذا آسمان کو جمع اور زمین کو واحد فرمایا اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ آسمان و زمین کا مالک نہیں۔ بلکہ سب کا مالک ہے۔ چونکہ ہماری نگاہ عالم اجسام پر ہی ہے۔ اس لئے آسمانوں اور زمین کا ذکر ہوا کہ عالم اجسام انہیں کے درمیان ہے۔ ورنہ رب تعالیٰ عالم اجسام۔ عالم انوار۔ عالم امر وغیرہ سب کا خالق و مالک ہے۔ خیال رہے کہ جس کا رب مالک و خالق ہے۔ ان سب کے حضور نبی ہیں۔ اپنے لئے فرماتا ہے۔ رب العلمین حضور کے لئے فرماتا ہے۔ رحمۃ للعالمین اور فرماتا ہے **لیکون للعلمین نذیرا** " وزیر اعظم کی وزارت ساری مملکت میں ہوتی ہے۔ کفار اپنے بتوں کی شفاعت کے امیدوار تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ چونکہ یہ بت حکومت الٰہیہ کے ممبر اور اس کے چلانے والے ہیں اس لئے رب کو ان کی شفاعت ماننی پڑے گی ان کی تردید کے لئے ارشاد ہوا **من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ** من استفہامیہ مبتداء ہے اور **ذا** خبر **الذی** ذا کی صفت ہے یا بدل چونکہ من میں استفہام انکاری ہے۔ اس لئے بعد **الا** صحیح ہوا **اذن** بمعنی اجازت ہے۔ **عندہ** یا **یشفع** کے متعلق ہے اور یا کسی محذوف کے (روح البیان) لہذا اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ کون ہے جو رب کے نزدیک بلا اجازت کسی کی سفارش کر سکے۔ دوسرے یہ کہ جو بندے رب کے نزدیک رہتے ہیں ان میں سے بھی بغیر اجازت کون کسی کی سفارش کر سکتا ہے۔ جب نزدیکوں کا یہ حال ہے تو وہ بت جنہیں رب سے دور کا بھی تعلق نہیں وہ کیا شفاعت کر سکتے ہیں۔ (روح البیان) اس جملہ میں دھونس کی شفاعت کا انکار ہے۔ اور شفاعت بالاذن کا ثبوت لہذا شفاعت کا انکار کرنا بیوقوفی ہے۔

خلاصہ تفسیر : آیت الکرسی اول سے آخر تک کفار اور بدمذہبوں کا رد ہے خالق کے منکر دہریوں کی تردید **اللہ** سے ہوئی۔ **لا الہ الا ھو** میں مشرکین کا رد۔ **الحی القیوم** منکرین صفات کی تردید ہے **لہ ما فی السموت** سے مجوس کا رد ہے جو دو خدا مانتے ہیں ایک یزدان خالق خیر دوسرا اہرمن خالق شر معتزلہ کی بھی پوری تردید ہو گئی۔ جو ہر بندہ کو اپنے برے اعمال کا خالق مانتے ہیں۔ **من ذا الذی** میں بتوں کی شفاعت ماننے والوں کی تردید ہے۔ **الا باذنہ** میں معتزلہ اور عام دیوبندیوں وہابیوں کا رد ہے۔ جو شفاعت کے منکر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں۔ وہی ازلی ابدی زندہ ہے۔ اور تمام عالم کا قائم رکھنے والا غفلت سے پاک کہ نہ اسے اونگھ آئے نہ اس پر نیند غلبہ کرے۔ آسمانوں زمین کی ساری چیزیں اسی کی مخلوق و مملوک ہیں۔ اس کے دربار کے دبدبے کا یہ عالم ہے کہ کسی کو بلا اجازت دم مارنے کی بھی جرات نہیں۔ لہذا مشرکین جو اپنے بتوں کی شفاعت کے بھروسے میں ہیں۔ سخت غلطی پر ہیں۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں۔

بعض وہ ہیں جن کی تجلی مخلوق پر نہیں پڑی اور ان کو کسی معنی سے مخلوق کے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔ جیسے واجب الوجود معبود، خالق، قدیم، بعض کے نزدیک رحمان بھی اور بعض صفات وہ ہیں جن کی جھلک مخلوق پر ڈالی گئی۔ اور مخلوق پر بھی ان کا بول دینا درست ہے۔ جیسے حی، سمیع، بصیر، مالک، عزیز رؤف رحیم آیت الکرسی میں جو رب کی پہلی صفت ہے۔ **لا الہ الا ھو** یہ پہلی قسم کی صفت ہے کہ کسی بندے کو اللہ یا لا الہ الا ھو نہیں کہہ سکتے۔ مگر حی و قیوم وغیرہ دوسری قسم کی صفات ہیں کہ بندے پر بھی مجازاً بولی جاتی ہیں۔ دیکھو لو نگھ و نیند نہ آنا رب کی بھی صفت ہے اور اللہ نے فرشتوں کو اور بعد قیامت جنتیوں کو بھی یہ صفات بخشے ہیں کہ نہ انہیں لو نگھ ہے نہ نیند ایسے ہی آسمان و زمین کی ملکیت کہ رب نے بعض بندوں کو بخشی جیسے ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔

شفاعت

ہم مسئلہ شفاعت پہلے پارہ میں **ولا یقبل منھا شفاعۃ** کی تفسیر میں بہت کچھ عرض کر چکے ہیں۔ یہاں چند ضروری باتیں بتاتے ہیں۔ کفار اپنے بتوں کے متعلق دو عقیدے رکھتے تھے۔ ایک یہ کہ ان میں الوہیت ایسے حلول کئے ہوئے ہے جیسے پھول میں رنگ و بو اسی لئے ان کو الہ اور شرکاء کہتے تھے اور خدا تعالیٰ کو الہ اکبر ان کا عقیدہ تھا کہ اکیلا اللہ تعالیٰ اتنا بڑا جہان نہ سنبھال سکتا ہے نہ چلا سکتا ہے اس نے اپنی مدد کے لئے اپنے کچھ بندوں کو اپنا معاون و مددگار بنایا ہوا ہے اور ان میں کام تقسیم کر دیئے ہیں ان بندوں میں بعض تو اللہ کی لڑکیاں ہیں اور بعض اللہ کی بیویاں و بیٹے اور بعض اگرچہ ہیں تو نرے بندے ہی مگر الوہیت کی پارلیمنٹ کے ممبر ہیں۔ اس لئے انہیں خدا کا بندہ بھی کہتے ہیں اور خدا کا شریک بھی انہیں کی تردید کے لئے رب نے فرمایا **ولم یکن لہ ولی من الذل و کبرہ تکبیرا**۔ اللہ نے مجبوری کی بنا پر کسی کو ولی نہ بنایا انہیں کو **ولی من دون اللہ** فرمایا گیا۔ یہ عقیدہ صریحی شرک ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ چھوٹے خدا بڑے خدا کے ہاں ہماری شفاعت کریں گے اور اس بڑے کو جبراً ان کی شفاعت ماننی پڑے گی۔ جیسے بادشاہ کو ارکان سلطنت کی سفارش اس لئے ماننی پڑتی ہے کہ ان کے بگڑ جانے سے زوال سلطنت کا اندیشہ ہے۔ اس آیت میں دونوں عقیدوں کا رد بلیغ فرمایا گیا۔ گویا فرمایا کہ وہاں تو وہ ہی شفاعت کر سکے گا جسے اس کی اجازت مل چکی ہو۔ یعنی انبیاء ملا ئکہ اور مومنین غرضکہ دباؤ کی شفاعت کا انکار ہے اور شفاعت بالوجاہت اور شفاعت بالمحبت، جو شفاعت بالاذن کی قسمیں ہیں ان کا ثبوت۔ اگر شفاعت نہ ہو تو نماز جنازہ اور زیارت قبور اور مومنین کے لئے دعا سب بے کار ہو جائیں۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند کے جنازے کے لئے چالیس نمازیوں کا انتظار فرمایا اور فرمایا کہ جہاں چالیس صالح مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ وہاں کوئی ولی ضرور ہوتا ہے (مرقات شرح مشکوۃ)

شفاعت کون کریگا : انبیاء، اولیاء، علماء، مشائخ، حجر اسود، قرآن مجید، خانہ کعبہ، ماہ رمضان اور مسلمانوں کے نابالغ بچے۔ مقدمہ ہدایہ میں مولوی عبدالحی صاحب نے لکھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سنگ اسود کو چوم کر فرمایا کہ تو محض ایک پتھر ہے نہ نفع دے نہ نقصان تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے حضور کو فرماتے سنا کہ قیامت میں اس کی آنکھیں اور منہ ہوں گے۔ اور حاجیوں کی شفاعت کرے گا (رواہ الحاکم) مگر چونکہ قیامت کے اول وقت جب سب نفسی نفسی

پکارتے ہوں گے۔ حضور ہی شفاعت کی ابتداء فرمائیں گے اور دروازہ شفاعت آپ کے ہاتھ پر کھلے گا۔ اسی لئے آپ کا لقب شفیع المذنبین ہے۔

شفاعت کی قسمیں : شفاعت تین طرح کی ہوگی۔ بلندی درجات کے لئے اور معافی سیئات کے لئے۔ میدان محشر سے نجات دلانے کے لئے۔ پہلی شفاعت بے گناہوں کے لئے ہے اور دوسری صرف گنہگار مسلمانوں کے لئے اور تیسری شفاعت سے فائدہ کفار بھی حاصل کریں گے۔ معلوم ہوا کہ سارا جہان حضور کی شفاعت کا حاجت مند ہے۔ وہ جو حدیث میں ہے کہ تارک سنت شفاعت سے محروم ہے اس سے پہلی شفاعت مراد ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ میری شفاعت گناہ کبیرہ والوں کے لئے بھی ہوگی۔ اس سے دوسری شفاعت مراد یعنی عفو سیات (شامی کتاب الصلوۃ) جب سب شفیع شفاعت کر چکیں گے تب رب فرمائے گا کہ شفیع شفاعت کر چکے۔ اور جن کے قلب میں رائی کے برابر بھی ایمان تھا انہیں بھی جہنم سے نکال کرلے گئے۔ اب ہماری باری ہے تب اپنا ایک لپ (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) جہنمیوں سے بھر کر جنت میں داخل فرمائے گا اس میں وہ لوگ ہوں گے جو عند اللہ مومن تھے اور شرعاً غیر مومن جیسے زمانہ فترت کے موحدین اور وہ لوگ جن کے دل میں ایمان تھا اور زبان سے اقرار کا موقعہ نہ ملا ممکن ہے کہ ابو طالب بھی اسی لپ میں ہوں کیونکہ یہ دل سے رسالت کے قائل تھے۔ اور حضور کے آرام کی خاطر بظاہر ایمان نہ لائے تاکہ میری رعایت سے کفار مکہ حضور کو ایذا نہ پہنچائیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو رسالہ مبارکہ اسنی المطالب فی ایمان ابی طالب۔

شفاعت کب ہوگی : بعض گنہگاروں کو تو بغیر عذاب شفاعت پہنچ جائے گی۔ بعض کی مدت عذاب میں کمی ہو جائے گی۔ اور بعض گنہگار اپنی پوری سزا بھگت کر شفاعت پائیں گے۔ بعض جنت میں پہنچ کر شفاعت کی بدولت بلند درجے پائیں گے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بندوں کے برے بھلے اعمال رب کی مخلوق ہیں۔ جیسا کہ **لہ ما فی السموت وما فی الارض** سے معلوم ہوا۔ جب وہ ساری آسمانی زمینی چیزوں کا خالق ہے تو اعمال کا بھی خالق ہوا کہ وہ بھی اسی میں داخل ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** کفار کے لئے دعاء مغفرت کرنا ان پر نماز جنازہ پڑھنا انہیں مرحوم، مغفور کہنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ سب شفاعتیں ہی ہیں۔ اور کفار کے لئے شفاعت منع۔ **تیسرا فائدہ:** رب تعالیٰ کے لئے غفلت بے توجہی بے علمی محال ہے۔ جو کوئی ایک آن کے لئے اسے بے علم مانے وہ بے دین ہے۔ جیسے بعض دیوبندی جو رب کو ہر وقت عالم الغیب نہیں مانتے۔ دیکھو تقویت الایمان اور کتاب بلغۃ الحیران۔

حکایت : ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ کیا رب کو نیند اور اونگھ آسکتی ہے۔ حکم الٰہی پہنچا کہ تم اپنے ہاتھ میں دو پانی سے بھری ہوئی کچی شیشیاں لو۔ آپ نے اس پر عمل کیا کچھ دیر بعد نیند کا جھونکا آیا تو ہاتھ سے شیشیاں گر کر ٹوٹ گئیں۔ وحی آئی کہ اے موسیٰ جب تم نیند میں دو شیشیاں نہ سنبھال سکے تو اگر مجھے نیند آتی تو میں زمین و آسمان کیسے سنبھال سکتا۔ (کبیر و روح البیان) خیال رہے کہ یہ سوال اطمینان قلب کے لئے تھا نہ کہ بدعقیدگی سے انبیاء کرام پیدائشی عارف باللہ ہوتے ہیں۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب نے ہرچیز اپنے لئے بنائی۔ وہ تو ان باتوں سے پاک ہے۔ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** زمین میں ہرچیز تمہارے لئے پیدا کی ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو (ستیارتھ پرکاش) **جواب:** یہاں لام ملکیت کا ہے اور **خلق لکم** میں نفع کا یعنی ہرچیز اللہ کی ملکیت ہے اور مخلوق کے نفع کے لئے خدا نفع حاصل کرنے سے پاک ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہرچیز کا مالک رب تعالیٰ ہی ہے۔ پھر تم کیوں کہتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہان کے مالک ہیں کیا وہ خدا کے شریک ہیں (دیوبندی) **جواب:** رب کی ملکیت حقیقی' ذاتی اور قدیم ہے۔ اس کی مخلوق کی ملکیت مجازی عطائی اور حادث کہا جاتا ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کا ہے۔ قسطنطنیہ ترکوں کا ہے یہ گھر میرا ہے۔ یہی معنی وہاں بھی ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** مسئلہ شفاعت عقل کے خلاف ہے۔ کیونکہ جو لوگ شفاعت سے بخشے جائیں' رب انہیں بخشا چاہتا تھا یا نہیں اگر چاہتا تھا تو شفاعت بے کار ہوئی وہ تو ویسے ہی بخشے جاتے اور اگر نہ چاہتا تھا تو رب تعالیٰ کی مجبوری لازم آئی کہ رب بخشا تو چاہتا نہ تھا شفیع کی وجہ سے اسے بخشا پڑ گیا۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی۔ دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب یہ ہے کہ پھر تو دوائیں' دعائیں' بلکہ عالم کے تمام اسباب بیکار ہوئے۔ بیمار نے دوا کھائی' شفا پائی۔ بتاؤ رب نے اس کی شفا چاہی تھی یا نہیں اگر چاہی تھی تو دوا کی کیا ضرورت تھی خود ہی آرام ہو جاتا اور اگر نہ چاہی تھی تو خدا کے ارادے کے خلاف کیسے ہو گیا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں بخشا چاہا تھا بذریعہ شفاعت کے یعنی بخشش بھی رب کے حکم سے شفاعت اس کے حکم سے ہے۔ رب نے بیمار کی شفا بھی چاہی اور دوا بھی یہ معنی ہیں اسباب کے۔ **چوتھا اعتراض** حضور فرماتے ہیں کہ تارک سنت کی شفاعت نہ ہوگی اور فرماتے ہیں کہ زکوۃ نہ دینے والا میرے پاس کندھوں پر مال لادے ہوئے شفاعت چاہنے آئے گا۔ ہم شفاعت سے انکار کر دیں گے۔ جب حضور ان معمولی مجرموں کی شفاعت نہیں کر سکتے تو گناہ کبیرہ والوں کی شفاعت کیسے کریں گے۔ **جواب:** ان حدیثوں میں وہ لوگ مراد ہیں جو سنت رسول اللہ کو حقیر جان کر چھوڑیں اور زکوۃ کے منکر ہوں۔ یہ دونوں کافر ہو گئے اور کافر کے لئے شفاعت کیسی۔ یا شفاعت سے رفع درجات والی شفاعت مراد ہے کہ تارک سنت اس سے محروم ہے۔ عفو سیئات کی شفاعت تو گناہ کبیرہ والوں کے لئے بھی ہوگی۔ حضور فرماتے ہیں **شفاعتی لاھل الکبائر من امتی** یا یہ فرمان دھمکانے ڈرانے کے طور پر ہے۔

تفسیر صوفیانہ : توحید کے تین مرتبے ہیں۔ مبتدئین کی توحید **لا الہ الا اللہ** ہے اور متوسطین کی توحید **لا الہ الا انت** کیونکہ مقام شہود میں ہیں۔ کاملین جو فنا فی الذات ہیں واحد حقیقی کی ندائیں سنتے ہیں۔ ان کی توحید **لا الہ الا انا** ہے۔ قطب الاقطاب کی توحید یا **ھو یا من ھو ھو یا من لا الہ الا ھو** ہے۔ جب بندہ قال سے گزر کر زبان حال یہ کہتا ہے تو عالم میں تصرف کرنے کا اسے حق حاصل ہوتا ہے علماء کرام **لا الہ الا ھو** کے معنی کرتے ہیں لا معبود الا ہو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں لا موجود الا ہو۔ وہی موجود ہے باقی سب اس کے ظل و پرتو ہیں۔ سب کی زندگی عارضی اسکی۔ حیات عین ذات اور ہر ما سوا اس کی حیات سے زندہ جیسے کہ مقابل آفتاب آئینہ کا نور آفتاب سے قائم ایسے ہی عالم اس سے قائم۔ اگر اس کا قیام نہ ہوتا یا عالم کو اس سے نسبت نہ ہوتی تو کوئی شئی موجود نہ ہوتی۔ اسی لئے نہ اسے غفلت آئے نہ نیند کہ یہ موت کے مشابہ ہے کہ اگر اس کو

یہ عیوب عارض ہوں تو عالم فنا ہو جائے افضل الذکر ہے **لا الٰہ الا اللہ** (روح البیان و ابن عربی)

ہدایت ضروری : صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ولایت کا ایک درجہ قیومیت بھی ہے اس درجہ والے لوگ قیوم عالم کہلاتے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کی کتب میں بعض اولیاء کو قیوم اول اور قیوم دوم وغیرہ کہا گیا ہے۔ وہاں قیوم کے معنی ہی اور ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی بندہ کو قیوم کہنا کفر ہے۔ ان کا یہ مطلب ہے کہ جس معنی سے خدا کو قیوم کہتے ہیں۔ اس معنی میں اوروں کو قیوم کہنا کفر ہے۔ خدا تعالیٰ عالم کا قائم رکھنے والا ہے۔ لہٰذا وہ قیوم ہے۔ ان حضرات کے ذریعہ عالم قائم ہے جیسے مرکز سے دائرہ اور دیوار سے چھت۔ لہٰذا وہ قیوم عالم ہوئے۔ چونکہ آسمان و زمین مثل دائرہ گول ہیں۔ اور دائرہ میں مرکز قطبین وغیرہ سب ہی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی عالم میں ابدال اوتاد و قطب اور قیوم ہونا ضروری ہیں۔ جن سے عالم باقی رہے۔ دیکھو رب کا نام بھی علی ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ کو بھی علی کہتے ہیں۔ ان دونوں کے معنی میں بڑا فرق ہے۔ آیۃ الکرسی کے فضائل آئندہ بیان ہوں گے ان حضرات کے نزدیک قطب عالم یا قیوم عالم سے تمام جہاں اسی طرح قائم ہے۔ جیسے خیمے کی چوب سے خیمہ یا دل سے تمام جسم کہ خیمے اور جسم کو رب تعالیٰ ہی قائم رکھے ہوئے ہے۔ مگر ان اسباب کے ذریعہ سے یہ بات ضرور خیال رکھیں کہ اس لفظ قیوم پر بہت دھوکا ہوتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شفاعت بہت قسم کی ہے دھونس کی شفاعت یعنی جبری شفاعت' شفاعت بالمحبۃ' شفاعت بالوجاہت' دھونس کی شفاعت کی یہاں نفی ہے۔ شفاعت بالمحبت و شفاعت بالوجاہت کا ثبوت رب تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے لئے فرماتا ہے **وکان عند اللہ وجیھا** اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے فرمایا ہے **وجیھا فی الدنیا والاخرۃ** محبت کے متعلق فرماتا ہے رضی اللہ عنھم ورضوعنہ اور فرماتا ہے **یحبھم و یحبونہ** اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ لہٰذا دھونس کی شفاعت ماننا کفر و شرک ہے۔ مگر محبت یا وجاہت کی شفاعت محبوب بندوں کے لئے ماننا ایمان ہے کعبہ کی طرف سجدہ کرنا ایمان ہے۔ بت کی طرف سجدہ کفر۔ زمزم کی تعظیم ایمان ہے۔ گنگا کی تعظیم کفر' رمضان کا احترام ایمان ہے۔ ہولی دیوالی کا احترام کفر ہے افعال یکساں ہیں۔ مگر نیت جداگانہ۔ اسی طرح بتوں کی شفاعت ماننا کفر ہے اور حضرات انبیاء و اولیاء کی شفاعت ماننا ایمان۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَمَا خَلْفَہُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا

جانتا ہے اس کو جو درمیان ہاتھوں ان کے ہے اور جو پیچھے ان کے اور نہیں گھیر سکتے وہ کسی چیز کو علم سے اس کے

جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر

بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُہُمَا وَہُوَ الْعَلِیُّ

مگر ساتھ اس کے کہ چاہے گھیر لیا ہے کرسی نے اس کی آسمانوں اور زمین کو اور نہیں بھاری ہوتی ہے اسے حفاظت

جتنا وہ چاہے اس کی کرسی میں سمائے ہوئے آسمان اور زمین اور اسے بھاری نہیں ان کی نگہبانی اور وہی

الْعَظِيْمُ

ان کی اور وہ بلند عظمت والا ہے۔

ہے بلند بڑائی والا۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلے جملے میں رب تعالیٰ کی چند صفات کا ذکر ہوا۔ اب اس کی صفت علم کا ذکر ہے کہ بغیر علم سلطنت وغیرہ نہیں چل سکتی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلے جملہ میں رب تعالیٰ سے چند عیوب کی نفی کی گئی کہ اسے نیند اور اونگھ عارض نہیں ہوتی۔ اب علم ثابت کرکے جہالت سے پاکی بیان ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلے جملہ میں فرمایا گیا تھا کہ اس کی بارگاہ میں بلا اجازت کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ رب تعالیٰ شفیع و مشفوع دونوں کے حالات جانتا ہے کہ کون قابل شفاعت ہے۔ اور کون نہیں اور کسے شفیع ہونا چاہئے اور کسے نہیں لہٰذا ضروری ہے کہ شفاعت اسکی اجازت سے ہی ہو۔

تفسیر : **یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم** یعلم حال استمراری ہے یعنی ہمیشہ سے جانتا ہے۔ ما سے مراد مخلوق کے سارے حالات ہیں۔ عربی میں **بین ایدی** سامنے کی چیز کو اور **خلف** پیچھے کی چیز کو کہتے ہیں۔ **ایدیھم** میں **ھم** ضمیر یا تو **ما فی السموٰت** الخ کی طرف لوٹتی ہے چونکہ ملائکہ انبیاء و دیگر انسان اہل عقل ہیں انہیں کی تغلیب فرماکر عقلاء کی ضمیر ارشاد ہوئی یعنی رب تعالیٰ اس قدر وسیع سلطنت کی تمام چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزوں کے تمام جزوی و کلی حالات جانتا ہے۔ دنیاوی بادشاہ مملکت کے بڑوں لوگوں سے تو خبردار ہوتے ہیں چھوٹوں کا انہیں پتہ بھی نہیں ہوتا۔ رب تعالیٰ ہی ہے کہ چیونٹی کی بھی خبر رکھتا ہے۔ اور ہاتھی کی بھی۔ ذرہ کو بھی جانتا ہے پہاڑ کو بھی اس کی حاجتیں جانتا ہے اور سب کی حاجت روائی کرتا ہے۔ ہر چھوٹی بڑی چیز اس سے مانگی جاتی ہے۔ یا شفعاء کی طرف یا مشفوعین کی جانب سامنے سے مراد آخرت ہے کہ وہ آرہی ہے اور پیچھے سے مراد دنیا کہ وہ جارہی ہے یا سامنے سے مراد زمین کی چیزیں اور پیچھے سے آسمانی چیزیں مراد ہیں۔ یا سامنے سے بعد موت کے حالات اور پیچھے سے قبل پیدائش کے واقعات یا سامنے سے آئندہ کے اعمال اور پیچھے سے گزشتہ افعال مراد ہیں۔ یا سامنے سے سب کے ظاہری حالات مراد ہیں۔ جنہیں خود حال والا بھی جانے اور دوسرے بھی پیچھے سے مراد خفیہ حالات جو حال والا تو جانے مگر دوسرے نہ جانیں یا سامنے سے وہ حالات مراد ہیں جنہیں حال والا جانے اور پیچھے سے وہ حالات مراد جنہیں حال والا بھی نہ جانے۔ ہمیں اپنے دل و دماغ پھیپھڑے اور اپنے اندرونی حالات کی خود اپنے آپ کو خبر نہیں۔ مگر رب تعالیٰ یہ سب کچھ جانتا ہے۔ ہماری ضروریات سے ہم بے خبر ہیں رب تعالیٰ علیم و خبیر ہے وہ پوری فرماتا رہتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ما نبودیم و تقاضاء ما نبود　　لطف تو ناگفتۂ ما می شنود

یعنی رب تعالیٰ ساری مخلوق کے سارے اگلے پچھلے حالات جانتا ہے کہ کیا ہو چکا ہے اور کیا ہو گا **ولا یحیطون بشیء من علمہ** یہ احاطہ سے بنا بمعنی گھیر لینا مگر یہاں معلوم کرنا اور پانا مراد ہے کہ عالم کا علم معلوم کو گھیرے ہوتا ہے۔ اس کا فاعل ملائکہ انبیاء و دیگر عقلاء ہیں **من علمہ** میں علم سے معلومات مراد ہیں اور من تبعیضیہ کہ خدا کی صفت میں تبعیت محال ہے (کبیر و روح البیان) **بما شاء** میں ما مصدریہ اور ب استعانت کی ہے یا ب زائدہ اور ما موصولہ ہے یعنی کوئی بھی اس کی

معلومات کو نہیں جانتا مگر اسی کے چاہنے سے۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول** اس استثناء میں انبیاء کرام اور اولیاء اللہ داخل ہیں کہ رب تعالیٰ انہیں علوم غیبیہ عطا فرماتا ہے (کبیر و خازن) اس کی وسعت علمی کا تو یہ حال ہے **وسع کرسیہ السموت والارض** وسع وسعۃ سے بنا بمعنی اندر لے لینا سما لینا گھیر لینا۔ وسعت اور احاطہ قریب المعنی ہیں برداشت کرنے اور طاقت رکھنے کو بھی وسعت کہہ دیتے ہیں۔ حدیث میں ہے **ما وسعہ الا تباعی** مگر یہاں پہلے معنی مراد ہیں **کرسی** کرس سے بنا بمعنی ایک شیئی کے اجزاء کا اوپر نیچے ہونا۔ اہل عرب کہتے ہیں **اکرست الدار** یعنی گھر میں مینگنیاں تہہ بتہہ جمع ہو گئیں۔ کہا جاتا ہے **تکارس الشئی** یعنی مرکب ہو گیا۔ کتابوں کے تھیلہ کو کراسہ کہا جاتا ہے کہ اس میں کتابیں اوپر تلے رکھی جاتی ہیں (کبیر) اصطلاح میں کرسی اس چھوٹے تخت کو کہتے ہیں جو بیٹھنے والے سے نہ بچے کہ وہ بھی تختوں سے مرکب ہوتا ہے۔ کبھی پائیدان کو بھی کرسی کہا جاتا ہے۔ جہاں بیٹھنے والے کے پاؤں ہوں۔ سلاطین جس جگہ بیٹھتے ہیں وہ تخت کہلاتا ہے اور ان کے سامنے کچھ نشیب میں امراء و زراء کے بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے اس کو کرسی کہا جاتا ہے کہ وہ بادشاہ کا پائیدان ہے۔ یہاں کرسی میں چار قول منقول ہیں۔ (1) اس سے رب کا علم و قدرت مراد ہے کہ اہل عرب وسیع علم کو کرسی کہہ دیتے ہیں۔ اسی لئے علماء کو کراسی کہا جاتا ہے علامہ زمخشری نے قطرب کا قول نقل کیا۔ **وخیر الاناسی الکراسی**۔ یعنی انسانوں میں سب سے بہتر علماء ہیں مراد یہ ہے کہ اس کا علم آسمان و زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس صورت میں یہ جملہ **بعلم** کی تفسیر ہے۔ (2) کرسی سے مراد خود عرش ہے۔ (3) کرسی وہ چیز ہے جو عرش کے نیچے اور ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے جسے فلاسفہ آٹھواں آسمان یا فلک بروج کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ کرسی کے مقابلہ میں ساتوں آسمان و زمین ایسے ہیں۔ جیسے جنگل میں انگوٹھی۔ اور یہ ہی نسبت کرسی کو عرش کے مقابلہ میں ہے (در منثور) اس کرسی کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ ایک فرشتہ حضرت آدم کی شکل پر ہے۔ دوسرا گدھ کی شکل پر تیسرا بیل کی شکل پر اور چوتھا شیر کی شکل پر (روح البیان از ابن عباس و در منثور) بعض روایت میں ہے کہ حاملین عرش اور حاملین کرسی کے درمیان ستر حجاب ظلمت کے اور ستر حجاب نور کے ہیں ہر حجاب کی موٹائی پانچ سو سال کی راہ ہے اگر یہ حجاب حائل نہ ہوتے تو ملائکہ حاملین عرش کے نور سے حاملین کرسی جل جاتے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ کرسی کوئی جسم وغیرہ نہیں۔ اس کلام سے لوگوں کے ذہن میں رب کی عظمت کا نقشہ کھینچنا مقصود ہے۔ جیسے کعبہ کو بیت اللہ قرار دیا گیا۔ اس میں دروازہ لگایا گیا۔ اسکے گرد طواف کرایا گیا۔ وہاں دعائیں منگائیں گئیں۔ حالانکہ نہ وہاں رب رہتا ہے اور نہ وہاں رب کا مکان ہے یہ سب کچھ اظہار عظمت کے لئے ہے۔ ایسے ہی اسکے لئے عرش و کرسی کا ثابت کرنا اسکی سلطنت کا خیال جمانے کے لئے ہے۔ **ولا یودہ** یہ اود سے بنا ہے بمعنی مشقت اور بوجھ یہ نصر ینصر سے ہے اور **یودہ** کا مرجع رب تعالیٰ ہے **حفظھما** حفظ کے معنی نگہبانی ھما کا مرجع آسمان و زمین ہیں کہ یہ دو جنسیں ہیں۔ یعنی رب تعالیٰ کو اتنے بڑے آسمان و زمین کی نگہبانی بھاری نہیں۔ **وھو العلی العظیم** یہ دونوں لفظ قریب المعنی ہیں۔ علی بمعنی بلند۔ اس سے مکانی بلندی مراد نہیں۔ بلکہ کمالات میں اعلیٰ ہونا مراد ہے۔ یعنی وہ علم سلطنت غلبہ اور صفات میں سب سے اعلیٰ درجہ والا عظیم ہے کہ اسکے سامنے ہر شے حقیر۔ خیال رہے کہ عظمت صفت اضافی ہے۔ ہر چیز اپنے حقیر کے مقابل عظیم ہوتی ہے۔ اسی لئے رب تعالیٰ سب سے عظیم ہے۔ نبی علیہ السلام اپنی امت سے عظیم شیخ اپنے مریدین سے اور استاد اپنے شاگردوں سے کیونکہ ان چھوٹوں کی عقلیں اپنے بڑوں کے صفات کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔ **ھو العلی**

العظیم فرما کر اشارۃً بتایا گیا کہ رب تعالیٰ کی شان بہت ہی بلند و بالا ہے اور آسمان و زمین معمولی حقیر چیزیں ایسے شان والے رب کو ایسی حقیر چیزوں کی حفاظت بھاری کیسے ہو سکتی ہے۔ تو یہ کلمے لا یوده کی دلیل ہے۔ جو نادان ریل کی قطار دیکھ کر کہے کہ ایک انجن اسے کھینچ نہیں سکتا۔ اس نے ابھی تک انجن دیکھا ہی نہیں۔ صرف ریل دیکھی ہے ایسے ہی جو کہے کہ اتنے بڑے زمین و آسمان کو ایک خدا نہیں سنبھال سکتا۔ اس نے آسمان و زمین کو تو دیکھا مگر رب کی شان میں غور نہ کیا۔ اگر رب کی شان میں غور کر لیتے تو یقین کرتے کہ ایسے لاکھوں عالم رب تعالیٰ قائم رکھ سکتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : رب تعالیٰ اپنی مخلوق کے سارے اگلے پچھلے حال و اعمال جانتا ہے۔ اور کوئی مخلوق اس کی معلومات کو نہیں جان سکتی مگر اتنا ہی جتنا وہ چاہے اور بتائے اور وہ بقدر قابلیت ہر ایک کو بتاتا ہے۔ سمندر سے کوئی مشک بھر کر لاتا ہے کوئی گھڑا کوئی لوٹا کوئی پیالہ اس کے عرش کا تو پوچھنا کیا۔ کرسی کی عظمت کا یہ حال ہے کہ تمام آسمان و زمین اس میں سمائے ہوئے ہیں۔ رب تعالیٰ کو اتنا وسیع مملکت کا سنبھالنا اور زمین و آسمان کی نگہبانی کچھ دشوار نہیں۔ نہایت آسانی سے ان سب کی نگرانی فرما رہا ہے۔ وہ اپنی صفات میں اعلیٰ و بالا ہے کہ اس کی عظمت تک کسی کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو اپنے علم کا مظہر بنایا کہ وہ حضرات رب تعالیٰ کے بتائے سکھائے سے سارے حالات جانتے ہیں۔ دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **انبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم** سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر دانہ اور پانی کے ہر قطرہ کے متعلق جانتے تھے کہ یہ کس کے نصیب کا ہے۔ اور اسے کون کھائے گا۔ نیز لوگ جو گھروں کے اندر رکھاتے ہیں آپ اسے دیکھتے ہیں۔ مکان کی دیواریں آپ کی نگاہ کے لئے حجاب نہیں یہ ہے انبیاء کا ظاہر و باطن کا علم۔ پیدا ہوتے ہی فرمایا کہ مجھے رب نے کتاب دی نبی بنایا کتاب میں سارے علوم موجود تھے اور نبی کہتے ہیں خبر والے کو معلوم ہوا کہ پیدائشی باخبر ہیں بے خبر نہیں۔ ہم لوگ حضرات انبیاء اولیاء کے علوم کا احاطہ نہیں کر سکتے ہم کو تو سورج، سمندر کے پانی اور ہوا کا آج تک احاطہ نہ ہو سکا پھر آسمان نبوت کے چاند سورجوں کا احاطہ کیسے ہو سکتا ہے۔

آیۃ الکرسی کے فضائل و فوائد

اس آیت کا نام آیت الکرسی ہے۔ کیونکہ اس میں کرسی کا ذکر ہے۔ اس کے فضائل و فوائد بے شمار ہیں۔ ہم اولاً کچھ فضائل اور کچھ فوائد تفسیر خازن و کبیر و در منثور وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔

فضائل : اس آیت میں الٰہیات کے اعلیٰ مسائل کا ذکر ہے۔ اور ذات و صفات کا بے مثل بیان۔ 2 اسی آیت میں رب تعالیٰ کے نام ظاہر اور محذوف سترہ جگہ ذکر ہوئے۔ **اللہ، ھو، الحی، القیوم** اور **لا تاخذہ، لہ، عندہ، باذنہ، یعلم، علمہ، شاء، کرسیہ، یودہ** کی ضمیریں **حفظھما** میں ضمیر پوشیدہ۔ **وھو العلی العظیم** 3 آیت الکرسی میں اسم اعظم بھی ہے۔ اور وہ **الحی القیوم** ہے۔ یا **لا الہ الا ھو** اولیاء اللہ اسی اسم سے **طی الارض** کرتے ہیں کہ آن کی آن میں مشرق و مغرب طے کر لیتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اسی اسم سے مردے زندہ فرماتے تھے۔ 4 حدیث شریف میں ہے کہ

آدم علیہ السلام سید البشر ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سید عرب و عجم سلمان فارسی سید اہل فارس۔ صہیب سردار روم بلال سردار حبشہ طور پہاڑوں کا سردار جمعہ سید الایام۔ قرآن سید الکلام 'سورہ بقرہ سید القرآن اور آیت الکرسی سید البقر۔ 5 ذکر کی عظمت مذکور کی عظمت سے ہے۔ مذکور جس قدر اعلیٰ اسی قدر ذکر بھی اشرف چونکہ آیۃ الکرسی میں رب کی ذات و صفات ہی مذکور ہے۔ لہٰذا یہ دیگر آیتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ خیال رہے کہ سورہ اخلاص تہائی قرآن کا ثواب رکھتی ہے۔ تو آیت الکرسی اس سے کہیں بڑھ کر ہونی چاہئے۔ (روح) بخاری نے اپنی تاریخ میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ہمیں آیت الکرسی عرش کے نیچے عنایت فرمائی گئی۔ (در منثور) 7 احمد نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آیت الکرسی چہارم قرآن ہے۔ 8 ترمذی شریف میں ہے کہ ہر چیز کی کوئی زینت ہے قرآن کی زینت سورہ بقر ہے اور اس میں آیت الکرسی قرآن کی سردار ہے۔ (خازن) 9 علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جنگ بدر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سجدہ میں سر رکھے ہوئے یا حی یا قیوم پڑھ رہے تھے میں میدان میں گیا۔ پھر لوٹ کر آیا تو یہی پڑھتے ہوئے پایا۔ بار بار جاتا آتا رہا اور یہ ہی پڑھتا ہوا پاتا رہا یہاں تک کہ فتح ہو گئی۔ (کبیر) 10 آیت الکرسی پڑھنے والے پر ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے۔ جو اس کی نیکیاں لکھتا اور گناہ مٹاتا رہتا ہے۔ دوسرے دن کی اسی ساعت تک یہ ہی کرتا رہتا ہے۔ (در منثور)

آیۃ الکرسی کے فوائد : 1 علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی ہر فرض نماز کے پیچھے آیت الکرسی پڑھ لیا کرے۔ تو اس میں اور جنت میں صرف موت کی آڑ ہو گی کہ مرتے ہی جنت میں داخل ہو جائے۔ اور اس پر ہمیشگی کرنے والا صدیقین و عابدین کے زمرہ میں شمار ہو گا۔ (کبیر) 2 جو کوئی سوتے وقت بستر پر لیٹ کر آیت الکرسی پڑھ لے تو اس کا اور اس کے پڑوسیوں کا گھر چوری ڈکیتی اور آگ لگ جانے غرض ساری اچانک مصیبتوں سے صبح تک محفوظ رہے گا۔ (کبیر) 3 جس گھر میں آیت الکرسی پڑھی جائے۔ اس گھر سے شیطان ایک ماہ تک اور جادوگر چالیس دن تک دور رہتے ہیں۔ (کبیر و در منثور) 4 ایک بار ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک جن کو پکڑ لیا۔ اور اس سے پوچھا کہ انسان تم سے کیونکر بچیں۔ اس نے عرض کیا کہ صبح و شام آیت الکرسی پڑھ لیا کریں۔ صبح کو یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو فرمایا اس خبیث نے سچ کہا (روح البیان) 5 جو کوئی صبح و شام اپنے بچوں پر آیت الکرسی پڑھ کر دم کر دے۔ وہ شیطان اور جادو اور نظر بد سے محفوظ رہے گا۔ 6 ابن سنی نے امام زین العابدین سے نقل کیا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دردزہ کی تکلیف تھی۔ حضور علیہ السلام نے ام سلمہ اور زینب بنت جحش کو حکم دیا کہ فاطمہ کے پاس جا کر آیت الکرسی اور فلق و ناس پڑھیں۔ (در منثور) اس سے معلوم ہوا کہ آیت الکرسی دردزہ میں مفید ہے۔ 7 ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بے برکتی کی شکایت کی کہ میرے گھر میں برکت نہیں ہوتی۔ فرمایا آیت الکرسی پڑھا کرو۔ (در منثور) اس سے معلوم ہوا کہ آیت الکرسی برکت کے لئے مفید ہے۔ 8 جو کوئی سوتے وقت آیت الکرسی پڑھ لے تو رات بھر دو فرشتے اسکی حفاظت کرتے ہیں۔ (در منثور) 9 جو کوئی سفر کے وقت اپنے گھر پر آیت الکرسی پڑھ کر دم کر جائے تو اس کا مال و اہل و عیال اس کی واپسی تک محفوظ رہیں گے۔ (در منثور) 10 جو کوئی کمیں پارسل وغیرہ بھیجے اس پر آیت الکرسی دم کر دے تو ان شاء اللہ خیریت سے پہنچے گا۔ (مجرب) 11 جو کوئی فجر اور مغرب کے بعد اول و آخر تین تین بار درود شریف اور درمیان میں اکتالیس بار یا حی یا قیوم پڑھ لیا کرے تو انشاء اللہ اسے خاتمہ بالخیر نصیب ہو گا۔ جو کوئی نماز پنجگانہ کے بعد آیت الکرسی پڑھے اور جب ولا یؤدہ حفظهما تک پہنچے تو اپنی پانچوں انگلیاں

کے پورے دونوں آنکھوں پر رکھ کر گیارہ بار یہ لفظ پڑھے۔ اور پھر ایک بار **وھو العلی العظیم** پڑھ کر اپنے پوروں پر دم کرکے آنکھوں پر پھیرے تو ان شاء اللہ اندھا نہ ہو گا۔ نہایت مجرب ہے۔ 13 جو کوئی سفر میں **یا حی یا قیوم برحمتک استغیث** پڑھتا رہے تو ان شاء اللہ اس پر سفر آسان ہو گا۔ 14 آیت الکرسی سے شیطان بھاگتے ہیں۔ بے چین دل کو چین آتا ہے۔ مرگی والے کو فائدہ ہوتا ہے۔ اس سے غصہ شر اور حرام شہوت دور ہوتی ہے۔ ظالم کا ظلم کم ہوتا ہے۔ مگر اخلاص شرط ہے۔ (روح البیان)۔

دل پر دردرا دوا قرآن جان مجروح راشفا قرآن
ہر چہ جوئی زنص قرآن جو کہ بود گنج ملہا قرآن

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: سارا قرآن رب کا کلام ہے۔ مگر اس کی آیتوں کی تاثیریں جداگانہ سارے انبیاء اور اولیاء رب کے پیارے ہیں۔ مگر ان کے مراتب مختلف (خازن) دوسرا فائدہ: حمد و نعت کی آیتیں ان آیتوں سے افضل ہیں جن میں کفار کا ذکر ہے۔ کیونکہ ان میں ذکر بھی افضل اور مذکور بھی اعلیٰ مگر ان آیتوں میں ذکر اعلیٰ اور مذکور خبیث تیسرا فائدہ: اصول اسماء و صفات یہ ہیں۔ وحدانیت' حیات' علم' قیومیت' ملک' قدرت ارادہ' چونکہ آیت الکرسی میں ان سب کا ذکر ہے لہذا یہ آیت اعظم اذکار ہے۔ چوتھا فائدہ: رب تعالیٰ بندوں کے عیوب بے علمی غفلت' اونگھ نیند' عجز وغیرہ سے پاک ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کی کرسی ہے۔ تو لازم آیا کہ وہ ایک جگہ رہنے والا ہے۔ اور جو ایک جگہ میں رہنے والا ہو وہ محدود ہے اور محدود خدا نہیں ہو سکتا (ستیارتھ پرکاش) جواب: پنڈت جی قرآن سمجھنے کے لئے عقل چاہیے۔ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ خدا اس کرسی پر بیٹھتا ہے۔ یہاں تو یہ ارشاد ہوا کہ اس کی کرسی آسمان و زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کی کرسی کے یہ معنی ہیں کہ اس کی پیدا کی ہوئی اس کی مملوک کرسی جیسے کہا جاتا ہے اللہ کا آسمان اور اس کی زمین اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان میں رہتا ہے۔ اور کرسی سے مراد یہ میز کرسی نہیں ہے اس کا مطلب ہم تفسیر میں بتا چکے کہ یا تو اس سے رب کا علم مراد ہے یا اس کی قدرت و ملکیت یا آٹھواں آسمان فلک بروج یا یہ صرف ایک مثال ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بارگاہ الٰہی میں شفاعت باذن ہو گی اور شفاعت کا اذن بہت چیزوں کو ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم' انبیاء' اولیاء' علماء' چھوٹے بچے' قرآن' رمضان' کعبہ وغیرہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع المذنبین کیوں کہتے ہیں۔ جواب: اس لئے کہ ان تمام حضرات کی شفاعت صغریٰ ہو گی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت' شفاعت کبریٰ ہو گی۔ شفاعت کبریٰ صرف حضور ہی کریں گے۔ اس شفاعت میں چند خصوصیات ہیں۔ ایک یہ کہ اول قیامت میں جب کہ عدل الٰہی جلوہ گر ہو گا۔ سوا حضور کے کوئی شفاعت نہ کرے گا۔ حضور کے دست اکبر پر دروازہ شفاعت کھل جانے کے بعد دوسرے حضرات شفاعت صغریٰ کریں گے۔ دوسرے یہ کہ تمام شفیعوں کی شفاعت مخصوص طرح اور محدود دائرے میں ہو گی۔ چنانچہ قرآن شریف تو اپنے تلاوت کرنے والوں کی۔ کعبہ معظمہ حاجیوں کی علماء اور اولیاء اپنے اہل قرابت والے دوستوں کی۔ چھوٹے بچے اپنے ماں باپ کی۔ رمضان روزہ داروں کی شفاعت کریں گے۔ مگر حضور کی شفاعت سارے

مسلمانوں کے لئے بلکہ ایک قسم کی شفاعت سارے جہان کے لئے اور ایک قسم کی شفاعت انبیاء اولیاء کے لئے ہوگی۔اس لئے اسے شفاعت کبریٰ کہتے ہیں۔اور حضور کو شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم۔

تفسیر صوفیانہ : انسان کا دل گویا عرش ہے کہ روح کا تجلی گاہ ہے۔اور سرینہ گویا کرسی۔اتنا بڑا عرش قلب مومن کی وسعت کے مقابلہ میں ایسا ہے۔جیسے میدان میں انگوٹھی۔بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس عالم جیسے دس لاکھ عارف کے قلب میں رکھے جائیں تو وہ محسوس بھی نہ ہوں۔حسن فرماتے ہیں کہ مومن کا دل عرش الٰہی ہے۔(ابن عربی و روح البیان) مولانا فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است ۔ من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست

در زمین و آسمان و عرش نیز ۔ من نہ گنجم از یقین داں اے عزیز

در دل مومن بگنجم اے عجب ۔ گر مرا جوئی در دلہا طلب

خود بزرگی عرش باشد بس بدید ۔ لیک صورت چیست چوں معنی رسید

دوسری تفسیر : آیتہ الکرسی میں اللہ سے عظیم تک گیارہ صفات کا ذکر ہے۔بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ **من ذا الذی** سے **بما شاء** تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صفات ہیں۔اور اس سے پہلے کے پانچ اور آخر کے تین خدا کے صفات مطلب یہ ہے کہ رب کی بارگاہ میں کون کسی کی شفاعت کر سکتا ہے سوا اس ایک محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جنہیں شفاعت کا اذن مل چکا کہ شفاعت کبریٰ کا سہرا انہیں کے سر ہے۔اس شفیع المذنبین کی صفت یہ ہے کہ **یعلم ما بین ایدیھم** سب کے سارے اگلے حالات جانتے ہیں۔کیونکہ سب سے پہلے انہیں کا نور پیدا ہوا سارا عالم ان کا دیکھا بھالا ہوا ہے۔**وما خلفھم** اور پچھلے حالات قیامت کی دہشت خلق کی گھبراہٹ رب کا غضب انبیاء کرام کا نفسی نفسی کہنا اور پھر سارے عالم کا بھکاری بن کر اس محبوب کے دروازہ پر آنا غرضیکہ سب کچھ جانتے ہیں۔کیونکہ بغیر علم شفاعت ناممکن علم والا جان سکتا ہے کہ کون کسی قسم کی شفاعت کا مستحق ہے اور کون محروم جو طبیب بیماروں کی بیماریوں سے بے خبر ہو وہ علاج کیا کر سکتا ہے۔اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ایمان و کفر وغیرہ سے بے خبر ہوں تو شفاعت کیسے کر سکتے ہیں۔پھر آپ کو پتہ کیسے لگے کہ کون شفاعت کے لائق ہے اور کون نہیں اور کون کس شفاعت کے لائق ہے۔وہ شفیع المذنبین سب کے احوال جانتے ہیں مگر **ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء** ملائکہ انبیاء اولیاء بلکہ سارا عالم اس شفیع المذنبین کے علوم میں سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے مگر اس قدر جتنا کہ محبوب عطا فرمائیں۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کا علم انبیاء کے مقابلہ میں ایسا ہے۔جیسے سات سمندروں کے مقابلہ میں ایک قطرہ اور سارے انبیاء کے علوم حضور علیہ السلام کے مقابل میں ایسے ہی ہیں جیسا سات سمندروں کے مقابل ایک قطرہ اور یہ ہی نسبت ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو خدا کے علم سے ہے۔ خیال رہے کہ انبیاء اور اولیاء میں حضرت آدم و ابراہیم علیہم السلام اور حضرت خضر بھی داخل ہیں۔قصیدہ بردہ شریف میں خوب فیصلہ کیا گیا کہ فرمایا۔

وکلهم من رسول اللہ ملتمس غرفا من البحرا و رشفا من الدیم
وواقفون لدیہ عند حدھم من نقطۃ العلم او من شکلۃ الحکم

یعنی سارے انبیاء اولیاء اپنی قابلیت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرتے ہیں اور انکے علوم حضور کے علم کے سامنے ایسے جیسے کتب خانہ کے مقابلہ ایک نقطہ یا تیز بارش کے مقابل ایک چھینٹا (روح البیان) از تاویلات نجمیہ) یہ نہایت نفیس تفسیر ہے۔ اور اس پر کوئی شرعی الزام نہیں۔ اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ جو مشکوۃ شریف باب مناقب ابی بکر و عمر میں ہے کہ انہوں نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا کسی کی نیکیاں تاروں کے برابر بھی ہیں۔ فرمایا ہاں عمر کی تو عرض کیا کہ ابو بکر کی نیکیاں کا کیا حال ہے فرمایا عمر کی ساری نیکیاں ابو بکر کی ایک نیکی کی طرح ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عالم کے سارے اعمال کی خبر ہے اور آسمان کے چھوٹے بڑے سارے تاروں کی بھی گنتی معلوم ہے تب ہی تو فرما رہے تھے کہ ساری امت میں حضرت عمر کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں یہ جواب وہ ہی دیگا۔ جو دونوں کی خبر رکھتا ہو۔ آسمان پر بعض تارے چھپے ہوئے ہیں۔ اور انسان صدہا اعمال چھپ کر ہی کرتے ہیں۔ نیز آپ نے لوگوں کے ایمان و کفر بلکہ درجات ایمان کی بھی دنیا ہی میں خبر دے دی کہ فاطمہ جنتی بیبیوں کی سردار ہیں۔ حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔ ایک بار ازواج مطہرات نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سرکار آپ کی وفات کے بعد پہلے کون بی بی صاحبہ حضور سے ملیں گے۔ فرمایا لمبے ہاتھ والی۔ سب نے اپنے ہاتھ ماپے تو بی بی سودہ کے ہاتھ لمبے تھے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے مراد سخاوت اور زینب نے تمام ازواج سے پہلے وفات پائیں۔ وہ بہت سخیہ تھیں۔ اس سوال سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کا عقیدہ تھا کہ حضور انور سب کے وقت موت۔ کیفیت موت اور سعادت و شقاعت اور جنت کے ٹھکانے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ کیونکہ اس سوال میں وقت موت۔ حسن خاتمہ اور حضور کے ساتھ جنت میں رہنا سب ہی پوچھا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں تمام ازواج کا جنتی ہونا جنت میں حضور کے ساتھ رہنا اور پہلے بی بی زینب کا وفات پانا بیان فرمادیا۔ یہ ہے حضور کا علم۔ رضی اللہ عنہم قیامت میں مرتدین کو اصحابی فرمانا ان کو شرمندہ کرنے کیلئے ہوگا۔ نہ کہ بے علمی کی وجہ سے جیسے رب تعالیٰ جہنمی سرداروں کو فرمائے گا۔ ذق انک انت العزیز الکریم ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ یہاں تو آپ یہ واقعہ بیان فرمائیں۔ اور وہاں بھول جائیں۔ ان کے متعلق حضور خود فرماتے ہیں۔ کہ میں انہیں جانتا ہوں وہ مجھے پہچانتے ہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّكْفُرْ

نہیں ہے جبر بیچ دین کے بے شک ظاہر ہوگئی ہدایت گمراہی سے پس جو کوئی انکار کرے

کچھ زبردستی نہیں دین میں بے شک خوب جدا ہوگئی ہے نیک راہ گمراہی سے تو جو شیطان کو

بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

شیطان کا اور ایمان لائے ساتھ اللہ کے پس بے شک مضبوط پکڑ لیا مضبوط رسی کو

نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے بڑی محکم گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا

لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾

نہیں ہے کھلنا واسطے اس کے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۔

نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** : پچھلی آیتوں میں نبوت اور رسالت اور رب کی ذات و صفات کا نہایت بہترین ذکر فرمایا گیا۔ اور یہ ہی چیزیں اسلام کے اصول ہیں۔ اب اسلام کی حقانیت کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ گویا پہلے اسلامی اصول کا تذکرہ تھا۔ اور اب اسلامی حقانیت کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** : آیت الکرسی میں صفات الٰہیہ کا کچھ اس طرح ذکر فرمایا گیا جس کے قبول کرنے پر ہر عاقل مجبور ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ چونکہ اب بیان کے بعد عاقل کیلئے قبول حق میں کوئی تامل کی گنجائش باقی نہ رہی۔ لہٰذا اسلام پر کسی کو مجبور نہ کیا جائے۔ جو چاہے مانے جو چاہے نہ مانے حجت پوری ہو چکی۔

تیسرا تعلق : آیت الکرسی میں فرمایا گیا تھا کہ رب تعالیٰ لوگوں کے اگلے پچھلے حالات جانتا ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ کسی کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا جائے۔ کیونکہ جن کا کفر علم الٰہی میں آچکا وہ جبر سے مومن نہ ہوں گے۔ لہٰذا یہ چیز بے کار ہے۔

شان نزول : انصار کے قبیلہ بنی سالم میں ایک صاحب تھے حصین جن کے دو بیٹے عیسائی تھے۔ وہ ایک بار مدینہ منورہ میں روغن کی تجارت کے لئے آئے۔ حضرت حصین نے انہیں پکڑ لیا اور فرمایا کہ تمہیں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ۔ انہوں نے انکار کیا یہ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضرت حصین نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے جگر کے ٹکڑے دوزخ میں جائیں۔ اور میں دیکھوں اس پر آیت کریمہ اتری اور حضور نے حکم دیا کہ انہیں چھوڑ دو۔ (در منثور) دوسری روایت : انصار میں رواج تھا کہ جن عورتوں کے بچے نہیں جیتے تھے۔ وہ نذر مانتی تھیں کہ خدایا اگر تو ہمارا بچہ زندہ رکھے تو ہم اسے یہودی کر دیں گے۔ اگر ان کی حاجت پوری ہو جاتی تو وہ نذر پوری کرتیں۔ اور ان کے یہ بیٹے یہودی ہی رہتے۔ جب مدینہ منورہ میں اسلام کا آفتاب چمکا اور وہاں سے قبیلہ بنی نضیر کو ملک بدر کیا گیا۔ تو ان میں انصار کی ایسی اولاد بھی تھی۔ انصار نے چاہا کہ ان کو نہ جانے دیں کہ یہ ہماری اولاد اور ہمارے بھائی بھتیجے ہیں۔ اس موقعہ پر یہ آیت آئی۔ اور ان لوگوں کو اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو ایمان لے آئیں اور چاہیں تو اپنے کفر پر قائم رہ کر نکل جائیں۔ (خازن و در منثور) مگر ممکن ہے کہ حصین کے وہ دونوں بچے بھی اسی قسم کے ہوں لہٰذا ان روایتوں میں اختلاف نہیں۔

تفسیر : **لا اکراہ فی الدین۔ اکراہ** کرہ سے بنا معنی ناپسندیدگی **اکراہ** انسان سے ایسا بوجھ اٹھوانا جسے وہ پسند نہ کرتا ہو یا زبردستی اور مجبوراً منوانا **الدین** میں الف لام عہدی ہے۔ یا مضاف الیہ کے عوض میں یعنی دین اللہ اس سے مراد اسلام ہے (کبیر) اس جملہ کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک یہ کہ دین میں جبر جائز نہیں کہ کسی کو ڈرا دھمکا کر مسلمان کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جو کافر جنگ کے بعد ایمان لائے۔ اسے صحیح مسلمان جانو یہ نہ کہو کہ مجبوراً ڈر کے مارے ایمان لایا جس کی تفسیر یہ آیت ہے **ولا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مؤمنا** (کبیر) پہلی صورت میں باب افعال تعدیہ کے لئے ہے۔ اور دوسری صورت میں نسبت کے لئے یعنی اسلام میں مجبوری کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں۔ خیال رہے کہ کسی کافر کو جبراً مسلمان بنانا

جائز نہیں، مگر مسلمان سے جبرادین پر عمل کرانا جائز بلکہ ضروری ہے۔ لہذا بے نمازی پر سختی درست ہے ماہ رمضان کی بے حرمتی کرنے پر سخت سزا دینا درست ہے۔ زانی کو رجم اور چور کے ہاتھ کاٹنا ضروری ہے۔ زکوۃ کے منکرین پر حضرت صدیق اکبر نے فوج کشی کی یہ تمام امور اس آیت کے خلاف نہیں۔ اس کے لئے وہ آیت کریمہ ہے **یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ امر بالمعروف** زبانی بھی ہوتا ہے قلمی بھی ہاتھ سے بھی **قد تبین الرشد من الغی** یہ جملہ پچھلے جملہ کی علت ہے۔ **تبین** بین سے بنا بمعنی فاصلہ اور جدائی طلاق کو بائنہ اور کلام کو بیان اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے عورت کی جدائی اور مقصود وغیر مقصود میں فرق ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ظاہر کو بین کہا جاتا ہے کہ وہ ظہور کی وجہ سے دوسروں سے جدا ہو گیا۔ یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں رشد میں تین لغت ہیں **رشد، راشد** اور **رشاد** ہر خیر کو رشد اور ہر شر کو غی کہا جاتا ہے۔ مگر یہاں رشد سے ایمان مراد ہے۔ جو دائمی سعادت کا ذریعہ ہے کیونکہ اس سے پہلے دین کا ذکر ہو چکا اور غی سے کفر مراد امام راغب فرماتے ہیں کہ غی مثل جہالت کے ہے۔ البتہ عملی جہالت کو جہل کہتے ہیں اور اعتقادی جہالت کو غی کہا جاتا ہے۔ اہل عرب بولتے ہیں۔ جہل کا زوال عمل سے اور غی کا زوال رشد سے ہے۔ یعنی دلائل اور آیات کے ذریعہ ایمان کفر سے جدا ہو گیا۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہو گئے۔ یا مطلب یہ ہے کہ دیگر انبیاء کرام کے ذریعہ رشد و غی ظاہر ہوئے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دونوں خوب ہی ظاہر ہو گئیں۔ چاند تارے اور گیس بجلی وغیرہ بھی اجالا کر کے چیزیں ظاہر کر دیتے ہیں۔ مگر سورج تو دن نکال دیتا ہے۔ جس سے تمام چیزیں خوب ہی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں۔ جن سے ہدایت و گمراہی ایسی واضح و ظاہر ہو گئی جس سے زیادہ ظاہر ہونا غیر ممکن ہے یہ سورج ظاہری آنکھیں کھول دیتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دلوں کی آنکھیں کھول دیں اس لئے رب نے فرمایا **قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین ○ فمن یکفر بالطاغوت** کفر بمعنی چھپانا ہے۔ انکار کو اسی لئے کفر کہتے ہیں کہ اس سے کوئی بات چھپائی جاتی ہے۔ یہاں انکاری مراد ہے۔ کفر کی بحث ہم پہلے پارہ میں کر چکے۔ **طاغوت** طغی سے بنا بمعنی حد سے گزرنا **لما طغی الماء** سیلاب کو اسی لئے طغیانی کہتے ہیں اور طاغوت بروزن فعلوت مصدر ہے۔ ت زائدہ جیسے جبر سے جبروت اور رغب سے رغبوت اور رہب سے رہبوت اور ملک سے ملکوت یہ مصدر ہونے کی وجہ سے واحد و جمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔ جیسے **اولیھم الطاغوت** اور **ان یتحاکموا الی الطاغوت** یہ اصل میں طغووت تھا۔ مگر پہلے واؤ کو غین پر مقدم کر دیا گیا۔ جیسے صاعقہ کو صاقعہ کہہ دیتے ہیں۔ پھر واؤ کو الف سے بدل دیا گیا۔ (کبیر) ہر سرکش اور گمراہ کو طاغوت کہا جاتا ہے۔ شیطان، کاہن، جادوگر، بت سب ہی پر یہ لفظ بولا جاتا ہے یہاں سب معنی درست ہیں۔ کیونکہ یہ طغیان کے اسباب ہیں۔ اس زمانہ کے نئے مفسر مولوی رشید احمد صاحب کے شاگرد رشید یعنی مولوی حسین علی واں بھچری نے اپنی کتاب تفسیر بلغتہ الحیران میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ طاغوت میں انبیاء کرام بھی داخل ہیں کہ لوگوں نے انہیں بھی خدا سے ملا دیا۔ اور ان کی وجہ سے لوگ مشرک ہو گئے۔ حتی کہ بعض کفار نے نبیوں کو خدا کا بیٹا مان لیا۔ نعوذ باللہ اگر یہ تفسیر درست ہو تو لازم آوے گا کہ قرآن شریف اور اللہ تعالی بھی طاغوت میں داخل ہو جائیں۔ کیونکہ بہت لوگوں نے رب کے شریک ٹھہرائے پھر آیت کے معنی یہ ہوں گے جو اللہ کو نہ مانے اور نبی کا کفر کرے۔ حالانکہ نبی پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری ہے جیسے اللہ پر ایمان لانا رب تعالی فرماتا ہے۔ **امنو باللہ ورسولہ** اس ظالم نے انبیاء کرام کو بجائے مومن کے ما یکفر بنایا ہے۔ یہ ہے تحریف طاغوت وہ ہے جو لوگوں کو گمراہ کرے جیسے بت وغیرہ

حضرات انبیاء کرام نے نہ کسی کو گمراہ کیا نہ انہیں رب نے گمراہی کے لئے بنایا۔ یہ حضرات ہادی اور سبب ہدایت ہیں۔ اگر کوئی انہیں خدا یا خدا کا بیٹا مان لے تو یہ اس کی اپنی بد قسمتی ہے وہاں سے طغیان نہ ملا یہ تفسیر اس آیت کے صریحی خلاف ہے۔ **ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ** معلوم ہوا کہ طاغوت کو حاکم بنانا حرام و کفر ہے۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے۔ **فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم** معلوم ہوا کہ نبی کو حاکم بنانا مدار ایمان ہے۔ **فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ** استمسک مسک سے بنا ہے بمعنی **اخذ بالقوۃ** مضبوطی سے تھامنا۔ **عروۃ** اصل میں **عری** تھا بمعنی ننگا ہونا۔ اس لئے چٹیل میدان کو عراء کہا جاتا ہے۔ لہٰذا **العراء** اور **عراء** کے معنی جانب یا پہلو کے بھی ہیں۔ **عروۃ** دستہ کو بھی کہتے ہیں۔ جو برتن کے ایک کنارے پر ہو۔ جس سے برتن پکڑا جائے۔ اسی لئے ڈول اور کوزہ کی جائے گرفت کو بھی عروہ کہا جاتا ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ عروہ وہ چیز جس کو پکڑ کر لٹکا جائے۔ یعنی رسی **وثقی** **اوثق** کا مونث ہے۔ بمعنی مضبوط یہاں قوی دلائل کو مضبوط گرہ والی رسی سے تشبیہ دی گئی ہے جو ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ **لا انفصام لھا** یہ وثقی کا بیان ہے **انفصام** **فصم** سے بنا بمعنی کھل کر ٹوٹنا۔ کٹنے کو ابانت کہتے ہیں۔ **واللہ سمیع علیم ۝** سمیع کا مفعول اقوال اور علیم کا مفعول عقائد و خطرات اور ارادے ہیں۔ یعنی اللہ ہر ایک کی بات سننے والا اور ہر ایک کی نیت جاننے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! دین میں کسی پر زبردستی نہیں کسی کو مجبور کر کے مسلمان نہ بناؤ۔ کیونکہ قرآن کریم سے ہدایت اور گمراہی پوری ظاہر ہو چکیں کہ کسی ہوشیار کو اس میں دم مارنے کی گنجائش نہیں اب جو کوئی شیطان سے دور رہے اور اللہ پر ایمان لائے۔ اس نے دین کی ایسی مضبوط رسی پکڑلی اور ایسی محکم گرہ تھام لی جو کبھی کھل سکتی ہی نہیں۔ وہ اس کے ذریعے یقیناً جنت میں پہنچے گا۔ تم کسی کی فکر کیوں کرتے ہو۔ اللہ ہر ایک کی بات سنتا ہے۔ اور سب کی نیتوں کو جانتا ہے۔ ہر ایک کو اس کے لائق سزا و جزا دیگا۔ دنیا مذہبوں کا جنکشن ہے۔ جنکشن پر تحقیق کر کے گاڑی میں بیٹھو۔ تب منزل مقصود پر پہنچو گے۔ طغیان کی ریل میں بیٹھ کر رحمان تک نہیں پہنچ سکتے۔ طغیان کے ذریعہ نیران تک ہی پہنچو گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کسی کو جبراً مسلمان کرنا جائز نہیں اس لئے جہاد سے پہلے اسلام پیش کیا جاتا ہے۔ اگر کفار نہ مانیں تو جزیہ کی پیش کش ہوتی ہے اگر اس کا بھی انکار کریں۔ تب جنگ اگر اسلام میں جبر ہوتا تو جزیہ کی پیش کش نہ ہوتی۔ مگر اس حکم سے مرتدین اور مشرکین عرب مستثنیٰ ہیں کہ ان کے لئے دو ہی صورتیں ہیں۔ یا اسلام یا تلوار **دوسرا فائدہ**: اس آیت سے موجودہ کفار کا یہ الزام بھی اٹھ گیا کہ اسلام تلوار سے پھیلا یا مسلمانوں نے کفار کو جبراً کلمہ پڑھایا جبراً مسلمان کرنا اسلام کا قانون ہی نہیں اگر یہ قانون ہوتا تو آج ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد صرف دس کروڑ اور ہندوؤں کی تعداد پچیس کروڑ نہ ہوتی۔ بلکہ یہاں سب مسلمان ہی ہوتے اور ملک بجائے ہندوستان کے اسلام ستان ہوتا۔ کیونکہ یہاں مسلمانوں کی حکومت تقریباً آٹھ سو سال رہی۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں توحید کے علمبردار تھے اور ان کے پاس دنیاوی ساز و سامان کچھ نہ تھا۔ تمام عرب ان کا مخالف اکیلی ذات دنیا پر کیسے تلوار چلا سکتی ہے وہ کون سی کشش تھی کہ اس بے سرو سامانی کی حالت میں لوگ مسلمان ہوتے تھے۔ اور اسلام لا کر ہزارہا مصیبتیں جھیلتے اور دنیا

کے مظالم سہتے تھے۔ دیکھو حضرت بلال، حضرت صہیب، سلمان فارسی، ابوذر غفاری وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات۔ اب ہندوستان میں مسلمانوں کے پاس کون سی تلوار ہے۔ اب بھی جب مردم شماری ہوتی ہے تو مسلمان کا تناسب آبادی بڑھتا ہی ہے۔ قبیلے کے قبیلے حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ بے شک اسلام تلوار سے پھیلا مگر لوہے کی تلوار سے نہیں بلکہ حقانیت و صداقت کی تلوار سے۔

مسئلہ: اگر کوئی ہندو یا پارسی یہودی ہو جائے یا عیسائی و یہودی مجوسی یا بت پرست بن جائے تو ہمارے نزدیک اسے اپنے مذہب کی طرف لوٹ جانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ بلکہ اسے دینی آزادی ہوگی۔ (احکام القرآن)

مسئلہ: اگر کوئی کافر جبراً مسلمان کیا گیا ہو تو اب اسلام پر قائم رکھا جائے گا۔ اپنے مذہب کی طرف پھر جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ مگر مرتد ہو جانے پر وہ قتل نہ کیا جائے گا۔ (احکام القرآن)

مسئلہ: حضرت ضحاک سعدی سلمان ابن موسیٰ وغیرہم نے اس آیت کو **جاهد الكفار والمنفقين** سے منسوخ مانا۔ (احکام القرآن و روح البیان) ان کے نزدیک **اکراہ** کے معنی ہی کچھ اور ہیں۔ اور یہ آیت مرتدین و کفار عرب سب کو عام ہے۔ مگر جمہور علماء نے اسے محکمات سے مانا۔ ان کے نزدیک **اکراہ** سے مراد ہے دین پر مجبور کرنا۔ اور اس سے مرتدین و مشرکین عرب مستثنیٰ ہیں (احکام القرآن) بعض نے فرمایا کہ **لا اکراہ فی الدین** کے معنی یہ ہیں کہ رب کی طرف سے کسی پر دین میں جبر نہیں بلکہ اختیار تام دیا گیا ہے **فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر** (روح المعانی) بعض کے نزدیک یہ آیت ذمی اہل کتاب کے حق میں ہے تیسرا فائدہ ایمانیات کے اقرار سے پہلے کفریات سے بیزاری ضروری ہے۔ دیکھو یہاں ایمان باللہ سے پہلے کفر بالطاغوت کا ذکر ہوا۔ اسی لئے کلمہ طیبہ میں لاالہ پہلے ہے اور الا اللہ بعد میں کفریات سے بیزاری کامل یہ ہے کہ کفار سے نفرت ہو ان کے کفر سے نفرت ہو۔ ان کی شکل و صورت سے نفرت ان کے اخلاق و لباس وغیرہ تمام چیزوں سے نفرت ہو۔ اگر کفار کے کفر سے تو نفرت ہو۔ مگر ان کی وضع قطع سے محبت ہو۔ تو یہ بیزاری کامل نہیں چوتھا فائدہ: کفر کے لغوی معنی ہیں۔ انکار کرنا یا چھپانا۔ شرعی معنی ہیں اسلامی عقائد کا انکار کرنا مطلق کفر سے شرعی معنی ہی مراد ہوتے ہیں۔ لغوی معنی کے لئے کچھ قید لگانی ہوتی ہے۔ جیسے یہاں کفر کے ساتھ طاغوت ارشاد ہوا۔ مولانا خسرو فرماتے ہیں۔ کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست۔ یعنی میں عشق کا چھپانے والا ہوں۔ مجھے اظہار کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا جو کہے کہ میں کافر ہوں اور اس سے لغوی معنی مراد لے تب بھی شرعاً کافر ہوگا۔ اور اس پر تجدید ایمان لازم ہوگی۔ ایمان باللہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی ذات و صفات اس کے احکام اس کے انبیاء و مرسل تمام پر ایمان لائے۔ صرف اللہ کی توحید تو شیطان بھی مانتا ہے اور بہت سے کفار بھی موحد ہیں۔ اس لئے دوسرے مقام پر ارشاد ہوا۔ **امنوا بالله ورسوله** اور ارشاد ہوا۔ **كل امن بالله وملئكته وكتبه ورسله** ○

اعتراض: پہلا اعتراض: جب دین میں جبر نہیں تو مسلمانوں نے جہاد کیوں کئے۔ (آریہ) جواب: دنیا میں امن قائم کرنے کفر کا زور مٹانے اور اسلامی آزادی کے لئے تاکہ نیک لوگوں کو اللہ اللہ کرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔ جہاد سے مقصود یہ نہیں ہوتا کہ جبراً کافروں کو مسلمان کیا جائے۔ دوسرا اعتراض: جب جبراً مسلمان کرنا جائز نہیں تو جبریہ ایمان کا اعتبار کیوں کیا گیا۔ اور ایسے مسلمان کو مسلمان رہنے پر مجبور کیوں کیا گیا۔ چاہئے تھا کہ ایسے ایمان پر اسلام کے احکام جاری نہ ہوں۔ جواب:

شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں دل کی خوشی ناخوشی کا اعتبار نہیں زبانی اقرار کا لحاظ ہے جیسے طلاق اور غلام کا آزاد کرنا ایسے ہی اسلام بھی ہے ورنہ لوگوں کو مرتد بننے کا بہانہ مل جاتا کہ جب چاہتے اسلام چھوڑ دیتے اور حیلہ کر دیا کرتے کہ ہم جبراً مسلمان ہوئے تھے۔ (از احکام القرآن) **تیسرا اعتراض:** جب دین میں جبر نہیں تو مرتد کو جبراً کیوں مسلمان کیا جاتا ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ وہ سلطنت اسلامیہ کا باغی ہے۔ جس کی سزا قتل یا الطاعت ہے۔ جبراً مسلمان کرنا منع مسلمان کو اسلام پر جبراً قائم رکھنا ضروری۔ **چوتھا اعتراض:** جب دین میں جبر نہیں تو مشرکین عرب کو مذہبی آزادی کیوں نہ دی گئی۔ **جواب:** اسی لئے کہ وہ سلطنت اسلامیہ کا دار الخلافہ ہے۔ وہاں صرف خدام ہی رہنا چاہئیں۔ شاہی عمارتوں میں صرف خدام رہ سکتے ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** جن لوگوں نے اس آیت کو منسوخ مانا کیا ان کے نزدیک کفار کو جبراً مسلمان کرنا جائز ہے۔ **جواب:** نہیں ان کے نزدیک اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ دین میں کسی پر کسی قسم کی سختی نہیں نہ مرتد پر نہ مشرکین عرب پر اور نہ کسی اور پر اور ظاہر ہے کہ یہ حکم منسوخ جو لوگ اس آیت کو باقی مانتے ہیں ان کے نزدیک آیت کے وہ معنی ہیں۔ جو ہم عرض کر چکے۔ **چھٹا اعتراض:** جب اسلام مضبوط رسی ہے کہ اس کے پکڑنے والا خطرے سے نکل جاتا ہے تو لوگ مرتد کیوں ہو جاتے ہیں۔ **جواب:** بعض لوگوں کا ارتداد اسلام کی کمزوری سے نہیں بلکہ اپنی کمزوری سے ہوتا ہے کہ انہوں نے اس مضبوط رسی کو مضبوطی سے پکڑا نہیں۔ ان کی گرفت کمزور تھی۔

تفسیر صوفیانہ : علماء کے ہاں لا اکراہ فی الدین کے معنی ہیں کسی کو دین اسلام جبراً نہ دو یعنی کافر کو جبراً مسلمان نہیں کر سکتے۔ صوفیاء کے ہاں اس کے معنی ہیں کہ کسی سے نور ایمانی جبراً نہیں لے سکتے۔ یعنی نہیں ہے جبر نور ایمان میں۔ یہ نور ایمانی جسے معرفت کہتے ہیں۔ چار طریقے سے ملتا ہے۔ محض عطاء الٰہی سے پیدائشی طور پر۔ جیسے غوث پاک پیدائشی ولی۔ دوسرے مصیبت و آفات کے ذریعہ جیسے نصوح کو آفت میں مبتلا ہو کر ایمان و معرفت نصیب ہوا۔ جس کا قصہ مثنوی میں ہے عیش میں غفلت مصیبت میں توبہ میسر ہوتی ہے تیسرے نورانی لوگوں کی صحبت سے جیسے صحابہ کرام کو حضور انور کی صحبت سے وہ کمال معرفت ملا جو دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ آگ میں رہنے سے بعض چیزیں آگ بن جاتی ہیں۔ اور بعض چیزیں گرم ہو جاتی ہیں۔ ایسے ہی نور کے ساتھ رہنے سے بعض نور بن جاتے ہیں۔ اور بعض نورانی ہو جاتے ہیں۔ چوتھے کسی کے فیض نظر سے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے جادوگر جو ایک نگاہ کلیمی سے فاسق تھے عارف بن گئے صوفیاء کے ہاں دین۔ یعنی نور معرفت نہ زور سے ملتا ہے نہ زر سے ملتا ہے بلکہ زاری عطاباری سے ملتا ہے۔ شعر

دین مجو اندر کتب اے بے خبر　　علم و حکمت از کتب دین از نظر

صوفیاء کرام کے نزدیک ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ ایمان حقیقی اور ایمان رسمی جسے ایمان مجازی بھی کہتے ہیں ایمان حقیقی وہ ہے جو دربار یار کی حاضری کے بعد بطریقہ عیاں ہو۔ اور ایمان رسمی وہ ہے جو وہاں سے غائب رہ کر بطریقہ بیاں ہو۔ یعنی سن سنا کر مان لینا۔ نیز کفر کی چند قسمیں ہیں۔ کفر نعمت کفر وحدت کفر طاغوت وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو رب سے غافل کرنے سو وہ طاغوت ہے۔ خواہ نفس ہو یا مال یا غافل کرنے والی اولاد ان کے نزدیک انسانوں کے بھی تین گروہ ہیں۔ ایک اصحاب میمنہ یعنی صاحب جمال دوسرے اصحاب مشئمہ وہ صاحب جلال ہیں۔ تیسرے مقربین وہ صاحب کمال ہیں۔ پہلے گروہ کے ولی ملائکہ مقربین

کے ہاتھوں میں ہیں اور دوسرے گروہ کے دل شیاطین کے قبضہ میں اور تیسرے گروہ کے قلوب خاص رب تعالیٰ کے ہاتھ میں **ید اللہ فوق ایدیھم** اس آیت میں اس تیسرے گروہ کاہی ذکر ہے یعنی جو ہر قسم کے طاغوت سے الگ رہا۔ اور رب پر بطریقہ شہود و عیان ایمان لے آیا اور عالم مجاز سے نکل کر عالم حقیقت میں پہنچا انہوں نے ایسی مضبوط سی رسی پکڑی جو کبھی ٹوٹ سکتی ہی نہیں اور انکا بہکنا ناممکن ہے۔ جیسے انبیاء و خاص اولیاء عشرہ مبشرہ جن کے بارے میں فرمایا گیا۔ کہ **اعملوا ما شئتم قد غفرت لکم** (حدیث قدسی) جو چاہو کرو تمہاری بخشش ہو گئی۔ جب ان کا دل رب کے ہاتھ میں ہے تو وہ رضاالٰہی کے سوا اور کیا چاہ سکتے ہیں۔ رہا دوسرا فریق یعنی ازلی کافر چونکہ انکا تعلق طاغوت سے ہے اور رب سے انہیں کوئی تعلق نہیں۔ یہ مردود ہیں۔ مگر پہلے لوگ چونکہ انکا ایمان شہودی و عیانی نہیں۔ بلکہ رسمی و بیانی ہے اور ابھی یہ لوگ مجاز سے نکلے نہیں۔ یہ سمندر کی موجوں میں ہیں۔ اگر خاتمہ بالخیر نصیب ہو جائے۔ تو کامیاب ہیں ورنہ ناکام۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک فریق کا کفر یقینی اور ایک فریق کا ایمان قطعی مگر ایک جماعت وہ بھی ہے کہ جن کی کشتی منجدھار میں ہے۔ اللہ ان کا بیڑا پار کرے یہاں اس فریق کا ذکر ہے جس کا ایمان قطعی ہے۔ (روح البیان)

دوسری تفسیر : اصطلاح صوفیاء میں دین حقیقی نور قلبی کا نام ہے جو فطرت انسانیہ پر لازم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا** ظاہری اسلام دین کا مظہر اور اسکی دلیل ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس نور میں جبر کو دخل نہیں۔ وہ محض عطاء ربانی ہے۔ جبراً کلمہ پڑھایا جا سکتا ہے مگر دل منور نہیں کیا جا سکتا یہ ہی معنی ہیں **لا اکراہ فی الدین** کے پھر چونکہ سیرت صورت سے اور قلب کا حال قالب سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ **قد تبین الرشد من الغی** جو کوئی ماسوا اللہ کا انکار کرے۔ بلکہ غیر کے وجود تاثیر کا بھی منکر ہو جائے اور اللہ پر شہودی ایمان لے آئے۔ تو اس نے توحید حقیقی کو پکڑ لیا اور یہ توحید ہی موجود ہے۔ ماسوا سب معدوم کیونکہ ممکن قابل انعدام ہے کہ واجب کے تعلق سے سب کچھ ہے اور جہاں اس سے تعلق چھوٹا کہ اس کی رسی ٹوٹی لہٰذا توحید کا پکڑنے والا مضبوط رسی کو پکڑے ہے اور ممکنات میں الجھنے والا کمزور دھاگوں سے بندھا ہوا ہے۔ (ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے کنوئیں میں صاف پانی بھی ہوتا ہے اور اس میں ریت کیچڑ وغیرہ بھی پانی بھرنے والا ڈول میں رسی باندھ کر کنوئیں میں ڈالتا ہے۔ رسی کا ایک کنارہ ڈول کے کنڈے میں ہوتا ہے دوسرا کنارہ مالک کے ہاتھ میں پھر اس رسی سے مالک ڈول اوپر کھینچ لیتا ہے۔ ڈول خالی گیا تھا۔ پانی سے بھر کر آتا ہے۔ ایسے ہی دنیا کنواں ہے اور یہاں کی عبادات صاف پانی ہیں۔ یہاں کے کفر و گناہ کیچڑ و ریت رب نے انسان کو اس کنوئیں میں بھیجا۔ تاکہ نیکیوں کا پانی بھر لائے۔ مگر ایک مضبوط رسی اس کے ہاتھ میں دی اس رسی کا ایک کنارہ بندے کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرا کنارہ رب کے ہاتھ میں۔ رب کی پکڑ مضبوط ہے رسی بھی بہت پختہ ہے اگر کمزوری ہے تو ہماری پکڑ میں ہے۔ مگر ہم نے ایک ہاتھ دنیا میں رکھا دوسرے ہاتھ میں رسی پکڑے رہے تو ان شاء اللہ اعمال کا پانی لے کر جائیں گے۔ اگر رسی چھوڑ کر دونوں ہاتھ دنیا میں ڈال دیئے تو پانی نہ ملے گا۔ ہم دلدل میں پھنس جائیں گے۔ یہ رسی کیا ہے یا تو دین اسلام ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وہ مضبوط رسی ہیں جو ہم نیچوں کو اوپر پہنچانے تشریف لائے ہیں۔ امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں **دعا الی اللہ فالمستمسکون بہ مستمسکون بحبل غیر منفصم** یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ جو کفر اور کفار سے متنفر ہو اللہ اور رسول پر ایمان لائے وہی اس **عروہ وثقی** یعنی اللہ کی رسی اسلام یا حضور کے دامن کو صحیح طور پر تھامنے والا ہے۔ اور جس

نے کفر کی طرف میلان کیا۔ یا اللہ پر درست طرح ایمان نہ لایا یہ رسی اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گی۔ خیال رہے کہ رب تک پہنچنے کیلئے حضور وسیلہ عظمیٰ اور عروہ وثقیٰ ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کے لئے سلسلہ مشائخ عروہ وثقیٰ ہیں۔ ریل کراچی پہنچاتی ہے۔ مگر ریل تک پہنچانے کے لئے بھی بس وغیرہ چاہیئے۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

اللہ مددگار ہے ان کا جو ایمان لائے کہ نکالتے ہیں انہیں اندھیروں سے طرف روشنی کے اور وہ جو

اللہ والی ہے مسلمانوں کا انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور کافروں کے حمایتی

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـٴُـهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى

کافر ہوگئے مددگار ان کے شیاطین ہیں کہ نکالتے ہیں ان کو روشنی سے طرف

شیطان ہیں وہ انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالتے

الظُّلُمٰتِ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (۲۵۷)

اندھیروں کے یہ لوگ آگ والے ہیں وہ بیچ اس کے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

ہیں یہ ہی لوگ دوزخ والے ہیں انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پہلے مومنین و کفار میں ایک فرق بیان فرمایا گیا تھا کہ مسلمان تو دین کی مضبوط رسی کی گرہ پکڑے ہوئے ہیں۔ جو کھل نہیں سکتی۔ معلوم ہوا کہ کفار کی رسی کمزور اور جلد ٹوٹنے والی ہے۔ اب انہیں دو فریق میں دوسرا فرق بتایا جارہا ہے کہ مسلمان کا والی اللہ ہے۔ اور کفار کے حمایتی شیاطین۔ اور ظاہر ہے کہ جن کا والی رب ہے وہ ہی کامیاب۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے اسلام کی حقانیت اور کفر کا بطلان معلوم ہوا تھا کہ اسلام مضبوط رسی ہے اور کفر کمزور اب خود صاحب ایمان کی خوبی اور کافر کی برائی کا تذکرہ ہے کہ مومن کا مددگار اللہ ہے۔ اور کافر کے شیاطین۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے مسلمانوں کی کامیابی معلوم ہوتی ہے۔ کہ ان کا دین بڑا مضبوط ہے اور انکی بنیاد نہایت پختہ اب دوسری نوعیت سے مسلمانوں کی کامیابی کا ذکر ہے کہ انکا ناصر و حافظ اللہ ہے۔ گویا ایک قسم کی کامیابی کا ذکر پہلے ہوا تھا۔ اور دوسری کا اب کہ مسلمان دو طرح پختہ ہیں کہ مضبوط دین پر ہیں۔ اور قوی و قادر کا ان پر ہاتھ ہے۔

شان نزول: اسکے شان نزول میں کئی قول ہیں۔ ا۔ یہ آیت مرتدین کے بارے میں آئی۔ (بیضاوی) اسلام سے پہلے بعض لوگ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے اور بعض انکے منکر تھے۔ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد حضرت مسیح کے منکر یعنی مشرکین وغیرہ تو حضور پر ایمان لا کر ان پر بھی ایمان لے آئے اور بعض عیسائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرکے در پردہ حضرت مسیح کے بھی منکر ہوگئے۔ ان دو جماعتوں کے بارے میں یہ آیت اتری (کبیر) 3 بعض عیسائی پہلے نصرانیت پر تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آئے اور بعض حضور سے پہلے نبی آخر الزمان کی تشریف آوری کی بشارتیں دیا کرتے

تھے مگر آپکی تشریف آوری پر حسد سے آپ کے منکر ہو گئے ان دو جماعتوں کے بارے میں یہ آیت اتری۔(کبیر) بعض نے فرمایا کہ یہ آیت ہر کافر اور مومن کے متعلق ہے۔

تفسیر: **اللہ ولی الذین امنو۔** **ولی** بروزن فعیل بمعنی والی ہے۔ یہ **ولی** سے بنا بمعنی قرب ہر قریب کو ولی کہا جاتا ہے۔ خواہ وہ جگہ میں قریب ہو یا نسبت میں یا دین یا صداقت یا نصرت و مدد میں یا اعتقاد کے لحاظ سے لہٰذا مددگار کو بھی ولی کہتے ہیں۔ دوست کو بھی والی کو بھی محافظ کو بھی اور حمایتی کو بھی بعض نے فرمایا کہ ولایت (واؤ کے زیر سے) بمعنی مدد ہے اور ولایت (واؤ کے فتح سے) بمعنی متولی ہونا۔ اس سے مولیٰ اور متولی ہے اس کا مقابل عداوت ہے بمعنی حد سے نکل جانا یہاں قرب مکانی و اعتقادی کے سوا باقی سارے معنی بن سکتے ہیں۔ خیال رہے کہ رب مسلمانوں کا ولی ہے' بمعنی مددگار' والی وغیرہ اور متقی مسلمان رب کے ولی بایں معنی کہ اسکے دین کے مددگار ہیں۔ اور اس سے قرب رکھتے ہیں۔ **ان اولیاء ہ' الا المتقون** لہٰذا اس جملے کی پانچ تفسیریں ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے قریب ہے۔ مسلمانوں کا دوست ہے۔ مسلمانوں کا مددگار ہے۔ مسلمانوں کے امور کا متولی ہے۔ ان کا والی وارث ہے مدد سے مراد دینی مدد ہے۔ کیونکہ دنیاوی مدد تو تمام بندوں کو پہنچتی ہے اور کفار آپس میں ایک دوسرے کے ولی۔ **والذین کفروا بعضہم اولیاء بعض** مگر کفار کی ولایت جلد ختم ہونے والی **یوم لا یغنی مولی عن مولی شیئا** مسلمانوں کی ولایت ہمیشہ قائم **امنوا** سے یا تو موجودہ مومنین مراد ہیں یا نو مسلمین یا وہ جو علم الٰہی میں مومن ہو چکے۔(روح المعانی و روح البیان) یعنی اللہ مسلمانوں کا والی یا مددگار یا ان سے قریب یا انکا پیارا یا انکا کام بنانے والا متولی ہے۔ خیال رہے کہ جب مسلمانوں کا رب تعالیٰ والی و وارث ہو گیا تو اس کے تمام مقبول بندے فرشتے' انبیاء کرام' اولیاء ان کے والی و وارث مددگار اور تمام زمین' ہوا' پانی وغیرہ خدمتگار ہو گئے۔ جس پر بادشاہ مہربان ہو گیا اس پر تمام حکام' ارکان دولت مہربان ہو گئے اور مملکت کی ہر چیز پر گویا اس کا قبضہ ہو گیا۔ اس لئے دوسرے مقام پر ارشاد ہوا **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنو** مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق زیر پائش عرش و کرسی نہ طبق

لہٰذا یہ ولایت اپنے میں صدہا ولایتیں لئے ہوئے ہے۔ کیا تمہیں نہیں پتہ کہ بدر میں مسلمانوں کی مدد کیلئے فرشتے آئے اور غزوہ خندق میں مسلمانوں کی خدمت کے لئے ہوا مامور ہوئی اور تمام کفار کو درہم برہم کر دیا۔ **یخرجہم من الظلمت الی النور** ظلمات جمع ظلمۃ کی ہے بمعنی اندھیری اور نور بمعنی روشنی جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے۔ اگر مومنین سے نو مسلم یا جو علم الٰہی میں مومن تھے وہ مراد ہیں تو ظلمات سے کفر اور نور سے ایمان مراد ہے۔ کیونکہ کفر میں اصل راستہ کا پتہ نہیں لگتا۔ اور ایمان میں حق و باطل ممتاز ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کفر کو اندھیری اور ایمان کو نور فرمایا گیا۔ سر کی آنکھوں کے لئے تاریکی و روشنی اور ہے۔ دل کی آنکھوں کے لئے تاریکی و روشنی کچھ اور۔ دل کے لئے کفر گمراہی' حسد' بغض' گناہ تاریکی ہے ایمان' عرفان' رحمت رحمان' نیک اعمال نور ہے۔ آنکھ کا سرمہ و عینک اور ہے۔ دل کا سرمہ و عینک کچھ اور ہے اور چونکہ کفر کی صدہا قسمیں ہیں۔ دہریت' عیسائیت' یہودیت' بت پرستی وغیرہ اور اسلام ایک ہی دین ہے اس لئے ظلمت کو جمع اور نور کو واحد فرمایا گیا۔ اور اگر مومنین سے قدیمی مسلمان مراد ہیں۔ تو ظلمات سے گناہ یا شبہات یا شکوک مراد اور نور سے یقین و اطمینان قلب

کیونکہ پرانا مسلمان تو کبھی کفر میں تھا ہی نہیں۔ اسکے کفر سے نکلنے کے کیا معنی۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ان مسلمانوں کو کفر سے نکالنے سے مراد ہے کفر سے بچانا کبھی بچنے کو نکلنا اور چھوڑنا کہہ دیتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا **ترکت ملة قوم لا یومنون** یعنی اختیار نہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کلمہ پڑھتے ہوئے سن کر فرمایا **خرج من النار** یعنی آگ سے بچ گیا۔ نہ یہ کہ آگ میں تھا اور نکلا۔ یعنی اللہ مسلمانوں کو ظلمت کفر سے نور ایمان کی طرف نکالتا ہے یا قدیمی مسلمانوں کو ظلمت کفر سے بچا کر نور ایمان میں رکھتا ہے۔ یا انہیں شبہات اور شکوک کی تاریکیوں سے نکال کر نور یقین عطا فرماتا ہے یا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ولی ہے۔ جو مدینہ میں پہلے تو مشرک تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر مسلمان صحابی ہو گئے۔ انصار کہلائے رب نے انہیں شرک کی تاریکیوں سے ایمان کی روشنی میں داخل فرمالیا۔ یہ لوگ پہلے شرک 'کفر' عناد و حسد آپس کی لڑائی بھڑائی 'غرضیکہ صدہا تاریکیوں میں پھنسے تھے ایک آفتاب نبوت کے طفیل تمام تاریکیاں چھٹ گئیں۔ اجالا ہو گیا۔ یہ رب تعالیٰ کا کرم ہے۔ **والذین کفروا اولیٰهم الطاغوت** یہاں بھی **کفروا** سے یا مرتدین مراد ہیں یا وہ جو علم الٰہی میں کافر ہیں۔ اگرچہ فی الحال مومن ہوں۔ یا قدیمی کفار 'اولیاء ولی کی جمع ہے۔ جس کے معنی پہلے معلوم ہو چکے۔ طاغوت واحد جمع مذکر مونث سب پر بولا جاتا ہے۔ اس کی تحقیق پچھلی آیت میں ہو چکی اس سے یا شیاطین مراد ہیں یا کافروں کے سردار یا کاہن یا بت یا سارے ہی گمراہ کرنے والے (روح البیان و خازن) یعنی کفار کے مددگار شیاطین ہیں جو انہیں کفر میں مدد دیتے ہیں۔ **یخرجونهم من النور الی الظلمت**۔ **یخرجون** کا فاعل طاغوت یا اولیاء ہیں **هم** کا مرجع کفار ظلمات سے کفر اور نور سے ایمان مراد ہے۔ اگر کفار سے مرتدین مراد ہیں تو ان کا ایمان سے نکلنا ظاہر ہے۔ اور اگر قدیمی کفار مراد ہیں تو نور سے فطری ایمان مراد ہے جو میثاق کے دن حاصل ہوا تھا اور جس پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے یا نور سے دلائل ایمانی اور ظلمات سے شکوک کفر مراد یا نکالنے سے نہ آنے دینا مراد ہے یعنی مرتدین کو شیاطین نور ایمانی سے نکال کر تاریکی کفر میں داخل کر دیتے ہیں۔ یا قدیمی کفار کو شیاطین دلائل ایمانی سے ہٹا کر شبہات کفر پر متوجہ رکھتے ہیں کہ انہیں ان دلائل میں غور کرنے ہی نہیں دیتے یا انہیں اسلام میں آنے ہی نہ دیتے۔ یا مدینہ منورہ کے وہ یہود وہ عیسائی جو پہلے قدرے نور نبوت سے منور تھے کہ گزشتہ انبیاء کرام اور پچھلی کتب آسمانیہ کو مانتے تھے۔ مگر حضور انور پر حسد کی وجہ سے اپنے دین کو بالکل ہی چھوڑ بیٹھے انہیں شیاطین نے توریت و انجیل نیز نبوت کے نور سے نکال کر صریح کفر و شرک حسد بغض کی اندھیریوں میں پھنسا دیا خیال رہے کہ کافر کرنے کی نسبت شیاطین کی طرف سببیت کے لحاظ سے ہے کہ وہ اسباب کفر میں ورنہ سب کا خالق رب تعالیٰ ہے۔ **اولٰئک اصحب النار هم فیها خلدون** ○ **اولٰئک** سے یا طاغوت کی طرف اشارہ ہے یا اولیاء کفار کی طرف سے یا سب کی جانب اخیری معنی زیادہ قوی ہیں۔ (کبیر) یعنی یہ شیاطین یا کفار کے حمایتی یہ سارے جہنمی ہیں کہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ **هم** سے معلوم ہوا کہ جہنم میں ہمیشگی صرف کفار کے لئے ہے۔ مومن کیسا ہی گنہگار ہو آخر کار نجات پائے گا۔

خلاصہ تفسیر: مسلمانوں کی ایک پختگی تو یہ تھی کہ ان کا دین نہایت مضبوط جو نہ زندگی میں چھوٹے نہ موت کے وقت نہ قبر میں نہ حشر میں کفر اتنا کمزور دھاگہ ہے کہ دنیوی بلاؤں میں بھی ٹوٹ جاتا ہے نزع اور قبر حشر میں تو کیا کام آئے انکی دوسری پختگی یہ ہے کہ مسلمان کا ناصر اور والی ایک اللہ ہے جو ان کے سارے کام بناتا ہے۔ انہیں کفر و شرک بے دینی شبہات کی ظلمت سے بچا کر ایمان و ایقان کے نور میں رکھتا ہے۔ اور کفار کے حمایتی صدہا شیاطین بت اور سردار ہیں جو انہیں ایمان و ایقان و دلائل و اطاعت

کی روشنی سے ہٹا کر کفر، طغیان کی ظلمت میں لے جاتے ہیں۔ اس کا انجام یہ ہے کہ یہ کفار اور ان کے سردار و شیاطین سارے جہنمی ہیں کہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ مومن رب کے ہیں اور کفار سب کے لہٰذا مومن ہی نفع میں خدا کے فضل سے ہر مومن آخر کار برے عقیدے گندے رسم، رواج فاسد خیالات سے نکل جاتا ہے۔ اس کا ایمان ہر قسم کی تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔ کافر کا ہر قدم برائی کا طرف پڑتا ہے۔ اور دن بدن اسکا تعلق ظلمت سے بڑھتا جاتا ہے کہ ہمیشہ ایک بدی سے دوسری بدی کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مومن کیسا ہی گنہگار ہو مگر اس کے قلب میں نور ایمانی ہوتا ہے جو اسے بد عقیدگی و بدمذہبی سے دور رکھتا ہے وہ اپنے کو گنہگار و خطاکار مانتا ہے۔ کافر بظاہر کتنے ہی بھلے کام کرے مگر اس کے دل میں نور ایمانی نہیں ہوتا جس کا دل نور ایمانی سے خالی ہے وہ بے ایمان ہے۔ دوسرا فائدہ ہر قسم کی ظلمت سے نکلنا محض فضل ربانی ہے۔ ہمارا اپنا کوئی کمال نہیں۔ دیکھو یہاں ظلمت سے نکالنے کو رب کی طرف منسوب قرار دیا گیا۔ ہم تو مٹی کے بنے ہیں جب چھوڑ دیئے جائیں تو نیچے ہی گریں گے۔ اوپر تو کسی اور ہی کی طاقت سے جائیں گے۔ تیسرا فائدہ: جو رب سے قرب چاہے وہ رب کے مقبول بندوں کے پاس بیٹھے کہ یہ شخص ان بزرگوں کے قریب ہو گا اور رب تعالیٰ انکے قریب ہے۔ قریب سے قریب خود اس سے قریب ہوتا ہے۔ **اللہ ولی الذین امنوا** سے قرب الٰہی معلوم ہوا ایمان والے زندہ ہوں یا وفات یافتہ سب سے رب قریب ہے۔ اور جو شیطان سے قریب ہونا چاہے وہ کفار کے پاس جائے اس لئے بت خانہ، مندر، گرجے میں نماز مکروہ ہے کہ وہاں شیاطین کا قرب ہے۔ بزرگوں کے آستانہ میں نماز بہتر کہ وہاں رب کا قرب ہے۔ چوتھا فائدہ: ابلیس اور اس کی ذریت تمام دنیا کے کفار کے قریب ہے دیکھو یہاں فرمایا گیا۔ **اولیئھم الطاغوت** اور سب کو دیکھتے ان کے دلوں کا حال جانتے ہیں رب فرماتا ہے **انہ یرٰکم ھو و قبیلہ من حیث لا ترونھم** جب اس ناری کی یہ طاقت ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ تو رب کی نوری مخلوق جو اس مردود سے کہیں زیادہ قوت و طاقت رکھتی ہے اس کا تصرف و علم اس سے کہیں زیادہ ہے۔ دوا کی طاقت بیماری سے زیادہ چاہئے۔ پانچواں فائدہ: اگرچہ ہر چیز خیر و شر رب کی طرف سے ہے مگر تقاضا ادب یہ ہے کہ خیر کو رب کی طرف اور شر کو اپنی یا اپنے برے ساتھیوں کی طرف نسبت کرے۔ جیسا اس آیت میں کیا گیا۔ شیطان نے کہا تھا **رب بما اغویتنی** اے رب تو نے مجھے گمراہ کر دیا مردود ہوا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا **ربنا ظلمنا انفسنا** اے مولیٰ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا وہ محبوب ہوئے۔ چھٹا فائدہ: اسی طرح ساری مخلوق اللہ کی ہے۔ مگر اسے اعلیٰ مخلوق کی طرف نسبت کرو۔ رب العالمین، رب العرش، رب محمد، رب کعبہ کہو، رب کفار یا رب شیطان نہ کہو۔ ساتواں فائدہ: برے ساتھی اللہ کا عذاب ہیں کہ سب کو بہکاتے ہیں۔ اور اچھے ساتھی اللہ کی رحمت اسی لئے صحابہ کرام پردیس میں پہنچ کر رب سے اچھے ساتھی مانگتے تھے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: مومن تو پہلے ہی سے نور میں تھا۔ اور کافر ہمیشہ سے اندھیرے میں پھر مومن کو ظلمت سے اور کافر کو نور سے نکالنے کے کیا معنی۔ نکالا اسے جائے جو پہلے وہاں موجود ہو۔ (آریہ) جواب: اس کے نہایت نفیس جواب تفسیر میں گزر گئے کہ یا تو مومن سے مراد نو مسلم اور کافر سے مراد مرتدین ہیں۔ اور یا نکالنے سے مراد روکنا اور باز رکھنا ہے وغیرہ وغیرہ۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان رب کی طرف سے ہے۔ اور کفر شیطان کی طرف سے پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ ہر خیر و شر رب کی طرف سے ہے۔ (معتزلی) **جواب:** اس کا جواب فوائد میں گزر گیا کہ ہر خیر و شر رب کی طرف سے ہے۔ مگر چونکہ شیاطین شر کا سبب ہیں۔ اس لئے شر کو انہیں کی طرف نسبت کر دیا گیا تاکہ مسلمان ادب سیکھیں۔ **تیسرا اعتراض:** جیسے کفر کا سبب شیطان ہے۔ ویسے ہی ہمارے ایمان کا ذریعہ اللہ کے نیک بندے انبیاء اولیاء مشائخ و علماء ہیں تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ مسلمانوں کے ولی انبیاء اولیاء علماء ہیں اور کفار کے ولی شیاطین۔ **جواب:** اللہ کے پیارے فنا فی اللہ ہونے کی وجہ سے خدا کے غیر میں داخل نہیں۔ ان کا فعل رب کا فعل ہے۔ شیاطین ہر طرح اس کے غیر ہیں لہٰذا ان کے افعال رب کے فعل نہیں کہلاتے **چوتھا اعتراض:** جب مسلمانوں کا ولی رب ہے۔ اور وہ ہی ان کا ناصر و مددگار تو تم بندوں کو اپنا ولی اور مددگار کیوں سمجھتے ہو۔ اور ان سے حاجتیں کیوں مانگتے ہو۔ (دیوبندی) **جواب:** اس کا تفصیلی جواب **وایاک نستعین** ○ کی تفسیر میں گیا کہ رب کی ولایت حقیقی ہے وہ حقیقی مددگار اور حقیقی ناصر اور حقیقی حاجت روا ہے اس کے مقبول بندے اس کے مظہر ہیں۔ ان کی مدد اس ہی کی مدد ہے جیسے کہ رب شافی الامراض ہے اور رازق العباد ہے۔ مگر دوا کے لئے ڈاکٹروں اور رزق کے لئے مالداروں کے دروازے پر جاتے ہیں۔ رب نے فرمایا **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون** جب اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے تو ہم رزق کیلئے بازار کھیت کنوئیں پر کیوں جاتے ہیں۔ جیسے وہ تمام چیزیں ربوبیت الٰہیہ کی مظہر ہیں۔ ایسے ہی ان بزرگوں کے آستانے ولایت ربانی کے مظہر ہیں۔ پیاسا کنوئیں پر جا سکتا ہے۔ بھوکا روٹی کی دوکان پر۔ بیمار طبیب کے پاس مظلوم حاکم کی کچہری میں تو یوں ہی گنہگار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر حاضری دے سکتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک**

تفسیر صوفیانہ: مومنین کے طبقے ہیں۔ عام اور خاص اور خاص الخاص۔ اسی لحاظ سے ظلمت اور نور کے تین درجے ہیں۔ رب تعالیٰ عام مسلمانوں کو تاریکی کفر ضلالت سے نور ایمان اور ہدایت کی طرف نکالتا ہے۔ **والذین اھتدوا زادھم ھدی** اور خواص کو نفسانی جسمانی ظلمتوں سے رحمانی ربانی انوار کی طرف نکالتا ہے اور خاص الخاص کو ظلمت حدوث سے نور قدم کی طرف نکالتا ہے کہ وہ فانی ہو کر باقی سے ملتے ہیں اور بعد فنا بقا کے لطف لیتے ہیں۔ رب تعالیٰ ان کے دینی اور دنیاوی سارے امور کا خود متولی ہے۔ یہاں تینوں صورتوں کی طرف اشارہ ہے۔ (روح البیان)۔ خیال رہے کہ جیسے جسمانیات میں بہت قسم کی ظلمتیں ہیں۔ اور ان کو توڑنے والے نور بھی بہت قسم کے آنکھ کی ظلمت اندھاپن اس کا توڑ آنکھوں کا نور یعنی انکھار پن دل کی ظلمت جہالت اس کا توڑ دل کا نور یعنی علم دماغ کی ظلمت دیوانگی بے عقلی اس کا توڑ دماغ کا نور یعنی عقل۔ ایسے ہی روحانیات میں ظلمتیں بھی بہت ہیں اور ان کے توڑ نور بھی بہت۔ چنانچہ ظلمت طغیانی اس کا توڑ نور ایمانی۔ ظلمت عصیانی اس کا توڑ نور غفرانی کیونکہ گناہ تاریکی ہے تو یہ مغفرت نور۔ ظلمت نفسانی اس کا توڑ نور عرفانی کیونکہ غفلت و تاریکی ہے۔ معرفت الٰہی نور۔ ظلمت فنا اس کا توڑ نور بقا دنیا کی مشغولیت تاریکی ہے۔ اور رب میں فنا ہو کر بقا باللہ نور ہے۔ اسی طرح حسد، بغض، عداوتیں، ریا، تکبر سب ظلمت فانی ہیں ان کے مقابل کی خوبیاں نور ہیں۔ اور ان کا توڑ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مومنوں کو تمام تاریکیوں سے نکال کر اپنے انوار میں داخل فرماتا ہے۔ چونکہ ان تاریکیوں کے مرکز مختلف تھے۔ اس نے انہیں جمع کر کے فرمایا ظلمات۔ مگر تمام

انوار کا مرکز ایک ہی ذات کریمہ سید الابرار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات تھی۔ اس لئے اسے واحد کر کے فرمایا رب نے فرمایا **قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین** جس کی رسائی دامن پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہو گئی اسے تمام انوار مل گئے۔ حضور کے نور سے تو جانور بھی فائدے اٹھاتے تھے۔ چیل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے مقابل ہوئی تو تحت الثریٰ تک اس کی نگاہ پہنچ گئی۔ مولانا فرماتے ہیں۔۔

دوسری تفسیر: عالم دو ہیں عالم اجسام جسے ظلمت کہتے ہیں۔ 2 عالم ارواح جسے عالم نور بھی کہا جاتا ہے چونکہ اسی عالم اجسام میں' نفس' خیال' وہم دنیوی تعلقات مال اولاد وغیرہ ہزار ہا حجاب ہیں۔ گویا یہ مجموعہ ظلمات ہے۔ رب تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے سارے معاملات اور محبت کا خود متولی اور منتظم کار ہے کہ انہیں خود ان کی کوشش سے نہیں بلکہ اپنے کرم خاص سے ان ظلمات سے نکال کر عالم نور میں پہنچاتا ہے کہ یہاں کی کوئی چیز ان کے لئے حجاب نہیں رہتی کفار کے مددگار وہ اغیار ہیں جن پر ان کی ہر وقت نظر ہے وہ انہیں فطری ہدایت کے نور سے نکال کر صفات نفس اور شکوک' شبہات کی اندھیریوں میں پھنسا دیتے ہیں حق تعالیٰ ہر ایک کے کلام کو سننے والا اور ہر ایک کی حالت جاننے والا ہے۔ سب کو ان کی استعداد کے لائق دیتا ہے۔ (ابن عربی) فرعون نے **انا ربکم الاعلی** کہا بے ایمان ہوا حضرت منصور نے انا الحق کہا مومن رہے کہ وہ حجاب میں رہ کر کہتا تھا یہ ظلمت حجاب سے گزر کر صوفیائے کرام کے ہاں دل کی بے چینیاں ظلمات و تاریکیاں ہیں اور دل کا چین و اطمینان نور ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو بے چینیوں سے نکال کر چین کے نور میں داخل کرتا ہے۔ **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** دنیا کا عیش بے چینی کا باعث ہے۔ رب سے تعلق چین کا ذریعہ اس زندگی کا نام حیات طیبہ ہے۔ شعر

نانک دکھیا سب سنسار وہ سکھیا جسے نام ادھار

خیال رہے: کہ روح سب کی نور ہے کہ عالم امر کی چڑیا ہے **قل الروح من امر ربی** اور نفس امارہ ظلمات **ان النفس لامارۃ بالسوء** مومن کو اللہ تعالیٰ نفس کی ظلمات سے نکال کر روح کے نور میں داخل فرماتا ہے اور کافر کو روح کے نور سے نکال کر نفس کی ظلمت میں داخل کر دیتا ہے۔ یا یوں کہو کہ مومن کا نفس روح کی صحبت سے منور ہو جاتا ہے اور کافر کی روح نفس کی صحبت سے سیاہ و تاریک کہ انسان کا دل نفس و روح کے درمیان ہے جیسے زمین پر کبھی دن آتا ہے کبھی رات ایسے دل پر کبھی نفس کی رات ہوتی ہے۔ کبھی روح کا دن اللہ تعالیٰ مومن کے دل کو نفس کی رات سے نکال کر روح کے نوریا دن میں لاتا ہے اور کافر کے دل کو روح کے نور سے نکال کر نفس کی رات میں داخل کر دیتا ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ روز ازل میں جس پر نور کا چھینٹا پڑ چکا ہے وہ اگر دنیا میں کافر بھی ہو گیا تو اس کا کفر عارضی ہو گا آخر کار مومن ہو جائے گا۔ جیسے سونا کیچڑ میں پڑ کر عارضی طور پر گندہ ہو جائے اور جس پر وہ چھینٹا نہ پڑا ہے اگر وہ دنیا میں مومن بھی ہو جائے۔ تو اس کا ایمان عارضی ہو گا۔ آخر کار کافر ہو جائے گا۔ جیسے کوئلہ پر چونا لگ کر سفید ہو جائے مگر جلتے ہی کالا نکلے گا۔ یہ اس آیت کا منشاء ہے مومن کو ظلمات سے نور کی طرف اور کافر کو نور سے ظلمات کی طرف نکالنے کا۔ **خیال رہے:** کہ یہ آیت تمام ان آیات کی تفسیر ہے جن میں **اولیاء من دون اللہ** کی برائیاں ہیں یا انہیں بھی اتنا کفر قرار دیا گیا۔ **اولیھم الطاغوت** نے بتایا کہ وہ اولیاء **من دون اللہ** ہیں ان ہی کو ماننا شرک ہے۔ عربی میں **الا' غیر' سوا' دون** سب کے معنی ہیں سواء یا علاوہ مگر الا تو مطلقاً علاوہ کو کہتے ہیں اور

غیر اجنبی کو کہا جاتا ہے مگر دون مقابل یا دشمنی پر بولا جاتا ہے جس میں علیحدگی ہو۔ **وخذونہم امراتین تتخذوا** بعض بندے رب کے دشمن ہیں۔ جنہیں حزب الشیطان کہتے ہیں۔ بعض مذہب سے اجنبی جیسے دنیا والے اہل دنیا بعض اللہ کے اپنے ہیں جنہیں حزب اللہ کہتے ہیں۔ پہلے دو اولیاء **من دون اللہ** ہیں اور تیسری جماعت اولیاء اللہ ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ

کیا نہ دیکھا آپ نے طرف اس کے کہ جھگڑا کیا اس نے ابراہیم سے بیچ رب ان کے یہ کہ دیا اس کو اللہ نے

اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا اسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے

اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ

ملک جب کہا ابراہیم نے کہ رب میرا وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے کہا اس نے میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں

اسے بادشاہی دی جب کہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے بولا میں جلاتا اور مارتا ہوں

اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ

کہا ابراہیم نے پس تحقیق اللہ لاتا ہے سورج کو طرف سے پورب کے پس لا تو اسے طرف سے پچھم کے

ابراہیم نے فرمایا تو اللہ سورج کو لاتا ہے پورب سے تو اس کو پچھم سے لے آ تو ہوش اڑ گئے

الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾

پس حیران کر دیا گیا وہ جس نے کفر کیا اور اللہ نہیں ہدایت دیتا قوم ظالم کو

کافر کے اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مومنوں کے نور اور کفار کی تاریکی کا ذکر تھا۔ اب اسی کی تائید کے لئے یہ قصہ ارشاد ہو رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نور ہدایت عطا ہوا اور نمرود گمراہی میں پھنسا رہا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ مسلمانوں کا ولی ہے اور کفار کے ولی شیاطین۔ اب اسکے ثبوت میں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ رب تعالیٰ نے ایسے جابر بادشاہ کے سامنے ان کی مدد فرمائی اور نمرود ان کے مقابلہ میں بے دلیل رہ گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ رب تعالیٰ مومنوں کا ہی ولی ہے اور کفار کے مددگار شیاطین۔ جس سے وہم ہوتا تھا کہ رب ان کی ہدایت کے سامان بھی پیدا نہیں فرماتا اس وہم کو دور کرنے کے لئے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ارشاد ہو رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی طرف ہادی بھیجے جاتے ہیں۔ مگر وہ ان سے فیض نہیں لیتے۔

تفسیر: **الم تر** یہ استفہام انکاری ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے رویت سے آنکھ کا دیکھنا مراد ہے اور لم کی وجہ سے مستقبل بمعنی ماضی یعنی اے محبوب کیا آپ نے اس سے پہلے حضرت خلیل جلیل اور ایک کافر ذلیل کا مناظرہ

ان آنکھوں سے ملاحظہ نہ فرمایا تھا۔ یعنی ضرور دیکھا تھا۔ کیونکہ آپ ولادت پاک سے پہلے عالم کو دیکھ رہے تھے۔ **الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ۔ الذی** سے اس وقت کا بادشاہ مراد ہے۔ جس کا نام نمرود ابن کنعان ابن سنجاریب تھا (روح المعانی) یا نمرود ابن کنعان ابن سام ابن نوح علیہ السلام (روح البیان) یہ ہی پہلا وہ بادشاہ ہے۔ جس نے تاج پہنا رعایا پر ظلم کیا۔ خدائی کا دعویٰ کیا اور سارے جہان کی بادشاہت کی اس کی عمر آٹھ سو برس ہوئی چار سو سال عزت کے ساتھ اور چار سو برس مچھر کی وجہ سے پٹ کٹ کر اس نے رب سے مقابلہ کرنے کے لئے نہایت اونچا قلعہ بنایا تھا۔ اس کا پایہ تخت بابل تھا۔ (روح البیان و خازن) **احاج' حاجتہ** سے بنا جس کا مادہ حج اور حجتہ ہے بمعنی غلبہ حاجتہ کے معنی ایک دوسرے سے مقابلہ میں غلبہ کی کوشش کرنا دلیل کو اسی لئے حجت کہتے ہیں کہ وہ غلبہ کا ذریعہ ہے۔ چونکہ اس مناظرہ کی ابتداء نمرود نے کی تھی۔ اس لئے حاج کا فاعل اسے ہی قرار دیا گیا۔ یا حاج سے مراد ہے کم بختی اور ناجائز حجتہ بازی کہ جو دلیل و حجتہ حق بات پر کی جائے وہ حجتہ والا بھی حق وہ حجتہ اللہ کی حجت ہے۔ رب فرماتا ہے **تلک حجتنا اتینھا ابراھیم علی قومہ** اور جو حجت حق کے خلاف کی جائے وہ حجتہ باطل ہے۔ حجتہ والا بھی باطل یہاں باطل حجتہ مراد ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ مناظرہ ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے سے پہلے ہوا۔ جب کہ آپ نے بت شکنی فرمائی اور نمرود مناظرہ سے عاجز ہو کر آپ کو آگ میں ڈالنے پر آمادہ ہوا۔ یہ قول مقاتل کا ہے۔ امام جعفر صادق سے مروی ہے۔ کہ یہ مناظرہ ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے بعد ہوا کہ جب آپ پر آگ گلزار ہو گئی تب اس نے پوچھا کہ بتاؤ تو آپ کا رب کون ہے۔ جس کی طرف مجھے بلاتے ہو (روح المعانی و کبیر) فی سے پہلے حق یا صفات پوشیدہ ہے اگرچہ حق تعالیٰ ان دونوں کا رب ہے مگر ابراہیم علیہ السلام کی عزت افزائی کے لئے اپنے کو انہیں کی طرف نسبت کیا یا چونکہ ابراہیم علیہ السلام حق تعالیٰ کی ربوبیت کے مدعی تھے اور نمرود اپنی خدائی کا اس لئے ربہ فرمایا گیا۔ یعنی اس بادشاہ نے ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب کے بارے میں مناظرہ کیا۔ صوفیاء کے مشرب میں حق تعالیٰ خصوصی رب صرف ابراہیم علیہ السلام کا ہی ہے نہ کہ نمرود کا رب 'اللہ کی ربوبیت عام ساری خلق کے لئے ہے۔ یعنی پرورش جسم اور جسمانی روزیاں دینا۔ مگر ربوبیت خاصہ یعنی روحانی پرورش اور روحانی روزیاں دینا صرف مومنوں سے خاص ہر ایک کو ایمان' تقویٰ' ولایت' نبوت نہیں ملتی۔ پھر جیسے جسمانی ربوبیت بندوں کے توسل سے ظاہر ہوتی ہے۔ یوں ہی روحانی ربوبیت حضرات انبیاء اولیاء کے توسل سے حاصل ہوتی ہے کہ ایمان عرفان وغیرہ انہیں کے ذریعہ ملتا ہے۔ چونکہ نمرود حضرت خلیل سے دور رہا اس لئے رب کی خصوصی ربوبیت سے حصہ نہ پا سکا۔ یا یوں کہو کہ رب تعالیٰ کو اچھوں کی طرف نسبت کرنا اچھا ہے یہ نہ کہو کہ اے ابو جہل کے رب یوں کہو اے محمد رسول اللہ کے رب یہ نہ کہو اے گھروں کے رب یوں کہو اے کعبہ کے رب **ان اتہ اللہ الملک** یا تو ان سے پہلے لام پوشیدہ ہے۔ اور یہ جملہ مناظرہ کی علت ہے نہ کہ حاج کا مفعول لہ کیونکہ مفعول لہ میں لام وہاں پوشیدہ ہو سکتا ہے۔ جہاں فعل اور اس کا فاعل ایک ہی ہو۔ اور یہاں حاج کا فاعل نمرود ہے۔ اور اتی کا فاعل اللہ تعالیٰ یا اس سے پہلے علی پوشیدہ ہے یانی شکر یا قوت آخری توجیہ پر یہ حاج کا ظرف ہے خیال رہے کہ مصدر جعلی بھی ظرف بن سکتا ہے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ہ کا مرجع نمرود ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کا مرجع ابراہیم علیہ السلام ہیں مگر قول صحیح جمہور کا ہے۔ کیونکہ مناظرہ کے وقت ابراہیم علیہ السلام کو ملک اور ظاہری سلطنت نہیں ملی تھی **ملک** سے مراد تمام جہان کی سلطنت ہے۔ کیونکہ نمرود عالم کا بادشاہ گزرا ہے۔ یعنی نمرود نے اس لئے یا اس وقت یا اس نعمت کے شکریہ میں یا اس کے باوجود مناظرہ کیا کہ رب نے اسے تمام جہان

کی سلطنت دی تھی یہ ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ تو میری مخالفت اس لئے کرتا ہے کہ میں نے تجھ پر احسان کئے۔ **نوٹ:** سارے جہان کے مالک صرف چار بادشاہ گزرے ہیں۔ دو مومن حضرت سلیمان اور سکندر ذوالقرنین اور دو کافر نمرود اور بخت نصر جس کا لقب شداد بن عاد ہے۔ جس نے عدن کے جنگلوں میں جنت بنائی (روح البیان) **اذ قال ابرٰھیم۔ اذیا** تو حاج کا ظرف ہے یا تہ کا بدل (روح المعانی) پہلے اس نے پوچھا تھا کہ اے ابراہیم تمہارا رب کون ہے تو آپ نے جواب دیا **ربی الذی یحیی ویمیت یا** تو **یحیی** سے زندہ کرنا مراد ہے۔ یا زندہ رکھنا اور **یمیت** سے مراد موت دینا ہے۔ چونکہ رب تعالٰی نظر نہیں آتا۔ اس لئے اسکے صفات اور افعال سے اس کا نشان دیا یعنی میرا رب وہ ہے جو رحم میں بے جان نطفہ کو زندگی بخشتا ہے۔ حالانکہ رحم میں نہ ہوا پہنچے نہ غذا ایسی بند جگہ میں زندگی بخشنا قدرت ہی ہے۔ انڈے میں نہ کھڑکی نہ روشن دان وہاں چوزے کو زندگی بخشتا ہے یوں ہی مخلوق کو زندہ رکھنا بھی اس کی قدرت کاملہ ہے ورنہ داخلی و خارجی دشمن اتنے زیادہ ہیں کہ ان میں گھرا ہوا شخص زندہ نہ رہنا چاہئے لہٰذا **یحیی** کے دو معنی ہیں زندہ کرنا اور زندہ رکھنا۔ اور جاندار کو بے جان کرتا ہے۔ یا رب میرا وہ ہے جو عالم کو زندہ رکھتا ہے۔ اور موت دیتا ہے یعنی اے نمرود خود تو اور تیری زندگی میرے رب کی دلیل ہے۔ یا رب تمام جسم کو جان سے زندہ کرتا ہے۔ جان کو ایمان سے دل کو عرفان سے دماغ کو بادہ عشق کے جام سے زمین کو سبزہ سے کنوؤں تالابوں دریاؤں کو آب رواں سے قوموں کو اتفاق و اتحاد سے ملک کو عادل سلطان سے زندگی بخشتا ہے اور ان اوصاف کی ضدوں کے ذریعہ انہیں فوت کر دیتا ہے۔ زندگیاں بہت قسم کی ہیں اور انکے مقابل موت بھی بہت قسم کی آپ کا یہ کلام بہت جامع ہے۔ آپکا مقصد یہ تھا کہ تو ان پر غور کر اس نے یہ نفیس دلیل سن کر **قال انا احی وامیت** کہا کہ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں چنانچہ فوراً دو شخصوں کو بلا کر ایک کو قتل کیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا اور بولا کہ دیکھا مقتول کو میں نے موت دی اور دوسرے کو میں نے زندہ رکھا لہٰذا میں ہی رب ہوا۔ آپ نے اس کی یہ بے عقلی اور ہٹ دھرمی ملاحظہ فرما کر اپنی دلیل کو دوسرے طریقہ سے بیان فرمایا کہ **قال ابرٰھیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق** یعنی تجھے معلوم ہے کہ سورج حرکت ارادی نہیں کرتا بلکہ اس کی حرکت کسری ہے کہ کوئی چلانے والا اسے چلا رہا ہے۔ جو چلا رہا ہے وہی رب ہے۔ تو رب وہ ہے جو اسے پورب سے پچھم لے جا رہا ہے اگر تو خدا ہے تو تجھ میں اس کے چلانے کی طاقت ہونی چاہئے۔ اگر تو یہ کہے کہ سورج کو یہ حرکت میں ہی دے رہا ہوں تو **فات بھا من المغرب** مہربانی کر کے اسے ایک دفعہ ہی پچھم کی طرف سے نکال دے اور اگر تو یہ کہے کہ سورج اپنے ارادے و اختیار سے یہ حرکت کر رہا ہے کوئی چلانے والا اسے نہیں چلا رہا تب چونکہ تو خدا ہے اور سورج خدا نہیں۔ بلکہ نعوذ باللہ تیرا بندہ ہے خدا کی طاقت اس سے زیادہ چاہئے اور خدا بندے پر غالب بندہ رب سے مغلوب چاہئے لہٰذا تو ایک بار ہی سورج کو مغلوب کر کے اسکے ارادے کے بغیر الٹی حرکت دے دے۔ بہر حال آپ کی یہ دلیل نہایت مکمل تھی کسی پہلو کو اس میں چھوڑا نہیں گیا تھا۔ خیال رہے کہ یہ ترک دلیل نہیں ہے۔ ترک دلیل تو مغلوب کیا کرتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی دلیل کو دوسری واضح عبارت سے بیان فرمایا ہے آپ یہ فرماتے تھے کہ رب وہ جس کا عالم میں عمل در آمد ہو۔ اس کا تصرف موت زندگی سے بیان فرمایا۔ جب نمرود نے اس میں کج بحثی کی تو اس تصرف کو اور واضح طریق سے بیان فرمایا جس سے وہ آسانی سے شکست کھا گیا۔ اور انجام یہ ہوا **فبھت الذی کفر۔ بھت** بہت سے بنا بمعنی حیرانی تہمت کو بہتان اس لئے کہتے ہیں کہ سننے والا حیران رہ جاتا ہے کبھی دلیل نہ سوجھنے کو بھی بہت کہتے ہیں کہا جاتا ہے **بھت** یعنی **ذھبت حجتہ** فعل مجہول سے اس جانب اشارہ ہے کہ وہ کافر رب کی طرف سے حیران کر دیا گیا

ورنہ کج بحثی اس میں بھی کر سکتا تھا۔ کہتا کہ آپ ہی رب سے عرض کرکے یہ کام کرادو۔ کفر میں اس جانب اشارہ ہے کہ اس کی یہ حیرانی وپریشانی کفر کی وجہ سے تھی۔ **واللہ لا یھدی القوم الظلمین**○ **یھدی**' **ھدایت** سے بنا اس کے معنی ہم **اھدنا الصراط المستقیم** میں بیان کرچکے ہیں **قوم الظلمین** سے کفار مراد ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اس کے متعلق سوال تو الی الدلائل ہے یا الی طریق الجنۃ اور یہدی یا بمعنی حال ہے یا بمعنی مستقبل یعنی رب تعالیٰ کافروں کو آخرت میں جنت کے راستہ کی ہدایت نہ دیگا۔ یا دنیا میں انہیں دلائل حق نہیں سمجھایا ظالم رہنے کی حالت میں اسے ہدایت نہیں دیتا اور جب ہدایت دیتا ہے تو ظالم نہیں رہتا۔ چنانچہ دیکھ لو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایسی پاکیزہ و نفیس دلیل سے وہ ہدایت نہ پاسکا۔ جیسے اندھی آنکھ سورج سے روشنی نہیں پاتی۔ ایسے ہی ظالم دل نبی سے کوئی ہدایت حاصل نہیں کرتا بصارت سے سورج مفید ہوتا ہے اور بصیرت سے نبوت فائدہ مند ہوتی ہے۔

خلاصہ تفسیر: نمرود تمام دنیا کا بادشاہ تھا۔ اس کا پایہ تخت شہر بابل میں تھا۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑا تو اس نے آپ کو قید کردیا پھر قید سے نکال کر آگ میں ڈالا۔ رب تعالیٰ نے آپ پر آگ کو گلزار بنادیا۔ کچھ دنوں بعد سخت قحط سالی پڑی نمرود نے غلہ تقسیم کرنا شروع کیا جو کوئی اس کے پاس غلہ لینے آتا وہ پوچھتا کہ تیرا رب کون ہے وہ کہتا کہ تو ہے اسے غلہ دے دیتا اسی سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی غلہ کے لئے اس کے پاس گئے۔ اس نے آپ سے بھی یہی پوچھا کہ آپ کا رب کون ہے۔ آپ نے فرمایا جو زندگی اور موت کو بخشتا ہے اور عالم میں تصرف کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ قدرت تو مجھ میں بھی ہے۔ دو قیدی بلا کر ایک کو قتل کرادیا' دوسرے کو چھوڑ دیا اور کہا جسے چھوڑا ہے اسے میں نے زندگی دی اور جسے قتل کیا اسے ماردیا۔ لہذا آپ کے اس قاعدہ سے میں ہی خدا ہوں کہ میرے قبضہ میں موت و زندگی ہے۔ یا تو وہ بہت غبی تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کا مقصد نہ سمجھ سکا۔ یا اپنی جھینپ اتارنے کے لئے اس نے یہ کج بحثی کی۔ خیال رہے کہ عقلی علوم سمجھنے کے لئے عقل کامل درکار ہے۔ کیونکہ وہ علوم عقل نے ایجاد کئے ہیں۔ عقل سے ہی سمجھے جاتے ہیں۔ مگر نقلی علوم عرشی ہیں یہ محض عقل سے نہیں سمجھے جاتے بلکہ ان کے لئے اللہ کا فضل اور عرفان کا نور ضروری ہے۔ کلام نبی کی فہم عرفان سے ہوتی ہے آج بھی بے نورے بے بہرے لوگ قرآن و حدیث میں ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ رب کی پناہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا یمسہ الا المطھرون** قرآن کو پاکوں کے سوا کوئی مس بھی نہ کرے گا۔ بہرحال ابراہیم علیہ السلام نے اسی دلیل کو اور واضح مثال میں یوں بیان فرمایا کہ رب وہ قدرت والا ہے جو ہمیشہ سورج کو پورب سے نکالتا اور پچھم میں غروب کرتا ہے اور اگر تو قابل عبادت ہے تو اس کی رفتار بدل دے کہ ایک دفعہ ہی پچھم سے نکالدے۔ اس مثال پر وہ حیران رہ گیا۔ اور کچھ جواب نہ دے سکا کھسیا کر بولا کہ آپ کے لئے میرے پاس غلہ نہیں اس رب سے مانگو جس کی عبادت کرتے ہو آپ خالی واپس ہوئے راستہ میں ریت کے ٹیلے پر گزرے وہاں سے ایک بورے میں ریت بھر کر مکان پر پہنچے۔ تھیلا تو رکھ دیا اور خود سو گئے آپ کی بیوی حضرت سارہ نے جو اسے کھولا تو اس میں نہایت نفیس گیہوں پائے۔ فوراً اس کی روٹیاں تیار کیں۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا آپ نے پوچھا کہ گیہوں کہاں سے آئے انہوں نے عرض کیا کہ اس تھیلے میں سے۔ ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ رب نے مجھے رزق دیا۔ پھر رب تعالیٰ نے ظالم نمرود کے پاس شکل انسانی میں ایک فرشتہ بھیجا۔ جس نے آکر کہا تیرا رب کہتا ہے تو مجھ پر ایمان لا ہم

تیری سلطنت برقرار رکھیں گے وہ بولا رب تو میں ہی ہوں میرا رب کون ہے تین دفعہ یہ واقعہ ہوا۔ تب اسکے لشکریوں پر مچھروں کا عذاب بھیجا گیا۔ مچھروں کی زیادتی کا یہ حال تھا کہ اس سے سورج چھپ گیا تھا۔ زمین پر دھوپ نہ آتی تھی۔ مچھروں نے اسکے خون چوس لئے گوشت چاٹ لئے سوا نمرود کے باقی سب کی ہڈیاں ہی باقی رہ گئیں نمرود دیکھتا تھا مگر کچھ نہ کر سکتا تھا پھر ایک مچھر اس کی ناک کے ذریعہ دماغ میں گھس گیا اور چار سو سال تک مغز کاٹتا رہا جب اوپر سے دھمک پہنچتی تو کاٹنا چھوڑ دیتا ورنہ کاٹتا چنانچہ دن رات اسکے سر پر جوتے اور تھپڑ پڑتے تھے۔ اب اسکے دربار کا ادب یہ تھا کہ جو آئے اسکے سر پر جوتا رسید کرے۔ اس سے پہلے چار سو سال بہت آرام سے سلطنت کی اور چار سو برس پٹتا رہا۔ پھر بہزار ذلت مرا اسکی عمر آٹھ سو سال سے کچھ زیادہ ہی ہوئی۔ (تفسیر خازن)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: کفار سے مناظرہ کرنا سنت انبیاء ہے جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کیا۔ دوسرا فائدہ: مناظرہ میں مقابل اگر آسانی سے شکست کھا سکے تو دشوار طریقہ اختیار نہ کرنا چاہئے۔ ابراہیم علیہ السلام زندگی اور موت کے مسئلہ پر نمرود سے بہت کچھ جرح قدح کر سکتے تھے۔ مگر آپ نے اس کی حماقت محسوس فرما کر دوسری واضح تر مثال پیش فرمادی جس سے وہ باسانی خاموش ہو گیا۔ تیسرا فائدہ: انبیاء کے مقابلہ کا انجام برا ہے دیکھو نمرود جیسا بادشاہ مخالفت خلیل سے ذلیل ہو کر مرا۔ چوتھا فائدہ: رب تعالیٰ دنیا میں کفار کو بھی تخت کا مالک بنادیتا ہے۔ یہ اس کے رضا کی علامت نہیں دیکھو نمرود جیسے کافر کو جہاں کا بادشاہ بنادیا۔ پانچواں فائدہ: مومن کے لئے مال ذریعہ ہدایت ہے اور کافر کے لئے ذریعہ گمراہی دیکھو نمرود وغیرہ اپنے ملک و مال کے دھوکے میں دعویٰ خدائی کر بیٹھے۔ مال سانپ ہے۔ دین اس کی شر سے محفوظ رہنے کا منتر، دنیا زہر ہے دین تریاق دنیا دریا ہے دین اس کی کشتی کہ بغیر دین کے دنیا ہلاکت و بربادی کا سبب ہے۔ مگر دین کی برکت سے اس بیڑے کو دنیا کی شر سے بچالیتا ہے۔ بعض نیک بختوں کی دنیا دین بن جاتی ہے۔ جیسے حضرت عثمان کی دنیا۔ خیال رہے کہ کسان دانہ کے لئے تخم بوتا ہے مگر بھوسا بھی اسے مل جاتا ہے بلکہ بھوسا پہلے پیدا ہوتا ہے اور بہت پیدا ہوتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ آخرت کے لئے کوشش کرے۔ اعمال کا تخم بوئے دنیا سے خود ملے گی۔ اعمال تخم ہے آخرت دانہ دنیا بھوسا۔ چھٹا فائدہ: بندے کا اصلاح قلب کی طرف مائل ہونا فضل الٰہی کی علامت ہے اور سرکشی غضب کی نشانی کوئی سرکش ہدایت نہیں پا سکتا۔ اور جب ہدایت کا وقت آتا ہے تو اس سے سرکشی نکل جاتی ہے۔ جیسا کہ **لا یھدی القوم الظلمین** سے معلوم ہوا ساتواں فائدہ: سارا عالم اور خود ہماری ذات رب تعالیٰ کا پتہ ہے۔ جن سے رب تعالیٰ کی معرفت پوری حاصل نہیں ہوتی۔ حضرات انبیاء رب کا کامل پتہ ہیں جن کے ذریعہ رب کو پہچاننا معرفت کا ذریعہ ہے۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں نے سجدے میں گر کر کہا **امنا برب موسی و ھرون** ہم اس پر ایمان لائے جو حضرت موسیٰ و ہارون کا رب ہے۔ برادران یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا تھا **نعبد الھک والہ اباءک ابرھیم** ہم اس کی عبادت کریں گے۔ جو آپ کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کا رب ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ربی فرما کر رب کا پورا پتہ بتایا پھر **یحیی و یمیت** فرما کر بتایا کہ خود تیری زندگی و موت رب کا پتہ ہے۔ تو اپنے ہی میں رب کو دیکھ **وفی انفسکم افلا تبصرون** مثنوی شریف میں ایک جوہری اور ایک چور کا واقعہ بیان فرمایا کہ جوہری رات کو چور کی جیب میں شب چراغ

سوئی ڈال دیتا تھا اور چور جوہری کا سامان تلاش کرتا تھا سوئی نہ پاتا تھا۔ آخر جوہری سے پوچھا کہ تو سوئی کہاں رکھتا ہے وہ بولا تیری جیب میں اگر تو اپنے کو ڈھونڈھتا سوئی پالیتا۔ یوں ہی معرفت الٰہی کا سوئی خود ہمارے میں موجود تلاش کی کمی ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے مقابلہ میں دلیل اول کیوں چھوڑ دی۔ مناظرہ میں دلیل چھوڑنا مغلوبیت کی علامت ہے۔ **جواب:** ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ ترک دلیل نہیں ترک مثال ہے۔ یعنی ایک ہی دلیل دوسری واضح مثال سے سمجھائی گئی۔ مطلب یہ تھا کہ رب وہ ہے جو جہاں میں تصرف کرے جیسے موت و حیات جب وہ اسے نہ سمجھا تو آپ نے فرمایا۔ جیسے آفتاب کی حرکت۔ **دوسرا اعتراض:** نمرود نے جیسے موت و حیات پر جرح کی ایسے ہی مثال پر بھی کج بحثی کر سکتا تھا کہ سورج میرے حکم سے ادھر جارہا ہے۔ اگر رب کوئی اور ہے تو اس سے کہو کہ اسے پچھم سے طلوع کردے۔ اور وہ خاموش کیوں ہو گیا۔ **جواب:** وہ سمجھ گیا کہ اگر میں نے جرح کی تو ابھی ان کے کہنے سے آفتاب الٹے پاؤں لوٹے گا۔ جس سے عالم میں انقلاب عظیم پیدا ہو جائے گا۔ اور لوگ اس معجزہ کو دیکھ کر مجھ سے پھر کر ان کے ساتھ ہو لیں گے۔ اس لئے منہ تکتا رہ گیا۔ (بیان القرآن مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب) **نوٹ:** الحمد للہ کہ مولوی صاحب دیو بندی ہو کر قدرت پیغمبر کے قائل ہو گئے۔ روح المعانی و کبیر نے فرمایا کہ اگر وہ اس وقت یہ کہہ دیتا تو یقیناً آفتاب مغرب سے طلوع ہو جاتا۔ روح المعانی نے فرمایا کہ یہ کلام ابراہیم علیہ السلام کے منہ سے نکلا تھا۔ رب قریب قیامت آفتاب مغرب سے نکالے گا تاکہ ان کی بات نہ ٹلے بلکہ حضرت خلیل کے فرزند جلیل رب کے مختار احمد مجتبیٰ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر کے لئے پچھم سے سورج نکال دیا۔ باپ کے فرمان کو فرزند نے پورا کر دکھایا۔ **تیسرا اعتراض:** سورج نہ مشرق سے مغرب کی طرف اور نہ مغرب سے مشرق کی طرف آتا جاتا ہے وہ تو اپنے محور پر گھومتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے مصنف کو علم ہیئت نہ آتا تھا۔ (ستیارتھ پرکاش) **جواب:** اس کا کیا جواب دیا جائے شاید پنڈت جی عقل کے بھی اندھے تھے اور آنکھ کے بھی۔ پاگل دیکھتے ہیں کہ سورج پورب سے آتا ہے اور پچھم میں جاتا ہے۔ شاید پنڈت جی کو یہ دھوکا لگا ہے کہ حرکت مستدیرہ میں آنا جانا اور ابتداء و انتہاء مقرر نہیں۔ جیسے محیط دائرہ کی حرکت مگر پنڈت جی کو معلوم ہونا چاہئے کہ جب پورا دائرہ دیکھنے والے کے سامنے نہ ہو اس کی صرف ایک قوس نظر آتی ہو تو اس پر حرکت کرنے والا آتا جاتا معلوم ہوتا ہے اس حرکت کی ابتداء انتہا معلوم ہوتی ہے۔ اور اس سے دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ ہاں اگر آفتاب کا پورا مدار ہمارے سامنے ہو۔ جیسا کہ قطب شمالی کے نیچے ہے۔ تو وہاں مشرق و مغرب مقرر نہ ہو سکے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کو سورج کی محسوس حرکت توالی ہے تو علی التوالی گھما کر دکھا دے۔ پنڈت جی! قرآن شریف سمجھنے کے لئے عقل و دماغ کی ضرورت ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا گنہگاروں کو راستہ نہیں دکھاتا تو پارساؤں کو مسلمانوں کے خدا کی ضرورت نہیں وہ وہ تو دھرم کے راستہ پر ہوتے ہی ہیں۔ راستہ گنہگاروں کو ہی دکھانا چاہئے۔ (ستیارتھ پرکاش) **جواب:** پنڈت جی نے آیت کے معنی غلط کئے۔ معنی یہ ہیں کہ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ بہترین جواب وہ ہے جو امام راغب نے دیا کہ ہدایت اور تعلیم دو چیزوں کو چاہتی ہے دینا اور لینا کہ بغیر لینے کے دینے کی تکمیل نہیں ہوتی۔ روپیہ دینا جب مکمل ہو گا جب کوئی لے بھی لے۔ جب ہادی اور معلم نے تعلیم دی مگر دوسرے نے قبول نہ کی تو اس لحاظ سے کہا جائے گا اس نے ہدایت دی نہیں کہ بغیر لئے دینا کیسا ایسے ہی رب سب کو ہدایت دیتا ہے مگر جو نہیں لیتے ان کے حق میں دینا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لحاظ

سے یہاں فرمایا گیا لا یھدی القوم الظلمین دوسری جگہ ارشاد ہوا ھدی للناس سب انسانوں کا ہادی ہے یا یہاں ہدایت سے راہ جنت دکھانا مراد ہے۔ یعنی جو لوگ بحالت کفر مریں گے رب تعالیٰ انہیں آخرت میں جنت کا راستہ نہ دکھائے گا۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ظالم' ظالم رہ کر ہدایت نہیں پا تا کہ اجتماع ضدین ناممکن ہے جو ہدایت لیتا ہے وہ پہلے سے ظلم چھوڑ کر ظالمین کے زمرہ سے نکل جاتا ہے سورج کا کام ہے اندھیری جگہ سے اندھیرا دور کرنا اور وہاں روشنی دینا مگر جس جگہ اندھیرا لازم ہو گیا ہو کہ وہاں سے مٹ نہ سکے تو سورج روشنی بھی نہیں دیتا۔ جیسے تہ خانے اور گہرے غار قبر و سمندر کی تہ یوں ہی جن سینوں میں کفر جم گیا کہ ان سے نکل سکتا ہی نہیں۔ وہاں رب تعالیٰ ایمانی نور نہیں پہنچاتا مگر اس میں ان سینوں کا قصور ہے رب کی عطا میں کمی نہیں۔ جیسے سورج میں کمی نہیں چمگادڑ کی آنکھ کا یا اس خاص تاریک جگہ کا اپنا قصور ہے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سورج چمگادڑ کی آنکھ میں روشنی نہیں دیتا۔

تفسیر صوفیانہ : رب نے نمرود کو وہ ملک دیا جو اس سے پہلے کسی کو نہ دیا تھا۔ مگر اس نے دعوئی خدائی کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ طلب کمال فطرت انسانی کا تقاضا ہے ہر ایک کمال کی طرف دوڑتا ہے پھر طالبین کمال دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کی رب تائید فرماتا ہے۔ اور قدرت دستگیری کرتی ہے۔ دوسرے وہ جو اپنے نفس کے قبضہ میں ہیں۔ تائید ربانی ان کے شامل حال نہیں۔ یہ آخری جماعت ہر چیز کو ظاہری حواس سے دیکھتی ہے اور اسے بجز دنیا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ چونکہ انسان کی پیدائش مٹی سے ہے اور مٹی ہمیشہ نیچے گرتی ہے ایسے ہی نفسانی خواہشات انسان کو نیچے گراتی ہیں۔ وہ نفسانی قدم سے دنیاوی کمالات کی طرف بھاگتا ہے۔ اس طرح کہ اولاً جمع مال کو کمال سمجھ کر مالدار بنتا ہے۔ پھر عزت و آبرو کو کمال جان کر حاصل کرتا ہے۔ پھر عہدے کو کمال جان کر ادھر دوڑتا ہے پھر سلطنت کو اعلیٰ درجہ کا کمال سمجھ کر اسے طلب کرتا ہے۔ اور اگر موقع ملے تو نمرود کی طرح ساری دنیا کا بادشاہ بن جاتا ہے۔ پھر بھی اس کی ہوس کی آگ نہیں بجھتی اتنے کمالات حاصل کر کے اب عالم بالا کی طرف نظر اٹھاتا ہے یعنی جس قدر اس کی غنا بڑھتی ہے اس قدر ہوس کی آگ بھڑکتی ہے یہاں تک کہ سلاطین کو شکست دیکر رب العالمین سے مقابلہ کرتا ہے۔ اور انا ربکم الاعلی کا دم بھرتا ہے جیسا کہ نمرود کا حال ہوا کہ جتنا اس کا کمال بڑھا طغیان میں زیادتی ہوئی۔ مگر وہ طالبین جو قبضہ قدرت میں ہیں وہ تائید ربانی ان کی شامل حال ہے اور ان کے ہاتھوں میں کسی پیغمبر اور نائب پیغمبر عالم دین یا شیخ طریقت کا دامن ہے وہ ماسوی اللہ سے بچنے کو کمال جانتے ہیں۔ اولاً" ہر چیز کو رب کی دلیل سمجھ کر اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ پھر اپنے ذرات وجود کو واجب الوجود میں فنا۔ اور قطرۂ ہستی کو بحر احدیت میں گم کر دیتے ہیں وہ بجائے انا احی و امیت کے یہ کہتے ہیں ما فی الوجود الا اللہ ان کا شیخ نمرود نفس کے دماغ کو الا اللہ کے ہتھوڑوں سے یہاں تک کوٹتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لا کر طاغوت وجود ماسوا اللہ کا انکار کر بیٹھتا ہے مگر رب تعالیٰ مشرکین کو اس میدان میں نہیں آنے دیتا شرک ظلم عظیم ہے۔ عاقل کو چاہئے کہ دوئی کے شرک سے بچے اور زیادتی مال و متاع سے دھوکا نہ کھائے۔ (روح البیان) خلاصہ یہ ہے کہ انسان مٹی سے بنا اور مٹی کی تین خصوصیتیں ہیں ایک یہ کہ وہ طبعاً" نیچے گرتی ہے دوسرے یہ کہ اگر کوئی پھینکنے والا اسے اوپر پھینکے تو اس کی طاقت سے اوپر جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اسے اوپر روکنے والی کوئی چیز نہ ہو تو نیچے لوٹ آتی ہے۔ یہ ہی انسان کی حالت ہے کہ جب وہ اپنی رائے

سے ترقی کرتا ہے۔ تو نیچے ہی گرتا ہے۔ اور اس گرنے کو کمال جانتا ہے ہاں روحانیت والے شیخ کی امداد سے ترقی کرتی ہے۔ لیکن اگر فیض ربانی شامل حال نہ ہو تو پھر گر جاتا ہے ورنہ کمال کو پہنچتا ہے ایک پتھر پایا گیا جس پر تین سطریں لکھی تھیں۔ دنیا سے خوش ہونا اللہ سے دور ہونے کی نشانی ہے۔ 2 اپنی چیز پر بھروسہ کرنا رب پر بھروسہ کم ہونے کی علامت۔ 3 مصیبت میں لوگوں کی طرف رجوع کرنا رب کو نہ پہچاننے کی علامت ہے۔ شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔

شنیدم کہ جمشید فرخ سرشت — بسر چشمہ برلبسنگے نوشت
بریں چشمہ چوں ما بسے دم زدند — برفتند چوں چشم برہم زدند
گرفتیم عالم بمردی و زور — ولیکن نہ بردیم باخود بگور
برفتند و ہر کس درود آنچہ کشت — نماند بجز نام نیکو و زشت

رب تعالیٰ ہمیں عمر لمبی اعمال نیک دنیوی امیدیں تھوڑی اور عقل کامل اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نفسانی انسان چند چیزوں کو کمال سمجھ کر ان کے لئے دوڑتا ہے۔ مال عزت شہرت حکومت سلطنت پھر الوہیت اور روحانی انسان دوسری چند چیزوں کو کمال سمجھ کر انہیں حاصل کرتا ہے اعمال، رضاء ذوالجلال، پھر فنافی اللہ ہو کر بقاء لا یزال یقیناً یہ کمالات واقعی کمال ہیں اور وہ کمالات بظاہر کمال ہیں اور در حقیقت باعث زوال دیکھو نمرود نے اپنی دانست میں مذکورہ بالا سارے کمالات حاصل کر لئے تھے مگر کس خواری سے مرا اور آج تک کس طرح بدنام ہے کہ کوئی بغیر لعنت ملامت کئے اس کا نام بھی نہیں لیتا۔ مبارک ہے وہ شخص جو حقیقی کمال حاصل کر کے بقاء لازوال پالے۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَاۚ قَالَ اَنّٰى
یا مثل اس کے جو گزرا اوپر بستی کے حالانکہ وہ گری ہوئی تھی اوپر چھتوں کے اپنے کہا کہ کیسے زندہ
یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر اور وہ ڈھی پڑی تھی اپنی چھتوں پر بولا اسے کیونکر
یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَاۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗؕ
کرے گا اس کو اللہ پیچھے مرنے اس کے پس موت دی اللہ نے سو برس پھر اٹھایا اسے
جلائے گا اللہ اس کی موت کے بعد تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس پھر زندہ کر دیا
قَالَ كَمْ لَبِثْتَؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍؕ
کہا کتنا ٹھہرا تو کہا ٹھہرا میں ایک دن یا کچھ حصہ دن کا
فرمایا تو یہاں کتنا ٹھہرا عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم

تعلق: اس آیت کا تعلق پچھلی آیتوں سے چند طرح ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ مسلمانوں کا ولی ہے۔ اس کے ثبوت کیلئے تین واقعات ارشاد ہوئے۔ ایک کا ذکر پہلے ہو گیا اور دوسرے کا ذکر اب فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کا پتہ زندگی اور موت سے دیا کہ جس کے قبضہ میں یہ

دونوں ہیں وہ رب ہے اب اس واقعہ میں اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ رب زندہ کرنے پر اس طرح قادر ہے کہ اپنے ایک بندہ کو سو سال مردہ رکھ کر جلا دیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ چونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ لہٰذا اب فرمایا جارہا ہے کہ پرہیزگاروں کو ہدایت کاملہ اور یقین کے بعد عین الیقین و حق الیقین عطا فرماتا ہے۔ خیال رکھنا چاہئے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے۔ مگر قرآن و حدیث میں بہت تھوڑے نبیوں کے نام یا حالات مذکور ہیں۔ قرآن مجید نے خصوصیت سے ان انبیاء کرام کے حالات بہت بیان فرمائے ہیں جن کے متعلق اہل کتاب نے افراط یا تفریط کر دی تھی۔ زیادتی محبت یا عداوت کی وجہ سے ان کے متعلق عجیب قصے گھڑ لئے تھے۔ جن سے ان بزرگوں کے اصلی حالات چھپ گئے تھے۔ جیسے آج جاہل مسلمانوں نے حضرت علی یا غوث پاک کے متعلق عجیب روایت گھڑ لی کہ معراج میں حضور انور کو غوث پاک نے کندھا دیکر عرش پر چڑھایا یا یہ کہ غوث پاک نے ملک الموت کی زنبیل چھین لی اور تمام قبض کردہ روحیں اس سے چھڑا دیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج شب قاب قوسین میں پہنچ کر جب پردہ اٹھا کر دیکھا۔ تو حضرت علی پردہ کے اندر رول رہے تھے یعنی وہ ہی خدا تھے نعوذ باللہ ان انبیاء کرام میں سے حضرت عزیر علیہ السلام بھی ہیں جنہیں یہود اللہ کا بیٹا کہتے تھے۔ اور ان کے متعلق نہایت لغو بیہودہ روایات گھڑ لی تھیں۔ اللہ تعالٰی نے یہاں انکے کچھ صحیح حالات بیان فرمائے۔

تفسیر: **اوکالذی مر** او عاطفہ ہے۔ اور کاف یا اسمیہ ہے بمعنی مثل یا حرف تشبیہ کیلئے یا زائدہ یہ **الذی حاج** پر معطوف ہے اور **الم تر** کا مفعول ہے چونکہ دعوئی ربوبیت کرنے والے بہت تھوڑے گزرے ہیں اور قیامت کے منکر بہت ہیں اس لئے اس آیت میں **الذی** پر کاف نہ آیا اور یہاں لایا گیا۔ خیال رہے کہ اگر یہ کاف زائدہ ہو تب تو عطف میں کوئی دشواری نہیں اور اگر غیر زائدہ ہے تو عطف کی چند صورتیں ہیں۔ یا یہاں الم تر پوشیدہ مان کر جملہ کو جملہ پر عطف کیا جائے۔ یا وہاں بھی کاف پوشیدہ مانا جائے اس گزرنے والے میں اختلاف ہے کہ وہ کون تھے۔ بعض نے فرمایا کہ ارمیاء ابن حلقیا علیہ السلام تھے۔ جن کا لقب حضرت خضر ہے آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں یہ ہی حضرت ابن عباس کا فرمان ہے۔ (کبیر و خازن) مگر حضرت قتادہ اور عکرمہ ضحاک وغیرہم نے فرمایا کہ وہ حضرت عزیر ابن شرخیہ علیہ السلام تھے۔ یہ ہی قول زیادہ ترجیح ہے۔ **مر** مرور سے بنا یعنی گزرنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کہیں جارہے تھے راستہ میں یہ بستی پڑی **علی قریۃ** قریۃ قری سے بنا بمعنی جمع ہونا اسی لئے مہمان کے کھانے کو قری حیض کو قرء کہا جاتا ہے۔ چونکہ بستی میں بھی ہر قسم کے انسان جمع ہوتے ہیں اس لئے اسے قریہ کہتے ہیں۔ اس کا استعمال گاؤں اور شہر دونوں کیلئے ہوتا ہے قرآن کریم نے بڑے شہروں کو کئی جگہ قریہ فرمایا ہے۔ **من القریتین عظیم** مکہ معظمہ اور طائف شریف کو قریہ فرمایا **قلنا ادخلوا ھذہ القریۃ** یہاں بھی شہر ہی کیلئے استعمال ہوا۔ لہٰذا وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ پہلا جمعہ قریہ جواثی میں ہوا وہاں بھی قریہ سے مراد شہر ہے نہ کہ گاؤں اور اس حدیث کی بنا پر گاؤں میں جمعہ جائز نہیں کہا جاسکتا۔ اس کی مکمل بحث ہمارے فتاوی نعیمیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ حق یہ ہے کہ قریہ مطلقاً بستی کو کہتے ہیں بلکہ صرف شہر کو اور بدو گاؤں کو اس لئے گاؤں والوں کو بدوی کہا جاتا ہے اس میں اختلاف ہے کہ یہ کونسی بستی تھی۔ بعض نے فرمایا کہ یہ مقام ہو اور دان تھا۔ جو طاعون سے ویران ہوا تھا۔ بعض نے فرمایا کہ وہ سلمہ آباد تھا۔ جو

فارس کا مشہور شہر ہے۔ بعض نے فرمایا سلمہ آباد تھا جو جرجان یا ہمدان کے متصل ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ دیر ہرقل تھا جو بصرہ اور عسکر مکرم کے درمیان ہے۔ بعض نے کہا وہ قریہ عنب ہے جو بیت المقدس سے دو کوس دور ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ وہ بستی خود بیت المقدس تھی جسے بخت نصر بادشاہ نے ویران کر دیا تھا۔ (خازن) یعنی اے نبی کیا آپ نے ان کی مثل کو نہ دیکھا۔ جو ایک بستی پر گزرے **وھی خاویۃ علی عروشھا** ۔ **خاویۃ** خوی سے بنا بمعنی خالی ہونا کہا جاتا ہے۔ خوت المرءۃ یعنی عورت جننے سے فارغ ہو کر خالی ہو گئی۔ جس گھر کی چھت گر جائے اسے بیت خاویہ کہتے ہیں کہ وہ بھی چھت سے خالی ہو گیا۔ عروش جمع عرش کی ہے بمعنی چھت' چھپر ہر چھتی ہوئی چیز کو عرش کہا جاتا ہے۔ جس سے سایہ لیا جائے تخت کو بھی عرش اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اکثر چھپا ہوتا ہے۔ علی یا بمعنی عن ہے یا اپنے ہی معنی میں اگر بمعنی عن ہو تو مطلب یہ ہے کہ وہ بستی چھتوں سے خالی تھی فقط دیواریں کھڑی رہ گئی تھیں۔ اگر اپنے معنی میں ہے تو یہ مطلب کہ اولا چھتیں گریں۔ اور ان پر دیواریں یعنی وہ بستی اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھیں۔ **قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا** - **انی** بمعنی کیف ہے۔ یہ سوال شک کی بنا پر نہیں بلکہ حیرت سے ہے کیونکہ انبیاء کرام شک سے محفوظ ہیں۔ اگر **ھذا** سے خود یہ بستی مراد ہے تو حیات سے اس کی آبادی مراد ہے اور موت سے اس کی ویرانی اگر ھذا سے وہاں کی آبادی مراد ہے تو حیات سے زندگی اور موت سے مرنا مقصود یعنی حیرت ہے کہ رب تعالیٰ اس بستی کو ویرانی کے بعد آباد کیسے کرے گا یا یہاں کے مرے ہوئے لوگوں کو کیسے جلائے گا۔ رب نے چاہا کہ انہیں مار کر جلانا دکھائے لہٰذا **فاماتہ اللہ مائتہ عام' امات' اماتہ** سے بنا بمعنی موت' دینا اور مردہ رکھنا۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے کیونکہ آگے اس کا ظرف سو سال آ رہا ہے یہاں موت سے نیند مراد لینا یا غشی وغیرہ کوئی اور حالت سمجھنا سخت غلطی ہے۔ بلاوجہ حقیقی معنی نہیں چھوڑے جا سکتے۔ عام' عوم سے بنا بمعنی تیرنا اور گھومنا سال کو عام اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بھی سورج سارے برجوں میں تیر کر گھوم جاتا ہے یعنی رب نے اس کو سو برس تک مردہ رکھا۔ **ثم بعثہ۔ بعث** بمعنی اٹھانا خیال رہے کہ یہاں **ثم احیاہ** نہ کہا کہ پھر انہیں زندہ کر دیا کیونکہ اس میں یہ پتہ نہ لگتا کہ وہ کس حال میں زندہ ہوئے **بعثہ** فرما کر بتایا کہ جس حال میں انہوں نے وفات پائی تھی عاقل بالغ عالم تر و تازہ ویسے ہی زندہ ہو گئے گویا سو کر اٹھے ہیں۔ قیامت کے دن کو اسی لئے **یوم البعث** کہتے ہیں کہ وہاں سب عاقل بالغ جوان اٹھیں گے۔ دنیا کی طرح نا سمجھ بچے اور پھر ہوشیار ہوں ایسا نہ ہو گا۔ جو لوگ لفظ بعث کی بنا پر کہتے ہیں کہ آپ مرے نہ تھے بلکہ سوئے تھے۔ یا آپ پر غشی طاری ہو گئی تھی۔ اب جاگ اٹھے یا ہوش میں آ گئے اسلئے رب نے بعث فرمایا نہ کہ احیا' انہیں چاہئے کہ تمام مردوں کو مردہ نہ مانیں بلکہ سویا ہوا یا غشی والا مانیں کہ قیامت کے متعلق بھی بعث یا مبعث ارشاد ہوا ہے۔ خیال رہے کہ بعث کے معنی بھیجنا بھی ہے جیسے **اذ بعث فیھم رسولا** زندہ ہونا بھی جیسے **من بعثنا من مرقدنا** لفظ مشترک سے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی زندہ کرنا بعد موت اٹھانا **قال کم لبثت** ظاہر یہ ہے کہ بلاواسطہ رب نے ہی پوچھا اور ہو سکتا ہے کہ کسی فرشتہ نے سوال کیا ہو۔ چونکہ آپ نبی تھے۔ اس لئے یہ سوال بطور وحی ہوا کہ اے عزیر علیہ السلام آپ یہاں کتنا ٹھہرے؟ **قال لبثت یوما او بعض یوم** آپ کا یہ جواب بطور اندازہ ہے۔ دن کے شروع حصہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ اور آخر دن اٹھے تو سمجھے کہ وہی دن ہے اسلئے عرض کیا کہ میں دن بھر ٹھہرا یا دن سے بھی کم۔ آپ نے یہ جواب دیتے وقت نہ تو گدھے کو دیکھا نہ سامنے والے شہر بیت المقدس پر نظر ڈالی کہ اگر ہم آج سوئے تھے تو گدھا گل سڑ کیسے گیا۔ اور صرف چند گھنٹے میں یہ انقلاب کیسے آ گیا اور اجڑا شہر آباد کیسے ہو گیا۔

سو برس میں عالم میں بڑا تغیر تبدل ہو جاتا ہے۔ بلکہ صرف آسمان کو دیکھا اور سورج پر نظر ڈالی اور فرمایا کہ ہم نے یہاں ایک دن یا اس سے بھی کم قیام فرمایا ہے۔ چونکہ ابھی آیت پوری نہیں ہوئی اس لئے خلاصہ تفسیر اور اس کا پورا واقعہ اور فوائد اور سوال جواب آئندہ جملہ کی تفسیر میں بیان ہوں گے۔

قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ

کہا بلکہ ٹھہرے تم سو برس پس دیکھو تم طرف کھانے اپنے اور پانی اپنے کے نہ بسا اور دیکھو طرف گدھے

فرمایا نہیں بلکہ تجھے سو برس گزر گئے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ اب تک بُو نہ لایا اور اپنے گدھے

وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ

اپنے کے اور تاکہ کریں ہم تم کو نشانی واسطے لوگوں کے اور دیکھو طرف ہڈیوں کے کیسے اٹھاتے ہیں ہم ان کو

کو دیکھ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں اور یہ اس لئے کہ تجھے ہم لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور ان ہڈیوں

نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ

پھر پہناتے ہیں ہم ان کو گوشت پس جبکہ ظاہر ہوا واسطے اس کے تو کہا جانتا ہوں میں کہ تحقیق اللہ اوپر

کو دیکھ کیونکر ہم انہیں اٹھان دیتے پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہو گیا بولا میں خوب جانتا

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

ہر چیز کے قدرت والا ہے۔

ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

تعلق : پچھلے جملہ میں حضرت عزیر علیہ السلام کے سو برس بعد زندہ ہونے اور وہاں مدت قیام کے اندازہ لگانے کا ذکر تھا۔ اب انہیں غلط اندازہ پر متوجہ کرنے کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے اندازہ میں غلطی کی اور ہم نے صحیح مدت بتائی۔

تفسیر : قال بل لبثت مائة عام قال کا فاعل یا رب تعالیٰ ہے۔ یا فرشتہ بل اضراب کیلئے ہے۔ جو دو کلاموں کے درمیان ہوتا ہے۔ اور اگلے کی نفی کر کے مابعد کو ثابت کرتا ہے۔ اس لئے یہاں لا پوشیدہ ہے۔ روح المعانی نے فرمایا کہ بل سے پہلے ما لبثت پوشیدہ ہے اور بل عاطفہ اس کا مابعد جملہ اس پوشیدہ جملہ پر معطوف ہے خیال رہے کہ لبثت سے ان کے جسم شریف کا وہاں رہنا مراد ہے نہ کہ جسم مع روح کا کہ روح تو نکال لی گئی تھی۔ یعنی رب نے فرمایا کہ اے عزیر علیہ السلام آپ کا جسم شریف ایک دن نہیں بلکہ سو سال یہاں رہا۔ چونکہ بعد موت روح کو جسم سے کچھ تعلق رہتا ہے۔ اس لئے جسم کے مقام کو ان کا مقام قرار دیا۔ جیسے زندگی میں بھی نیند یا غشی کی حالت میں انسان کو بے خبر بنا رہتا ہے کہ وہ جاگنے یا ہوش میں آنے کے بعد اپنے متعلق کچھ خبر نہیں رکھتا کہ میں کہاں رہا اور کتنا رہا ایسے ہی رب تعالیٰ نے انہیں اس زمانہ میں ایسا غیر متوجہ رکھا کہ آپ کو پتہ نہ چلا کہ ہم یہاں کتنے دن رہے لہذا آیت پر یہ اعتراض نہیں کہ بعد موت انسان اپنی جگہ رہ کر جہاں اس کے روح کا مقام ہے وہاں

کے حالات تو جانتا ہی ہے۔ پھر آپ کو برزخی حالات بھی کیوں یاد نہ آئے رب نے اس وقت انہیں سب کچھ بھلا دیا تھا تاکہ اگلا کلام درست ہو۔ **فانظر الی طعامک وشرابک۔** انظر سے آنکھ سے دیکھنا مراد ہے نہ کہ فقط غور کرنا کیونکہ اس کے بعد الیٰ آرہا ہے نیز غذا اور پانی آنکھ سے ہی دیکھے جاتے ہیں۔ طعام سے مراد انگور و انجیر ہیں اور شراب سے پینے کی چیز یعنی شیرہ انگور یا دودھ جسے وہ اپنے پاس رکھ کر سوگئے تھے۔ یعنی اپنی اس غذا اور شربت وغیرہ کی طرف دیکھو کہ **لم یتسنہ** یہ لفظیا **سنو** ناقص واوی سے بنا ہے اور یہ وقفی ہے۔ جیسے **اقتدہ۔ مالیہ سلطانیہ۔ ماھیہ۔** یا **سنہ** سے بنا اور یہ اصلی ہے۔ ان دونوں کے معنی برس اور سال ہیں باب تفعل میں مگر اس کے معنی ہوئے کسی پر سال گزرنا چونکہ چیز پرانی ہو کر گل سڑ جاتی ہے۔ اس لئے اصطلاح میں اس سے گلنا سڑنا بدبو دینا مراد ہوتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ **سنن** سے مشتق ہو بمعنی سڑ جانا **من حما مسنون** اور نون محذوفہ کے عوض ہو۔ (کبیر و روح المعانی وغیرہ) یعنی یاد ہو کہ غذائیں بہت جلد گل سڑ جاتی ہیں۔ مگر تمہاری غذا سو سال گزرنے پر بھی نہ بگڑی۔ **وانظر الی حمارک** یہ ان کے سو برس ٹھہرنے کی دلیل ہے کہ اے عزیر اپنے گدھے کو تو دیکھو کہ اس کا گوشت اور پوست تو کیا ہڈیاں بھی گل کر ختم ہو گئیں ایک دن میں گدھے کا یہ حال نہیں ہو سکتا۔ **ولنجعلک ایۃ للناس** واؤ یا تو زائدہ ہے اور **جار مجرور** لنبثت کے متعلق یا واؤ ابتدائیہ ہے اور **جار مجرور فعلنا** پوشیدہ کے متعلق یا واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ جملہ پر معطوف آیت کے معنی نشانی قدرت ہے اور **ناس** سے مراد ان کی اولاد یا قبیلہ والے یا تمام لوگ ہیں۔ یعنی ہم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ تم لوگوں کے لئے سراپا نشانی قدرت ہو جاؤ کہ تم جوان ہو اور تمہارے پوتوں کی اولاد بوڑھی (خازن و کبیر) **وانظر الی العظام** یہ واؤ عاطفہ ہے اور انظر پہلے انظر پر معطوف ہے پہلی نظر اپنی مدت قیام معلوم کرنے کیلئے تھی۔ اور یہ نظر احیاء مردہ دیکھنے کیلئے لہٰذا دونوں نظروں میں فرق ہے اور عطف صحیح عظام عظم کی جمع ہے بمعنی ہڈی الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اس لئے یا تو اپنی ہڈیاں مراد ہیں کیونکہ آپکی آنکھ پہلی کھلی اور باقی جسم شریف بعد میں زندہ ہوا۔ اور یا بیت المقدس والوں کی ہڈیاں مگر صحیح یہ ہے کہ خود گدھے کی ہڈیاں مراد ہیں جو ان کے سامنے گلی ہوئی پڑی تھیں۔ **کیف ننشزھا** یہ نشز سے بنا بمعنی بلند جگہ پھر اونچی طرف اٹھانے کو بھی نشز کہنے لگے۔ اصطلاح میں ہر اٹھنے کو نشز بولا جائے گا۔ **واذا قیل انشزوا فانشزوا** نافرمان عورت کو اس لئے ناشزہ کہتے ہیں۔ یعنی دیکھو ہم ان ہڈیوں کو کس طرح متفرق زمین سے اٹھا کر ایک جگہ جمع کرتے ہیں ایک قرات میں **ننشرھا** رے سے ہے اس کا مادہ **نشر** بمعنی جمع کرنا یا زندہ کرنا۔ یا پھیلانا ہے۔ **ثم اذا شاء انشرہ** (کبیر) **ثم نکسوھا لحما۔ نکسوا** **کسوۃ** سے بنا بمعنی پہننا لباس کو کسوہ اور کمبل کو کساء اس لئے کہتے ہیں کہ وہ پہنا جاتا ہے چونکہ گوشت ہڈیوں پر ایسے لپٹا ہوتا ہے جیسے جسم پر لباس اس لئے یہاں نکسو فرمایا گیا اور چونکہ ہڈیوں کے نام کام شکل مختلف ہیں اور گوشت یکساں اسی لئے ہڈی کو جمع اور گوشت کو واحد لایا گیا ہے۔ **فلما تبین لہ** یہاں پورا واقعہ پوشیدہ ہے کہ انہوں نے گدھے کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ اگرچہ رب تعالیٰ کے اس فرمان سے ہی حضرت عزیر علیہ السلام کو یقین ہو گیا تھا کہ ہم سو سال تک یہاں رہے رب کی خبر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ مگر رب نے انہیں اس مدت ٹھہرنے کا حق الیقین دلانے کیلئے تمام کلام ارشاد فرمایا کہ گدھے کی ہڈیاں دیکھو یہ پکار کر کہیں گی کہ آپ یہاں ایک دن نہ ٹھہرے بلکہ دراز مدت تک رہے لہٰذا اس گفتگو پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ کیا حضرت عزیر کو رب کے فرمان پر اعتبار نہ تھا کہ اس کے دلائل قائم فرمائے پھر جب کہ ان کو احیاء موتیٰ ظاہر ہو گئی تو **قال اعلم ان**

اللہ علی کل شی ء قدیر ○ قال کا فاعل عزیر علیہ السلام ہیں۔ اور علم سے مراد علم مشاہدہ اور حق الیقین تو پہلے ہی سے واصل تھا۔ بعض قرات میں اعلم بصیغہ امر ہے (خازن) تو قال کا فاعل اللہ اور علم بمعنی نظر ہے۔ شیئی سے یا تو موت اور زندگی مراد ہے یا ہر چیز عزیر علیہ السلام نے کہا کہ میں بحق الیقین جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے یا رب نے فرمایا کہ اے عزیر دیکھ لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یا عزیر علیہ السلام نے عرض کیا۔ میں پہلے سے ہی جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ مجھے انکار نہ تھا حیرت تھی اس سے پتہ لگا کہ حضرات انبیاء کرام کو خطاء اجتہادی ہو سکتی ہے۔ مگر رب تعالیٰ انہیں خطا پر قائم نہیں رہنے دیتا حضرت عزیر کا یہ عرض کرنا کہ میں یہاں دن یا اس سے کم ٹھہرا اجتہادی خطاء تھی۔ جو سورج کو دیکھ کر پیدا ہوئی۔ رب تعالیٰ نے انہیں فوراً اس خطا سے مطلع فرمادیا اس پر کوئی عتاب نہ فرمایا اس سے اجتہاد کے متعلق بہت سے مسائل نکل سکتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر اور حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ:

بیت المقدس میں بنی اسرائیل آباد تھے۔ جب ان کا فسق و فجور نافرمانی و طغیانی حد سے بڑھا۔ اور انہوں نے پیغمبر وقت کی ہدایت پر عمل نہ کیا تو عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چھ سو برس بیشتر بخت نصر بابلی نے بیت المقدس پر سخت حملہ کیا۔ اس کے ساتھ چھ لاکھ جھنڈے تھے اور ہر جھنڈے کے ساتھ بیشمار فوج۔ اس نے بیت المقدس کو ویران کر ڈالا۔ توریت شریف کے نسخے جلا دیئے۔ بنی اسرائیل کے تین حصے کیے ایک گروہ کو قتل کر ڈالا۔ دوسرے کو بہت ذلت و خواری سے شام میں رکھا۔ تیسرے کو قید کیا۔ اس قیدی گروہ کی تعداد دس لاکھ تھی۔ ان قیدیوں کو آپس میں تقسیم کر لیا انہیں قیدیوں میں حضرت عزیر و دانیال علیہما السلام بھی تھے جو اس وقت بچے تھے۔ (روح البیان) جب بہت عرصہ بعد ان میں سے بعض لوگ قید سے چھوٹے تو حضرت عزیر علیہ السلام بیت المقدس پر گزرے جو اس وقت اجڑا پڑا تھا۔ آپ تمام شہر میں گھومے۔ کوئی آدمی نہ ملا مگر وہاں کے باغات قسم قسم کے میوے سے لدے ہوئے تھے۔ جن کو کوئی کھانے والا نہ تھا۔ آپ نے کچھ انگور اور انجیر توڑ کر کھائے کچھ انگوروں کا رس نکال کر پیا اور کچھ انگور و انجیر توشہ دان میں رکھ لئے اور تھوڑا سا شیرۂ انگور ساتھ لے لیا۔ حدود آبادی سے باہر نکل کر حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر بولے کہ رب تعالیٰ اسے کیونکر آباد کرے گا اور اب یہاں رونق کیسے ہوگی۔ منظور الٰہی یہ ہوا کہ اپنی قدرت کاملہ انہیں دکھائے۔ آپ نے اپنے دراز گوش کو وہاں باندھ دیا۔ انجیر و انگور کا توشہ دان اپنے سرہانہ ایک جانب اور شیرۂ انگور کا برتن دوسری جانب رکھ کر خود آرام کیلئے لیٹ گئے۔ لیٹتے ہی نیند آگئی اور سوتے میں جان نکال لی گئی گدھا بھی مر گیا۔ یہ واقعہ صبح کے وقت ہوا۔ رب تعالیٰ نے بخت نصر بادشاہ کو نمرود کی طرح مچھر سے ہلاک فرمایا۔ باقی بنی اسرائیل کو آزادی مل گئی۔ ستر برس کے بعد حق تعالیٰ نے شاہان فارس میں سے کسی کو مسلط کیا جو اپنی فوجیں لے کر بیت المقدس پہنچا اور اس کو پہلے سے بھی بہتر طریقہ پر آباد کیا بکھرے ہوئے بنی اسرائیل پھر وہاں آکر آباد ہو گئے اور تیس سال کے عرصہ میں یہ لوگ بہت بڑھ گئے۔ حق تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کے جسم شریف وغیرہ کو ایسا غائب فرمایا کہ نہ آپ کو کسی انسان نے دیکھا نہ کسی چرند و پرند و درند جانور نے۔ جب آپ کی وفات کو سو سال پورے ہو گئے تب آپ کو زندہ کیا گیا۔ یہ واقعہ شام کے وقت ہوا۔ تب رب نے پوچھا کہ آپ یہاں کتنی مدت رہے۔ آپ نے خیال فرمایا کہ یہ وہی دن ہے جب میں لیٹا تھا تو اندازہ فرمادیا کہ ایک دن بلکہ اس سے

بھی کچھ کم۔ چونکہ آپ اپنے خیال و اندازے کی حکایت فرمارہے تھے نہ کہ واقعہ کی۔ یعنی میرے اندازہ یہ ہے کہ میں دن بھر یہاں رہا۔ اس لئے نہ یہ کلام جھوٹ ہے اور نہ آپ کا ایسا بولنا کذب۔ کلام بھی سچا ہے اور آپ کا بولنا بھی حق جیسے کہا جاتا ہے **زید قائم فی ظنی** میرے خیال میں زید کھڑا ہوا ہو گا لہٰذا اس جواب میں یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ غلط بات پیغمبر کی زبان پر کیوں آئی۔ اس لئے رب نے اس جواب پر عتاب نہ فرمایا بلکہ واقعہ کی طرف متوجہ کر دیا۔ یا کہو کہ حضرت عزیر نے عالم ارواح کا حال بتایا جہاں آپ کی روح تھی وہاں ابھی تک ایک دن بھی نہ گزرا تھا۔ وہاں کا ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے **ان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون** اور رب تعالیٰ نے اس دنیا کا ذکر فرمایا جہاں آپ کا جسم شریف تھا یا کہو کہ اس دنیا میں ہی گدھے پر سو سال گزر گئے تھے اور غذا و شربت پر ایک دن گزرا تھا۔ بہر حال یہ کلام جھوٹ نہ تھا۔ چنانچہ رب نے فرمایا کہ نہیں آپ سو سال ٹھہرے رہے۔ اب ہماری قدرت کا نظارہ کیجئے کہ اتنی دراز مدت میں جلد بگڑنے والی غذا و شراب تو نہ بگڑی ایسی ہے۔ جیسے ابھی تیار ہوئی ہے اور گدھا گل سڑ کر برابر ہو گیا اعضا بکھر گئے۔ ہڈیاں سفید سفید چمک رہی ہیں۔ اب دیکھئے ہم کیسے مردہ زندہ کرتے ہیں۔ ایک غیبی آواز آئی کہ اے گلی ہڈیو جمع ہو کر گوشت و پوست کا لباس پہن لو۔ "آنا" "فانا" ہڈیاں درست ہو کر تمام جسم تیار ہو گیا۔ دوسری آواز آئی کہ زندہ ہو جاؤ "فوراً گدھا زندہ ہو کر آواز کرنے لگا۔ آپ نے خدا کی قدرت کا نظارہ کیا اور فرمایا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ رب ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر آپ اسی سواری پر سوار ہو کر آبادی کی طرف چلے دیکھا کہ وہ ہی ویران شہر بہت بارونق ہو گیا ہے۔ محلے گلی کوچے سڑکیں وغیرہ سب آباد ہو چکے ہیں۔ آپ کی عمر شریف وہی چالیس سال تھی جو سوتے وقت تھی۔ شہر والوں میں سے کوئی بھی آپ کو نہ پہچانتا تھا۔ آپ اندازے سے اپنے مکان پر پہنچے۔ ایک ضعیف نابینا بڑھیا ملی۔ جس کے پاؤں رہ گئے تھے وہ آپ کی لونڈی تھی اور اس نے آپ کو دیکھا تھا۔ اس کی عمر اس وقت ایک سو بیس سال تھی کہ آپ کی وفات کے وقت بیس سال کی تھی اور سو سال یہ گزرے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا یہ عزیر کا مکان ہے۔ وہ بولی ہاں آج کون ہے جو سو برس بعد عزیر کا نام لے رہا ہے۔ ان کو تو گم ہوئے ایک صدی ہو چکی یہ کہہ کر بہت روئی آپ نے فرمایا میں ہی عزیر ہوں اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے سو برس مردہ رکھ کر پھر زندہ کیا اس نے کہا کہ حضرت عزیر مقبول الدعاء تھے ان کی دعائیں قبول ہوتی تھیں آپ دعا کریں کہ میں انکھیاری ہو جاؤں تاکہ دیکھ کر آپ کو پہچان لوں۔ آپ نے دعا کی تو وہ بینا ہوئی آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اٹھ خدا کے حکم سے یہ فرماتے ہی اس کے مرے ہوئے پاؤں درست ہو گئے۔ وہ دیکھ کر پہچان گئی اور کہنے لگی کہ واقعی آپ عزیر ہیں اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر بنی اسرائیل کی ایک مجلس میں لے گئی جہاں حضرت عزیر کے فرزند جن کی عمر ایک سو اٹھارہ سال تھی اور آپ کے بڈھے پوتے بھی موجود تھے اور چیخ کر بولی مبارک ہو عزیر آ گئے۔ سب نے کہا تو جھوٹی ہے وہ بولی میں وہی اندھی لنگڑی بڑھیا ہوں۔ دیکھو ان کی دعا سے اچھی ہو گئی۔ یہ کہتے ہیں کہ مجھے رب نے سو برس مردہ رکھ کر زندہ فرمایا لوگ اٹھ کر ان کی زیارت کرنے لگے۔ آپ کے بیٹے نے کہا کہ میرے والد کے دو شانوں کے درمیان بالوں کا ایک ہلال تھا۔ جسم مبارک کھول کر دکھایا گیا تو وہ موجود تھا۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت عزیر کو توریت شریف حفظ تھی۔ آج کل اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں۔ اگر آپ عزیر ہیں تو توریت شریف سنائیے۔ آپ نے توریت سنائی ہی نہیں بلکہ لکھوا بھی دی مجمع میں سے ایک بولا کہ میں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے سنا تھا کہ بخت نصر کی ستم انگیزیوں کے بعد گرفتاری کے زمانہ میں میرے دادا نے ایک جگہ توریت دفن کر دی اس کا پتہ مجھے معلوم ہے۔ چلو

تلاش کریں شاید مل جائے۔ جستجو سے وہ نسخہ ملا۔ اس نسخہ مدفونہ کو حضرت عزیر کے لکھوائے ہوئے نسخے سے مقابلہ کیا گیا تو حرف بحرف مطابق نکلا۔ تب سب کو یقین ہوا کہ یہ عزیر علیہ السلام ہیں اور یہود نے آپ کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ (تفسیر خزائن العرفان و جمل و خازن و روح وغیرہ)

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: قدرت الٰہی پر حیرت و تعجب کرنا گناہ نہیں۔ انکار کرنا جرم ہے۔ کیونکہ حیرت بشری کمزوری سے ہے نہ کہ رب کی قدرت کے انکار سے۔ دیکھو پیغمبر نے حیرت کی دوسرا فائدہ: انبیاء کرام کی بارگاہ الٰہی میں وہ عزت ہے کہ سبحان اللہ ' رب تعالیٰ ہر طرح ان کی تسلی تشفی فرماتا ہے۔ دیکھو حضرت عزیر نے تعجب کیا ہی تھا کہ تسلی کر دی گئی۔ کیونکہ یہ تو دنیا کی تسلی کرنے آتے ہیں۔ اگر خود ان کو حیرت و تعجب رہے تو دوسروں کی تشفی کیسے کریں۔ تیسرا فائدہ: داعی کے مراتب اور آداب دعا کے لحاظ سے دعا کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت عزیر کی تسلی سو برس بعد کی گئی۔ مگر حضرت ابراہیم کی تسلی فوراً ہی کر دی گئی۔ جس کا قصہ اگلی آیت میں ہے۔ چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کی خواہش کو پورا فرماتا ہے۔ انہیں منہ سے دعا مانگنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی۔ دیکھو حضرت عزیر علیہ السلام نے بیت المقدس کی آبادی کی صراحتہً دعا نہ کی صرف حیرت کا اظہار کیا۔ ہاں دل میں تمنا ضرور تھی کہ یہ شہر پھر آباد ہو جائے۔ رب تعالیٰ نے ان کی تمنا کس شاندار طریقہ سے پوری فرما دی۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیلی قبلہ کی دعا نہ کی صرف شوق وحی میں آسمان کو دیکھا کہ تبدیلی قبلہ واقع ہو گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرودی آگ سے بچنے کی دعا نہ کی صرف دل میں آرزو تھی کہ رب نے انہیں آگ کے شر سے نہ صرف بچا لیا بلکہ آگ کو ہی ٹھنڈا و سلامت کر دیا۔ یہ ہے ان کی محبوبیت پانچواں فائدہ: کسی شخص کا ایمان نبی کے ایمان کی مثل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سب کا ایمان بالغیب ہے۔ مگر نبی کا ایمان بالشہادۃ بھی ہے ان حضرات کیلئے اکثر غیوب مشاہدہ کرا دیئے جاتے ہیں۔ دیکھو مر کر جینے پر ہم سب کا ایمان بالغیب ہے مگر حضرت عزیر و ابراہیم و عیسیٰ علیہم السلام کا ایمان بالشہادۃ ہے کہ انہوں نے مردے زندہ ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سارا عالم الغیب حتیٰ کہ رب تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ نیز ہمارے ایمان علم حصول ان کا ایمان علم حضوری کیونکہ نبوت ان کی اپنی صفت ہے اور اپنی ذات و صفات کا علم حضوری ہوتا ہے نیز ہم محض مومن ہیں۔ مگر وہ حضرات مومن بھی اور ایمان بھی۔ ان کا ماننا ہمارے ایمان کا رکن ہے ہمارے کلمہ میں حضور انور کا نام ہے۔ حضور کے کلمہ میں ہمارا نام نہیں کہ وہ میرا امتی ہے۔ چھٹا فائدہ: بعد موت اور قبل پیدائش کا زمانہ عمر میں محسوب نہیں ہوتا۔ دیکھو حضرت عزیر نے چالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ سو سال بعد جب زندہ ہوئے تو وہی چالیس سال عمر شریف تھی۔ اسی کو رب نے لیتہ فرمایا کہ والد چالیس سال کے اور فرزند ایک سو اٹھارہ سال کے بلکہ دادا جوان اور پوتے بوڑھے۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ حضرت عزیر کے بال بالکل کالے تھے۔ اور آپ خوب جوان اور آپ کے پوتوں کے بال سفید اور وہ بالکل بوڑھے تھے یہ قدرت رب کی عجیب نشانی ہے۔

قرآنی معمہ : وہ کون صاحب ہیں جو خود چالیس سالہ جوان اور ان کے فرزند ایک سو بیس سالہ اور پوتے نوے سالہ بوڑھے۔ جواب: وہ حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔ جنہوں نے سو سال کی مدت زمانہ موت میں گزاری اور جب زندہ ہوئے تو

خود جوان تھے۔ مگر آپ کی اولاد بڈھی ساتواں فائدہ: کبھی فساق کی وجہ سے بے گناہوں پر بھی مصیبت آجاتی ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل کے فساق کی وجہ سے بے گناہ بچے بھی بخت نصر کی مصیبت میں گرفتار ہوئے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: حضرت عزیر کی عمر شریف اس عارضی موت کے وقت پوری ہو چکی تھی یا نہیں اگر ہو چکی تھی تو دوبارہ زندہ ہو کر کون سی عمر گزاری اور اگر نہیں تو عمر باقی رہتے ہوئے موت کیوں آئی۔ (آریہ) جواب: آپ کی عمر باقی تھی اور موت عارضی اس لئے دوبارہ زندہ رہے۔ عارضی موت قدرت الٰہی کا نظارہ کرانے کیلئے تھی۔ چراغ بجھنے کی دو صورتیں ہیں۔ تیل بتی ہی ختم ہو جائے۔ یا دونوں موجود ہوں مگر ہوا سے گل ہو جائے۔ آپ کی یہ وفات دوسری قسم کی تھی۔ عمر کا روغن و بتی باقی تھی۔ مگر ارادہ الٰہی کی ہوا نے شمع حیات گل کر کے پھر روشن کر دی۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا انبیاء کرام بعد وفات اس عالم سے بالکل بے خبر رہتے ہیں۔ تب ہی تو حضرت عزیر علیہ السلام کو معلوم نہ ہوا کہ ہم یہاں کتنے سال رہے اور نہ آپ اپنے محلہ و مکان کو آسانی سے پہچان سکے اگر اس عالم کی خبر رکھتے تو ان کو سال کے دن و رات و واقعات معلوم رہتے۔ پھر تم ان سے دعائیں کیوں مانگتے ہو۔ اور حاجت کے وقت کیوں پکارتے ہو وہ تو بعد وفات اپنے سے بھی بے خبر ہیں۔ تمہاری کیا خبر رکھیں۔ (دیوبندی) جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی' الزامی یہ ہے کہ پھر تو نماز میں **السلام علیک ایھا النبی** پڑھنا درود پاک کی تلاوت کرنا۔ نعت شریف لکھنا تمہارے مولوی قاسم صاحب کا یہ شعر کہنا کہ:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامیء کار

اور روضہ پاک کی حاضری یہ سب بیکار بلکہ ناجائز ہو گئیں کہ جب انہیں اس دنیا سے کوئی تعلق ہی نہیں تو انہیں پکارنا بے فائدہ ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ جیسے عزیر علیہ السلام کا سو برس بے حیات رہ کر زندہ ہو جانا بغیر دفن ہوئے سارے عالم کی نگاہوں سے چھپا رہنا' غذا اور شربت کا نہ بگڑنا' عجائبات قدرت میں سے ہے ایسے ہی ان کا زمانہ وفات میں اس عالم سے بے توجہ رہنا بھی کرشمہ قدرت ہے۔ تمام پیغمبروں کا یہ حال نہیں۔ بلکہ انہوں نے زندہ ہو کر بھی گدھے کی سفید ہڈیاں' عالم کی بدلی ہوئی ہوا' باغات اور کھیتوں کے تغیر پر توجہ نہ کی اور بے اختیار کہہ دیا کہ میں یہاں ایک دن رہا ورنہ اگر ان چیزوں میں سے ایک پر بھی غور کر لیتے تو معلوم فرما لیتے کہ مجھے یہاں ٹھہرے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا۔ دیکھو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔ یعنی سونے کی حالت میں بھی اس عالم سے بے خبر نہیں ہوتے اس لئے نیند سے ان کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ مگر شب تعریس میں جب رب کو قضاء نماز کے احکام بتانا منظور ہوئے تو حضور کو نیند میں اپنی طرف ایسا متوجہ فرمالیا کہ دن چڑھے آپ کی آنکھ کھلی اور نماز فجر قضا ہو گئی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر نیند میں آپ کو اس جہان سے بے توجہی رہتی ہو۔ نیز ہم کو بہت پرانے گزرے ہوئے واقعات ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کل گزرے۔ قیامت میں لوگ دنیوی زندگی کو ایک دن یا دو دن سمجھیں گے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہیں وہ مدت معلوم نہیں۔ وہ تو یہاں رہ کر کام کاج کر کے عمر گزار کر گئے ہیں۔ صرف اس وقت کی ہیبت سے اندازہ میں غلطی کریں گے جب رب تعالیٰ قیامت میں انبیاء کرام سے پوچھے گا کہ تمہیں تمہاری امتوں نے کیا جواب دیا تھا تو رعب سلطانی کی وجہ سے بے ساختہ منہ سے نکلے گا۔ **لا علم لنا**۔ ہو سکتا ہے کہ کلام ربانی کی ہیبت کی وجہ سے

اندازہ میں خطا ہو گئی کہ صرف ڈوبتے ہوئے دن پر نظر پہنچی اور بہت سی علامات پر توجہ نہ ہوئی ہو۔ نیز وہاں حقیقتاً سو سال ہی گزرے اور حسی ایک دن جیسے محشر کا دن حقیقتاً ایک ہزار سال کا ہو گا لیکن مومنین کیلئے بقدر نماز اور یہاں دونوں قسم کے دن کا اثر موجود تھا۔ کہ گدھے پر سو سال گزر گئے تھے اور کھانے شربت پر ایک دن ہی گزرا تھا۔ لہذا عزیر علیہ السلام کا اسے ایک دن فرمانا بھی درست تھا اور رب کا سو سال فرمانا بھی ٹھیک تھا وہ حس کے لحاظ سے تھا اور یہ حقیقت کے لحاظ سے اور یہ بھی معجزہ کے طور پر ہوا۔ اگر یہ حضرات بعد وفات اس جہان سے بے خبر تھے تو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج اور معراج کی کیسے خبر ہوئی کہ حضور کے حج میں حضرت یونس علیہ السلام و دیگر انبیاء شریک ہوئے۔ اور معراج میں سارے نبیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ انہیں کیا خبر تھی کہ اس دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الھۃ یعبدون** ○ اے محبوب اگلے رسولوں سے پوچھ لو کیا ہم نے رب کے سوا اور معبود مقرر کئے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ نبیوں سے ملاقات بھی کرتے ہیں ان سے گفتگو بھی۔ تب ہی تو ان سے پوچھا جا سکتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے عذاب سے ہلاک شدہ قوم سے کلام فرمایا ہے رب فرماتا ہے۔ **قال یقوم لقد ابلغتکم رسلت ربی نصحت لکم۔** ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے بعد ابو جہل امیہ ابن خلف وغیرہم کی نعشوں سے کلام فرمایا کہ بولو میں سچا ہوں یا نہیں۔ اب تمہیں میری حقانیت معلوم ہوئی یا نہیں غرضیکہ سماع موتی اور حیات اموات پر بیشمار دلائل قائم ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: بہت سے لوگ حشر ارواح کے معتقد ہیں حشر اجسام کے منکر۔ وہ کہتے ہیں کہ روح کو جسموں میں کمال حاصل کرنے کیلئے ایسا بھیجا گیا تھا جیسے بچہ کو مکتب میں۔ علم حاصل کرنے کے بعد بچہ کو دوبارہ مدرسہ میں نہیں بھیجتے۔ بلکہ دفاتر و اعلیٰ مقامات پر۔ ایسے ہی جب روح بقدر استعداد شر یا خیر کما کر جسم سے نکل گئی تو اب دوبارہ اسے جسم میں ڈالنا اور اس حجرہ میں قید کرنا خلاف حکمت ہے صرف روح کو ہی جنت یا دوزخ میں جانا چاہئے۔ رب نے اپنے کمال فضل و رحمت سے عزیر علیہ السلام اور ان کے گدھے کو موت دیکر غذا اور شراب کو محفوظ اور گدھے کے جسم کو خاکستر کر کے اس شک کا جواب سمجھا دیا۔ روح گویا عزیر ہے جسم گویا گدھا۔ شراب گویا عشق ہے اور غذا اس کے اعمال جیسے کہ عزیر علیہ السلام کا جسم شریف اور غذا، شراب محفوظ رکھا گیا اور گدھا خاکستر کر دیا گیا پھر دوبارہ گدھے کو زندہ کر کے انہیں بیت المقدس میں داخل کیا گیا ایسے ہی جب عزیر روح کو حیات بخشی جائیگی تو اس کے ساتھ اس کا دراز گوش (جسم) بھی زندہ کیا جائے گا اور اس کے اعمال و عقائد بعینہ اس عالم میں محفوظ ملیں گے۔ پھر جہاں روح پہنچے گی وہاں اسکا جسم بھی کہ جب جسم اعمال کے وقت روح کے ساتھ رہا۔ تو جزا اور سزا کے وقت بھی ساتھ ہی رہنا چاہئے کیونکہ اس کی سواری ہے۔ عارفین کی روح تجلی جلال و جمال کے جام پئے گی اور **وسقھم ربھم شرابا طھورا** کا ظہور ہو گا تب جسم جنت کے باغوں میں چرے گا اور کوثر و سلسبیل کے حوضوں سے پانی پئے گا۔ (تفسیر روح البیان و ابن عربی)

خیال رہے کہ نیک اعمال دو قسم کے ہیں۔ نفسانی و رحمانی۔ نفسانی وہ ہیں جو نفس کے نفع کیلئے کئے جائیں۔ ریا، نام، نمود اور حصول دنیا ان کا مقصد ہو اور رحمانی وہ ہیں جو رضاء رحمان کیلئے کئے جائیں یعنی اخلاص، خشوع و خضوع ان میں داخل ہو۔ چونکہ جسم کو فنا ہے۔ لہذا جسمانی اعمال کو بھی فنا۔ یہ اعمال برباد ہو جائیں گے۔ رب فرماتا ہے **وقدمنا الی ما عملوا من عمل**

فجعلنہ ھباء منثورا حدیث شریف میں ہے کہ ریاکار شہید، عالم، سخی سب دوزخ میں پھینکے جائیں گے اور رحمانی اعمال باقی غیر فانی ہیں۔ کیونکہ رحمان باقی ہے تو رحمانی اعمال بھی باقی۔ بلکہ وہ اعمال قیامت میں مع اضافہ کے ملیں گے ان کیلئے رب فرماتا ہے **مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ** اسی طرح عشق و محبت چند قسم کی ہے۔ عشق نفسانی، جسمانی، روحانی، ایمانی، رحمانی۔ محبت نفسانی جیسے شہوت کی محبت اور محبت جسمانی اولاد ماں باپ سے رشتہ داروں سے محبت فانی ہے کہ بعد موت ختم ہو جاتی ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ** اس دن انسان اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور اپنے بچوں سے بھاگے گا مگر محبت روحانی جیسے اللہ کے مقبولوں سے محبت ایسے ہی محبت ایمانی اعمال اور اچھی چیزوں سے محبت اور نماز، قرآن مدینہ سے محبت ایسے ہی محبت رحمانی جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب سے محبت باقی ہے جو قیامت میں کام آئے گی۔ رب فرماتا ہے **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین** ○ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ طلب جنت کیلئے بھی نیکیاں نہ کرو صرف رضاء الٰہی کیلئے کرو۔

دوسری تفسیر: عقل انسان گویا عزیر ہے۔ قلب گویا بیت المقدس۔ شیطان گویا بخت نصر۔ اس دل کا تجلیات الٰہی سے خالی ہونا گویا اس شہر کی ویرانی ہے۔ کہ اس کی صورت تو قائم مگر اس کا نفع زائل۔ عقل نے دل پر گزر کی اور بارگاہ الٰہی میں اسکی حیات کے متعلق عرض کی کہ سوئی یہ غافل دل اور اجڑی بستی تیری تجلیات جمال و جلال سے کیونکر آباد ہوگی اور جہالت کی موت کے بعد اب اسے حیات علم کیونکر آئے گی۔ تو رب نے اس عقل کو سو سال یعنی مدت دراز تک جہالت کی موت میں رکھا پھر اسے حیات علم عطا فرمائی۔ اور اسے فرمایا کہ تو اپنی غذا معلومات کلیہ اور جزئیہ کو دیکھ ویسے ہی موجود ہیں۔ اور اپنی شراب عشق کو دیکھ کہ خراب نہ ہوئی۔ جیسے تجھ کو میثاق کے دن پلائی گئی تھی اب تک موجود ہے۔ اور اب تو اپنے گدھے یعنی قالب کو دیکھ کہ بچپن کی جہالت اور لڑکپن کی غفلت اور ضعف کمزوری سے نکل کر کس طرح زندہ ہوتا ہے کہ ہم اولاً اس کی بکھری ہوئی قوتیں جمع کرتے ہیں۔ اور پھر اسے عرفان کا لباس پہناتے ہیں اور جیسے کہ غذاء شہوت اور شربت وصال سے پرورش کیا تھا ایسے ہی اس جسم کو مختلف غذاؤں اور شربتوں سے پرورش کریں گے۔ جب عقل نے جسم کی یہ حیات اور کمزوری کے بعد قوت اور بے علمی کے بعد علم وغیرہ دیکھے تو چیخ پڑی کہ اللہ ہر شئی پر قادر ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ

اور جبکہ کہا ابراہیم نے کہ رب میرے دکھا تو مجھے کہ کیسے زندہ کرے گا تو مردے کو فرمایا کیا اور نہ ایمان لایا　تو کہا

اور جب عرض کی ابراہیم نے اے رب میرے مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے جلائے گا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی

قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ

ہاں اور لیکن تاکہ مطمئن ہو جائے قلب میرا　فرمایا پس لے چار　پرندوں　میں سے　پس ہلا لے

کر یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے فرمایا تو اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ

فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْ

ان کو طرف اپنے پھر کرے اوپر ہر پہاڑ کے ان میں سے ایک حصہ پھر بلا تو انہیں آئیں گے وہ تیرے

بلالے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں بلا وہ تیرے پاس چلے آئیں گے

عُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

پاس دوڑتے ہوئے اور جان کہ تحقیق اللہ غالب حکمت والا ہے

پاؤں سے دوڑتے اور جان رکھ کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ بیان ہوا تھا۔ جس میں نمرود کی کج بحثی کا ذکر تھا کہ اس نے قتل نہ کرنے کو زندہ کرنا اور قتل کر دینے کو موت دینا سمجھ کر اپنے کو خدا کہا۔ اب ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے زندہ کرنے کا طریقہ یعنی احیاء موتی دیکھنے کی رب سے درخواست کی۔ جس سے رب اور بندہ میں فرق ہوا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا جس میں بتایا گیا کہ انہوں نے احیاء موتی پر تعجب فرمایا تو خود انہیں پر عمل کر کے دکھایا گیا۔ اب اس سے عجیب تر واقعہ کا ذکر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس پر تعجب کیا تو آنا "فانا" ان کے سامنے ہی مردہ جانور زندہ کر کے دکھا دیئے گئے۔ غرضیکہ پہلے بھی مردہ زندہ ہونے کا ہی ذکر تھا۔ اب بھی اسی کا ذکر ہے مگر کچھ فرق کے ساتھ۔

تفسیر: **واذ قال ابرھم۔** **اذ** یا گلے قال کا مفعول ہے یا **اذکر** یا **الم تر** فعل پوشیدہ کا مگر پہلی توجیہ قوی ہے کہ **اذ** ایک پوشیدہ فعل **اذکر** کا ظرف ہے۔ **اذکر' ذکر** سے بنا بمعنی یاد کرنا۔ یاد دلانا یا تذکرہ کرنا۔ یعنی اے ہمارے محبوب وہ جو تم نے حضرت ابراہیم کا واقعہ دیکھا بھالا ہے اسے یاد کرو یا بنی اسرائیل کو وہ واقعہ ابراہیم کا یاد دلاؤ جو توریت و انجیل میں مذکور ہے یا اپنے صحابہ سے اس واقعہ کا ذکر کرو۔ تاکہ مسلمانوں کے دل میں رب کی ہیبت اور بزرگی کی عظمت پیدا ہو کہ رب مارنے اور جلانے پر قادر ہے اور پیغمبر کی ضدیں رب تعالیٰ پوری فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عرض پر مردہ پرندوں کو زندہ فرمایا۔ اس ہیبت و عظمت سے ہی ایمان کی بقاء ہے۔ باپ کی ہیبت سے گھر کا استاد کی ہیبت سے مدرسہ کا سلطان کی ہیبت سے ملک کا نظام قائم ہے نبی کی ہیبت سے دین و ایمان کا نظام قائم ہے۔ بلکہ اسلام کا وقار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار سے قائم ہے کہ فعل کی عظمت فاعل کے وقار سے ہوتی ہے یا اے مسلمانوں اس واقعہ کا کبھی کبھی تذکرہ کیا کرو تاکہ تمہارے ایمان تازہ ہوتے رہیں۔ بزرگوں کی یادگاریں ایمان میں تازگی پیدا کرتی ہیں۔ غرضیکہ اس اذ کی پانچ تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ عرض کب کی۔ بعض نے کہا کہ ایک بار آپ نے سمندر کے کنارہ ایک مردار پڑا ہوا دیکھا جب کہ سمندر چڑھ کر آتا ہے تو مچھلیاں اس کا گوشت نوچتی ہیں اور جب ہٹ جاتا ہے تو اسے درندے کھاتے ہیں اور اس کے بعد چیل کوے وغیرہ اسے نوچتے ہیں تو عرض کیا کہ مولیٰ تو ان مختلف جانوروں کے پیٹ سے اسے کیسے نکال کر زندہ فرمائے گا کہ ایک جانور کا گوشت درندے' پرندے' تیرندے جانوروں میں تقسیم ہو گیا پھر ان مقامات سے جمع کیسے ہو گا نیز ایک ہی پیٹ میں سینکڑوں

جانوروں کے اجزاء پہنچ جاتے ہیں۔ مرغ' بٹیر' بکری' گائے' بھینس وغیرہ سب کھائے جاتے ہیں۔ ایک ایک پیٹ قبرستان بنا ہوا ہے۔ اس صورت میں اجزاء جسم کیونکر جمع ہوں گے۔ جب آپ کا مناظرہ نمرود کے ساتھ ہوا اور اس نے قتل کو موت دینا اور معافی کو زندہ کرنا سمجھا تو آپ نے جواب دیا کہ میرا رب مرے ہوئے کو زندہ فرماتا ہے وہ بولا کہ کیا کبھی آپ نے یہ دیکھا ہے تب آپ نے یہ دعا کی تاکہ آئندہ کبھی بے دین سے اس قسم کا مناظرہ ہو جائے تو آپ احیاء موتی کی عینی شہادت دے سکیں۔ حضرات انبیاء کے لئے ایمان بالغیب ضروری نہیں ان کو ایمان بالشہادۃ بھی ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں ملک الموت کے ذریعہ خوشخبری بھیجی کہ آپ کو رب نے خلیل بنایا۔ آپ نے پوچھا کہ اس کی علامت کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی دعا سے مردے زندہ ہوں گے۔ تب آپ نے یہ دعا فرمائی۔ 4 آپ سے بعض لوگ سوال کرتے تھے کہ مردے کیونکر زندہ ہوں گے تب آپ نے انہیں دکھانے کیلئے رب سے دعا کی۔ 5 آپ نے صحیفوں میں پڑھا تھا کہ میری اولاد میں عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کریں گے تو رب سے یہ دعا کی۔ 6 جب آپ کو ذبح فرزند کا حکم ملا۔ آپ نے اس میں جلدی کی اور آپ کی قربانی قبول ہوئی۔ تب آپ نے دعا کی کہ مولیٰ تو نے مجھے جاندار کو بے جان کرنے کا حکم دیا میں تیار ہو گیا اب میری خواہش ہے کہ مجھے بے جان کو جاندار کر کے دکھا دے۔ 7 آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ قیامت کے دن سب ہی مردوں کو زندہ ہوتے دیکھیں گے۔ مولیٰ مجھے دنیا میں ہی دکھا دے۔ 8 بعض نے فرمایا کہ احیاء موتی دیکھنا آپ کا اصل مقصود نہ تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ کسی صورت رب تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کریں۔ اس کے لئے آپ نے یہ ذریعہ اختیار فرمایا (از تفسیر کبیر و خازن) **رب ارنی** رب حق تعالیٰ کی حمد ہے اور قبول دعا کا ذریعہ۔ رب تعالیٰ کبھی تو اپنے نبی کی دلی تمنا بغیر کچھ عرض کئے پوری فرما دیتا ہے۔ جیسے تبدیلیء قبلہ کا واقعہ ہوا اور کبھی اشارۃ" عرض پر جیسے حضرت زکریا کے اشارے پر انہیں فرزند کی بخشش ہوئی۔ اور کبھی صراحۃ" عرض پر اس قال' سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صراحۃ دعا کی۔ دعا کے وقت رب کو پکارنا سنت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اے ربنا یارب کہہ کر پکارے کہ اکثر انبیاء کرام نے اس نام سے پکارا ہے۔ **ار'** **اراءۃ** کا امر ہے جس کا مادہ ری ہے۔ آنکھ کی بصارت کو بھی رویت کہتے ہیں۔ اور دل کی بصیرت کو بھی۔ یعنی دکھانا یا سمجھانا بتانا جیسے رب فرماتا ہے۔ **وارنا مناسکنا'** خدایا ہمیں ارکان حج دکھا دے یعنی بتا دے سمجھا دے مگر یہاں آنکھ سے دکھا دینا مراد ہے۔ کیونکہ وہ دل سے تو پہلے ہی جانتے تھے' سمجھے ہوئے تھے۔ بلکہ لوگوں کو سمجھاتے و بتاتے تھے۔ نیز اگلا واقعہ بتا رہا ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں دلائل سے نہ سمجھایا بلکہ آنکھوں دکھایا۔ لہٰذا یہاں آنکھوں دکھانا ہی مراد ہے مرزائیوں کا اسے سمجھا دینے کے معنی میں کرنا تفسیر نہیں تحریف ہے۔ باب افعل میں آکر اس نے دو مفعولوں کو چاہا پہلا مفعول یہ ہے اور دوسرا **کیف تحی الموتی** یہ کیف بمعنی کیفیت ہے۔ جیسے **وتبین لکم کیف فعلنا بھم** (روح المعانی) یعنی اے میرے پالنے والے تو مردہ زندہ کرنے کی کیفیت مجھے آنکھوں سے دکھا دے۔ خیال رہے کہ احیاء موتی کا سوال نہیں فرمایا کہ تو زندہ کرے گا یا نہیں بلکہ عرض کیا کہ یہ تو مجھے یقین ہے کہ تو زندہ کرے گا مگر مجھے دکھا دے کہ کیسے زندہ کرے گا۔ چونکہ معترض کو یہ کہنے کا موقعہ مل سکتا ہے کہ آپ کو مردوں کی زندگی میں شک تھا اس لئے رب نے ان سے کہلوا لیا **قال اولم تومن**۔ **قال** سے نیا جملہ ہے اور **اولم** میں ہمزہ استفہامیہ اور واؤ عاطفہ ہے۔ اور ہمزہ کے بعد ایک فعل پوشیدہ یعنی **الم تعلم ولم تومن** اگر سوال کے موقعہ پر یہ آیت آئی ہے تو ایمان بمعنی یقین ہے اور اگر خلت کی بشارت پر یہ آیت آئی تو ایمان بمعنی اطمینان۔ رب نے فرمایا کہ کیا تمہیں احیاء موتی کا یقین نہیں یا کیا تمہیں اطمینان

تھیں کہ فرشتہ نے بھی بشارت دی ہے اور آپ خلیل اللہ ہیں۔ **قال بلی ولکن لیطمئن قلبی**۔ بلی منفی کا ثبوت ہے۔ اور نعم نفی کا یعنی ہاں میں ایمان لایا اگر نعم ہوتا تو معنی یہ ہوتا کہ ہاں میں ایمان نہ لایا اسی لئے میثاق کے دن تمام روحوں نے **الست بربکم** کے جواب میں بلی عرض کیا نہ کہ نعم۔ **لیطمئن** اطمینان سے بنا اس کا مادہ ہے۔ **طمئن** بمعنی سکون باب اقشعرار کا مضارع ہے بعض لوگوں نے کہا کہ یہ اصل میں **یطمئن** تھا۔ قلب ہو کر **یطمئن** ہوا۔ یعنی خداوندا میں ایمان تو لایا مگر علم الیقین سے ترقی کر کے عین الیقین چاہتا ہوں۔ تاکہ مجھے حق الیقین کا اطمینان حاصل ہو۔ **قال فخذ اربعۃ من الطیر**' **فخذ** میں ف جزائیہ ہے اور طیر صفت شبہ یا **طار یطیر** کا مصدر ہے بمعنی اسم فاعل یعنی رب نے فرمایا کہ تم چار پرندے پکڑ لو۔ آپ کو اختیار تھا کہ جو چاہیں لے لیں۔ مگر آپ نے مور' مرغ' کبوتر یا گدھ اور کوا لیا۔ (خزائن العرفان و کبیر وغیرہ) چونکہ حضرت خلیل کو تین چیزیں دکھانا تھیں۔ مردوں کے اجزاء جسم کا مختلف مقامات پر آکر ملنا۔ ہر قسم کے مخلوط گوشتوں کی چھانٹ۔ مردہ میں جان پڑنا۔ اس لئے رب نے چار پرندے ذبح کرنے کا اور انہیں چار پہاڑوں پر رکھنے کا حکم دیا یہ پہاڑ گویا درندوں کے پیٹ ہیں۔ اور مخلوط گوشت پوست گویا ان پیٹوں میں مختلف جانوروں کے گوشت ہیں۔ حضرت عزیر کو صرف مردہ جلانا دکھانا تھا اس لئے وہاں صرف ایک مردہ جلایا گیا۔ **فصرھن الیک** ہماری قرات ص کے پیش سے ہے بعض قراءتوں میں ص کے زیر سے بھی ہے۔ اس کا مادہ صور یا صیر ہے۔ صار۔ صور اور صار۔ صیر بمعنی کاٹنا اور مائل کرنا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ عربی ہے۔ بعض نے اسے حبشی یا رومی مانا ہے (روح المعانی) اگر یہاں صر بمعنی کاٹنا اور ذبح کرنا ہو تو الی کا متعلق پوشیدہ ہے۔ اور اگر بمعنی پالنا اور ملا لینا ہے تو الی صرھن کے متعلق یعنی انہیں اپنی طرف مائل کر لو اور ہلا لو تاکہ تمہیں پہچان رہے کہ تمہارے ہی پرندہ زندہ ہوئے دوسرے نہیں آگئے۔ یا انہیں ذبح کر دو اور ان کے سر اپنی طرف رکھ لو۔ عبداللہ ابن عباس کی قرات میں صرھن ہے تصریہ سے ہے باب تفعیل کا امر۔ اس کے معنی ہیں جمع کرنا۔ جس گائے کا دودھ چند روز نہ دوہا جائے اسے مصرات کہتے ہیں۔ (روح المعانی) یعنی ان سب پرندوں کو جمع کر لو کہ یہ کام ایک دم ہو نہ کہ آگے پیچھے **ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءا** ثم مہلت کے لئے ہے۔ اجعل کے معنی ہیں رکھ دو یا ڈال دو۔ جبل لغت میں مضبوط گڑی ہوئی میخ کو کہتے ہیں اصطلاح میں ہر مضبوط چیز کو جبل کہہ دیتے ہیں۔ اسی لئے پیدائشی خصلت کو جبلت اور مضبوط جماعت کو جبل کہتے ہیں۔ **ولقد اضل منکم جبلا کثیرا** (روح البیان) آیت **ویسئلونک عن الجبال**۔ پہاڑ کو بھی اس کی مضبوطی کی وجہ سے جبل کہا جاتا ہے دنیا میں کل چھ ہزار چھ سو تہتر پہاڑ ہیں یہاں کل جبل سے یا چار پہاڑ مراد ہیں۔ شرقی غربی' جنوبی' شمالی' یا سات یا دس یا اس میدان کے سارے پہاڑ (روح المعانی)۔ **منھن** کا مرجع یا بمعنی جمع ہے جز بمعنی ٹکڑا یعنی اے ابراہیم علیہ السلام تم ان چاروں پرندوں کے ٹکڑے کر کے ان کا قیمہ بال و پر کے ساتھ ملا کر مختلف پہاڑوں پر رکھ دو **ثم ادعھن** پھر ان مردوں کو بلاؤ کہ اے ٹوٹی ہڈیو اور بکھرے ہوئے گوشت اور کٹی ہوئی رگو! رب کے حکم سے جمع ہو جاؤ تو تمہاری آواز نفخہ صور کا کام دے گی کہ **یاتینک سعیا** وہ پرندے اڑتے ہوئے نہیں دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آئیں گے۔ **سعیا**' **یا تسعی** فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ یا بمعنی اسم فاعل حال ہے۔ **واعلم ان اللہ عزیز حکیم** جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اسے کوئی شے مجبور نہیں کر سکتی' حکمت والا ہے کہ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔

خلاصہ تفسیر: ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمندر کے کنارے گزرے۔ ملاحظہ فرمایا کہ وہاں ایک مردار پڑا ہے۔ جب سمندر جوش مار کر اس تک پہنچتا ہے تو مچھلیاں اس کا گوشت نوچتی ہیں اور جب سمندر اتر جاتا ہے تو کبھی درندے جانور اسے کھاتے ہیں۔ اور کبھی پرندے۔ آپ نے خیال فرمایا کہ ایک مردار کتنے پیٹوں میں پہنچا۔ اس کا گوشت پوست قیامت کے دن جمع کیونکر ہو گا اور یہ کس طرح زندہ کیا جائے گا۔ تب بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ مولیٰ مجھے احیاء موتی کی کیفیت دکھادے رب نے فرمایا کیا تم اس پر ایمان نہ لائے۔ عرض کیا کہ ہاں ایمان تو لایا مگر چاہتا ہوں کہ بجائے خبر کے مشاہدہ کر لوں۔ اور علم یقین سے ترقی کر کے عین الیقین تک پہنچوں۔ اور میرے قلب کو مشاہدہ کا اطمینان اور سکون حاصل ہو جائے تب ارشاد ہوا کہ اچھا تم چار پرندے لو۔ اور انہیں پال پوس کر اپنے سے خوب ہلالو۔ تاکہ تمہیں اس کی خوب پہچان ہو جائے۔ پھر ان سب کو ذبح کر کے مع ہڈی، پر و بال وغیرہ کے ان کا خوب قیمہ کر ڈالو۔ پھر اس کے کئی حصے کر کے کسی پہاڑی میدان میں چند پہاڑوں پر ان کا ایک ایک حصہ رکھ دو اور میدان میں کھڑے ہو کر انہیں آواز دو کہ اے پرندو اللہ کے حکم سے میرے پاس آ وہ فوراً زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔ چنانچہ آپ نے مور، مرغ، کبوتر یا گدھ اور کوے کو ذبح کر کے ان کے گوشتوں کا قیمہ کر کے سب کے اجزاء خلط ملط کر کے چار یا سات یا دس پہاڑوں پر ایک ایک حصہ رکھا اور ان سب کے سر اپنے پاس رکھے۔ پھر پکارا اے چڑیو! میرے پاس حکم الٰہی سے آجاؤ۔ یہ فرماتے ہی اجزاء اڑے اور ہر ہر جانور کے اجزاء علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنی ترتیب سے جمع ہوئے۔ یہاں تک کہ خون کا ہر قطرہ دوسرے قطرے سے ملا اور ہر پر اڑ کر دوسرے پر سے مخلوط ہوا اور ہر ہڈی اڑ کر دوسری ہڈی تک اور ہر پارہ گوشت دوسرے پارہ گوشت تک پہنچا۔ یہاں تک کہ فضا میں چاروں جانوروں کے جسم بن کر دوڑتے ہوئے آپ کی طرف آئے اور اپنے سروں سے مل کر پورے پرندے بن گئے۔ سبحان اللہ

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ایمان چونکہ بسیط چیز ہے اس لئے اس میں مقداری زیادتی کمی نہیں ہو سکتی مگر کیفیت کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی ہے کہ دیکھی بات کا یقین سنی ہوئی سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہوا۔ ہمیں آج بھی قیامت کا یقین ہے اور قیامت دیکھ کر بھی یقین ہی ہو گا مگر اس سے اعلیٰ۔ **دوسرا فائدہ:** یقین کے دو درجے ہیں۔ علم الیقین جو سن کر حاصل ہو عین الیقین جو دیکھ کر **ثم لترونها عين اليقين** حق الیقین اس چیز میں فنا ہو کر۔ رب فرماتا ہے **ان هذا لهو الحق اليقين** ایمان کیلئے علم الیقین کافی ہے۔ جو ابراہیم علیہ السلام کو پہلے سے حاصل تھا۔ دیکھو ہم کو آج بھی مکہ معظمہ کا یقین ہے مگر سن کر اور جب دور سے شہر دیکھ لیں تو بھی یقین ہو گا مگر دیکھ کر اور جب وہاں داخل ہو جائیں اس کی گلی کوچوں کی سیر کر لیں گوشہ گوشہ سے واقف ہو جائیں پھر بھی یقین ہو گا مگر اس میں داخل ہو کر سنا کر پہلا علم الیقین ہے دوسرا عین الیقین تیسرا حق الیقین۔ جب ہم خود مر کر جئیں گے تو اس کا حق الیقین ہم کو حاصل ہو گا۔ **تیسرا فائدہ:** حضور علیہ السلام سید الانبیاء اور افضل البشر ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ کمال تھا کہ انہوں نے احیاء موتی کا مشاہدہ کیا۔ مگر حضور علیہ السلام نے جنت و دوزخ حشر و نشر بلکہ رب تعالیٰ کو بچشم سر دیکھا۔ **چوتھا فائدہ:** دعا کی قبولیت دعا مانگنے والے کے درجہ کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ عزیر علیہ السلام نے بھی یہ تمنا کی تھی۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے بھی مگر ان کی دعا بعد ظاہر ہوئی اور آپ کی فوراً **پانچواں فائدہ:** زیادتی علم کی ہمیشہ کوشش کرنی چاہئے مال کی حرص بری مگر علم کی حرص اچھی ہے

دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے وسیع علم کے باوجود ترقی علم کی کوشش کی۔ حضور علیہ السلام کو حکم ہوا **قل رب زدنی علما** کمال پر قناعت صبر ہے مگر کم علم پر قناعت کرنا غلطی۔ **چھٹا فائدہ:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی ضد پوری فرماتا ہے۔ اور ان کی عرض پر اپنے قوانین بدل دیتا ہے۔ دیکھو مردے زندہ ہونا قیامت میں بذریعہ صور اسرافیل ہوگا۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عرض پر ابھی دنیا میں مردے زندہ کردیئے گئے۔ قانون اور ہے محبوبیت کا اظہار کچھ اور **ساتواں فائدہ:** اگر حضرت خلیل اللہ کی دعا سے مردے زندہ ہوسکتے ہیں تو حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے مردہ دل بھی زندہ ہوسکتے ہیں۔

تو جو چاہے تو ابھی میل میرے دل کی دھلیں — کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

کیونکہ نہ ہو کہ یہ حضرات رب کی مانتے ہیں تو رب بھی ان کی مانتا ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** ابراہیم علیہ السلام کو کسی قسم کا شک نہ تھا۔ بلکہ کامل ایمان سے اکمل کی طرف ترقی کرنے کا شوق' اسی لئے رب نے ان سے اقرار کرالیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ **نحن احق بالشک من ابرھیم** یعنی بمقابلہ ابراہیم کے ہم زیادہ شک کے مستحق ہیں اس کا یہی مطلب ہے کہ انہیں شک نہ تھا۔ اگر انہیں ہوتا تو ہمیں بدرجہ اولیٰ ہوتا۔ مگر ہمیں تو ہے نہیں تو انہیں بھی نہیں۔ **نواں فائدہ:** علم استدلال سے علم معائنہ افضل ہے کہ دلیل میں ضعف اور معائنہ میں قوت ہے۔ اسی لئے علماء ظاہری سے صوفیاء کرام اعلیٰ ہیں۔ **دسواں فائدہ:** اگرچہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے مگر وسیلہ و واسطہ سے۔ دیکھو ان پرندوں کو رب نے زندہ کیا۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز کے وسیلہ سے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا دی مگر ان کے قدم سے پیدا شدہ پانی کے ذریعے سے تاکہ کوئی شخص اپنے کو نبی سے مستغنی نہ جانے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: مسلمانوں کا خدا گویا بھان متی کا تماشا کرتا ہے کیا ایسی ہی باتوں سے خدا کی خدائی ظاہر ہوتی ہے۔ (ستیارتھ پرکاش) **جواب:** نہ معلوم پنڈت دیانند کی وہ کون سی بھان متی تھی اور کہاں رہتی تھی جو مردے زندہ کرتی ہو۔ اگر قدرت کا اظہار بھان متی کا تماشا ہو اکرے تو ماں کے پیٹ میں بچہ بننا چاند سورج کا طلوع غروب' چاند اروں کا بے جان کرنا' سب تماشا ہی ہو جاوے۔ شاید پنڈت جی کے دم میں دنیا کے یہ سارے کام ایشور نہ کرتا ہوگا۔ کوئی بازیگر کر رہا ہوگا۔ پنڈت جی! قدرت کے نظارے رب کے دلائل ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ **لیطمئن قلبی** مگر حضرت علی فرماتے ہیں کہ اگر میرے سامنے پردہ اٹھا دیا جائے تو میرے یقین میں کوئی زیادتی نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ وہ بغیر دیکھے کامل یقین پر ہیں (روافض) **جواب:** ہر چیز کا کمال کمال والے کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ نبی کا کمال یقین کچھ اور ہے اور ولی کا کچھ اور۔ ولایت کا کامل یقین نبوت کے اصل یقین سے بھی ضعیف ہے۔ سیدنا علی کو ولایت کا کمال یقین حاصل تھا۔ جس سے ابراہیم علیہ السلام کا نفس یقین کہیں اعلیٰ ہے۔ آپ نے اپنے لحاظ سے کمال یقین کی درخواست کی انبیاء کی بشریت دوسروں کی بشریت سے تو کیا فرشتوں کی ملکیت سے بھی افضل ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم کو بھی سہو ہوتا ہے۔ صدیق اکبر نے سن کر عرض کیا۔ **یلیتنی کنت سھو محمد** (روح المعانی) وہ سمجھتے تھے کہ حضور کا سہو تمام کی یاد سے افضل ہے۔ ان کی نیند شریف ہماری بیداری سے ان کا دنیوی کاروبار فرمانا ہمارے ساری عمر کے

سجدوں سے افضل۔ **تیسرا اعتراض:** حضرت شیخ اکبر ابن عربی اور حضور غوث پاک نے فرمایا کہ اے گروہ انبیاء ہم میں اور تم میں فرق صرف نام کا ہے ورنہ ہمیں وہ چیزیں ملیں جو تمہیں نہ ملیں اس سے معلوم ہوا کہ امت مصطفیٰ کے ولی دیگر انبیاء سے افضل ہیں؟ **جواب:** حضور سرکار بغداد پر یہ اتہام ہے ہاں شیخ اکبر کی طرف اس قول کی نسبت ضرور ہے۔ مگر وہ دوسرے مقام پر یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجھے دور سے مقام نبوت کی تجلی سوئی کے ناکے کے برابر دکھائی گئی۔ تو قریب تھا کہ میں جل جاتا۔ اس میں اپنے عجز و ضعف اور انبیاء کرام کی قوت کا پورا اقرار ہے۔ اگر انہوں نے پہلی بات فرمائی بھی تو ہو تو وہ حقیقت محمدیہ اور ذات احمدیہ میں فنا ہونے کی حالت میں ہے۔ جب کہ ان کی زبان اس کی زبان تھی۔ اور ان کا کلام اس کا کلام ہے۔ جیسے فنافی اللہ کو۔ حضرت منصور نے کہہ دیا تھا انا الحق **چوتھا اعتراض:** رب نے اظہار قدرت کے لئے پرندے کیوں مقرر فرمائے؟ **جواب:** اس لئے کہ پرندہ انسان سے قریب تر ہے اور اس میں خصوصیات انسانی زیادہ ہیں اور بعض اعضاء میں انسان سے بڑھ کر نیز پرندے ہوا میں اڑتے ہیں اور اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی ہمت بھی ملک سے ملکوت تک تھی تو یہ معجزہ ان کی ہمت کے مشابہ دکھایا گیا۔ نیز ان کے ذبح کرنے 'قیمہ وغیرہ کرنے میں آسانی بھی تھی۔ **پانچواں اعتراض:** لیطمئن قلبی سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اب تک قیامت میں اٹھنے پر اطمینان دل نہ تھا۔ اس میں کچھ تردد و شک و شبہ تھا پھر وہ مومن کیونکر ہوئے۔ ایمان میں تو ایسے یقین کی ضرورت ہے کہ نہ تو فی الحال تردد ہو اور نہ آئندہ شک و شبہ پیدا ہو سکے فی الحال تردد ہو تو ظن ہے اور آئندہ تردد ہو سکے تو تقلید کہلاتا ہے نہ کہ یقین۔ ایمان یقین کا نام ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ جو اطمینان ایمان کیلئے ضروری ہے وہ تو آپ کو حاصل تھا۔ یعنی علم الیقین اور جس طرح اطمینان کی خواہش کی وہ کمال ایمان کیلئے ضروری ہے۔ یعنی عین الیقین۔ غرضکہ کمال ایمان اور نفس ایمان کچھ اور۔ دوسرے یہ کہ یہاں اطمینان سے مراد وہ یقین کو لوٹنا ہے۔ جس کے بعد گواہی عین دی جاسکے۔ آپ کا خیال تھا کہ جیسے میں نے نمرود سے رب کی قدرت کا ذکر کیا وہ نہ سمجھا اس نے مارنے جلانے کے معنی کچھ اور ہی لئے اگر میں کہتا کہ رب تعالیٰ مردہ میں جان ڈال کر اسے زندہ کرتا ہے تو وہ پوچھ سکتا تھا۔ کیا آپ نے ایسا ہوتے دیکھا ہے تو عینی اس کا دعویٰ یا گواہی نہ کر سکتا تھا۔ اب میں اپنی آنکھوں سے مردہ جیتے دیکھوں تاکہ موقعہ پر عین گواہی دے سکوں اپنے علم کے لئے اطمینان اور ہے' دوسرے کے سامنے گواہی دینے کیلئے اطمینان کچھ اور۔

تفسیر صوفیانہ: جہالت قلب کی موت اور علم اس کی زندگی ہے۔ جسم گویا قفس ہے۔ جس میں چار غیبی پرندے قید ہیں' عقل' قلب' نفس اور روح۔ فرمایا جارہا ہے کہ حیات چاہنے والے کو چاہئے کہ باب الملکوت پر عقل کو محبت کی چھری سے ذبح کرے اور جبروت کے دروازہ پر قلب کو شوق کی چھری سے۔ میدان فردیت میں نفس کو عشق کی چھری سے اور بارگاہ ربانی میں روح کو عجز کی چھری سے ذبح کر ڈالے اور سب کے چار حصے کرے پھر عقل کو عظمت کے پہاڑ پر اور قلب کو کبریائی کے پہاڑ پر اور نفس کو کوہ عزت پر اور روح کو جبل نور پر رکھے تاکہ عقل پر ربوبیت کے انوار چھاجائیں اور قلب قدسی صفات سے موصوف ہو جائے اور نفس نور عظمت سے منور ہو جائے اور روح نور الانوار اور سر الاسرار بن جائے۔ پھر ان کو سر عشق کی آواز سے پکارو تا کہ وہ تم تک جمال احدیت سے محض عبدیت تک دوڑتے ہوئے آئیں۔ (روح المعانی)

دوسری تفسیر: ان چار پرندوں میں چار عیوب ہیں اور یہ چاروں نفس میں موجود۔ مور میں زینت' کوے میں امید' مرغ میں

شہوت اور گدھ میں حرص۔ جب تک کہ ان چاروں عیوب کو مجاہدہ کی تلوار سے ذبح نہ کیا جائے گا۔ قلب کو حیات مشاہدہ نہ ملے گی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

حرص بط یکتاست ایں پنجاہ تاست ۔۔۔ حرص شہوت مار و منصب اژدہاست
صد خورندہ گنجد اندر گرد خواں ۔۔۔ دو ریاست ورنہ گنجد در جہاں
کلاغ کلاغ و نعرہ زاغ سیاہ ۔۔۔ دائما باشد بدنیا عمر خواہ
ہمچو ابلیس از خدائے پاک فرد ۔۔۔ تا قیامت عمر تن درخواست کرد
عمر و مرگ ایں ہر دو باحق خوش بود ۔۔۔ بے خدا آب حیات آتش بود
عمر خوش در قرب جاں پروردن است ۔۔۔ عمر زاغ از بہر سرگیں خوردن است

تیسری تفسیر: چار پرندے نفس کے چار عیب ہیں۔ جو چار عناصر سے پیدا ہوئے۔ ہر دو عنصروں کے ملنے سے دو عیب مٹی اور پانی سے حرص و بخل' آگ اور ہوا سے غضب۔ اور شہوت پھر ان عیوب سے صدہا دوسرے عیوب پیدا ہو جاتے ہیں۔ حرص حسد کی زوجہ ہے۔ بخل کینہ کی اور غصہ تکبر کی زوجہ شہوت ان سب کی ساتھی۔ ان جوڑوں کے ملنے سے جس قدر ان کی ذریت پیدا ہوتی ہے وہ شمار سے باہر ہے حضرت خلیل کو حکم دیا گیا کہ صدق کی تلوار سے ان عیوب کی جڑوں کو کاٹو کہ ان کے آثار تک مٹا دو پھر انہیں چار پہاڑوں پر رکھو جو کہ انسان کے چار نفوس ہیں' نفس نامیہ' نفس امارہ' قوت شیطانیہ اور قوت ملکیہ۔ جب ان پر شریعت کا پانی پڑے گا۔ اور انہیں طریقت کی ہوا لگے گی تو اس سے اعمال کے مختلف باغات اور کھیتیاں پیدا ہوں گی جن سے ثواب کے پھل کھائے جائیں گے۔ خیال رہے کہ عمدہ بیج جب پاک مٹی اور گندے کھاد سے ملتا ہے۔ اور اس پر کامل کسان محنت کرتا ہے۔ تب اس سے اچھے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے ہی جب شیخ اپنے مریدین کے چار عیوب کو چار قوتوں کے ساتھ مخلوط کرے گا تو اس سے اچھے پھل پیدا ہوں گے۔ اور روح کو حیات ابدی حاصل ہو گی (روح البیان) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ہمارے عقل' دل' دماغ' روح وہ پرندے ہیں جو دنیا میں آ کر گویا مردے ہو گئے اور دنیا سے ایسے خلط ملط ہو گئے کہ ممتاز نہ رہے۔ اب ان کی زندگی کسی ایسے کامل مرشد کی نگاہ کرم سے ہو سکتی ہے۔ جس کی آواز صور اسرافیل کا کام دے۔ یہ چار پرندے ہمارے اندر موجود ہیں اور آواز خلیل بھی آپ ہی ہیں انہیں زندگی بخش دی ہے۔ تا قیامت یہ سلسلہ قائم رہے گا۔ یا ہماری عبادات پر چار چیزیں ہیں فرائض' واجبات' سنتیں' مستحبات۔ یہ چار چیزیں اگر آواز پیغمبر اور ہدایت نبی سے خالی ہیں تو مردہ ہیں اگر ادھر سے فیضان آ جائے تو زندہ ہو جائیں۔

گر بہ اداء نماز تو نہ شوے بے نقاب ۔۔۔ ہست رکوعم حجاب ہست سجودم حجاب

ضروری نوٹ: قادیانی اور مولوی ثناء اللہ امرتسری' ابراہیم علیہ السلام کے اس معجزے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان پرندوں کو ذبح نہ کیا گیا تھا جزء سے ان کے گوشت کے اجزاء مراد نہیں بلکہ چادر کا ایک جز ہے وہ ہی یہاں مراد۔ جیسے رب فرماتا ہے **لکل باب منہم جزء مقسوم** جہنم میں انسانوں کے گوشت نہ جائیں گے بلکہ خود انسان' مولوی ثناء اللہ پر غیر مقلدوں نے اسی وجہ سے الحاد اور بے دینی کا فتویٰ دیا۔ دیکھو غزنوی پارٹی کی کتاب الاربعین فی ان ثناء اللہ من المحدثین اور جب ان کی

تفسیر ثنائی ابن سعود والی حجاز کی نظر سے گزری تو سنا گیا ہے کہ اس نے بھی انہیں توبہ کا حکم دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مردہ پرندوں کو پکارنے کے کیا معنی ہیں۔ زندہ کو ہی پکارا جاتا ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس معجزے کے انکار کی کیا وجہ ہے۔ مفسرین' محدثین' تابعین' صحابہ کرام بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر یہ ہی فرمائی۔ ابن جریر ابن ابی حاتم عبد حمید بیہقی ابن منذر وغیرہم نے عبداللہ ابن عباس سے یہ ہی روایت فرمائی کہ انہوں نے ذبح فرما کر گوشت کا قیمہ چار پہاڑوں پر رکھا تھا۔ دیکھو تفسیر در منثور و کبیر۔ نیز اگر زندہ پرندے اڑا کر کھائے گئے تو ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا جواب کیسے بنا۔ وہ تو احیاء موتیٰ دیکھنا چاہتے تھے نیز پلے ہوئے جانوروں کو دن رات پکارا ہی کرتے ہیں پھر انہیں پہاڑوں پر بٹھا کر کیوں بلوایا گیا۔ خیال رہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا مردہ پرندوں کو پکارنا تکوینی تھا۔ جیسے رب تعالیٰ کا کن فرمانا اگرچہ ہر ایک چار کا جز ہے۔ مگر جزء کے معنی صحابہ کرام سے وہ منقول ہیں جو ہم نے بیان کئے۔ تو فقط رائے سے تفسیر کرنا کیونکر جائز ہو گا۔ تفسیر میں نقل چاہئے۔ محض قیاس کا اعتبار نہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ
مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے بیچ راستے اللہ کے مثل اس دانہ کے ہے جس نے
ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس اس دانہ کی طرح ہے
اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ
اگائیں سات بالیں بیچ ہر بالی کے سو دانہ ہیں اور اللہ بڑھاتا ہے واسطے
جس نے اگائیں سات بالیں ہر بالی میں سو دانہ اور اللہ اس سے بھی زیادہ
لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾
جس کے چاہے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔
بڑھائے جس کے لئے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اس آیت میں بے جان انسان کو زندہ کرکے اور دوسری آیت میں مردہ پرندوں کو جان بخش کر اپنی قدرت اور قیامت کے آنے کا ثبوت دیا گیا تھا۔ اب خشک دانہ کو پودہ بنانے میں اس سے صدہا دانے پیدا فرمانے سے اسی قیامت اور قدرت کا ثبوت ہے کہ جو مدفون دانہ کو زندہ کرنے پر قادر ہے وہ مدفون مردوں کو اٹھانے پر قدرت رکھتا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا کہ رب نے حضرت عزیر کی جان لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پرندوں کو مردہ کرکے انہیں جان اور کمال ایمان عطا فرمایا اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو راہ الٰہی میں مال فنا کرے گا اسے بھی بہتر بدلہ عطا فرمایا جائے گا گویا پہلے جانی قربانی اور اس کی جزا کا ذکر تھا اور اب مالی قربانی اور اس کے بدلے کا

ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جو خدا کو قرض حسن دیگا رب اس کا بدلہ بہت زیادہ عطا فرمائے گا۔ اب کچھ فاصلہ کے بعد اس کی بہت زیادہ تفسیر فرمائی جا رہی ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عقائد کی اصلاح کی گئی تھی کہ لوگ ان واقعات کو سن کر قیامت کے قائل ہوں اب نیک اعمال کا ذکر ہے۔ گویا عقائد کے بعد اعمال کا ذکر ہوا۔

تفسیر: **مثل الذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله۔** **مثل** بمعنی مثال اور مَثَل بمعنی مشہور۔ مثل یعنی کہاوت یا تو یہاں مثل کے بعد صدقات پوشیدہ ہے یا کمثل کے بعد باذر پوشیدہ یعنی **مثل صدقات الذین کمثل حبۃ** یا **مثل الذین کمثل باذر حبۃ** دنیا میں اشجار عموماً تین قسم کے ہیں۔ باردار' خاردار' بیکار باردار تو اپنے سایہ سے پھل پھول سے مخلوق کو نفع دیتے ہیں۔ تو مخلوق انہیں لگاتی ہے۔ ان کی خدمت کرتی ہے انہیں پانی دیتے ہیں حکومت ان کے لئے محکمے بناتی ہے بیکار درخت برابر کاٹے اور جلائے جاتے ہیں جیسے ببول کے درخت مگر درخت خاردار کا ہر شخص دشمن ہے۔ جہاں دیکھا اسے کاٹ پھینکا ایسے ہی اسرار تین طرح کے ہیں۔ باردار' جو رحمانی جگہ مال خرچ کریں اور بیکار جیسے وہ جو مال جمع کر گئے اور خاردار جن کا مال شہوات نفسانی اور لوگوں کے ستانے میں خرچ ہو۔ عثمان غنی باردار تھے اور ابو جہل' ابولہب وغیرہ خاردار۔ اس آیت میں باردار مالداروں کی کہاوت بیان فرمائی گئی۔ **ینفقون** سے ہر خرچ اور **اموال** سے ہر قسم کا مال اور **سبیل الله** سے ہر مصرف خیر مراد ہے۔ یعنی ان لوگوں کے صدق کی مثال جو اپنے کسی قسم کے مال کو کسی طرح اور کسی کار خیر میں خرچ کریں۔ جیسے دانہ بوریوں میں بند رکھنے سے یا گل سڑ جاتا ہے یا چوہوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ مگر کھیت میں بکھیرنے سے دوگنا چوگنا ہو جاتا ہے یا کنوئیں کا پانی روکے رکھنے سے بگڑ جاتا ہے کیاریوں میں پھیلانے سے سب کو سیراب کرتا ہے ایسے ہی مال روک رکھنے سے برباد ہوتا ہے۔ رلو موتی میں ہر طرف خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ دنیا کی چیز متحرک ہے تو مال کو بھی متحرک رکھو۔ بقا آخرت کیلئے ہے اچھی جگہ بخوشی خرچ کرو ورنہ بری جگہ خرچ ہو جائے گا یا تمہاری بغیر اجازت نکل جائے گا کم و کیل کھا جائیں گے۔ **ینفقون** مضارع میں سے بنایا گیا۔ صرف ایک بار ہی خرچ کر کے بس نہ کریں بلکہ ہمیشہ خرچ کرتے رہیں۔ اموال فرمایا اور بتایا کہ کھانا' لباس' زمین ہر قسم کی خیرات کرو ہر جگہ خرچ کرو **کمثل حبۃ** یہ **مثل الذین** کی خبر ہے کاف تشبیہ کا اور مثل بمعنی کہاوت ہے نہ کاف زائدہ ہے نہ مثل۔ کیونکہ کاف بمعنی مثل ہے اور مثل بمعنی کہاوت۔ خیال رہے کہ حبۃ حب کا واحد ہے۔ بمعنی بیج عربی میں حب بفتح حا غلہ وغیرہ کے بیج کو بولتے ہیں۔ جس کا پھل عرصہ تک باقی رہے اور حبہ بکسر ح ترکاریوں کے بیج کو (روح المعانی) **انبتت سبع سنابل۔** **انبات** بمعنی اخراج ہے۔ اصطلاح میں زمین سے نکالنے یعنی اگانے کو انبات کہا جاتا ہے۔ اسی لئے گھاس کو نبات کہتے ہیں۔ **سنابل** جمع سنبلہ کی ہے یا تو اس کا نون زائد ہے اور اس کا مادہ سبل کہا جاتا ہے **اسبل الزرع** کھیتی بالی والی ہو گئی بعض نے فرمایا کہ بروزن فعلہ ہے لہذا اس کا نون اصلی ہے۔ انبات کو دانہ کی طرف نسبت مجازاً ہے کہ وہ ذریعہ پیداوار ہے۔ حقیقتاً اگانے والا رب تعالیٰ ہے۔ **فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ** یہ سبع سنابل کا بیان ہے اگرچہ اکثر درختوں میں سات بالیاں اور اکثر بالیوں میں سو دانے نہیں ہوتے مگر جوار یا باجرہ جب اچھی زمین میں بو دیا جائے تو ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ **والله یضعف لمن یشاء** یہ علیحدہ جملہ ہے۔ یضعف' ضعف سے بنا بمعنی زیادتی۔ یہاں علیہ پوشیدہ ہے یعنی اللہ جس کے لئے چاہے اس سے بھی زیادتی فرمادے۔ **والله واسع علیم ○** **واسع**' وسع بمعنی گنجائش سے بنا ہے یہ ضیق کا مقابل ہے۔

اور یہ جملہ گویا گزشتہ کلام کی دلیل ہے۔

خلاصہ تفسیر: جو لوگ کسی کار خیر میں اپنا کسی قسم کا مال خرچ کریں۔ خواہ زکوۃ' فطرہ ادا کریں' یا مسجدیں اور مدرسے بنائیں۔ یا شفاخانے اور مسافر خانے تیار کریں یا اہل قرابت کے ساتھ سلوک کریں' یا مساکین اور فقراء کو صدقہ نفلی دیں۔ یا طلباء کو کتابیں خرید دیں وغیرہ وغیرہ ان کے صدقات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ زمین میں بو دیا جائے جس سے سات شاخیں پھوٹیں ہر شاخ میں ایک ایک بال ہو اور ہر بال میں سو سو دانے کل سات سو دانہ جیسے دنیا میں ایک دانہ سے سات سو دانے حاصل ہوتے ہیں۔ ایسے ہی آخرت میں ایک صدقہ سے سات سو حاصل ہوں گے۔ اسی پر ہی بس نہیں بلکہ رب تعالیٰ جس کو چاہے بقدر اخلاص و مشقت اور زیادہ بھی عطا فرماتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو جہاد میں روپیہ بھیج دے تو اسے ہر درم کے عوض سات سو ملیں گے اور جو خود میدان جنگ میں جا کر خرچ کرے اس کے لئے ہر درم کے عوض ساتھ لاکھ دوسری روایت میں ہے کہ خرچ کرنے والے نمازیوں کیلئے اللہ نے رحمت کے اتنے خزانے رکھے ہیں۔ جو انسان کے علم میں نہیں آ سکتے۔ (روح المعانی) عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حج اور جہاد کا خرچہ کا یکساں ثواب ہے یعنی ایک کا سات لاکھ (در منثور) بلکہ بعض روایات میں ہے کہ صدقہ دنیوی مصیبتوں اور فتنہ قبر اور عذاب قیامت کو دور کرتا ہے اور سخاوت ایسا درخت ہے جس کی جڑ جنت میں اور شاخیں دنیا میں لگی ہوئی ہیں۔ جو کوئی اس کی کسی شاخ کو پکڑے گا وہ جنت تک پہنچ جائے گا۔ اور بخل ایسا درخت ہے جس کی جڑ جہنم میں اور شاخیں دنیا میں ہیں جو اس کی ایک شاخ پکڑے گا جہنم میں جائے گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** میت کا تیجہ' دسواں' چالیسواں باعث ثواب ہے۔ کیونکہ وہ بھی اللہ کی راہ میں خیرات ہے اور ہر خیرات پر سات سو کا وعدہ۔ اسے حرام کہنا اپنی طرف سے قید لگانا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اسناد مجازی جائز ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا کہ دانہ سات بالیاں اگاتا ہے۔ حالانکہ حقیقتاً اگانے والا رب تعالیٰ ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال' اولاد' عزت آبرو عطا فرماتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دوا دافع بخار ہے۔ ماں باپ پالنے والے' علماء برائی سے بچانے والے۔ بادشاہ و حکام حاجت روائی کرنے والے ہیں۔ ان سب میں اسناد مجازی ہے **تیسرا فائدہ** رب کی عطا مختلف ہے ایک ہی فعل پر مختلف لوگوں کو چند طرح جزائیں عطا فرماتا ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض مسلمانوں کا خدا طرفدار معلوم ہوتا ہے کہ بعض کو صدقہ کا ثواب سات سو گنا اور بعض کو اس سے زیادہ دیتا ہے۔ چاہئے کہ سب کی جزا یکساں ہو۔ (آریہ) **جواب:** ــــــ پنڈت جی جزا گھٹنا بڑھنا بندے کی طرف سے ہے۔ مخلص کو ثواب زیادہ اور لالچی کو کم ثواب ملتا ہے۔ اچھی زمین کا دانہ زائد پھل دیتا ہے اور خراب زمین کا کم۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں اموال فرمانے سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کا سارا مال راہ خدا میں خرچ کر دینا چاہئے تو پھر اپنے واسطے کیا رکھے۔ نیز دوسری آیتوں میں من تبعیضیہ داخل ہے۔ جیسے مما رزقنهم ينفقون ان آیات سے معلوم ہوا کہ بعض مال خیرات کرنا چاہئے آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** من' والی آیتیں اس آیت کی تفسیر ہیں انہوں نے بتایا کہ یہاں بھی بعض مال کی خیرات ہی مراد ہے۔ اموال مطلقاً مال ہے کل ہو یا بعض اگر جميع اموالهم ہوتا تو تعارض تھا یا کہو کہ یہاں سبیل اللہ سے مراد ہر کار خیر ہے۔ لہٰذا یہ نیت ادائے سنت اپنا کھانا پینا اولاد کی پرورش' بلکہ بعد موت ترکہ چھوڑنا بھی سبیل اللہ میں خرچ ہے۔ جن پر ثواب

ہے۔لہٰذا ساری ضروریات میں سارا مال خرچ کرے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے پیداوار کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں۔ قابل کسان' اچھا بیج' طاقتور زمین اور وقت پر بونا ایسے ہی صدقہ کیلئے چار چیزیں لازم ہیں۔ خیرات کرنے والا صالح' مال حلال' مصرف بہتر اور وقت مناسب' زندگی کا صدقہ' مرتے وقت کی خیرات سے افضل ہے کہ مرنے والا وقت نکال کر صدقہ کر رہا ہے۔ایسے ہی حلال مال کے صدقہ کا ثواب زیادہ ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی حلال مال میں سے کھجور کا ٹکڑا بھی خیرات کرے تو رب تعالیٰ اسے ایسے پرورش فرماتا ہے جیسے گھوڑے والا اپنے گھوڑی کے بچہ کو اس کے مرتے وقت یہ صدقہ پہاڑ بن جاتا ہے۔جیسے دنیا میں راستے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ایک وہ جو آگے سے بند ہے جسے گلی بند کہتے ہیں۔دوسرا وہ جو آگے سے کھلا ہو مگر کسی باغ وغیرہ میں پہنچائے۔ تیسرا وہ جو کسی خراب جگہ پہنچائے۔مقصد کے اعتبار سے راستہ کے نام آتے ہیں کہا جاتا ہے کچہری روڈ' ریلوے روڈ وغیرہ ایسے ہی آخرت کے لحاظ سے راستے مختلف قسم کے ہیں۔ نفس کے لئے جو خرچ کیا وہ آگے سے بند ہے کہ مرتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔جو شیطان کے لئے خرچ ہو وہ دوزخ کا راستہ ہے۔یعنی دوزخ میں پہنچاتا ہے جو اللہ کے لئے خرچ ہو وہ رضا رحمان تک پہنچ جاتا ہے۔بہشت روڈ ہے۔ مسلمانوں کو بہشت روڈ پر چلنا چاہیے' کام رضا الٰہی کے لئے کرنا چاہیے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔کہ صدقہ کے چند درجے ہیں۔عوام کی خیرات مال ہے اور اس کی جزا جنت اور خواص کی خیرات اصلاح حال ہے اور صفائی نفس اس کی جزاء رضاء رب مومن کو چاہیے کہ اپنے حال کی اصلاح کرے (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ صدقات کے ثواب میں زیادتی کی چند وجہ سے ہوتی ہے۔اخلاص کا فرق' زمان کا فرق' زمین کا فرق' فقیر کا فرق' مقام خیرات کا فرق' جس قدر اخلاص زیادہ اسی قدر ثواب زیادہ صحابہ کرام کے سوا سیر جو ہمارے پہاڑ بھر سونے کی خیرات سے کیوں افضل ہے اس لئے کہ ان کا سا اخلاص ہم کو کیسے میسر ہو۔ماہ رمضان' جمعہ' شب قدر کے صدقہ کا بہت ثواب ہے۔دوسرے زمانہ کے صدقات کا وہ ثواب نہیں مکہ معظمہ' مدینہ منورہ کے صدقات کا ثواب ایک کا ایک لاکھ پچیس ہزار ہے۔اور زمین میں یہ نہیں عالم فقیر اور زیادہ حاجتمند پر صدقہ دوسروں پر صدقہ سے زیادہ ثواب کا باعث ہے جیسے دانہ کی پیداوار زمین و زمان کے فرق سے مختلف ہوتی ہے۔غرضیکہ **واللہ یضعف لمن یشاء** بالکل حق و درست ہے صدقہ مقبول کی توفیق بھی وہی دیتا ہے۔صدقہ کا یہ ثواب جو بیان ہوا اسکے ملنے کی جگہ آخرت ہے اگر دنیا میں رب تعالیٰ سخی کو کچھ برکت دے دے تو اس کا کرم ہے مگر یہ بدلہ نہیں' بدلہ تو قیامت میں ملے گا۔لہٰذا کوئی شخص آج خیرات دیکر کل ہی سات سو کا مطالبہ نہ کرے۔کھیت بونے کا وقت اور ہے اور کاٹنے کا اور دوسرا آج بو کر آج ہی کاٹنے کی کوشش نہ کرو صدقہ کا ایک فائدہ تو یہاں بیان ہوا اور دوسرے فائدے دیگر آیات اور احادیث میں مذکور ہیں۔صدقہ کی برکت سے مصیبت ٹل جاتی ہے۔صدقہ کی برکت سے ایمان پر خاتمہ نصیب ہوتا ہے۔صدقہ کی برکت سے گناہوں کی معافی ہوتی ہے صدقہ کی برکت سے غضب الٰہی کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ایک رنڈی مرتے ہوئے کتے کو پانی پلانے سے بخش دی گئی۔ غرضیکہ صدقہ کے بہت فوائد ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں مالوں کو اپنے بیچ راستہ اللہ کے پھر نہیں پیچھے کرتے اس کے

وہ جو اپنے مال اللہ کی راہ خرچ کرتے ہیں پھر دیئے پیچھے نہ احسان رکھیں

اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ

جو خرچ کیا احسان کو اور نہ ایذا کو واسطے ان کے ثواب ہے ان کا نزدیک رب ان کے اور نہیں ہے

نہ تکلیف دیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں

عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَیْرٌ

ڈر اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے بات بھلی اور بخشش اچھی ہے اس صدقہ سے کہ

کچھ اندیشہ ہو اور نہ کچھ غم اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا

مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَ اللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾

پیچھے ہو اس کے ایذا اور اللہ بے پرواہ حلم والا ہے

اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو اور اللہ بے پرواہ حلم والا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا تعلق پچھلی آیتوں سے چند طرح سے ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں صدقہ کے ثواب کا ذکر تھا۔ اور اب اس کی کیفیت کا تذکرہ ہے کہ صدقہ کیسا ہونا چاہئے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں صدقہ مقبول کے فضائل بیان ہوئے۔ اب شرائط قبول کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ صدقہ کا ثواب یکساں نہیں۔ بعض کا سات سو گنا اور بعض کا اس سے بھی زیادہ اب گویا ان کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ صدقہ کرنے والوں کا حال یکساں نہیں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں صدقہ مقبول کے بدلہ کا ذکر تھا۔ اب اس کے دیگر فوائد کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیت میں صدقہ مقبول دینے کا ذکر تھا۔ جو فی سبیل اللہ ہو' اب دیئے ہوئے صدقہ کو سنبھالنے کا ذکر ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ ہو جس سے صدقہ باطل ہو جائے۔ کمانا ایک کمال ہے اور کمائی کا سنبھالنا اس سے بڑا کمال ہے۔

شان نزول: یہ آیت حضرت عثمان ابن عفان اور عبد الرحمان ابن عوف کے بارے میں اتری عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تبوک کے موقعہ پر ایک ہزار اونٹ معہ ساز و سامان کے پیش کئے اس کے علاوہ اعلان فرمایا کہ جس غازی کے پاس سامان نہ ہو میں دوں گا۔ مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کی کمی تھی تو آپ نے بیر رومہ خرید کر وقف فرمایا حضور علیہ السلام نے رات بھر ان کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعائیں فرمائیں کہ مولیٰ میں عثمان ابن عفان سے راضی ہوا تو بھی راضی ہو جا جب دعا کرتے کرتے سویرا ہو گیا تو تب یہ آیت اتری۔ عبد الرحمان بن عوف کے پاس آٹھ ہزار درم تھے آپ چار ہزار تو گھر رکھ آئے اور چار ہزار درم لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ چار ہزار بچوں کے لئے چھوڑے ہیں اور چار ہزار رب کو قرض دیتا

ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے خرچ کئے اور رکھے ہوئے مال میں برکت دے تب یہ آیت اتری۔ (خزائن العرفان، روح المعانی وکبیر) بعض روایات میں اس کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر ایک بار کھانا نہ تھا آپ نے مجبوراً فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی قمیض چھ درم میں فروخت کردی۔ درم لے کر آ ہی رہے تھے کہ کوئی سائل مل گیا۔ سب درم اسے عطا فرمادیئے آگے بڑھے کہ ایک شخص اونٹنی بیچتا ہوا ملا آپ نے اس سے قرض خریدلی۔ لے کر چلے ہی تھے کہ خریدار مل گیا۔ جس نے بہت نفع سے خریدلی۔ آپ نے چاہا کہ قرض خواہ کا قرض ادا کردیں۔ بازار میں بہت تلاش کیا نہ پایا تب آکر یہ واقعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ فرمایا کہ سائل رضوان (مالک جنت) تھے اور بائع میکائیل اور خریدار حضرت جبرائیل۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ (روح البیان) ہوسکتا ہے کہ یہ تینوں واقعات بیک وقت ہوئے ہوں۔ تب یہ آیت آئی ہو۔

تفسیر: الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ اس کی تفسیر پچھلی آیت میں گزر چکی ہے الذین سے مراد مسلمان ہیں اور ینفقون سے ہر نفلی و ہر فرضی صدقہ مراد اور اموال سے ہر قسم کا ادنیٰ و اعلیٰ مال اور سبیل اللہ سے ہر مصرف خیر مراد ہے۔ یعنی جو لوگ کہ اپنے مال حسب موقعہ اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ خرچ سات قسم کے ہیں، خرچ فرض، جیسے زکوٰۃ، نذر اور اہل حقوق کے مالی حق پورے کرنا، قرض، نفقہ وغیرہ، خرچ واجب، جیسے فطرانہ و قربانی، خرچ سنت، جیسے مسجدیں بنانا، کنوئیں سرائیں تیار کرانا، خرچ مباح جیسے عام دنیاوی ضروریات میں خرچ، خرچ مکروہ تنزیہی خرچ مکروہ تحریمی، خرچ حرام جیسے اسراف، تبذیر اور محرمات میں خرچ کھیل تماشا وغیرہ میں مال برباد کرنا۔ پہلی قسم کے خرچ انفاق فی سبیل اللہ ہیں۔ ان کی مکمل تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے وہ تمام خرچ ہیں جو ان سے منقول ہیں۔ اس ایک لفظ فی سبیل اللہ میں ان تمام کی طرف اشارہ ہے۔ ثم لا یتبعون ما انفقوا ثم ترتیب رتبی یا زمانی کے لئے ہے کیونکہ احسان نہ جتانے کا درجہ خیرات سے بہت اعلیٰ ہے۔ اسی لئے یہاں ثم لایا گیا ہے۔ اور چونکہ خیرات کے بعد بہت وقت ملتا ہے اور بارہا فقیر سے ملاقات ہوتی ہے اس لئے ثم لایا گیا۔ یعنی خیرات کے بعد عمر میں کبھی بھی احسان نہ جتائیں۔ یتبعون تبع سے بنا معنی پیچھے ہونا اسی لئے خدمتگار کو تابع کہتے ہیں۔ ما انفقوا میں ما یا تو مصدریہ ہے۔ یا موصولہ اور فعل میں ضمیر پوشیدہ منا ولا اذی من کے چند معنی ہیں بوجھ، بڑی بھاری نعمت، قطع کرنا، کم کرنا، اسی لئے عربی اور اردو میں ایک وزن کا نام بھی من ہے رب فرماتا ہے لقد من اللہ علی المومنین بڑا احسان کیا اللہ نے ایمانداروں پر۔ رب فرماتا ہے وان لک لا جرا غیر ممنون آپ کے لئے غیر منقطع ثواب ہے موت کو منون کہتے ہیں کہ وہ عمر قطع کردیتی ہے احسان جتانے اور طعنہ دینے کو من کہا جاتا ہے کہ اس سے دوسرے کی خوشی کم اور دل مکدر ہوتا ہے۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں یعنی احسان جتانا۔ اذی ہر تکلیف دہ چیز کو کہتے ہیں۔ یہاں من سے زبانی طعنے مراد ہیں اور اذی سے حقارت والے فعل یعنی خیرات کے بعد فقیر کو نہ زبانی طور پر طعنے دیں نہ احسان جتائیں اور نہ اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کریں چونکہ عملی ایذا سے زبانی طعنے زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے من کا ذکر پہلے ہوا اور اذی کا بعد میں۔ اور ثم فرما کر یہ بتایا کہ یہ لوگ خیرات کرنے سے مرتے وقت تک ان چیزوں سے بچیں کہ نہ بذات خود کسی فقیر کو طعنہ و ایذا دیں نہ اپنے کسی عزیز کو دینے دیں۔ بلکہ رب کا شکر ادا کریں کہ اس نے انہیں دینے کے لائق کیا خیرات لینے کے

لائق نہ کیا۔ اور اچھے مقام پر خرچ کی توفیق بخشی۔ **لھم اجرھم عند ربھم** لہم کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا اور اجر سے مراد وہی ثواب ہے۔ جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا **عند ربھم** سے معلوم ہوا کہ صدقات کا حقیقی ثواب قیامت ہی میں ملے گا یعنی صرف انہی لوگوں کو رب کے پاس ثواب ملے گا اور ثواب کے علاوہ **ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** نہ انہیں دنیا اور قبر میں آئندہ کا اندیشہ ہو اور نہ حشر میں گزشتہ کا غم۔ خیال رہے کہ انسانی زندگیاں تین ہیں دنیاوی زندگی جو پیدائش اور قبر کے درمیان ہے۔ برزخی زندگی جو مرنے سے نفخ صور تک ہے اخروی زندگی جو نفخ صور سے ابدالاباد تک ہے۔ دنیا میں تین قسم کے خوف و غم ہیں مفید' بیکار اور مضر۔ اللہ' رسول سے قیامت سے خوف اپنے گناہوں کا غم مفید ہے۔ جس سے ایمان و عرفان کامل ہوتا ہے دنیا کے خوف و غم بیکار جو لگے ہی رہتے ہیں۔ لوگوں کا خوف جو ایمان و عرفان سے روک دے مال نہ ہونے کا غم کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں کر' زبان کرتا یہ مضر ہے یہاں بیکار یا مضر خوف و غم کی نفی ہے یعنی بعض کو ہم وہ دل بخشتے ہیں۔ جس میں یہ رنج و غم اثر نہیں کرتے۔ نیز انہیں مرتے وقت اور برزخ و حشر میں خوف و غم سے بچائیں گے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے **قول معروف و مغفرۃ** قول مصدر ہے یا حاصل مصدر یعنی بات کہنا یا بات۔ معروف بمعنی مشہور یا معلوم ہے۔ یہاں شرعاً" مشہور مراد ہے۔ یعنی اچھی اور بہتر۔ مغفرت غفر سے بنا بمعنی ڈھکنا۔ یہاں قول معروف سے سائل کو نرمی سے منع کر دینا مراد ہے اور مغفرت سے فقیر کی سختی برداشت کرنا اور اس کے عیب کا چھپانا یعنی نرمی سے منع کر دینا اور منع کرنے پر جو سائل سختی کرے اس سے درگزر کرنا **خیر من صدقۃ یتبعھآ اذی** اس صدقہ دینے سے اچھا ہے۔ جس کے بعد فقیر کو ایذا اور تکلیف ہو' خیال رہے کہ یہاں اذی میں احسان جتانا بھی داخل ہے اور یہ بہتر ہونا سائل کے حق میں بھی ہے اور دینے والے کے حق میں بھی کہ سائل تو ایذا سے اور دینے والا عذاب الٰہی سے بچ جاتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے خوش خلقی سے بات کر لینا اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرنا بد خلقی کے صدقے سے بہتر ہے۔ جب رب تعالیٰ غنی ہو کر حلیم ہے کہ نافرمانوں کو روزی دیتا ہے تو تم حلم و بردباری کیوں اختیار نہیں کرتے۔ **واللہ غنی حلیم** اللہ تمام صدقات سے بے پرواہ ہے اور حلیم ہے کہ طعنہ باز کو جلد عذاب نہیں دیتا۔

خلاصہ تفسیر: جو لوگ اپنے مختلف مال حسب ضرورت اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ پھر خرچ کرنے کے بعد آخر دم تک نہ تو احسان جتائیں کہ دوسروں کے سامنے فقیر سے کہیں کہ ہم نے تیرے ساتھ فلاں موقعہ پر یہ سلوک کیا۔ اور نہ اسے لوگوں میں ذلیل کریں اور نہ اسے طعنہ دیں کہ تو نادار' مفلس' مجبور اور قلاش' نکما تھا ہم نے تیری خبر گیری کی۔ اور آج تو ہمارے مقابلہ میں آگیا۔ اور نہ کسی اور طرح اس پر دباؤ ڈالیں کہ صدقہ دے کر اس سے اپنے گھر کے کام لیں یا اسے نظر حقارت سے دیکھیں یا اس وجہ سے اسے اپنے پاس نہ بیٹھنے دیں صرف ایسے ہی لوگوں کو رب کے پاس صدقہ کا ثواب ملے گا۔ اور یہ ہی صدقہ ثواب کے پھل دیگا۔ انہیں نہ کسی قسم کا دنیا اور قبر میں خوف اور اندیشہ ہے اور نہ محشر میں یہ لوگ غمگین ہوں۔ خوب خیال رکھو کہ سائل کو مجبوری کے وقت میں کچھ نہ دینا اور اس سے اچھی بات کہنا خوش خلقی سے منع کر دینا اور اگر وہ سوال میں اصرار کرے یا منع کرنے سے زبان درازی کرے تو اس سے درگزر کرنا اس صدقہ دینے سے بہتر ہے۔ جس کے بعد طعن و تشنیع دیئے جائیں کہ اس میں مال بھی گیا اور بجائے ثواب کے عذاب ہوا اور فقیر کو رنج و غم بڑھا یہ سمجھ رکھو کہ اللہ کو تمہارے صدقات کی ضرورت نہیں

اور نہ فقیر کا رزق تمہارے دینے پر موقوف ہے۔ اگر تم نہ دو گے تو اسے اور دروازہ مل سے جائیگا۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے اس نے تمہارے ہی نفع کے لئے صدقات کا حکم دیا اور وہ بہت حلم والا ہے کہ گناہ پر جلد عذاب نہیں دیتا۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر صدقہ دیکر سلام کرنے سے بھی فقیر کو تکلیف ہو تو اسے سلام بھی نہ کرے تاکہ تمہارا اسلام صدقہ کی یاد کا سبب نہ بن جائے۔ (خازن) امام شعبی فرماتے ہیں کہ جتنا تمہارے صدقہ کا فقیر محتاج ہے اس سے زیادہ ثواب کے تم محتاج ہو۔ تمہارا فقیر پر دیکر احسان ہوا تو فقیر کا بھی تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایک فرض سے ہلکا کر دیا۔ امام ہدائی فرماتے ہیں کہ چونکہ مال سے جسم کو راحت ہوتی ہے اور اچھی بات سے قلب کو اور قلب جسم سے اعلیٰ ہے لہٰذا اچھی بات خالی صدقہ سے اعلیٰ۔ سب سے بہتر وہ شخص ہے جو فقیر کو خوش کر کے دے اور بڑا خبیث وہ شخص ہے جو صدقہ بھی نہ دے اور فقیر کو ایذا بھی پہنچائے اور بد نصیب وہ ہے جو صدقہ دے اور ایذا بھی پہنچائے کہ اس کا مال بھی گیا اور ثواب بھی نہ ملا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** صدقہ پر طعنہ دینا گناہ کبیرہ ہے کیونکہ اس سے صدقہ برباد ہو تا ہے اور جس سے نیکیاں برباد ہوں وہ کبیرہ (کبیر) **دوسرا فائدہ:** جس کا صدقہ بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جائے اس کا شمار اولیاء اللہ میں ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے اس کے لئے بھی فرمایا کہ **لا خوف علیھم** اور اولیاء اللہ کے لئے بھی۔

مسئلہ: اس میں اختلاف ہے کہ ایذا دینے سے صدقہ کا صرف ثواب ہی جاتا ہے یا عذاب بھی ہوتا ہے بعض نے فرمایا کہ اس پر عذاب ہوتا ہے۔ جیسے حلیم سے معلوم ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ صرف ثواب باطل ہوتا ہے۔ جیسے کہ **لھم اجرھم** سے معلوم ہوا (کبیر) مگر تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ ایذا پہنچانے سے خود صدقہ باطل نہیں ہوتا لہٰذا اگر زکوٰۃ دیکر ایذا پہنچائی تو زکوٰۃ شرعاً ادا ہو گئی۔

مسئلہ: صحت کے لئے قبول لازم نہیں مگر قبولی عمل کے لئے صحت ضروری۔ دیکھو زکوٰۃ غیر مقبول شرعاً صحیح ہے۔

مسئلہ: سائل کو منع کرنا حرام نہیں بلکہ سخت جواب دینا حرام ہے۔ **تیسرا فائدہ:** چیزیں سانچے میں ڈھالی جاتی ہیں اور نمونہ پر تیار کی جاتی ہیں۔ بغیر سانچے اور بے نمونے کی چیز خراب ہوتی ہے۔ اعمال صالحہ کے سانچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار فرمائے اور ان کے نمونہ صحابہ کرام کے اعمال ہیں۔ جس مسلمان کے اعمال اس سانچے میں ڈھلے ہوئے اور صحابہ کرام کے نمونہ پر تیار ہوئے وہ قبول ہیں ورنہ مردود۔ دیکھو رب نے حضرت عثمان غنی یا عبد الرحمان بن عوف یا علی مرتضیٰ کی ان مخصوص خیراتوں کو بطور نمونہ اس آیت میں مسلمانوں پر پیش فرمایا جن کے صدقہ اس نمونہ کے ہوں گے ان کیلئے اجر بھی ہے اور خوف و غم سے آزادی بھی رب فرماتا ہے **فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا** اگر یہ لوگ تمہارے ایمان جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پا جائیں گے۔ حضور فرماتے ہیں **اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** میرے صحابہ تارے ہیں تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے غرضیکہ ایمان و اعمال میں صحابہ کی پیروی باعث کامیابی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** خوش خلقی کا ثواب بد خلقی کے صدقہ سے زیادہ ہے۔ دیکھو یہاں صرف قول معروف یعنی اچھی خوش خلقی کی بات اور لوگوں سے درگزر کرنے کو اس صدقہ سے بہتر فرمایا۔ کیوں نہ ہو کہ مال سے جسم کو راحت ہے اور اچھی بات سے دل کو خوشی اور مومن کا دل خوش کرنا بہترین عبادت ہے زبان کا زخم سنان کے زخم سے بد تر ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ صدقہ کے بعد احسان کا اور ایذا کا مجموعہ حرام ہے ان میں سے صرف ایک حرام نہیں۔ لہٰذا فقط احسان جتانے والا یا فقط موذی گنہگار نہ ہونا چاہئے۔ **جواب:** نہیں بلکہ ہر ایک حرام ہے اسی لئے درمیان میں لا بڑھایا گیا **منا ولا اذی** تاکہ معلوم ہو کہ ہر ایک کام مستقل حرام ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اگر احسان جتانا حرام ہے تو رب نے کیوں جتلایا اس کا تو نام ہی منان ہے یعنی بہت احسان جتانے والا۔ **جواب:** رب کے منان ہونے کے معنی ہیں بہت احسان کرنے والا نہ کہ احسان جتانے والا ایک ہی لفظ کے مخلوق کے لئے کچھ معنی ہوتے ہیں اور خالق کیلئے کچھ اور۔ بندہ بھی شاکر اور رب بھی، بندہ بھی تواب ہے اور رب تعالیٰ بھی مگر مختلف معانی ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** رب نے احسان جتائے ہیں۔ **لقد من اللہ علی المومنین** پھر ہمیں اس سے کیوں منع فرمایا۔ **جواب:** رب کے احسان جتانے سے بندہ کو شکر کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور انسان کے احسان جتانے سے فقیر کو صدمہ نیز رب کا احسان بلا غرض ہے اور بندہ کا صدقہ ثواب کی غرض سے جب وہ ثواب چاہتا ہے تو احسان کیوں جتاتا ہے۔ نیز رب تعالیٰ حقیقی محسن ہے اور بندہ مجازی اس کا احسان جتانا حق ہے۔ تمہارا باطل۔ **چوتھا اعتراض:** اس احسان جتانے سے صدقہ کا ثواب کیوں جاتا رہتا ہے۔ تعجب ہے کہ اتنا قیمتی مال دو باتوں میں برباد۔ **جواب:** اس لئے کہ صدقہ سے فقیر کو راحت دینا اور رب کو راضی کرنا منظور تھا۔ احسان جتانے سے یہ دونوں باتیں جاتی رہیں۔ یہ تو حقیر سا مال ہے۔ بات سے تو جان بھی جاتی رہتی ہے۔ کفری بات منہ سے نکلی قتل کے مستحق ہو گئے۔ بادشاہ کو گالی دی پھانسی پر لٹکا دیئے گئے بات بڑی چیز ہے۔ **پانچواں اعتراض:** لھم کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا کہ صدقہ کا ثواب صرف صدقہ دینے والے کو ملتا ہے نہ کہ دوسرے کو لہٰذا ایصال ثواب درست نہ ہوا کہ خیرات تو ہم کریں اور ثواب دوسرے کو بخش دیں۔ **جواب** لھم میں لام ملکیت کا ہے۔ یعنی اجر کی ملکیت صرف صدقہ دینے والے کو ہے اگر وہ چاہے تو کسی کو بخشے چاہے نہ بخشے نیز ایصال ثواب کرنے سے خود صدقہ دینے والا ثواب سے محروم نہیں ہو جاتا اسے پورا ثواب مل جاتا ہے۔ دوسرا بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے۔ جیسے ہماری شمع سے اگر دوسرا آدمی بھی روشنی حاصل کرے تو ہم محروم نہیں ہو جاتے۔ اگر تم کسی کو علم سکھاؤ تو اپنا پڑھا نہیں بھول جاتے۔ علماء تو فرماتے ہیں کہ ایصال ثواب کرنے والوں کو ان تمام کے برابر ثواب ملتا ہے جنہیں ثواب بخشا گیا مثلاً اگر ایک قرآن پاک کا ثواب ساری امت رسول کو بخشا تو تمام امت کو ایک ایک قرآن کا ثواب ملا کسی کو کٹ کر نہ ملا، مگر اس بخشنے والے کو تمام افراد امت کے برابر ثواب ملا۔ اللہ اکبر جب رب دیتا ہے تو لیتے کیوں نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کھیتی کیلئے صدہا آفتیں ہیں۔ جن سے ہری بھری کھیتی ایک دم برباد ہو جاتی ہے اور اس کے نشوونما کیلئے بہت سے اسباب ایسے ہی عبادات کے لئے صدہا آفتیں ہیں اور اس کی ترقی کے بہت سے اسباب۔ احسان جتانا طعنے دینا یہ ایسی آفت ہے۔ جس سے صدقہ کی ہری بھری کھیتی آن کی آن میں فنا ہو جاتی ہے۔ فقیر پریشان دل ہوتا ہے اس کو طعنہ دیکر اس کی پریشانی میں اور زیادتی بند ہو جاتی ہے لہٰذا یہ شخص بجائے ثواب کے عذاب کما لیتا ہے۔ اس کے طعنے ہتھوڑے کا کام دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اونچا ہاتھ دینے والے کا ہے اور نیچا لینے والے کا مگر صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اونچا ہاتھ لینے والا ہے اور نیچا ہاتھ دینے والے کا کہ دینے والا فانی مال دیتا ہے مگر لینے والا ثواب دائمی کا ذریعہ بنتا ہے۔ گویا یہ قطرہ دیکر دریا لیتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

قرض دہ زیں دولت اندر اقرضوا　　تا کہ صد دولت بہ بینی پیش رو
اند کے زیں شرب کم کن بہر خویش　　تا کہ حوض کوثرے یابی بہ پیش!

صدقہ کرنے والوں کے تین طبقے ہیں۔ ایک قوی بہادر جو اپنے سارے مال خرچ کرنے پر قادر ہے۔ جیسے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ' دوسرے درمیانی لوگ جو سارا مال نہیں خرچ کر سکتے' بلکہ کچھ اپنے پاس بھی رکھتے ہیں مگر عیش کے لئے نہیں دینی ضروریات کے لئے تیسرے کمزور لوگ جو فقط صدقہ واجبہ پر قناعت کرتے ہیں۔ ریا گویا سانپ ہے اور بخل بچھو یہ دونوں جمع ہو کر بڑے خطرناک ہیں۔ خیال رہے کہ صدقہ صرف مال ہی کا نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر نیکی کا ہوتا ہے۔ اور سب میں اخلاص شرط۔ (از روح البیان)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ

اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو نہ باطل کرو اپنے صدقے ساتھ احسان جتانے کے اور ایذا کے مثل

اے ایمان والو اپنے صدقے باطل نہ کر دو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اس کی طرح　جو اپنا

يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اس کے جو خرچ کرتا ہے مال کو اپنے دکھانے کے لئے لوگوں کو اور نہیں ایمان لاتا ہے ساتھ اللہ اور دن آخرت

مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہ لائے تو اس کی کہاوت

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ

کے کہاوت اس کی مثل کہاوت اس چٹان کے ہے کہ اوپر اس کے مٹی ہے پس پہنچی اس کو تیز بارش پس چھوڑ دیا اس کو

ایسی ہے جیسے ایک چٹان کہ اس پر اس کے مٹی ہے اب اس پر زور کا پانی پڑا جس نے اسے نرا پتھر کر چھوڑا

صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

چکنا نہیں قادر ہوتے ہیں وہ اوپر کسی چیز کے اس میں سے جو کمایا!　　اور اللہ نہیں راہ دکھاتا

اپنی کمائی سے کسی چیز پر قابو نہ پائیں گے　　اور اللہ کافروں

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

قوم کفار کو

کو راہ نہیں دیتا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں صدقہ پر احسان جتانے اور فقیر کو ایذا پہنچانے کی اخروی برائی بیان کی گئی۔ اب اس کی وضاحت کے لئے نہایت نفیس و محسوس مثالیں بیان کی جا رہی ہیں۔ گویا پہلے مسئلہ بیان ہوا تھا اور اب اس کی وضاحت دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں صدقہ دے کر احسان جتانے کی ممانعت تھی اب

احسان جتا کر صدقہ دینے کی ممانعت ہے۔ گویا احسان کی ایک نوعیت سے پہلے منع کیا گیا۔ اور دوسری نوعیت سے اب منع کیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں احسان و ایذا کے کچھ عیوب بیان ہوئے اور ترک احسان و ایذا کے فوائد اب اس احسان و ایذا کے پہلے سے بھی بڑھ کر عیوب بیان ہو رہے ہیں **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ترک احسان و ایذا کے فوائد بیان ہوئے کہ اس سے رب کی جزاء' خوف و غم سے آزادی میسر ہوتی ہے۔ اب عمل احسان و ایذا کے نقصانات کا ذکر ہے۔ طبیب حاذق مضر چیزوں کے دو رخ بیان فرماتا ہے ان سے بچنے کے فائدے اور ان سے پرہیز نہ کرنے کے نقصانات قرآن کریم طبیب روحانی کی کتاب ہے اس کا بھی یہ ہی طریقہ ہے۔

تفسیر: یا ایھا الذین امنوا پچھلی آیت بطریقہ غیب مسلمانوں سے کلام تھا اب مخاطب فرما کر کلام ہو رہا ہے۔ کیونکہ اگلے احکام گزشتہ کے مقابلہ میں سخت ہیں۔ اور بوصف ایمان پکارنے میں اسی جانب اشارہ ہے کہ کوئی مسلمان مومن ہو کر ایسے جرم کی ہمت ہی نہ کرے گا۔ چونکہ طعنہ ایذا دینے سے بچنا بہت مشکل ہے۔ بجز کرم پروردگار نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے رب نے پہلے مسلمانوں کو پکارا' پھر اس کا حکم دیا محبوب کی محبوبانہ پکار سے سخت کام بھی آسان ہو جاتے ہیں۔ عشاق جان دیکر بھی ان کی تعمیل کرتے ہیں۔ نیز چونکہ کفار کے صدقات بہرحال باطل ہیں۔ خواہ وہ ریا سے کریں یا اخلاص سے۔ احسان جتائیں یا نہ جتائیں ایذا دیں یا نہ دیں مگر مسلمانوں کے اعمال کی دو نوعیتیں ہیں۔ صحیح ہوں تو فائدہ مند ورنہ برباد اس لئے مسلمانوں سے ہی خطاب ہوا کہ تم فوراً سنبھل کے کام کرنا اور فرمایا گیا کہ اے ایمان والو **لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی** سے یا تو صحیح عمل کا ثواب باطل کرنا مراد ہے اور احسان و ایذا سے صدقہ دیکر احسان جتانا مراد یا اپنے صدقات کو باطل بنانے کی ممانعت ہے۔ اور احسان جتا کر باطل نہ کرو احسان اور تکلیف کے ساتھ صدقہ باطل نہ دو کہ تمہارا صدقہ باطل ہو کر متحقق نہ ہو۔ (کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ باطل حق کا مقابل ہے حق کے بہت معنی ہیں سچے یعنی واقعات کے مطابق واقعہ اس کے مطابق۔ ثابت و قائم ناقابل زوال مفید' اور حقوں والا۔ اس کے مقابل باطل کے بھی بہت سے معنی ہیں جھوٹ' غلط زائل اور قابل فنا۔ عبث بیکار جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ رب حق ہے ماسوا سب باطل یعنی رب کو فنا نہیں باقی سب فانی **الا کل شئی ما خلا اللہ باطل** رب نے کوئی باطل نہ پیدا کی **ربنا ما خلقت ھذا باطلا** یعنی عبث و بیکار نہ بنائی۔ یہاں باطل سے مراد یا بیکار ہے یا فانی یعنی وہ چیز جس کو ثبات نہ ہو اور ابطال کسی کے خراب کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اور نیست و نابود کر دینے کو بھی خواہ وہ خود حق ہو یا باطل۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں **کالذی ینفق مالہ رئاء الناس** یہ جملہ یا تو ابطالا " پوشیدہ کی صفت ہے اور کاف کے بعد ایک ابطال پوشیدہ یعنی **لا تبطلوھا ابطالا کابطال الذی** یا **لا تبطلوا** کے فاعل کا حال یعنی **لا تبطلوھا مشابھین الذی رئاء** باب مفاعلت کا مصدر ہے۔ جیسے لقاء اس کا مادہ رای ہے۔ یہاں ینفق کا مفعول لہ۔ ریاء کے معنی ہیں ایک دوسرے کو دکھانا چونکہ ریاکار کی نیت یہ ہی ہوتی ہے کہ میں اپنی خیرات لوگوں کو دکھاؤں تاکہ لوگ میری منہ پر تعریف کریں اس لئے اسے ریا کہتے ہیں یعنی اس کی طرح تم صدقے باطل نہ کرو۔ جو ریاء کاری کیلئے مال خرچ کرتا ہے۔ مفسرین نے فرمایا الذی سے مراد منافق ہیں۔ گویا ریاکاری طریقہ منافقین کا ہے۔ کیونکہ آگے آ رہا ہے۔ **ولا یومن باللہ والیوم الاخر** یعنی ساتھ ہی وہ اللہ اور قیامت پر ایمان بھی نہیں رکھتا اگر مومن ہوتا تو اس کے دل میں اخلاص ہوتا اگرچہ منافقین اللہ

کو بھی مانتے تھے اور قیامت کو بھی وہ بیسود تھے۔ مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکاری تھے اس لئے اس ماننے کا رب تعالیٰ کے ہاں کوئی اعتبار نہیں۔ دیکھو ابلیس توحید' قیامت کو مانتا ہے۔ مگر اس کا ماننا معتبر نہیں کہ انبیاء کا منکر ہے۔ **فمثلہ کمثل صفوان'** صفوان واحد بھی ہے اور صفوتہ کی جمع بھی اور صفا کا اسم جنس بھی جیسے مرجان اور مرجانتہ سعدان اور سعدانتہ یہاں واحد ہے کہ آگے فاصابہ آرہا ہے اور تشبیہ مرکب ہے یعنی اس ریاکاری کی کہاوت اس بڑی چٹان کی طرح ہے کہ **علیہ تراب فاصابہ وابل فترکہ صلدا** تراب خشک مٹی کو کہتے ہیں۔ اور روابل وہ بارش ہے جس کے قطرے وزنی ہوں اور اس کا مادہ وبل ہے بمعنی بوجھ اس سے وبال بمعنی مصیبت اور وبیل بمعنی مصیبت کا خوف بھی ہے **فاقوا وبال امرھم** اور جیسے **فاخذنہ اخذا وبیلا** وہ سخت اور چکنا پتھر جس پر نہ غبار ہو اور نہ کچھ اگے اسی لئے گنجے سر کو راس صلد کہتے ہیں۔ جس پر بال نہ اگیں۔ ریاء کار منافق بے وقوف کسان ہے اور اس کا صدقہ پتھر کا غبار اس سے نفع کی امید اس گھاس کی طرح ہے جو پتھر پر کبھی اگ آئے اور اس کا کفر یا نفاق یا موت یا قیامت' تیز بارش ہے اور وہاں ثواب کا نہ ملنا اس پتھر کا غبار سے صاف ہو جانا ہے یا یوں سمجھو کہ کافر چٹان ہے اس کی خیرات مٹی' کفر' تیز بارش اور عمل کی بربادی اس پتھر کا دھل جانا **لا یقدرون علی شیء مما کسبوا** اس کا فاعل الذی ہے۔ کیونکہ اس سے ایک گروہ مراد تھا نہ قدرت رکھنے سے نہ پانا مراد ہے اور شیئی سے ثواب اور کبرا سے اعمال یعنی وہ اپنے کسی عمل کا ثواب نہیں پاتے۔ **واللہ لا یھدی القوم الکفرین' لا یھدی** یا تو بمعنی مستقبل ہے۔ یا بمعنی حال یعنی اللہ کفار کو قیامت کے دن راہ جنت کی ہدایت نہ دیگا یا دنیا میں انہیں اعمال درست کرنے کی ہدایت نہیں دیتا۔ وہ ہر کام بگاڑ کر ہی کرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کی تفسیر و تشبیہ سمجھنے سے پہلے ایک مثال ذہن نشین کر لو۔ کسی بادشاہ نے کارخانہ والے کو جہاں ہر قسم کا مال تیار ہوتا ہے آرڈر دیا کہ ایک لاکھ فوجی وردیاں دو لاکھ گھوڑوں کی کاٹھیاں بہت جلدی جلدی تیار کر دو جن کا میٹریل فلاں فلاں قسم کا ہو اور ساتھ ہی نمونے دیئے گئے کہ اس انداز ے اور اس نمونے کی چیزیں ہوں۔ کارخانہ والوں نے میٹریل تو صحیح استعمال کیا مگر نمونہ بدل دیا ناپ نمونے میں فرق کر دیا لہذا بادشاہ اس مال کو نہ قبول کرے گا نہ قیمت دیگا۔ اب سمجھو کہ ہم لوگ کارخانہ دار ہیں ہماری زندگیاں کارخانہ ہیں جن میں اعمال تیار ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ خریدار شہنشاہ اس نے ہم کو نماز' روزے' زکوۃ حج وغیرہ کا آرڈر دیا جس کے ارکان بتا دیئے مگر ساتھ ہی فرما دیا **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** ہمارے رسول کے نمونہ پر اعمال تیار کرو۔ اب جس کے اعمال اس نمونے کے مطابق ہوں گے وہ قبول ہوں گے۔ جنت بھی ملے گی اور جس کے اعمال کفار شیاطین کے نمونہ کے ہوں گے وہ رد ہوں گے صدقہ پر طعن تشنیع کرنا کفار کا نمونہ ہے۔ ہمارے محبوب نے ایسا صدقہ نہ کیا تھا لہذا وہ رد نہ ہوگا حضور انور تو وہ صدقہ دیتے تھے۔

جب لینے کو بھیک آئے سر کوئے گدایاں ۔۔۔ لب پر یہ دعا تھی میرے منگتے کا بھلا ہو

یہ ہی حال نماز' حج بلکہ زندگی موت کا ہے۔ جب یہ مثال سمجھ لو تو اب تفسیر سنو۔ اے مسلمانو! فقیر پر احسان رکھ کر یا اسے ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کے ثواب اس منافق کی طرح برباد نہ کر لو جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھلاوے کیلئے خرچ کرتا ہے کہ لوگ مجھے سخی کہیں نہ اس کا ایمان خدا پر ہے' نہ قیامت پر اس منافق کی حالت یا طعنہ اور تکلیف سے ثواب برباد کرنے والے کی

کہاوت ایسی ہے جیسے کوئی نادان کسان ایسے پتھر پر بیج بودے۔ جس پر ہلکی سے گرد و غبار کی تہ جمی ہوئی ہے اس کے بیج سے کچھ سبزی اگ آئے وہ سمجھے کہ میں اس بونے میں کامیاب ہوا اور دوسرے کسانوں کی طرح وقت پر میں بھی کھیت کاٹوں گا وہ اسی خیال میں تھا کہ اچانک تیز بارش آگئی جس نے اس مٹی کی تہ کو اور اس پر جمے ہوئے گھاس پھوس کو بالکل ختم کر دیا اور اس پتھر کو دھو دھلا کر بالکل صاف بنا دیا کہ نہ اس پر گھاس پھوس رہی نہ ہی وہ مٹی کی تہ' ایسے لوگوں کو قیامت کے دن اپنے ان اعمال میں سے کچھ ہاتھ نہ لگے گا۔ اور رب تعالیٰ انہیں اس دن جنت کا راستہ نہ بتائے گا۔ ریا سے دیا ہوا مال اس بیج کی طرح ہے جو پتھر پر بویا جائے۔ اس کے عمل اس ظاہری گھاس پھوس کی طرح جو اس پتھر پر جم گیا اس کا کفر یا ریاکاری یا اسکی موت' یا قیامت اس تیز بارش کی طرح ہے جو پتھر کو دھو کر صاف کر دے۔ قیامت کے دن **مخلصین** اپنے صدقات کے پھل کاٹیں گے اور ریاکار حسرت سے اپنے ہاتھ۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** طعن' تشنیع' ایذا قلبی' بدترین جرم ہے۔ جس سے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ زانی کو سنگسار کرو' چور کے ہاتھ کاٹ دو مگر اسے طعن تشنیع نہ دو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر کو ماعز پر لعنت کرنے' طعن دینے سے روکا اگرچہ اسے سنگسار کر دیا ہندہ زوجہ ابو سفیان نے جنگ احد میں حضرت حمزہ کا مثلہ کیا ان کی آنکھیں و جگر نکال کر چبائیں۔ ان ہی کی بیٹی حضرت ام حبیبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طعن نہ کیا کہ تمہارے ماں باپ نے ہمارے چچا سے یہ سلوک کیا۔ ان پر افسوس ہے جو آج کل اپنے گھروں میں طعن' تشنیع کی وجہ سے فساد رکھتے ہیں۔ رب تعالیٰ حضور کی سنتوں پر عمل کی توفیق دے آمین۔ **دوسرا فائدہ:** نیکیوں کی درستی اور بقا کے لئے جیسے ایمان شرط ہے کہ کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں اور اگر اطاعت کے بعد کافر ہو جائے تو وہ باقی نہیں رہتی' جس کو اصطلاح میں حبط اعمال کہتے ہیں۔ ایسے ہی اعمال کی صحت اور بقاء کے لئے اخلاص اور دیگر برباد کرنے والی چیزوں سے پاک رہنا بھی شرط ہے۔ اسی لئے نفاق' ریاء' طعنہ' ایذ رسانی کو مبطل اعمال کہا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** ریا اور طعنہ وغیرہ سے اصل عمل باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا ثواب' لہٰذا اگر کوئی ریاء کار بعد میں توبہ کر کے مخلص بن جائے تو امید ہے کہ ثواب پائے گا۔ **چوتھا فائدہ:** ریاکار منافق عملی ہے کہ منافقوں کے سے کام کرتا ہے ریاء کاری اور طعنہ وغیرہ کفار کی خصوصیات ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ چند شخص جنت میں نہ جائیں گے۔ احسان جتانے والا' والدین کا عاق' شرابی' جادوگر کاہن' دیوث **پانچواں فائدہ:** ریاء طعنے اور ایذا کے ساتھ جو بھلائی کی جائے وہ بھلائی ہی نہیں۔ وہ شروع سے ہی باطل ہے اس لئے کہ اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ طعنے اور ایذا کے ساتھ باطل صدقے نہ دو (تفسیر) **چھٹا فائدہ:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کو ہر اس چیز سے پاک رکھنا ضروری ہے۔ جس سے نیکی نیکی نہ رہے دنیوی فعل بن جائے لہٰذا عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں کہ اجرت سے عبادت عادت بن جاتی ہے۔ (احکام القرآن) البتہ علمائے متاخرین نے ضروری باتوں پر مجبوراً اجرت لینا جائز رکھی جیسے تعلیم دین و اذان' امامت وغیرہ کہ اگر ان پر اجرت جائز نہ ہو تو یہ کام بند ہو جائیں گے اور دین میں حرج واقع ہو گا۔

اعتراض: پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ احسان اور ایذا دونوں کے مجموعے سے صدقہ باطل ہوتا ہے نہ کہ فقط ایک سے تو چاہیے کہ نہ صرف ایذا حرام ہو اور نہ صرف احسان۔ **جواب:** یا تو یہ واؤ' بمعنی او' ہے یا دو کا ذکر تقویت کیلئے ہے ورنہ

باطل کرنے کے لئے ایک ہی کافی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** بارش کی مثال غلط ہے وہ تو رب کی رحمت ہے۔ جس سے کھیت کو قوت ملتی ہے اور اس سے پتھر صاف ہو جاتا ہے۔ منافق کے عمل کو اس سے تشبیہ کیوں دی گئی۔ (بعض بے دین) **جواب:** تشبیہ کی وجہ ہم تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔ بارش اس کھیت کے لئے فائدہ مند ہے جو صحیح میں میں بویا جائے اینٹوں پتھروں پر جو گھاس اگ آتی ہے وہ بارش سے برباد ہو جاتی ہے یہ ہی بتانا منظور ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے نیکیوں سے برائیاں مٹ جاتی ہیں ان الحسنت یذھبن السیئات ایسے ہی گناہوں سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ دیکھو طعنہ ایذا گناہ ہیں۔ جن سے صدقے برباد ہو گئے۔ (معتزلہ) **جواب:** اس آیت کے معنی یا تو یہ ہیں کہ باطل صدقے نہ دو۔ نہ یہ کہ صدقہ صحیحہ کو طعنہ سے باطل بناؤ۔ ریاکار کا صدقہ اول ہی سے غلط ہے یا یہ مطلب کہ اس کا ثواب مت کھوؤ' ریا سے عمل باقی رہتا ہے محض ثواب جاتا رہتا ہے۔ بخلاف گناہوں کے کہ وہ نیکیوں کی برکت سے اصل سے ہی مٹ جاتے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اگر لوگوں کو دکھا کر اعمال کرنا ریاء اور برا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر طواف اور منبر پر نماز لوگوں کو دکھانے کیلئے کیوں ادا فرمائی۔ **جواب:** لوگوں کو اپنے اعمال دکھانے کی تین وجہ ہوتی ہیں' تبلیغ' ترغیب' اپنی ناموری پہلی دو صورتیں تو بڑی اہم عبادت ہیں آخری صورت بری۔ اس آخری صورت کو ہی ریا کہا جاتا ہے یہ ہی بری ہے۔ حضور انور کا اپنے اعمال لوگوں کو دکھانا' تعلیم' تبلیغ کے لئے تھا۔ حضور انور اس کے مامور تھے۔ صحابہ کرام کا بعض اعمال لوگوں کو دکھا کر کرنا ترغیب کے لئے تھا۔ موجد نیکی کو بہت ثواب ملتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: صدقہ صدق سے بنا بمعنی سچائی' جس صدقہ میں صداقت اور سچائی نہ ہو' وہ صدقہ ہی نہیں صدقہ میں چار حروف ہیں۔ ص' د' ق' ہ' ص سے صد بمعنی (رکاوٹ) کی طرف اور د سے دلالت (بمعنی رہنمائی) کی طرف اشارہ ہے۔ ق سے قرب الی اللہ' اور ہ سے ہدایت کا پتہ لگتا ہے گویا صدقہ کے چار فائدے۔ صدقہ' نقصان' چوری' ڈکیتی وغیرہ ہر مصیبت کے مقابلہ میں رکاوٹ ہے۔ صدقہ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ رب سے قریب کرتا ہے۔ جنت کی طرف ہدایت دیتا ہے جب صدقہ فقیر کے ہاتھ میں پہنچتا ہے تو دینے والے کو خطاب کر کے پانچ باتیں عرض کرتا ہے۔ اے خیرات کرنے والے! میں قلیل تھا تو نے مجھے کثیر بنا دیا۔ میں حقیر تھا تو نے مجھے عظیم بنا دیا۔ میں فانی تھا تو نے مجھے باقی کر دیا۔ میں دنیا کی گھومنے والی حقیر دولت تھا۔ تو نے اپنے صدق و اخلاص سے مجھے آخرت کی پائدار نعمت بنا دیا مہربانی کر کے مجھے برباد نہ کرنا' زندہ اور آباد رکھنا مجھے اخلاص کے پانی اور ایمان کی ہوا سے سرسبز رکھنا۔ مگر یہ تمام خوبیاں اس صدقہ میں ہیں جو اخلاص سے ہو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ریاء کار بندہ اس شخص کی طرح ہے' جس کے کیسہ میں ٹھیکریوں کے روپیہ بندھے ہوں لوگ اسے دیکھ کر مالدار سمجھیں۔ مگر بازار میں اس کی کوئی قیمت نہ ہو ایسے ہی ریاکار کو صرف لوگوں کی تعریف ملے گی۔ بازار قیامت میں اس سے کوئی سودا نہ خرید سکے گا۔ ضروری ہے کہ سکہ کی چاندی بھی کھری ہو اور اس کی مہر بھی درست' مال حلال اس کی چاندی ہے اور اخلاص اس کی مہر اس لئے بعض لوگ نابینا فقیروں کو خیرات دیتے ہیں۔ بعض علمائے کرام سوتے ہوئے فقیروں کے کپڑے میں کچھ باندھ آتے تھے۔ تاکہ اسے خبر نہ ہو کہ کون دے گیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔۔

گفت پیغمبر بیک صاحب ریا   صل انک لم تصل ای فتی
از برائے چارہ ایں خوف ہا   آمد اندر ہر نمازے اھدنا
کیں نمازم رامیا میز اے خدا   با نماز ضالین و اہل ریا

خیال رہے کہ دنیاداروں کو دکھانا اور انہیں راضی کرنا ریاکاری ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نیکیاں دکھانا اور انہیں راضی کرنا عین عبادت ہے کیونکہ ان کی رضاء میں رب کی رضا ہے۔ جس عمل سے حضور راضی نہ ہوں۔ اس سے رب بھی راضی نہیں۔ رب فرماتا ہے **واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ** ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا کہ آج آخر رات ہم تمہارے دروازے پر گئے اور تمہارا قرآن پاک سنا۔ تمہیں رب نے لحن داؤدی دیا ہے۔ عرض کیا کہ اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو اور بھی عمدہ طریقہ سے پڑھتا اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ اور شان حبیب الرحمان میں دیکھیں۔ دیکھو ہجرت کے بعد فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کو مکہ معظمہ میں رہنا حرام ہو گیا۔ سوائے معذورین کے جو لوگ وہاں رہے ان پر قرآن کریم میں سخت عتاب ہوا۔ حالانکہ مکہ معظمہ میں کعبہ' مقام ابراہیم عرفات و منیٰ سب تھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس وقت وہاں رہنے سے اللہ کے حبیب راضی نہ تھے۔ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو حکم دیا کہ کل فجر کے بعد جہاد میں روانہ ہو جائیں۔ سب چلے گئے ایک صحابی نے خیال کیا کہ آج جمعہ ہے۔ نماز جمعہ حضور کے پیچھے پڑھ کر جاؤں اور لشکر سے مل لوں گا۔ نماز جمعہ کے بعد حضور نے ٹھہر جانے کا سبب پوچھا انہوں نے ماجرا عرض کر دیا۔ فرمایا کہ جو ثواب ان لوگوں کو صبح نکل جانے اور جنگل میں ظہر پڑھنے کا مل گیا۔ وہ تم کو یہاں میرے پیچھے صدہا جمعہ پڑھنے کا نہیں مل سکتا کیوں؟ حضور انور کی رضا کی وجہ سے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ معاملات میں دنیوی اغراض کا شامل ہونا حق سے اعراض (منہ پھیرنا) کی علامت ہے۔ جس نے حق سے اعراض کیا اس نے باطل کو لیا اور جس نے باطل کو لیا اس نے اپنے اعمال کے حقوق باطل کر دیئے۔ جب تم نے فقیر پر صدقہ کا احسان جتایا تو معلوم ہوا کہ صدقہ سے تم طالب حق نہ تھے ورنہ تم فقیر کا احسان مانتے کہ اس نے تم سے چند پیسے لے کر تمہیں رب تک پہنچا دیا۔ ہمارے مشرب میں جنت حاصل کرنے یا جہنم سے بچنے کے لئے نیکی کرنا بھی غلطی ہے۔ عاشق کی نظر صرف محبوب پر چاہئے جب کسی بندہ پر عشق الٰہی غالب ہوتا ہے تو مال و اولاد اور نفس میں شرکت کی رگ کاٹ ڈالتا ہے۔ وہ اپنے کام کی اجرت دیدار یار کو قرار دیتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عاشقاں راشاد مانی و غم اوست   دست مزدو اجرت خدمت ہم اوست
غیر معشوق از تماشائی بود!!   عشق نہ بود ہرزہ سودائی بود
عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت   ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(روح البیان) مولانا غنیمت فرماتے ہیں :

برآمد بر در کسب فروشم   کہ من سیپارۂ دل می فروشم
بگفتہ قیمتش' گفتم نگاھے   بگفتہ کم ترک گفتم کہ گاھے

سیپارۂ دل کی قیمت یار کی نگاہ ناز ہے۔ اگر وہ کم کرائے تو نگاہ گاہ بگاہ کر لیا کرے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ قدرت

نے قریباً تمام چیزوں میں ظاہر و باطن رکھا ہے۔ ان دو کے ملنے سے چیز کام کی ہوتی ہے ان کے بغیر بے کار' درخت کی شاخیں ظاہر ہیں۔ جڑ باطنی' مکان کی چھت اور دیواریں ظاہر ہیں۔ بنیاد باطن انجن کا ڈھانچہ ظاہر ہے۔ مشین باطن۔ انسان کی آنکھ' ناک' کان' ظاہر ہیں۔ دل روح وغیرہ باطن۔ ظاہر چھپاؤ تو چیز خراب ہو جاتی ہے۔ باطن کھولو تو چیز برباد۔ اگر درخت کی جڑ' مکان کی بنیاد کھل جائیں تو درخت سوکھ جائے گا مکان خراب ہو جائے گا۔ ایسے ہی اعمال کا ایک ظاہر ہے دوسرا باطن ظاہری اعضاء سے عمل کی شکل ظاہر ہے دل کا اخلاص باطن۔ ریاکار کے عمل کا باطن کوئی نہیں لہذا برباد ہے۔ اس کی مثال رب تعالیٰ نے پتھر کی چٹان پر دانہ بونے سے دی ہے کہ اس درخت کی جڑ باطن نہ بنی برباد ہو گیا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا
اور کہاوت ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں مالوں اپنے کو تلاش کرنے کے لئے مرضی اللہ کی اور ٹھہرانے کے
اور ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی رضا چاہنے میں خرچ کرتے ہیں اور اپنے دل جمانے کو
مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا
لئے دلوں اپنوں کو مثل کہاوت اس باغ کے ہے جو اونچی جگہ میں ہے کہ پہنچا اسے تیز مینہ پس دے پھل
اس باغ کی سی ہے جو بھوڑ پر ہو اس پر زور کا پانی پڑا تو دونے میوے لائے
ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
اپنے دو دوگنے پس اگر نہ پہنچے اسے تیز مینہ اوس اور اللہ ساتھ اس کے جو کرتے ہو
پھر اگر زور کا مینہ اسے نہ پہنچے تو اوس ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے
بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾
دیکھنے والا ہے۔
کام دیکھ رہا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں باطل اور غیر مقبول صدقوں کی ایک مثال دی گئی تھیں۔ اب صدقات مقبولہ کی نہایت نفیس مثال ارشاد ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں صدقات باطل ہونے کے اسباب بیان ہوئے' طعنے و ایذا وغیرہ اب قبولیت صدقات کے اسباب بتائے جا رہے ہیں۔ یعنی اخلاص اور اطمینان قلب۔ **تیسرا تعلق:** پہلے بھی صدقہ مقبول کی دانہ سے مثال دی جا چکی ہے۔ اب اس کی مثال بہترین باغ سے دی جا رہی ہے۔ یعنی پہلے صدقہ کامل کی مثال تھی اور اب کامل تر کی۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ریا کے اعمال خصوصاً صدقے کا ذکر تھا۔ اب رضائے اعمال خصوصاً صدقات کا ذکر ہے۔ صدقات تین طرح کے ہیں۔ ریاء کیلئے' طلب حیثیت کیلئے' رب کی رضا کیلئے۔ پہلا صدقہ بدترین ہے۔ تیسرا بہترین دو درمیانی' درمیانی ہے۔

تفسیر **ومثل الذین ینفقون اموالھم** مثل بمعنی مشہور مثال یعنی کہاوت ہے **الذین** سے مسلمان مراد ہیں کیونکہ انہی کی خیرات قبول ہوتی ہے۔ نفقہ سے صدقات و خیرات اور اموال سے ہر قسم کے مال مراد۔ اموالھم فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ جب وہ ان کے اپنے ہوں تب خیرات کریں۔ (یعنی زندگی و تندرستی میں نہ مرتے وقت) مرے بعد مال ورثاء کا ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ قیمت اجرت ہدیہ نذرانہ عطیہ یہ کام نفقے ہیں۔ اگر یہ رضاء الٰہی کے لئے ہوں تو سب کا ثواب ہے حج کی سواری کا کرایہ مسجد کی زمین خرید نا فقیر کو تو کچھ دینا بچوں پر خرچ یہ سب ینفقون میں داخل ہے۔ یعنی ان مسلمانوں کی کہاوت جو اپنے مال خیرات کرتے ہیں۔ **ابتغاء مرضات** مرضات باب افتعال کا مصدر ہے۔ بغی بمعنی طلب و تلاش سے بنا۔ کہا جاتا ہے بغیت۔ خیال رہے کہ باغی بغاوت سے ہے نہ کہ بغی سے یہاں ینفقون کا مفعول لہ ہے لام پوشیدہ۔ مرضات بمعنی رضا ہے یعنی اللہ کی رضا تلاش کرنے کیلئے بعض نے کہا کہ ابتغاء بمعنی اسم فاعل ینفقون کے فاعل سے حال ہے۔ ابتغاء اور مرضات میں دو طرف اشارہ ہے ایک یہ کہ تلاش کرنے والا ہر جگہ پر دروازہ پر جستجو کرتا ہے۔ دنیا کا متلاشی نوکری تجارت کاشت غرضیکہ جہاں تک اس کا بس چلتا ہے وہاں تک کاروبار کرتا ہے گمشدہ پیسے کا جویاں ہر دروازے پر ہر محلہ پر ہر شہر میں ڈھونڈھتا ہے لہٰذا طالب مولیٰ کو چاہئے کہ اسے ہر دروازے پر ڈھونڈے جتنی نیکیاں کر سکے کرے حضرات اولیاء اللہ کے آستانوں کی حاضری دے۔ ہر جگہ صدقہ دے حج زکوٰۃ نفلی صدقے غرضیکہ صدقات کا تخم ہر جگہ بکھیرے نہ معلوم کہاں اور کب اگ پڑے ہر طلب میں جیئے جستجو میں مرے۔ دوسرے یہ کہ رب کی رضا چاہے بلکہ مرضات چاہے پوری پوری اور خالص اس کی رضا تلاش کرے جس میں اپنے نفع کی خواہش کا شائبہ نہ ہو۔ حتیٰ کہ جنت حاصل کرنے دوزخ سے بچنے کی آرزو بھی شامل نہ ہو۔ محض رضاء الٰہی کی نیت ہو وہ چیزیں مل ہی جائیں گی جسے بادشاہ مل گیا اسے سب کچھ مل گیا۔

مروت نہ باشد کہ اہل صفا بخواہند غیر خدا از خدا

وتثبیتا من انفسھم تثبیت ثبات سے بنا اس کے معنی تصدیق یا یقین یا تحقیق یا قرار دینا برقرار رکھنا ہے۔ من یا تو زائدہ ہے یا تبعیضیہ یا ابتدائیہ یا بمعنی لام (روح المعانی و کبیر وغیرہ) یہ ترکیب میں یا تو ابتغاء پر معطوف ہے اور ینفقون کا مفعول لہ یا یثبتون فعل محذوف کا مفعول مطلق یعنی اپنے نفس کو سکون و قرار دینے کے لئے خیرات کرتے ہیں کہ عبادات سے دل کا چین ہے یا پہلے تحقیق کر لیتے ہیں کہ یہاں خرچ کرنے سے رب راضی ہو گا یا نہیں پھر خرچ کرتے ہیں۔ یا دلی اطمینان اور قبولیت کے یقین پر خرچ کرتے ہیں یا صداقت ایمان پر خرچ کرتے ہیں۔ یا اپنے نفسوں کو عبادت کا عادی بنانے کیلئے یا اپنے بعض نفس کو ایمان پر ثابت رکھنے کیلئے خیرات کرتے ہیں یا خوشی سے اور رب تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے خیرات کرتے ہیں کہ اس نے ہم کو اس عبادت کی توفیق بخشی زکوٰۃ کو بوجھ ٹیکس سمجھ کر نہیں دیتے۔ **کمثل جنۃ بربوۃ** کاف تشبیہ کا اور مثل بمعنی کہاوت ہے جنت کا مادہ جن بمعنی چھپنا ہے۔ جو باغ چار دیواری سے محفوظ کیا جائے وہ جنت کہلاتا ہے فراء نے کہا کہ بستان ہر باغ کو کہتے ہیں اور جس باغ میں کھجوریں ہوں وہ جنت اور جس میں انگور ہوں وہ فردوس کہلاتا ہے۔ (خازن) ربوۃ ربو سے بنا بمعنی زیادتی اور بلندی اسی لئے سود اور اونچی کھیتی کو ربو کہا جاتا ہے اونچی ٹیلی کو بھی رابیہ کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اونچی اور اعلیٰ درجہ کی ہموار زمین کو ربوہ بولا جاتا ہے جو دریا کے سیلابوں اور شہر کے گندے پانیوں سے محفوظ رہے۔ جس کے درخت خوش نما اور پھل بے شمار

ہوں یعنی مسلمانوں کی خیرات اس باغ کی طرح ہے۔ جو بلند اور اعلیٰ درجہ کی زمین میں لگا ہو۔ **اصابھا وابل** اصاب اصابتہ سے بنا، بمعنی تیز بوندوں والی بارش اس لفظ کی تحقیق پچھلی آیت میں ہو چکی۔ **فاتت اکلھا ضعفین۔** اکل' اکلتہ کی جمع ہے۔ بمعنی لقمہ اور کھانے کے قابل غلہ' یہاں مراد باغ کے پھل ہیں۔ بعض نے کہا کہ اکل طعمہ کا ہم معنی ہے ابو زید نے کہا کہ اکل بمعنی لذت بھی آتا ہے۔ **ضعفین۔ ضعف** کا تثنیہ ہے یہ بمعنی مثل بھی آتا ہے اور بمعنی دگنا بھی یعنی اس باغ نے تیز بارش کی وجہ سے اپنے پھل دو مثل یعنی دگنے دیئے یا دگنے کے دگنے یعنی چوگنے دیئے۔ بعض نے فرمایا کہ تثنیہ کثرت کیلئے جیسے **فارجع البصر کرتین** یعنی اس نے بے شمار پھل دیئے (کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ کسی فقیر کو ناگہانی آفت یا مصیبت سے بذریعہ صدقہ بچالینا اور کسی کی آڑی حاجت نکال دینا کسی کسی کو میسر ہوتا ہے۔ اور یہ ہی وہ تیز بارش کی مثل ہے۔ جس سے اس کے پھل بہت ہوتے ہیں۔ اور کسی مسلمان کو پھانسی دینا بد ترین جرم ہے۔ جو بندہ مومن کی مدد کرتا ہے تو رب تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے آج مسلمان یہ سبق بھول گئے مومن کو پھانس دینا کمال سمجھتے ہیں **فان لم یصبھا وابل فطل۔** طل چھوٹی بوندوں والی ہلکی بارش کو کہتے ہیں بعض درختوں کو اوس یا شبنم ہی کافی ہوتی ہے۔ **واللہ بما تعملون بصیر** یہ **مخلصین** منافقین سب ہی سے خطاب ہے۔ یعنی اے لوگوں اللہ تمہارے سارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: جو لوگ رضاء الٰہی کی طلب میں دلی اطمینان اور تصدیق قلبی کی بنا پر اپنے مال خیرات کرتے ہیں۔ ان کی خیرات کی مثال اس باغ کی سی ہے۔ جو اعلیٰ اور قابل پیداوار بلند میدان میں ہو کہ نہ وہاں گندی نالیوں کا پانی پہنچے اور نہ دریاؤں کے سیلاب' نہ گندی ہوائیں کہ جب اسے تیز بارش مل جائے تو دیگر باغوں سے دگنے پھل دے اور اگر خشک سالی ہو جائے تو اسے شبنم ہی کافی ہو کہ اور باغ خشک ہو جائیں مگر یہ جب بھی پھل دے گا۔ ایسے ہی مسلمانوں کی خیرات ہے کہ کبھی کمال اخلاص اور اعلیٰ مصرف میں خرچ ہو جانے کی وجہ سے انہیں دنیا میں بھی صدقہ کا نفع مل جاتا ہے اور آخرت میں بھی اور کبھی محض اخلاص کی وجہ سے اگر دنیا میں بدلہ نہ بھی ملے تو آخرت میں ضرور ملتا ہے۔ غرضیکہ اس کا صدقہ کبھی برباد نہیں جاتا کبھی کسی مصیبت زدہ کی دعا کی برکت سے ان کی آئی ہوئی مصیبتیں بھی ٹل جاتی ہیں۔ قرض بھی ادا ہو جاتا ہے۔ رب کی رضا حاصل ہوتی ہے اور جنت مل جاتی ہے اگر ان کے صدقہ کو ایسی جوش کی دعا نہ ملے تب بھی رضاء الٰہی اور جنت کا استحقاق حاصل ہو ہی جاتا ہے خیال رہے کہ یہاں یا تو تشبیہ مرکب ہے یا مفرد' مسلمان گویا قابل کسان ہے۔ اس کا صدقہ بمنزلہ بیج' بہترین مصرف گویا عمدہ زمین کہ جہاں طعن و ایذا وغیرہ کے گندے پانی اور ریا اور نام و نمود کی گندی ہوائیں نہیں پہنچتیں دینے والے کا کمال اخلاص اور مصیبت زدہ فقیر کی جوش دل کی دعا تیز بارش ہے۔ دنیا میں مال کا بڑھنا' بلاؤں کا ٹلنا' آخرت میں رب کی رضاء' جہنم سے نجات' جنت کی لذات' اس کا دگنا پھل خیرات کے وقت کمال اخلاص کا نہ ہونا' یا کسی مصیبت زدہ کی پر جوش دعا کا نہ ملنا' یہ گویا تیز بارش کا پہنچنا ہے اور اصل اخلاص یہ گویا شبنم ہے۔ رب تعالیٰ سب کے اعمال سے خبردار ہے۔ بقدر عمل جزاء عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اس صدقہ کو جو رضاء الٰہی کے لئے ہو باغ سے تشبیہ دی ہے نہ کھیت سے۔ یہ چند وجہ سے ہے ایک یہ کہ کھیت صرف ایک بار ہی پھل دیتا ہے۔ پھر کٹ جاتا ہے مگر ایک بار کا لگا ہوا باغ ہمیشہ پھل دیتا ہے۔ اچھے مومن کا صدقہ مقبول دنیا' حشر' قبر ہر جگہ پھل دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کھیت صرف پھل دیتا ہے سایہ ٹھنڈک زینت نہیں دیتا مگر باغ پھل بھی دیتا ہے' سایہ رونق بھی دیتا ہے۔

ایسے مومن کا صدقہ مقبول ثواب کے پھل بھی دیگا اور قیامت میں سایہ و رونق بھی۔ تیسرے یہ کہ کھیت کی نگرانی آخر تک کرنی پڑتی ہے مگر باغ کی نگرانی ایک بار کرلی گئی پھر ہمیشہ کیلئے فارغ ہوگئے نہ اسے پانی دینے کی ضرورت نہ صفائی کی حاجت مومن مرتے وقت تک اپنے صدقہ کی نگرانی کرتا ہے۔ پھر ابد الاباد تک وہ صدقہ محفوظ رہتا ہے چوتھے یہ کہ اگر کھیت پر آفت آجائے تو بالکل بے کار ہو جاتا ہے۔ لہذا اگر باغ کو آفت پہنچ جائے تو صرف پھل برباد ہوں گے لکڑی وغیرہ فائدہ دیگی۔ ایسے ہی مومن کا صدقہ اگر دنیا کا کام بھی نہ دے تو دوسری جگہ فائدہ مند ہے پانچویں یہ کہ کھیت ایک ہی پھل دیتا ہے۔ مگر باغ قسم قسم کے پھل دیتا ہے ایک باغ میں صدہا قسم کے درخت ہوتے ہیں۔ ہر درخت کا پھل علیحدہ ایسے ہی مومن کا مقبول صدقہ بہت سے پھل دیتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** چار چیزیں خیرات کو باطل کرنے والی ہیں۔ بے ایمانی' ریاکاری' احسان جتانا' فقیر کو ایذا پہنچانا اور دو چیزیں خیرات کو قبول کرنے والی' ایمان اور اخلاص **دوسرا فائدہ:** بوجھ یا ٹیکس سمجھ کر صدقہ دینا غیر مقبول ہے۔ خوش دلی سے ادا کرنا ضروری کہ تثبیتا من انفسھم کے ایک یہ بھی معنی کئے گئے **تیسرا فائدہ:** صدقہ مقبول کے بھی مختلف درجے ہیں بعض بہت نافع' بعض کم جیسے کہ تیز بارش اور شبنم کی مثال سے معلوم ہوا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: تم نے تثبیتا کو مفعول لہ بنایا' اور معنی یہ کئے کہ خیرات کریں دل کو سکون دینے کیلئے حالانکہ سکون سے خیرات ہوتی ہے نہ کہ خیرات سے سکون؟ **جواب** محبت مال اور بخل وغیرہ نفس کی خاص صفتیں ہیں خیرات کے وقت نفس مخالفت کرتا ہے اور صدقہ دینے والے کا مقابلہ' جو کوئی اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خیرات کئے جائے تو آخر کار وہ اس کا عادی بن جاتا ہے اور نفس اس کی مخالفت چھوڑ دیتا ہے۔ تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ نفس کی طاقت توڑنے اور اسے مغلوب کرنے اور خیرات کا عادی بنانے کیلئے جو صدقہ کریگا اس کو یہ درجہ ملے گا۔ **دوسرا اعتراض:** من انفسھم میں من تبعیضیہ کیونکر درست ہے۔ نفس شیئت کا جزو نہیں۔ **جواب:** نفس زندگی اور مال کا عاشق ہے۔ جب خیرات کرکے اس کو دبایا گیا تو یہ بعض اعتبار سے دب گیا۔ اور جہاد سے دبایا گیا تو بھی بعض لحاظ سے دبایا گیا۔ اور اگر خیرات اور جہاد دونوں سے دبایا گیا تو پورا دب جاتا ہے گویا مال نفس کا جزو ہو چکا ہے۔ (کشاف و کبیر) **تیسرا اعتراض:** اونچی زمین پر تو پیداوار کم ہوتی ہے کہ وہاں تک نہروں کا پانی نہیں پہنچتا۔ اور وہاں کی ہوا مضر ہے۔ پھر یہ تشبیہ کیوں صحیح ہوئی۔ **جواب:** بلند زمینوں میں پیداوار زیادہ اس کے پھل اعلیٰ ہوتے ہیں۔ پہاڑی میوے' میدانی میووں سے بڑے ہوتے ہیں نیز ربوہ سے اتنی اونچی زمین مراد نہیں کہ جہاں تک پانی ہی نہ پہنچے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ نشیب میں نہ ہو۔ جہاں نالیاں گرتی ہیں اور زمین گندی رہتی ہے۔ اور بہت تری کی وجہ سے پیداوار اچھی نہیں ہوتی۔

تفسیر صوفیانہ: اعمال مثل تانبہ کے ہیں اور صدق و اخلاص ان کی کیمیا اس سے تانبہ سونا ہو جاتا ہے ایسے ہی اخلاص سے اعمال مقبول' دنیا میں اضطراب ہے اور دین میں سکون رسوم اور حرام موقعوں پر خرچ کرنے سے نفس تو خوش ہوتا ہے مگر روح بے چین اور اللہ کے لئے خیرات کرنے پر اگرچہ اولاً نفس کو تکلیف ہوتی ہے۔ مگر روح کو تسکین۔ عوام مال خرچ کرتے ہیں۔ خواص اعمال اور خاص الخاص لوگ جان جیسا خرچ ویسی ہی جزاء' مولینا فرماتے ہیں۔

آں درم دادن سخی را لائق است جان سپردن خود سخائے عاشق است

نان وہی از بہر حق نانت دہند　　جان وہی از بہر حق جانت دہند

در شریعت مال ہر کس مال اوست　　در طریقت ملک ما مملوک دوست

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صدقہ فقیر کے ہاتھ میں پہنچ کر نجی سے کہتا ہے کہ اب تک تو میرا محافظ تھا اور اب میں تیرا محافظ ہوں۔ اب تک میں تیرا دشمن تھا۔ اب سے تیرا دوست ہوں۔ مکحول شامی فرماتے ہیں کہ صدقہ کرتے وقت جہنم رب سے درخواست کرتا ہے کہ مولا مجھے سجدۂ شکر کی اجازت دے کہ امت محمدیہ میں سے ایک شخص آزاد ہوا۔ کیونکہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حیا آتی ہے کہ ان کے امتی کو عذاب دوں مگر تیری اطاعت ضروری ہے۔ (روح البیان) ثواب کی نیت سے خیرات کرنا بھی اخلاص ہے۔ مگر رضائے الٰہی رب الارباب کی نیت سے خیرات کامل تر اخلاص کہ اس کی جزاء رفع درجات ہے اور اس کی جزاء قرب حق دولت وصال اور شہود جمال ذوالجلال جنت و نعیم تو نفع میں ہیں۔ وہ جنت کا طالب مگر اس کی جنت طلبگار۔ اس پر یہ صادق آتا ہے **فاتت اکلها ضعفین** پہلے کے حق میں یہ جملہ ہے **فان لم یصبها وابل فطل** صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یوں تو رب تعالیٰ کی ہر صفت کمال بے مثل ہے مگر چند امور قابل لحاظ ہیں۔ دولت مند انسان غریب کے حقیر ہدیہ کو نظر میں نہیں لاسکتا۔ مگر رب غنی اخلاص کے ایک پیسہ سے خوش ہوتا ہے۔ دولت مند زیادہ مانگنے سے خفا ہوتے ہیں۔ مگر رب تعالیٰ کے دروازہ پر بے شمار فقراء کا ہر وقت ہجوم اور سب کی حاجت روائی مولانا فرماتے ہیں۔

اے کہ باہروں ترا راز دگر　　ہر گدار بر ورت ناز دگر

چاہئے کہ اپنے اعمال میں رضائے الٰہی کی نیت کرے کہ تمام نعمتیں اس کے تابع ہیں۔ مالک کو مقصود سمجھو تو ہر مقصود خود بخود موجود ہوگا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ خرچ فی سبیل اللہ عام ہے اور خرچ رضاء الٰہی کے لئے خاص۔ جنت حاصل کرنے، دوزخ سے بچنے، اپنے گناہوں کی معافی چاہنے، نعمت الٰہی پر صدقہ کرنے اور رب کو راضی کرنے کیلئے خرچ یہ تمام فی سبیل ہیں۔ مگر مرضات اللہ خرچ صرف وہی ہے جس میں اپنی کوئی دینی و دنیاوی غرض شامل نہ ہو۔ نہ حصول جنت کی نہ نجات دوزخ کی صرف رب کو خوش کرنا منظور ہے اس لئے رب نے پہلے خرچ فی سبیل اللہ کو اس دانہ سے تشبیہ دی جس سے سات سو دانہ پیدا ہوں اور اس آیت میں خرچ مرضات اللہ کو پورے باغ سے تشبیہ دی یہ باغ اس دانہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے خرچ فی سبیل اللہ ابتدائی منزلیں ہیں اور رضاء مولیٰ کیلئے خرچ سالک کی انتہائی منزلیں جو کسی خوش نصیب کو کبھی نصیب ہوتی ہے انسان اس کی کوشش ضرور کرے مگر اس کے انتظار میں خرچ فی سبیل اللہ سے باز نہ رہے۔ کئے جائے کبھی یہ منزل بھی میسر ہو جائے گی۔

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ
کیا پسند کرتا ہے کوئی تمہارا یہ کہ واسطے اس کے باغ کھجوروں اور انگوروں سے بہتی ہوں نیچے
کیا تم میں سے کوئی یہ پسند رکھے گا کہ اس کے پاس ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ
سے اس کے نہریں واسطے اس کے بیچ اس کے پھلوں میں سے ہے اور پہنچا اس کو بڑھاپا
جس کے نیچے ندیاں بہتیں اس کے لئے اس میں ہر قسم کے پھلوں سے ہے اور اسے بڑھاپا آیا

أَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ

اور واسطے اس کے اولاد ہے کمزور پس پہنچا اس باغ کو بگولا کہ بیچ اس کے آگ ہے پس جل گیا

اور اس کے ناتواں بچے ہیں تو آیا اس پر ایک بگولا جس میں آگ تھی تو جل گیا

فَاحْتَرَقَتْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۶۶﴾

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ واسطے تمہارے آیتوں کو تاکہ تم غور کرو

ایسا ہی بیان کرتا ہے اللہ تم سے اپنی آیتیں کہ کہیں تم دھیان لگاؤ

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** اس رکوع میں تین قسم کے صدقات کا بیان ہوا ہے۔ پہلی قسم وہ جس میں صحت اور بقاء کے شرائط پائے جائیں۔ جس کا ذکر شروع رکوع اور مثالوں کے ضمن میں ہوا۔ دوسری قسم وہ جس میں شرط صحت یعنی ایمان و اخلاص ہی نہ پایا جائے اس کا ذکر **کالذی ینفق مالہ** میں ہوا۔ اب تیسری قسم کا بیان ہے کہ جس میں صحت کی شرط بقاء یعنی احسان اور ایذا سے محفوظ ہونا نہ ارد **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں صدقہ غیر مقبول کی وہ صورت بیان کی گئی کہ جس کی زمین ہی خراب ہو مگر اب اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ جبکی زمین بھی عمدہ ہو اور اسے پانی بھی مناسب ملے مگر خراب ہوا سے بگڑ جائے۔ گویا پہلے اس صدقہ کا ذکر تھا۔ جو اصل سے باطل ہے۔ اب اس کا ذکر ہے جو اصل سے صحیح اور کسی عارضہ سے برباد۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اعلیٰ درجہ کے صدقے مقبول کی مثال دی گئی تھی۔ اور اب اس صدقہ کی مثال دی جا رہی ہے۔ جو اصل میں اعلیٰ اور اخیر میں باطل ہو۔

تفسیر: **ایود احدکم** یہ استفہام انکاری ہے **یود** ودسے بنا بمعنی کامل محبت اسی سے ودود ہے۔ احدکم میں یا مسلمانوں سے خطاب ہے یا کفار سے یا سب سے **ان تکون لہ جنۃ من نخیل و اعناب** یہ جملہ **یود** کا مفعول ہے۔ جنت گھنے باغ کی زمین کو بھی کہتے ہیں اور درختوں کو بھی۔ مگر یہاں درخت مراد ہیں۔ کیونکہ درختوں ہی کے نیچے نہر جاری ہوتی ہے نہ کہ زمین کے نیچے اور لو یا بگولے سے درخت جلتے ہیں نہ کہ زمین 'من بیانیہ ہے کائنتہ پوشیدہ کے متعلق اور یہ جنت کی صفت ہے۔ **نخیل** یا تو **نخل** کی جمع ہے یا اسم جمع یا اسم جنس بمعنی درخت کھجور' **اعناب**' **عنبۃ** کی جمع ہے عنب انگور کی بیل اور پھل دونوں پر بولا جاتا ہے۔ جہاں کہیں قرآن میں نخل اور عنب جمع ہو کر آتا ہے تو نخل سے درخت کھجور مراد ہوتا ہے نہ کہ پھل' اور اعناب سے انگور کا پھل مراد ہوتا ہے نہ کہ بیل (روح المعانی) یا تو یہ مراد ہے کہ وہ کھجور اور انگور ہی کا باغ ہے یا یہ کہ اس باغ میں انگور اور کھجور بھی کثرت سے ہیں **لہ جنۃ** میں چند لطیف اشارے ہیں ایک یہ کہ باغ اس بڈھے کا اپنا ہے کسی دوسرے کا پٹہ پر لیا ہوا نہیں ہے دوسرے یہ کہ وہ باغ خود اس بڈھے نے ہی لگایا ہے اس کے باپ دادا کا لگایا ہوا نہیں خود اپنی محنت کی چیز بڑی پیاری ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ باغ ہے کھیت نہیں کھیت جلنے پر صدمہ کم ہوتا ہے یا مالک سمجھتا ہے کہ میں نے ابھی بویا تھا۔ اور اب دوسرا بو ہوں گا۔ باغ جلنے کا صدمہ زیادہ کہ عمر بھر میں ایک بار بویا جاتا ہے۔ اس کے جل جانے کے بعد اب دوسرا باغ بو کر بہار نہیں کھا سکتا چوتھے یہ کہ وہ باغ ایک چمن کہ نہ تھا سال میں چار ماہ پھل دے کر آٹھ ماہ یوں ہی رہے۔ بلکہ ہر قسم

کے پھلوں کا باغ تھا جس کے پھل سال بھر تک بازار میں پہنچتے ہیں آمدنی ہوتی رہتی ہے- پانچویں یہ کہ اس باغ میں کھجور بکثرت ہے- جس کا پھل 'لکڑی' پتے وغیرہ سب ہی کام آتے ہیں- عرب لوگ کھجور کا شربت گڑ بناتے اس میں چائے پکاتے ہیں- اس کے تنے شہتیر شاخوں کی کڑیاں- پتوں کی چھت مکان پر ڈالتے ہیں غرضیکہ کھجور ان کی زندگی کا سہارا ہے- **تجری من تحتھا الانھر** یہ جملہ جنت کی صفت ہے' یا اس کا حال- انھار سے مراد پانی کی چوڑی نالیاں ہیں- جو مختلف سمتوں میں بہتی ہوں **لہ فیھا من کل الثمرت**- لہ پوشیدہ مبتداء کی خبر ہے ثابت کا متعلق فیھا ثابت کی ضمیر سے حال اور من کل الثمرات اس پوشیدہ مبتداء کی صفت من یا زائدہ ہے یا بیانیہ یعنی اس باغ میں باغ والے کیلئے ہر قسم کا رزق ہے ثمرات سے بہت پھل مراد ہیں- نہ کہ عام کیونکہ وہ باغ تو صرف انگور کھجور کا ہی ہے اور اگر مختلف میووں کا بھی ہو تب بھی عام پھل مراد نہیں لئے جاسکتے- کیونکہ ایسا باغ دنیا میں کوئی نہیں جس میں دنیا بھر کے سارے پھل ہوں بعض زمین بعض پھلوں کیلئے موزوں ہوتی ہے- اور دوسری دوسرے پھلوں کیلئے اس لئے تمام پھلوں کا اجتماع ایک زمین میں ہونا ناممکن ہے- بعض علماء نے فرمایا کہ ثمرات سے مراد منافع ہیں- یعنی اس باغ سے مالک کو ہر قسم کا نفع ہے کہ پھلوں کو کھاتا ہے- درختوں کی لکڑیاں جلاتا اور ان سے عمارات بناتا ہے اور پیداوار کی قیمت سے اپنی ہر ضرورت پوری کرتا ہے- **واصابہ الکبر** ظاہر یہ ہے کہ واؤ حالیہ ہے اور قد پوشیدہ اور یہ جملہ یود کے فاعل کا حال- اور ہو سکتا ہے کہ عاطفہ ہو' اور تکون پر معطوف اور یہ ماضی بمعنی مضارع ہو' یا تکون بمعنی ماضی الکبر بمعنی بڑھاپا یعنی بڑی عمر' یعنی اس باغ کے سوا کسی اور ذریعہ سے وہ روزی حاصل نہیں کر سکتا- کیونکہ بوڑھا ہے- محنت مزدوری کے لائق نہیں **ولہ ذریۃ ضعفاء** یہ جملہ اصابہ کی ضمیر سے حال ہے- لہ خبر ذریۃ مبتداء ذریت ذر سے بنا بمعنی چھوٹی چیونٹی- اسی مناسبت سے ذریت کے ذروں کو ذرہ کہتے ہیں- یہاں چھوٹی اولاد کے معنی میں ہے- ضعفاء جمع ضعیف کی ہے جیسے امیر کی جمع امراء اور غریب کی جمع غرباء یعنی وہ باغ والا خود بڈھا ہو- اور اس کی اولاد کمزور' ناتواں کہ اس کا بوجھ بھی اسی پر ہو جس کی وجہ سے باغ کی اور بھی زیادہ حاجت ہو کہ اگر باغ نہ رہے تو خود بھی بھوکا مرے اور بچوں کو بھی بھوک سے بلکتے دیکھے- ماں باپ پر اولاد کی تکلیف بہت گراں ہوتی ہے- **فاصابھا اعصار**- **اعصار** عصر سے بنا بمعنی نچوڑنا' اصطلاح میں اس گھومنے والی ہوا کو کہتے ہیں جس میں غبار مینارے کی طرح بن کر گھومتا ہوا جاتا ہے- اسے عربی میں زوبعہ بھی کہتے ہیں- اردو میں بگولا' اعصار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جیسے کپڑے کو نچوڑتے وقت بل دیا جاتا ہے- ایسے ہی یہ ہوا بھی بل کھاتی ہوئی جاتی ہے یا یہ ہوا بادل کو نچوڑ دیتی ہے یا بھی جس جسم کو لگ جائے اس کا خون نچوڑ کر مردہ کر دیتی ہے خیال رہے کہ اعصار کی تنوین تعظیمی ہے یعنی عظیم الشان بگولا' اور بگولا بھی عام نہیں' بلکہ **فیہ نار** اس میں غضب کی آگ ہے چونکہ اعصار مذکر ہے- اس لئے ضمیر مذکر لائی گئی اور نار سے مراد تیز لو ہے **فاحترقت** یہ حرق سے بنا بمعنی جلنا اس کا فاعل جنت ہے باب افتعال میں آکر مبالغہ کے معنی پیدا ہوئے- یعنی وہ باغ بالکل جل گیا کہ نہ پھل بچے نہ شاخیں نہ جڑ **کذلک**' ذلک سے یا تو اسی مثال کی طرف اشارہ ہے یا ساری مثالوں کی طرف **یبین اللہ لکم ایتہ** ان آیات سے قرآنی آیتیں مراد ہیں یا تمام دلائل قدرت **لعلکم تتفکرون** بمعنی کے ہے- (روح المعانی) تفکر بمعنی عبرت پکڑنا' یا فکر کا استعمال کرنا' اور قوت فکریہ کو حرکت دینا-

خلاصہ تفسیر: اے خیرات کرنے والو بھلا سوچو تو کہ تم میں سے یہ بات کسے پسند ہوگی کہ اس کے پاس کھجور انگور کا گھنا باغ ہو- جس کے نیچے پانی کی نہریں چلتی ہوں' جس سے وہ باغ خوب ہرا بھرا ہو کہ دیکھنے میں بھلا معلوم ہوتا ہو اور اس میں ہر طرح کا آرام

بھی ہو اور خوب پھلوں سے لدا ہوا ہو یا کھجور' انگور کے علاوہ اس میں اور بھی ہر قسم کے پھل اور میوے ہوں اور باغ والا بڈھا ہو جس کی گزر اوقات اس باغ پر ہو کسی اور کمائی کے لائق نہ ہو۔ اس کے باوجود اس کے چھوٹے ناتواں بچے بھی ہوں جن میں کمانے کی قوت نہیں اور اس بڈھے کو ان بچوں سے خبر گیری کی کوئی امید نہ ہو۔ بلکہ ان سب کا بوجھ اسی پر ہے اور سب کا ذریعہ معاش یہ باغ ہی ہو۔ ایسی حالت میں اچانک اس باغ پر ایک لو کا بگولا آئے جس میں سخت مہلک آگ ہو۔ جس سے وہ ہرا بھرا باغ آن کی آن میں جل کر تباہ ہو جائے کہ نہ پھل رہے نہ شاخیں نہ پتے' نہ لکڑیاں' نہ جڑ بلکہ راکھ کا ڈھیر نظر آئے۔ اس وقت اس کا رنج و غم بیان سے باہر ہو گا۔ کہ اس بڈھے کا خرچ پورا' آمدنی کے اسباب ندارد' سخت بیکسی' بے بسی کا وقت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کوئی پسند نہ کرے گا اسی کی مثل یہ ہے کہ کوئی اولاً" صدقہ دے یا نیک اعمال کرے' جس کے قیامت میں کار آمد ہونے کی امید ہو بعد میں اس خیرات پر طعنہ دیکر یا ایذا پہنچا کر اسے برباد کر دے' جب قیامت کا دن آئے اور یہ سخت محتاج و مجبور ہو اور کوئی اسکی دستگیری کرنے والا بھی نہ ہو' اس وقت اسے عبادات کا باغ اجڑا ہوا اور پھل تباہ شدہ ملیں۔ بتاؤ اس دن اپنے کیسی بے بسی اور حسرت ہو گی۔ اور اسکی آرزوؤں کا کس بری طرح خون ہو گا۔ جب تم اس ہرے بھرے باغ کا اجڑنا پسند نہیں کرتے تو اپنے صدقات اور عبادات کے باغ کو ریاکاری' احسان و ایذا سے کیوں آگ لگاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے تا کہ تم ان میں سوچ و بچار کرکے اپنی حالت سنبھالو۔ خیال رہے کہ یہ تشبیہ' تشبیہ مفرد بھی ہو سکتی ہے اور مرکب بھی۔ ایمان باغ کی زمین ہے۔ مختلف اعمال اس کے پھل والے درخت' اخلاص اور اچھی نیت اس باغ کی نہریں امید ثواب اس باغ کے کچے پھل' جن کے پکنے کا انتظار ہو' یا احسان جتانا فقیر کو ایذا دینا' وغیرہ یہ آگ والا بگولا جس سے یہ باغ تباہ ہو جائے' قیامت کا دن گویا اس کا بڑھاپے کا وقت' نہ کام آنے والے اہل قرابت و اولاد اس کی کمزوریاں ذریت اس دن کی انتہائی پریشانی یہ گویا باغ والے کی حسرت ہے (روح المعانی وغیرہ نے بحوالہ بخاری و حاکم وغیرہ) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جماعت صحابہ کرام سے اس آیت کی تفسیر پوچھی۔ تو حضرت ابن عباس نے ان سے عرض کیا کہ یہ ہر اس شخص کی مثال ہے۔ جو پہلے نیکیاں کرے اور پھر شیطان اس سے گناہ کرا کے اس کے نیکیوں کے باغ کو آگ لگا دے۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے اسے بہت پسند فرمایا۔ اس قول کی بناء پر یہ آیت فقط صدقات کیلئے ہی نہیں' بلکہ ساری نیکیوں کیلئے ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ تبلیغ و وعظ کیلئے مثالیں بہت ضروری ہیں کہ اس سے غیر محسوس مثل محسوس ہو جاتا ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے بہت مثالیں بیان فرمائیں۔ ہم اس کی پوری تحقیق **ان اللہ لا یستحی ان یضرب** کی تفسیر میں کر چکے۔ دوسرا فائدہ: عمل کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔ زندگی میں سارے اعمال اس کچی کھیتی کی طرح ہیں' جس پر بہت سی آفتوں کا خطرہ ہے لہٰذا کوئی بھی اپنے اعمال پر نازاں نہ ہو۔ تیسرا فائدہ: رب کے افعال کو مجازاً" مخلوق کی طرف بھی نسبت کر سکتے ہیں کہ یہاں باغ کے جلانے اور برباد کرنے کو بگولے کی طرف نسبت کیا گیا۔ ورنہ فاعل حقیقی رب تعالیٰ ہے۔ چوتھا فائدہ ادب یہ ہے کہ بندہ بھلائی کو رب کی طرف اور برائی کو اپنی طرف نسبت دے دیکھو باغ کا جلانا بگولے کی طرف نسبت کیا گیا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **واذا مرضت فھو یشفین** جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو رب مجھے شفا

دے رہا ہے۔ بیماری کو اپنی طرف اور شفا کو رب کی طرف نسبت دی' خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو وداع کرتے وقت فرمایا **فاردت ان اعیبھا** میں نے چاہا کہ کشتی کو عیب ناک بنادوں عیب دار کرنے کو اپنی طرف نسبت کیا' وہاں بھی فرمایا **فاراد ربک ان یبلغا اشدھما** رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے جوان ہو جائیں یہ ہے ان حضرات کا ادب۔ پانچواں فائدہ جیسے دنیا میں کام بگاڑنا آسان ہے۔ گھر بنانا مشکل باغ لگانا مشکل مکان بنانا مشکل مگر انہیں اجاڑ دینا آسان' کسی کو دوست بنانا مشکل مگر دوستی ختم کر دینا آسان کنویں سے نکلنا مشکل ہے مگر گر جانا آسان۔ ایسے ہی آخرت کے متعلق سوچ لو کہ اسے بنانا مشکل ہے۔ بگاڑنا آسان ہے' شیطان کی لاکھوں برس کی عبادتیں صرف سجدہ کے انکار کر دینے پر برباد ہو گئیں برباد ہوتے ایک منٹ نہ لگا رب تعالیٰ بنانے کی توفیق دے۔

اعتراض: پہلا اعتراض یہ تشبیہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس باغ میں صرف کھجور اور انگور کے درختوں کا ذکر تھا مگر بعد میں فرمایا گیا کہ اس میں ہر قسم کے پھل ہو سکتے ہیں دو قسم کے درخت میں دو ہی طرح کے پھل ہوتے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا ہے کہ یا تو کھجور اور انگور کا ذکر عظمت کی وجہ سے کیا گیا ہے' ورنہ اس باغ میں ہر قسم کے درخت ہیں یا **من کل الثمرت** سے بہت سے انگور اور کھجوریں مراد ہیں۔ کل بمعنی کثیر۔ دوسرا اعتراض: **واصابہ الکبر** میں اصاب فعل ماضی ہے اس کا عطف تکون مضارع پر کیونکر صحیح ہے عطف میں معطوف اور معطوف علیہ یکساں چاہئیں؟ **جواب:** تفسیر سے معلوم ہوا کہ واؤ یا حالیہ ہے' یا اصاب بمعنی مضارع یا ان تکون بمعنی ماضی یعنی لو کانت ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت میں دو شخصوں کی مثال دی گئی ہے۔ ایک راہ حق پر خرچ کرنے والا دوسرا باطل رسموں میں کہ پہلے شخص کو اچھا بدلہ' دونوں جہاں میں عزت' رب تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے کو ضبطی اعمال' خسارہ مال' برائی حال اور اقبال و بال کانٹے بونے والا کانٹے ہی کاٹے گا۔ اور پھل کے بیج بونے والا عمدہ پھل' معاذ ابن جبل فرماتے ہیں کہ اپنے دین کو خالص کرو۔ تھوڑا عمل بھی کافی ہو گا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ریاء کے دو علاج ہیں ایک ریاء کے اسباب کا ختم کر دینا۔ دوسرے ریا کے شبہات سے بچنا' پندرہ شخصوں کا شیطان دشمن ہے۔ نبی' بادشاہ عادل' انکسار کرنے والا غنی' سچا تاجر' عاجزی کرنے والا عالم' خیر خواہ مومن' رقیق القلب مومن' تائب بندہ' متقی' ہمیشہ باوضو رہنے والا آدمی سخی مرد' خلیق لوگوں کو نفع پہنچانے والا' ہمیشہ تلاوت قرآن کرنے والا' تہجد گزار' دس شخصوں سے شیطان کو بہت محبت ہے۔ ظالم بادشاہ' غنی متکبر' بد دیانت بیوپاری' شرابی' چغل خور' ریاکار' سود خور' مال یتیم کھانے والا' زکوۃ نہ دینے والا' لمبی امیدیں رکھنے والا۔ ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ اپنی کشتی کی مرمت کرتے رہو۔ کیونکہ سمندر بہت گہرا ہے۔ زیادہ توشہ ساتھ لو کو سفر دراز ہے۔ اپنا بوجھ ہلکا رکھو۔ کیونکہ راستہ خطرناک ہے۔ عمل کو ریا سے پاک رکھو پر کھنے والا سمیع بصیر ہے۔ جہاں کسی کا کھوٹا نہیں چل سکتا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسی زمین سے پھل بوٹے' پھل پھول سبزے نکلتے ہیں اور اس زمین سے خار دار درخت اور زہریلی گیس زہریلے جانور نکلتے ہیں ایک ہی زمین اس کے مہر و قہر کی مظہر ہے یوں ہی ہمارا جسم گویا خیمہ ہے۔ اس سے ایمان' نماز' حج وغیرہ عبادات حاصل ہوتی ہیں۔ اور اسی سے کفر و شرک' گناہ وغیرہ صادر ہوتے ہیں۔ انسان بعض کام ایسے کر لیتا ہے جس سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور بعض بات ایسی بک دیتا ہے۔ جس سے ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ اس خیمہ میں دل و نفس دو متضاد چیزیں

جمع ہیں۔ دل کا میلان نیکیوں کی طرف ہے نفس کا میلان برائیوں کی طرف لگوایا ایک کمرہ میں رومی و حبشی بٹھا دیئے گئے ہیں۔ رومی کو گرمی کی برداشت نہیں اور حبشی کو سردی کا تحمل نہیں اس کشکش میں اللہ تعالیٰ ہی دستگیری کرے تو بیڑا پار ہو جائے کوشش کی جائے کہ عبادات و ایمان کا لہلہاتا باغ اجڑ نہ جائے مگر صرف اپنی کوشش پر اعتماد نہ کرے رب کی مہربانی مانگے۔ ہم ضعیفوں کو وہ ہی اپنی مہربانی میں لینے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو پاک چیزوں میں سے جو کمایا تم نے اور اس سے جو نکالا ہم نے
اے ایمان والو اپنی کمائیوں سے کچھ دو اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے نکالا اور خاص ناقص
اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ
واسطے تمہارے زمین سے اور نہ قصد کرو خراب کا اس سے خرچ کرتے ہو اور حالانکہ
کا ارادہ نہ کرو کہ دو اس میں سے اور تمہیں ملے تو نہ لوگے
لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ
نہیں ہو تم لینے والے اس کے مگر یہ کہ چشم پوشی کرو بیچ اس کے اور جانو کہ تحقیق اللہ
جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ ہے
حَمِيْدٌ (۲۶۷)
بے پرواہ حمد کیا ہوا ہے۔
سراہا گیا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں خیرات رد ہونے کے اسباب بیان ہوئے۔ اب قبولیت صدقہ کے اسباب بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** قبولیت صدقہ کیلئے بہت سی شرطیں ہیں۔ کچھ وہ جو خیرات کرنے والے میں ہونی چاہئیں جیسے اخلاص اور ریا وغیرہ سے دوری اور کچھ وہ جو مال میں ہونی چاہئیں۔ پہلی قسم کی شرائط کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا۔ دوسری قسم کی شرائط کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیتوں میں صدقے کو اصل سے برباد کرنے والے عیوب کا ذکر تھا۔ اب ان چیزوں کا ذکر ہے۔ جن سے صدقہ بالکل تو برباد نہیں ہوتا۔ مگر اعلیٰ درجہ کا مقبول بھی نہیں ہوتا۔

شان نزول: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت زکوٰۃ کے متعلق نازل ہوئی کچھ لوگ اپنے خرموں کے دو

حصے کر دیتے تھے۔ کھرے علیحدہ اور ردی علیحدہ جب صدقہ وصول کرنے والا ان کے باغ میں پہنچتا تو ردی میں سے دیتے اس پر یہ آیت کریمہ اتری (روح المعانی) تفسیر در منثور نے بحوالہ بیہقی و طبرانی و ابوداؤد و نسائی روایت کی کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صدقہ کا حکم دیا تو بعض لوگ ردی خرموں کے خوشے لے کر حاضر ہوئے۔ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ بعض روایت میں ہے کہ بعض انصاری ردی خرموں کے خوشے مسجد نبوی میں ٹانگ دیتے تھے۔ تاکہ اہل صفہ کھالیں۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ خرمے جھاڑ کر فرمایا کہ کیا ان کا خیرات کرنے والا ناقص ثواب ہی چاہتا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (در منثور و کبیر وغیرہ)

تفسیر: **یا یھا الذین امنوا** یہاں صرف مسلمانوں سے خطاب ہے۔ کہ ثواب کے مستحق وہی لوگ ہیں۔ کفار کیسا ہی نفیس مال خرچ کریں اجر کے ہرگز مستحق نہیں۔ **انفقوا من طیبت ما کسبتم** یہ امر وجوب کیلئے ہے۔ جیسا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معلوم ہوا اور خرچ سے صدقات واجبہ' زکوۃ' فطرے وغیرہ مراد ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ امر استحبابی ہو اور خرچ سے نفلی صدقے مراد ہوں۔ جیسا کہ دوسری روایتوں سے پتہ لگتا ہے۔ مگر پہلا قول قوی ہے۔ طیبات' طیبہ' کی جمع ہے۔ یہ خبیث کا مقابل ہے اس کے معنی حلال بھی ہیں اور کھرا بھی مگر یہاں کھرا مال مراد ہے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا اور ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی معنی مراد ہوں۔ یعنی شرعاً" اور طبعاً" پسندیدہ مال وہی ہو گا۔ جو حلال بھی ہو اور کھرا بھی۔ بعض علماء نے فرمایا کہ انفقوا سے حلال مال مراد ہے' اور طیبات سے کھرا۔ کیونکہ حرام مال کی خیرات بھی حرام ہے۔ در اصل طیبۃ طیب سے بنا بمعنی دل کی پسندیدگی۔ رب فرماتا ہے۔ **فانکحوا ما طاب لکم من النساء** اس لئے خوشبو کو طیب کہتے ہیں۔ کہ وہ پسند چیز ہے پھر کھری اور رچی ہوئی چیز کو طیب کہتے ہیں۔ اس لئے مدینہ منورہ کا نام طیبہ بھی ہے۔ یعنی صاف کی ہوئی چھانٹی ہوئی بستی کہ رب نے یہاں سے وبا نکال کر اسے مقام شفا بنا دیا۔ طیبات جمع فرما کر بتایا کہ اپنی ہر دل پسند چیز میں سے خیرات کرو۔ روپیہ' پیسہ' کھانا' پانی لباس پھل فروٹ وغیرہ میں مرغوب' پاکیزہ چیز سے خرچ کرو **ما کسبتم** میں ما یا موصولہ ہے اور کسبتم اس کا صلہ یا مامصدریہ بمعنی مکسوب' خیال رہے کہ کسب وہ ہر کام ہے۔ جو نفع کی غرض سے کیا جائے اس میں تجارتی مال سونا' چاندی' جانور وغیرہ سب ہی داخل ہیں۔ یعنی اے مسلمانو! اپنی کمائی میں سے کھرے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ بہترین خیرات وہ ہے جو اپنی کمائی سے ہو۔ کسب سے حلال کسب مراد ہے۔ لہذا ناچ گا کر جوئے شراب سے پیسہ کمانا ہی حرام ہے اور اس حرام کمائی سے خیرات کرنا بھی حرام ہے۔ اس لئے بعض لوگ خیرات میں سب وجہ میں بہت حلال کمائی خرچ کرتے ہیں۔ بعض محتاط لوگ قرض لے کر خیرات یا حج کرتے ہیں۔ پھر قرض اپنی کمائی سے ادا کرتے ہیں۔ **ومما اخرجنا لکم من الارض** واؤ عاطفہ ہے اور من تبعیضیہ' اور ما سے ہر قسم کی پیداوار مراد ہے۔ خواہ ترکاریاں ہوں یا پھل یا غلے وغیرہ یعنی اس میں سے بھی خیرات کرو جو ہم تمہارے لئے زمین سے نکالیں۔ **ولا تیمموا الخبیث**' **تیمموا** ام سے بنا بمعنی قصد امت تممت اور تامت و تممت سب کے ایک ہی معنی ہیں تیمم کو بھی اس لئے تیمم کہا جاتا ہے کہ اس میں پانی چھوڑ کر مٹی کا قصد ہے۔ خبیث طیب کا مقابل ہے۔ بمعنی ناپسندیدہ ہر خسیس چیز خبیث ہے۔ خواہ محسوس ہو یا معقول۔ غلط اعتقاد' برے افعال گندی چیزیں برے لوگ سب کو خبیث کہا جاتا ہے۔ جیسے **یحرم علیھم الخبئث** بمعنی گندی چیزیں **کانت تعمل الخبائث** بمعنی بد عملیاں۔

الخبیثت للخبیثین یعنی گندے لوگ۔ یہاں اگر طیب سے مراد حلال تھا تو خبیث سے حرام اور اگر اس سے کھرا مال مراد تھا تو خبیث سے ردی مال۔ اور اگر طیب سے مراد خوش دلی سے دیا ہوا مال تھا تو خبیث سے مراد ہوگا ناخوشی سے دیا ہوا مال غرضیکہ خبیث یا خبث بمعنی میل کچیل سے بنا یا خباثت یعنی باطنی و اندرونی نجاست سے بنا ہے ظاہری پاکی کو طہارت کہتے ہیں اور ظاہری گندی کو نجاست اور باطنی پاکی کو طیب کہتے ہیں۔ باطنی ناپاکی کو خباثت۔ یہاں طیب و خبیث کی بہت تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ یعنی حرام اور ردی مال کی خیرات کا ارادہ بھی نہ کرو۔ **منہ تنفقون** جار مجرور 'تنفقون کے متعلق ہے اور ضمیر کا مرجع خبیث ہے متعلق کے مقدم سے حصر کا فائدہ ہوا یہ جملہ تیمموا کے فاعل سے حال ہے یعنی کہ صرف ردی ہی سے خرچ کرو۔ **ولستم باخذیہ** یہ تنفقون کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی تم ردی مال خیرات تو کرتے ہو مگر خود تم اس کا لینا گوارا نہیں کرتے **الا ان تغمضوا فیہ** یا تو ظرف ہے اور ان' سے پہلے وقت پوشیدہ یا 'ب' پوشیدہ ہے 'تغمضوا' اغماض سے بنا بمعنی آنکھ بند کرنا۔ غفلت سستی کو بھی اسی مناسبت سے اغماض کہا جاتا ہے۔ چھپی بات کو کلام غامض اور محفوظ جگہ کو نار اض غمض کہتے ہیں۔ یہاں درگزر چشم پوشی مراد ہے **واعلموا ان اللہ غنی حمید ○** یا تو بمعنی اسم فاعل ہے یا اسم مفعول یعنی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خیرات سے بے پرواہ اور مستحق حمد یا خیرات کرنے والوں کی حمد فرمانے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! راہ خدا میں اپنی حلال اور کھری کمائیوں اور اپنی زمین کی پیداوار میں سے اعلیٰ چیزیں خرچ کرو۔ ردی اور حرام چیزوں کے خیرات کرنے کا ارادہ بھی نہ کرو۔ کہ تم خیرات تو ردی میں سے کرو اگر تمہیں کوئی ردی چیز ہدیہ دے' یا تمہارا حق ردی سے ادا کرے تو تم کبھی اسے نہ لو ہاں اگر درگزر کر جاؤ۔ اور چشم پوشی اور رعایت سے کام لو اور قبول کر لو تو دوسری بات ہے تو جو چیز تم لینا نہیں پسند کرتے وہ خدا کیلئے کیوں دیتے ہو۔ یقین رکھو کہ رب تعالیٰ صدقات کا محتاج نہیں۔ جو ایسی ناکارہ چیزوں سے بھی خوش ہو جائے۔ وہ بڑا غنی تعریف کے لائق ہے یعنی ذات و صفات میں کامل ہے تو اس کے دربار میں بھی کامل۔ اور قابل تعریف چیز ہی پیش کی جائے یا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ غنی اور بندوں کے اعمال کی تعریف فرمانے والا ہے۔ تو چاہئے کہ قابل تعریف چیز پیش کی جائے تاکہ دینے والے کی تعریف ہو۔ خیال رکھو کہ غنی کی بارگاہ میں وہ چیز نذرانہ یا ہدیہ پیش کی جاتی ہے۔ جو وہ خود پسند کرے بادشاہ کو ہدیہ اعلیٰ دیا جاتا ہے تو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ ہدیہ پیش کرو جو وہ قبول فرمائے اس کی بارگاہ میں تو اخلاص والا ہدیہ قبول ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کمائی کرنا' مال حلال حاصل کرنا شرعاً ضروری ہے۔ کہ جب کمائی میں خیرات ضروری' تو کمائی بھی ضروری **دوسرا فائدہ:** ہر تجارتی مال پر زکوٰۃ فرض ہے۔ جیسا کہ **انفقوا** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک زمین کی ہر پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہے۔ خواہ تھوڑی ہو یا بہت اور خواہ سڑنے گلنے والی چیز ہو یا باقی رہنے والی لہٰذا غلہ' پھل' ترکاریاں سب میں زکوٰۃ واجب ہے جیسا کہ **ما اخرجنا** کے عموم سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اگر کرایہ کی زمین میں کھیتی کی گئی تو بیج والے پر زکوٰۃ ہے نہ کہ مالک زمین پر جیسا کہ **لکم** کے لام سے معلوم ہوا کہ جس کی پیداوار' اسی پر زکوٰۃ **پانچواں فائدہ:** حق والا اپنے حق میں رعایت بھی کر سکتا ہے کہ معیوب چیزیں لے لے اور پورے کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ **لستم باخذیہ** اور **الا ان تغمضوا** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اگر

کسی نے زکوۃ میں ردی مال دے بھی دیا تو صحیح یہ ہے کہ زکوۃ تو ادا ہو جائے گی ہاں ثواب ناقص ملے گا۔ مسئلہ مصدق کو چاہئے کہ نہ تو بہت اعلیٰ مال زکوۃ میں لے اور نہ بہت ادنیٰ بلکہ درمیانی **ساتواں فائدہ:** حرام پیشہ اختیار کرنا حرام ہے۔ جیسے شراب و سور کی تجارت یا جوا وغیرہ کی اس آیت میں حلال مال خیرات کرنے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ حرام پیشہ سے مال حرام ہی حاصل ہو گا۔ **آٹھواں فائدہ:** ہر قسم کے مال میں سے بعض حصہ خیرات کرنا چاہئے جیسا کہ **من** تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ مسئلہ کھرا کھوٹا ہونا مال کا وصف ہے۔ مستقل اس کی قیمت نہیں لہذا اگر کوئی قرض خواہ دھوکے سے کھوٹے روپے لے کر خرچ کرے اور بعد میں پتہ لگے تو مقروض سے کچھ مطالبہ نہیں کر سکتا اسی طرح دس کھرے روپیہ کے عوض گیارہ کھوٹے روپیہ نہیں خرید سکتا۔ (احکام القرآن) مسئلہ جس کے پاس کھرا مال ہو اسی نہیں کھوٹا ہی خیرات کرے' باجرہ کی روٹی والا خیرات کیلئے گیہوں کی روٹی کہاں سے لائے گاڑھا پہننے والا ململ کی خیرات کہاں سے کرے۔ جیسا کہ **لستم باخذیہ** سے معلوم ہوا مسئلہ جس کے پاس مال حرام ہی ہو وہ یہ مال خیرات نہ کرے۔ اگر خیرات کا شوق ہو' تو کسی سے مال حلال قرض لے کر خیرات کرے۔ پھر قرض اپنے مال سے ادا کرے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف کسانوں' زمینداروں اور کمائی کرنے والوں پر زکوۃ ہے جنہیں میراث یا ہبہ کا پیسہ مل جائے ان پر نہ صدقہ ضروری نہ زکوۃ' کیونکہ یہاں کسب اور زمینی پیداوار کی قید ہے۔ **جواب** کسب سے مراد ہر حلال آمدنی کا حلال ذریعہ ہے۔ میراث و ہبہ بھی کسب میں داخل ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔ یعنی ماں باپ کو اولاد جو کچھ دے اس میں سے وہ خیرات کرے۔ **دوسرا اعتراض:** **طلباء علماء مشائخ** کو چاہئے کہ دین کو ذریعہ معاش نہ بنائیں۔ بلکہ کسب کریں جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسب کی روزی حلال و طیب ہے باقی خبیث۔ **جواب:** اس کا جواب سوال نمبرا کے جواب میں گزر گیا اور تفصیلی جواب **ولا تشتروا بآیتی** کی تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو دین کیلئے وقف کر دیں مسلمانوں پر ان کی خدمت لازم ہے کہ اگر یہ لوگ بھی دنیا کمانے میں مشغول ہو جائیں تو دینی ضروریات کون پوری کرے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون** الخ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بزمانہ خلافت بیت المال سے وظیفہ لیا۔ شاہان اسلام نے علماء کرام کو وظیفے دیئے یہ ہی ان کا کسب ہے **تیسرا اعتراض:** اگر طیبات کے معنی دلپسند چیزیں ہوں تو چاہئے کہ حقہ پینے والا تمباکو خیرات کرے' بلکہ بھنگی' چرسی اپنی بھنگ چرس سے صدقہ کریں۔ اور شرابی کبابی اسی سے خیرات کریں۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ مذکورہ چیزیں مومن کی دل پسند نہیں۔ بلکہ نفس پسند ہیں۔ دل ان کا بھی ان سے نفرت ہی کرتا ہے بڑے سے بڑے نشے ور کو جب اس پر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ یہ ہی کہتا ہے کہ میری عادت ہی پڑ گئی ہے اب چھوٹتی نہیں کیا کریں۔ بھائی تم بہت اچھے ہو' جو چرس سے بچے ہوئے ہو۔ خدا سب کو بچائے۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خود خیرات کرنا چاہئے اگر بلا ارادہ مال فقراء نے کھا لیا تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے اس آیت اور حدیث پاک میں مطابقت کیونکر ہو **جواب** آیت و حدیث میں کوئی مخالفت نہیں۔ حدیث شریف میں رب کے کرم کا ذکر ہے اور آیت میں اسلامی قانون کا یعنی خدا تعالیٰ کا کرم یہ ہے کہ مالک کے بغیر ارادہ بھی جو مال خلقت کے کام آوے اس پر بھی ثواب بخشتا ہے اور قانون یہ ہے کہ بغیر قصدی خیرات سے صدقہ واجبہ ادا نہ ہو گا۔ اس کیلئے قصداً" خیرات کرنا پڑے گی لہذا جانوروں اور فقراء کا کھایا ہوا دانہ زمین کی زکوۃ

(عشر) میں محسوب نہ ہو گا وہ علیحدہ دینا ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ: قدرت نے ہمیں دو چیزیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک جسم دوسری روح، جسم میں کسب کو دخل ہے کہ ماں باپ کے اختلاط سے بنا۔ اور غذا سے اس کی بقاء ہے یہ گویا **ما کسبتم** میں داخل ہے اور روح میں انسانی کسب کو بالکل دخل نہیں یہ گویا **مما اخرجنا لکم** میں شمار پھر جسم میں دو قسم کے اعضاء ہیں اعلیٰ جیسے دل، دماغ اور ادنیٰ جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ، فرمایا جارہا ہے کہ جسم کے ادنیٰ اعضاء ہاتھ وغیرہ کو اگرچہ کسی دنیاوی کام میں لگادو۔ مگر اعلیٰ اعضاء یعنی دل و دماغ کو صرف راہ الٰہی میں خرچ کرو کہ دل میں محبت ہو تو اللہ و رسول علیہ السلام کی اور دماغ میں خیال رہے تو صرف اسی کا۔ جس گھر میں مالک نہ رہتا ہو وہاں کوڑا کپڑا۔ سانپ بچھو وغیرہ گھر بنا لیتے ہیں اور جہاں مالک رہتا ہے وہاں یہ کوئی چیز نہیں رہتی دل بھی گھر ہے اگر اس میں اللہ کا خوف، رسول کی محبت ہو گی تو گندگیوں سے صاف اور ایمان و عرفان، روشنی، تقویٰ سے آراستہ رہے گا اگر وہ ان سے خالی ہو گیا تو پھر اسی میں کفر و طغیان کینہ، حسد گھر کر لیں گے اس لئے ان میں مالک ہی رہے تو اچھا ہے۔

گر سر میں رہے سودا سر گنبد خضرا ہو جائے گر دل میں کھینچے نقشہ ان کا دل عرش معلی ہو جائے

ظاہری اعضاء کو بھی اعلیٰ وقتوں میں یعنی نماز کے اوقات میں رب کی راہ میں لگاؤ اور باقی فضول وقت میں دنیاوی کاروبار میں رہیں۔ روح یہ تمہاری نفیس ترین چیز ہے۔ اس سے نفیس کام ہی لو اگرچہ یہ جسم کی پرورش بھی کرتی ہے۔ مگر اس کی پرورش اعمال صالح سے ہوتی ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک صرف مال ہی کی زکوۃ نہیں بلکہ ہر پیاری چیز کی۔ اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے جب خواب میں حکم پایا کہ اپنی پیاری چیز راہ حق میں قربان کر دو تو آپ فرزند کو قربان کرنے کیلئے تیار ہو گئے اولاد میں سے اعلیٰ اولاد اوقات میں سے اعلیٰ وقت، سانسوں میں سے اعلیٰ سانس کاموں میں سے اعلیٰ کام، مال میں سے اعلیٰ مال، غرضیکہ ہر اعلیٰ کو راہ الٰہی میں خرچ کرو ان میں سے ہر ایک کا مصرف علیحدہ ہے۔ مسجد میں وقت کی خیرات کرو۔ زکوۃ کے وقت مال کی، جہاد میں جان کی۔ غرض سب موقعہ پر پیاری چیز کی خیرات چاہئے اسی لئے اس آیت میں طیبات جمع فرمایا گیا۔ ایک دفعہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے حکم سے صدقات حاضر کر رہے تھے حضرت ابو امامہ باہلی وہاں بیٹھے کچھ پڑھ رہے تھے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کیا پڑھ رہے ہو۔ عرض کیا کہ لوگ مال خیرات کر رہے میں غریب آدمی مال نہیں رکھتا۔ یہ پڑھ رہا ہوں **سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر** ○ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ الفاظ تمہارے لئے بہت سونا خیرات کرنے سے بہتر ہیں۔ غرض ہر پیاری چیز کی خیرات چاہئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے اللہ کی راہ میں وہ اعلیٰ چیز خیرات کرو جو دوسرے سے خود بھی قبول کر سکو۔ ایسے ہی دوسرے سے وہ کلام یا وہ برتاؤ یا وہ معاملہ کرو جو دوسرا تمہارے ساتھ کرے تو تم بے تکلف اسے گوارا کرو غرضیکہ دوسروں سے وہی سلوک کرو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو کلام ایسا کہ جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

اس صورت میں یہ آیت کریمہ اخلاقیات کی بہترین تعلیم ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ

شیطان ڈراتا ہے تم کو فقیری سے اور حکم کرتا ہے ساتھ بے غیرتی کے اور اللہ وعدہ

شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا

مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِی الْحِكْمَةَ

کرتا ہے تم سے بخشش کا طرف سے اپنے اور فضل کا اور اللہ وسعت والا علم والا ہے دیتا ہے حکمت

ہے بخشش اور فضل کا اور اللہ وسعت والا علم والا ہے اللہ حکمت دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ

اس کو جسے چاہتا ہے اور وہ جو دیا جائے حکمت پس بے شک دیا گیا بھلائی بہت اور نہیں

جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی اور نصیحت نہیں

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

نصیحت پکڑتے مگر صاحبان عقل

مانتے مگر عقل والے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیتوں میں قبولیت صدقہ کے چند شرائط کا ذکر ہوا کہ مال حلال سے ہو خیرات کرنے والا فقیر کو طعن وایذا نہ دے وغیرہ اب اسی قبول کی ایک اور شرط بتائی جاری ہے کہ خوش دلی سے ہو۔ خیرات کے وقت اپنے غریب ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ دوسرا تعلق: بہت دور سے خیرات کے فضائل و فوائد بیان ہو رہے ہیں۔ جس سے اس کی عظمت معلوم ہوئی اب بتایا جارہا کہ خیرات ہے تو بڑی اعلیٰ چیز مگر اس کیلئے رکاوٹیں بہت ہیں۔ شیطان طرح طرح کے دھوکے دیتا ہے' ذرا ہوشیار رہنا۔ گویا اب تک اس کے فضائل کا ذکر تھا۔ اب اس کے موانع کا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اچھی چیز خیرات کرو۔ اب علم و حکمت کی زکوۃ کا ذکر ہے کہ علم بھی اعلیٰ نعمت ہے اس کی بھی زکوۃ دو۔ اس کی زکوۃ درس و فتوی ہے۔ (تفسیر احمدی) خیرات ہر چیز سے دینی چاہئے مال' اعمال' کمال' ہنر تمام سے چونکہ جس مال کی خیرات سے علم کی خیرات بہت اکمل و افضل ہے اس لئے رب تعالیٰ نے مال کی خیرات کا ذکر فرمایا پھر علم کی خیرات کا ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔

تفسیر: الشیطن یعدکم الفقر شیطان کی لفظی تحقیق ہم پارہ الم میں کر چکے ہیں یہاں اس سے مراد یا تو ابلیس ہے' یا نفس امارہ' یا برے مشیر و یار (کبیر) یا ساتھ رہنے والا شیطان یعنی قرین یا سرداران کفر' رب تعالیٰ نے کفار کو شیطان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے واذا خلوا الی شیطنہم اور فرمایا انما ذلکم الشیطن یخوف اولیاءہ' غرضیکہ فریبی دھوکہ باز شیطان ہے کہ بری چیز کو اچھا دکھاوے اور اچھی چیز کو برا۔ یعد' وعد سے بنا' وعدہ ہر اس آئندہ کی خبر کو کہتے ہیں۔ جس سے کسی

خیر کا امیدوار بنایا جائے وعید وہ خبر ہے جس سے شر کا اندیشہ دلایا جائے مگر اکثر وعدہ خیر و شر دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے **وعد اللہ الذین کفروا** مگر لفظ وعید شر کیلئے خاص ہے۔ یہاں وعدہ بمعنی ڈرانا اور اندیشہ دلانا ہے فقر کے معنی ہیں جوڑ ذو الفقار جوڑوں والی تلوار' فقرہ مضمون کے جملے کو بھی کہتے ہیں کہ یہ اس کا جوڑ ہے۔ پیٹھ کی ہڈی کو بھی فقر کہا جاتا ہے۔ غریبی و تنگدستی کو فقر اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے گویا پیٹھ کے جوڑ ٹوٹ جاتے ہیں۔ نیز فقر بمعنی کسر یعنی توڑنا بھی آتا ہے۔ (کبیر و معانی) یعنی شیطان تمہیں صدقہ پر فقیری و تنگدستی سے ڈراتا ہے۔ **ویامرکم بالفحشاء** امر بمعنی حکم ہوتا ہے مگر یہاں اس سے وسوسہ یا مشورہ مراد ہے۔ اس کا فاعل شیطان ہے فحشاء فحش سے بنا۔ بمعنی حد سے گزرنا' اسی سے مباشرت فاحشہ ہے۔ بدکار عورت کو بھی فاحشہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ بدکاری میں حد سے بڑھ گئی۔ یہاں اس سے یا تو بخل مراد ہے کہ اہل عرب بخل کو فاحشہ کہتے ہیں۔ کعب کہتا ہے۔

اخی ما اخی لا فاحشا عند بیتہ ولا برم عند اللقاء ھیوب

یا اس سے بخل کے برے نتائج مراد ہیں۔ جیسے مال کی حرص' رب سے ناامیدی' وعدہ الٰہی میں شک' رب سے بدگمانی۔ خالق سے منہ پھیر کر خلق پر توجہ۔ قلب کا غیر اللہ سے تعلق۔ خواہشات کی اطاعت' ترک قناعت' حب دنیا وغیرہ یا اس سے گندی و معیوب باتیں مراد ہیں۔ یعنی شیطان تمہیں بخل یا حرص و ہوس' یا برے رسم و رواج میں خرچ کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ کم میں سارے مسلمانوں کی طرف خطاب ہے کسی درجہ کے ہوں اور کس کس جگہ کے۔ یعنی اے مسلمانو! شیطان سے بے فکر نہ رہنا وہ ہمیشہ تمہاری تاک میں ہے۔ تم کتنے ہی بڑے متقی ہو' کسی جگہ رہتے ہو' مکہ شریف میں یا مدینہ منورہ میں' یا خاص خانہ کعبہ میں رہتے ہو وہ داؤ لگانے سے نہیں چوکتا اس سے ہمیشہ چوکنے رہو۔ **واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا** یہاں وعدہ وعدۂ خیر میں استعمال ہوا' رب تعالیٰ کے وعدے دو طرح ہیں ایک تو وہ جو براہ راست اس نے بندوں سے کئے۔ دوسرے وہ جو حضرات انبیاء کرام نے کئے وہ بھی رب کے ہی وعدے ہیں' قرآن کریم میں ارشاد ہوا **ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلک** خدایا اپنے وہ وعدے پورے کر جو تو نے اپنے رسولوں کی زبان پر ہم سے کئے' ان کی زبان رب کا قلم ہے۔ مغفرۃ' سے مراد یا گناہوں کی بخشش یا عیب پوشی دنیا و آخرت میں' کہ سخی کے عیب دنیا میں چھپ جاتے ہیں اور آخرت میں بھی چھپے رہیں گے ان شاء اللہ۔ باری تعالیٰ سخی کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ یا ثواب آخرت ہے اور فضل سے دنیا میں وسعت رزق لوگوں کی محبت اور صدقہ کا اچھا عوض مراد یعنی رب تعالیٰ صدقہ پر دونوں جہان کی نعمتوں کا تم سے وعدہ فرماتا ہے کہ دنیا میں رزق کی برکت' آخرت میں مغفرت و رحمت عطا فرمائے گا' خیال رہے کہ فضل عدل سے وراء ہے' اجرت دینا عدل ہے۔ بلا استحقاق کچھ بخشنا فضل رب تعالیٰ صدقہ کا عوض بھی دیگا اور فضل بھی' اور یہ رب کو کچھ مشکل نہیں کیونکہ **واللہ واسع علیم ۝** رب وسعت والا بھی ہے کہ اسکے خزانے میں کمی نہیں' اور علم والا بھی' اہل ہی کو نعمتیں بخشتا ہے اس کا کرم تو دیکھو کہ **یوتی الحکمۃ من یشاء** علم جیسی نعمت جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ حکمت کے معنی ہیں واقعی چیزوں کو صحیح طور پر جاننا' وہمی باتوں کا جاننا حکمت نہیں یوں ہی غلط تحقیق علم نہیں جہالت ہے۔ یہاں حکمت میں 29 قول ہیں کہ اس سے مراد یا تو نبوت ہے' یا قرآن کا علم ناسخ و منسوخ و محکم و متشابہ کی پہچان' یا علم فقہ یا قرآن کا تدبر یا اچھے اعمال' یا علم نافع' یا علم با عمل' یا رب کی معرفت' یا قلبی نور جو الہام و وسوسہ میں فرق کر دے' یا الہام' یا قرآنی اسرار یا توفیق خیر' یا خوف الٰہی وغیرہ (معانی وغیرہ) حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں لفظ

حکمت اکثر چار معنی میں استعمال ہوا' قرآنی وعظ جیسے **وما انزل علیکم من الکتب والحکمۃ یعظکم بہ** فہم و علم **واتینہ الحکم صبیا**۔ نبوت۔ **اتینا ال ابراھیم الکتب والحکمۃ** قرآن و اسرار قرآن' **ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ** (کبیر) یہاں سارے معنی درست ہیں۔ **ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا** ○ یہ نیا جملہ ہے جس میں علم و حکمت کی فضیلت ارشاد ہوئی۔ حکمت میں لام جنسی ہے۔ خیر شر کا مقابل بھلائی یعنی جسے کچھ بھی حکمت عطا ہوئی اسے بہت بھلائی ملی۔ گویا تھوڑی حکمت تمام دنیاوی سامان سے افضل ہے کہ اسے قلیل فرمایا گیا **قل متاع الدنیا قلیل** اور یہاں نفس حکمت کو خیر کثیر فرمایا **وما یذکر الا اولوا الالباب** ○ **یذکر'** تذکر سے بنا' معنی یاد کرنا' نصیحت لینا' غور و فکر کرنا۔ الباب' لب کی جمع ہے' معنی مغز گودا' اصل و خلاصہ' یہاں لب سے وہ خالص عقل مراد ہے جو وہم و خیالات سے صاف ہو۔ ہر عقل لب نہیں۔ مگر ہر لب عقل ہے۔ یعنی ان آیتوں سے خالص عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ بے عقل اور مغلوب العقل ان پر توجہ نہیں کرتے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! صدقہ و خیرات بہت اعلیٰ چیزیں ہیں۔ مگر اس سے روکنے والے بھی بہت۔ ابلیس' نفس امارہ' برے یار' صاف صاف تو بخل کی تعریف اور سخاوت کی مذمت کر سکتے نہیں اس لئے اولاً" وہ تمہیں' فقیری کا خوف دلا کر صدقہ سے روکیں گے کہ اگر تم نے خیرات کی تو غریب ہو جاؤ گے۔ جتنا پیسہ فقیر کو دے رہے ہو' اتنا تمہارے بچوں کے کام آئے گا۔ وغیرہ جب اس میں کامیاب ہو گئے' تب تمہیں بخل' ہوس' حرص وغیرہ کی رغبت دیں گے۔ وہی فقیری سے ڈرانے والے' بیاہ شادی' موت غمی کے مراسم' تھیٹر' سینما' مقدمہ بازی وغیرہ کا مشورہ دیں گے مگر رب تمہیں صدقہ دینے پر دونوں جہانوں کی نعمتوں کا وعدہ کرتا ہے کہ سخی کے مال میں برکت' لوگوں کی محبت آفات کی دوری اپنی منظوری' آخرت میں مغفرت' جہنم سے نجات' جنت الفردوس کی نعمتیں' عطا فرمائیگا۔ اب تم خود سوچ لو کہ کس کی ماننا چاہئے۔ شیطان کی یا اپنے رب رحمان کی' اور خیال رکھو کہ اللہ بڑی وسعت اور بڑے علم والا ہے اس کے خزانہ میں کمی نہیں' اس کی وسعت و علم کی ظاہر دلیل یہ ہے کہ جس پر کرم فرمائے' اسے علم و عمل' خوف الٰہی' عقل' اپنی معرفت وغیرہ جیسی نہ مٹنے والی نعمتیں عطا فرماتا ہے جنہیں کبھی زوال نہیں۔ جسے یہ نعمت مل گئی' اسے بڑی بھلائی ملی' مگر ان باتوں سے خالص عقل والے ہی نصیحت لیتے ہیں۔ ورنہ جہلا کے نزدیک مال سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ابلیس کی نظر تمام جہان پر ہے کہ وہ بیک وقت سب کو دیکھتا ہے۔ اور تمام مسلمانوں کے ارادوں' بلکہ دل کے خطرات سے خبردار ہے کہ نیک ارادے سے باز رکھتا ہے اور برے ارادے کی حمایت کرتا ہے جیسا کہ **الشیطن** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ جب اس بہکانے والے کی وسعت علم کا یہ حال ہے تو اللہ کی طرف سے ہادی بندوں حضرات انبیاء و اولیاء کے علم کا کیا پوچھنا کہ وہ ابلیس کا توڑ ہیں۔ توڑنے والے کا علم و زور زیادہ ہوتا ہے۔ لکڑی لوہے سے توڑی جاتی ہے نہ کہ لوہا لکڑی سے لہٰذا اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے غلاموں کی وسعت علم ثابت ہوئی۔ **دوسرا فائدہ:** خیرات سے کبھی غریبی نہیں آتی' تجربہ ہے کہ بیاہ شادی کی حرام رسموں' مقدمہ بازی' عیاشی سے صدہا گھر برباد ہو گئے۔ مگر خیرات سے برباد ہوتے ہوئے آج تک نہیں دیکھا گیا **تیسرا فائدہ:** سخاوت سے مال' عزت

و آبرو بڑھتی ہے بشرطیکہ اخلاص سے ہو۔ صحابہ کرام بمقابلہ موجودہ مسلمانوں کے تعداد میں بھی کم تھے اور مال میں بھی۔ مگر جو کام وہ کر گئے' وہ ہم سے نہیں ہوتے کہ وہ حضرات صحیح جگہ مال خرچ کرنا جانتے تھے ہم اس سے بے خبر ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** بخیل کا مال ہمیشہ حرام جگہ خرچ ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ خیرات سے گھبرانے والے صدہا بازیوں اور بیماریوں میں بے دریغ مال خرچ کر دیتے ہیں۔ رب کے نام پر چار پیسہ خرچ نہیں کر سکتے مگر شادی' موت' ممبری' بیماری' مقدمہ بازی میں خوب خرچ کرتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** خیرات سے روکنے والا' یا روکنے کے حیلے کرنے والا شیطان ہے۔ لہٰذا فی زمانہ' دیوبندی' وہابی جو ہزارہا حیلوں سے کار خیر روکتے ہیں یہ بھی اخوان شیطین ہیں۔ مثلاً میلاد شریف' تیجہ' دسواں' چالیسواں پر چار پیسے خرچ کرنا بدعت بھی ہے حرام بھی' مگر سیاسی جلسوں پر ہزارہا روپیہ برباد کرنا نہ بدعت ہے نہ حرام رب سمجھ عطا فرمائے آج کل نئی تہذیب کے دلدادہ قربانی کے موقعہ پر کہتے ہیں کہ قربانی نہ کرو اس سے پیسہ برباد ہوتا ہے قوم غریب ہے اتنا پیسہ سکولوں اور کالجوں پر لگاؤ۔ آج تک نہ ان کی نظر سینما و دیگر عیاشیوں پر نہ گئی۔ ایک سال کی قربانی کا خرچ مسلمانوں کی ایک رات کی سینما بینی سے کم ہے مگر اسے بند کرنے کا خیال بھی نہیں۔ یہ ہے اس آیت کریمہ کا ظہور مگر ان شاء اللہ کوئی دینی کام بند نہ ہو گا گرگٹ کی پھونک سے حضرت خلیل کی آگ تیز نہ ہوگئی تھی۔ **چھٹا فائدہ:** علم بڑی نعمت ہے کہ یہ باقی ہے دیگر سب فانی دین کی تمام بہار علم دین ہے۔ مسجد میں نمازیں' میدان میں جہاد' عدالتوں میں انصاف' بازار کی رونق موت کے وقت مدد' قبر کا نور' محشر کی نجات علم دین کی برکت سے ہے۔ **ساتواں فائدہ:** تھوڑا علم دین بہت مال سے افضل ہے کہ رب نے ساری دنیا کو قلیل فرمایا مگر تھوڑے سے علم و حکمت کو خیر کثیر۔ حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے بارگاہ نبوی میں اپنے شوہر کی غربت کی شکایت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شوہر سے پوچھا کہ تجھے قرآن بھی یاد ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں فلاں فلاں سورۃ فرمایا خوب خوب! تو بہت بڑا غنی ہے وہ بیوی بھی راضی ہو گئی۔ کچھ روز بعد وہ مالدار ہو گیا۔ (در منثور) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جسے رب نے قرآن کریم کا علم دیا پھر وہ اپنے کو غریب اور مالداروں کو امیر جانے وہ نعمت رب کا ناقدرا ہے۔ (تاریخ بخاری) ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ خوف الٰہی حکمت و معرفت کی اصل ہے (ابن ابی حاتم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن وہ غنا ہے جس کے بعد فقیری نہیں (ابو نعیم) **آٹھواں فائدہ:** قرآن کی صحیح فہم نعمت ہے اور اس کی کج فہمی رب کا عذاب' قرآن کی غلط فہمی کے باعث مسلمانوں میں بارہا کشت و خون ہوا۔ کفار کی آیتوں کو مسلمانوں پر' اور بتوں کی مذمت کی آیات انبیاء کرام پر چسپاں کرنا وہ جہالت ہے جس نے صدہا مسلمانوں کا خون کر دیا۔ (از خازن' البیان) **نواں فائدہ:** فلسفہ' منطق' ریاضی وغیرہ حکمت نہیں صرف قرآن و حدیث فقہ وغیرہ علوم دینیہ حکمت ہیں۔ جس کی یہاں تعریف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توریت جمع فرمانے اور اس کا مطالعہ کرنے کی اجازت چاہی منع فرما دیا گیا اور فرمایا کہ اگر صاحب توریت موسیٰ علیہ السلام بھی آج زندہ ہوتے تو ہماری پیروی کرتے۔ (تفسیر روح البیان) تو کیا بو علی' جالینوس کی خلاف شرع بکواس توریت سے بڑھ کر ہے۔ **دسواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیر کثیر ہے کہ رب تعالیٰ نے حکمت کو خیر کثیر فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا **یعلمھم الکتب والحکمۃ** نبی صلی اللہ علیہ وسلم علم و حکمت دیتے ہیں۔ لہٰذا دیوبندیوں کا یہ کہنا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو خیر کثیر جمع کر لیتے اور خیر تو جمع کی نہیں لہٰذا آپ کو علم غیب بھی نہیں' غلط ہے **لو کنت اعلم الغیب** کے معنی یہ بھی ہیں کہ سمجھ لو اگر میرے پاس علم غیب ہے تو خیر کثیر بھی ہے اور خیر کثیر تو ہے لہٰذا علم غیب بھی ہے

تاکہ آیات میں تعارض نہ ہو خیال رہے کہ مال ' دولت خیر کثیر نہیں اسے تو رب تعالیٰ نے کثیر فرمایا۔ اگر یہ خیر کثیر ہے تو چاہیے تھا اکثر انبیاء کرام جیسے حضرت عیسیٰ ' یحیٰی جو مال نہ رکھتے تھے۔ وہ خیر کثیر سے محروم ہوتے اور فرعون ' نمرود ' قارون وغیرہ ' بے دین مالدار خیر کثیر والے ہوتے۔ ایسے ہی حضرت بلال و صہیب تو خیر کثیر سے محروم ہوتے۔ اور ابو جہل خیر کثیر والا ہوتا۔ گیارہواں فائدہ: ہر میٹھی باتیں کرنے والا دوست نہیں ' ہر چمکتی چیز سونا نہیں۔ کبھی دشمن کیلئے خیر خواہی ظاہر کی جاتی ہے۔ دیکھو شیاطین فقر سے ڈرا کر صدقہ سے روکتے ہیں۔ لہٰذا ہر ایک کی اچھی باتیں نہ سنی چاہئیں۔ بارھواں فائدہ: حکمت یعنی علم دین محض اپنی کوشش سے نہیں ملتا۔ رب کی کرم نوازی سے ملتا ہے دیکھو ارشاد باری ہوا جسے چاہے حکمت عطا فرمادے۔ کتب اور استاد تو اس علم کے حاصل ہونے کے اسباب ہیں۔ کام مسبب الاسباب کے ہاتھ ہے کتب و استاد سے جو علم ملتا ہے وہ ایسا ہے جیسا بجلی کی فٹنگ کر دینا۔ اور فیض ربانی ایسا ہے جیسے اس میں پاور کا آجانا کہ بغیر پاور ساری فٹنگ دیکھنے میں سب کچھ ہے مگر بیکار تیرھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ دربار الٰہی ہے اور حضور کی عطا رب کی عطا ہے۔ دیکھو یہاں رب نے فرمایا کہ جسے چاہے حکمت دے اور دوسری جگہ ارشاد ہے **ویعلمھم الکتب والحکمۃ** کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تعلیم و حکمت سکھاتے ہیں۔ عطا حکمت کو یہاں رب کی طرف نسبت فرمایا وہاں انہیں حبیب کی طرف۔ چودھواں فائدہ: جیسے دنیاوی نعمتیں عمومی اور بعض خصوصی ہیں۔ جیسے دھوپ پانی اور سلطنت ایسے ہی نعمتیں بعض عمومی ہیں بعض خصوصی ہیں حکمت خصوصی نعمت ہے جو کسی کو ملتی ہے اور جیسے دنیاوی روزیوں کیلئے دروازے مختلف ہیں کہ کسی کو کچہری سے روزی ملتی ہے کسی کو سکول سے کسی کو بازار سے کسی کو مسجد سے ہر ایک اپنے دروازہ سے وابستہ ہے۔ ایسے ہی حکمت کسی کو پیدائشی ملتی ہے۔ کسی کو مدرسہ و کتب سے کسی کو کسی کی نظر سے صحابہ کرام نے کوئی کتاب نہ پڑھی مگر حکمت میں سب کے استاذ تھے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت میں فرمایا کہ رب جس کو چاہے حکمت دیتا ہے تو جسے چاہے حماقت بھی دیتا ہوگا خدا ایسا نہیں کر سکتا وہ طرفداری سے پاک ہے وہ سب کا رب ہے۔ سب پر یکساں فضل کرتا ہے ہمیں تو ایسا خدا پسند نہیں ہے جو سب سے یکساں سلوک نہ کرے (ستیارتھ پرکاش) جواب پنڈت جی کو بہت دور کی سوجھتی ہے۔ جناب دنیا میں یکسانیت ہو سکتی ہی نہیں۔ یہاں ہر چیز رنگ برنگی ہر انسان کی علیحدہ شان چاہیے۔ بعض زمین ریتلی 'بعض سرسبز و شاداب 'جیسے زمین کشمیر بعض درخت پھل پھول والے ہیں بعض محض خاردار 'ایک ہی شیشم کے تختے تو عمارات میں کام آتے ہیں مگر شاخیں چولہے میں ایسے ہی انسان کوئی عالم 'کوئی جاہل 'کوئی بدنصیب 'کوئی بختاور 'کوئی کالا 'کوئی گورا 'کوئی وزیر و امیر 'کوئی غریب 'غرضیکہ جو جس کے لائق ہے رب اسے وہی عطا فرماتا ہے۔ رب علیم و حکیم ہے۔ عالم کی حالت مختلف چیزیں چاہتی ہیں اگر انسان محض اعمال کی وجہ سے دولت مند و غریب ہوتا ہے تو ایک ہی شخص کبھی بادشاہ کبھی گھسیارا کیوں ہوتا۔ ہم اس کی پوری بحث پارہ الم میں کر چکے ہیں تعجب ہے ایک کمہار کو تو یہ قوت ہو کہ ایک ہی مٹی سے آب خورے بھی بنائے جس میں ہمیشہ پانی رہے اور ہانڈی بھی جو ہمیشہ آگ پر جلے مگر رب تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر اتنا بھی اختیار نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ: ہر ایک چاہتا ہے کہ میرے ہم جنس زیادہ ہوں تاجر کی خواہش ہے کہ سب تاجر ہو جائیں عالم کی تمنا ہے کہ دنیا علم و معرفت سے بھر جائے وغیرہ شیطان دیوالیہ فقیر ہے کہ اپنی تمام عبادات کا دیوالہ نکال چکا ہے۔ لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ سب میری

طرح اعمال کے فقیر ہو جائیں۔ اس لئے بظاہر فقیری سے ڈراتا ہے مگر حقیقتاً فقیری کی طرف بلاتا ہے کہ انسان میں حب دنیا پیدا ہو جو تمام برائیوں کی اصل ہے جو وسوسہ شیطانی کو دل میں راہ دیگا وہ اپنے پر تمام آفات کا دروازہ کھول لے گا اور جو اس کا دروازہ بند کرے گا۔ رب تعالیٰ اس پر مغفرت، فضل و کرم و انعامات و رفع درجات کا دروازہ کھول دیگا۔ اس کے عیوب کو اپنے نور سے ڈھک دیگا۔ اور اپنی تجلیات عطا فرماوے گا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حکمت نور ربانی ہے جو عیوب بشری فنا کرنے اور اپنے کو نور جلال و جمال میں فنا کرنے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے۔ رب نے عقل تو قریباً ہر انسان کو دی مگر حکمت خاص خاص کو۔ معقول وہ ہے جو دلائل عقل سے معلوم ہو جائے کوئی عاقل خود بخود کوئی استاد و کتاب کی مدد سے معقولات تک پہنچ جاتا ہے۔ مگر حکمت نہ خود بخود حاصل ہو نہ کسی کتاب و استاد سے ملے۔ یہ انبیائے کرام کی غلامی یا شیخ کامل کی نظر سے ملتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چند خوانی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیان راہم بخواں

اس حکمت کا پہلا اثر یہ ہے کہ انسان وسوسہ و الہام نیز شیطانی و ملکی آواز، ریا و خلوص اور عادت و عبادت میں فرق کرنے لگتا ہے۔ ورنہ جہلا بسا اوقات وساوس کو الہام بلکہ وحی سمجھ کر عادت کو عبادت گمان کر کے تباہ و برباد ہوتے ہیں۔ اللہ بڑی عطا فرماتا ہے۔ اس کا دعاء و جود عطاء مخلوق سے تنگ نہیں مگر اپنی تجلی گاہ اور استعداد عباد کا جاننے والا ہے۔ حکمت اس کو عطا فرماتا ہے۔ جو اس کا اہل ہو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ صدقات تین قسم کے ہیں۔ اور ان کی جزائیں بھی تین۔ صدقہ مال جس کی جزا زیادتی مال و رضائے ذوالجلال۔ قربانی صفات بشری جس کی جزاء صفائی قلب، قربانی نفس جس کی جزا عطائے حکمت جتنا ان قربانیوں میں فرق ہے۔ اتنا ہی ان کی جزاؤں میں (از روح البیان و ابن عربی) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ علم تین قسم کا ہے علم مضر و نقصان دہ علم عبث، علم مفید، پھر مفید علم بہت سی قسم کا ہے۔ صرف عالم کو مفید۔ ایک خاندان کو مفید ایک شہر کو مفید ایک ملک کو مفید۔ ساری مسلمان قوم کو مفید، پھر کچھ روز تک مفید اور قیامت تک مفید۔ حکمت علم مفید کو کہتے ہیں اس کا فائدہ جتنا زیادہ اور دیرپا ایسی ہی حکمت اعلیٰ۔ نیز فرماتے ہیں کہ علم کے تین مقام ہیں عالم کی زبان، عالم کا دماغ، عالم کا دل۔ زبان و دماغ میں رہنے والا علم اگرچہ علم ہے مگر حکمت نہیں دل میں رہنے والا علم اس تخم کی طرح ہے جسکی جڑیں گہرائی میں اتر جائیں اور درخت پھل پھول سایہ دار۔ اور زبان و دماغ میں رہنے والا علم اس تخم کی طرح ہے جو پتھر پر جمی ہوئی مٹی کی تہ کی طرح ہو جائے نہ درخت پیدا ہو نہ پھل پھول و سایہ، اس دل میں اترے ہوئے علم کا نام حکمت ہے یہ ہی خود عالم کو بھی مفید ہے اور تمام جہان کو بھی فائدہ مند۔

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
اور وہ جو خرچ کرو تم کوئی خرچ یا منت مانو تم کوئی منت پس تحقیق اللہ
اور تم جو خرچ کرو یا منت مانو۔ اللہ کو اس کی خبر ہے اور

يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝

جانتا ہے اس کو اور نہیں ہے ظالموں کے کوئی مددگار

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مقبول و مردود صدقات کا ذکر ہوا۔ اب ان دونوں کے انجام کا اجمالی تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** صدقات چند قسم کے ہیں واجب و نفلی پھر واجب کی دو قسمیں ہیں۔ خود رب کے واجب فرمائے ہوئے اور وہ جو انسان اپنے پر خود لازم کرے ' اگلی قسموں کا ذکر پچھلی آیتوں میں ہو گیا۔ اب تیسری قسم یعنی منت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں شرائط صدقہ کا بیان تھا۔ اب ایک نئے طریقہ سے ان شرائط کی پابندی کی تاکید فرمائی جا رہی ہے۔

تفسیر: **وما انفقتم من نفقة** ما موصولہ ہے بعد کی عبارت اس کا صلہ ' انفاق سے مطلقاً خرچ کرنا مراد ہے۔ خواہ راہ الٰہی میں ہو یا دنیاوی کاروبار میں ' نفقہ نکرہ ہے۔ جس کا عموم من کی وجہ سے اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اس سے حرام و حلال ' قلیل و کثیر' نفاق و ریاء و اخلاص ' حق و باطل ' پوشیدہ و ظاہر سارے خرچے مراد ہیں۔ (روح البیان و معانی وغیرہ) گویا یہ آیت سارے نفقات کا حکم کلی بیان فرما رہی ہے **اونذرتم من نذر۔** نذر کے لغوی معنی ہیں۔ خوف و ڈر ' اسی سے نذیر و انذار ہے۔ عرف میں کسی چیز کے لازم کرنے کو نذر کہا جاتا ہے کہ ڈر ہی کے وقت صدقہ وغیرہ لازم کیا جاتا ہے اور التزام کے بعد ادا نہ کرنے سے ڈر بھی لگتا ہے لہذا اسے نذر کہتے ہیں۔ شریعت میں کوئی عبادت اپنے پر لازم کر لینے کو نذر کہا جاتا ہے۔ مگر اس کی کچھ شرائط ہیں۔ جو فوائد میں بیان ہوں گی۔ نذر کی تنکیر اور من کی زیادتی سے اس کے عموم کا فائدہ ہوا یعنی تم کوئی سی منت مانو مال کی یا اعمال کی ' طاعت کی یا معصیت کی شرط سے یا بغیر شرط مبہم یا معین ' **فان الله يعلمه** یا ابتداء بمعنی شرط اس کی خبر بمعنی جزاء ہ کا مرجع یا ما ہے یا نذر کیونکہ نفقہ مونث ہے اس کی ضمیر مذکر نہیں لوٹ سکتی۔ چند چیزیں بول کر کبھی مقدم کی طرف ضمیر لوٹائی جاتی ہے۔ جیسے **واذا راوا تجارة اولهوا انفضوا اليها** اور کبھی موخر کی جانب جیسے **ومن يكسب خطيئة اواثما ثم يرم به بريئا** یعنی اللہ ان سب کو جانتا ہے **وما للظلمين من انصار** یہ ما نافیہ ہے۔ اور ظلمین ظلم بمعنی تاریکی سے بنا اصطلاح میں ظلم کے معنی ہیں کسی چیز کو غیر محل میں استعمال کرنا۔ چونکہ اندھیرے میں بھی چیز جگہ سے بے جگہ ہو جاتی ہے اس مناسبت سے اسے ظلم کہا جاتا ہے۔ ظلم کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جان پر ظلم ' مال یا اولاد یا غیروں پر ظلم اس لئے ظالمین جمع فرمایا گیا۔ یا تو اس سے کفار مراد ہیں یا بخیل ہیں یا منت پوری نہ کرنے والے یا سارے ظالم۔ انصار ' ناصر یا نصیر کی جمع ہے جیسے حبیب کی احباب ' یا شاہد کی اشہاد۔ یہاں یہ جمع ظالمین جمع کے مقابلہ میں ہے۔ اور نوعیت کیلئے یعنی ظالمین کیلئے کوئی کسی قسم کی مدد کرنے والا نہ ہو گا۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو تم جتنا اور جس قسم کا کوئی خرچ کرو۔ راہ الٰہی میں ' یا دنیا میں حرام یا حلال تھوڑا یا بہت ریا سے یا اخلاص سے ظاہر یا پوشیدہ ' طعن ' ایذا سے یا اس سے پاک اور تم جو بھی نذر مانو مال کی یا اعمال کی جائز یا ناجائز ' معین ' یا غیر معین ' رب کو ان سب کی خبر ہے۔ ہر ایک کو اس کی نیت کے مطابق سزا و جزا دے گا۔ اور بخیل یا مشرک یا نذر مان کر پوری نہ کرنے والا غرض کوئی

کسی قسم کا ظالم ہو اس کا کوئی مددگار نہیں۔ یہ آیت رغبت و خوف دونوں کو شامل ہے اس میں مخلصین کو امید ثواب دلائی گئی اور ریاکاروں بد عملوں کو خوف سزا۔ خیال رہے کہ ما انفقتم میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ روئے سخن کفار کی طرف ہو۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی جانب ہو۔ اور انفقتم میں تین احتمال ہیں بمعنی ماضی یا بمعنی حال یا بمعنی استقبال لہٰذا آیت کریمہ کی چھ تفسیریں ہوئیں پہلی تین صورتوں میں یہ آیت عتاب کی ہے آخری تین صورتوں میں رحمت کی اس سے پہلے مسلمانوں سے خطاب تھا اور آئندہ آیتوں میں بھی ان ہی سے خطاب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے خطاب کفار سے ہے یعنی اے کافرو جو کچھ تم اس سے پہلے خرچ کر چکے ہو یا جو کچھ اب خرچ کر رہے ہو۔ یا جو کچھ آئندہ خرچ کرو گے وہ ہمارے علم میں ہے۔ یا اے مسلمانو! جو کچھ تم خرچ کر رہے ہو یا کر چکے ہو یا کرو گے ہم جانتے ہیں کفار کے اچھے خرچ پر ثواب نہیں کہ صدقہ کی قبولیت کیلئے ایمان ضروری ہے۔ مگر ان کے برے خرچ پر سزا ہے۔ مسلمانوں کے اچھے خرچ پر ثواب ہے برے خرچ پر عتاب اور بعد میں ثواب وغیرہ سے معافی کی امید ہے یہ بھی خیال رہے کہ سارے قرآن مجید میں ایسی ایک آیت نہ ملے گی کہ مسلمانوں کا مددگار کوئی نہیں۔ ہاں ایسی آیات ملیں گی کہ مسلمانوں کے مددگار بہت ہیں۔ جیسے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** یا **واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا** ○ جہاں فرمایا گیا کہ تمہارا مددگار کوئی نہیں۔ وہاں مراد ہے کہ اگر تم کفر کرو تو مددگار کوئی نہیں۔ نیز کفار کا مددگار نہ ہونا اس وجہ سے نہیں کہ کسی میں مدد کرنے کی طاقت نہیں۔ بلکہ اس لئے ہے کہ کفار میں مدد لینے کی طاقت نہیں جیسے چمگادڑ کی آنکھ میں ہی سورج سے نور لینے کی یا مردہ جسم ہی کو دواؤں سے فائدہ حاصل کرنے کی یا زمین شورہ میں بارش سے فیض لینے کی طاقت نہیں۔ ان سب میں لینے والے کا قصور ہے۔ نہ کہ دینے والے کا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نذر مشروع چیز ہے۔ اس کا پورا کرنا لازم بشرطیکہ معصیت کی نہ ہو۔ **مسئلہ:** عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ نذر چار قسم کی ہے۔ نذر مبہم کہ اگر میرا یہ کام ہو جائے تو مجھ پر نذر ہے نام نہ لے۔ نذر معصیت کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں فلاں گناہ کروں گا۔ طاقت سے باہر کام کی نذر، مشروع عبادت کی نذر۔ پہلی تین نذروں میں کفارہ قسم واجب ہے اور آخری نذر کا پورا کرنا لازم (در منثور) **مسئلہ:** نذر پوری کرنا فرض ہے بشرطیکہ اللہ کیلئے ہو۔ اور جنس واجب سے ہو۔ یعنی ایسی چیز کی نذر مانے جو شرعاً کہیں واجب ہے۔ جیسے نماز، روزہ، حج، قربانی وغیرہ اولیاء کے نام کی نذر، ایسے ہی غیر واجب فعل کی نذر کا پورا کرنا واجب نہیں۔ جیسے مسجد میں چراغ جلانا وہاں جھاڑو دینا وغیرہ کی نذر کہ یہ کام "شرعاً" کہیں واجب نہیں۔ **مسئلہ:** نذر عبادت ہے اس لئے یہاں یہ مسئلہ خیرات کے ساتھ بیان کیا گیا۔ **مسئلہ:** اولیاء کے نام کی نذر شرعی نذر نہیں بلکہ لغوی ہے بمعنی نذرانہ، جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ روپیہ آپ کی نذر ہے اور اس کا ادا کرنا ایسا ضروری ہے جیسے وعدہ کا پورا کرنا **مسئلہ** اگر نذر رب کے نام کی ہو اور اس کا مصرف کسی خانقاہ یا کسی درگاہ کے مجاور رہوں تو جائز ہے جیسے کوئی کہے کہ خدایا اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں خواجہ اجمیری کے مجاوروں کو اتنا روپیہ خیرات کروں (شامی کتاب الصوم)۔ **مسئلہ:** نذر کی چند قسمیں ہیں۔ نذر معلق جو کسی شے پر موقوف ہو۔ نذر مطلق جو کسی پر موقوف نہ ہو۔ پھر نذر معین و غیر معین ان کے مختلف احکام ہیں نذر معلق شرط کے بعد واجب نہ ہوگی۔ اور مطلق فوراً **مسئلہ:** نذر شرعی کی پانچ شرطیں ہیں۔

حرام بعینہ کی نذر نہ ہو- وہ فعل بغیر نذر واجب نہ ہو- اپنی ملکیت سے زائد کی نذر نہ ہو- غیر ممکن کام کی نذر نہ ہو- واجب کے جنس سے ہو- (درمختار) اس کے پورے مسائل ان شاء اللہ سورۂ حج میں آئیں گے- **دوسرا فائدہ:** ہر قسم کے خرچ کا حساب ہو گا خواہ حرام ہو یا حلال' تھوڑا ہو یا بہت جیسے کہ نفقہ کی تعلیم سے معلوم ہوا- مگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں روزہ داروں کے خرچ کا حساب نہیں- ایسے ہی جو کھانا مہمان' ماں باپ یا چھوٹے بچوں کے حساب کے ساتھ کھایا جائے اس کا حساب نہیں-

قطرہ قطرہ سوال خواہد شد ذرہ ذرہ حساب خواہد شد

مگر قبر میں صرف ایمان کا حساب ہے- حشر میں ایمان و اعمال دونوں کا حساب' خیال رہے کہ دنیا میں ہم رب تعالیٰ کے امین ہیں اور ہمارے اعضاء مال وغیرہ رب کی امانت ہیں امین اور کارگزار سے حساب لیا جاتا ہے- مگر جنت میں مومن رب تعالیٰ کے مہمان ہوں گے- مہمان سے حساب نہیں ہوتا ان کیلئے فرمایا یہ حساب ہونا قانون ہے اور اگر رب چاہے تو بغیر حساب بخش دے' یہ اس کا فضل ہے حضور فرماتے ہیں کہ میری امت سے ستر ہزار بغیر حساب بخشے جائیں گے- **تیسرا فائدہ:** قیامت میں مشرکین کا کوئی مددگار نہ ہو گا- مگر بحمدہ تعالیٰ مسلمانوں کے بہت سے مددگار ہوں گے- جیسا کہ للظلمین کے تقدم سے معلوم ہوا' انصار جمع فرما کر بتایا گیا کہ کل قیامت میں لوگوں کو بہت قسم کے مددگاروں کی ضرورت ہو گی- مگر کفار کیلئے ان میں سے کوئی مددگار نہ ہو گا- جیسے دنیا میں ہم صدہا مددگاروں کے حاجتمند ہیں- پیدائش میں ماں کے' تعلیم و تربیت میں باپ و استاد کے' کھانے پینے میں کسانوں کے لباس میں درزی و بزاز کے' جب فانی جسم کیلئے اتنی مددوں کی ضرورت ہے تو باقی رہنے والی روح کیلئے ان سے زیادہ اور مددوں کی ضرورت پڑے گی- کسی کی مدد سے ایمان پر خاتمہ' کسی کی مدد سے حساب قبر میں کامیابی' کسی کی مدد سے قیامت میں گناہوں کی تخفیف یا معافی' کسی کی مدد سے پل صراط پر آسانی سے گزر' کسی کی مدد سے ہی وہاں کی گرمی سے امان- **مسئلہ:** حرام بغیرہ کی نذر صحیح ہے- جیسے روزہ عید' اور حرام بعینہ کی نذر باطل' مگر امام طحاوی نے فرمایا کہ وہ بھی صحیح ہے- جس میں کفارۂ قسم واجب ہو- (شامی باب النذر)

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر پوری کرنا ضروری ہے- دوسری جگہ ارشاد ہوا- **ولیوفوا نذورھم** مگر مسلم میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے نذر سے منع فرمایا کہ نذر خیر نہیں لاتی بلکہ اس کے ذریعہ بخیل سے مال خرچ کرایا جاتا ہے- اس حدیث اور آیت میں مطابقت کیونکر ہو- **جواب:** اس کے چند جواب ہیں- ایک یہ کہ حدیث میں نذر ماننے سے منع کیا گیا- اور آیت میں ماننے کے بعد وجوب ادا کا ذکر ہے- یعنی مانو مت مگر جب مان لی' تو پوری کرو- دوسرے یہ کہ بطور معاوضہ نذر ماننا منع' اور بطور شکریہ جائز- یعنی یہ سمجھنا کہ میری نذر رب کی نعمت کا بدلہ ہے باطل ہے' تیسرے یہ کہ ان لوگوں کیلئے نذر منع ہے- جن پر ادائے نذر بھاری ہو' چوتھے یہ کہ بغیر نذر عبادت کرنا نذر کی عبادت سے بہتر ہے کہ اس میں بندہ کی غرض کو دخل نہیں- لہٰذا ممانعت تنزیہی ہے- پانچویں یہ کہ اس اعتقاد سے نذر ماننا کہ اس سے تقدیر پلٹ جائے گی منع ہے- اسی لئے حدیث میں ارشاد ہوا کہ وہ خیر نہیں لاتی مگر اس خیال سے نذر ماننا کہ صدقہ رد بلا ہے- جائز ہے (تفسیر خازن) **دوسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ نذر کیلئے یہ شرط ہے کہ واجب کی جنس سے ہو- مگر

حضرت مریم کی والدہ نے اپنا بچہ بیت المقدس پر وقف کرنے کی نذر مانی انی نذرت لک ما فی بطنی محررا نیز حضرت مریم کو خاموشی کی نذر ماننے کا حکم دیا گیا فقولی انی نذرت للرحمن صوما فلن اکلم الیوم انسیا۔ جواب: ان شریعتوں میں اس قسم کی نذریں جائز تھیں۔ ہمارے ہاں منع جیسا کہ احادیث میں ہے۔ تیسرا اعتراض: عبداللہ ابن عباس کی روایت سے معلوم ہوا کہ گناہ کی نذر سے بھی کفارہ قسم واجب ہے تو کیا اگر کوئی گانے بجانے 'زنا اور قتل وغیرہ کی نذر مان کر نہ کرے اس پر کفارہ واجب ہو گا؟ جواب: شائد ان کا مطلب یہ ہو گا کہ جو کوئی ایسے حرام کام کی نذر مانے جو کہیں واجب بھی ہوتا ہے تو کفارہ دے۔ جیسے روزہ عید 'اور قتل انسان کہ یہ افعال کہیں واجب بھی ہیں۔ روزہ رمضان اور قتل مرتدو کافر حربی فرض ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ظالموں کا مددگار کوئی نہیں۔ حالانکہ یہاں کفار کے مددگار بہت ہوتے ہیں 'قیامت میں گنہگار مسلمانوں کے مددگار ہوں گے۔ گنہگار مسلمان بھی تو ظالم ہیں۔ جواب: قرآن شریف میں ظالم تین قسم کے لوگوں کو فرمایا گیا۔ کفار کو 'گنہگار کو 'خطاکار اور لغزش والوں کو رب فرماتا ہے۔ ان الشرک لظلم عظیم اور فرماتا ہے منھم ظالم لنفسہ اور فرماتا ہے انی کنت من الظلمین مگر جہاں ظالم مطلق ہوتا ہے۔ وہاں کافر مراد ہوتا ہے اور مددگار سے مراد بعد موت کے مددگار مطلب یہ ہے۔ کہ بعد موت کفار "کا مددگار کوئی نہیں۔ پانچواں اعتراض: دوسرے مقام پر رب تعالیٰ فرماتا ہے والذین کفروا اولیھم الطاغوت کافروں کے مددگار شیاطین ہیں۔ اور یہاں فرماتا ہے کہ کفار کا مددگار کوئی نہیں آیات میں تعارض ہے۔ جواب: وہاں دنیا میں کفر و بے دینی کی مدد یعنی بہکانا برے کام کرانا مراد ہے۔ اور یہاں آخرت میں اور پھر یعنی عذاب سے بچانے کی نفی ہے لہذا دونوں آیات درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: خرچ اور نذر کی بہت سے اقسام ہیں اور ہر ایک کے مختلف درجے جس درجہ کی خیرات یا نذر ہوگی وہ ہی درجہ ملے گا۔ یعنی رب جانتا ہے کہ تمہاری خیرات اور نذر قبولیت کے کون سے درجے کا استحقاق رکھتی ہیں۔ اس کے مطابق جزا دیگا۔ جان پر خرچ 'اولاد پر خرچ 'فقراء پر خرچ 'مسجد پر خرچ 'دینی مدرسہ پر خرچ 'جہاد پر خرچ 'پھر جان کا خرچ 'مال کا خرچ 'اولاد کا خرچ پھر جنت کی نیت سے خیرات 'جہنم سے بچنے کیلئے خیرات۔ رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خیرات 'رضائے الٰہی کیلئے خیرات اگرچہ سب خرچ درست ہیں۔ مگر ان کے درجے مختلف۔ عقلمند ایک پیسہ کی خیرات پر وہ ثواب پالیتا ہے۔ جو بے وقوف لاکھ روپیہ کی خیرات پر نہیں پاتا یہ ہی نذر کا حال ہے کوئی مال کی نذر مانتا ہے کوئی اعمال کی اور کوئی جان کی 'حضرت طلحہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بن کر ستر ہی زخم کھائے۔ جب میدان جنگ سے لوٹے تو چہرے سے خون پونچھتے تھے اور کہتے تھے کہ جس مقصد کیلئے میری ماں نے مجھے جنا تھا الحمد للہ میں نے پورا کر دیا یہ بہادروں کی نذر تھی۔ ظالمین یعنی ریاکار بے موقعہ خرچ کرنے والے یا مال خبیث سے خرچ کرنے والے یا طعن و ایذا سے صدقات باطل کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں جو ان کے صدقات قبول کرادے۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا
اگر ظاہر کرو تم صدقوں کو بس بہت اچھا ہے اور اگر چھپاؤ تم انہیں اور دو تم اسے
اگر خیرات علانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو

الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا

فقیروں کو پس وہ اچھا ہے واسطے تمہارے اور مٹا دے گا تم سے تمہارے گناہوں میں سے
تو تمہارے لئے سب سے بہتر ہے اور اس میں تمہارے کچھ گناہ بخشیں گے اور اللہ کو

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

اور اللہ اس کا جو تم کرتے ہو خبر رکھنے والا ہے۔
تمہارے کاموں کی خبر ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں صدقہ کے بہت سے اقسام و احکام کا ذکر ہوا۔ مثلاً پہلے ریا و اخلاص کے صدقات اور ان کے احکام بیان ہوئے پھر کھرے کھوٹے مال کی خیرات اور ان کے احکام کا ذکر ہوا۔ اب بھی صدقہ ہی کی بعض دوسری قسموں کا ذکر ہے۔ یعنی صدقہ ظاہری و پوشیدہ ان کے احکام کیا ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اجمالی طور پر ارشاد ہوا تھا کہ ہر خرچ اور نذر کی رب کو خبر ہے اب اس کی قدرے تفصیل ہے۔ کہ صدقہ ظاہری کی بھی خبر ہے۔ اور پوشیدہ کی بھی کہ ان کا انجام یہ ہوگا۔ **تیسرا تعلق:** صدقہ کا تعلق چند چیزوں سے ہے۔ دینے والے سے' لینے والے سے' مال سے اور دیگر مسلمانوں سے۔ اگلے تین تعلقات کا ذکر پہلے ہوا کہ دینے والا دے کر فقیر کو ایذا نہ دے' اچھے مال سے صدقہ دے' ریاکاری کو دخل نہ دے۔ اب چوتھے تعلق کا ذکر ہے کہ کیا صدقہ کی خبر دوسروں کو بھی دیا یا نہ دے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ رب ہر خرچ کو جانتا ہے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ مخلوق کو بتانا بھی درست ہے یا نہیں گویا پہلے خالق کے علم کا ذکر تھا اب مخلوق کے علم کا۔ **پانچواں تعلق:** جیسے تخم بونے کیلئے چند چیزوں کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ زمین' قابل تجربہ کار بونے والا۔ بونے کا طریقہ' ایسے ہی صدقہ کیلئے چند چیزیں درکار ہیں۔ صدقہ دینے والا جو گویا کاشتکار ہے صدقہ جو گویا تخم ہے۔ فقیر جو گویا صدقہ کی زمین ہے۔ بونے اور کاشت کرنے کا طریقہ کہ کیسے بوئے' ظاہر کر کے دے یا چھپا کر پہلی تین چیزوں کا ذکر پہلے ہو چکا۔ اب چوتھی چیز یعنی طریقہ کاشت کا ذکر ہے۔

شان نزول: امام کلبی فرماتے ہیں کہ جب آیت **وما انفقتم من نفقۃ** نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ جب خدا کو ہر صدقہ کی خبر ہے تو علانیہ صدقہ بہتر ہے یا پوشیدہ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی)

تفسیر: **ان تبدوا الصدقت** چونکہ یہ جملہ پچھلی آیت کی گویا تفصیل ہے اس لئے یہاں واؤ نہ لایا گیا۔ **تبدوا** بدو سے بنا۔ بمعنی ظہور' اور یہاں وہ اظہار مراد ہے جو ریاکاری اور شہرت کی غرض سے نہ ہو بلکہ اس لئے ہو کہ دیکھا دیکھی لوگ بھی خیرات کریں۔ خیال رہے کہ ابداء' اظہار' جہر ان سب کے معنی ہیں اعلان و اظہار مگر جہر میں بتانا اظہار میں ہے دکھانا ابداء دونوں کو شامل ہے۔ ظاہر ظہور صدقہ دینا' یا صدقہ سے پہلے اس کا اعلان کر دینا کہ ہم نے یہ دیا سب ابداء میں داخل ہیں۔ حضرت عثمان غنی نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر نو سو اونٹ' نو سو دینار دینے کا اولاً اعلان فرمایا پھر سب کے سامنے لا کر حاضر کر دیئے۔ یہ ابداء کے دوسرے معنی پر عمل ہوا' بیر رومہ یہودی سے خریدا پھر اس کے وقف کا اعلان فرما دیا یہ ابداء کی تیسری صورت پر عمل ہوا

غرضیکہ ان حضرات کے اعمال اس آیت کریمہ کی تفسیریں ہیں۔ **صدقات'** صدقہ کی جمع ہے اس کی لفظی تحقیق پہلے گزر چکی۔ یہاں اس سے صدقہ کے اقسام مراد ہیں بعض نے فرمایا کہ صدقہ نفلی مراد ہے۔ بعض نے فرمایا صدقہ فرض بعض کے نزدیک عام صدقات' صدقہ فرض و نفلی ہر خیرات کو کہتے ہیں۔ (کبیر) یعنی اگر تم اپنے صدقات لوگوں پر ظاہر کرو **فنعما ھی** ف جزائیہ اور نعما نعم فعل مدح اور ما تمیزیہ کا جملہ ہے۔ یہ جملہ ھی کی خبر اور ھی کا مرجع یا صدقات ہیں یا تبدوا کا مصدر یعنی ظاہر صدقے یا صدقات کا ظاہر کرنا کیا ہی اچھا' یا بہت ہی اچھا ہے۔ **وان تخفوھا وتوتوھا الفقراء** اخفاء اظہار کا مقابل ہے جیسے معنی ابداء و اظہار میں ملحوظ تھے ان سب کی نفی اخفاء میں معتبر ہوگی کہ نہ پہلے صدقہ کا اعلان ہو نہ صدقہ دیتے وقت نہ بعد میں۔ ھا کا مرجع یا مطلقاً صدقات ہیں یا اس کی خاص نوع یعنی صدقہ واجبہ۔ جیسے کہا جاتا ہے **عندی دراھم و نصفہ'** اس نصفہ میں ہ کا مرجع دو سرا درہم ہے نہ کہ یہ مذکور۔ اظہار اور اخفاء کو جمع کرنے میں صنعت طباق لفظی ہے اور چونکہ صدقہ پوشیدہ میں فقیر و غنی کی پہچان دشوار ہوتی ہے اس لئے اس کے ساتھ یہ قید لگادی کہ فقیر کو دو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ زکوٰۃ کا ظاہر کرنا بہتر اس لئے وہاں فقراء کا ذکر نہ کیا اور چونکہ زکوٰۃ میں فقیر ہی مصرف نہیں۔ دیگر مصارف بھی ہیں اور صدقہ نفل پوشیدہ کرنا بہتر۔ اور اس کا مصرف صرف فقراء اس لئے یہاں فقراء کی قید لگادی (روح المعانی) **ھو خیر لکم** یہ ف بھی جزائیہ ہے اور ھو کا مرجع تخفوا کا مصدر چونکہ علانیہ صدقہ اکثر دینے والے کیلئے مضر اور دوسروں کو فائدہ مند ہوتا ہے اور پوشیدہ خیرات اس کے برعکس اس لئے یہاں لکم فرمایا گیا نہ کہ پہلی صورت میں۔ یعنی صدقہ پوشیدہ کرکے دینا تمہارے واسطے بہتر ہے **ویکفر عنکم سیئاتکم'** یکفر کفر سے بنا ہے معنی ڈھانپنا۔ اسی سے کفارہ ہے اس کا فاعل یا تو اللہ ہے' یا صدقہ پوشیدہ یا صدقہ علانیہ یا ہر صدقہ۔ من تبعیضیہ ہے۔ سیئات جمع سیئۃ کی ہے' معنی ناگوار چیز' یہاں گناہ مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ من بمعنی من اجل ہے۔ بعض کے نزدیک من زائدہ یعنی رب تعالیٰ یا وہ صدقہ تمہارے سارے گناہوں کو یا بعض گناہوں کو ڈھانک دیگا یا مٹادیگا۔ (کبیر) خیال رہے کہ یہ جملہ جزاء شرط پر معطوف نہیں۔ بلکہ مستقل جملہ ہے چونکہ اس سے پہلے ساکن مضارع گزر چکے ہیں۔ اس لئے اسے بھی ساکن کردیا گیا۔ (روح المعانی) **واللہ بما تعملون خبیر ○** ما موصولہ ہے یا مصدریہ اس سے یا تو صدقات مراد ہیں۔ یا سارے اعمال یعنی خدا تعالیٰ تمہارے سارے اعمال سے خبردار ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! اگر تم اپنے صدقات و خیرات علانیہ طور پر دو تو بھی اچھا ہے کہ اس میں اوروں کو بھی خیرات کی رغبت ہوگی اور تم سے تہمت بخل دور ہوگی اور تمہاری پیروی میں جو بھی صدقہ کرے گا اس کا ثواب تمہیں بھی ملے گا اور گویا کہ تم مبلغ بھی ہوگئے اور اس صورت میں فقیر کی تحقیق بھی ہوجائے گی اور اس سے فقیر کا کام بھی نکلے گا اور چھپا کے خیرات کرو تو تمہارے واسطے بہت بہتر ہے۔ بشرطیکہ فقیر ہی کو خیرات دو بے احتیاطی سے غنی کو نہ دے دو۔ اس لئے کہ چھپا کر دینے میں زیادہ اخلاص ہے۔ نیز تمہارا نفس شہرت اور واہ واہ کا خواستگار ہے۔ اس صورت میں نفس کی مخالفت بھی ہے۔ نیز چھپا کر دینے میں فقیر کی پردہ پوشی بھی ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہ میں ذلیل نہ ہو۔ نیز خفیہ خیرات میں لوگوں کو تمہارے مال کا اندازہ بھی نہ ہوگا۔ جس سے تم صدہا آفات سے محفوظ رہوگے نیز فقیر میں مانگنے کی عادت نہ پیدا ہوگی۔ غرضیکہ علانیہ خیرات میں بھی بہت فائدے ہیں اور خفیہ میں بھی لہٰذا وہ بھی اچھی اور یہ بھی۔ اس صدقہ کی برکت سے رب تعالیٰ تمہارے بہت سے گناہ معاف کردیگا اور وہ ہر ایک

کے اعمال' نیت' ارادوں سے خبردار ہے' صدقہ کی طرح دیگر بدنی عبادات کا بھی یہ ہی حال ہے کہ کبھی ان کا اظہار افضل ہوتا ہے کبھی اخفاء' نیز بعض عبادات کا اظہار بہتر بلکہ ضروری ہے اور بعض کا اخفاء۔ پھر اپنے ایمان کا اظہار فرض ہے کہ اس اظہار پر شرعی احکام کفن دفن وغیرہ موقوف ہیں۔ نماز پنجگانہ کا اظہار واجب ہے کہ ان میں جماعت واجب نماز جمعہ و عید کا اظہار فرض ہے کہ ان کیلئے جماعت فرض' حج ظاہر کرکے ادا کرنا سنت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج کا اعلان فرمایا تھا۔ سب کو جمع کرکے حج کو لے گئے تھے۔ نماز تہجد وغیرہ کا اخفاء لازم ہے۔ خیال رہے کہ اخفاء' لازم یا مستحب ہے۔ حضور انور نے انہیں ظاہر کرکے ادا کیں۔ تاکہ لوگ طریقہ سیکھ لیں حتیٰ کہ نماز منبر پر پڑھائی اور طواف و سعی اونٹ پر کہ وہاں اظہار کی وجہ دوسری ہے۔ یہ حضور انور کی خصوصیت ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نیت خیر کے ساتھ ہر طرح کی خیرات معتبر ہے۔ علانیہ ہو یا پوشیدہ' بدنیتی سے کوئی عمل قابل قبول نہیں۔ **دوسرا فائدہ:** صدقات واجبہ ظاہر کرکے اور نفلی صدقے چھپا کر دینا بہتر ہے جیسا کہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** نفلی صدقے بھی اگر دوسروں کو خیرات کی رغبت دینے کیلئے ظاہر کرکے دیئے تو بھی افضل ہے۔ (مدارک و خزائن) **مسئلہ:** اگر خیرات دینے والا غنا میں مشہور نہ ہو تو اسے بھی چھپا کر خیرات کرنا ہی افضل ہے۔ (مدارک) **مسئلہ:** چندہ کے موقعہ پر علانیہ خیرات خفیہ سے افضل ہے۔ اسی لئے صحابہ کرام جو **مخلصین** کے امام ہیں چندہ علانیہ دیا کرتے تھے۔ ورنہ عثمان غنی و صدیق اکبر کے صدقات مشہور نہ ہوتے۔ لوگ اب تک ان کے واقعات سن کر جوش سے خیرات کرتے ہیں۔ ان سب کا ثواب ان کو بھی ملتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** صدقات صرف فقراء وغیرہ کیلئے ہیں۔ جیسا کہ **توتوھا الفقراء** سے معلوم ہوا۔ اغنیاء کو نہ دیئے جائیں۔ **پانچواں فائدہ:** اس سے معلوم ہوا کہ کبھی ذکر بالجہر بھی افضل ہے کہ اس میں دوسروں کو ذکر کی ترغیب ہے شیطان کو بھگانا ہے اپنی نیند دفع کرنا ہے۔ جیسے صدقہ کا اظہار کبھی افضل ہے کہ وہ عبادت ہے اور اظہار عبادت بھی افضل ایسے ہی ذکر اللہ عبادت ہے اس کا اظہار بھی افضل ہے۔ **مسئلہ:** صدقات جاریہ کو اغنیاء بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ جیسے قبرستان اور مسجد کی زمین اور وقف کنوئیں کا پانی' مسافر خانے وغیرہ۔

مسئلہ: ظاہری مال یعنی جانور اور زمین کی پیداوار کی زکوۃ سلطان اسلام ہی کو دی جائے۔ خود فقراء کو نہ دی جائے۔ (احکام القرآن)

مسئلہ: جیسے صدقات واجبہ اور بعض نفلی صدقے علانیہ بہتر اور اکثر صدقے خفیہ دینا افضل ایسے ہی دیگر عبادات نماز' حج وغیرہ کا بھی یہ ہی حکم ہے۔ نماز پنجگانہ' عید' جمعہ' جماعت ہی سے پڑھے اشراق' تحیۃ الوضو' نماز سفر' تحیۃ المسجد وغیرہ مسجد میں افضل' باقی نوافل گھر میں بہتر (احکام القرآن)۔

مسئلہ: اعلان کے ساتھ حج کو جانا اسی لئے بہتر ہے کہ اس میں دوسروں کو حج کی رغبت ہوتی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** خفیہ صدقہ اکثر علانیہ سے افضل ہے۔ جیسا کہ خیر لکم سے معلوم ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ سات شخص قیامت کے دن سایہ عرش میں ہوں گے۔ عادل سلطان' جوان صالح' اور وہ شخص جسے حسینہ عورت حرامکاری کیلئے بلائے اور وہ رب سے ڈر کر باز رہے' وہ

شخص جس کا دل مسجد سے لگا رہتا ہو' وہ لوگ جو محض اللہ کیلئے محبت یا عداوت رکھیں' وہ شخص جو اکیلے میں رب کو یاد کر کے روئے۔ وہ شخص جو صدقہ اس قدر چھپا کر دے کہ بائیں ہاتھ کو خبر بھی نہ ہو (مسلم بخاری) **ساتواں فائدہ:** صدقہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں' جیسا کہ 'ویکفر' سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** صدقہ سے گناہ ہی معاف ہوں گے نہ کہ شرعی پابندوں کے حقوق' جیسا کہ من تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ خیرات سے قضاء نمازیں معاف نہ ہو جائیں گی۔ **مسئلہ:** کبھی صدقہ حقوق العباد اور حقوق شریعت سے بھی بری کر دیتا ہے کمزور بڈھا روزہ کا فدیہ دے سکتا ہے۔ میت کے فوت شدہ روزے' نمازوں کا کفارہ مال دیا جا سکتا ہے۔ جب قرض خواہ کا پتہ نہ لگے یا امین کے پاس امانت کا مال پڑا ہے اور مالک گم ہو گیا تو اس کے ورثاء موجود ہیں تب تو انہیں دے دے۔ ورنہ بعد انتظار اس کے نام پر خیرات کر دے۔ (کتب فقہ) یہ بھی **من سیئاتکم** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** کسی علانیہ عبادت کرنے والے کو ریاء کار نہ کہنا چاہئے۔ دیکھو رب نے علانیہ صدقہ' دینے کی تعریف فرمائی' بعض مصنفین نے اپنی کتب اپنے نام پر رکھیں جیسے موطا امام محمد یا مسند امام ابو حنیفہ یا حاشیہ عبدالحکیم تاکہ لوگ ان کی زندگی میں ان کتب کے متعلق ان سے کچھ دریافت کریں اور بعد وفات دعائے خیر سے یاد کریں۔ اور بعض مصنفین نے اپنا نام بھی ظاہر نہ کیا۔ جیسے صاحب مشکوٰۃ وغیرہ تاکہ ریا نہ پیدا ہو ہر ایک کی نیت خیر ہے اس لئے وہ دیوبندی حضرات عبرت پکڑیں جو میلاد شریف' گیارہویں' عید معراج منانے والوں اور جلوس میلاد نکالنے والوں کو ریاکار وغیرہ کہتے ہیں تا حقیقی نے بعض علانیہ خیرات کرنے والے صحابہ کو ریاکار کہا تو رب نے ان منافقوں پر غضب کا اظہار فرمایا کہ ارشاد کیا۔ **ومنہم من یلمزک فی الصدقات**

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت میں علانیہ صدقہ کے متعلق نعماھی اور خفیہ کے بارے میں خیر لکم کیوں ارشاد ہوا اس میں فرق کیا ہے۔ **جواب:** دوسرے کے مقابلہ میں بہتر کو خیر کہا جاتا ہے اور مطلقاً بہتر کو نعم۔ مقصود یہ ہے کہ خفیہ خیرات علانیہ سے بہتر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** خیر کے ساتھ لکم کیوں ارشاد ہوا۔ اور نعما کے بعد کیوں نہ ہوا۔ **جواب:** اس لئے کہ خفیہ خیرات کا فائدہ صرف خیرات دینے والے کو ہے۔ اور علانیہ کا فائدہ اس کو بھی اور دوسرے مسلمانوں کو بھی کہ اس کی پیروی سے وہ بھی خیرات کریں گے۔ گویا یہ لازم ہے اور وہ متعدی اس لئے یہاں تخصیص کا کلام ارشاد ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** خفیہ صدقہ کے ساتھ یہ قید کیوں لگائی کہ فقراء کو دو۔ علانیہ کے ساتھ یہ قید کیوں نہ لگی؟ **جواب:** اس لئے کہ علانیہ صدقہ امیر لینے کی ہمت نہ کریگا کہ اس میں ذلت ہے نیز اگر لینا چاہے گا تب بھی واقف کار لوگ کہہ دیں گے کہ تو مالدار ہو کر خیرات کیوں لیتا ہے۔ مگر خفیہ صدقہ ہر ایک لینے کی ہمت کر سکتا ہے اس لئے وہاں زیادہ احتیاط کرنی چاہئے نیز خفیہ صدقہ کرنے والا فقیر کی زیادہ چھان بین نہیں کر سکتا کہ تحقیقات میں اظہار کا اندیشہ ہے اس لئے زیادہ احتیاط کا حکم دیا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صدقات صرف فقراء لیں۔ اور دوسری آیت میں اس کے مصرف آٹھ بیان کئے گئے۔ فقراء' مساکین' یتیم' مسافر وغیرھم ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں تمام مصارف کا ذکر نہ ہوا بلکہ بعض کا۔ اور ایک کے ذکر سے دوسرے کی نفی نہیں ہو جاتی۔ دوسرے یہ کہ وہ آٹھوں قسمیں فقراء کے ہی اقسام ہیں کہ جو یتیمی کی وجہ سے یا مسافر ہو کر فقیر ہو جائے۔ ورنہ غنی یتیم زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔ عامل زکوٰۃ کو بھی زکوٰۃ میں سے تنخواہ اس لئے دی جاتی ہے کہ

وہ فقراء کا خفہ منکار ہے پانچواں اعتراض: فقراء کے جمع لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کم از کم تین فقیروں کو دینا چاہئے۔ (شافعی) جواب: الفقراء میں الف لام جنسی ہے۔ جس نے اس کی جمعیت باطل کردی۔ نیز صدقات بھی جمع ہیں اور واقعی جمیع فقراء کو دیئے جائیں گے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات ہر قسم کے فقراء کو دیا جائے مگر احادیث وفقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ سید کو اور اپنے اصول و فروع کو نہ دے خاوند و بیوی کو نہ دے۔ وہ احادیث و فقہی عبارات اس آیت کے خلاف ہیں لہذا انہیں رد کر دینا چاہئے۔ جواب: وہ احادیث و فقہی عبارات اس آیت کی تفسیر و شرح ہیں۔ جن سے معلوم ہوا کہ یہاں فقراء سے فلاں قسم کے فقراء مراد ہیں۔ جیسے **اقیموا الصلوة واتوا الزكوة** قرآن کریم میں مجمل ہے جسے حدیث و فقہ نے واضح فرمایا کہ فلاں فلاں وقت فلاں فلاں نماز اتنی رکعات اور ان شرائط سے پڑھو۔ یہ آیات مطلق نہیں بلکہ مجمل ہیں۔ مجمل کی تفصیل حدیث سے بھی ہو سکتی ہے۔ فقہ سے بھی منکرین حدیث اس آیت کی تفسیر نہیں کر سکتے۔

تفسیر صوفیانہ: شریعت میں صدقہ علانیہ وہ ہے۔ جو لوگوں پر ظاہر ہو اور خفیہ وہ جو لوگوں سے پوشیدہ مگر طریقت میں صدقہ علانیہ وہ ہے جس میں شہوات نفسانیہ داخل ہوں۔ اور خفیہ وہ جو خالص رب کے لئے ہو۔ فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم صدقات میں حور و قصور جنت وغیرہ کی نیت کر کے اسے علانیہ بنادو تو بھی اچھا ہے لیکن اگر تمہارا صدقہ ان سب سے خالی ہو۔ صرف رب کی رضاجوئی کیلئے ہو۔ اور اس کا اجر اپنے اعضاء ظاہری اور باطنی کو دو جو کہ حقیقی فقیر ہیں تو تمہارے واسطے بہتر ہے۔ **الله الغنى وانتم الفقراء** سخی قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر سخی کا صدقہ رب کیلئے ہے تو وہ اللہ کے سایہ میں ہوگا۔ اور اگر جنت کیلئے ہے تو جنت کے سایہ میں۔ اور اگر ہوائے نفسانی اور خواہش شیطانی کیلئے ہے تو وہ ہاویہ کے سایہ میں صدقہ میں سوائے رضاالٰہی اور دوسری نیت کرنا ہمارے مشرب میں شرک ہے اور شرک ظلم عظیم۔ (ماخوذ از روح البیان) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ مومن کی نیت ہی وہ چیز ہے جو عادات کو عبادات بنادیتی ہے۔ جس سے کھانا پینا سونا بھی عبادت بن جاتے ہیں اور نیت کے بغیر عبادات عادات بن جاتی ہیں کہ انسان کی نماز، روزے بھی عادات بن جاتی ہیں۔ نیت درست ہو تو علانیہ و خفیہ ہر طرح کی عبادت قبول ہے۔ مگر مومن اخلاص کے انتظار میں عبادت چھوڑے نہیں کہ جاہے اخلاص کی دعا کرتے ہیں کبھی وہ بھی نصیب ہو جائے گا۔ عبادات میں حضور کی نقل کی نیت کرے۔ اللہ تعالیٰ ان کی طفیل نقل پر بھی رحمت کرے گا۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا

نہیں ہے اوپر تمہارے ہدایت ان کی اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو کچھ خرچ کرو گے تم

انہیں راہ دینا تمہارے ذمے لازم نہیں ہاں اللہ راہ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تم جو اچھی

تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَلِاَنۡفُسِکُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ

بھلائی سے پس واسطے جانوں تمہاری کے ہے اور نہیں خرچ کرتے ہو تم مگر تلاش کرنے کے لئے رب

چیز دو تو تمہارا ہی بھلا ہے اور تمہیں خرچ کرنا مناسب نہیں مگر اللہ کی مرضی چاہنے

اللّٰہِ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ یُّوَفَّ اِلَیۡکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۲﴾

اللہ کی جو کچھ خرچ کرو گے تم بھلائی سے پورا کیا جاوے گا طرف تمہاری اور تم نہ ظلم کیے جاؤ گے

اور جو مال دو تمہیں پورا ملے گا اور نقصان نہ دیئے جاؤ گے

تعلق: اس آیت کریمہ کا تعلق پچھلی آیتوں سے چند طرح ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں صدقات و خیرات کا ذکر تھا۔ اب اسکے مصارف کا بیان ہے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوگا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ صدقہ فقراء کو دو۔ اب فقراء کی تعمیم کی جا رہی ہے کہ خواہ کفار ہوں یا مسلمان سب کو دے سکتے ہو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں صدقہ مقبولہ و مردودہ کا ذکر تھا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ مقبول کی توفیق دینا ہمارا کام ہے نہ کہ آپ کا۔ **چوتھا تعلق:** صدقہ چند چیزیں ہیں۔ دینے والا مال' اس کی ادا' اور لینے والا' اگلی چیزوں کا ذکر پچھلی آیتوں میں ہو چکا۔ اب آخری چیز یعنی لینے والے کا ذکر ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں صدقات کا ذکر تھا اس کے فضائل' مسائل' فوائد ارشاد ہوئے تھے۔ اس آیت میں تحفے' ہدیئے وغیرہ دینے اس کے فضائل' مسائل فوائد بیان ہو رہے ہیں چونکہ ہدیہ تحفہ وغیرہ صدقے کی شکل ہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ نے صدقے کے بعد ہدیہ کا ذکر فرمایا۔ صدقہ بذات خود عبادت ہے اور صدقہ بذات خود تو معاملہ ہے مگر نیت خیر سے ہو تو اس کا ثواب عبادت کا سا ہے۔

شان نزول: اس کے شان نزول میں چند روایتیں ہیں ایک یہ کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر کی والدہ قتیلہ اور ان کی دادی حضرت اسماء کے پاس کچھ حاجت لے کر آئیں۔ مگر یہ دونوں مشرکہ تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغیر اجازت تمہیں کچھ نہیں دے سکتی کیونکہ تم بے دین ہو۔ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مشرکہ ماں و دادی پر صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ (کبیر) دوسرے یہ کہ بعض انصار کی یہود بنی نضیر و بنی قریظہ سے قرابت تھی۔ انصار انہیں اپنی خیرات نہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم جب تک مسلمان نہ ہو جاؤ ہماری خیرات کے مستحق نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (کبیر) تیسرے یہ کہ اسلام سے پہلے مسلمانوں کی یہود سے رشتہ داریاں تھیں اس وجہ سے وہ ان کے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے مسلمان ہونے کے بعد انہیں یہود کے ساتھ سلوک کرنا ناگوار ہونے لگا اور انہوں نے اس سے ہاتھ روکنا چاہا تاکہ یہود اسلام کی طرف مائل ہوں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خزائن العرفان و خازن) چوتھے یہ کہ مدینہ منورہ کے مسلمان پہلے عام فقراء مدینہ پر صدقہ کرتے تھے خواہ کافر ہوں' یا مومن۔ جب مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کو خیرات دینے سے ممانعت کر دی تاکہ وہ اسلام لانے پر مجبور ہو جائیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خازن) غرضیکہ یہ آیت کفار اہل قرابت کے ساتھ سلوک کرنے کیلئے اتری۔ اور ان روایات میں کوئی تعارض بھی نہیں۔ ممکن

ہے کہ سارے واقعات پیش آئے ہوں تب یہ آیت کریمہ اتری ہو۔

تفسیر: **لیس علیک ھدٰھم۔** علیٰ ضرر یا الزام کیلئے آتا ہے یہاں الزام کیلئے ہے کاف سے خطاب یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے کو کیونکہ اس سے پہلے اور بعد مسلمانوں سے ہی خطاب ہو رہا ہے۔ **ھدیٰ** بمعنی ہدایت ہے۔ ھم کا مرجع کفار ہیں۔ جن کے متعلق سوالات ہوئے تھے ہدایت سے یا تو مطلوب تک پہنچانا مراد ہے یا توفیق خیر دینا یا اسلام پر مجبور کرنا' نہ کہ راہ دکھانا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو راہ دکھائی' اور آپ اس لئے بھیجے گئے تھے۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پڑھنے والے یا اے کفار کو خیرات دینے سے انکار کرنے والے تم پر انہیں ہدایت دے دینا واجب نہیں۔ کیونکہ آپ صرف بشیر و نذیر ہیں اور آپ کے ذمہ صرف تبلیغ' اس دعوت پر آپ کا فرض ختم ہو جاتا ہے۔ **ولکن اللہ یھدی من یشاء۔** لکن رفع وہم کیلئے آیا ہے۔ **یھدی** سے ہدایت خاصہ مراد ہے۔ یعنی مقصود تک پہنچا دینا یا توفیق خیر دینا یشاء کا مفعول (ھدایتہ) پوشیدہ ہے۔ لیکن جسے رب ہدایت دینا چاہے' اسے ہدایت دے۔ **وما تنفقوا من خیر فلا نفسکم۔** ما شرطیہ ہے اور انفاق سے خیرات مراد ہے اور من تنکیریہ یا بیانیہ ہے۔ خیر سے زیادہ مال مقصود یعنی نفلی صدقات **لا نفسکم** سے پہلے ھو پوشیدہ ہے۔ یعنی جو کچھ تم مال راہ الٰہی میں خرچ کرو گے وہ در حقیقت تمہارے ہی لئے ہو گا لہٰذا تم نہ تو وہ مال خیرات کرو' نہ فقیر کو طعنے دو نہ ریاکاری کو دخل دو۔ نہ فقیر کے کفر و ایمان کو دیکھو۔ **وما تنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ** یہ ما نافیہ ہے۔ اور **تنفقون** سے صدقات مراد۔ ابتغاء مفعول لہ' **وجہ اللہ** سے مراد رضائے الٰہی ہے یا تو یہ جملہ نفی ہی ہے یا بمعنی نہی جیسے **والوالدات یرضعن اولادھن** اور جیسے **والمطلقت یتربصن** یعنی تم نہیں خرچ کرتے ہو مگر رضائے الٰہی کیلئے یا نہ خرچ کرو مگر طلب رضا کیلئے۔ (کبیر' خازن) **وما تنفقوا من خیر یوف الیکم** یہ جملہ یا پچھلے **وما تنفقون** کی تاکید ہے یا مستقل عبارت یہاں بھی ما شرطیہ ہے اور من تنکیریہ یا بیانیہ ہے۔ خیر سے ہر صدقہ نفلی مراد ہے **یوف** وفاء سے بنا' بمعنی پورا کرنا' باب تفعیل میں زیادتی کے معنی پیدا ہوئے۔ اس سے یا دنیوی بدلہ مراد ہے یا اخروی بھی چونکہ یوف میں لوا کے معنی شامل ہیں اس لئے اس کے بعد الیٰ آیا یعنی جو کچھ مال تم خیرات کرو گے تمہیں اس کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا۔ لہٰذا فقیر کے سامنے کفر پر نظر مت کرو۔ **وانتم لا تظلمون ○** واؤ حالیہ ہے اور جملہ الیکم کی ضمیر سے حال اس کا عامل یوف ہے اور ظلم بمعنی کم کرنا یعنی تمہارا ثواب کچھ کم نہ کیا جائے گا یا تم ظلم نہ کئے جاؤ گے کہ بلا وجہ اعمال کے ثواب سے محروم کر دیئے جاؤ۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم اسلام پھیلانے کیلئے صدقات روکنے کی تدبیر کیوں اختیار کرتے ہو تم کو کفار پر ہدایت دے دینا واجب نہیں۔ یا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تبلیغ دین کیلئے کفار سے خیرات روکنے کا طریقہ اختیار نہ فرمائیں۔ آپ پر یہ واجب نہیں کہ ان کو ہدایت دے دیں آپ کا فرض صرف احکام پہنچا دینا ہے۔ اس سے زیادہ مشقت کیوں کرتے ہو ہدایت تو اللہ کے قبضہ میں ہے۔ جسے چاہے دے۔ جس کے نصیب میں ہدایت ہے وہ بہر حال مسلمان ہو جائے گا۔ خواہ اسے صدقہ ملے یا نہ ملے اور شقی ازلی کبھی ایمان نہ لائے گا۔ اور اے مسلمانوں تم جو کچھ خیرات کرتے ہو۔ اپنے لئے کرتے ہو' نہ کہ فقراء کیلئے تمہیں ان کے کفر و ایمان سے کیا بحث تم صرف رضائے الٰہی کیلئے صدقہ دیتے ہو۔ تمہارا مدعا بہر حال حاصل ہے لینے والا خواہ کوئی

ہو کافر یا مومن تم یقین رکھو کہ جو کچھ صدق دل سے خیرات کرو گے تمہیں اس کا بدلہ پورا دیا جائے گا کہ دنیا میں تمہارے مال میں برکت ہو گی اور آخرت میں بے شمار ثواب اور تم پر کسی قسم کا ظلم بھی نہ ہو گا۔ اور نہ تمہیں نقصان پہنچایا جائے کہ تمہارا ثواب کم کر دیا جائے۔ ثواب کا دار و مدار اخلاص پر ہے نہ کہ فقیر کے مومن و کافر ہونے پر۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کافر اہل قرابت کے ساتھ سلوک کرنا ضروری ہے کفر سے رشتہ نہیں ٹوٹ جاتا۔ رشتہ سے مراد نسبی رشتہ ہے یعنی کفر کی وجہ سے بیٹا بنوت سے یا باپ ماں ابوبیت سے نہیں نکل جاتے بلکہ ان کے حقوق ابوت ادا کرنا ضروری ہے۔ رہا رشتہ زوجیت' وہ کفر سے ٹوٹ جاتا ہے کہ اگر زوجین میں سے کوئی مسلمان ہو جائے' دوسرا کافر رہے۔ یا مسلمان زوجین میں سے خاوند کافر ہو جائے تو نکاح جاتا رہے گا۔ ہاں کافر و مومن میں میراث نہیں کہ کافر و مومن ایک دوسرے کے وارث نہیں۔ دوسرا فائدہ: ذمی کفار کو صدقہ نفلی دینا جائز ہے نہ کہ فرضی جیسا کہ من خیر سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ صدقہ فرضی صرف مسلمان کو ہی دیا جا سکتا ہے۔ کفار اس کے مصرف نہیں۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: کافر حربی کو کوئی صدقہ نفلی یا فرضی دینا جائز نہیں ہاں ان کے حقوق قرابت ادا کئے جائیں گے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مشرک بھائی کو مدینہ پاک سے مال بھیجا۔ پانچواں فائدہ: تبلیغ دین کیلئے ناجائز ذریعہ اختیار کرنا منع ہے دیکھو مسلمانوں نے تبلیغ کی نیت سے اہل قرابت کفار کے حقوق روکنا چاہے۔ جس سے منع کر دیا گیا۔ چھٹا فائدہ: مصرف کی خباثت سے صدقہ خبیث نہیں ہو جاتا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر بدترین مخلوق پر خیرات کی جائے جب بھی ثواب ملے گا۔ (خازن) کتے کو پانی پلانا بھی ثواب ہے اگرچہ وہ گندہ ہے۔ اس لئے فرمایا گیا **الا ابتغاء وجه الله** مسئلہ: صدقات واجبہ جیسے فطرہ و نذر میں اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافر ذمی کو دیا جا سکتا ہے دیگر آئمہ کے ہاں نہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جو صدقہ سلطان اسلام وصول کر سکتا ہے اس کے سوا تمام صدقات ذمی کفار کو دیئے جا سکتے ہیں۔ چونکہ فطرہ اور منت کا مال سلطان اسلام نہیں لے سکتا۔ لہٰذا کفار ذمی کو دیا جا سکتا ہے۔ (احکام القرآن) امام صاحب کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے **ويطعمون الطعام على حبه مسكينا ويتيما واسيرا** ⊙ یعنی مسلمان کھانا کھلاتے ہیں مسکین یتیم اور قیدیوں کو اور ظاہر ہے کہ دار السلام میں مشرکین بھی قیدی ہوں گے۔ (روح المعانی)۔

مسئلہ: ہندوستان دار السلام ہے کیونکہ یہ افغانستان سے ملحق ہے۔ اور یہاں روزہ نماز وغیرہ بہت سے ارکان اسلام کی آزادی ہے مگر یہاں کے کفار سب حربی ہیں انہیں کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں۔ صدقہ نفل و فرض کا اختلاف ذمی کفار کے حق میں ہے۔ ساتواں فائدہ: مال حلال سے خیرات کرنی چاہئے نہ کہ حرام سے۔ جیسا کہ **من خير** سے معلوم ہوا۔ لینے والا کیسا بھی ہو شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

گر آوے برو پیش آتش مجوس تو وایس چراے کشی دست جوس

آٹھواں فائدہ: اگرچہ فقیر خیرات کا مال حرام جگہ صرف کر دے تو اس سے دینے والے کے ثواب میں کمی نہ ہو گی۔ دیکھو کافر خیرات کھا کر بت پرستی کرے گا اور ممکن ہے کہ وہ خیرات کا پیسہ بتوں پر چڑھائے گا مگر اندیشہ سے انہیں خیرات دینا منع نہ ہوا۔ نواں فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے صدقات' خیرات اخلاص پر مبنی تھے وہ حضرات ریا نام و نمود دکھاوے

سے بالکل پاک و صاف تھے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا **وما تنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ** ہم گواہ ہیں کہ تم لوگ رضاالٰہی کی تلاش میں مال خرچ کرتے ہو بلکہ جن لوگوں نے انہیں ریاکار کہا ان خبیثوں پر سخت عتاب ہوا کہ فرمایا **ومنھم من یلمزک فی الصدقت** حتیٰ کہ فرمایا **ان تستغفرلھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم**۔ آپ ان کیلئے کئی بار دعائے مغفرت کریں ہم تو انہیں نہ بخشیں گے کہ وہ دشمن صحابہ ہیں۔

مسئلہ: ذمی کافر کو خیرات دینا جائز ہے۔ مگر ان کی خیرات لینا مسلمانوں کیلئے بے غیرتی ہے کہ اس میں ذلت رسوائی ہے۔ صحابہ کرام نے سخت مجبوری کی حالت میں بھی کفار کے سامنے دست سوال نہ پھیلایا ہاں ان سے قرض لینا یا ان کا مال غنیمت میں لینا جائز ہے۔ جب حضور علیہ السلام کی وفات شریف ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں گروی تھی مگر انہیں سود دینا سخت حرام ہے۔

مسئلہ: کفار کی نوکری جائز مگر ان کے ہاں ذلیل نوکری یا بت سازی وغیرہ حرام کی نوکری بہت بری ہے۔

اعتراض: **پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو صدقہ دینا جائز ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ تمہارا کھانا متقی کھایا کریں۔ آیت و حدیث میں مطابقت کیونکر ہو **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ آیت میں جواز کا بیان ہے اور حدیث میں استحباب کا یعنی صدقہ کفار کو بھی جائز مگر پرہیزگار کو بہتر۔ دوسرے یہ کہ حدیث میں طعام دعوت مراد ہے اور آیت میں طعام حاجت یعنی دعوت پرہیزگاروں کی کرو اور صدقہ ہر محتاج کو دے دو۔ تیسرے یہ کہ حدیث میں تحفے ہدیے مراد ہیں اور آیت میں صدقات و خیرات۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر صدقہ ہر کافر کو دیا جاسکتا ہے۔ پھر علماء نے نفلی کی قید کہاں سے لگائی۔ اور یہ تقسیم کیسے کی کہ ذمی کو صدقہ نفلی جائز اور فرضی منع **جواب:** رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم** اس کے بعد ارشاد ہے **انما ینھکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین** یہاں دو باتیں بتائی گئیں۔ ایک یہ کہ کافر غیر حربی سے احسان جائز، حربی سے منع۔ دوسرے یہ کہ کافر غیر حربی (ذمی) سے بروقسط یعنی نفلی خیرات وغیرہ جائز ہے نہ کہ فرضی احادیث شریفہ نے بھی اسی کی تائید کی۔ لہٰذا احادیث و قرآن بلکہ خود آیات قرآن میں اس تقسیم کے بغیر مطابقت ہو سکتی ہی نہیں اس لئے یہاں یہ قیدیں بڑھائی گئیں۔ **تیسرا اعتراض:** امام صاحب نے فرمایا کہ جو صدقہ سلطان اسلام لے سکتا ہے وہ ذمی کفار کو نہ دیا جائے تو چاہئے کہ چاندی سونے کی زکوٰۃ کفار کو دی جاسکے۔ کیونکہ سلطان اسلام صرف پیداوار اور جانوروں کی زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے نہ کہ سونے چاندی کی **جواب:** ہر زکوٰۃ لینے کا سلطان کو حق ہے چنانچہ حضور علیہ السلام و حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر قسم کی زکوٰۃ وصول فرماتے تھے۔ عثمان غنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اعلان فرمایا کہ چاندی سونے کی زکوٰۃ ہر شخص اپنے آپ دے۔ گویا آپ نے مال والوں کو اداء زکوٰۃ کا وکیل کیا رب فرماتا ہے۔ **خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا** (احکام القرآن) **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صدقہ کا ثواب پورا ملتا ہے کہ فرمایا گیا **یوف الیکم** مگر دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ صدقہ مقبولہ کے ایک کا ثواب سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ **واللہ یضعف لمن یشاء** دونوں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ **یوف** کا مقصد یہ

ہے کہ کمی نہ ہوگی زیادتی کا انکار اس لئے فرمایا گیا کہ **وانتم لا تظلمون** ○ اور دوسری آیات میں زیادتی کا ثبوت ہے۔ اس آیت میں کمی کی نفی لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہاں دنیاوی جزا کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں اخروی کا۔ جزا کا تذکرہ یعنی صدقات سے تمہارے مال کم نہ ہوں گے۔ بلکہ پورے کر دیئے جائیں گے۔ رہی آخرت وہاں تو تمہیں بہت زیادتیاں دی جائیں گی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں تم جیسا برتاؤ اپنے ماں باپ سے کرو گے اور جیسا سلوک اپنے اہل قرابت سے کرو گے کل تمہاری اولاد اور تمہارے عزیز تمہارے ساتھ کریں گے۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ جو بوؤ گے وہ کاٹو گے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حق تعالیٰ رب العالمین ہے۔ اسکی ربوبیت کا مظہر تمام جہان ہے۔ خواہ کفار ہوں یا مسلمان اس لئے بعض صدقات کفار کو دینا جائز ہوئے کہ ان کی بقاء سے اسلام کی رونق ظاہر ہوتی ہے۔ پانی اور گندا کھاد دونوں ہی سے کھیت کی ترو تازگی ہے۔ ایسے ہی روح طیب ہے اور نفس خبیث کافر اپنے اوقات ضروری خدمت روح پر خرچ کرو۔ یہ گویا فرضی زکوۃ ہے مگر زائد اوقات نفلی صدقہ کی طرح خدمت نفس پر بھی صرف کرو کہ وہ اگرچہ کافر ہے مگر ہے تو تمہارا رفیق۔ روح گویا سوار ہے اور نفس اسکی سواری۔ سوار کو چاہئے کہ اپنے ساتھ اپنی سواری کی غذا کی بھی فکر رکھے۔ جہاں اپنے لئے اعلیٰ نعمتیں جمع کرے وہاں سواری کیلئے گھاس بھوسہ وغیرہ ادنیٰ غذاؤں کا بھی انتظام کرے تم یہ نہیں کر سکتے کہ نفس کو مسلمان کر لو ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اسے کافر ذمی کی طرح غلام بنالو۔ مگر جب یہ کافر حربی بن جائے تو پھر اسکی کوئی رعایت نہیں یہ تمام صدقات و خیرات در اصل تمہارے اپنے لئے ہیں خواہ اس سے نفس خبیث فائدہ اٹھائے یا پاک روح۔ مگر خیال رہے کہ نفس اگرچہ خبیث ہے مگر اسے غذا حلال ہی دو۔ حلال نیند سوؤ حلال جماع کرو۔ دنیا کے حلال مشاغل میں مشغول ہو تو تم اس کا بھی ثواب پاؤ گے یہ نہ کرو کہ خبیث کو خبیث غذائیں دو۔ لہٰذا حرام جماع حرام غذا سے بچو۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي

واسطے ان فقیروں کے جو روکے گئے بیچ راستہ اللہ کے نہیں طاقت رکھتے ہیں وہ چلنے کی بیچ

ان فقیروں کے لئے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے نادان

الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ

زمین کے سمجھتا ہے انہیں ناواقف مالدار بوجہ بچنے کے پہچانے گا تو انہیں ساتھ نشانی

انہیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب تو انہیں انکی صورت سے پہچان لے گا لوگوں

بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

ان کی کے نہیں سوال کرتے لوگوں سے زاری کر کے اور جو کچھ خرچ کرو گے تم بھلائی سے

سے سوال نہیں کرتے کہ گڑ گڑانا پڑے اور جو خیرات کرو

فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ

پس تحقیق اللہ اس کے جاننے والا ہے

اللہ اُسے جانتا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں صدقات کے عارضی مستحقین کا ذکر تھا اب اصلی مستحقین کا بیان ہے۔ کیونکہ کافر فقیر خاص مصیبت میں خیرات کا مستحق ہے ورنہ مسلمان کے صدقہ کا اصلی مستحق مسلمان فقیر ہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں صرف نفلی خیرات کا مصرف بیان ہوا اب عام صدقات کے مصرف کا ذکر ہے۔ خواہ نفلی ہوں یا فرضی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں خیرات کے جائز مصرف کا ذکر تھا۔ اب مستحب مصرف کا بیان ہے کہ اگرچہ کافر فقیر کو بھی خیرات دینا واجب ہے۔ مگر مسلمان کو بہتر **چوتھا تعلق:** کچھ پہلے ارشاد ہوا تھا کہ اگر تم چھپا کر فقراء کو خیرات دو تو تمہارے واسطے بہتر ہے اب ان ہی فقرا کا تفصیلی بیان ہے جن کو خیرات دینا بہتر۔

شان نزول: مسجد نبوی کے پاس ایک صفہ (چبوترہ) تھا۔ جہاں چار پانچ سو فقراء مہاجرین رہتے تھے۔ جن کے پاس نہ گھر تھا نہ دنیوی سامان ' نہ کوئی کاروبار ہمیشہ مسجد میں حاضر رہنا' دن میں روزہ تلاوت قرآن اور رات میں شب بیداری ہر جہاد میں لشکر اسلام کے ساتھ جانا ان کا کام تھا انہیں اصحاب صفہ کہتے ہیں یعنی چبوترہ پر رہنے والے۔ نہ ان حضرات کی شادی ہوئی تھی نہ ان کا یہاں کنبہ و قبیلہ تھا۔ ان کی غریبی کا یہ حال تھا کہ ان میں سے ستر (70) کے پاس ستر پوشی کیلئے پورا کپڑا بھی نہ تھا۔ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں مسلمانوں کو انہیں صدقہ و خیرات دینے کی رغبت دی گئی۔ (کبیر و خزائن العرفان) ایک بار حضور علیہ السلام ان کے پاس تشریف فرما ہوئے۔ ان کی سخت فقیری اور بھوک کی شدت ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے صفہ والو! میری امت میں سے جو تمہاری طرح صابر و شاکر اور پرہیزگار ہوگا وہ قیامت میں میرا رفیق ہوگا۔ پھر فرمایا کہ اے لوگو! ایک وقت وہ آنے والا ہے جب تمہارے سامنے دستر خوان پر غذاؤں کے پیالوں کے پیالے رکھے جائیں گے انہوں نے عرض کیا یا حبیب اللہ اس دن ہم بڑے ہی خیر میں ہوں گے۔ فرمایا بلکہ خیر میں آج ہی ہو۔

تفسیر: **للفقراء الذین** یہ لام جارہ ہے اور فقراء' فقیر کی جمع ہے' لفظ فقیر کی تحقیق پچھلی آیت میں ہو چکی۔ جار مجرور فعل پوشیدہ **اجعلوا صدقاتکم** کے متعلق ہے اگر صدقات سے فرضی زکوۃ مراد ہے تو اجعلوا امر وجوب کیلئے اور اگر صدقہ نفلی مراد ہوں تو استحباب کیلئے کیونکہ صدقہ فرض کسی کافر کو دینا جائز نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ عبارت **صدقاتکم** مبتداء محذوف کی خبر ہو۔ یعنی اپنے صدقے ان فقراء کیلئے مقرر کر دو یا تمہارے صدقے ان فقراء کیلئے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہ جار مجرور ما تنفقون کے متعلق ہے اور **وانتم لا تظلمون** جملہ معترضہ یعنی جو کچھ تم ایسے فقراء پر خرچ کرو گے تو تمہیں اجر پورا ملے گا (روح المعانی) فقراء فرما کر یہ بتایا گیا کہ اگر یہ لوگ۔ معاذ اللہ تعالیٰ غنی ہوں تو انہیں زکوۃ صدقات سے بچنا چاہئے فی سبیل اللہ دینی خدمات کرنی چاہئیں **احصروا فی سبیل اللہ۔** **احصروا'** **حصار** سے بنا جس کا مادہ حصر ہے بمعنی رک جانا اصطلاح میں بیماری' یا حاجت یا خوف کی وجہ سے مقصود سے رک جانا کو احصار کہا جاتا ہے۔ جو حاجی لوائے حج سے مرض یا خوف کی وجہ

سے رک جاتا ہے۔ وہ محصر کہلاتا ہے۔ احصر کا نائب فاعل فقراء ہیں۔ روکنے والا کون؟ اس میں چند احتمال ہیں سبیل اللہ سے ہر نیک کام مراد ہے۔ جہاد ہو یا طلب علم یا دیگر عبادات یعنی وہ فقراء جو جہاد یا طلب علم یا ضروری عبادات کی وجہ سے دنیوی کاروبار سے روک دیئے گئے۔ اس میں طلباء کی طرح فقیر علماء قاضی مصنف وغیرہ تمام ہی داخل ہیں کہ یہ لوگ دینی خدمات کرتے ہیں۔ اگر دنیا کی طلب میں مشغول ہو جائیں تو دین برباد ہو جائے گا۔ روک دیئے گئے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو انہیں طلب علم نے روک دیا گیا۔ یا رب تعالیٰ نے روک دیا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم نے روک دیا۔ کیونکہ فرض کفایہ شروع کر دینے سے فرض عین ہو جاتا ہے۔ جیسے نماز جنازہ کہ فرض کفایہ ہے مگر جو اس کی نیت باندھ لے اس پر فرض عین ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی طلب علم دین علی وجہ اللہ کہ فرض کفایہ ہے۔ مگر جو شروع کر دے اس پر عین فرض ہے **لا یستطیعون ضربا فی الارض۔** یہ احصروا کا بیان ہے۔ ضرب سے چلنا پھرنا اور دنیوی کاروبار کیلئے نقل و حرکت مراد ہے۔ یعنی یہ حضرات طلب علم اور تیاری جہاد میں اس قدر مشغول ہیں کہ زمین میں چل پھر کر کمائی نہیں کر سکتے۔ یعنی کمائی کیلئے نہ تو سفر کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ تجار کا قاعدہ ہے اور نہ کاروباری سلسلہ میں ہی بازار میں چل پھر کر کمائی کر سکتے ہیں۔ **ضرب فی الارض** دونوں کو شامل ہے اگر وہ بازار یا سفر میں رہیں تو سبق ناغہ ہو جائیں گے۔ گویا اسباق نے انہیں نقل و حرکت سے روک دیا۔ حضرت ابن جبیر فرماتے ہیں کہ اس سے جہاد کے زخمی مراد ہیں۔ جو بیماری کی وجہ سے کمانے سے مجبور ہو گئے یا جو جہاد میں اپاہج ہو کر رہ گئے ان کا مسلمانوں کے مال میں حق ہے یہ سب کچھ بھی صحیح۔ ہر وہ شخص جو کمائی سے مجبور ہو۔ خواہ اس کی مجبوری حسی ہو یا دین کی مشغولی وہ اس میں داخل ہے۔ اور یہ حکم قیامت تک جاری۔ **یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف۔ یحسب** حسبان بمعنی ظن سے بنا نہ کہ حساب سے **جاھل** جہل سے مشتق ہے۔ یہاں خبر کا مقابل ہے نہ کہ علم و عقل کا۔ تعفف عف یا عفۃ سے بنا عف اور کف کے معنی ہیں رکنا چھوڑنا اور صبر کرنا۔ اصطلاح میں ناجائز مرغوب چیز سے بچنے کو عفت استعفاف اور تعفف کہا جاتا ہے۔ اسی لئے عفیفہ وہ عورت کہلاتی ہے جس کا دامن بے غیرتی کے دھبے سے پاک و صاف ہو اور کف مطلقاً رکنے کو کہتے ہیں۔ یعنی ان کے سوال سے باز رہنے اور اپنے فقر کو چھپانے کی وجہ سے ناواقف آدمی انہیں غنی مالدار سمجھتا ہے۔ **تعرفھم بسیمھم** یہ خطاب یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا عام مسلمانوں کو۔ تعرف عرفان یا معرفت سے بنا۔ اصطلاح میں کلی علم کو علم اور جزء جزئیات کے پہچاننے کو معرفت کہا جاتا ہے۔ **سیما** سمت سے بنا جس کی اصل وسم ہے بمعنی علامت و بلندی واؤ فکلمہ سے ہٹا کر سین کے بعد لایا گیا۔ یہاں اس سے انکے خشوع و خضوع کے ساتھ آثار یا بھوک کے اثرات مراد ہیں جو ان کے چہروں پر نمودار ہیں۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہ لوگ کبھی کبھی دن کو لکڑیاں بھی بیچا کرتے تھے۔ روح المعانی نے فرمایا کہ اصحاب صفہ میں سے بعض بھوک کی وجہ سے نماز میں گر جاتے تھے لوگ انہیں دیوانہ کہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اصحاب صفہ میں سے تھا کبھی بھوک سے گر جاتا تو گزرنے والوں سے آیت پوچھتا تھا کہ شاید میری آواز سے کمزوری محسوس کر کے کچھ کھلا دیں۔ مگر اس وقت تقریباً سب کے گھر میں اللہ کا نام ہی تھا۔ **لا یسئلون الناس الحافا** یہ جملہ تعفف کا بیان ہے **الحاف** لحف سے بنا بمعنی ڈھانک لینا۔ اسی لئے رضائی کو لحاف کہتے ہیں۔ کہ وہ اوڑھنے والے کے سارے جسم کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اصطلاح میں گڑگڑا کر مانگنے یا سوال میں اصرار کرنے کو الحاف یا الحاح کہتے ہیں کہ اس سے سامنے والے کا دل غیرت سے گویا ڈھک جاتا ہے۔ یہاں یا تو الحاف بمعنی اسم فاعل **لا یسئلون** کی ضمیر کا حال ہے یعنی وہ لوگوں سے اصرار سے

نہیں مانگتے۔ خیال رہے کہ یہ قید اتفاقی ہے' احترازی نہیں۔ کیونکہ وہ بالکل نہ مانگتے تھے جیسا کہ تعفف میں بیان ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ الحاف بمعنی شدت فقر ہو جو انسان کی عقل کو ڈھک لے اور یسئلون کا ظرف یعنی وہ سخت مشکل میں بھی لوگوں سے نہیں مانگتے۔ مگر اعلیٰ حضرت کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یسئلون کا مفعول لہ ہے اس کی تائید تفسیر کبیر سے ہوتی ہے۔ یعنی وہ کسی سے مانگتے ہی نہیں تاکہ انہیں گڑگڑانا پڑے۔ کیونکہ سوال کا انجام زاری ہے بعض نے فرمایا کہ یہ نفی کا مفعول مطلق ہے کہ وہ تعفف اور ترک سوال میں نہایت ہی مضبوط ہیں۔ یعنی **یترکون السوال الحاحا** ۔ (روح المعانی) **وما تنفقوا من خیر فان اللہ بہ علیم** ○ اس میں مسلمانوں کو خیرات کی رغبت دی گئی ہے۔ خیر کے معنی پہلے بیان ہو چکے یعنی جو کچھ تم کار خیر میں خرچ کرو گے رب اسے جانتا ہے بقدر اخلاص ثواب دے گا۔ ما کے عموم سے معلوم ہوا کہ ہر چھوٹا بڑا صدقہ رب کی بارگاہ میں مقبول ہے بشرط اخلاص۔

خلاصہ تفسیر: صدقہ اصل حق ان فقیروں کا ہے جو راہ الٰہی میں مقید ہو گئے ہوں اور دین کی خدمت میں ایسے مشغول ہوں کہ اس کی وجہ سے طلب معاش کیلئے زمین میں نقل و حرکت کی عادۃً" طاقت نہ رکھتے ہوں۔ ان کے طلب معاش میں مشغول ہونے سے دینی کام بند ہو جانے کا اندیشہ ہو اس کے ساتھ ہی سوال سے بالکل دور ہوں۔ جس سے ناواقف آدمی انہیں مالدار سمجھتا ہے۔ ہاں تم ان کی طرز پریشان ہیئت اور قدرتی علامات سے پہچان سکتے ہو کہ یہ فقیر ہیں۔ ان کے چہروں پر فاقہ کے آثار' آواز کی کمزوری رفتار میں ضعف ان کے فقر و فاقہ کا پتہ دیتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ سخت شدت سے بھی لوگوں سے کچھ نہیں مانگتے تاکہ انہیں گڑگڑانا پڑے۔ اور تم ان لوگوں کی خدمت میں جو کچھ تھوڑا بہت مال خرچ کرو گے حق تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے تمہیں بقدر اخلاص ثواب دیگا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: زندگی ہر شخص کی گزرتی ہے مگر بہترین زندگی وہ ہے جو رب کیلئے وقف ہو جائے کہ وہ شخص جو کام کرے نفس کیلئے نہیں بلکہ اللہ کیلئے کرے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کیلئے صدقات کا حکم خصوصی دیا جو اپنی زندگی اللہ کیلئے وقف کر چکے جنہیں **احصروا فی سبیل اللہ** فرمایا گیا۔ دیکھو اگر زمین کیلئے وقف مسجد بن جائے تو اس کی عظمت بڑھ جاتی ہے۔ اصحاب کہف کے کتے نے اپنی زندگی اللہ کے پیاروں کی خدمت کیلئے وقف کی تو اسے حیات جاودانی ملی تو زمین اور رہا پاک کتا اس وقف زندگی کی وجہ سے شان والے ہو گئے تو اگر انسان اپنی زندگی وقف کرے تو ان شاء اللہ فرشتوں سے افضل ہو جائے۔ دیکھو حضرات صدیق و فاروق کی شان دوسرا فائدہ: خاص ضرورت کے وقت گنہگار بلکہ کفار کے ساتھ بھی احسان کرنا بہتر ہے مگر نیک متقی پرہیزگاروں کی خدمت کرنا بہت ثواب کہ عمدہ زمین کا تخم زیادہ پھل دیتا ہے۔ تیسرا فائدہ: بمقابلہ عام فقراء کے غریب علماء دینی طلباء مدرسین کو خیرات دینا افضل ہے۔ جنہوں نے اپنے کو دینی خدمت کیلئے وقف کر دیا اگر ان کی خدمت نہ کی گئی تو یہ طلب معاش کیلئے مجبور ہو گئے تو دین کا سخت نقصان ہو گا یہ سب لوگ **احصروا فی سبیل اللہ** میں داخل ہیں ایک شخص بیک وقت دو کام نہیں کر سکتا۔ چوتھا فائدہ: بمقابلہ پیشہ ور بھکاریوں کے چھپے فقیروں کو صدقہ دینا زیادہ اچھا ہے جیسا کہ تعفف سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: مخلوق سے اپنی تنگدستی اور فقر و فاقہ چھپانا بہت اچھا عمل ہے۔ دیکھو رب نے اصحاب صفہ کے اسی عمل کی تعریف فرمائی۔ چھٹا فائدہ: قیمتی

لباس والے فقیر کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ دیکھو رب نے ان کو زکوۃ دینے کا حکم دیا جو بظاہر غنی معلوم ہوتے ہیں۔ (احکام القرآن) **ساتواں فائدہ:** تندرست فقیر کو بھی زکوۃ دینا جائز ہے۔ دیکھو رب نے ان مہاجرین کو زکوۃ دینے کا حکم دیا۔ جو تندرست مجاہد تھے۔ لپانج یا نابینا نہ تھے۔ **آٹھواں فائدہ:** جس پر فقر کی علامت دیکھے' اسے زکوۃ دینا جائز ہے جیسا کہ **سیماھم** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** علامات پر احکام شرعی جاری ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ہندو کی زنار' چوٹی وغیرہ اس کے کفر کی علامت ہے اسے غسل و کفن نہ دیا جائے اور نہ اسلامی قبرستان میں دفن کیا جائے اور ختنہ علامت ایمان کی ہے اگر کوئی علامت بھی نہ ہو تو مسلمان کے محلے' یا اسلامی ممالک میں ہونا' علامت ایمان اور دارا لکفر میں ہونا علامت کفر ہے یہ ہی حکم پڑے ہوئے بچے کا ہے۔ دیکھو رب نے ظاہر علامت ہو دیکھ فقر قرار دیکر انہیں زکوۃ دینے کا حکم دیا۔ شیر خوار بچہ نے عزیز مصر سے کہا تھا۔ **وان کان قمیصہ قد من دبر فکذبت وھو من الصدقین** یوسف علیہ السلام کی چاک دامنی ان کی پاک دامنی کی دلیل ہوئی ایک جگہ ارشاد ہے **سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود'** سجدہ کا داغ قلبی ایمان کی نشانی (احکام القرآن) **دسواں فائدہ:** سوال میں اصرار و ضد کرنا منع ہے جیسا کہ الحافا سے معلوم ہوا **گیارہواں فائدہ:** استعمالی کپڑے اور گھر کا ضروری سامان زکوۃ لینے سے محروم نہیں کرتا۔ خواہ کتنا ہی قیمتی ہو۔ (احکام القرآن)۔

مسئلہ: فقر کے تین درجے ہیں۔ قدر نصاب سے کم مال کا مالک ہونا اس درجہ میں زکوۃ لینا جائز' مگر سوال حرام چند فاقے یا مقروض ہونا۔ اس صورت میں سوال بھی جائز ہے۔ بھوک سے قریب المرگ ہونا' اور کوئی حلال غذا میسر نہ ہونا' اس صورت میں مردار کھانا بھی جائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ تین شخصوں کے سواء کسی کو سوال جائز نہیں۔ مقروض جب ادائے قرض کی کوئی صورت نہ دیکھے' ہلاکت مال اور فاقہ (مسلم) دوسری روایت میں ہے کہ جو کوئی اپنے پر سوال کا دروازہ کھولے گا رب اس پر فقر کا دروازہ کھول دیگا۔ ایک روایت میں ہے کہ جو بلا ضرورت لوگوں سے سوال کرے گا روز قیامت اس کے چہرے پر کھرونچے وغیرہ ذلت کے آثار ہوں گے۔ (ابوداؤد) حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو مسلمان بھیک نہ مانگنے کا عہد کرلے میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوں۔ (مشکوۃ کتاب الزکوۃ) فرماتے ہیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کوئی مال بڑھانے کیلئے بھیک مانگے' وہ آگ کے انگارے جمع کرتا ہے۔ (ابن ماجہ) بعض صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ اگر گھوڑے سے کوڑا گر جاتا تو بھی کسی سے نہ مانگتے بلکہ خود اتر کر لیتے۔

مسئلہ: ذلت کا سوال منع ہے۔ عام معمولی استعمالی چیزوں کا سوال جائز' جیسے ضرورتاً آگ پانی یا سوئی دھاگا یا تھوڑے نمک کا سوال۔ کیونکہ یہ چیزیں سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طلب فرمائی ہیں۔

مسئلہ: دوسرے کیلئے سوال جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اغنیاء صحابہ سے فقراء کیلئے مال طلب فرمایا ہے۔

مسئلہ: مسجد میں اپنے لئے سوال سخت منع' ہاں دیگر فقراء یا دینی ضرورت کیلئے چندہ کرنا جائز ہے۔

اعتراض: **پہلا اعتراض:** مقید کی نفی قید کی نفی ہے۔ لہٰذا اس آیت کا یہ معنی ہونے چاہئیں کہ وہ فقراء لوگوں سے مانگتے تو ہیں گڑگڑاتے نہیں۔ **جواب:** یہ قاعدہ کلیہ نہیں اکثریہ ہے کہ قید اتفاقی اور قرائن کی موجودگی اس سے خارج ہے یہاں تعفف

سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ کہ بالکل سوال نہیں کرتے رب فرماتا ہے **لا تاکلوا الربوا اضعافا مضعفۃ** اس کا یہ مطلب نہیں کہ دگنا 'تگنا سود نہ کھاؤ' سوایا ڈیوڑھا کھالو۔ بلکہ بالکل نہ کھاؤ۔ رب فرماتا ہے **ولا تکرھوا فتیٰتکم علی البغاء ان اردن تحصنا** اگر تمہاری لونڈیاں زنا سے بچنا چاہیں تو انہیں اس پر مجبور نہ کرو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر وہ چاہیں تو زنا کرلیں بلکہ ہرگز نہ کرنے دو۔ نیز ہم نے تفسیر میں عرض کردیا کہ الحافًا نفی کا ظرف بھی ہو سکتا ہے۔ اور حتیٰ کا مفعول لہ بھی یعنی وہ سخت مصیبت میں بھی سوال نہیں کرتے۔ اگر حال بھی ہو تو بھی قرینہ کی وجہ سے مقید ہی کی نفی ہوگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الحافا سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ ایسی چیز کا سوال کسی سے نہیں کرتے جس کا مانگنا ذلت و خواری ہو۔ جس میں گڑگڑانا پڑتا ہے۔ لہٰذا اس سے ان چیزوں کا سوال نکل گیا جو ذلت و رسوائی کا باعث بنے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی وغیرہ لوگوں سے مانگا ہے۔ عموماً" لوگ آس پڑوس سے ایک دوسرے سے سوئی دھاگہ 'نمک' مرچ' آگ' پانی مانگتے رہتے ہیں۔ اس میں کوئی ہتک نہیں سمجھتا۔ اس لئے مرقاۃ ارشاد ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اپنے لئے نہیں مانگتے۔ تاکہ انہیں زاری عاجزی گڑگڑاہٹ کرنا پڑے۔ دوسروں کیلئے اگر مانگی تو پریشانی الحاف ہے۔ غرضیکہ الحاف کی تفسیر بہت مفید ہے۔ اور اس سے بہت مسائل کا استنباط ہو سکتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت میں اجتماع نقیضین معلوم ہوتا ہے۔ اولاً" فرمایا گیا کہ انہیں ناواقف غنی سمجھتا ہے۔ بعد میں ارشاد ہوا کہ تم انہیں نشانی سے پہچان لوگے۔ اگر ان میں علامت فقر موجود تھی تو غنی سمجھنے کے کیا معنی؟ اگر نہ تھی تو **سیماھم** سے کیا مراد ہے؟ جواب یہاں مصنوعی علامات کا انکار ہے اور قدرتی نشانی کا ثبوت ہے یعنی وہ اپنے فقر کو چھپاتے ہیں اپنے پر اس کی علامتیں ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ مگر قدرتی نشانیاں چہرہ کی زردی' آنکھوں میں آنسو ڈگڈگانا۔ رفتار میں ضعف' ان کی قلبی حالت کا پتہ دے دیتی ہے۔ ثبوت اور چیز کا ہے۔ انکار دوسری چیز کا۔ **تیسرا اعتراض:** **الفقراء** کے لام سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات صرف انہیں مساکین کو دیئے جائیں جو دینی کاموں میں مشغول ہوں تو چاہئے کہ دوسرے لوگ خیرات کے مستحق نہ ہوں۔ لام تخصیص کیلئے آتا ہے حالانکہ دوسری آیت سے پتہ چلتا ہے کہ زکوۃ کے مصارف آٹھ ہیں اور پچھلی آیت میں بھی کفار فقیروں کو خیرات دینے کا اشارہ کیا گیا۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** یہ حصر اضافی یا استحبابی ہے۔ یعنی ایسے فقراء کو یہ خیرات دینا زیادہ ثواب ہے۔ یا اغنیاء کے مقابلہ میں حصر ہے یعنی مالداروں کو نہ دو ایسے فقیروں کو دو۔ نیز وہ آٹھ مصرف فقراء کی ہی قسمیں ہیں کہ مسافر سفر کی وجہ سے' اور یتیم یتیمی کے باعث اور مقروض قرضہ کے سبب سے فقیر ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** **لا یستطیعون** سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فقراء نقل و حرکت پر قدرت ہی نہیں رکھتے۔ حالانکہ ان میں قوت موجود ہے۔ پھر نہ سکنے کے کیا معنی۔ جواب یہاں عرفی مجبوری مراد ہے نہ کہ منطقی' یعنی دینی مشغولی کے باعث وہ سفر وغیرہ سے مجبور ہیں کہ ان کا طلب معاش کیلئے نکلنا دینی نقصان کا سبب ہے۔ **پانچواں اعتراض:** علماء طلباء و مشائخ عظام کو چاہئے کہ امام ابو حنیفہ اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح خود کمائیں اور مفت دینی خدمت کریں نذر' نذرانہ' صدقہ' خیرات کو ذریعہ معاش نہ بنائیں۔ دین سے دنیا نہ کمائیں۔ جواب اس کا تفصیلی جواب **لا تشتروا بایتی ثمنا قلیلا** کی تفسیر میں گزر چکا اس آیت میں ان لوگوں کو رب نے معذور فرمایا کہ یہ حضرات کسب معاش کر سکتے ہی نہیں۔ حضور غوث پاک و امام اعظم وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا اور کتنے علماء و مشائخ ایسے گزرے جنہوں نے کسب معاش بھی کیا ہو اور تبلیغ دین بھی کوئی نہیں۔ امام ابو یوسف نے ہارون الرشید بادشاہ سے قضاء کی تنخواہ لی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سلطانوں سے نذرانے قبول

فرمائے۔ سواء حضرت عثمان غنی کے تمام خلفائے راشدین نے خلافت پر تنخواہ لی۔ افسوس ہے کہ دنیوی بادشاہوں کے معمولی نوکر شاہی خزانہ سے تنخواہیں لیں مگر شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام علماء جو دین کو سنبھالے بیٹھے ہیں۔ وہ ایک پائی کے مستحق نہ ہوں' اسلامی بادشاہوں نے علماء کی بڑی خدمتیں کیں۔ علماء نیشاپوری جو مدرسہ نظامیہ بغداد کے مدرس اول تھے۔ نظام الملک نے ان کی تنخواہ ایک لاکھ درہم ماہوار مقرر کی تھی۔ اس مدرسہ کے طالب علم حضور غوث پاک' امام غزالی' شیخ سعدی شیرازی ہیں۔ دیکھو مناقب غوث اعظم' اس مدرسہ کا نام مدرسہ نظامیہ اور اس کے مقرر کردہ درس کا نام درس نظامی ہے۔ جو آج تک پڑھا جاتا ہے۔ حضرت اورنگزیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ نے جن علماء سے فتاویٰ عالمگیری لکھوایا۔ انہیں دو لاکھ روپے اور دو سو قرش سونا نذرانہ میں دیا۔ رب تعالیٰ تو فرماتا ہے ایسے لوگوں کو دو۔ اور مسلمان کہتے ہیں کہ مت دو۔ کس کی مانیں رب کی یا ان کی۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ لوگوں سے کچھ نہ مانگنا چاہئے اللہ اور صرف اللہ سے مانگے تو چاہئے کہ نبیوں ولیوں سے کچھ نہ مانگے تم لوگ بزرگوں کی قبروں تک سے مانگتے ہو اس آیت کی مخالفت کرتے ہو۔ جواب: الناس میں دنیادار مراد ہوئے ہیں۔ حضرات محبوبین بارگاہ الٰہی عموماً" اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں لوگوں سے بھیک مانگنا ذلت و خواری ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے رب کی تمام نعمتیں مانگنا ہر مومن کیلئے فخر ہے۔ دیکھو لوگوں کو راضی کرنے کیلئے انہیں دکھلاوے کیلئے اعمال کرنا ریا ہے مگر حضور انور اور رب تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے نیکیاں کرنا بہت ہی محبوب۔ رب فرماتا ہے **واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ** غرضیکہ لوگوں سے بھیک مانگنا اور ہے اور اللہ کے پیاروں سے شفاعت وغیرہا مانگنا کچھ اور۔

تفسیر صوفیانہ: مشائخ کی خانقاہیں اور ان کی مساجد و عبادت گاہیں۔ و مصلی سب سبیل اللہ ہیں۔ اور ان حضرات کا اللہ سے مشغول رہنا' حالات میں مستغرق ہونا' اپنے اوقات کو عبادت میں گھیر دینا ان کا مشغلہ۔ اس پر ان کا لوگوں سے بے پرواہ رہنا' کسی سے سوال نہ کرنا یہ عفت پھر ان کے چہروں کا نور پیشانیوں پر سجدوں کے داغ اور عرفان کی چمک' ان کی علامت و پہچان' فرمایا جا رہا ہے کہ جو سبیل اللہ یعنی مساجد اور خانقاہوں میں گھرے ہوئے ہیں اور عبادت اور اشتغال باللہ کی وجہ سے کسب و تجارت نہیں کر سکتے۔ عام مسلمان ان کا استغناء دیکھ کر انہیں غنی سمجھتے ہیں مگر ان کے چہرہ کا نور اور آثار فقران کے قلب کا پتہ دیتے ہیں۔ انہیں یا تو خدا ہی پہچانتا ہے۔ یا ان کے گروہ کا آدمی' لوگوں سے بالکل نہیں سوال کرتے۔ ہر حاجت رب پر پیش کرتے ہیں۔ اے مسلمانو تم حلال کمائیوں میں ان کا حصہ رکھو۔ تاکہ تمہارے مال میں برکت رہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ مال اللہ کا مال ہے اور فقراء اللہ کے عیال۔ جو اسکا مال اس کے عیال پر خرچ نہ کریگا اس پر وبال آئے گا۔ اور رب کو اس کی پرواہ بھی نہ ہوگی۔ لطف یہ ہے کہ ان فقراء نے رب سے مانگا۔ اور رب نے ہم سے فرمایا کہ جاؤ انہیں دے آؤ۔ تو گویا جو ان مقبولین پر خیرات کرے وہ رب کا وکیل ہے۔ (از ابن عربی) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ سبیل اللہ دو ہیں۔ ایک تو کھلا ہوا واضح و صاف راستہ جسے شریعت کہتے ہیں۔ دوسرے چھپا ہوا پیچ دار راستہ یعنی گلی در گلی' جسے۔ طریقت کہا جاتا ہے۔ علماء نے تو اپنے کو شریعت کیلئے وقف کیا ہے کہ عام لوگوں کو اس پر چلائیں۔ صوفیاء نے اپنے کو طریقت۔ کیلئے وقف کیا کہ خواص کو ان گلی کوچوں سے واقف کریں۔ دونوں جماعتیں مدوفی سبیل اللہ میں شامل ہیں۔ سبیل مطلق۔ ہے اور شریعت و طریقت اس کی دو قسمیں ہیں۔ دونوں جماعتیں دینی خدمات کی باعث سفر و کمائی کے قابل نہ رہیں۔ جو مال ان کی خدمات میں خرچ ہو وہ اچھی راہ میں گیا۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے رات اور دن چھپا کر اور ظاہر پس واسطے انکے

وہ لوگ جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں رات میں اور دن میں چھپے اور ظاہر ان کے لئے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

اجر ہے ان کا نزدیک رب ان کے اور نہیں ہے ڈر اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے

ان کا نیک اجر ہوتا ہے ان کے رب کے پاس ان کو نہ کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں خیرات کا بہترین مصرف بیان کیا گیا تھا۔ اب اس کے بہترین اوقات و حالات کا ذکر ہے۔ (کبیر) **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اجمالاً فرمایا گیا تھا کہ تم جو خرچ کرو گے اللہ اسے جانتا ہے اب اس اجمال (جو) کی کچھ تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں صدقہ لینے والے فقیر کی صفت بیان ہوئی ہے کہ راہ الٰہی میں پابند ہو۔ دنیوی کاروبار نہ کر سکے۔ بھیک نہ مانگتا ہو وغیرہ۔ اب صدقہ دینے والے سخی کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ جو ہر وقت اور ہر حال میں خیرات کرتا رہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلے رکوع میں خیرات کے بہت سے اقسام بیان ہوئے اس رکوع میں سود کا ذکر ہے۔ مسئلہ سود شروع فرمانے سے پیشتر صدقات کے متعلق ایک ایسا اجمالی قانون ارشاد فرمایا جو ساری قسموں کو شامل ہے گویا یہ آیت صدقہ کے مضمون کا تتمہ ہے۔

شان نزول: اس کے نزول کے بارے میں چند روایتیں ہیں۔ 1۔ جب **للفقراء الذین احصروا** نازل ہوئی تو حضرت عبدالرحمان بن عوف نے اصحاب صفہ کے پاس دن کے وقت بہت دینار بھیجے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت میں ایک وسق (ساٹھ صاع)۔ (ہر صاع تقریباً "چار سیر کل تقریباً" چھ من) کھجور ان کے پاس بھیجیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ان دونوں صاحبوں کو قبولیت کا پروانہ عطا ہوا۔ (خازن، کبیر) گویا اس کا پہلا جزء سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اور دوسرا جزء حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے حق میں ہے۔ 2۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار دینار (ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ) خیرات کیا۔ دس ہزار دینار رات میں، دس ہزار دن میں، دس ہزار پوشیدہ، دس ہزار علانیہ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں انہیں تمام صدقات کی قبولیت کی سند دی گئی۔ (خزائن و بیضاوی و مدارک) 3۔ ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس صرف چار درہم تھے انہوں نے چاروں خیرات کر دیئے ایک رات میں ایک دن میں ایک خفیہ ایک علانیہ۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے یہ کیوں کیا عرض کیا کہ وعدہ الٰہی کا اپنے آپ کو حقدار بنانے کیلئے حضور علیہ السلام نے فرمایا لک ذلک۔ اس کی تائید میں یہ آیت آئی۔ (کبیر و ابن عباس و بیضاوی) 4۔ بعض صحابہ کرام نے جہاد کی نیت سے گھوڑے پالے تھے۔ جن کی دن رات خدمت کرتے تھے۔ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی۔ حضرت ابوہریرہ ہر موٹے گھوڑے کو دیکھ کر یہ آیت پڑھتے تھے (کبیر) ان روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ سارے واقعات منفصل ہوئے ہوں۔ جن پر یہ آیت اتری۔ 5۔ یہ ساری آیت حضرت عثمان غنی کے بارے میں آئی۔ جنہوں نے لشکر عسرت کو سامان دیا۔ (روح المعانی)

تفسیر: **الذین ینفقون اموالھم** اگر یہ آیت ایک یا دو صحابی کے بارہ میں آئی ہو تب تو الذین سے اس قسم کی خیرات کرنے والوں کی جماعت مراد ہے۔ کیونکہ عموم الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ خصوص نزول کا۔ اور اگر مجاہدین کے بارہ میں آئی تو الذین کا جمع ہونا بالکل ظاہر ہے۔ **ینفقون** سے انفاق فی سبیل اللہ یعنی صدقات و خیرات مراد ہیں نہ کہ ہر خرچ۔ اموال سے ادنیٰ اعلیٰ تھوڑا بہت بلکہ ہر نوعیت کا مال مراد ہے۔ یعنی جو مسلمان راہ الٰہی میں اپنے کسی قسم کے مال خرچ کرتے ہیں۔ بہرحال الذین سے روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے خواہ صحابہ کرام ہوں تا قیامت سارے مسلمان کفار اس سے خارج ہیں۔ کیونکہ کفار کا صدقہ خیرات بلکہ تمام عبادات برباد ہیں۔ عبادات کی قبولیت کیلئے ایمان شرط ہے۔ بغیر وضو نماز برباد بغیر ایمان اعمال برباد **ینفقون** کے معنی ہیں خرچ کرتے ہیں یعنی ایک بار کے خرچ پر قناعت نہیں کرتے۔ بلکہ یہ خرچ ان کی عادت ہو چکی ہے خرچ سے مراد یا تو نفلی صدقات ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ وہ لوگ صرف فرض واجب صدقات پر قناعت نہیں کرتے۔ بلکہ نفلی صدقات بھی دیتے رہتے ہیں یا فرض صدقے مراد ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ شروع سال سے ہی زکوٰۃ دینا شروع کر دیتے ہیں اور سال گزرنے پر حساب لگا لیتے ہیں اگر زکوٰۃ حساب سے بڑھ گئی تو اگلے سال میں وضع کر لیتے ہیں اگر کم رہی تو اور نکال دیتے ہیں اگر برابر رہی تو خیر' اسی صورت میں یہ کلمہ اوقات کی دلیل ہے کہ زکوٰۃ سال سے پہلے بھی دینا جائز ہے اموال اس لئے فرمایا کہ ہر مال کی زکوٰۃ علیحدہ ہے۔ چنانچہ وہ ہر مال میں سے زکوٰۃ نکالتے رہتے ہیں۔ **باللیل والنھار** ان لفظوں کی تحقیق پہلے پارہ میں ہو چکی۔ اس سے یا تو رات و دن مراد ہیں۔ جیسا کہ اگلے شان نزول سے معلوم ہوا۔ یا سارے اوقات یعنی رات و دن میں بہ تخصیص ہر وقت۔ **سرا وعلانیۃ** اس سے یا تو خفیہ اور پوشیدہ حالات مراد ہیں یا عام احوال یعنی خیرات کرتے ہیں ہر حال میں ان خیراتوں کا خفیہ یا علانیہ ہونا لوگوں کے اعتبار سے ہے نہ کہ اللہ رسول کے لحاظ سے یعنی وہ کبھی صدقے تو چھپا کر دیتے ہیں بعض ظاہر کر کے۔ دونوں طریقے محمود ہیں۔ اخفاء میں اخلاص زیادہ ہے اور اعلان میں دوسروں کو صدقہ کی ترغیب ہے۔ **فلھم اجرھم** لھم کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا کہ اجر کا سبب صدقات ہیں۔ **عند ربھم** یہ اجر کا ظرف ہے۔ یا ثابت پوشیدہ کا۔ اور اجر کی صفت یعنی ان کا ثواب قیامت میں ملے گا نہ کہ صرف دنیا میں۔ خیال رہے کہ عند سے مراد قرب شرف ہے نہ کہ قرب مکانی کیونکہ رب تعالیٰ جگہ سے پاک ہے۔ **ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** آئندہ پر دہشت کو خوف اور گزشتہ پر غم کو حزن کہتے ہیں اور یہ جملہ یا قیامت کے متعلق ہے یا نزع کے' یا دنیوی زندگی کے چونکہ خوف ہر وقت رہ سکتا ہے۔ اور حزن اکثر عارضی ہوتا ہے اس لئے وہاں کا خوف اور یہاں **یحزنون** مضارع ارشاد ہوا۔

خلاصہ تفسیر: جو مسلمان اپنے ہر قسم کے مال ہر وقت (دن رات) ہر حال میں (خفیہ و علانیہ) راہ الٰہی میں خرچ کرتے ہیں ان کا اجر انہیں کو ملے گا نہ کہ ان کے غیر کو اور نہ صرف دنیا ہی میں انہیں مال برباد ہونے کا خوف ہو اور نہ وہ خیرات پر غمگین ہوں اور نہ مرتے وقت انہیں اپنے مال و عیال چھوٹنے کا غم ہو اور نہ آئندہ مال کی بربادی کا خطرہ کیونکہ ان کے قلب میں مال کی محبت ہوتی ہی نہیں اور رب تعالیٰ ان کے مال کا خود متولی ہوگا۔ یا آخرت میں نہ ان پر دوزخ و عذاب وغیرہ کا خوف و خطر ہو اور نہ گزشتہ عمر کی بربادی کا غم کیونکہ ان کا صدقہ انہیں عذاب سے بچائے گا اور اجر تک پہنچائے گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ۔ نیکی میں معمولی اور بڑی کا لحاظ نہ کرے صدقات میں

تھوڑے اور زیادہ مال کی پرواہ نہ کرے جو ہو سکے کر گزرے رب کے ہاں اخلاص دیکھا جاتا ہے نہ کہ محض زیادتی مال۔ جیسا کہ اموالھم سے معلوم ہوا۔ معمولی نیکی اس تھوڑے پانی کی طرح جو بھی پیاسے کی جان بچالیتا ہے۔ دوسرا فائدہ: نیکی میں دیر نہ کرے۔ جب ممکن ہو کر گزرے جیسا کہ **بالیل والنھار** سے معلوم ہوا' دیر لگانے میں محرومی کا اندیشہ ہے۔ بعض لوگ صدقات کیلئے بعد رمضان کا انتظار کرتے ہیں یہ غلطی ہے زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔ تیسرا فائدہ: نیکی ہمیشہ اور پابندی سے کرنی چاہئے اگرچہ تھوڑی ہو۔ حدیث شریف میں ہے۔ **خیر الامور ما داوم علیہ صاحبھا وان قل** دوسری روایت میں ہے **احب الاعمال الی اللہ ادومھا وان قل**(بخاری و مسلم) یعنی دائمی عمل اچھا اگرچہ تھوڑا ہو یہ بھی **بالیل والنھار** سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: ہر حال میں نیکی کرے' غصہ میں خوشی میں' رنج میں' راحت میں' تکلیف میں آرام میں' خلوت اور جلوت میں جیسا کہ **سرا وعلانیۃ** سے معلوم ہوا پانچواں فائدہ: خفیہ خیرات علانیہ سے بہتر ہے' اسی لئے لیل کو نہار پر اور سرا کو علانیہ پر مقدم کیا۔ چھٹا فائدہ۔ نیکی کا ثواب کرنے والے کو ضرور ملتا ہے۔ جیسا کہ **لھم** سے معلوم ہوا ساتواں فائدہ: صدقات کا ثواب قیامت میں ضرور ملے گا سخی کے مال کی برکت اس کا عیش و آرام اور بلاؤں سے محفوظ رہنا' یہ صدقہ کا اجر نہیں ہو گیا جس سے آخرت میں کچھ کمی ہو جائے یہ تو ایسا ہے' جیسے سرکاری نوکر کیلئے بھتہ' جیسا کہ **عند ربھم** سے معلوم ہوا آٹھواں فائدہ: سخی مسلمان ان شاء اللہ قیامت میں زمرہ اولیاء میں ہوں گے کیونکہ اولیاء اللہ کیلئے بھی **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ○ فرمایا گیا ہے۔ اور یہاں سخی کیلئے بھی۔ نواں فائدہ: صدقہ و خیرات خوف و غم دور کرتے ہیں کہ سخی دنیا میں بھی بربادی مال کے خوف و غم سے اور مرتے وقت بھی اور آخرت میں بھی ہر قسم کے خوف و غم سے دور رہے گا۔ بخیل مرتے وقت' اپنے مال پر حسرت کرتے ہوئے جاتے ہیں۔ سخی یہ سمجھ کر کہ میرا مال میرے ساتھ جا رہا ہے' بآرام سفر کرتا ہے۔ یہ سب **لا خوف** سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: لالچی آدمی زیادہ مصیبت زدہ ہے اگرچہ کتنا ہی مالدار ہو۔ سخی آدمی آرام میں ہے' اگرچہ کتنا ہی غریب ہو۔ حضرت عمر جب خلیفہ ہوئے تو آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بعض طمع فقیری ہے۔ اور بعض ناامیدی غنا تم اتنا مال جمع کرتے ہو جتنا کھا نہیں سکتے' اور وہ امیدیں باندھتے ہو جو پا نہیں سکتے۔ یاد رکھو کہ بخل نفاق کا ایک حصہ ہے۔ پس سخاوت اختیار کرو اور یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (روح المعانی)

اعتراض: پہلا اعتراض: لھم کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا کہ خیرات کا ثواب صرف خیرات کرنے والے کو ملے گا نہ کہ دوسرے کو' جس سے لازم آیا کہ ایصال ثواب باطل ہے۔ کیونکہ اس میں خیرات تو کوئی کرتا ہے اور ثواب کسی دوسرے کو بخشا جاتا ہے جواب: آیت سے معلوم ہوا کہ ثواب کا مستحق صرف خیرات کرنے والا ہے۔ لھم کلام ملکیت کا ہے اب اگر خود مستحق اپنی خوشی سے دوسرے کو اپنا ثواب دے دے تو دے سکتا ہے۔ آیت میں استحقاق کا حصر ہے اور ایصال ثواب میں اپنا حق دوسرے کو دیا جاتا ہے۔ میرا مال میری ملکیت ہے مگر میں جسے چاہوں دے دوں۔ اس کی زیادہ تحقیق ان شاء اللہ سورہ بقرہ کے آخر میں **لھا ما کسبت** کی تفسیر میں آئے گی۔ خیال رہے کہ عبادت کا ادا ہونا کچھ اور ہے اور عبادت کا ثواب مل جانا کچھ اور ہے بدنی عبادت کوئی دوسرے کی طرف سے نہیں کر سکتا' خود کرنی پڑے گی اس کیلئے وہ آیات ہیں **لیس للانسان الا ما سعی** اور **لھا ما کسبت** وغیرہ اس لئے وہاں کسب اور سعی کا ذکر ہے اور کسی کو دوسرے کے عمل کا ثواب مل جائے گا

دوسری آیات میں دوسرا اعتراض: حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ اولاد کی نیکی میں ماں باپ کا بھی حصہ ہو تا ہے عالم کے باپ کو بروز قیامت تاج پہنایا جائے گا۔ تو سخی کے باپ کو اولاد کی سخاوت سے ضرور حصہ ملنا چاہئے۔ مگر اس آیت سے استحقاق کا حصر معلوم ہوا۔ اب اس آیت و حدیث میں مطابقت کیونکر معلوم ہو؟ جواب: ماں باپ وغیرہم کا اولاد کی اصل نیکی میں حصہ نہیں وہ تو اس کی اپنی ہے۔ ہاں انہیں اچھی تربیت کا یہ ثواب ملتا ہے کہ اولاد کی ہر نیکی کا ثواب ان کے ماں باپ کو بھی مل جاتا ہے اور اولاد کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ یعنی عمل کا ثواب عامل کو اور ذریعہ عمل کا ثواب ذریعہ کو ملتا ہے۔ روایات سے ثابت ہے کہ صدقہ دینے والا۔ دلوانے والا' صدقہ کا خزانچی سب ہی ثواب میں شریک ہیں اس کا یہ مطلب ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ثواب کے مستحق وہ لوگ ہیں جو دن رات اور خفیہ و علانیہ ہر طرح خیرات کریں تو چاہئے کہ صرف رات یا صرف دن میں خیرات کرنے والا یا صرف علانیہ یا صرف خفیہ خیرات کرنے والا یہ ثواب نہ پائے؟ جواب: یہ حکم کل مجموعی کا نہیں' بلکہ کل افرادی کا ہے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک ثواب کا مستحق ہے جیسے کہا جاتا ہے جو جماعت آئے گی اسے انعام ملے گا۔ یعنی ہر آنے والے کو۔ یعنی صدقہ اختلاف' حالات یا اوقات سے نہیں بدلتا۔ بلکہ نیت و ارادے سے یا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کا ثواب ہر قسم کے صدقہ والے کو ملے گا۔ گویا ہر ایک طرح کا صدقہ کرنے والا ثواب بھی ہر ایک طرح کا پائے گا۔ اور ان چاروں قسموں کا صدقہ کرنے والا ثواب بھی چاروں قسموں کا پائے گا۔ **لھم اجرھم** سے اجر کامل مراد ہے۔ **ینفقون** میں نفقہ مطلق مراد ہے اور **اموالھم** میں مال مطلق **باللیل و النھار** میں ہر وقت مطلق مراد ہے۔ **سرا** و **علانیۃ** میں حال مطلق تو **لھم اجرھم** میں اجر بھی مطلق ہی مراد ہو گا۔ ہر طرح کا مال ہر طرح کا خرچ کرو۔ ہر وقت خرچ کرو ہر حال میں خرچ کرو رب سے ہر طرح کا اجر و ثواب لے لو۔

تفسیر صوفیانہ: عام سخی دن رات اور ہر حال میں مال خرچ کرتے ہیں۔ جس کا ثواب پاتے ہیں اور خاص غنی اعمال کی جن کا ثواب ان سے اعلیٰ ہے اور خاص الخاص احوال کی سخاوت کرتے ہیں جس کا ثواب ترقی مراتب و درجات ہے مگر اخص الخاص حضرات ہر حال میں نفس کی سخاوت میں مشغول کہ کونین سے منہ موڑ کر' اور دارین کی نعمتیں دوسرے کیلئے چھوڑ کر خود خالق کونین کی طرف متوجہ رہتے ہیں سوتے ہیں تو رب کیلئے جاگتے ہیں تو اس کیلئے کھاتے ہیں تو اس کیلئے پیتے ہیں تو اس کیلئے بولتے ہیں' یا خاموش رہتے ہیں تو اسی کیلئے۔ ان کا ہر کام رب کی رضا جوئی میں ہے ان کا ثواب یہ ہے کہ شعر۔

کشتگان خنجر تسلیم را ۔ بر زمان از غیب جانے دیگر است

حکایت: اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے ملفوظات میں ہے کہ ایک دفعہ سخت بارش ہو رہی تھی اندھیری رات تھی حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی قدس سرہ بدایونی ثم الدھلوی نے اپنے کسی خاص خادم سے فرمایا کہ دہلی کے اس کنارے جمنا پار ایک قطب تشریف فرما ہیں انہیں کھیر کھلا آؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ جمنا جوش پر ہے۔ کوئی کشتی وغیرہ نہیں۔ اسے کیونکر پار کروں گا فرمایا جمنا سے کہہ دینا کہ میں اس کے پاس سے آیا ہوں جو کبھی اپنی بیوی کے پاس نہ گیا۔ مجھے راستہ دے۔ وہ نیک بخت شخص بہت متعجب ہوا' سوچا کہ آپ صاحب اولاد ہیں۔ بیوی صاحبہ گھر میں ہے پھر یہ کیا فرما رہے ہیں۔ مگر با ادب تھے کچھ نہ کہا' اور چل دیئے' دریا سے یہ ہی کہا اس میں خشک راستہ بن گیا اس طرف جا کر ان بزرگ کو کھیر کھلائی' جب واپس ہونے لگے۔ تو

انہوں نے فرمایا کہ جمنا سے کہہ دینا کہ میں اس کے پاس سے آرہا ہوں۔ جس نے کبھی کچھ کھایا ہی نہیں اس کا تعجب اور بڑھ گیا کہ میرے سامنے کھیر کھائی۔ اور یہ فرما رہے ہیں۔ غرض دریا پر آکر یہی کہا اس میں خشک راہ پیدا ہوا۔ حضرت سلطان الاولیاء کے پاس آ گیا مگر تعجب تھا کہ دریا نے بھی ان کی خلاف واقعہ بات مان لی ایک دن موقعہ پاکر حضرت محبوب الٰہی سے عرض کیا کہ اس دن کیا ماجرا تھا فرمایا کہ ہم اپنے نفس کیلئے کچھ نہیں کرتے جو کرتے ہیں رب کیلئے اس کیلئے کھاتے ہیں اسی کیلئے ازواج سے اختلاط کرتے ہیں۔ اس چوتھی قسم کی سخاوت کی یہ جزا ہے۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ چھ چیزوں کی عمدگی چھ چیزوں سے ہے۔ علم کی خوبی عمل سے سلطنت کی عدل سے مختار کی سخاوت سے جوانی کی توبہ سے فقر کی صبر سے عورت کی حیاء سے علم بلا عمل ایسا ہے جیسے گھر بغیر چھت بادشاہ بغیر عدل ایسا کنواں جو بغیر پانی ہے۔ غنا بغیر سخاوت ایسی ہے جیسے بادل بغیر بارش جوانی بغیر توبہ ایسی جیسے درخت بغیر پھل فقیری بغیر صبر ایسی ہے جیسے قندیل بغیر روشنی عورت بے حیا ایسی جیسے کھانا بغیر نمک غنی پر لازم ہے کہ غنا کے بادل سے دین و دنیا کی برکتیں برسائے اور فقراء کے دل کو جو فقر کی خشکی سے سوکھ گئے ہیں ترو تازہ کرے تاکہ رب تعالیٰ اسے ہرا بھرا رکھے جو شخص جمع کرے اور نہ کھائے۔ وہ در حقیقت اپنے غیر یقینی ورثاء کیلئے جمع کرتا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ سخی کے مال کو دنیا میں چور ڈاکو دشمن کا خوف نہیں کہ اس کا کوئی دشمن ہوتا ہی نہیں۔ سب اس کی زندگی چاہتے ہیں اگر اتفاقاً اس کا مال ضائع ہو جائے تو اسے غم نہیں کہ اسے مال سے محبت ہوتی ہی نہیں۔ نیز اسے موت پر مال چھوٹنے کا غم نہیں۔ بلکہ آگے کی خوشی ہوتی ہے کہ دیدار یار رب کی رحمت نصیب ہوگی۔ مال کی ہوس والے کو موت پر ڈبل صدمہ ہوتا ہے۔ ایک جان نکلنے کا دوسرے مال چھوٹنے کا۔ حشر میں ان شاء اللہ اسے اولیاء اللہ کے ساتھ حشر نصیب ہوگا۔ یہ تمام فضائل ایک لا خوف علیهم ولا هم يحزنون ○ میں بیان ہو گئے۔ صوفیاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنے وطن کی چیز سے الفت ہوتی ہے۔ نفس دنیا کی شے ہے اسے یہاں کے مال سے الفت ہے۔ روح اس جہان کی چڑیا ہے۔ اسے اپنے وطن کی چیزوں عبادت ریاضت ایمان و عمل سے محبت ہے۔ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ نفسانی شہوتوں کو کم کیا جائے۔ روحانی الفتوں کو بڑھایا جائے اور نفسانی الفتوں کو حتی الامکان کم کیا جائے اس لئے سخاوت کا حکم ہے تاکہ مال سے محبت کم ہو۔ درود شریف وغیرہ کی کثرت کی ترغیب ہے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت زیادہ ہو

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ

وہ لوگ جو کھاتے ہیں سود نہیں کھڑے ہوں گے مگر اس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ کہ بنا دیا ہو اسے

وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو

الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ

شیطان نے چھونے سے یہ بوجہ سے کہ تحقیق انہوں نے کہا کہ اس کے سوا نہیں کہ تجارت مثل

کر مخبوط بنا دیا ہو یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ تجارت بھی تو سود ہی کی مانند ہے

الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ

سود کے ہے حالانکہ حلال کیا اللہ نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو پس جو آئے اس کو نصیحت

اور اللہ نے حلال کیا ہے بیع کو اور حرام کیا سود کو تو جسے اس کے رب کے پاس

مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ

طرف سے رب اس کے پس باز رہے پس واسطے اس کے ہے وہ جو گزر گیا اور معاملہ اس کا طرف اللہ کے

سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا اور اس کا کام خدا کے سپرد

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

ہے اور جو لوٹے پس یہ لوگ آگ والے ہیں وہ بیچ اس کے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

ہے اور جو اب ایسی حرکت کرے گا تو وہ دوزخی ہے وہ اس میں مدتوں رہیں گے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں خرچ کا ذکر تھا اب آمدنی کا بیان ہے۔ کیونکہ آمدنی اور خرچ کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ **دوسرا تعلق:** اب تک اس مال کا ذکر تھا جو مالداروں سے لے کر غریبوں کو دیا جاتا ہے۔ یعنی صدقہ و خیرات۔ اب اس مال کا ذکر ہے جو غریبوں سے چھین کر اغنیاء کو دیا جائے یعنی سود۔ گویا متقابلین میں سے ایک کے بعد دوسرے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ان قواعد کا ذکر تھا۔ جس پر دنیا کی خوشحالی کا مدار ہے۔ یعنی فقراء کو مدد دیکر غنی بنانا۔ اب ان قواعد کا ذکر ہے جو دنیا کی بربادی کا ذریعہ ہے۔ یعنی درمیانی لوگوں کا مال چھین کر انہیں غریب بنا دینا گویا انسانی مساوات کے دو پہلو ہیں۔ ایک صدقہ دینا دوسرے سود نہ لینا۔ ایک پہلو کا ذکر تو پچھلی آیتوں میں ہوا اور دوسرے پہلو کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں صدقہ کی ترغیب تھی جس میں بظاہر مال گھٹتا اور حقیقتاً بڑھتا ہے اب سود کی ممانعت ہے۔ جس میں بظاہر مال بڑھتا اور حقیقتاً گھٹتا ہے۔ **پانچواں تعلق:** بہت دور سے مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنے کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ جن میں سے صدقہ بھی ہے۔ اب سود سے منع کیا جا رہا ہے کہ یہ بھی خلق کے ساتھ ایک بھلائی ہے۔ **چھٹا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عبادات کا ذکر تھا۔ یعنی صدقہ و خیرات دینا۔ اب مالی معاملات کا بیان ہے۔ یعنی سودی لین دین نہ کرنا۔

تفسیر: **الذین یاکلون الربوا** یہاں **الذین** سے ان امرائے عرب کی طرف اشارہ ہے جو سودی کاروبار کرتے ہیں۔ مگر لفظی عموم کی وجہ سے سارے سود خور مراد ہیں۔ **الذین** سے کبھی تو مراد صحابہ کرام ہوتے ہیں۔ جیسے **ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله** اور کبھی عام مسلمان جیسے **الذین یقیمون الصلوة** اور کبھی سارے انسانوں ہے مومن ہوں یا کافر متقی ہو یا فاسق جیسے یہاں **الذین** تیسرے معنی میں ہے کیونکہ سود لینا ہر انسان کو منع ہے مومن ہو یا کافر' اسلامی سلطان کفار کی سود کھانے شراب پینے کی اجازت تو دیگا مگر سود خوری' قتل و غارت چوری' زنا کی اجازت نہ دیگا کہ یہ معاملات ہیں۔

کسی دین میں زنا چوری حلال ہو اور وہ دار الاسلام میں رہتے ہوں تو انہیں اس کی اجازت نہیں۔ غرضیکہ **الذین** کے متعلق آئندہ مضمون کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ یہاں چونکہ سود کی حرمت کا ذکر ہے۔ جس کا تعلق سب لوگوں سے ہے اسلئے **الذین** سے مراد سارے انسان ہیں یاکلون سے سود لینا مراد ہے مگر چونکہ کھانا مال کا مقصد اعلیٰ ہے۔ اسلئے اس کا ذکر فرمایا گیا۔ جیسے **الذین یاکلون اموال الیتمیٰ ظلما** اور جیسے **ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل** ہماری اردو زبان میں سود لینے والے کو سود خور اور حرام کمانے والے کو حرام خور کہتے ہیں۔ یعنی سود کھانے والے مطلب پر ناچنے والے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یاکلون سے یعاملون مراد ہے یعنی جو سود کا معاملہ کرتے ہیں۔ اس معاملہ سے بھی لینا ہی مراد ہے نہ کہ دینا۔ کیونکہ آیت میں سود لینے ہی کا ذکر ہے۔ سود دینے کی حرمت دیگر دلائل سے معلوم ہوئی۔ ربو دراصل ربو تھا بمعنی زیادتی۔ اسی لئے چوڑی مالی کار ابیہ اور اونچی جگہ کو ربوہ اور کسی پر زیادتی کرنے کو ربو کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **اھتزت وربت** اور فرماتا ہے **فلا یربوا عند اللہ** یہ لکھنے میں صلوۃ و زکوۃ کی طرح ربو اور ربی اور بالاف سے ہر طرح مستعمل ہے اسکے لغوی معنی مطلقاً زیادتی ہیں۔ مگر اصطلاح شریعت میں ناپنے تلنے والی ہم جنس چیز میں بلا عوض زیادتی کو ربو کہتے ہیں۔ اسکی بہت سی صورتیں ہیں جیساکہ ان شاء اللہ آئندہ معلوم ہوگا جو لوگ سود لیتے ہیں **لا یقومون** اس قیام سے یا میدان قیامت میں کھڑا ہونا مراد ہے۔ (روح البیان) یا اپنی قبر سے اٹھنا اور محشر کی طرف چلنا (روح البیان) کیونکہ اس دن سود خور کی یہ پہچان ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ **یقومون** میں حال کے معنی ہی ہوں "اور قیام سے مراد سود دینا ہی "قائم و موجود رہنا یعنی سود خور دنیا میں ایسے دیوانے و محبت مال میں خبطی ہو رہتے ہیں۔ جیسے کسی شیطان سے وار پڑ جائے اور وہ دیوانہ ہو جاتا ہے کہ انہیں بجز سودوں کے اور کوئی ذہن ہی نہیں ہوتی "اگرچہ یہ معنی بعید ہی مگر محتمل ضرور ہیں قیام کے معنی ٹھہرنا اور رہنا بھی لغت میں ہے۔ **الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس** یہ نفس قیام میں تشبیہ ہے نہ کہ وجہ میں **یتخبطہ** "خبط سے بنا بمعنی خلط جس کی رفتار و گفتار میں یکسانیت نہ ہو چلنے اور بولنے میں بہکتا ہو اسے خبطی کہا جاتا ہے۔ تخبط بمعنی خبط ہونا اور **تخبیط** خبطی کرنا۔ یہاں تفعل بمعنی تفعیل ہے شیطان سے یا ابلیس مراد ہے یا ہمزاد "یا عام جن "یا تو مس "لمس کی طرح بمعنی چھونا ہے یا بمعنی جنون۔ مجنون کو ممسوس کہا جاتا ہے یعنی سود خور اپنی قبروں سے اٹھ کر حشر کی طرف ایسے گرتے پڑتے جائیں گے جیسے کسی پر شیطان سوار ہو کر اسے دیوانہ کر دے جس سے وہ یکساں نہ چل سکے۔ ایسے ہی یہ لوگ اپنے پیٹ کے بوجھ یا جنوں سے یکساں نہ چل سکیں گے۔ **ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا**۔ **ذلک** سے یا تو کھانے کی طرف اشارہ ہے۔ یا ان کے عذاب کی طرف (روح المعانی) بانہم میں ب سببیہ ہے۔ ھم کا مرجع یا سود خور ہیں یا ان کے وہ حمایتی جو سود کو حلال ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قالوا سے یا زبانی قول مراد ہے یعنی کہنا یا دل کا قول یعنی سمجھنا یا عملی قول "انما حصر کیلئے ہے اور بیع سے مراد عام حلال تجارتیں ہیں۔ اس کلام میں ان لوگوں نے سود کو جائز کہنے میں اتنا غلو کیا کہ تجارت کو مشبہ اور سود کو مشبہ بہ بنایا گویا سود ایسا حلال ہے کہ عام بیعیں بھی مثل اس کی حلال ہیں۔ یعنی ان کی یہ سود خوری یا یہ سزا اسلئے ہے کہ انہوں نے دل سے سمجھا۔ یا عمل سے ثابت کر دیا۔ یا زبان سے صاف صاف کہا کہ دیگر نفع بخش تجارتیں سود کی طرح حلال ہیں کہ ان سے بھی نفع حاصل کیا جاتا ہے اور سود سے بھی اس کی کیا وجہ کہ اگر ایک روپیہ کا کپڑا دو روپے میں بیچیں تو حلال ہو اور اگر ایک روپیہ دو روپے کے بدلہ میں بیچیں تو حرام حالانکہ وہاں بھی ایک ہی روپیہ نفع ملا اور یہاں بھی۔ حق تعالیٰ تو ارشاد فرماتا ہے **واحل اللہ البیع وحرم الربوا** واؤ یا حالیہ ہے یا استینافیہ "یہاں بیع

مطلق ہے اور ربو مجمل جیسا کہ ان شاء اللہ فوائد میں معلوم ہوگا۔ یعنی اللہ نے تجارتوں کو حلال کیا اور سود کو حرام۔ اتنا فرق ہوتے ہوئے جو تجارت اور سود کو یکساں کہے وہ پاگل ہے۔ **فمن جاءہ موعظۃ من ربہ** من شرطیہ یا موصولہ ہے۔ جاء بمعنی بلغ ہے۔ موعظۃ وعظ سے بنا بمعنی نصیحت یا جھڑک۔ من ربہ یا جاء کے متعلق ہے یا کسی پوشیدہ چیز کے اور موعظۃ کی صفت۔ یعنی جس کو خدائی نصیحت اور زجر پہنچی **فانتھی** ف عاطفہ ہے۔ یعنی وہ فوراً ہی سود خوری سے باز رہ گیا اور آئندہ کیلئے توبہ کرلی **فلہ ما سلف۔ فلہ** کاف جزائیہ ہے۔ لہ جاء کے متعلق ہے اور ما سے مراد سود۔ سلف بمعنی گزر گیا اسی سے ہے امت سلفہ گزری ہوئی امت اور سلافۃ الخمر اوپر کی صاف شراب اور سلفۃ الطعام کھانے سے پہلے جو میوہ جات کھائے جائیں (کبیر) یعنی اس کو پچھلا لیا ہوا سود جائز ہے کیونکہ وہ ممانعت سے پہلے لے چکا اب اسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں **وامرہ الی اللہ** امر سے مراد یا نیت یا معاملہ یا باز رہنا یعنی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے بلاوجہ کسی پر بدگمانی نہ کرو۔ **ومن عاد۔ عاد** عود سے بنا بمعنی لوٹنا یہاں یہ عقیدہ کی طرف لوٹنا مراد ہے یا عمل کی طرف۔ یعنی جو کوئی سود کو حرام سمجھ کر پھر حلال سمجھنے لگے یا اسے چھوڑ کر پھر لینے لگے۔ **فاولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون** ○ اولئک سے من کی طرف اشارہ ہے کہ وہ معنی جمع ہے نار سے دوزخ مراد ہے خواہ وہاں کا ٹھنڈا عذاب ہو یا گرم کیونکہ دوزخ میں اصل چیز نار ہے۔ اگر عود سے حلال سمجھنا مراد تھا تو خلود بمعنی ہیشگی ہے اور اگر دوبارہ سود لینا مراد تھا تو خلود بمعنی دراز مدت۔ یعنی جو کوئی سود کو حرام سمجھ کر پھر حلال سمجھنے لگے تو وہ دوزخی ہے اور اس میں ہمیشہ ہی رہے گا۔ یا جو کوئی سود چھوڑ کر پھر لینے لگے تو وہ جہنمی ہے اس میں مدتوں رہے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ دوسرے گنہگاروں کے مقابل سود خور دوزخ میں زیادہ رہے گا کہ یہ رب کا مجرم بھی ہے اور انسانوں کا ظالم بھی حق اللہ اور حقوق العباد دونوں کے بوجھ اسکے سر ہیں۔ سود خور ایک مقروض سے جب سود لیتا ہے۔ تو وہ اس مقروض پر اسکے بال بچوں پر اسکے تمام اہل قرابت پر ظلم کرتا ہے کہ انکے منہ کا لقمہ چھین کر ظلماً خود کھاتا ہے اس لئے اسے اصحاب النار بھی فرمایا اور خلدون بھی۔

خلاصہ تفسیر: جو لوگ سود لیتے ہیں۔ انکی پہچان قیامت میں یہ ہوگی کہ اس دن مردے اپنی قبروں سے اٹھ کر کوئی سواریوں پر کوئی پیدل اور کوئی آہستہ اور کوئی دوڑتا ہوا زمین محشر کی طرف چلیں گے۔ مگر سود خوریا تو اپنے پیٹ کے بوجھ سے جنوں کی وجہ سے ایسے گرتے پڑتے چلیں گے۔ جیسے وہ مجنوں دیوانہ چلتا ہے۔ جس پر خبیث جن بھوت سوار ہو کر اسے دیوانہ کر دیتا ہے کیونکہ وہ دنیا میں انسان نما شیطان تھے کہ ایک مقروض پر ترس نہ کھاتے تھے اس کے مکانات جائیداد نیلام کراتے وقت اس کی خانماں بربادی پر رحم نہ کرتے تھے یہ سزا ان کی اس بکواس کی وجہ سے ہے کہ انہوں نے قولاً" یا اعتقاداً" یا عملاً کہا کہ عام تجارت سود کی طرح فائدہ مند ضروری اور جائز ہے جیسے تجارات کے بند ہونے سے دنیاوی کاروبار بند ہو جائیں گے۔ ایسے سود کے بند ہو جانے سے کہ نہ تو حاجتمند کو کوئی قرض دیگا اور نہ مقروض کو قرضہ ادا کرنے کی فکر ہوگی۔ اور سود کی صورت میں ہر شخص کو وقت پر قرض بھی مل جائے گا اور مقروض کو سود بڑھنے کے خوف سے جلد ادا قرض کی فکر ہوگی۔ اور جیسے تجارت سے نفع حاصل کیا جاتا ہے ایسے سود سے۔ یہ بکواس لغو ہے کیونکہ رب نے تجارتیں تو حلال کیں اور سود حرام فرمایا اور بندے کو مالک کے حکم پر سرخم کرنا چاہیے۔ شیطان کی طرح محض قیاس سے اس کا مقابلہ نہ کرنا چاہیے۔ جس تک یہ ممانعت کا حکم پہنچے اور وہ فوراً سود سے توبہ کرے تو ممانعت سے پہلے وہ جو کچھ سود لے چکا وہ اس کیلئے مباح ہے اسکا واپس کرنا ضروری نہیں۔ بندے کا کام خدا کے سپرد ہے جو چاہے حلال کرے جو چاہے حرام۔ بندے کو دم مارنے کی کیا مجال اور جو کوئی اب ایسی حرکت کریگا کہ توبہ کر کے پھر سود لے

تو وہ دوزخی ہے۔ بہت عرصہ دوزخ میں رہیگا۔ یا جو کوئی پھر سود کو حلال سمجھنے لگے۔ وہ کافر جہنمی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خبیث جن (بھوت پریت) کا وجود برحق ہے۔ اس کا انکار اس آیت کا انکار ہے۔ **دوسرا فائدہ:** یہ خبیث جن (بھوت) پریت وغیرہ انسان کو دیوانہ و مجنون کر دیتے ہیں کہ ان کے لپٹنے یا پکڑ لینے سے انسان بدحواس ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ۔ 1_ چھوٹے بچوں کو سورج ڈوبتے وقت باہر نہ نکالو۔ 2_ خود بھی زیادہ رات گئے بلاوجہ گھر سے باہر نہ نکلو کہ یہ وقت شیاطین و جنات کے پھیلنے کا ہے۔ 3_ بحالت سفر بیچ راستہ پر نہ اترو، بلکہ علیحدہ ہٹ کر وہ شیاطین کا گزر گاہ ہے۔ 4_ مرگی و طاعون جنات کے اثر سے ہے۔ اس لئے طاعون میں اذانیں دی جاتی ہیں کہ شیاطین اذان سے بھاگتے ہیں۔ 5_ ہر بچہ کو بوقت پیدائش شیطان اس کی کوکھ میں مارتا ہے۔ جس سے وہ روتا ہے۔ بجز حضرت عیسیٰ و حضرت مریم۔ 6_ سوراخ میں پیشاب نہ کرو ممکن ہے کہ اس میں سانپ بچھو یا جن ہو۔ غرضیکہ قرآن و حدیث سے آسیب کا تکلیف پہنچانا ثابت ہے اور دن رات اس کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا انکار کرنا عقل و نقل کی مخالفت ہے۔ ہاں مزاج کی قوت و ضعف کی وجہ سے اس کے اثر مختلف ہوتے ہیں۔ ضعیف المزاج لوگوں کو زیادہ تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ اور قوی مزاج والوں کو کم یہ ہی عام بیماریوں کا حال ہے کہ کمزور آدمی معمولی سردی گرمی سے بیمار ہو جاتا ہے۔ مگر قوی انسان برداشت کر جاتا ہے۔ (روح المعانی)۔ **تیسرا فائدہ:** سود لینا گناہ کبیرہ و حرام قطعی ہے کہ لینے والا فاسق اور حلال جاننے والا کافر ہے۔ جیسا کہ خالدون کی دو تفسیروں سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** سود لینے کی سزا دیگر کبیرہ گناہوں سے سخت تر ہے کہ قیامت میں کفار بھی قبور سے اٹھ کر آسانی سے چلیں گے مگر سود خور کو چلنا پھرنا مشکل ہو گا اور یہ سود خور کی اس دن پہچان ہو گی۔ کیونکہ سود خور مجرم بھی ہے اور ظالم و خونخوار بھی کہ گھر کے گھر تباہ اور دنیا کو برباد کرتا ہے سب کو اجاڑ کر اپنا گھر بناتا ہے۔ اور مال کی طلب میں دیوانہ وار سرگرداں رہتا ہے لہٰذا اس کیلئے یہ سزا تجویز ہوئی۔ **پانچواں فائدہ:** تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یا تو سود خور واقعی اس دن دیوانہ ہو گا جیسا کہ اس تشبیہ سے معلوم ہوا یا اس کا پیٹ اتنا بڑا ہو گا جس کے بوجھ سے گرتا پڑتا چلے گا۔ جیسا کہ حدیث معراج میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود خوروں کے پیٹ بڑی کوٹھڑیوں کی طرح دیکھے۔ جس سے وہ گرتے پڑتے ہیں گویا اس دن اسکی اس ہوس کا ظہور ہو گا جو اسے دنیا میں تھی یا اس جنون مال کا اظہار ہو گا۔ جس میں وہ مبتلا تھا۔ **چھٹا فائدہ:** ممانعت سے پہلے کے جرم معاف ہیں۔ بشرطیکہ اب توبہ کرے جیسا کہ **فانتھی** سے معلوم ہوا اور جو کوئی ممانعت کے بعد بھی باز نہ آئے اس پر اگلے پچھلے سارے گناہوں کا وبال ہے۔ **ساتواں فائدہ:** قیامت میں ہر مجرم چہرے سے ہی پہچان لیا جائے گا۔ کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہو گی۔ دیکھو سود خور کو گرتا پڑتا دیکھ کر ہی پہچان لیتے ہیں۔ کیونکہ ہر ایک کے گلے میں اسکی تختی رب نے ڈال دی ہے۔ جسے آنکھ والے دیکھ بھی لیتے ہیں پڑھ بھی لیتے ہیں رب فرماتا ہے **وکل انسان الزمنہ طئرہ فی عنقہ ونخرج لہ یوم القیمۃ کتبا یلقہ منشورا** ○ ہر ایک کی تختی اس کے گلے میں پڑی ہے۔ کل قیامت میں یہ ہی تختی نامہ اعمال کی شکل میں نمودار ہو گی۔

مسئلہ: مسائل شرعیہ میں بے علمی عذر نہیں۔ لہٰذا جو کوئی بے خبری سے سود لیتا رہا وہ گنہگار ہے۔

مسئلہ: سود کا پیسہ قبضہ سے بھی ملک میں نہیں آتا لہٰذا سود خور سود کا مالک نہیں۔ اس پر واجب ہے کہ مقروض کو واپس دے

اگر مقروض مرگیا ہو تو اس کے ورثاء کو واپس کرے ورثاء بھی نہ ہوں تو مقروض کے نام پر خیرات کردے یہ حق العباد ہے توبہ سے معاف نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ: اگر مقروض بعینہ سود کا پیسہ قرض خواہ سے چھین لے تو جائز ہے مگر بعینہ کی قید کا لحاظ رہے کیونکہ یہ سود کا پیسہ خود مقروض کا اپنا پیسہ ہے نہ کہ قرض خواہ کا۔

ممانعت سود کی حکمتیں اور سود کی دینی و دنیاوی خرابیاں

سود میں صدہا خرابیاں ہیں۔ جس کی وجہ سے شریعت نے اسے حرام فرمایا ان میں سے چند وجوہ ہم عرض کرتے ہیں۔ 1_ سود میں دوسرے کا مال بلا عوض لیا جاتا ہے۔ یہ ظلم ہے مثلاً کسی نے ایک روپیہ کی عوض دو روپیہ لئے روپیہ تو روپیہ کے بدلے میں ہو گیا۔ دوسرا روپیہ بلا عوض رہا۔ یہ ظلم ہوا۔ 2_ سود سے تجارت بند ہونے کا قوی اندیشہ ہے کہ جب سود خور کو بلا محنت اور بلا خوف و خطر نفع ملے گا تو وہ تجارت کی محنت اور اسکے خطرات کیوں برداشت کریگا۔ تجارت بند ہونے سے عالم برباد ہو جائے گا۔ 3_ سود سے پرانی محبت اور مروت ختم ہو جاتی ہے۔ سود خور میں بہیمیت و خونخواری پیدا ہوتی ہے کہ مقروض بھائی کی تباہی، خوشی گوارا کرتا بلکہ اس پر خوش ہوتا ہے۔ 4_ سود سے صدہا غرباء اور متوسط الحال لوگوں کو تباہ کر کے ایک مہاجن کا گھر بھرا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ غرباء کی بربادی عالم کی تباہی ہے۔ 5_ تاجروں کے دن رات دیوالیہ سود کی بدولت ہوتے ہیں اگر یہ لوگ سودی قرض لے کر طاقت سے زیادہ کام نہ کریں تو اس طرح تباہ نہ ہوں۔ 6_ سود خوار قرض حسن دینا گوارا نہیں کرتا۔ صدقہ خیرات سے جی چراتا ہے۔ کیونکہ ہر پیسہ پر اس کی نگاہ رہتی ہے کہ اس سے چار پیسہ بنائے جا سکتے ہیں۔ 7_ بلکہ سود خور اپنے اور اپنے بال بچوں پر بھی خرچ نہیں کرتا مال بچا کر سود پر اٹھاتا ہے۔ جس سے خود اس کی زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ عام مہاجن بنیوں کو دیکھا جاتا ہے۔ 8_ کسی مجرم کو رب نے اعلان جنگ نہ دیا سوائے سود خور کے کہ اعلان فرمایا **فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ** اللہ اور رسول سے جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ 9_ عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ سود لینا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے ستر درجہ زیادہ گناہ ہے۔ (بیہقی در منثور)۔ 10_ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو گوشت حرام پیسہ (سود وغیرہ) سے آئے گا۔ اسے نار جہنم بہت تیزی سے جلائے گی۔ (در منثور) 11_ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سود کا پیسہ ستر بار ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ہے۔

نوٹ: موجودہ بنک کے سود کا حکم علیحدہ ہے۔ جو ہم بعد میں عرض کریں گے اگرچہ سود لینا بھی اور دینا بھی گناہ ہے اور سود دلوانا بھی۔ بلکہ سود لکھنا اس کا گواہ بننا سب ہی جرم ہے مگر چونکہ سود دینا حرام ہے۔ جرم ہے گناہ ہے۔ مگر کسی پر ظلم نہیں کسی کا حق مارنا نہیں۔ مگر سود لینا جرم بھی ہے اور انسان بلکہ انسانوں پر ظلم بھی۔ اس لئے رب نے اسکی ممانعت میں سختی فرمائی حتیٰ کہ سود خور کو اللہ و رسول سے جنگ کرنے کا اعلان فرمایا اور جو حدیث شریف میں ہے کہ سود دینے والا اور لینے والا دونوں برابر ہیں۔ وہاں نفس گناہ میں برابری مراد ہے نہ کہ مقدار گناہ میں سود لینے والا مقدار گناہ میں زیادہ ہے لہٰذا یہ آیت و حدیث آپس میں

متعارض نہیں۔

سود کی حقیقت اور اسکے مسائل: سود کی دو صورتیں ہیں۔ زیادتی کا سود اور ادھار کا۔ زیادتی کے سود کی حقیقت یہ ہے کہ دو طرفہ ایک جنس اور ایک ناپ تول کا مال ہو۔ اور پھر ایک طرف زیادہ ہو اور دوسری طرف کم مثلاً چاندی کے عوض چاندی دی مگر دی چار تولہ اور لی پانچ تولہ یہ سود ہے کہ چاندی' چاندی کی ہم جنس بھی ہے اور ہم وزن بھی کہ تولہ' ماشہ یا رتی سے تولی جاتی ہے۔ خیال رہے کہ ہم جنس وہ ہے جو نام اور کام میں یکساں ہو اگر نام تو یکساں ہو مگر کام جداگانہ تو ہم جنس نہیں۔ جیسے سرسوں' تل اور مٹی کا تیل کہ سب کو تیل ہی کہا جاتا ہے یا جیسے بکری گائے اونٹ کے گوشت و دودھ۔ کہ ان سب کو گوشت یا دودھ ہی کہا جاتا ہے مگر ان کی تاثیریں اور فائدے جداگانہ' لہٰذا ان میں زیادتی کرنا سود نہیں۔ ایک سیر بکری کے گوشت یا دودھ کو دو سیر گائے کے گوشت یا دودھ سے فروخت کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: کاغذ اور چاندی ہم جنس نہیں۔ لہٰذا سو روپیہ کا نوٹ ایک سو دس نقد روپیہ کے عوض فروخت کرنا جائز ہے ایک روپیہ نقد کے 17 آنہ پیسوں یا اکنی کے عوض فروخت کر سکتے ہیں کہ روپیہ چاندی کا ہے اور پیسہ تانبہ کا۔ اسکی تحقیق کیلئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے نہایت نفیس رسالہ لکھا۔ "کفل الفقیہ الفاہم" اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ دوسرا سود ادھار۔ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ صرف ہم جنس یا ہم قدر چیزیں ادھار حرام ہیں۔ یعنی صرف ایک وصف میں یکساں ہونا کافی ہے۔ لہٰذا گندم نقد دیکر جو ادھار خریدنا حرام ہے کہ یہ دونوں اگرچہ ہم جنس تو نہیں مگر ہم وزن تو ہیں کہ دونوں سیر یا من سے تولے جاتے ہیں۔

مسئلہ: احناف کے نزدیک بیع کا جواز مطلق اور ربو کی حرمت مجمل ہے۔ (کبیر) مگر شافعی مذہب میں دونوں مجمل یعنی ہمارے یہاں ہر بیع حلال ہے سوائے اسکے جسکی حرمت نص میں آگئی اور ہر سود حرام ہے مگر سود میں احتمال کیونکہ ہر تجارت نفع ہی کیلئے ہوتی ہے تو خاص نفع حرام ہو نہ کہ عام۔

سود سے بچنے کی تدبیر: یہ تو معلوم ہو چکا کہ سود میں دو شرطیں ہیں۔ دونوں مالوں کا ہم جنس ہونا اور ناپ تول میں یکساں ہونا اگر ان میں سے ایک بھی شرط نہ ہوگی تو زیادتی حلال ہوگی دیکھو ایک من گیہوں کے عوض دو من جو لینا جائز کہ گیہوں اور جو ایک جنس نہیں۔ ایسے ہی مرغی کے دس انڈے دیکر پندرہ لینا جائز کہ یہ اگرچہ ہم جنس ہے مگر ناپ تول کی چیز نہیں۔ بلکہ گن کر بکتے ہیں ایسے ہی حربی کفار سے نفع لینا سود نہیں۔ (شامی باب الربو) خواہ دار الاسلام میں لے یا دار الحرب میں (شامی) ایسے ہی دار الحرب میں ان مسلمانوں سے نفع لینا سود نہیں جو بالکل دار الاسلام میں نہ آئے ہوں (شامی وغیرہ) جب یہ سمجھ میں آگیا تو سود سے بچنے کی چند تدبیریں خیال میں رکھنی چاہئیں۔ 1۔ نوٹ کی تجارت نفع کے ساتھ جائز ہے۔ دس کا نوٹ پندرہ میں اور سو کا سوا سو میں بیچ سکتے ہیں۔ کیونکہ نوٹ کاغذ ہے اور روپیہ چاندی ہم جنس نہیں۔ بلکہ اگر دو طرفہ نوٹ ہو تب بھی نفع جائز۔ کیونکہ نوٹ ناپنے تلنے کی چیز نہیں۔ گن کر لین دین ہوتی ہے۔ 2۔ چاندی کا روپیہ سترہ اٹھارہ آنے' پیسہ یا اکنیوں سے فروخت کرنا جائز ہے کہ روپیہ چاندی ہے اور ریزگاری تانبہ یا نکل ہم جنس نہیں۔ ہندوستانی حجاج عرب شریف پہنچ کر اپنے نوٹ عربی نوٹ سے تبدیل کرتے ہیں۔ جس کے بھاؤ مختلف ہوتے رہتے ہیں کبھی ہمارا سو کا نوٹ ساٹھ ستر روپیہ میں فروخت ہوتا ہے اور کبھی ایک سو سات بلکہ ایک سو دس روپیہ تک ہی۔ یہ بتاؤ کہ تمام صالحین حجاج ہمیشہ کرتے ہیں کبھی کوئی اعتراض ہی نہیں کرتا۔ آج اگر

حکومت چاہے تو سو کا نوٹ پانچ روپیہ کا کردے اور پانچ کا نوٹ سو کا بنادے۔ معلوم ہوا کہ یہ قیمت اس کاغذ کی نہیں بلکہ حکم سرکاری کی ہے۔ ابھی پاکستان نے روپیہ بجائے چونسٹھ پیسوں کے ایک سو پیسوں کا بنادیا۔ اور ڈاک خانہ کا چھ پیسہ یعنی ڈیڑھ آنہ کا ٹکٹ ایک نئے آنہ کا کردیا اور وہ چل رہا ہے۔ 3۔ ہندوستان میں موجود کفار سے نفع لینا سود نہیں کہ اگرچہ یہ ملک دار الاسلام ہے۔ مگر یہاں کے کفار سب حربی۔ کتب فقہ میں دار الحرب کی قید یا اتفاقی ہے یا مستامن کو نکالنے کیلئے (دیکھو شامی باب الربو اور فتح القدیر) بلکہ کفار حربی سے ہر عقد فاسد جائز ہے بشرطیکہ اس میں مسلمان کا نفع ہو اور اس میں ظلم اور دغا نہ ہو۔ 4۔ پنجاب کا مروجہ رہن حرام ہے۔ کیونکہ یہاں زمین رہن لے کر اس کا نفع قرض خواہ کھاتا رہتا ہے اور پھر پورا قرض وصول کرکے زمین واپس کرتا ہے یہ خالص سود ہے اسکی تدبیر یہ ہے کہ زمین کی بیع وفا کردی جائے۔ اب اس کا منافع حلال ہوگا۔ اور مقصود بھی حاصل ہو جائے گا۔ یعنی بجائے رہن نامہ کے بیع نامہ لکھا جائے اور ساتھ ہی اقرار نامہ رجسٹری کرادیا جائے کہ جس وقت بائع چاہے اپنی زمین اسی قیمت سے واپس کرے اب زمین کا منافع قرض خواہ کو حلال ہے کہ وہ زمین اس کی ملک ہوچکی۔ مشکوۃ شریف باب الربو میں ہے کہ ایک بار حضرت بلال نے دو صاع ردی خرمے ایک صاع کھرے خرموں سے بیچے۔ حضور صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ سود ہوگیا یوں نہ کرو بلکہ پہلے ردی خرمہ روپیہ کے عوض فروخت کردو پھر اس روپیہ سے کھرے خرمے خرید لو لہذا اگر تمہیں دو سیر خراب گیہوں دیکر ایک سیر اچھے گیہوں لینا ہے تو گندم گندم کے عوض نہ دو بلکہ یہ دو سیر مثلاً آٹھ آنے میں بیچ دو۔ پھر اس آٹھ آنے کے کھرے گیہوں ایک سیر خرید لو۔

بنک کا سود: پہلے معلوم ہوچکا کہ کفار سے نفع لینا سود نہیں بلکہ حلال ہے لہذا آج کل سیونگ بنک، پنجاب بنک، بنک آف انڈیا وغیرہ کفار کے سارے بنک سے نفع حلال ہے اگرچہ وہ لوگ اسے سود کہتے ہیں۔ مگر یہ شرعاً سود نہیں البتہ مسلمانوں کے بنک سے نفع لینا حرام ہوگا۔ مگر نوٹ کے لین دین میں سب سے نفع لیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ: چھ صورتوں میں روپیہ پر نفع حلال ہے سود نہیں، مولا اپنے غلام سے روپیہ کا نفع لے۔ معاوضہ یا عنان کے شریک آپس میں ایک دوسرے سے نفع لیں۔ مسلمان کافر حربی سے لے دار الحرب میں بعض مسلمان بعض سے نفع لیں۔ بشرطیکہ یہ دونوں کبھی دار الاسلام میں نہ آئے ہوں۔ (در مختار باب الربو)۔

بیمہ کرانا: بنک کے مسئلہ سے زندگی یا مال کا بیمہ کرانے کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ اگر بیمہ کمپنی خالص کفار کی ہے تو بیمہ حلال ورنہ حرام کہ بیمہ میں بھی روپے پر نفع لیا جاتا ہے۔

مسئلہ: سود کے شبہ سے بچنا بھی ضروری۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کا تفصیلی بیان فرمانے سے پیشتر وفات پائی۔ لہذا سود اور شبہ سود سے بچو۔ (احکام القرآن)

اعتراض: **پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ شیطان انسان کو دیوانہ کرسکتا ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے **ان عبادی لیس لک علیھم سلطن** اے شیطان میرے خاص بندوں پر تجھے دسترس نہ ہوگی۔ خود شیطان قیامت کے دن کفار سے کہے گا **ما کان لی علیکم من سلطن** مجھے تم پر غلبہ نہ تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابلیس انسان پر غلبہ نہیں پاسکتا۔ ان

آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** ان دونوں آیتوں میں سلطان سے مراد جبراً گناہ یا کفر کرانا ہے۔ اور یہاں عقل خراب کردینا مراد ہے۔ جیسے شراب افیون اور سانپ کے زہر سے عقل اور زندگی برباد ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی شیطانی اثر سے بھی دیوانہ ہونا ممکن ہے۔ لہٰذا ان آیتوں میں کچھ تعارض نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیاس کرنا طریقہ کفار ہے۔ دیکھو کفار عرب نے سود کو تجارت پر قیاس کیا۔ لہٰذا وہ عذاب کے مستحق ہوئے۔ (غیر مقلد) علمائے مجتہدین بھی قیاس کرکے انہیں کے ساتھ ہوئے۔ **جواب:** نص کے مقابل قیاس کرنا طریقہ ابلیس اور طریقہ کفار ہے اس کی مذمت ہے۔ مجتہدین کا قیاس نص کے مقابل نہیں بلکہ موافق ہے اس کی پوری تحقیق پہلے سیپارہ میں ہو چکی اور ہم نے اپنی کتاب جاء الحق میں بھی کی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** سود میں بہت سے فائدے ہیں پھر اسے حرام کیوں کیا گیا آج بغیر سود کوئی تجارت نہیں چل سکتی۔ **جواب:** سود میں کچھ ظاہر فائدے بھی ہیں اور نقصانات بھی مگر نقصان فائدوں سے زیادہ۔ سود میں ہزاروں کو غریب بنا کر ایک کو امیر بنایا جاتا ہے۔ قوموں کی تباہی' عام دیوالے سود ہی کی بدولت ہیں۔ سود میں انسان سے درندگی پیدا ہوتی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جس کا نقصان نفع سے زیادہ وہ حرام' ہاں فی زمانہ بہت منافع حلال ہیں۔ مگر مسلمان سود سمجھ کر ان سے بچتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی غلطی ہے نہ کہ مسئلہ کی۔ غضب ہے کہ مسلمان کفار کو سود دیتے ہیں مگر لینا حرام سمجھتے ہیں حالانکہ معاملہ برعکس تھا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ جو کوئی سود سے باز رہے تو اسے گزشتہ لیا ہوا سود حلال ہے اگر کوئی باز نہ رہے تو کیا حرمت سے پہلے کا سود اس کیلئے حرام ہو گا۔ **جواب:** بیشک جو اس آیت کے بعد سود کو حلال مانے وہ کافر ہے اور کفار کیلئے معافی کیسی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سود خور جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ جہنم کی ہمیشگی صرف کفار کیلئے ہے ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو اس سے سود کی حرمت کا منکر مراد ہے اور سود کافر ہے یا خلود سے دراز مدت مقصود یا مقصد یہ ہے کہ سود خور کے خاتمہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے جس سے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے کیونکہ ماں باپ کو ستانا۔ ہمیشہ افیون بھنگ نشہ کیلئے کھانا' سود لینے کی عادت ان سے خرابی خاتمہ کا اندیشہ ہے اور ماں باپ کی خدمت' اذان کا احترام' صدقہ و خیرات کی کثرت ان سے حسن خاتمہ کی امید ہے۔ ان شاء اللہ۔ **چھٹا اعتراض:** سود کے علاوہ رشوت خوری۔ چوری' ڈکیتی وغیرہ بھی بڑے بڑے گناہ ہیں۔ قرآن کریم میں ان پر اتنا زور کیوں نہیں دیا یا سود پر اس قدر زور کیوں دیا؟ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ رشوت' چوری وغیرہ بیماریاں ہیں اور سود وبائی بیماری جس سے بہت لوگ گرفتار ہیں۔ حکومتیں وبائی امراض روکنے پر بہت زور دیتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ رشوت چوری وغیرہ کو لوگ خود بھی برا سمجھتے ہیں حکومتیں سود کی سرپرستی کرتی ہیں۔ خود بھی سود لیتی دیتی ہیں۔ آج محکمہ انسداد رشوت ستانی بنے ہیں چوریاں روکنے کیلئے محکمہ پولیس موجود ہے مگر سود روکنے کیلئے کوئی محکمہ نہیں اسی لئے اس مسئلہ پر قرآن کریم نے بہت زور دیا۔

تفسیر صوفیانہ: سود خور سارے گناہگاروں سے بدتر ہے کیونکہ ہر شخص اپنی کمائی میں رب پر توکل کرتا ہے نہ کہ اپنی عقل پر' تاجر' کسان' پیشہ ور کوشش کرکے رب کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اگر وہ اس میں گناہ بھی کریں تب بھی ہلکے گناہگار ہیں۔ نیز ان سب نے اپنے معاملہ کو نفع اور نقصان کے درمیان سمجھ کر رب کی طرف رجوع کیا مگر سود خور توکل چھوڑ کر اپنے معاملہ کو نقصان سے بچا کر اپنی عقل پر اعتماد کرتا ہے اور رب کے دروازہ سے ہٹ جاتا ہے۔ مقروض متوکل ہے مگر وہ معاند چونکہ اس نے اپنا رزق اپنی عقل پر رکھا اس لئے نفسانی حجاب میں پھنس کر ربانی نور سے محجوب ہو گیا اور چونکہ اس نے رزق کے معاملہ میں اللہ

سے رشتہ توڑا۔ رب نے بھی اس کی حفاظت چھوڑی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر شیاطین نے قبضہ جمالیا۔ چونکہ قیامت میں ہر شے کی اصل ظاہر ہوگی۔ اس لئے سود خور پر قبضہ شیاطین کا اثر بھی اسی دن نمودار ہوگا کہ یہ تو خدا سے بے تعلق ہوگا اور تمام لوگ اس سے متعلق۔ اور ان کا یہ حجاب اس لئے ہے کہ انہوں نے بمقابلہ حکم الٰہی قیاس کرنے میں شیطان کی شاگردی کی اس نے بھی سجدہ پاکر قیاس ہی کیا تھا۔ اور چونکہ قیامت میں ہر شخص اپنی جنس کے ساتھ ہوگا۔ لہٰذا سود خور اپنے ہم جنس شیطان کے ساتھ اور اسی کے زیر سایہ اٹھے گا۔ (از ابن عربی)

دوسری تفسیر: سود خور بھوکے کتے کی طرح دنیا کا حریص ہے کہ کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھول جاتا ہے۔ جس سے اسے چلنا پھرنا مشکل ہوتا ہے۔ قیامت میں اس کا ظہور ہوگا۔ عاقل وہ غذا نہیں کھاتا جو ہضم نہ کر سکے۔ سود وہ ثقیل غذا ہے جسے مومن کا معدہ برداشت نہیں کر سکتا۔ صوفیائے کرام شبہ سود سے بھی بچتے ہیں۔

حکایت: امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک شخص پر کچھ سیاہ درم قرض تھے۔ وہ سفید درم لایا آپ نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ خوف کرتا ہوں کہ درموں کی یہ سفیدی سود نہ ہو جائے اس سے کالے درم وصول کئے۔ امام ابو بکر فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ کو دیکھا کہ ایک شخص کے دروازہ پر کھڑے ہیں سخت دھوپ ہے مگر کواڑ بجا کر دھوپ میں کھڑے ہو جاتے ہیں میں نے عرض کیا کہ دیوار کے سایہ میں کیوں نہیں کھڑے ہوتے آپ نے فرمایا کہ اس گھر والے پر میرا قرض ہے ایسا نہ ہو کہ اس کی دیوار کا سایہ سود میں شمار ہو جائے۔ حضرت بایزید بسطامی نے ہمدان شہر سے کچھ غلہ خریدا۔ جب لوٹ کر بسطام آئے تو اس میں دو چیونٹیاں پائیں۔ پھر لوٹ کر ہمدان شہر گئے اور چیونٹیاں اسی دوکان پر چھوڑ آئے یہ وہ تقویٰ ہے۔ جس کی برکت سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ (از روح البیان)

یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ
مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیراتوں کو اور اللہ نہیں پسند کرتا ہر کفر کرنے
اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ کو پسند نہیں آتا کوئی ناشکرا
اَثِیْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ
والے گنہگار کو تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کیے انہوں نے اچھے اور قائم کیا نماز کو
بڑا گنہگار بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ
وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ
اور دیا زکوٰۃ کو واسطے ان کے ثواب ہے ان کا نزدیک رب ان کے اور نہیں ہے ڈر اوپر
دی ان کا نیگ ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں کچھ اندیشہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾
ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے
ہو نہ کچھ غم

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: اس سے پہلے اولاً" خیرات کی رغبت دی گئی تھی اور پھر سود سے ڈرایا گیا تھا۔ اب ان دونوں کو اسی ایک آیت میں جمع فرما کر سود کی برائی اور صدقہ کی خوبیاں بیان ہو رہی ہیں۔ گویا یہ اجمال بعد تفصیل ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں صدقات کے شرعی فائدے اور سود کے شرعی نقصان بیان ہوئے کہ رب نے سود حرام فرمایا۔ سود خور دوزخی ہے وغیرہ اب ان دونوں کے عقلی فوائد اور نقصانات کا تذکرہ ہے سود سے مال گھٹتا ہے اور صدقہ سے بڑھتا ہے۔ گویا پچھلی آیت میں سود کی ایک نوعیت سے ممانعت کی گئی ہے اور اب دوسری طرح تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں صدقات کا حکم دیا گیا اور سود سے روکا گیا مگر چونکہ نفس انسانی ظاہری نفع کو دیکھ کر سود لینے اور خیرات سے بچنے پر مائل ہے لہٰذا اب اس کے میلان کو روکا جا رہا ہے اور سود کی وہ برائی بیان ہو رہی ہے۔ جس سے نفس اس سے بچنے پر راغب ہو۔ چوتھا تعلق: قرآن پاک کا طریقہ ہے کہ ضدین کا ذکر فرماتا ہے۔ بھلوں کے ساتھ بروں اور بروں کے ساتھ بھلوں کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ چیز اپنے مقابل سے پہچانی جاتی ہے۔ یہاں بھی پہلے سود خور بد اعتقاد اور بد عمل لوگوں کا ذکر۔ **ان الذین امنوا** سے خوش اعتقاد' نیک کار' صالحین کی مدحت و ثنا فرماتا ہے۔ تاکہ قرآن پڑھنے والے بدکاریوں سے بچیں۔ اور نیکی اختیار کریں۔

تفسیر: **یمحق اللہ الربوا**۔ **یمحق' محق یا محاق** سے بنا جس کے معنی ہیں۔ گھٹ کر فنا ہو جانا' یا پورا ہو کر کم ہو جانا' نقصان اور محاق میں فرق یہ ہے کہ نقصان ہر کمی کو کہتے ہیں۔ اور محاق خاص کمی کو اسی لئے چاند گھٹنے کو محاق بولا جاتا ہے۔ شروع ماہ کے چاند کو محق نہیں کہتے۔ کیونکہ وہ نقصان سے کمال کی طرف ترقی کر رہا ہے۔ بلکہ اخیری گھٹنے کو محق کہتے ہیں۔ یہاں یا تو دنیوی کمی اور بے برکتی مراد ہے یا اخروی نقصان و خسارہ جیسا کہ ہم ان شاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض کریں گے۔ یعنی اللہ دنیا میں سود کو گھٹاتا' مٹاتا یا بے برکت فرماتا ہے یا قیامت میں ہلاک فرمائے گا۔ غرضیکہ محق کی چار معنی ہو گئے مٹاتا ہے یا مٹائے گا' گھٹاتا ہے یا گھٹائے گا۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا سود آخرت میں مٹا دے گا کہ سودی صدقات' خیرات بالکل برباد ہوں گے۔ یا گھٹا دے گا کہ سودی غذا کھا کر سودی لباس پہن کر جو نماز وغیرہ ادا کی گئیں ان کے ثواب گھٹ جائیں گے مالی عبادات جو سود سے ادا ہوں وہ مٹ جائیں گی یہ ہی عبادات حق ہیں۔ سودی غذا یا لباس استعمال کیا گیا ہے گھٹ جائیں گی یا دنیا میں مسلمانوں کا سودی مال مٹ جاتا ہے۔ اگرچہ کفار کا نہ مٹے' یا تمام انسانوں کے سودی کاروبار میں برکت نہیں ہوتی۔ اگرچہ کبھی کثرت ہو جائے۔ کثرت و برکت میں فرق ہے۔ **ویربی الصدقت**۔ **یربی ربا ء** سے بنا۔ جس کا مادہ ربو ہے بمعنی بڑھانا۔ اس کی تحقیق ہم کمثل جنۃ بربوۃ کی تفسیر میں کر چکے اس سے بھی یہ دنیوی برکت اور بڑھانا مراد ہے یا اخروی ترقی دینا۔ صدقات سے عام خیرات مراد ہے صدقہ فرضی ہو یا نفلی۔ یعنی اللہ ہر قسم کے صدقات کو دنیا میں بڑھاتا ہے۔ کہ بقیہ مال میں برکت دیتا ہے یا

آخرت میں بڑھائے گا کہ تھوڑا صدقہ بہت زیادہ فرما کر عطا کرے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے صدقہ کی ایسی پرورش کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی گھوڑی یا گائے کے بچے کی جب بندہ آخرت میں اٹھے گا تو اپنے ایک پیسہ کے صدقہ کو پہاڑ پائے گا۔ دنیا میں بھی دیکھا گیا ہے کہ سخی کبھی فقیر نہیں ہوتا۔ بفضلہ تعالیٰ اس کا مال بڑھتا رہتا ہے۔ سخی کی اولاد بھی اپنے ماں باپ کی سخاوت کا فائدہ اٹھاتی ہے۔ **واللہ لا یحب کل کفار اثیم** ○ یہ جملہ یا تو مستقل مضمون ہے یا پہلے مضمون کی علت یا **لا یحب** بمعنی لا یرضی ہے کیونکہ محبت توبہ کرنے والوں سے خاص ہے (روح البیان و روح المعانی) کفار' کفر کا مبالغہ ہے۔ جیسے ضرب کا ضراب اور قول کا قوال یہ کفور کے ہم معنی ہے۔ کافر کی جمع کفار (کاف کے پیش سے) یہاں کفار سے ازلی کافر مراد ہے اہل عرب ہر ہٹ دھرم پر یہ صیغہ بولتے ہیں جیسے **لعال للخیر یا مناع للخیر** کفر سے یا اصطلاحی کفر مراد ہے یعنی بے ایمانی' یا لغوی کفر یعنی ناشکری' اثیم اثم کا مبالغہ ہے بمعنی گناہ اس سے بھی دائمی گناہگار مراد ہے یعنی اللہ ہر ازلی کافر اور دائمی گناہ گار سے راضی نہیں ہوتا۔ اور اللہ ہر ناشکرے گناہگار سے ناراض ہے مردودین کے ذکر کے بعد اب مقبولین کا تذکرہ ہے۔ **ان الذین امنوا** ایمان کے معنی اور اسکی لغوی تحقیق پہلے سیپارہ میں ہو چکی۔ **امنوا** کا متعلق پوشیدہ ہے۔ یعنی وہ لوگ کہ ان ساری چیزوں پر ایمان لائے یا جن پر ایمان لانا ضروری ہے چونکہ ایمان اعمال صالح پر مقدم ہے کہ یہ مثل شرط ہے نیز ایمان لڑکپن ہی سے ملتا ہے کہ بچے کے کان میں پیدا ہوتے ہی اذان دیتے ہیں اور نا سمجھی سے ہی اسے ایمان سکھاتے ہیں۔ اعمال ہوش سنبھالنے کے بعد سکھائے جاتے ہیں اور بعد بلوغ لازم ہوتے ہیں نیز عالم ارواح میں ایمان عطا ہو گیا تھا۔ مگر اعمال دنیا میں آکر پیش ہوئے ان وجوہ سے ایمان کو اعمال سے پہلے بیان فرمایا۔ **وعملوا الصلحت** اور انہوں نے نیکیاں کیں **الصلحت** میں الف لام جنسی ہے یا استغراقی اس سے بقدر طاقت نیکیاں مراد ہیں۔ **واقاموا الصلوة واتوا الزكوة** - **اقاموا' اقامة** سے بنا بمعنی سیدھا کرنا اور درست رکھنا' یہاں نماز پر پابندی کرنا اسے صحیح طریقہ پر مستحبات واجبات کے ساتھ ادا کرنا مراد ہے اور زکوۃ سے صدقہ فرضی مقصود' خواہ روپیہ پیسہ کا صدقہ ہو یا دیگر مال کا اگرچہ نیکیوں میں نماز اور زکوۃ بھی داخل تھی مگر اظہار عظمت کیلئے ان کا ذکر علیحدہ بھی کیا گیا۔ کیونکہ نماز بدنی اور زکوۃ مالی اطاعت میں افضل عمل ہے۔ یعنی انہوں نے نماز قائم رکھی اور زکوۃ دی۔ زکوۃ کے معنی ہیں بڑھا ہوا یا پاکیزگی' چونکہ زکوۃ دینے سے مال بڑھتا ہے اور اسکی برکت سے بقیہ مال پاک ہو جاتا ہے اسلئے اسے زکوۃ کہتے ہیں جیسے انگور کی بیل کاٹ دینے سے پھل زیادہ آتے ہیں یا ذبح میں خون نکل جانے سے گوشت چربی وغیرہ سب پاک ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی زکوۃ نکالنے سے مال میں زیادتی بھی ہوتی ہے۔ اور پاکی بھی۔

زکوۃ مال بدر کن کہ فضلہ رز را … چو باغبان بدرد بیشتر دہد انگور

لھم اجرھم عند ربھم۔ **لھم** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا اجر طے شدہ معاوضہ کو کہتے ہیں جیسے اجرۃ۔ یہاں ثواب اعمال مراد ہے۔ جس کا مسلمانوں سے وعدہ کر لیا گیا۔ یعنی ان کا ثواب ان کے رب کے نزدیک محفوظ ہے جس کے مارے جانے کا خوف ہی نہیں۔ اس کے سوا **ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ○ آئندہ اندیشہ کو خوف اور گزشتہ کے رنج و غم کو حزن کہتے ہیں یا دنیا میں ہے یا آخرت میں ہوگا یعنی نیک کار کو نہ دنیا میں اپنی بربادی کا خوف ہو اور نہ گزشتہ پر غم یا نیک کار بروز قیامت اگلے اندیشہ اور پچھلے غم سے بے کھٹک ہوگا۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ دنیا میں سودی مال کو برباد کرتا ہے اور جس مال سے زکوٰۃ نکالی جائے اسے بڑھاتا ہے۔ کیونکہ اکثر سود خوار کا انجام فقر ہے۔ سود خور کو لوگ برا جانتے ہیں اسے کوئی امین سمجھ کر اپنی امانت نہیں سونپتا۔ اسے ہر ایک فاجر و فاسق کہتا ہے۔ وہ فقراء اور غرباء جو اس کے ہاتھوں تباہ ہوئے۔ دن رات اس پر لعنت کرتے ہیں' بددعا دیتے ہیں اور اس کے مال پر ہر ظالم و چور دست درازی کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ پیسہ اس کی محنت کا جمع کیا ہوا نہیں۔ مگر سخی کے مال میں بہت برکت ہوتی ہے کیونکہ وہ جب اللہ کے بندوں کی پرورش کرتا ہے تو رب تعالیٰ ضرور اس پر کرم فرماتا ہے روزانہ اس کی عزت بڑھتی ہے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں دل اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ فقراء اور مساکین اس کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور ایسے آدمی کے مال پر ظالم اور چور نظر کم کرتے ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ آخرت میں سود خور کو ہلاک کرے گا اس کا صدقہ' حج' جہاد' صلہ رحمی سب برباد ہو گا۔ کیونکہ اس نے ساری نیکیاں سودی پیسہ سے کیں۔ خراب تخم سے پھل بھی خراب ہوتے ہیں اس کا مال نہ اسے موت کے وقت کام آئے نہ بعد موت جب حلال مال جمع کرنے والے امراء' پانچ سو برس بعد جنت میں جائیں گے تو اس حرام خور غنی کا کیا پوچھنا ہاں سخی تو اللہ اسکے صدقہ قبول فرمائے گا اسے بڑھائے گا اس کے صدقات جاریہ سے بعد موت بھی اسے ثواب ملتا رہے گا۔ رب تعالیٰ کسی ناشکرے گنہگار یا کسی اڑیل کافر اور ضدی گنہگار سے راضی نہیں لہٰذا سود کو حلال جاننے والا کافر یا سود خور مجرم بارگاہ الٰہی کا مجرم ہے۔ اور جو ایمان لائے اور انہوں نے بقدر طاقت نیکیاں کیں۔ خصوصاً نماز کے پابند رہے' زکوٰۃ دیتے رہے ان کا ثواب ان کے رب کے نزدیک محفوظ ہے جو نہ گھٹے نہ برباد ہو نہ انہیں دنیا میں آئندہ کا خطرہ ہو اور نہ گزشتہ کا غم یا آخرت میں ان پر کوئی خطرہ واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ کسی مقصود کے فوت ہو جانے سے مغموم ہوں گے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حلال میں برکت ہے' حرام میں بے برکتی سود خور اگرچہ مالدار ہو جائے مگر برکت سے محروم ہے۔ کتیا سال میں چھ بچے دیتی ہے اور کوئی ذبح نہیں ہوتا بکری و گائے سال میں ایک یا دو بچے دیتی ہیں اور روزانہ ہزاروں ذبح ہوتی ہیں مگر ریوڑ بکری اور گائے بھینس کے نکلتے ہیں نہ کہ کتے کے کیونکہ وہ حلال ہیں اور یہ حرام' خیال رہے کہ کثرت و برکت میں فرق ہے کثرت کے معنی ہیں زیادتی' برکت کے معنی جم جانا نہ نکلنا تھوڑی سی نعمت مبارک ہو تو بہت فائدہ دیتی ہے برکت والی تھوڑی بارش رحمت ہے اور کثرت کی بارش کبھی عذاب بھی بن جاتی ہے یوں ہی سود سے اگرچہ کبھی مال کی کثرت ہو جاتی ہے اور یہ کثرت کی بارش کبھی عذاب بھی بن جاتی ہے یوں ہی سود سے اگرچہ کبھی مال کی کثرت ہو جاتی ہے اور یہ کثرت بھی باعث عذاب ہوتی ہے۔ مگر اس سے برکت مٹ جاتی ہے۔ لہٰذا یہ آیت بالکل برحق ہے۔
دوسرا فائدہ: جس چیز میں نفع کم اور نقصان زیادہ ہو اسے شریعت منع کر دیتی ہے۔ دیکھو سود میں کچھ منافع بھی ہیں مگر نقصان زیادہ لہٰذا حرام کر دیا گیا۔ شراب اور جوئے کے بارے میں رب فرماتا ہے۔ **وا ثمهما اكبر من نفعهما** **تیسرا فائدہ:** کوئی مسلمان خیرات سے غریب نہیں ہو سکتا اور سود سے مالدار نہیں ہوتا۔ دیکھا گیا ہے کہ سود خور کی اولاد سودی مال سے نفع کم اٹھاتی ہے اس کا انجام خواری' بربادی ہے۔ (روح البیان) دیکھا گیا ہے کہ مسلمان اگر جوئے میں کبھی جیت بھی جائے تو یہ جوئے کا جیتا ہوا' اس کا اپنا اصلی مال لے آتا ہے کہ پھر جواری کی ہمت بڑھ جاتی ہے زیادہ جوا کھیلتا ہے اور بہت سا مال ہار جاتا ہے جیسا کہ بارہا کا تجربہ ہے۔ **چوتھا فائدہ:** کامیابی کیلئے ایمان و اعمال دونوں ضروری ہیں۔ جیسا کہ **امنوا وعملو الصلحت** سے

معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** مسلمان کو نیکیوں کا بدلہ آخرت میں ملے گا کہ دنیا میں کچھ نفع پہنچ جائے تو یہ اجر نہیں بلکہ رب کا فضل ہے جیسا کہ عند ربہم سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اعمال ایمان میں داخل نہیں کیونکہ یہاں عمل کا ایمان پر عطف کیا گیا اور معطوف 'معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے لہٰذا بدترین فاسق بھی مومن ہے۔ **ساتواں فائدہ:** نماز و زکوۃ افضل عبادات ہیں۔ اسی لئے نیکیوں کے بعد ان کا ذکر خصوصیت سے ہوا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ جو کوئی نماز و زکوۃ درست کرے۔ رب تعالیٰ اس کے باقی اعمال بھی درست فرمائے گا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سود کا انجام بربادی ہے مگر تجربہ یہ ہے کہ سود خور خوب پھولتے پھلتے ہیں 'انگریز' ہندو 'مہاجن' یہودی سب ہی سود خور ہیں مگر ان میں سے کوئی برباد نہیں ہوا۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت آخرت کے متعلق ہے۔ یعنی سود خور کی مالی عبادات قیامت میں برباد ہوں گی۔ جیسے کہ صدقہ کی زیادتی آخرت میں محسوس ہوگی۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت مسلمانوں کیلئے ہے تجربہ بتاتا ہے کہ مسلمان کو سود پھلتا ہی نہیں۔ بے شک پاخانہ کا کیڑا کو کھا کر جیتا ہے بلبل اس سے زندگی نہیں گزار سکتی۔ سود پاخانہ ہے اور کفار اس کے کیڑے مسلمان بلبلیں۔ انہیں سود پھلتا نہیں ہماری غذا حلال پھول ہیں۔ جیسے ہر جانور کی غذا جدا گانہ ہے اور وہ اپنی ہی غذا کھا کر جی سکتا ہے۔ بکری گوشت نہیں کھا سکتی۔ کتے چارہ نہیں چر سکتے اگر ایسا کریں گے تو جان گنوا دیں گے۔ ایسے ہی مومن و کافر کی غذائیں مختلف ہیں۔ مومنوں کو حلال طیب غذائیں دو اس سے پھولے گا کافر حرام غذا سے پلے گا۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب پر نہ کر ہے جدا ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

تیسرے یہ کہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے نہ کہ کلیہ 'چوتھے یہ کہ یہاں قومی ہلاکت مراد ہے نہ کہ شخصی کہ اگر سود کا عام رواج ہو جائے تو مالدار نہیں ہوں گے تو فقراء برباد ہوں گے اور فقراء کی بربادی قوم کی بربادی ہے نیز سود خور تجارتی خطرات اور مشقتیں برداشت نہیں کر سکتا۔ جب آرام سے مال ملے تو محنت کیوں کرے لہٰذا سود کا رواج تجارتوں کی تباہی اور بازاروں کی بے رونقی کا ذریعہ ہے۔ جس سے عالم کی بربادی ہے۔ یہ ساری سود خور قومیں تجارت بھی کرتی ہیں ان کی بقا تجارت سے ہے نہ کہ محض سود سے **دوسرا اعتراض:** آج کل بغیر سود تجارت نہیں چل سکتی اب سود کی ممانعت طاقت سے زیادہ تکلیف ہے مسلمان کی پستی کا سبب سود کی ممانعت اور زکوۃ کی فرضیت ہے۔ (عام نیچری) **جواب:** یہ محض شیطانی دھوکہ ہے ہمیشہ سے مسلمانوں نے کروڑوں روپے کے بیوپار کئے اور سود بالکل نہ لیا حضرت عثمان غنی امام ابو حنیفہ اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تجارتیں اور ان کے خزانوں کی وسعتیں دنیا میں مشہور ہیں یہ حضرات سود کے قریب بھی نہ گئے۔ اب بھی کاٹھیاواڑ اور پنجاب میں بڑے بڑے تاجر سودی لین دین سے بالکل دور ہیں اور بڑے مزے میں ہیں آج کل مسلمانوں کی پستی زکوۃ کی فرضیت اور سود کی ممانعت سے نہیں یہ دونوں مسئلے تو ہمیشہ سے موجود تھے۔ مگر مسلمانوں کی پستی ایک صدی سے ہوئی اس کا سبب جوانوں کی بیکاری' آرام طلبی' قرض کی عادت اور بچوں کی آوارگی ہے نہ کہ احکام شرعیہ اور ہر بربادی کی اصل دین سے آزادی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ثواب کا مستحق وہ ہے جسے ایمان و نیک اعمال دونوں میسر ہوں تو چاہئے کہ جو مسلمان نیکیاں نہ کر سکیں مثلاً عورت بالغہ ہوتے ہی حائضہ ہو جائے۔ اور حیض سے فارغ ہوتے ہی مر جائے یا کوئی بالغ ہوتے ہی

دیوانہ ہو جائے وہ ثواب کا مستحق نہ ہو حالانکہ یہ احادیث کے خلاف ہے۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اعمال سے بقدر طاقت اعمال مراد ہیں یا یہ کہ اس مجموعہ میں سے ہر ایک ثواب کا سبب ہے نہ کہ پورا مجموعہ (کبیر) خیال رہے کہ اسلام میں پہلے صرف ایمان ہی فرض ہوا ظہور نبوت سے گیارہ سال تک کوئی حکم شرعی مسلمانوں پر نہ آیا۔ گیارھویں سال معراج میں صرف نماز آئی۔ پھر بعد ہجرت زکوۃ وغیرہ کے احکام بہت آہستگی سے آئے اس عرصہ میں نجات و بخشش حصول جنت کیلئے صرف ایمان ہی کافی تھا۔ پھر اعمال آتے گئے اور مسلمانوں پر لازم ہوتے گئے اب بھی غریب کی نجات صرف بدنی عبادات سے ہے امیر کی نجات بدنی و مالی دونوں عبادات سے۔ جن میں جہاد کی طاقت ہو ان کی نجات جہاد سے ہے وغیرہ وغیرہ۔ **چوتھا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ دوسرے صدقات کیلئے **انفقوا مما ینفقون** ارشاد ہوتا ہے' یعنی خرچ کرنا مگر زکوۃ کیلئے **اتوا ما یوتون** فرمایا جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب: اس لئے کہ دیگر صدقات میں صرف خرچ کر دینا کافی ہے۔ جیسے بھی ہو۔ مگر زکوۃ دینا یعنی فقیر کو مالک کر دینا ضروری ہے۔ دینا بغیر لینے کے نہیں پایا جاتا اس لئے زکوۃ کیلئے **یوتون** ارشاد ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: نفع و نقصان نتیجے کے اعتبار سے ہے سودی مال چونکہ رب کی مخالفت سے حاصل ہو لہٰذا اس کا انجام نقصان ہے۔ چونکہ سود خور سارے گناہ کرتا ہے لہٰذا اس کی سزا سب گناہوں سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ جیسی غذا' ویسا نتیجہ' حرام غذا سے حرام فعل صادر ہوتے ہیں۔ مکروہ غذا سے مکروہ فعل' مباح غذا سے مباح افعال' بہتر غذا سے' بہترین اعمال کی توفیق ملتی ہے لہٰذا سود خور پر سود کا گناہ بھی ہے اور ان حرام افعال کا بھی جو سود کھانے سے پیدا ہوئے' حدیث شریف میں ہے کہ پچھلا گناہ اگلے گناہ کی سزا ہوتا ہے اور اس کے برے نتائج بڑھتے رہتے ہیں۔ سود خور اپنے مال کا نتیجہ نہ زندگی میں دیکھے نہ قبر میں نہ آخرت میں۔ مگر صدقہ اس باغ کی طرح ہے جس کے پھل ہمیشہ کٹے جائیں اور اس کی جڑ ہمیشہ محفوظ رہے۔ یہ بھی معنی ہیں سود کی بربادی اور صدقہ کی برکت کے کہ سخی کا مال' اس کی اولاد اور مسلمانوں میں باقی رہتا ہے اس کی مسجدوں میں نمازیں ہوتی ہیں اس کی سراؤں میں مسافر آرام پاتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے مال کا پھل' زندگی قبر اور حشر میں پاتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنی غذا سنبھالو تاکہ تمہارے اعمال سنبھل جائیں (از ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں ہمارے اعمال کی جزا ہے مگر دیدار الٰہی کسی عمل کا بدلہ نہیں بلکہ محض رب تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور جیسے تخم اچھی زمین میں بوؤ تو پھل اعلیٰ ہوتا ہے۔ ایسے ہی زکوۃ وغیرہ کا اجر عند اللہ یعنی اللہ کے نزدیک ہے اس کا پھل بھی بہت زیادہ اور جیسے سرکاری بنک میں مال ضائع نہیں ہوتا۔ ایسے ہی رب کے بنک کا جمع شدہ مال برباد نہیں ہوتا۔ مال ہو یا اعمال جزا کا استحقاق از روئے قانون اس کو ہے جو عمل کرے بغیر عمل جزا کی امید خیال خام ہے۔ تخم بو کر کاٹنے کی امید کرو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو وہ جو باقی رہ گیا سود سے اگر
اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ

ہو تم ایمان لانے والے　پس اگر نہ کرو تم تو مطلع ہو جاؤ ساتھ لڑائی کے اللہ سے　اور

مسلمان ہو　پھر اگر ایسا نہ کرو　تو یقین کر لو　اللہ　اور

رَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ

رسول اس کے سے اور اگر تم توبہ کرو پس واسطے تمہارے اصل مالوں تمہارے کا نہ ظلم کرو گے

اللہ کے رسول سے لڑائی کا　اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو　تم کسی کو

وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

تم اور نہ ظلم کیے جاؤ گے

نقصان نہ پہنچاؤ نہ تمہیں کوئی ہو

تعلق: اس آیت کا تعلق پچھلی آیتوں سے چند طرح ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں آئندہ سود لینے سے ممانعت کی گئی ہے۔ اب پچھلا چڑھا ہوا سود وصول کرنے سے منع فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا فلہ 'ما سلف' کہ جو آئندہ سود سے باز رہے تو اس کیلئے گزشتہ سود حلال ہے اس سے دھوکہ پڑ سکتا تھا کہ پچھلا غیر مقبوض سود بھی وصول کرنا جائز ہے اس آیت میں یہ وہم دور کیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے وہم ہو سکتا تھا کہ جو کوئی ممانعت سے پہلے اپنے اصل مال کے برابر یا اس سے زیادہ سود وصول کر چکا وہ اب ممانعت کے بعد مقروض سے اپنا اصلی مال بھی نہ لے اس آیت میں یہ شبہ دور کیا جا رہا ہے کہ نہیں اصلی مال لے سکتا ہے پچھلے سود میں نہ کٹے گا۔

شان نزول: اس کے شان نزول میں چند روایتیں ہیں۔ 1۔ کفار مکہ سود کے بہت عادی تھے۔ جب فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور حرمت سود کے احکام سنے تو انہوں نے چاہا کہ آئندہ باز رہیں مگر پچھلا وصول کر لیں۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (کبیر) 2۔ قبیلہ بنی ثقیف میں چار بھائی تھے۔ مسعود عبد یالیل، حبیب اور ربیعہ، یہ لوگ بنی مغیرہ کو سودی قرض دیا کرتے تھے جب طائف فتح ہوا اور یہ چاروں بھائی اسلام لے آئے تب انہوں نے بنی مغیرہ سے اپنا پچھلا سود مانگا انہوں نے کہا قسم رب کی ہم نہ دیں گے کیونکہ سود حرام ہو چکا یہ مقدمہ حضرت عتاب ابن اسید کی کچہری میں آیا۔ حضرت عتاب نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں یہ واقعہ لکھا تب یہ آیت کریمہ اتری، اور ان چار بھائیوں کو سود لینے سے روک دیا گیا۔ (خازن و کبیر)۔ 3۔ حضرت عباس اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما نے ممانعت سود سے پہلے کھجوریں سود پر قرض دی تھیں۔ جب مقروض کے باغ کے پھل کٹے تو انہوں نے لئے، کچھ باقی رہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری۔ (کبیر) حضرت عباس اور خالد ابن ولید شرکت میں تجارت کرتے تھے اور سودی لین دین بھی کیا کرتے تھے۔ ان صاحبوں کا مقروض پر بہت مال پھیلا ہوا تھا۔ انکے بارے میں یہ آیت کریمہ آئی۔ (کبیر و روح المعانی)

تفسیر: **یا یھا الذین امنوا اتقوا اللہ ۔ ۔ ۔** چونکہ سود اہل عرب کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا نفس کو یہ مفت کی آمدنی پسند تھی جس کا چھوڑنا نفس پر گراں تھا۔ اس لئے رب نے پہلے پیارے خطاب۔ سے پکار اپھر حکم دیا کہ خطاب کی لذت سے مشکل حکم آسان ہو جائے۔ یعنی اے لوگو جو ایمان لا کر ہمارے وفادار بندے بن چکے ہو۔ ہم جو کہیں چھوڑ دو اگر کہیں چھوڑ دو سود تو سود چھوڑ دو اگرچہ اسلامی حکومت سے کفار کو بھی مسلمانوں سے سود لینے کی اجازت نہیں مگر چونکہ مسلمانوں کو سود چھوڑنا کفار کیلئے عملی تبلیغ ہو گی اس لئے خصوصیت سے انہیں ہی حکم دیا **اتقوا** ' **وقی یا وقایتہ** سے بنا۔ اس کے معنی ڈرنا بھی ہیں بچنا بھی۔ اگر یہاں بچنے کے معنی ہیں تو عذاب پوشیدہ ہو گا یعنی اے مسلمانوں اللہ سے ڈرو' یا اللہ کے عذاب سے بچو' یا اپنی جانوں کو اللہ کے عذاب سے بچاؤ۔ (معانی و بیان) **وذروا ما بقی من الربوا۔ ذروا** امر ہے محققین کے نزدیک اس کا کوئی مصدر نہیں۔ بلکہ یہ ترک کا امر ہے۔ جیسے ذو کی جمع **ذوا** (لغات فیروزی) بعض کا خیال ہے کہ اس کا مصدر وذر ہے اور وذرہ "ذرہ" دفع کرنے' پھینکنے چھوڑنے کے معنی میں استعمال ہے۔ اسی سے لو ذراء ہے یہ اصل میں اوذرہ تھا کلو اور مروا کی طرح اسکے دونوں ہمزہ تخفیف کیلئے گرا دیئے گئے مگر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ ذرا بمعنی خلق آتا ہے۔ جیسے **ذرا لکم من الانعام والحرث۔ ما** موصولہ ہے اور بقی سے باقی ماندہ سود مراد ہے۔ خواہ بالکل باقی ہو' یا کچھ لیا ہو اور کچھ باقی۔ من بیانیہ ہے یا تبعیضیہ الربوا کا الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے دراصل **من ربا کم** تھا یعنی تمہارا جو سود مقروضوں پر باقی ہو اسے چھوڑ دو۔ **ان کنتم مومنین** یہاں مومنین سے حقیقی مسلمان یا مطیع یا متقی مراد ہے اور امنوا سے ہر ظاہری مومن یعنی اگر تم مخلص مومن یا مطیع یا متقی ہو تو اب سود نہ لینا۔ **فان لم تفعلوا** ' **تفعلوا** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی ترک سود اگر تم بقیہ سود لینے سے پرہیز نہ کرو۔ خواہ حرام جانتے ہوئے یا حرمت کے منکر ہو کر **لم تفعلوا** میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ صرف سود خوروں سے خطاب ہو' دوسرے یہ کہ سود دینے والوں سے خطاب ہو۔ تیسرے یہ کہ دونوں ہی سے خطاب ہو' یعنی اے سود خورو اگر تم نے سود لینا نہ چھوڑا یا اے مسلمانوں اگر تم نے سودی قرض لینے اور سود دینے کی عادت نہ چھوڑی' یا اے لوگو اگر تم نے سود کا لین دین نہ چھوڑا۔ مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کہ پہلے سود خوروں سے خطاب تھا۔ **فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ ۔ ۔ ۔ اذنوا** ' **اذن** سے بنا بمعنی سننا اسلیئے کان کو اذن کہتے ہیں۔ پھر اس کا استعمال ہر سنی بات میں ہونے لگا۔ اجازت کو اذن' اطلاع اور اعلان نماز کو اذان کہتے ہیں۔ پھر ہر علم کو اذن کہا جانے لگا یہاں تیسرے معنی میں استعمال ہوا۔ ہماری قراءت میں **فاذنوا** ذال کے زبر سے ہے یعنی منکرین کو بتا دو۔ **اذنتکم علی سواء** (کبیر) حرب سے یا اخروی مقابلہ مراد ہے یا دنیوی اور یا یہ کلمہ ڈرانے اور باز رکھنے کیلئے استعمال ہوا۔ **من اللہ** کا متعلق پوشیدہ ہے **کائن** یہ حرب کی صفت ہے یعنی تم اللہ رسول سے اخروی یا دنیوی جنگ کا یقین کر لو کہ تمہیں آخرت میں عذاب بھی ہو گا اور دنیا میں قتل و غارت بھی۔ جیسا کہ ہم ان شاء اللہ فوائد میں عرض کریں گے۔ خلاصہ مضمون یہ ہے کہ تم غور کر لو کیا تم اللہ رسول سے لڑ سکتے ہو۔ یا کیا تم اسکے عذاب کو برداشت کر سکتے ہو۔ ہرگز نہیں کر سکتے تم سے مکھی مچھر و چیونٹی کا مقابلہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور تم ایک معمولی سی بیماری برداشت نہیں کر سکتے تو کتنا کس ہمت و دلیری پر کرتے ہو۔ لہذا تم توبہ کر کے معافی چاہو تو ہم بخش دیں گے مجبور کو عاجزی لازم ہے **وان تبتم** یہ لفظ توب سے بنا بمعنی لوٹنا اور رجوع کرنا۔ بندے کے حق میں گناہ سے رجوع کرنا اور رب کے حق میں عذاب سے رجوع توبہ ہے۔ یعنی اگر تم اس

ارادہ سے باز آجاؤ **فلکم رء وس اموالکم**' **لکم** کا متعلق پوشیدہ ہے جائز یا ثبت یا احل۔ **رء وس**' راس کی جمع ہے بمعنی سر یہاں اصل مال مراد ہے جو بطور قرض مقروض کو دیا گیا تھا۔ چونکہ سر سے تمام جسم کی بقاء ہے۔ ایسے ہی اصل قرض پر سود کا دارومدار۔ اس لئے اسے راس المال کہتے ہیں۔ یعنی تو تمہارے لئے اپنا اصل مال لینا جائز ہے۔ گزشتہ لئے ہوئے سود میں نہ کٹے گا چونکہ بنی ثقیف کے چند قسموں کے مال قرض تھے۔ یا چند لوگوں نے قرض دے رکھا تھا۔ اسی لئے یہاں اموال جمع فرمایا گیا۔ غرضیکہ مال کا جمع لانا یا قرض خواہوں کی کثرت کی وجہ سے ہے یا خود مال کی۔ **لا تظلمون ولا تظلمون** یہ ظلم سے بنا۔ جسکے معنی بارہا بیان ہو چکے پہلے **تظلمون** کا مفعول بہ پوشیدہ ہے' یہ جملہ یا مستقل ہے یا لکم کی ضمیر سے حال یعنی نہ تم مقروضوں پر زیادتی کرو کہ اصل قرض سے زیادہ کا مطالبہ کرو اور نہ ان کی طرف سے تم پر ظلم کیا جائے کہ وہ تمہارے اصل مال میں کمی کریں۔ یا بلاوجہ ادائے قرض میں دیر لگائیں۔ یا تو یہ بمعنی نہی ہے' یا نفی۔

خلاصہ تفسیر: اے وہ لوگو جو بظاہر مومن ہو چکے' تم اللہ سے ڈرو اور اس کے عذاب سے بچو اور تمہارے مقروضوں پر جو کچھ تمہارا سود باقی رہ گیا ہے وہ ایک دم چھوڑ دو' اگر تم مخلص مومن ہو کیونکہ ایمان کا تقاضا ہے اگر تم اس پر عمل نہ کرو تو اللہ رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ یعنی تم پر دنیا میں جہاد بھی ہو گا۔ اور آخرت میں عذاب بھی۔ اور اگر تم اس بد عقیدگی یا بد عملی سے توبہ کر لو' اور آئندہ سود لینے کا ارادہ چھوڑ دو تو تم کو تمہارے اصل مال جو مقروض پر ہیں مل جائیں گے اس قانون کے بعد نہ تم کسی مقروض پر ظلم کرو' نہ سود وصول کرو یا مسکین کو نہ دو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے کہ تمہارے اصل مال میں کمی کی جائے یا بلاوجہ ٹال مٹول کی جائے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** سود خوری سخت گناہ ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ دو جرموں کے سوا کسی گناہ پر رب کی طرف سے اعلان جنگ نہیں دیا گیا۔ ایک سود لینا۔ دوسرے اولیاء اللہ سے عداوت رکھنا' حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں پر لعنت فرمائی۔ سود لینے والا' سود دینے والا' سود لکھنے والا' سود کا گواہ۔ نیل سے بدن پر داغ لگوانے والا' زکوۃ نہ دینے والا۔ طلاق مغلظہ میں حلالہ کرانے والا' جبکہ زبان سے حلالہ بولے' مرتد اور ماں باپ کا نافرمان' یتیم کا مال ظلماً" کھانے والا' جاندار کا فوٹو کھینچنے والا (در منثور) دوسری روایت ہے کہ سود خوری سے قحط سالی اور رشوت ستانی سے عیب اور بدکاری سے وبا پھیلتی ہے۔ (احمد و در منثور) **دوسرا فائدہ:** صحابہ کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ سے وہ خصوصی قرب حاصل ہے کہ ان سے جنگ رب سے جنگ ہے اور ان سے صلح رب سے صلح ہے۔ **بحرب من اللہ** میں اگر دنیا میں جنگ مراد ہو تو ظاہر ہے کہ سود خوروں کی لڑائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ہوگی' مگر رب نے فرمایا کہ اللہ سے جنگ کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ ان سے لڑنا گویا اللہ سے لڑنا ہے ایسے ہی ان سے صلح رب تعالیٰ سے صلح ہے۔ **تیسرا فائدہ:** اگر سود خور سود پر اڑ جائے تو حاکم جبراً اس سے سود چھڑائے' اگر وہ حاکم کا مقابلہ کرے تو اس پر حملہ کیا جائے کیونکہ اگر وہ سود کی حرمت کا منکر ہے تو مرتد ہے ورنہ باغی جیسا کہ **بحرب من اللہ** سے معلوم ہوا۔ ہر مسئلہ شرعی کا یہی حکم ہے اسی لئے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زکوۃ نہ دینے والوں پر لشکر کشی کی۔ حالانکہ ان میں سے بعض فرضیت زکوۃ کے منکر نہ تھے بلکہ مال ظاہری کی زکوۃ سلطان اسلام کو دینا نہ چاہتے تھے آپ نے فرمایا کہ جو مجھے بکری کا بچہ بھی نہ دیں گے۔ میں ان پر حملہ

کریں گا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی قوم اذان یا مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دے تو ان سے حاکم جنگ کرے کہ وہ باغی ہیں۔ (روح البیان و کبیر وغیرہ) یہ سب مسائل **بحرب من اللہ ورسولہ** سے معلوم ہوئے کیونکہ یہاں **بحرب اللہ** نہ فرمایا۔ بلکہ **بحرب من اللہ** فرمایا چوتھا فائدہ: جو مقروض بلاوجہ ادائے قرض میں دیر لگائے وہ ظالم ہے۔ حاکم جبراً اس سے قرض ادا کرائے ورنہ اسے قید کردے۔ جیسا کہ **ولا تظلمون** سے معلوم ہوا۔ (روح المعانی) فقہ میں مقروض کے احکام کی بہت تفصیل ہے۔ ہم نے بلاوجہ کی قید اس لئے لگائی کہ دیوالیہ مقروض کا نہ نکل جائے۔ پانچواں فائدہ: جو قرض خواہ سود لینا چاہے وہ بھی ظالم ہے۔ حاکم اسے اس ارادہ سے جبراً روک سکتا ہے۔ جیسا کہ **لا تظلمون** سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: اسلام کے بعد زمانہ کفر کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ مگر آئندہ گناہ سے روکا جائے لہٰذا جو حربی کافر سودی لین دین کے بعد اسلام لائے تو اس پر گزشتہ سود واپس کرنا واجب نہ ہوگا۔ ہاں زمانہ کفر کے قرض پر اب سود نہ لے سکے گا۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس آیت سے صدہا احکام کفار مستنبط ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اگر کافر نے سود یا شراب پر نکاح کیا اور پھر مسلمان ہو گیا تو اگر یہ مہر ادا کر چکا تو جائز ہے۔ اگر ادا نہ کر چکا ہو تو اب وہ خنزیر یا شراب نہیں دے سکتا۔ یہ تمام مسائل **فلکم رءوس اموالکم** سے معلوم ہوئے۔ ساتواں فائدہ: دار الحرب کے فاسد عقود فسخ نہ کئے جائیں گے۔ ہاں آئندہ کیلئے بند کر دیئے جائیں گے۔ (احکام القرآن) آٹھواں فائدہ: کفار کے خلاف قاعدۂ اسلامی نکاح باقی رکھے جائیں گے۔ لہٰذا اگر شوہر و بیوی مسلمان ہو جائیں تو انہیں دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کا پہلا نکاح قائم رہے گا۔ اگرچہ بغیر مہر بغیر ایجاب قبول ہوا ہو۔ نواں فائدہ: اگر تجارت میں قبضہ سے پہلے مفسد پایا جائے۔ تو بیع باطل ہے۔ اور قبضہ کے بعد پایا جائے تو بیع درست ہوگی۔ مثلاً دو کافروں نے آپس میں شراب کی بیع کی اور قبضہ کے بعد اسلام لائے تو بیع درست ہے کہ تاجر روپیہ اپنے استعمال میں لائے اور خریدار شراب کا سرکہ بنا لے ایسے ہی اگر مسلمان نے شکار خرید کر احرام باندھا تو اگر قبضہ سے پہلے احرام باندھا ہو تو بیع فاسد ہے۔ ورنہ درست (احکام القرآن) دیکھو اسی آیت نے مقبوض سود کو حلال رکھا اور غیر مقبوض سے روک دیا۔ یہ سارے احکام اسی سے مستنبط ہوئے۔
مسئلہ: کافر نے بحالت کفر شراب ادھار بیچی اگر قبضہ دیکر مسلمان ہوا تو خریدار سے قیمت وصول کرے ورنہ بیع فاسد ہو گئی۔

اعتراض: پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ سود خور کافر ہے۔ کیونکہ اسے رب نے اعلان جنگ دیا حالانکہ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بد عملی کفر نہیں۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں لم تفعلوا سے مراد سود کو حلال جان کر اس سے باز نہ رہنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کافر ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ یہ اعلان جنگ ڈرانے کیلئے ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے کہ ریاء شرک ہے یا اولیاء اللہ سے مخالفت کرنے والے کو رب کا اعلان جنگ ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور فاطمہ زہرہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم سے فرمایا **انا حرب لمن حاربتم** ان سب صورتوں میں گناہ پر اعلان جنگ دیا گیا۔ دوسرا اعتراض: **فان تبتم** سے معلوم ہوا کہ جو سود سے نہ بچے اسے اس کا "راس مال بھی نہ دیا جائے" یہ تو ظلم ہے۔ جواب: بیشک اگر سود کو حلال جانتا ہے تو مرتد ہے اس کا راس جسم (سر) بھی نہ بچے گا چہ جائیکہ راس مال۔ اور حکومت سود کا منکر نہیں اور بادشاہ اسلام کا مقابلہ کرتا ہے تو باغی ہے اور باغی کا مال توبہ سے پہلے اسے نہیں ملتا۔ بلکہ یہ سلطان کے پاس امانتاً" محفوظ رہتا ہے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بالکل ضبط ہو جاتا ہے۔ (روح المعانی) تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سود خور سے قتال کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ کسی مسلمان کو بجز تین

صورتوں کے قتل کرنا جائز نہیں۔ ارتداد' قتل اور زنا' اس حدیث میں آیت میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: اگر سود خور سود حلال سمجھ کر اس پر اڑتا ہے تو مرتد ہے اس سے ایسا ہی جہاد کیا جائے جیسا کہ کفار سے اور اگر سود کو حرام تو سمجھتا ہے مگر چھوڑتا نہیں۔ تو سلطان اسلام جبراً اسے روکے اگر وہ جبر کو نہ مانے اور اگر وہ جتا کر مقابلہ کرے تو باغی ہے۔ اس سے ایسی جنگ کی جائے گی جیسے باغیوں سے۔ غرض بحرب من اللہ ورسولہ کی دو نوعیتیں ہیں۔ چوتھا اعتراض: سود میں ایسی کونسی خصوصیت ہے کہ سود خور کو اعلان جنگ دیا گیا۔ شرابی' جواری' بے نماز سب ہی گنہگار ہیں۔ انہیں اعلان جنگ نہیں؟ جواب: حقوق دو قسم کے ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق خلق' دیگر گناہ میں یا صرف رب کی حق تلفی ہے سود خور رب کی مخالفت شریعت کا مقابلہ کرتے ہوئے عالم خلق کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ لہذا سزا بھی اس کی سخت ہوئی۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سود خور توبہ کرنے کے بعد اصل قرض مقروض سے لے گا۔ اگرچہ توبہ سے پہلے وہ قرض سے کہیں زیادہ وصول کر چکا ہو۔ تو کیا اب بھی سود خور کو یہ رعایت ملے گی کہ پہلے تو خوب سود وصول کرے پھر توبہ کرے پورا قرض بھی لے اس پر تو یہ شعر صادق آتا ہے۔

رات بھر بے پی اور صبح کو توبہ کر لی رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

جواب: ہرگز نہیں یہ رعایت صرف اس وقت کیلئے ہے۔ جب کہ حرمت سود کا قانون بننے سے پہلے لوگوں نے سود لے لیا تھا۔ اور وہ سود اسی وقت ان کیلئے جائز تھا۔ اب جبکہ سود حرام ہو چکا ہے تو جو بھی لے گا حرام ہی لے گا اور اب توبہ کرنے پر لیا ہوا سود ضبع کرنا پڑے گا اور اگر قرض سے زیادہ لے چکا ہے تو واپس کرنا ہو گا۔ چھٹا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اگر تم توبہ کر لو تو بھی اصل قرض ملے گا۔ ان لوگوں نے اس وقت کون سا گناہ کیا تھا۔ جس سے توبہ کرائی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے جو سود لیا تھا وہ تو گناہ تھا ہی نہیں کہ اس وقت حلال تھا۔ اس سے توبہ کرانے کے کیا معنی؟ جواب: بنی ثقیف کے ان چار صاحبوں نے حرمت سود کے بعد گزشتہ قرض کا سود لینا چاہا تھا۔ یہ جرم تھا کہ ارادہ گناہ ہے۔ اس سے یہاں توبہ کا حکم دیا یا توبہ سے مراد ہے آئندہ سود سے بچنے کا عہد۔

تفسیر صوفیانہ: سود کی حرمت صرف مال میں ہی نہیں بلکہ ہر چیز میں ہے۔ اعضائے ظاہری و باطنی سے جائز کام لینا حلال اور ان سے حرام کام لینا گویا سود ہے اور حرام۔ یہاں حکم ہو رہا ہے کہ اے غافل مسلمانو تم زمانہ غفلت میں اپنے اعضاء سے جو کچھ حرام کام کر چکے اب ہوش آنے پر اس 'سود خوری سے بچو اور گزشتہ گناہوں کا اثر مٹا دو یہ مت سمجھو کہ۔

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

جو دم ملے غنیمت جانو' اور جو نیکی ممکن ہو' اسے نہ چھوڑو۔ ممکن ہے کہ ایک نیکی تمام گناہوں کو فنا کر دے اگر تم ہوش آنے پر بھی اس سود خوری سے باز نہ آئے تو اب تک تو غافل مجرم رہے اور اب عاقل باغی قرار دیئے جاؤ گے کہ جان بوجھ کر رب کی نافرمانی کرتے ہو' اللہ و رسول سے جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ اور اگر تم گناہوں سے توبہ کر لو تو زمانہ غفلت کی نیکیوں کے ثواب سے محروم نہ رہو گے اور ممکن ہے کہ اس توبہ کی برکت سے تمہارا گزشتہ لیا ہوا یہ سود بھی معاف ہو جائے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک رب سے ناامیدی کفر ہے بڑے سے بڑے مجرم کو رحمت الٰہی کا اعلان عام ہے کہ اب بھی آ جاؤ یاد رکھو کہ اپنے اعضاء

سے دنیوی کام لینے کا اسی کو حق ہے جو ان سے دینی کام بھی لے۔ دین سے غافل ہروقت ظالم ہے کہ وہ اپنے پر ہر دم ظلم ہی کرتا رہتا ہے **لا تظلمون ولا تظلمون** نہ اپنے بدن پر ظلم کرو اور نہ بروز قیامت یہ تم پر ظلم کرے۔ ورنہ سمجھ لو **جزاء سیئۃ سیئۃ** آج یہ اعضاء تمہارے تابع ہیں تمہارا ظلم سہ لیں گے۔ مگر بروز قیامت جب انہیں موقعہ ملے گا تو بارگاہ الٰہی میں تمہاری شکایت کرکے تمہیں ضرور سزا دلوائیں گے۔ **وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانو یکسبون** صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے مال کو صرف سنبھال کر نہ رکھو۔ اسے کاروبار میں لگا کر بڑھاؤ۔ جمع شدہ مال برباد ہو جاتا ہے۔ کاروبار میں لگا ہوا روپیہ بڑھتا ہے۔ پھر روپیہ حلال کاروبار میں لگاؤ حرام کے ذریعہ اسے نہ بڑھاؤ۔ تجارت سے بڑھاؤ جوئے سود وغیرہ سے نہ بڑھاؤ ایسے ہی اعضاء ظاہری اور دل کو بیکار نہ رکھو ورنہ ضائع ہو جائیں گے۔ رب نے بیکاری کیلئے یہ نعمتیں نہیں دیں ہیں۔ فرماتا ہے **افحسبتم انما خلقنکم عبثا** بلکہ انہیں کام لگاؤ تاکہ ان سے برکتیں نصیب ہوں مگر پھر یہ خیال رکھو انہیں ناجائز کاروبار کفر و شرک بدکاری فسق و فجور میں نہ پھنساؤ ورنہ بجائے نفع کے تمہیں نقصان دیں گے۔ جیسے سود میں لگا ہوا مال بلکہ جائز کاروبار میں اور اداء حقوق الیہ و حقوق شرعیہ میں مصروف رکھو تاکہ ان سے خاطر خواہ نفع کماؤ جیسے کچھ مال زکوۃ صدقات دیگر آگے کیلئے توشہ بناتے ہیں۔ کچھ اپنی ضروریات میں صرف کرتے ہیں۔ ایسے ہی ان ظاہری باطنی اعضاء سے کچھ اپنے کام لو کچھ آخرت کیلئے توشہ بناؤ۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ
اور اگر ہو تنگی والا　پس مہلت ہے آسانی تک　اور یہ کہ صدقہ کرو تم بہتر ہے واسطے
اور اگر قرض دار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک اور قرض اس پر بالکل چھوڑ دینا
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى
تمہارے اگر ہو تم جانتے　اور ڈرو اس دن سے کہ لوٹائے جاوگے بیچ اس کے
تمہارے لیے بھلا ہے اگر جانو　اور ڈرو اس دن سے جس میں اللہ کی طرف پھروگے اور
اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾
طرف اللہ کے پھر پورا دیا جائے گا ہر نفس وہ جو کمایا اس نے اور وہ نہ ظلم کیے جاویں گے۔
ہر جان کو اس کی کمائی پوری بھر دی جاوے گی　اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مقروضوں پر ایک آسانی کی گئی تھی کہ انہیں سود کے بوجھ سے ہلکا کر دیا گیا اب ان کیلئے دوسری آسانی یہ ہو رہی ہے کہ انہیں ادائے قرض میں مہلت دی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عام مقروضوں کے احکام بیان ہوئے۔ اب خاص مقروض یعنی دیوالیہ کے احکام بیان ہو

رہے ہیں کہ اسے اتنی مہلت دو کہ کماکر قرض ادا کرسکے۔ **تیسرا تعلق:** سود کی آیتوں سے پہلے صدقہ کی رغبت دی گئی تھی اب مسلمانوں کو ایک خاص خیرات کی طرف مائل کیاجارہا ہے۔ یعنی معافی قرض۔

شان نزول: جب پچھلی آیت نازل ہوئی تو ان چاروں ثقفی بھائیوں نے جنکے بارے میں وہ آیت آئی تھی کہاکہ ہم میں اللہ تعالٰی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں۔ ہم سود لینے سے توبہ کرتے ہیں اپنا اصل قرض ہی لیں گے یہ کہہ کر وہ اپنے مقروضین بنی مغیرہ کے پاس گئے اور بولے کہ سود سب معاف ہمارا اصل قرض ادا کرو' انہوں نے کہاکہ ابھی تو ہم تنگدست ہیں' کچھ مہلت دو' آمدنی ہوتے ہی سب سے پہلے تمہارا قرض ادا کردیں گے۔ انہوں نے انکار کیا اور فوراً ادا کا مطالبہ کیا۔ تب یہ آیت اتری۔ (کبیر و روح المعانی و احمدی)

تفسیر: **وان کان ذوعسرۃ** ظاہر یہ ہے کہ کان تامہ ہے بمعنی وقع یا ثبت اور ذو عسرۃ اس کا فاعل اور ممکن ہے کہ کان ناقصہ ہو' اور ذو عسرۃ اس کا اسم اور خبر محذوف یعنی مغرما۔ عسر' اعسار کا ہم معنی ہے بمعنی تنگی اور مشکل ہونا۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ **اعسر الرجل** اس کا مقابل **یسر** ہے بمعنی آسانی اور غنا' یعنی اگر مقروض تنگدست ثابت ہو۔ **فنظرۃ الی میسرۃ** ' نظرۃ پوشیدہ مبتداء' الحکم کی خبر ہے یہ انظار کا ہم معنی بمعنی ڈھیل اور مہلت دینا ہے۔ **رب انظرنی' انک لمن المنظرین** اسی سے انتظار ہے غور کرنے کو بھی نظر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کیلئے مہلت درکار ہے اسی سے ہے مناظرہ' یعنی ایک مسئلہ میں باہم غور کرنا۔ دیکھنے کو نظر اس واسطے کہتے ہیں کہ اس میں قوت باصرہ کو اپنے کام کرنے کی ڈھیل دی جاتی ہے۔ آنکھ بند کرنے والا گویا اسے مقید کرتا ہے۔ (از کبیر) **میسرۃ** بروزن **مفعلۃ** یسار کا ہم معنی ہے۔ بمعنی آسانی اور غنا یا اسم ظرف ہے اسی کا مادہ یسر ہے۔ یعنی پس حکم یہ ہے کہ اسے غنا تک مہلت دو۔ **خیال رہے:** کہ یہ حکم وجوبی ہے جیسا کہ ان شاء اللہ فوائد میں عرض کیاجائے گا۔ **وان تصدقوا** - **ان** مصدریہ ہے اور تصدقوا' صدقۃ سے بنا تصدق کے معنی صدقہ دینا ہوتے ہیں۔ مگر کبھی حق معاف کردینے کو بھی تصدق کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ ہی مراد ہے بعض نے کہاکہ اس صدقہ سے مہلت دینا مراد ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ مہلت کا حکم تو پہلے ہوچکا۔ نیز مہلت دینا واجب اور معاف کردینا مستحب لہٰذا صحیح یہ ہی ہے کہ اس سے قرض کی معافی مراد ہے۔ خواہ کلاً ہو یا بعضاً۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ کل معافی مراد ہے۔ اسی لئے بجائے معافی کے صدقہ فرمایا گیا۔ یعنی تمہارا سارا قرض معاف کردینا' **خیر لکم** یہاں خیر کا متعلق پوشیدہ ہے۔ (**من الانظار**) خیر سے زیادہ ثواب مراد ہے۔ یعنی معافی مہلت دینے سے تمہارے لئے زیادہ باعث ثواب ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر دیوالیہ مقروض کے پاس ادائے قرض کیلئے پیسہ نہ ہو مگر مکان جائیداد وغیرہ ہو تو اسے مہلت دو اس کی جائیداد نیلام نہ کراؤ وہ اس مہلت میں کماکر قرض ادا کردے اور اگر اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو معافی دیں۔ اس کا آخرت کا معاملہ صاف کردو تم اپنے مقروض پر رحم کرو۔ تاکہ رحم کئے جاؤ۔ غرضیکہ مہلت ایک صورت میں ہے اور معافی دوسری صورت میں۔ **ان کنتم تعلمون** ○ اس فعل کا مفعول اور شرط کی جزا پوشیدہ ہے۔ یعنی اگر تم یہ جانتے ہو تو معافی پر عمل کرو۔ جیسے قیدی آزاد کرنا ثواب ہے۔ ایسے ہی کسی مقروض کی گردن چھڑانا ثواب ہے کہ قرض بھی ایک قید ہے۔ جس میں مقروض دنیا و آخرت میں پھنسا ہوا ہے۔ **واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ** یہاں تقویٰ سے ڈرنا مراد ہے۔ اور یوم سے وقت یا قیامت کا دن مراد اور یہ اتقوا کا مفعول بہ اور ممکن

ہے کہ اس سے وقت موت مراد ہو الی اللہ سے الی امر اللہ یا الی حفظ اللہ مراد یعنی اس دن یا اس وقت سے ڈرو' جس میں تم رب کے حکم یا حفاظت کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور اگر خدا کی طرف ہی لوٹنا مراد ہو تو رجوع مکانی نہ ہو گا۔ بلکہ مطلب یہ ہو گا کہ تم قیامت میں اس حالت میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گے کہ سوائے اس کے رحم و کرم کے کوئی ذریعہ دنیاوی نہیں چھڑا سکے گا۔ اور جس دن کسی کی ظاہری بادشاہت بھی نہ ہو گی۔ اور جہاں کوئی حیلہ بہانہ نہ بن سکے گا۔ غرضیکہ مصرعہ "کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے"۔ اس کا حال ہو گا۔ خیال رہے کہ اتقوا کا مطلب یہ نہیں کہ صرف دل میں خوف رکھو بلکہ عملی خوف خدا مراد ہے۔ **ثم توفی کل نفس ما کسبت۔ توفیٰ** توفیۃ سے بنا' اس کا مادہ وفاء ہے بمعنی پورا اور پورا دینا **ما کسبت** کا مضاف جزاء پوشیدہ ہے۔ یعنی ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ خیر کا خیر' شر کا شر خیال رہے کہ کسب ہر اختیاری فعل کو کہتے ہیں۔ خواہ ہاتھ سے صادر ہو' یا دیگر اعضاء سے اور کل نفس سے ہر عاقل و بالغ انسان مراد ہے۔ کیونکہ بچے دیوانے اور جانور کے اعمال کی اخروی جزا نہیں اس لئے ارشاد ہوا۔ **وھم لا یظلمون ○** یہ جملہ کل نفس کا حال۔ ہے۔ اور چونکہ وہ معناً" جمع تھا۔ اس لئے ضمیر جمع لائی گئی۔ یعنی ان لوگوں پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا۔ کہ ان کی نیکیاں گھٹ جائیں۔ یا گناہ بڑھ جائیں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! اگر تمہارا مقروض تنگدست ہو اور وعدہ پر قرض ادا نہ کر سکے تو اس کو مہلت دے دو کہ جب گنجائش ہو تب ادا کرے۔ اور ایسے فقراء مساکین سے بالکل قرض معاف کر دینا تمہارے لئے مہلت دینے سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اگر تم اپنے قرض سے آزاد کرو گے' تو رب تمہیں اپنے قرض سے آزاد کرے گا۔ اگر تمہیں اس کی خبر ہو تو تم ضرور معاف کر دو۔ تم بھی کسی کے مقروض ہو' اپنی اس پیشی کے دن سے ڈرتے رہو۔ جب تمہیں بارگاہ الٰہی میں واپس کیا جائے گا۔ اور ہر شخص کو اس کے سارے برے بھلے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہو گا۔ نہ تو ان کی نیکیاں گھٹیں۔ نہ گناہ بڑھیں اگر تم اس دن اپنی رہائی چاہتے ہو۔ تو آج اپنے مقروض قیدیوں کو رہا کرو۔

نوٹ: مفسرین فرماتے ہیں کہ **واتقوا یوما** یہ سب سے اخیری آیت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اسے سورۂ بقر میں 280 آیتوں کے بعد رکھئے چنانچہ یہاں رکھی گئی اس کے بعد حضور علیہ السلام دنیا میں اکیس روز تشریف فرما رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ سات روز اور بعض میں ہے نو دن (خازن و خزائن) بلکہ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ آیت وفات شریف سے تین گھنٹے پہلے نازل ہوئی۔ (روح المعانی) مگر عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اخیری آیت سود کی آیت ہے۔ ہو سکتا ہے' احکام کی آیت میں سود کی آیت اخیری ہو۔ اور مطلقاً آیات میں یہ آیت اخیری۔ خیال رہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہے اس دراز عرصہ میں بہت کام ہوں گے۔ اولاً حیرانی۔ پھر پریشانی' پھر شفیع کی تلاش' پھر نامہ اعمال' کی تقسیم پھر مقدمات کی تحقیق و تنقیح گواہیاں وغیرہ سب سے آخر میں فیصلے۔ پھر ہر ایک کو اس کے ٹھکانے پر پہنچانا۔ چونکہ فیصلے اور ٹھکانوں پر پہنچانا سب سے آخر میں ہو گا۔ اس لئے یہاں **ثم توفی** ارشاد ہوا۔ **ثم** تراخی و مہلت چاہتا ہے اور توفی کل نفس کی تفسیر اس جملہ نے کی **وھم لا یظلمون** یعنی پورا بدلہ دینے کا مطلب ہے کہ ان پر ظلم نہ ہو گا یہ مطلب نہیں کہ فضل ربانی بھی نہ ہو گا۔ نفس سے مراد صرف مکلف انسان ہیں۔ جنہیں اعمال کا موقعہ ملا۔ جنات' فرشتے' کل نفس سے علیحدہ ہیں کہ فرشتوں کیلئے سزا تو ہے۔ مگر مومن جن کیلئے جزا یعنی جنت نہیں۔ ان کی جزاء صرف سزا سے بچ جانا ہے۔

انسانوں کے چھوٹے بچے دیوانے وغیرہ اپنے اعمال سے نہیں بلکہ فضل ذوالجلال سے بخشے جائیں گے۔ لہٰذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے نہ تو دوسری آیات کے خلاف ہے نہ احادیث کے مخالف۔

قرض لینے کی برائی: بلاضرورت قرض لینا بہت برا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس غریب مقروض کی نماز جنازہ نہ پڑھتے تھے۔ جس نے ادا کے لئے مال نہ چھوڑا ہو مسلمانوں سے فرماتے تھے نماز جنازہ پڑھ لو۔ (مسلم و مشکوٰۃ باب الافلاس 2) فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ شہید کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے سوائے قرض کے (مسلم و مشکوٰۃ باب الافلاس 3) فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ادائی نیت سے قرض لے گا۔ رب تعالیٰ ادا کرا دیگا اور جس کی نیت پہلے ہی سے نہ دینے کی ہوگی۔ اس کا کبھی ادا نہیں ہو سکتا۔ (بخاری و مشکوٰۃ 4) تین پیسہ کے عوض مقروض کی سات سو نمازیں مسلمان قرض خواہ کو قیامت میں دلوائی جائیں گی۔ (شامی) قیامت کے دن یا تو مقروض کی عبادات مسلمان قرض خواہ کو دلوائی جائیں گی۔ یا قرض خواہ کے گناہ مقروض پر ڈالے جائیں گے۔ مسلمان ان روایات سے عبرت پکڑیں۔ آج کل شادی و موت کی حرام رسمیں پوری کرنے کیلئے قرض لینے کی عام عادت ہو گئی اور سودی قرض اور بھی وبال ہے۔ آپ اس تفسیر میں پڑھ چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے سود دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ 6_ احمد کی روایت میں ہے کہ اگر کوئی شخص سات بار بھی زندہ ہو کر شہید ہوتا رہے جنت میں نہیں جا سکتا۔ جب تک کہ قرض ادا نہ کردے۔ (مشکوٰۃ باب الافلاس)۔ 7_ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گناہ کبائر کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان مقروض ہو کر مرے اور ادا کیلئے مال نہ چھوڑے۔ (احمد ابوداؤد و مشکوٰۃ)۔ 8 فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر جنت میں جانا چاہتے ہو' تو تین چیزوں سے بچو' غرور' خیانت و قرض (ترمذی ابن ماجہ مشکوٰۃ)۔ 9_ مقروض بعد موت قرض میں گرفتار رہتا ہے۔ جب تک کہ ادا نہ کر دیا جائے۔ (مشکوٰۃ) رب تعالیٰ مسلمان کی یہ عادت چھڑائے۔

قرض دینے کے فضائل: حاجتمند کو قرض دینا باعث ثواب ہے۔ 10 حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین شخصوں کو اجازت ہوگی کہ جنت میں جس دروازے سے چاہیں جائیں اور وہاں کی جو نعمتیں چاہیں اختیار کریں۔ مقتول کے ورثاء جو قاتل کو خون معاف کردیں۔ جو ہر فرض نماز کے بعد گیارہ بار قل ھواللہ پڑھا کرے' جو حاجتمندوں کو قرض دے۔ (روح البیان)۔ 11 ابو عمر امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ جنت کے دروازے پر لکھا ہے کہ صدقہ کا ثواب دس گنا ہے اور قرض دینے کا اٹھارہ گنا' پوچھا اس کی کیا وجہ؟ جواب ملا کہ صدقہ تو غیر ضرورت مند بھی لے لیتا ہے۔ مگر قرض حاجتمند ہی لیتا ہے (روح البیان)۔ 12 جو کوئی قرض کی میعاد کے بعد مہلت دے اسے ہر دن کے عوض اتنی خیرات کا ثواب ملتا ہے۔ مثلاً کسی پر سو روپے ایک ماہ کیلئے وعدہ پر قرض تھے۔ اب ایک ماہ بعد قرض خواہ کو سو روپے روزانہ خیرات کرنے کا ثواب ملے گا۔ (روح البیان)۔ 13۔ رب تعالیٰ نے صدقات و خیرات کو قرض فرمایا' تاکہ مسلمانوں کو قرض دینے کے فضائل معلوم ہوں۔ **من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا ○**

حکایت: ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا۔ اور اپنے نوکروں سے کہتا تھا کہ جب کوئی مقروض تنگدست ہو۔ اس سے درگزر کرو۔ شاید رب تعالیٰ مجھ سے درگزر فرمائے' اسی پر اس کی نجات ہو گئی۔ (مسلم' بخاری و مشکوٰۃ باب الافلاس)

مقروض کو مہلت دینے کے فضائل: غریب مقروض کو مہلت دینے یا معاف کرنے کے بڑے فضائل ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی غریب مقروض کو مہلت دے' اسے رب تعالٰی قیامت کی مصیبتوں سے بچائے گا۔ اور اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا۔ (مسلم و مشکوۃ)۔ 15 ہم پہلے بیان کر چکے کہ مہلت دینے میں روزانہ صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ 16 روایت میں ہے کہ جس نے ضرورۃ "قرض لیا۔ تو مقروض کیلئے ملائکہ دعا کرتے ہیں۔

لطیفہ: بعض سنتوں کا ثواب فرض و واجب سے زیادہ ہے۔ سلام کرنا سنت اور جواب دینا فرض ہے مگر سلام کا ثواب جواب سے زیادہ ہے میعاد پر ادائے قرض واجب ہے اور میعاد سے پہلے سنت ہے مگر ثواب اس کا زیادہ کہ میعاد سے پہلے ادا کیا جائے۔

مسائل و فوائد: شرعا" قرض اور دین میں فرق ہے۔ دست گردان یعنی نقدی کے لین دین کو قرض کہا جاتا ہے اور معاوضات کے ذمہ رہ جانے کو دین۔ کسی سے چھ روپے ادھار لئے یہ قرض ہے لیکن چھ روپے کا مال خریدا اور قیمت لوانہ کی یہ دین قرض کی میعاد کوئی نہیں' قرض خواہ جب چاہے مانگ لے طے شدہ میعاد کی لازمی پابندی نہیں۔ مگر دین کی مقررہ میعاد کی پابندی کرنی ہوگی کہ وقت مقرر سے پہلے تقاضا نہیں ہو سکتا۔ نیز قرض میں زیادتی حرام کہ سود ہے۔ اور دین میں جائز' تاجر کہہ سکتا ہے کہ اس کپڑے کی نقد قیمت روپیہ گز ہے اور ادھار ڈیڑھ روپیہ گز۔ (کتب فقہ)

مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ ہر غریب مقروض کو مہلت دینا واجب ہے اور قرض معاف کرنا مستحب۔ (کبیر)

مسئلہ: معسر یعنی دیوالیہ وہ مقروض ہے جس کے پاس ادائے قرض کے لائق مال نہ ہو۔

مسئلہ: اس کی مہلت دینا واجب ہے مگر اس سے قرض معاف نہ ہو جائے گا۔ جب اسے گنجائش ہو قرض خواہ پھر تقاضا کر سکتا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی مقروض کا غریب ہونا مشتبہ ہو اور احتمال ہو کہ شاید یہ اپنے مال کو چھپاتا ہے تو قرض خواہ کی درخواست پر حاکم مقروض کو قید کر دے۔ اور جب قرینہ سے معلوم ہو جائے کہ واقعی یہ غریب ہے اگر اس کے پاس مال ہوتا تو ظاہر کر دیتا۔ تب اسے چھوڑ دے۔ آج کل بھی یہ ہی عمل ہے۔

مسئلہ: قرض خواہ کو یہ بھی حق ہے کہ مقروض کو پکڑ لے کہ ہر وقت اس کے ساتھ ساتھ پھرے۔

مسئلہ: حاکم کو یہ حق نہیں کہ مقروض کی جائداد اور مکانات خود فروخت کرے اس کا قرض ادا کر دے بلکہ اسے قید کر کے بیچنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ ہاں اس کے پیسہ پر قبضہ کر کے بقدر حصہ قرض ادا کر سکتا ہے۔ (در مختار کتاب القضاء)۔

مسئلہ: مگر اب فتوٰی اس پر ہے کہ قاضی دیوالیہ کی ہر چیز فروخت کر دے یعنی کچھ کپڑے اور رہنے کا مکان حرفت کے آلات کے سوا سب کچھ فروخت کر کے قرض ادا کر دے۔ (شامی) اسی پر آج کل عمل ہے۔

مسئلہ: نادہندہ مقروض کی آبرو حلال ہے کہ اس سے سخت کلامی بھی کی جائے اور قید بھی۔ (احکام القرآن)۔

مسئلہ: مہلت دینا اس قرض میں واجب ہے جو ملی کاروبار کا ہو۔ جیسے تجارتی قرض مگر دین مہر کفالہ حوالہ صلح کے روپیہ پر مہلت واجب نہیں۔ (احکام القرآن)

مسئلہ: جو مقروض ظاہر ظہور فقیر ہو۔ اسے قید نہیں کرسکتے کیونکہ قید تو ظہور کیلئے ہے۔

مسئلہ: شرعاً مہلت کی کوئی مدت مقرر نہیں۔ غنا تک مہلت دی جائے جیسا کہ فنظرة الی میسرة سے معلوم ہوا۔

لطیفہ: چند صورتوں میں قرض لینا ثواب ہے۔ اور ان شاء اللہ وہ جلد بھی ادا ہو جائے گا۔ راہ الٰہی میں خرچ کرنے کیلئے۔ غریب کو کفن دینے اور نکاح کیلئے جب اس سے پاکدامنی مقصود ہو۔ مگر بیاہ کی حرام رسموں کیلئے نہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرض لیا۔ اور جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی تھی۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن بندے رب تعالیٰ کی طرف لوٹیں گے یا لوٹائے جائیں گے اور لوٹنا کہتے ہیں پہلی حالت کی طرف یا پہلے گھر کی طرف پھر جانے کو تو کیا بندے پہلے رب تعالیٰ کے پاس تھے اور کیا اب بندے رب کے قبضہ سے باہر ہیں اب بھی تو اسی کی ملکیت و قبضہ میں ہیں۔ **جواب:** ہاں بیشک بندے پہلے اسی عالم میں تھے یہاں نہ کوئی عزیز و قریبی تھا نہ کسی کی سلطنت و بادشاہت تھی۔ اس دنیا میں آکر سب چیزیں سامنے آگئیں اور بندہ رب کو بھول گیا۔ پھر اس جہان میں جائے گا۔ جہاں یہ ہی نقشہ ہوگا۔ یہ ہی مطلب ہے رب کی طرف رجوع کرنے کا۔ نیز دنیا میں انسان مصیبت میں اسباب کی طرف بھاگتا ہے۔ پھر مایوس ہو کر رب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ قیامت میں پہلے ہی سے رب کی طرف رجوع ہوگا۔ نیز دنیا میں ظاہری بادشاہ و سلاطین سلطنت و ملک کے دعویدار ہوتے ہیں۔ مگر وہاں کوئی ظاہر دعویدار بھی نہ ہوگا۔ ان وجوہ سے قیامت کی حاضری کو رجوع الی اللہ فرمایا گیا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ غریب مقروض کو مہلت دینا واجب ہے اور فقہاء فرماتے ہیں کہ دیوالیہ کا سامان فروخت کرکے اس کا قرض ادا کردیا جائے۔ انہوں نے آیت کے خلاف کیوں حکم دیا۔ **جواب:** جس دیوالیہ کے پاس سامان ہو وہ غریب نہیں بلکہ نادہندہ ہے۔ غریب کو مہلت دینے کا حکم ہے نہ کہ نادہندہ کو اگر اس کے سامان کی قیمت سے قرض زیادہ ہو' تو وہ مسکین ہے اور اسے زیادتی میں مہلت دی جائے گی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں غریب مقروض کو مہلت دینے کا حکم ہے اور فقہاء اسے قید کردینے کا حکم دیتے ہیں اس میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** یہ قید و بند اس کی غربت کی تحقیق کیلئے ہے کہ یہ غریب بھی ہے کہ نہیں۔ اسی لئے تحقیق ہو جانے پر اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** قیامت کے دن مسلمان قرض خواہ کو مقروض کی نیکیاں ملیں گی یا اس کے گناہ مقروض پر ڈالے جائیں گے تو کافر قرض خواہ کو کیا ملے گا۔ یہ ناممکن ہے کہ اس کا کفر مقروض کو دیا جائے گا اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی نیکیاں اس کافر قرض خواہ کو ملیں کہ وہ نیکیوں کا اہل ہی نہیں۔ اسی طرح اگر مسلمان کا کافر پر قرض رہ گیا تو قیامت میں اسے کیا ملے گا؟ **جواب:** کافر قرض خواہ اگر حربی ہے تو قیامت میں اس کا قرض برباد۔ اور اگر ذمی ہے تو ممکن ہے کہ مقروض کو کچھ سزا دے دی جائے اور قرض خواہ کے عذاب میں کچھ تخفیف کردی جائے کہ کفار کی عذاب سے رہائی تو ناممکن ہے مگر تخفیف ممکن یونہی کافر مقروض کے عذاب میں اور مسلمان قرض خواہ کے ثواب میں زیادتی کردی جائے گی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں ہر نفس کو اعمال کو پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تو نہ ضبط کا مسئلہ درست رہا اور نہ معافی گناہ بخشش گناہ شفاعت

کاجواب: یہاں قانون و عدل کا ذکر ہے حبطی اعمال غضب سے ہو گا جو عدل کی ایک نوعیت ہے۔ اور معافی و بخشش فضل و کرم سے 'نیز نوعیت کے یہ معنی ہیں کہ نیکیوں میں کمی نہ کی جائے گی اور گناہوں میں اضافہ نہ ہو گا' رہا نیکیوں کو بڑھا دینا گناہوں کو معاف فرما دینا توئی کے خلاف نہیں 'یہاں ایک چیز کا ذکر ہے۔ اور دوسری آیت میں معافی کا بھی ذکر ہے اور حبطی اعمال کا بھی۔

تفسیر صوفیانہ: قرض سخت خطرناک چیز ہے۔ خواہ مخلوق کا ہو یا خالق کا' عاقل وہ ہے جو قرض و قرض دونوں سے بچے' جو رب کے قرض سے نہ ڈرا' وہ کسی کے قرض سے کیا ڈرے گا۔ رب تعالیٰ نے قرض خواہوں کو مہلت دینے کا حکم اور معاف کرنے کی رغبت دی وہ خود بھی گنہگار بندوں کو بہت مہلت دیتا ہے۔ اور اگر وہ بندہ بندہ بن کر رہے تو بہت جلد معاف فرما دیتا ہے۔ آیت **واتقوا یوما** سب سے اخیر میں نازل ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پیر کے دن' عطائے نبوت اور مدینہ شریف میں تشریف آوری اور وفات سب کچھ پیر کے دن ہوئی۔ ایک قول کے بناء پر یہ آیت بھی پیر کے دن ہی نازل ہوئی۔ جیسے قرآن خاتم الکتب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ایسے ہی یہ آیت کریمہ سارے قرآن کریم کا خلاصہ اور اسکے مضامین کی جامع ہے۔ کیونکہ قرآن بلکہ ساری کتب سے انسانوں کو دو فائدے حاصل ہوئے۔ ہلاکت سے نجات اور ترقی درجات و ہلاکت کل سات چیزیں ہیں۔ کفر' شرک' جہالت' گناہ' برے اخلاق' حجاب صفات' حجاب نفس' اور ترقی درجات کے آٹھ اسباب ہیں۔ معرفت الٰہی' توحید' علم' اطاعت' اچھے اخلاق' جذب حقانی' انانیت سے فنا اور ہویت میں بقاء' ان ساری چیزوں کو ایک کلمہ **اتقوا** نے بیان کر دیا' کیونکہ تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ رب سے دور کرنے والے عیوب سے بچے اور قریب کرنے والے صفات اختیار کرے۔ لہٰذا اس میں ان سات عیوب سے بچنا بھی داخل ہے اور آٹھ صفتوں کا حاصل کرنا بھی۔ عوام کا تقویٰ کفر سے معرفت کی طرف' شرک سے توحید کی جانب' جہالت سے علم کی طرف اور گندے اخلاق سے پاکیزہ صفات کی طرف اور گناہ سے اطاعت کی طرف نکلنا ہے۔ انکی سیر کی یہ انتہا ہے۔ مگر خاص مجذوبین کی' یہاں سے ابتداء' انہیں جذب الٰہی صفات انسانی سے نکال کر تجلی صفات پر حق پہنچاتا ہے خواص کی یہاں انتہا ہے۔ وہ جنت ماویٰ کے پاس سدرۃ المنتہیٰ کے سایہ میں رہتے ہیں۔ اور **اذ یغشی السدرۃ ما یغشی** کے میوہ جات سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ لیکن خاص الخاص کا تقویٰ یہ ہے کہ انہیں رحمت الٰہی **ما زاغ البصر وما طغی** کی کوشش کے ذریعہ اوصاف نفس کے سدرۃ المنتہیٰ سے نکال کر انوار اقدس کے قاب قوسین تک پہنچاتا ہے۔ وہ اس تقویٰ حقیقی کے ذریعہ سے ایمان حقیقی کی لذت پاتے ہیں۔ انکے حق میں اس آیت کے معنی یہ ہیں واتقو ہماری راہ میں بقدر طاقت کوشش کرو' **یوما** اس دن کیلئے جس میں تمہیں عنایت ربانی کشش کرے گی کہ **ترجعون الی اللہ** تم انوار اقدس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جہاں سے گئے تھے۔ **ثم توفی کل نفس ما کسبت** پھر ہر مجاہد نفس کو بقدر مجاہدہ کرم سے نوازا جائے گا۔ **وھم لا یظلمون** اور کسی کا حق ضائع نہ کیا جائے گا (روح البیان) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ انسان کو قدرتی طور پر مال کی طرف میلان ہے اور یہ میلان تمام گناہوں کی جڑ ہے نفس سود سے بچنا نہیں چاہتا۔ زکوٰۃ دینا گوارا نہیں کرتا کیونکہ محبت مال کے سبب۔ رب تعالیٰ نے اس محبت کو چند طرح توڑا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی بیان فرما کر۔ قیامت یاد دلا کر۔ اپنا عذاب بیان فرما کر اپنی رحمت و جنت کے تذکرے فرما کر۔ یہاں فرمایا گیا کہ سود چھوڑ دو ورنہ قیامت میں پکڑے جاؤ گے۔ قیامت سے ڈرو' قوت شوق' ذوق و دینکہ ہے۔ جس سے ترک دنیا آسان ہو جاتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

اے وہ لوگو جو ایمان لائے جب معاملہ کرو تم اُدھار کے ساتھ معیاد مقرر تک پس

اے ایمان والو جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دین کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو

فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ

لکھ لو اس کو اور چاہیئے کہ لکھے درمیان تمہارے منشی ساتھ انصاف کے اور نہ انکار

اور چاہیئے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والا

اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ

کرے منشی یہ کہ لکھے مثل اس کے کہ سکھایا اسے اللہ نے پس چاہیئے کہ لکھے

لکھنے سے انکار کرے جیسا کہ اللہ نے سکھایا تو اسے لکھ دینا چاہیئے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں قرض کے احکام بیان ہوئے۔ اب دین کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ قرض اور دین کا فرق ہم پچھلی آیت کے فوائد میں بیان کر چکے۔ **دوسرا تعلق:** اب تک ان قوانین کا ذکر تھا جو مقروض کیلئے فائدہ مند ہیں سود کی ممانعت' غریب کو مہلت دینے کا حکم اور معافی قرض کی رغبت۔ اب وہ قوانین ارشاد ہو رہے ہیں جو قرض خواہ کیلئے مفید ہوں۔ دین کا لکھ لینا' اس پر گواہ بنانا وغیرہ وغیرہ تاکہ مقروض انکار نہ کر سکے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا **لا تظلمون ولا تظلمون** نہ تم ستاؤ' نہ ستائے جاؤ' **ان کان ذو عسرة** میں نہ ستانے کی تفسیر ہوئی اب نہ ستائے جانے کی تفسیر ہو رہی ہے۔ **چوتھا تعلق:** اب تک مال خرچ کرنے کے احکام بیان ہوئے کہ صدقہ دو' سود نہ لو' قرض معاف کرو۔ اب مال کمانے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے کہ اپنے معاملات لکھ لو۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں ایک نفع بخش تجارت یعنی سود سے کچھ مصالح کی بناء پر روکا گیا۔ اب نہایت نفع بخش تجارت یعنی بیع سلم کی اجازت دی جا رہی ہے۔

شان نزول: عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت بیع سلم کے بارے میں نازل ہوئی۔ (بیہقی و ابن جریر و تفسیر در منثور) بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کو پھلوں میں بیع سلم کرتے ہوئے پایا کہ دو دو تین تین سال پہلے غلہ کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے اس بیع کو جائز رکھا۔ مگر یہ پابندی لگا دی کہ میعاد اور وزن وغیرہ پہلے طے ہو جانا چاہیئے۔ (در منثور)

تفسیر: یا ایھا الذین امنوا اذا تداینتم چونکہ عبادات کے مکلف صرف مسلمان ہیں۔ کفار نہیں' چنانچہ کفار پر نہ نماز فرض ہے نہ روزہ نہ حج نہ زکوۃ' رہے معاملات ان میں سے بعض معاملات کی صرف کفار کو اجازت ہے مسلمانوں کو نہیں۔ جیسے شراب یا سود کی تجارت مگر عام کاروبار معاملات مسلمان و کفار سب کر سکتے ہیں۔ جیسے تجارتیں' کرائے مزدوری وغیرہ اس آیت

میں خطاب مسلمانوں سے ہے مگر یہ قواعد سارے انسانوں کیلئے ہیں کہ جو بھی دستاویز لکھے وہ ان قواعد پر لکھے۔ لہٰذا صرف مسلمانوں کو پکارنا اور **یا ایھا الناس** نہ فرمانا ایسا ہے جیسے رب کا فرمان **یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء** کہ وہاں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر حکم سارے مسلمانوں کو ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ بیع سلم کی یہ پابندیاں صرف مسلمانوں کیلئے ہوں۔ کفار آپس میں بیع سلم کریں اور ان قواعد کی پابندی نہ کریں تو مجرم نہیں۔ اس لئے یہاں **یا ایھا الذین امنوا** ارشاد ہوا۔ **تداینتم** دین سے بنا بمعنی قرض کا معاملہ کرنا۔ اگر ایک جنس میں لوھار کا لین دین ہو تو اسے قرض کہا جاتا ہے۔ جیسے روپیہ یا گیہوں یا کھجوریں لوھاری جائیں کہ چند روز کے بعد ایسا ہی مال واپس کر دیا جائے گا۔ اس میں زیادتی حرام اور اس کی میعاد کوئی نہیں۔ اور دین خلاف جنس لوھار کو کہتے ہیں۔ مثلاً غلہ آج خرید لیا۔ اس کی قیمت پھر دیں گے۔ اس میں زیادتی بھی حلال اور میعاد بھی معتبر (احمدی و کبیر وغیرھما) یہاں یہ ہی مراد ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس لفظ سے ہر لوھار مراد ہے مگر عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ بیع سلم مراد ' ان شاء اللہ اس کی تفصیل و مسائل 'فوائد' میں بیان ہوں گے۔ چونکہ **تداینتم** میں شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ لفظ دین بمعنی بدلہ سے بنا ہو یا اس سے تجارت مراد ہو جس میں مال بھی لوھار اور قیمت بھی ان دونوں وہموں کو دفع فرمانے کے لئے ارشاد ہوا۔ **بدین** جس سے معلوم ہو گیا کہ تجارت میں لوھار یک طرفہ ہی کر سکتا ہے۔ دو طرفہ لوھار کی بیع (سٹہ) منع ہے۔ بدین ' کی تنوین کی تنکیر کا بھی احتمال ہے اور تفصیل کا بھی تکثیر و تعظیم کا بھی یعنی مطلقاً قرض کا لین دین کر دیا معمولی قرض یا بڑے قرض کا جس میں جھگڑے کا اندیشہ ہو گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف نے بتا دیا کہ تنوین تعظیم کی ہے اگر ہر معمولی دین کا لکھنا ضروری ہوتا تو بازار کے کاروبار معطل ہو جاتے۔ حضور انور نے بھی ہر دین تحریر نہ فرمایا۔ **الی اجل مسمی** یہ یا تو **تداینتم** کا متعلق ہے یا موخرا پوشیدہ کے اور دین کی صفت 'اجل کے معنی دیر لگانا ہے اسی لئے آجل اور موجل ہے یہ تعجیل اور عاجل کا مقابل ہے اب مقرر میعاد اجل کو بولتے ہیں۔ اسی لئے موت کو اجل کہا جاتا ہے کہ وہ انتہاء عمر کیلئے مقرر ہے (کبیر) اجل کی کم سے کم مدت ایک مہینہ ہے (احمدی) چونکہ میعاد دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جس میں کمی و بیشی بالکل ناممکن ہو۔ جیسے سال مہینے اور تاریخ کا تقرر 'یہ اجل مبہم ہے۔ مسمی فرما کر مبہم کو نکال دیا۔ یعنی اے مسلمانو! جب تم آپس میں لوھار کا لین دین کرو کہ مال لوھار قیمت پر بیچو یا قیمت نقد لے کر مال لوھار دو اور اس میں صحیح طور پر میعاد مقرر ہو تو اس کیلئے دو حکم ہیں ایک یہ کہ **فاکتبوہ** یہ حکم سب کو ہے۔ خواہ قرض دینے والا ہو یا لینے والا۔ ہ کا مرجع یا دین ہے یا اجل 'یہ حکم استحبابی ہے اور اگر وجوبی ہو تو **فان امن بعضکم بعضا** سے منسوخ ہے۔ (کبیر) اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے بارہا لوھار کے معاملات بغیر تحریر بھی کئے خود لکھنا اور کسی سے لکھوانا دونوں ہی اس میں داخل ہیں بلکہ کسی تیسرے سے لکھوانا زیادہ بہتر ہے۔ جیسا کہ اگلے جملہ سے معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ لکھواتے وقت گواہ شاہدوں کی موجودگی ان کی گواہی ڈلوا لینا بہت ہی مناسب ہے اس لئے **فاکتبوہ** وغیرہ تمام صیغے جمع فرمائے گئے۔ یعنی تم سب اس قرض کو لکھوا لو۔ خیال رہے کہ اجل مسمی فرما کر اس جانب اشارہ ہے کہ دراز مدت کے قرض جن میں بھول چوک کا خطرہ ہو وہ لکھے جائیں۔ ایک آدھ گھنٹے کا قرض کہ کوئی چیز خریدی جیب میں پوری رقم نہیں ہے۔ کہہ دیا کہ ابھی گھر سے بھجوائے دیتا ہے یا کل تک پہنچ جائے گا اس کے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اتنی سی مدت میں بھول چوک جھگڑے شاذ و نادر ہیں اس لئے لکھنے کو اجل مسمی پر مرتب فرمایا غرضیکہ اس مختصر سی عبارت میں دیون کے بہت سے قوانین بیان فرما دیئے گئے۔ **ولیکتب بینکم کاتب بالعدل** یہ فاکتبو کا بیان ہے۔ اور

کیفیت کتابت کی تفصیل۔ یکتب کا مفعول بہ پوشیدہ ہے۔ بینکم یا یکتب کا ظرف ہے یا جالسا قاعدا اور موجوداپوشیدہ کا جو کاتب کا حال مقدم ہے۔ کاتب' یکتب کا فاعل۔ بالعدل یا یکتب کے متعلق ہے یا منصفا پوشیدہ کے اور کاتب کی صفت' پہلی صورت میں اسکے معنی انصاف یا برابری یا وضاحت ہیں۔ اور اگر کاتب کی صفت ہو تو بمعنی عدالت و پرہیزگاری۔ خیال رہے کہ یہ بھی حکم استحبابی ہے اگر وجوبی ہو تو **ولا یضار کاتب ولا شھید** سے منسوخ ہے۔ یعنی تم معاملہ کرنے والوں کے درمیان بیٹھ کر کاتب انصاف کے ساتھ صاف صاف دستاویز لکھے یا جاننے والا پرہیزگار متقی کاتب دستاویز لکھے۔ چونکہ دستاویز و تمسک ہر لکھا پڑھا آدمی نہیں لکھ سکتا اس کیلئے قانوندان کی بھی ضرورت ہے اس لئے کاتب محرر سے لکھوانے کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ کاتب کی تنوین بھی تعظیمی ہو۔ یعنی کوئی شاندار قانون دان کاتب دستاویز لکھے **ولا یاب کاتب ان یکتب کما علمه الله فلیکتب۔ لا یاب' اباء** سے بنا' بمعنی انکار کرنا' ان یکتب کا مفعول پوشیدہ ہے۔ کما' یا تو یکتب کے متعلق ہے اور بمعنی علت یا کتابا" پوشیدہ کے اور بمعنی تشبیہ یعنی وثیقہ نویس دستاویز لکھنے سے بلاوجہ انکار نہ کردے کیونکہ اس پر رب نے کرم فرمایا کہ اسے علم دیا۔ اس کا شکریہ ہے کہ اپنے علم سے لوگوں کے کام نکالے۔ **احسن کما احسن الله الیک** (روح المعانی) اس صورت میں یہ ممانعت تنزیہی ہے اور اگر تحریمی ہو تو یا **لا یضار کاتب ولا شھید** سے منسوخ (کبیر) یا کوئی کاتب ایسی دستاویز لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جو قانون الٰہی کے مطابق ہو اور جیسے لکھنے کا اسے رب نے حکم دیا اس صورت میں یہ ممانعت تحریمی ہے۔ جیسے کہا جائے بے وضو نفل نہ پڑھو۔ یعنی کاتب یہ نہ کہے کہ میں سچی دستاویز نہیں لکھوں گا۔ جھوٹی لکھوں گا۔ فلیکتب یا تو جملہ کما علم کا متعلق ہے۔ جیسے **وویک لکبر** اور **لا یاب** کی تاکید کہ وہاں انکار کی ممانعت تھی۔ اور یہاں لکھنے کا حکم یا شرط محذوف کی جزا ہے۔ یعنی چاہئے کہ کاتب دستاویز ایسی ہی لکھے جیسی لکھنے کا اسے اللہ نے حکم دیا یعنی سچی اور صاف صاف یا جب کاتب سے لکھنے کو کہا جائے تو ضرور لکھ دے۔ انکار نہ کرے۔ خیال رہے کہ یہ امر بھی استحبابی ہے اور اگر وجوبی ہو تو منسوخ (کبیر وغیرہ)

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! جب تم ایک میعاد معین تک کیلئے ادھار کا معاملہ کرنے لگو خواہ اس طرح کہ ادھار کی بیع کرو (جیسے بیع سلم) یا ادھار سے بیع کرو کہ قیمت مشتری پر قرض ہو تو اس کی دستاویز لکھ لو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی جاننے والا پرہیزگار منشی تمہارے درمیان بیٹھے تاکہ دونوں کی بات سن سکے اور سچی صاف واضح عبارت میں ایسی دستاویز لکھے جس میں قرض کی مدت اور سارے معاملات کی پوری تفصیل ہو۔ مثلاً لکھے کہ پانچ سو روپے جس کا نصف ڈھائی سو ہوتے ہیں ایک سال کی میعاد پر لئے جس کی مدت فلاں تاریخ فلاں دن فلاں مہینہ فلاں سنہ سے شروع ہو کر فلاں تاریخ فلاں مہینہ فلاں دن ختم ہوگی۔ اقرار یہ ہے کہ بیع فلاں جگہ دی جائے گی۔ وغیرہ وغیرہ" کاتب کو چاہئے کہ ضرور لکھ دیا کرے۔ کیونکہ رب نے اسے یہ ہنر دیا ہے تو وہ اس کا شکریہ یہ ادا کرے کہ لوگوں کے کام آئے یا کاتب کو چاہئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے رب نے سکھایا ویسا ہی لکھ دے کچھ اپنی طرف سے کمی بیشی نہ کرے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حلال کمائی حاصل کرنا اور مال کی حفاظت اور اسے بربادی سے بچانا بہت ضروری ہے کہ مال سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے اس کا بہت سختی سے حکم دیا اور اس

کے متعلق بہت آیتیں نازل فرمائیں۔ امام قفال فرماتے ہیں کہ قرآن کے اکثر احکام مختصر عبارتوں میں ہیں مگر حفاظت مال کی یہ آیت سب سے بڑی آیت ہے اس میں مکرر سہ کرر احکام بیان ہوئے اولاً فرمایا **فاکتبوہ** لکھ لو۔ پھر فرمایا **ولیکتب بینکم کاتب** کوئی اجنبی منشی تمہارا معاملہ لکھے۔ پھر فرمایا **ولا یاب کاتب** منشی لکھنے سے انکار نہ کرے۔ پھر فرمایا **فلیکتب** ضرور لکھ دے خیال تو کرو ایک حکم چار بار۔ پھر فرمایا **ولیملل** وہ لکھوائے جس پر حق ہو۔ پھر فرمایا **ولیتق اللہ** املاء لکھوانے والا رب سے ڈرے۔ پھر فرمایا **ولا یبخس** حق میں کم نہ کرے۔ پھر فرمایا **ولا تسموا** یعنی قرض لکھنے میں کوتاہی نہ کرو۔ پھر فرمایا **ولا یبخس** حق میں کمی نہ کرے۔ پھر فرمایا۔ **ولا تسموا** یعنی قرض لکھنے میں کوتاہی نہ کرو۔ پھر فرمایا **ذلکم اقسط عند اللہ** یہ بڑے انصاف کی بات ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا۔ **ولا توتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیما** اپنے مال بے وقوفوں کو نہ دو۔ اللہ نے اسی مال میں تمہاری بقا رکھی ہے۔ غرضیکہ یہاں زکوۃ دیکر مال کم کرایا اور سود کی ممانعت سے حرام کمائی سے بچایا۔ وہاں حلال مال حاصل کرنے اور اس کی حفاظت کا سخت حکم بھی دیا۔ کاش موجودہ مسلمان ان تاکیدوں پر غور کریں اور اپنے پاک مال تماشہ بازیوں اور شیطانی رسوم میں خرچ نہ کریں۔ مبارک ہے وہ مال جو حلال راستہ سے آئے، حلال راستہ میں خرچ ہو جائے اور صحیح طریقہ سے خرچ ہو، رب تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کے بہت قاعدے مقرر فرما دیئے زیادہ خرچ کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو۔ اسراف کرنے والے اللہ کو پسند نہیں اور بے جا خرچ کرنے والوں کو فرمایا کہ مبذرین یعنی ناجائز مقام پر خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان رب تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ غرضیکہ دیگر عبادات کی طرح صحیح خرچ بھی ضروری ہے۔ **دوسرا فائدہ:** رب نے جو فوائد و منافع حرام طریقوں سے حاصل کرنا حرام کئے ان کیلئے حلال ذریعہ بھی مقرر فرما دیئے۔ (کبیر) دیکھو زنا حرام بیوی سے جماع حلال، سود حرام اور بیع سلم حلال، شراب حرام، شہد حلال جس میں شراب سے بڑھ کر طاقت ہے اور نشہ بالکل نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ معاملہ کا کاتب معاملہ والوں کے سوا کوئی تیسرا شخص ہو جیسا کہ کاتب سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ کاتب عاقدین کے درمیان بیٹھے تاکہ دونوں کی بات بخوبی سن سکے۔ جیسا کہ بینکم سے معلوم ہوا۔ (روح البیان) بلکہ ایک کی غیر موجودگی میں دستاویز ہرگز نہ لکھے۔ (روح البیان) **پانچواں فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ کاتب مسائل شرعیہ جاننے والا اور متقی پرہیزگار ہو۔ کبیر نے فرمایا کہ کاتب فقیہ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ بالعدل کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ضروری یہ ہے کہ دستاویز کی عبارت نہایت صاف اور واضح ہو، جس میں آئندہ جھگڑا نہ پڑ سکے۔ بعض لوگ صد کو چند اور چند کو صد بنا لیتے ہیں اگر سو لکھتا ہے تو حروف میں لکھے اور یوں لکھے کہ سو روپیہ۔ جس کا نصف پچاس روپیہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ بالعدل میں پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** ہر جھگڑے والا معاملہ لکھ لینا بہتر ہے۔ خواہ دین ہو یا نقد لہٰذا زمین وغیرہ کی بیع کا بیعنامہ لکھنا چاہئے۔ اگرچہ نقد خریدی ہو۔ بلکہ رجسٹری بھی کرا دینی چاہئے۔ **آٹھواں فائدہ:** جمہور علماء کے نزدیک یہ تحریر مستحب ہے نہ کہ واجب۔ مگر عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ واجب ہے ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ تین شخصوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ایک وہ جس کی عورت بد خلق ہو اور وہ طلاق نہ دے۔ دوسرا وہ جو اپنا مال دیوانوں اور چھوٹے بچوں کے سپرد کر دے۔ تیسرے وہ جو بغیر لکھے اور گواہ بنائے قرض دے دے یہ حدیث مرفوع بھی آئی ہے۔ (احکام القرآن) **نواں فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ قرض بھی لکھ لے۔ اس آیت میں دین کی شرط میعاد کے لحاظ سے ہے۔ **دسواں فائدہ:** دین کی میعاد ایسی مقرر ہونی چاہئے۔ جس میں جھگڑے کی

گنجائش نہ رہے یوں لکھے کہ اس ماہ رمضان پہ پندرہ تاریخ جمعہ کے دن روپیہ ادا کروں گا۔ یوں نہ کہے کہ جب فصل کٹے گی تو دوں گا کیونکہ فصل کٹنے میں بڑا فرق ہو جاتا ہے کبھی جلد کٹتی ہے اور کبھی دیر میں اور کہیں دیر میں کٹتی ہے اور کہیں جلدی۔

گیارھواں فائدہ: بیع سلم جائز اور قرآن سے ثابت ہے۔ بیع سلم یہ ہے کہ قیمت فی الحال دی جائے اور مال ادھار ہو۔ اس کی سات شرطیں ہیں۔ مال کی جنس مقرر ہو۔ گیہوں یا جو' مال کی قسم مقرر ہو۔ مثلاً ورا گیہوں یا فارم۔ یا کپڑا ہے تو تھان فلاں نمبر کا یا گاڑھا۔ مال کی صفت مقرر ہو۔ مثلاً کھرے یا معمولی یا گیہوں شربتی اور ردی تو۔ مال کی مقدار مقرر ہو مثلاً کہے کہ اس نرخ میں اتنے روپے کے کل اتنے خریدے اور وقت ادا مقرر ہو کہ فلاں مہینہ فلاں تاریخ میں مال لوں گا۔ ادا کی جگہ مقرر ہو۔ کہ فلاں جگہ مال دیا جائے گا۔ قیمت فی الحال نقد دی جائے اور اس کی مقدار بھی معلوم ہو۔ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ مال ایسا ہو جو وقت عقد سے وقت ادا تک بازار میں مل سکے۔ اس لئے فصل سے پہلے آم کی بیع سلم ناجائز ہے۔

مسئلہ: بیع سلم میں خریدار کو رب السلم اور بیچنے والے کو رب المال یا مسلم الیہ اور قیمت کو راس المال اور مال کو مسلم فیہ کہتے ہیں۔ (احمدی وغیرہ) بیع کی چار صورتیں ہیں' نقد کی نقد سے۔ نقد کی ادھار سے۔ ادھار کی نقد سے اور ادھار کی ادھار سے۔ اول تین جائز ہیں اور چوتھی ناجائز۔ (کبیر) کہ مال بھی ادھار ہو۔ اور قیمت بھی۔ (مث) اسی لئے آیت میں بدین فرمایا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یکطرفہ دین جائز ہے۔ دو طرفہ ناجائز۔

مسئلہ: کاتب لکھائی کی اجرت لے سکتا ہے لیکن مسئلہ بتانے کی اجرت لینا حرام۔ کیونکہ لکھنا یا مستحب ہے یا فرض کفایہ (احکام القرآن) مگر مسئلہ بتانا فرض عین۔

مسئلہ: فرض عین اور حرام پر اجرت لینا حرام۔ باقی کاموں پر جائز۔

مسئلہ: جہاں اجرت لینا حرام ہو۔ وہاں دینا بھی حرام' داڑھی مونڈنے' حرام تماشہ دکھانے' شراب پلانے وغیرہ کی اجرت لینا بھی حرام اور دینا بھی۔

بارھواں فائدہ: دستاویز کی تحریر اور معاملات کے مسائل سیکھنا فرض کفایہ ہیں (احکام القرآن) کہ جس کو یہ کام پڑتے رہتے ہیں۔ اسے ان مسائل کا سیکھنا فرض عین ہے۔ باقی مسلمانوں میں اگر ایک بھی سیکھ لے تو سب کا فرض ادا ہو جائے گا۔ دستاویز نویس دستاویز کے شرعی احکام سیکھیں۔ اور معاملات و مقدمات والے ان احکام شرعیہ سے ضرور واقف ہوں۔

اعتراض: پہلا اعتراض: تداینتم میں دین آ گیا تھا۔ پھر بدین کیوں فرمایا۔ **جواب:** چند وجوں سے۔ 1_ اس لئے کہ فاکتبوہ کی ضمیر اسکی طرف لوٹ سکے کیونکہ تداینتم میں دین مصدر آیا تھا۔ یعنی قرض دینا اور یہ دین مصدر نہیں بلکہ بمعنی قرض ہے۔ 2_ نیز تاکہ ہر چھوٹے بڑے قرض کو شامل ہو جائے۔ 3_ اور اس لئے کہ معلوم ہو جائے کہ بیع میں قرض ایک طرفہ چاہئے نہ کہ دو طرفہ۔ 4_ اور تاکہ معلوم ہو جائے کہ تداینتم دین بمعنی قرض سے بنا ہے نہ کہ دین بمعنی بدلہ سے جیسے ملک یوم الدین **دوسرا اعتراض:** تداینتم باب تفاعل ہے شرکت چاہتا ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ دو طرفہ دین کی بیع یعنی (مث) جائز ہو حالانکہ فقہاء اس سے منع فرماتے ہیں۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں بمعنی تعاملتم

ہے یعنی جب تم ادھار کا معاملہ کرو۔ اور ظاہر ہے کہ معاملہ قرض میں قرض خواہ اور مقروض دونوں شریک ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ باب تفاعل یا مفاعلہ کیلئے شرکت لازم نہیں۔ کہا جاتا ہے۔ **قاطعت اللص** میں نے چور کے ہاتھ کاٹ دیئے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کی عبارت میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اولاً فرمایا گیا **فاکتبوہ** تم خود لکھو۔ اور پھر فرمایا گیا۔ **ولیکتب بینکم کاتب** کہ تمہارے درمیان کوئی منشی لکھے؟ **جواب:** یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ **فاکتبوہ** سے مراد ہے لکھ لو۔ خواہ اپنے آپ یا بذریعہ کسی کاتب کے۔ وکیل کا فعل خود موکل کا ہوتا ہے یا اس آیت میں دونوں کاموں کی اجازت دی۔ اپنے آپ لکھ لیں یا لکھوالیں۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ

اور چاہیئے کہ املا کرے وہ جو اوپر اس کے حق ہے اور چاہیئے کہ ڈرے اللہ رب اپنے سے اور نہ کم کرے

اور جس پر حق آتا ہے وہ لکھتا جائے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ رکھ

شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا

اس سے کچھ پس اگر ہو وہ شخص کہ اوپر اس کے حق ہے بے وقوف یا کمزور یا نہ طاقت رکھتا ہو

نہ چھوڑے پھر جس پر حق آتا ہے اگر بے عقل یا ناتواں ہو یہ لکھ نہ سکے

يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا

اس کی کہ املا بولے وہ پس چاہیئے کہ املا بولے ولی اس کا ساتھ انصاف کے اور گواہ بناؤ تم دو

تو ولی اس کا انصاف کے ساتھ لکھائے اور دو گواہ کرلو اپنے مردوں سے

شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ

گواہ اپنے مردوں میں سے پس اگر نہ ہوں وہ مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں

وہ مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہ جن کو پسند کرو

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ

ان میں سے کہ راضی ہو تم گواہوں میں سے یہ کہ بھول جائے ایک ان میں سے پس یاد دلائے

کہ کہیں ان میں ایک عورت بھولے تو اس

إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ

ان میں کی ایک دوسری کو

ایک کو دوسری یاد دلائے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلے جملہ میں قرض لکھنے کا ذکر تھا۔ اب مضمون لکھوانے کا ذکر ہے۔ جس پر لکھنا موقوف ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلے جملہ میں فرمایا گیا تھا کہ کاتب قرض خواہ اور مقروض کے علاوہ کوئی تیسرا آدمی بھی ہو سکتا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ کاتب اگرچہ تیسرا ہو۔ مگر مضمون مقروض کی طرف سے لکھے کہ وہی مقر ہے۔ **تیسرا تعلق:** رب تعالیٰ نے قرض کے معاملات میں چند احتیاطوں کا حکم دیا۔ جن میں سے ایک کا ذکر پہلے ہو چکا یعنی لکھوانا دو احتیاطوں کا اب ذکر ہے۔ مضمون کا مقروض کی طرف سے ہونا اور اس تحریر پر گواہ بنالینا تاکہ کسی قسم کے جھگڑے کا احتمال نہ رہے۔

تفسیر: **ولیملل الذی علیہ الحق** واؤ عاطفہ ہے۔ اور جملہ **ولیکتب** پر معطوف ہو کر شرط کی جزا ہے۔ اس کا مصدر املال ہے بمعنی القاء علی الکاتب (منشی پر مضمون پیش کرنا) اہل حجاز املال کہتے ہیں۔ اور بنی تمیم املاء۔ قرآن کریم میں دونوں استعمال ہوئے۔ یہاں **ولیملل** فرمایا گیا۔ دوسری جگہ ہے **فھی تملی علیہ بکرۃ واصیلا** خیال رہے کہ املال کا مادہ طل بمعنی نقل ہے اور **املا** کا مادہ **ملا** بمعنی بھرنا اور دیر لگانا۔ اسی لئے دین کو ملت کہتے ہیں اور جماعت کو ملا اور تاخیر کو املاء کہا جاتا ہے۔ **ونملی لھم** رنج کو ملال کہتے ہیں۔ کہ اس سے قلب کی حالت بدل جاتی ہے **الذی**' **ولیملل** کا فاعل ہے۔ علیہ میں ہ ضمیر کا مرجع الذی ہے اور حق سے مراد قرض وغیرہ ہے کہ اس سے مطالبہ کا استحقاق ہوتا ہے۔ یعنی وثیقہ نویس کو مضمون وہ بتائے جس پر قرض وغیرہ ہے کیونکہ یہ تحریر ایک قسم کا اقرار ہے۔ اور اقرار مدعی علیہ کا معتبر ہوتا ہے نہ کہ مدعی کا۔ اس پر گواہ بنانا ضروری ہے۔ یعنی کاتب مقروض کی طرف لکھے گا کہ میں فلاں بن فلاں سے قرض لیتا ہوں قرض خواہ کی طرف سے نہ لکھے گا کہ میں فلاں کو اتنا قرض دیتا ہوں۔ خیال رہے کہ مقروض کا مضمون ہونا ضروری ہے نہ کہ عین عبارت لہٰذا کاتب کو یہ جائز ہے کہ اگر مقروض بے ڈھنگی عبارت بولے یا کسی اور زبان میں کلام کرے تو اس کی اصلاح کر کے تحریر کرے۔ (تفسیر احمدی) بشرطیکہ اس کا مقصود نہ بدلے۔ **ولیتق اللہ ربہ** یہ واؤ بھی عاطفہ ہے۔ اور **یتقی**' **وقی** سے بنا بمعنی ڈرنا' رب کے دو نام ارشاد فرمائے گئے۔ اسم ذات جلالی یعنی اللہ اور اسم صفت جمالی یعنی رب تاکہ مقروض خوب ڈرے۔ یعنی چاہئے کہ مضمون لکھاتے وقت مقروض رب کا خوف دل میں رکھے صرف دوسرے کو پھانسنے اور اسے قانون شکنجہ میں کسنے کی کوشش نہ کرے ہر معاملہ کا یہی حکم ہے۔ نکاح' بیع' اجارہ' قرض' بیع سلم' ان سب میں لکھنے والا اپنے بچاؤ کی کوشش نہ کرے نہ کہ دوسرے کو پھانسنے کی اسے اپنا اسلامی بھائی تصور کر کے لکھت پڑھت کرے کہ **ولا یبخس منہ شیئا** یہ **ولیتق** پر عطف تفسیری ہے **یبخس**' **بخس** سے بنا بمعنی کمی اور نقصان کھوٹے پیسوں کو اسی لئے ثمن بخس کہتے ہیں کہ بازار میں ان کی قیمت کم ہوتی ہے۔ **منہ** کا مرجع وہ حق ہے جس کا املاء بولا جارہا ہے۔ **شیئا** کی تنوین تحقیری ہے۔ یعنی مضمون لکھوانے والا مقروض اس قرض میں سے کچھ بھی کم نہ کرے' نہ مقدار میں' نہ قرض کی نوعیت میں اور نہ اس کی مدت میں چونکہ مقروض کے متعلق کمی کا ہی احتمال تھا نہ کہ زیادتی کا۔ اسلئے اسی سے روکا گیا۔ **فان کان الذی علیہ الحق** یہاں اگرچہ بجائے الذی کی ضمیری کافی تھی لیکن زیادتی وضاحت کیلئے ظاہری لایا گیا۔ اس الذی سے وہی لکھوانے والے مقروض مراد ہے۔ **سفیھا او ضعیفا اولا یستطیع ان یمل ھو** یہ تینوں کان کی خبریں اور **لا یستطیع** یا تو غیر مستطیعین کے معنی میں ہو کر بتاویل مفرد ضعیفا پر معطوف ہے یا

کسی مفرد محذوف کی صفت۔ خیال رہے کہ ان تینوں کو او سے معطوف کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معانی میں بہت فرق ہے۔ **سفیہ** سفہ یا سفاہت سے مشتق ہے بمعنی بے وقوف' احمق' بے عقل۔ اس میں پورے دیوانے بھی داخل ہیں اور مخبوط الحواس بھی۔ (کبیر و معانی وغیرہ) **ضعیف** ضعف سے بنا بمعنی کمزوری۔ یہاں وہ کمزوری مراد ہے جو عمر کے لحاظ سے ہو یعنی لڑکپن یا بڑھاپا۔ جس کی وجہ سے وہ مضمون نہ لکھا سکے **لا یستطیع** استطاعت سے بنا بمعنی طاقت رکھنا۔ یہاں کمزوری زبان گونگا پن' زبان سے ناواقفیت مراد ہے۔ یعنی اگر مقروض بے عقل یا کمزور بچہ اور بڈھا گونگا یا زبان سے ناواقف ہو۔ غرض اس میں کوئی ایسی وجہ ہو جس سے مضمون نہ لکھا سکے تو **فلیملل ولیہ بالعدل** **ولی** بمعنی قریب ہوتا ہے اور بمعنی متولی و کارکن بھی یعنی وکیل اور مترجم وغیرہ یہاں بطریق عموم مشترک سارے معنی مراد ہیں۔ مجنون و بچہ کے معاملات اس کا قریبی کرے گا۔ باپ بیٹا' قاضی یا سلطان اور زبان سے ناواقف اور گونگے وغیرہ کے معاملات اس کا کارکن مختار یا وکیل انجام دیگا۔ مگر بچے' دیوانہ' پاگل کا ولی اپنی زبان میں اشٹام لکھوائے گا کہ کسی اپنے فلاں عزیز کی طرف سے یہ عقد کر رہا ہوں اور اس کے حقوق میرے ذمہ ہیں مگر گونگے۔ زبان سے ناواقف کا ولی اس کی زبان میں لکھوائے گا کہ بچے پاگل دیوانہ کا عقد غیر معتبر ہے۔ اور گونگے کا عقد و اقرار معتبر' **ہ** کا مرجع مدیون ہے نہ کہ دین کیونکہ قرض خواہ مضمون نہیں لکھوا سکتا۔ یعنی ان سب صورتوں میں مقروض کا ولی یا والی یا کارکن اس کی طرف سے اشٹام لکھوائے گا۔ مگر عدل و انصاف کے ساتھ نہ قرض خواہ کی رعایت کر کے زیادہ لکھوا دے نہ مقروض کی طرفداری میں۔ چونکہ کارکن کے متعلق زیادتی اور کمی دونوں کا اندیشہ تھا اس لئے یہاں عدل فرمایا' یا اور وہاں بخس۔ عدل کے معنی ہیں۔ برابری' اسی لئے انصاف کو عدل' کچہری کو عدالت' منصف کو عادل اور لوٹ کے بوجھ کو عدل کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ عدل بمعنی انصاف ہے نہ کہ بمعنی عدالت' کیونکہ مسلمان کا ولی' متولی اور وکیل کافر بھی ہو سکتا ہے جن لوگوں نے اس سے ثابت کیا کہ مسلمان کا ولی مسلمان ہی ہو غلط ہے۔ (روح المعانی) **واستشھدوا شھیدین** دستاویز کی تحریر میں تین شخص ضروری ہیں۔ کاتب' مقر یعنی لکھوانے والا۔ گواہ و شاہد۔ آیت کریمہ میں پہلے تو کاتب کا ذکر کیا گیا پھر مقر کا۔ اب گواہوں کا تذکرہ ہے۔ چونکہ گواہ کی ضرورت ان دونذکور اشخاص کے بعد ہے۔ نیز گواہ انہیں کی کوشش کیلئے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر بھی بعد میں کیا گیا۔ یہ دوسری احتیاط ہے۔ جس کا حکم دیا گیا اور اس میں قرض خواہ اور مقروض دونوں کو خطاب ہے **استشھدوا** باب استفعال بمعنی طلب سے ہے **الاستشہاد** شاہد یا طلب شہادت کردن' یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ یعنی گواہ ڈھونڈو' بعض لوگوں نے کہا کہ یہ باب افعال سے ہے اور اس وقت مبالغہ کیلئے زائد یعنی وہ گواہ ڈھونڈو جو بار بار عدالت میں جاتے ہوں اور جن کی گواہی قاضی اسلام قبول کرتا ہے۔ یعنی عادل اور متقی گواہ (روح المعانی) یہ حکم استحبابی ہے۔ اگر وجوبی ہے تو منسوخ کیونکہ قرض پر گواہ بنانا واجب نہیں بہتر ہے (روح المعانی) **شہید** شہود سے بنا بمعنی حاضری چونکہ گواہ اکثر موقعہ واردات پر موجود رہتا ہے۔ اس لئے اسے شہید کہا جاتا ہے۔ چونکہ تحریر میں بھی مقروض کے پھر جانے کا اندیشہ ہے کہ اپنی اس تحریر سے ہی انکار کر دے۔ اس لئے اس پر دو گواہ بنالو۔ خواہ زبانی ہو' خواہ ان کے نام بھی اشٹام میں لکھ دیئے جائیں۔ **من رجالکم** یا تو من ابتدائیہ ہے اور یہ **واستشھدوا** کے متعلق یا تبعیضیہ ہے اور پوشیدہ کے متعلق شہیدین کی صفت' رجال جمع رجل کی ہے۔ بمعنی عاقل بالغ مرد اس سے عورتیں' بچے' دیوانے خنثی مشکل سب نکل گئے۔ کم میں تمام مسلمانوں سے خطاب ہے۔ اس اضافت سے کفار غلام فاسق و فاجر نکل گئے یعنی اپنے مسلمان متقی' عاقل بالغ مردوں میں سے دو گواہ بنالو۔ **فان**

لم یکونا رجلین ف تعقیبیہ ہے اور یکونا کا اسم ضمیر ہے جو گواہوں کی طرف لوٹتی ہے اور رجلین اس کی خبر' خیال رہے کہ **لم یکونا** یعنی نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اس وقت دو مرد میسر ہی نہ ہوں یا میسر تو ہوں مگر کسی مصلحت سے ان دونوں کو گواہ نہ بنایا جائے۔ لہٰذا یہ نفی عموم ہے نہ کہ عموم نفی (روح المعانی) اس ترتیب ذکری سے اشارۃً معلوم ہوا کہ بہتر تو یہ ہے کہ مرد ہی گواہ بنائے جائیں کہ انہیں کچہری میں حاضری حاکم کے سامنے گواہی دینا آسانی ہوگی۔ نیز انہیں گواہی دینا عموماً آتی بھی ہے۔ لیکن اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد دو عورتیں ہی سہی اگر کسی معاملہ میں بہت سے مرد و عورتیں گواہ ہوں تو بوقت ضرورت مردوں کو ہی گواہی کیلئے پیش کرو۔ بلا ضرورت عورتوں کو گواہی کیلئے پیش کرنا مناسب نہیں ہے۔ **فرجل وامرأتن** ف جزائیہ ہے اور اس کا مابعد یا تو مبتداء محذوف کی خبر ہے یا فعل محذوف کا فاعل یا یکن فعل محذوف کا اسم یعنی اگر دو گواہ مرد مجتمع نہ ہوں تو اس معاملہ میں ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بن سکتی ہیں۔ مگر یہاں بھی شرط یہ ہی ہے کہ **ممن ترضون من الشهداء** **من** یا تو کسی پوشیدہ چیز کے متعلق ہے اور مرد عورتوں کی صفت اور یا من تبعیضیہ یا بیانیہ ہے اور **شهيدين** کی صفت یا **استشهدوا** فعل محذوف کے متعلق۔ **ترضون** کا مفعول یہ محذوف یعنی **ترضونهم** یہ لفظ رضی سے بنا بمعنی راضی ہونا اور پسند کرنا یہاں دینی اور پرہیزگاری کی پسندیدگی مراد ہے نہ کہ دنیوی' یعنی ان لوگوں میں سے گواہ چنو جن کی راست بازی' دیانتداری اور پرہیزگاری سے تم راضی ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب بھی قرض خواہ مقروض دونوں کو ہے اور ممکن ہے کہ عام مسلمانوں کو ہو یا حکام وقت کو **ان تضل احدهما** یہ جملہ دو عورتیں مقرر کرنے کی حکمت بیان فرما رہا ہے۔ اس کی دو قراءتیں ہیں ایک **ان تضل** الف کے کسرہ سے اس صورت میں ان شرطیہ ہے اور تضل شرط اور تذکر جزاء۔ مگر عام قراءت میں ان تضل الف کے فتح سے اس صورت میں یہ فعل پوشیدہ کا مفعول لہ ہے۔ یعنی **شرع ذلك ارادة ان تضل** یا **لان تضل** اور **تضل**' **ضلال** سے بنا بمعنی بھول جانا۔ بھٹک جانا' جاتا رہنا **وضل عنهم ما كانوا يفترون** ۞ گمراہ کو اسی لئے ضال کہتے ہیں کہ وہ صحیح عقیدہ بھول گیا۔ اہل لغت فرماتے ہیں کہ ضلال کے لغوی معنی غائب ہونا ہیں۔ اسی لحاظ سے بھول چوک گمراہی وغیرہ کو ضلال کہا جاتا ہے۔ یہاں بمعنی بھولنا ہے۔ کیونکہ آگے تذکر آ رہا ہے۔ ضلال بمعنی گمراہی کا مقابل ہدایت ہوتا ہے۔ اور بمعنی جاتے رہنے کا مقابل وجدان ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں تضل کا مفعول پوشیدہ ہے کیونکہ بھولنے میں بہت احتمال ہیں۔ اصل واقعہ ہی بھول جائے یا قرض کی مقدار یا اس کی مدت اس کے شرائط وغیرہ بھول جائے۔ غرض کچھ بھی بھولے تو **فتذكر احدهما الاخرى** یہاں تذکر' تضل کے معنی بتا رہا ہے۔ پہلی قراءت پر ف جزائیہ ہے اور دوسری طرف پر عاطفہ۔ **تذكر** تذکیر سے بنا بمعنی یاد دلانا۔ یہاں **احدهما** سے یا تو دوسری عورت مراد ہے جسے واقعہ یاد ہے۔ اور اخری سے بھولنے والی مراد ہے۔ جیسے پہلے **احدهما** فرمایا گیا تھا۔ اور **احدهما تذكر** کا فاعل ہے۔ اور **اخرى** مفعول۔ یا اس **احدهما** سے وہ بھی بھولنے والی مراد ہے اور اخری سے دوسری جسے گواہی یاد ہے۔ اب احدھما تذکر کا مفعول ہے اور اخری اس کا فاعل چونکہ یہ جملہ عدد کی حکمت کیلئے ہے۔ اس لئے ایسی عبارت ارشاد ہوئی ورنہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ **فتذكرها اخرى** مگر اس عبارت میں عجیب صفت ہے۔ یعنی ایک مرد کے قائم مقام دو عورتیں اس لئے کی گئی ہیں کہ ان میں بھول چوک غالب ہے تو اگر ایک سے کوئی بھول بھی ہو جائے تو دوسری یاد دلا دے۔ خیال رہے کہ اس جملہ میں عجیب لطف ہے کہ تضل ضلال سے بنا۔ جس کے چند معنی ہیں۔ اور تذکر ذکر سے بنا اس کے بھی چند معنی یاد کرنا نصیحت کرنا' عزت دینا وغیرہ اور تذکر سے

معلوم ہوا کہ تضل سے بھولنا مراد ہے نہ کہ دیگر معانی۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! قرض کے معاملات لکھوانے میں تو آزادی ہے کہ خواہ مقروض لکھے یا اس کی طرف سے کوئی منشی مگر اس کے مضمون کی پابندی ہے وہ یہ کہ وثیقہ میں مقروض کا مضمون لکھا جائے گا اور دستاویز اس کی طرف سے ہوگی اور قرض خواہ کے پاس رہے گی۔ کیونکہ یہ ایک قسم کا اقرار نامہ ہے اور اقرار نامہ اسی کا معتبر ہے۔ جس پر حق ہے۔ لہٰذا اس دستاویز کی املا مقروض بولے اور وہ اپنی زبان میں لکھوائے کہ میں فلاں ابن فلاں نے 'فلاں شخص سے فلاں شے اتنی قیمت پر اتنی مدت کیلئے ادھار لی وغیرہ وغیرہ اور مقروض کو چاہئے کہ دستاویز لکھوانے میں اپنے رب سے ڈرے۔ مدت یا مقدار دین یا شرائط قرض میں اپنی آسانی کیلئے کچھ کمی نہ کردے۔ اگر مقروض بے عقل یا بچہ یا بڈھا یا زبان سے ناواقف یا گونگا ہے اور اس میں خود مضمون لکھانے کی قابلیت نہیں تو اس کی طرف سے اس کا قریبی یا اس کا کارکن مختار یا وکیل یا مترجم املا بول دے مگر وہ بھی عدل و انصاف سے لکھوائے کہ نہ مقروض کی رعایت سے کچھ کم لکھوائے اور نہ قرض خواہ کی مروت سے کچھ زیادہ مگر چونکہ مقروض تحریر کا بھی انکار کر سکتا ہے۔ اس لئے احتیاط یہ ہے کہ اس تحریر پر اپنے متقی مسلمانوں سے دو عاقل بالغ آزاد مردوں کو گواہ بنالو۔ اگر گواہ دو مرد نہ ہوں' تو ایک مرد دو عورتیں گواہ بنالو۔ لیکن مردوں اور عورتوں میں سے گواہی کیلئے ایسوں کو چنو جن کی دیانتداری و تقویٰ و پرہیزگاری سے تم راضی ہو۔ اور بجائے ایک مرد کے دو عورتیں اس لئے رکھی گئی ہیں کہ عورتوں کے مزاج میں رطوبت زیادہ ہے۔ جس سے ان میں بھول چوک غالب' اگر ان میں سے کوئی بھول جائے تو اس کو دوسری یاد دلادے جس سے تمہاری گواہی میں فرق نہ آئے۔ چونکہ گواہی بڑی اہم چیز ہے۔ جس پر سارے مقدمے اور حاکم کے فیصلے 'اور عدل و انصاف کا دارومدار ہے۔ اس لئے دوران مقدمہ میں مدعی' مدعیٰ علیہ کے وکلاء کا سارا زور گواہیوں پر ہی ہوتا ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے شہادت کے متعلق بہت سی تاکیدیں فرمائیں افسوس ہے کہ فی زمانہ گواہوں کو بالکل کھیل سمجھ رکھا ہے۔

فوائد و مسائل: اس کے فوائد و مسائل بے شمار ہیں۔ مگر کچھ تھوڑے عرض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** سفیہ یعنی مخبوط الحواس کو تصرف سے مجبور نہیں کر سکتے۔ (امام ابو حنیفہ) دیکھو شریعت میں سفیہ کو قرض لینے کی اجازت دی اور قرض لینا بھی تصرف ہے۔ (احکام القرآن) مگر صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کے تصرف کو مجور کیا جائے گا۔ اور اس پر فتویٰ ہے (شامی باب الحجر) دیکھو اس آیت میں سفیہ کیلئے ولی کی قید لگادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے تصرف میں بچہ کی طرح ولی کی ضرورت ہے۔ (از احکام القرآن) **دوسرا فائدہ:** مسلمان کے معاملات میں کافر کی گواہی معتبر نہیں جیسا کہ **من رجالکم** سے معلوم ہوا کیونکہ من تبعیضیہ ہے اور کم میں خطاب مسلمانوں سے یعنی گواہ تم مسلمان مردوں میں سے ہونا چاہئے۔ **تیسرا فائدہ:** مالی معاملات میں صرف عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔ یا تو دو مرد گواہ ہوں' یا ایک مرد اور دو عورتیں۔ اگر مرد کوئی نہ ہو۔ تو خواہ عورتیں پچاس ہو جائیں تب بھی معتبر نہیں۔ جیسا کہ **فرجل و امراتن** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** بچے' دیوانہ اور دیگر مجور لوگوں کا ولی ان پر قرض کا اقرار کر سکتا ہے۔ اسی لئے ولی کو اشٹام لکھانے کی اجازت دی گئی۔ کیونکہ اشٹام بھی گویا اقرار نامہ ہی ہے۔ اور جب ولی کا املاء بولنا معتبر تو اس کا اقرار بھی معتبر۔ **پانچواں فائدہ:** فاسق فاجر کی گواہی مقبول نہیں۔ جیسا کہ **ممن ترضون** سے معلوم ہوا۔ کیونکہ رضا سے دینی رضامندی مراد ہے۔ یہ حکم قبول گواہی کا ہے۔ مگر فاسق کا گواہ بنانا معتبر ہے۔ لہٰذا نکاح عقود گواہی پر

موقوف ہیں ان میں فاسق کی گواہی سے وہ منعقد ہو جائیں گے۔ مثلاً فاسق کی موجودگی میں جو نکاح کیا جائے وہ درست ہے کہ ان کی گواہی سے نکاح ہو جائے گا ہاں اگر آگے جاکر زوجین میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس فاسق کی گواہی سے حاکم کے نزدیک نکاح ثابت نہ ہو گا۔ نکاح کا انعقاد کچھ اور ہے اور ثبوت کچھ اور چھٹا فائدہ: کمزور حافظہ والے کی گواہی کمزور ہے۔ اسی لئے عورت میں دو کی قید لگائی محدثین کمزور حافظہ والے کی حدیث کو ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ بھی آیت ہو سکتی ہے۔ (از تفسیر احمدی) کیونکہ نقل حدیث بھی گویا ایک قسم کی گواہی ہے۔ ساتواں فائدہ: بچوں کی گواہی معتبر نہیں۔ جیسا کہ رجال سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: گواہی میں لفظ شہادت بولنا چاہئے جیسا کہ **واستشهدوا** سے معلوم ہوا۔ (احمدی) نواں فائدہ: معاملات قرض کی گواہی میں ضروری ہے کہ گواہ موقعہ واردات پر موجود ہو۔ جیسا کہ **شهيدين** سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: مرد عورت سے افضل ہے۔ اسی لئے محض مردوں کی گواہی معتبر اور ان معاملات میں محض عورتوں کی گواہی غیر معتبر۔ بلکہ حدود و قصاص میں مردوں ہی کی گواہی کا اعتبار ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عورتوں کی عقل بھی ناقص اور دین بھی۔ عقل تو اس لئے کہ ان دو کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے قائم مقام ہے ان میں بھول چوک غالب ہے اور دین اس لئے کہ یہ نماز ہمیشہ نہیں پڑھ سکتیں حیض و نفاس ہیں اس سے محروم ہیں۔

مسئلہ: گواہی تین قسم کی ہے ایک وہ جہاں صرف مرد ہی گواہ بن سکتے ہیں۔ جیسے حدود و قصاص۔ ایک وہ جہاں صرف عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ جیسے عورتوں کے وہ راز جن پر مرد اطلاع نہ پا سکے مثلاً ولادت یا عورت کا باکرہ یا ثیبہ ہونا یا طلاق کی عدت کا پورا ہونا وغیرہ کہ ان صورتوں میں فقط عورت کی گواہی سے فیصلہ ہو گا۔ ایک وہ کہ جہاں مرد عورت دونوں کی گواہی معتبر جیسے مالی معاملات اس آیت میں تیسری قسم کی گواہی کا ذکر ہے۔

مسئلہ: دنیاوی خبر کافر کی بھی معتبر ہے۔ سلطان کا منادی وکیل مضارب قاصد کافر ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ دینی خبر ایک متقی مسلمان کی بھی معتبر اور گواہیوں میں کم از کم دو مسلمان چاہئیں۔ (عالمگیری کتاب الکراہتہ) اور حدود میں چار مسلمان گواہوں کی ضرورت ہے۔

مسئلہ: کافر کی خبر معاملات کے ضمن میں دیانات میں بھی قبول۔ کافر نے خبر دی کہ یہ گوشت مسلمان کا ذبیحہ ہے۔ کھانا نامقبول کیونکہ حلال و حرام ہونا دینی خبر ہے۔ لیکن اگر کسی مسلمان کا کافر نوکر ہمارے پاس گوشت لایا اور کہا کہ یہ میرے آقا نے بھیجا ہے۔ تو مقبول کیونکہ وہ بھیجنے کی خبر دے رہا ہے۔ جو کہ دنیوی چیز ہے جب یہ بات منظور ہو گئی تو اس کے ضمن میں گوشت کی حلت بھی آگئی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: ہر گواہی میں گواہ کا واقعہ دیکھنا شرط نہیں۔ نکاح، طلاق، اوقاف، نسب، متبرکات وغیرہ میں محض شہرت یا علامت پر گواہی دی جا سکتی ہے۔ اس کی تحقیق کیلئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول دیکھو۔

مسئلہ: کفار کے معاملات میں کفار کی گواہی معتبر ہے۔ لہٰذا اگر مقروض کافر ہو تو کفار گواہ بن سکتے ہیں۔

مسئلہ: قبول گواہی کی دس شرطیں ہیں گواہ کا آزاد ہونا، مسلمان ہونا، بالغ ہونا، متقی ہونا، واقعہ سے واقف ہونا، اس گواہی میں

گواہ کا نفع نہ ہونا اور اس سے دفع ضرر نہ ہونا گواہ کا غلط گوئی اور بے مروتی میں مشہور نہ ہونا گواہ مشہود لہ کا بیٹا یا غلام نہ ہو۔ گواہ مشہود علیہ کا دشمن نہ ہو۔ (کبیر)

مسئلہ: غلام کی گواہی معتبر نہیں۔

مسئلہ: متقی وہ مسلمان ہے جو نہ گناہ کبیرہ کرتا ہو اور نہ گناہ صغیرہ پر جمتا ہے۔ کیونکہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے گناہ کبیرہ بن جاتا ہے۔ داڑھی منڈانا' کبھی جھوٹ بول دینا گناہ صغیرہ ہے مگر ہمیشگی سے کبیرہ۔ یہ تمام مسائل ترضون سے حاصل ہوئے۔

مسئلہ: خنثیٰ مشکل کی گواہی معتبر نہیں۔ کیونکہ وہ نہ مرد ہے نہ عورت اسی لئے اس کی میت کو کوئی غسل نہیں دے سکتا۔ تیمم کرایا جائے گا یہ من رجالکم سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: ایک گواہ اور ایک قسم سے مدعی کے حق میں فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو اسی آیت میں ارشاد ہوا کہ اگر دو گواہ مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بناؤ۔ یہ نہ فرمایا گیا کہ ایک ہی گواہ رکھ لو اور ایک قسم کھالینا جس سے معلوم ہوا کہ دو مرد گواہ نہ ملنے کی صورت میں صرف یہ ہی حکم ہے کہ ایک مرد اور دو عورتیں گواہ مقرر کی جائیں۔ نیز حدیث شریف میں ہے۔ **البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر** مدعی کے ذمہ گواہ ہیں اور منکر پر قسم۔ اس تقسیم سے معلوم ہوا کہ مدعی کی قسم اور مدعی علیہ کے گواہ معتبر نہیں وہ جو حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور ایک قسم سے مدعی کے حق میں فیصلہ کیا یہ خبر واحد ہے جو خبر متواتر اور قرآنی آیات کے مقابلہ میں غیر معتبر ہے۔

مسئلہ: فیصلہ کا مدار گواہی پر ہے نہ کہ محض دستاویز پر دستاویز تو صرف گواہوں کو واقعہ یاد دلانے کیلئے ہے۔ اگلے جملہ میں ارشاد ہو رہا ہے۔ **ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا** یہ دستاویز کی تحریر اللہ کے نزدیک انصاف کی چیز ہے۔ اور گواہی کو درست رکھنے والی۔

مسئلہ: اگر گواہ کو دستاویز دیکھ کر بھی واقعہ یاد نہ آئے تو اس کی گواہی درست نہیں کیونکہ یہاں ارشاد ہوا کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے یہ نہیں فرمایا گیا کہ دستاویز کی تحریر دیکھ لے معلوم ہوا کہ یاد دلانے کا صرف یہ ہی خاص طریقہ ہے۔

مسئلہ: قرض کی گواہی واقعہ دیکھ کر جائز ہے نہ کہ محض دستاویز کی تحریر سن کر ہاں اس صورت میں یہ گواہی دے سکتا ہے کہ ہمیں فلاں شخص نے اپنا اقرار نامہ سنایا تھا۔

مسئلہ: دستاویز میں گواہوں کے دستخط ضروری نہیں ہاں بہتر ہیں تاکہ یاد رہے اور حاکم گواہوں کو کچہری میں حاضر کر سکے۔

مسئلہ: اولاد کی گواہی ماں باپ کے حق میں قبول نہیں۔ ان کے خلاف قبول ہے۔ اور دشمن کی گواہی دشمن کے خلاف مردود' اور موافق قبول۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ متقی غلام کی گواہی قبول ہے کیونکہ آیت نے گواہ میں تین

قیدیں لگائیں۔ مرد ہونا' مسلمانوں کی جماعت سے ہونا **من رجالکم** اور متقی ہونا۔ (**ممن ترضون**) جب اس غلام میں تینوں صفتیں موجود ہیں تو اس کی گواہی کیوں نامقبول ہے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ رجال سے مراد آزاد مرد ہیں۔ یہ ہی مجاہد کا قول ہے۔ (بیہقی و تفسیر در منثور) دوسرے یہ کہ اس آیت میں گواہی کے سارے شرائط مذکور نہیں ہوئے باقی شرائط احادیث سے ثابت ہیں۔ تیسرے یہ کہ اگلے جملہ میں ارشاد ہو رہا ہے۔ جب گواہ بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں' جس سے معلوم ہوا کہ گواہ وہ ہونا چاہئے جو خود مختار ہو بلانے پر آسکے غلام مولی کے قبضہ میں ہے۔ اسے مولی کے بغیر اجازت حج اور جماعت نماز کیلئے جانا جائز نہیں۔ تو ادائے شہادت کیلئے جانا کیونکر جائز ہو گا۔ (از کبیر) **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر مسلمان کا ولی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہاں بالعدل کی قید ہے۔ جیسے **ذوی عدل** کی وجہ سے کافر مسلمان کا گواہ نہیں بن سکتا تو اس کا ولی کیسے بن سکتا ہے۔ **جواب:** **ذوی عدل** میں عدل بمعنی تقوی و پرہیزگاری ہے۔ (عدالت) اور بالعدل میں بمعنی انصاف اگر یہ بھی اس معنی میں ہوتا تو یہاں بجائے ب کے ذو آتا کیونکہ ولی کی صفت ہوتا حالانکہ یہاں املاء بولنے کی قید ہے۔ ابو طالب شرعاً" ایمان سے مشرف نہ ہوئے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن شریف سے حضور کے ولی یعنی قریب تھے۔ رب فرماتا ہے **الم یجدک یتیما فاوی** **تیسرا اعتراض:** جب چھوٹے بچوں کی گواہی معتبر نہیں۔ تو چاہئے کہ ان سے حدیث بھی نہ لی جائے۔ حالانکہ محدثین کم عمر صحابہ کرام سے روایت لے لیتے ہیں۔ جب فسق حدیث لینے سے مانع ہے تو صغر کیوں مانع نہیں؟ **جواب** نقل حدیث حقیقتاً دینی خبر ہے جس میں صرف تقوی شرط ہے۔ اگر یہ محض گواہی ہوتی تو ناقلین حدیث کو لفظ اشھد بولنا پڑتا اور کم از کم دو کی ضرورت ہوتی۔ **چوتھا اعتراض:** تمہاری ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ پہلے **احدھما** سے بھولنے والی عورت مراد ہے اور دوسرے **احدھما** سے دوسری عورت جسے واقعہ یاد ہے۔ حالانکہ علم اصول میں ہے کہ جب معرفہ مکرر ہو تو دونوں سے ایک ہی مراد ہوتا ہے۔ اور جب نکرہ مکرر ہو تو ان سے مختلف مراد ہوتے ہیں۔ تو یہ تفسیر کیونکر صحیح ہوئی؟ **جواب:** یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **فی السماء الہ وفی الارض الہ** اس کا مطلب یہ نہیں کہ آسمان میں اور معبود ہے اور زمین میں دوسرا۔ چونکہ ابھی آیت ختم نہیں ہوئی اس لئے تفسیر صوفیانہ ان شاء اللہ اخیر میں ہوگی۔

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ
اور نہ انکار کریں گواہ جب کبھی بلائے جائیں اور نہ سستی کرو تم اس سے کہ لکھ لو اسے
اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں اور اسے بھاری نہ جانو کہ دین چھوٹا ہو یا بڑا اس کی
كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا
چھوٹا یا بڑا طرف میعاد اس کی کے یہ زیادہ انصاف والا ہے نزدیک اللہ کے اور زیادہ قائم رکھنے والے
میعاد تک لکھت کر لو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اس میں گواہی خوب ٹھیک رہے گی

تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ

واسطے گواہی کے اور زیادہ قریب ہے اس کے نہ شک کرو مگر یہ کہ ہو خرید و فروخت موجودہ

اور یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تمہیں شبہ نہ پڑے مگر یہ کہ سردست کا سودا دست بدست ہو

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا

کہ گھما و تم اسے درمیان اپنے پس نہیں ہے اوپر تمہارے گناہ یہ کہ نہ لکھو تم اسے

تو اس کے نہ لکھنے کا تم پر گناہ نہیں

تعلق : اس آیت کا پچھلے جملہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلے جملہ میں گواہ بنانے کا حکم تھا اب گواہوں کو گواہی دینے کا حکم اور گواہی چھپانے سے ممانعت ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلے جملہ میں قرض کی دستاویز لکھنے کا حکم دیا گیا۔ اب اس حکم کو وسیع کیا جارہا ہے کہ دستاویز بڑے قرض کے لئے خاص نہیں چھوٹے بڑے ہر قرض پر لکھ لو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلے جملہ میں قرض کی تحریر اور اس پر گواہ کرلینے کا حکم تھا۔ اب اس کے فوائد ارشاد ہو رہے ہیں۔ تاکہ لوگ شوق سے اس پر عمل کریں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلے جملہ میں یہ وہم ہو سکتا تھا کہ ادھار کی تجارت کی طرح نقد بیع بھی لکھ لینا چاہئے اس جملہ میں یہ وہم دور کیا جارہا ہے غرضکہ یہ جملہ چند طرح پچھلے جملہ کا تتمہ اور خاتمہ ہے۔

تفسیر : **ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا** ۔ **لا یاب** ۔ **اباء** سے بنا بمعنی باز رہنا۔ یا انکار کرنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ کیونکہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ **شھداء** سے یا تو وہ لوگ مراد ہیں جو گواہ بن چکے ہیں۔ اور اب گواہی دینے جا رہے ہیں۔ یا وہ جنہیں گواہ بنایا جائے گا۔ **اذا** ' **لا یاب** کا ظرف ہے اور **ما** تکثیر یہ۔ **دعوا** سے یا تو گواہ بننے کے لئے موقعہ کی طرف بلانا مراد ہے یا گواہ بن چکنے کے بعد گواہی دینے کے لئے عدالت میں بلانا مراد یعنی جو گواہ بن چکے ہوں۔ جب بھی انہیں قاضی کی کچہری میں گواہی دینے کے لئے بلایا جائے تو وہ آنے سے انکار نہ کریں یا جب بھی مسلمان بھائی موقعہ واردات پر کسی کو گواہ بنانے کے لئے بلائے تو ان کو بلا وجہ اس سے باز نہ رہنا چاہئے اور ممکن ہے کہ بطریق عموم مشترک یہ دونوں معنی مراد ہوں یہ ہی عبداللہ ابن عباس اور حسن رضی اللہ عنہما کا قول ہے (معانی 'کبیر) پہلی صورت میں یہ نہی تحریمی ہے اور دوسری صورت میں تنزیہی (از کبیر) خیال رہے کہ یہاں **شھداء** سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی گواہی شرعاً معتبر ہے لہذا چھوٹے بچے' دیوانے' فساق وغیرہ وہ لوگ جن کی گواہی معتبر نہیں انہیں انکار کرنا منع بھی نہیں۔ خیال رہے کہ گواہی چند قسم کی ہے۔ قصاص و حدود کی گواہی' حقوق کی گواہی' شرعی احکام کی گواہی۔ حدود و قصاص کی گواہی میں گواہی دینے یا نہ دینے کا اختیار ہے۔ مگر حقوق کی گواہی میں مدعی کا دعویٰ دار اس کی طلب پر گواہی دینا لازم ہے۔ جیسا کہ **اذا ما دعوا** سے معلوم ہوا مگر شرعی حقوق کی گواہی یہ مدعی کے دعوے کی شرط ہے نہ کہ طلب کی گواہ کو خود بخود گواہی دینا لازم ہے۔ جیسے رمضان' شوال کے چاند' رضاعت وغیرہ کی گواہی خود حاکم کے سامنے پیش ہو کر دو۔ **اذا ما دعوا** کی قید حقوق عباد کے لئے ہے۔ **ولا تسئموا ان تکتبوہ۔ تسئموا** سامتہ سے بنا' بمعنی ملال' دل تنگی' کوتاہی' اکتانا' سستی وغیرہ' زہیر کہتا ہے۔

سئمت تکالیف الحیوۃ ومن یعش ثمانین حولا لا اباک یسئم

یہاں سب معنی درست ہیں۔ ان تکتبوہ' تسئموا کا مفعول ہے۔ ہ کا مرجع قرض یا حق یا کتابت ہے۔ (دستاویز) ایک قراءت میں لا یسئموا اور ان یکتبوہ' ی سے ہے۔ اس صورت میں اس سے قرض کا معاملہ کرنے والے مراد ہیں یہ ممانعت بھی تنزیہی ہے۔ صغیرا " او کبیرا " یا تو یہ دونوں تکتبوہ کی ضمیر کے حال ہیں اس صورت میں صغیر سے مراد تھوڑا اور کبیر سے مراد زیادہ قرض ہے۔ یا کتاب سے حال ہے تو صغیر سے مراد مجمل اور کبیر سے مراد مفصل ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ دونوں کان محذوف کی خبر ہیں۔ صغیر کو کبیر پر اہتمام اور ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کے لئے مقدم کیا۔ الی اجلہ یہ بھی تکتبوہ کی ضمیر سے حال ہے اور مستقرا پوشیدہ کا متعلق یا الی بمعنی مع ہے اور تکتبوہ کا متعلق یعنی قرض تھوڑا ہو یا زیادہ اس کے لکھنے میں سستی نہ کرو مع مدت کے لکھ لو۔ یا اس کی مدت تک لکھ ڈالو' یا قرض کی تحریر میں کوتاہی نہ کرو۔ تھوڑی بہت مجمل مفصل تحریر ضروری کرلو (معانی ومدارک) اب اس حکم کے تین فائدے بیان فرمائے جارہے ہیں ایک یہ کہ ذلکم اقسط عند اللہ یہ کتاب یا گواہی یا دونوں کی طرف اشارہ ہے۔ مگر پہلا زیادہ قوی' چونکہ خطاب سارے مسلمانوں سے ہے۔ اس لئے کم جمع فرمایا گیا۔ اقسط' قسط سے بنا جس کے معنی عدل بھی ہے اور ظلم بھی اور حصہ بھی' رب فرماتا ہے۔ واما القاسطون فکانوا لجھنم حطبا۔ بعض نے فرمایا کہ باب افعال میں آکر بمعنی انصاف ہوتا ہے۔ ان اللہ یحب المقسطین اور مجرد میں بمعنی ظلم' یہاں باب افعال کا تفضیل ہے' بمعنی اعدل سیبویہ کا قول ہے کہ باب افعال کا تفضیل بروزن افعل آتا ہے (روح المعانی) بعض کا خیال ہے کہ اقسط بمعنی ذی قسط ہے۔ یعنی یہ تحریر اللہ کے نزدیک بہت ہی انصاف کی چیز ہے کہ اس سے ایک کا حق دوسرے کے پاس نہ جائے گا۔ دوسرے یہ کہ واقوم للشھادۃ قیام کا تفضیل ہے۔ بمعنی درستی اور سیدھا پن۔ رب فرماتا ہے۔ ان ھذا القراٰن یھدی للتی ھی اقوم کھڑے ہونے کو بھی اسی لئے قیام کہتے ہیں کہ اس حالت میں سارے اعضاء سیدھے رہتے ہیں۔ چونکہ تفضیل فعل تعجب کا مناسب ہے اور فعل تعجب میں بوجہ جامد وغیرہ متصرف ہونے کے واؤ الف سے نہیں بدلتا۔ لہٰذا تفضیل میں بھی نہیں بدلا (روح المعانی) ورنہ اقام ہوتا۔ للشھادۃ میں لام صلہ کا ہے۔ یعنی یہ تحریر گواہی کو درست رکھنے والی ہے۔ جس سے گواہ غلطی سے بچیں گے اور قاضی و مدعی کے علم میں رہیں گے۔ تیسرے یہ کہ وادنی الا ترتابوا۔ ادنیٰ' دنو سے بمعنی قرب اور ادنی دناءت سے بمعنی حقیر ہوتا ہے۔ الا سے پہلے الی یا لام یا من یا فی حرف جر پوشیدہ ہے۔ ترتابوا' ریب بمعنی شک سے بنا' باب افتعال میں آکر عموم کے معنی پیدا ہوئے۔ یعنی یہ تحریر اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم قرض' اس کی مقدار' اس کی مدت وغیرہ میں کسی قسم کا شک و وہم نہ کرو اور فریقین کا دل ایک دوسرے سے صاف رہے۔ الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ یہ حکم کتابت سے مستثنیٰ منقطع ہے اور الا بمعنی لکن یا استشہاد سے متصل۔ تجارت کے معنی ہیں۔ مال کی ہیر پھیر کرنا نفع کی نیت سے یہ مصدر ہے تجر یتجر فھو تاجر کا باب ضرب اس کا مفعول متجر باب افتعال سے ہے (کبیر) ظاہر یہ ہے کہ یہاں بمعنی مصدر ہے اور حاضرۃ سے مراد قیمت اور سودے کی موجودگی ہے اور ممکن ہے کہ یہ بمعنی اسم مفعول ہو یعنی سودا' ایک قراءت میں تجارۃ پیش سے اور حاضرۃ فتح سے ہے اور ایک قراءت میں دونوں کے پیش سے پہلی دو صورتوں میں تکون ناقصہ ہے اور اخیری صورت میں تامہ یعنی مگر یہ کہ تمہاری بیع نقد کی تجارت ہو یا اس صورت میں کہ متجر یعنی مال و

قیمت موجود ہوں کوئی بھی لوھار نہ ہو یا یہ کہ نقدی تجارت واقع ہو۔ چونکہ یہاں وہم تھا کہ تجارت حاضرہ سے مراد ہو جو وہ ایجاب و قبول ہوں اسی کو دفع فرمانے کے لئے ارشاد ہوا۔ **تدیرونھا بینکم۔ تدیرونھا** ادارۃ سے بنا جس کا مادہ دوران ہے۔ بمعنی گھومنا اس میں خطاب تاجر، خریدار دونوں کو ہے۔ **ھا** کا مرجع وہ ہی تجارت بمعنی سودا ہے **بینکم** **تدیرون** کا ظرف یعنی ایسا نقدی سودا ہو جس کو اے تاجر اور خریدار تم آپس میں لے دے کر گھما لو کہ قیمت پر تاجر اور مال پر خریدار قبضہ کرلے اور کسی طرف ادھار نہ رہے۔ خیال رہے کہ **تدیرون** یا تجارت کی دوسری صفت ہے۔ یا حاضرۃ کی تفسیر **فلیس علیکم جناح الا تکتبوھا** جناح کی لغوی تحقیق ہم پہلے کر چکے ہیں۔ **الا** سے پہلے فی پوشیدہ ہے **ھا** کا مرجع تجارت ہے۔ یعنی اس صورت میں تم پر گناہ نہیں کہ اس تجارت کو نہ لکھو چونکہ ایسی بیع دن رات ہوتی ہے اور بوجہ ادھار نہ ہونے کے جھگڑے کا احتمال بھی نہیں ہے۔ اس لئے اس میں لکھنے کی پابندی نہیں۔

خلاصہ تفسیر : جب کبھی گواہ بننے یا کچہری میں گواہی دینے کے لئے گواہوں کو بلایا جاوے تو وہ آنے سے انکار نہ کریں کیونکہ یہ ضروری کام ہے اگر اس میں سستی کی گئی تو بہت خرابیاں پیدا ہوں گی۔ لوگوں کے حقوق مارے جائیں گے۔ دنیا کا انتظام بگڑ جائے گا۔ **ولا یاب** میں اشارۃ" فرمایا گیا کہ بلاوجہ گواہ حاضری سے انکار نہ کرے اگر کوئی دینی یا دنیاوی مجبوری ہے تو انکار کر سکتا ہے۔ لہٰذا ادائے شہادت کی تاریخ کے لئے حج نہ چھوڑے۔ اگر بیمار ہو تو معذرت کر سکتا ہے یا حاکم خود اس کے پاس آکر گواہی لے اور اے مسلمانو تم قرض کے معاملات کے لکھنے میں سستی نہ کرو۔ قرض چھوٹا ہو یا بڑا اس کی مقدار نوعیت بلکہ اس کی مدت تک لکھ لو۔ کیونکہ کبھی چھوٹا قرض بڑے جھگڑے کا ذریعہ بن جاتا ہے یا تھوڑی بہت تحریر ضرور کرلو۔ اس تحریر میں چند فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ خدا کے نزدیک بہت انصاف کی بات ہے کہ جس سے بندوں کے حقوق کی حفاظت ہے۔ جو حقوق اللہ سے سخت تر ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ تحریر گواہی ٹھیک رکھنے والی ہے کہ جس سے گواہوں کو گواہی دینے میں آسانی اور مدعی و حاکم کو گواہوں کے بلانے میں سہولت ہے۔ جس سے معاملہ بہت جلد طے ہو سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس تحریر سے معاملہ صاف رہے گا اور معاملہ والوں کے دل میں ایک دوسرے سے کدورت نہ پیدا ہو گی نہ دینے والے کو نقصان کا اندیشہ اور نہ لینے والے کو ضرر کا خطرہ، لیکن جس صورت میں تمہاری تجارت نقد کی ہو کہ تم مال کو آپس میں وہاں ہی گھما لو، تاجر تو قیمت پر اور خریدار مال پر وہاں ہی قبضہ کرلے۔ کسی طرف سے ادھار نہ ہو تو نہ لکھنے میں تم پر کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ایسے معاملات دن رات ہوتے رہتے ہیں۔ ہر ایک کا لکھنا بہت دشوار ہے۔ نیز جبکہ تاجر و خریدار دونوں نے اپنے حقوق پر قبضہ کرلیا تو جھگڑے کا اندیشہ نہ رہا اور یہ تحریر جھگڑا مٹانے ہی کے لئے تو تھی۔ جب یہ اندیشہ نہیں تو تحریر بھی کچھ ضروری نہیں۔

فائدے : اس جملہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** معاملات کی تحریر اور ان پر گواہ بنانا مستحب ہے نہ کہ واجب۔ اس لئے کہ اس سے جھگڑے فساد کا اٹھانا مقصود ہے اور دنیوی ضرر سے بچنا ملحوظ، اسی لئے اس کے نہ کرنے پر عذاب اخروی سے نہ ڈرایا گیا۔ بلکہ اس کے دنیوی فوائد بیان فرما دیئے گئے۔ **دوسرا فائدہ:** ادائے گواہی کے لئے مدعی کی طلب ضروری ہے۔ اگر وہ طلب نہ کرے تو گواہوں پر حاضری لازم نہیں۔ جیسا کہ **اذا ما دعوا** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** گواہ کا سفر خرچ مدعی کے ذمہ ہے کیونکہ دور رہنے والے آدمی کو بلانے کی یہ ہی صورت ہے کہ اس کے آنے کا انتظام کر دیا جائے

یہ بھی **اذا ما دعوا** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا اعتراض:** جب مدعی گواہوں کی طلب کرے تو انہیں گواہی دینا فرض ہے چھپانا جائز نہیں۔ جیسا کہ **ولا یاب الشھداء** سے معلوم ہوا (خزائن) **پانچواں فائدہ:** ہر چھوٹا بڑا مالی معاملہ جس سے جھگڑا پڑ سکے۔ اس کا لکھ لینا بہت بہتر ہے جیسا کہ **ولا تسئموا** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** کپڑے کی بیع سلم جائز ہے کیونکہ یہاں صغیر و کبیر فرمایا اور وزنی چیزوں کو صغیر و کبیر نہیں کہا جاتا۔ بلکہ قلیل و کثیر کہا جاتا ہے (مدارک) **ساتواں فائدہ:** معاملات کی مختصر تحریر بھی کافی ہے جیسا کہ "صغیرا" اور "کبیرا" کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** قرضی معاملات کے سوا اور جن معاملات میں جھگڑے کا اندیشہ ہو ان کی تحریر بھی بہتر ہے۔ دیکھو ڈاک خانہ "چھوٹا منی آرڈر" بھی بغیر تحریر لئے نہیں دیتا یہ حکم **الا ترتابوا** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** نقد تجارتوں کا لکھنا چنداں ضروری نہیں۔ جیسا کہ **الا تکتبوھا** سے معلوم ہوا۔ لیکن اگر اس میں بھی جھگڑے کا اندیشہ ہو تو تحریر ضرور چاہئے۔ جیسے کہ زمین، مکانات کھیت وغیرہ کی بیع کہ اگرچہ نقد ہو۔ مگر تحریر بہتر۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ تجارت حاضرہ وہ ہے۔ جس میں غیر باقی مال کی بیع ہو۔ جیسے ترکاری اور پھل وغیرہ۔ زمین و باغات چونکہ باقی رہنے والی چیزیں ہیں اس لئے وہ اس حکم سے خارج۔ **مسئلہ:** گواہ بننا اور چیز ہے اور گواہی دینا کچھ اور ان کے احکام بھی مختلف۔ جب گواہ بننے میں گواہ کا کچھ ضرر نہ ہو اور نہ بننے میں مسلمان بھائی کا نقصان ہو تا ہو تو ضرور گواہ بن جانا چاہئے مثلاً "نکاح ہو رہا ہے کوئی گواہ نہیں ملتا" یہ بلاوجہ گواہ بننے سے انکار کرتا ہے تو گنہگار ہے یونہی اگر گواہ نہ بننے میں مسلمان بھائی کے حق مارے جانے کا اندیشہ ہو تو ضرور گواہ بن جانا چاہئے۔ غرضکہ متعین شخص پر گواہ بننا واجب ہے اور جب بہت سے لوگ مل سکتے ہیں تو اس پر واجب نہیں (از کبیر) **مسئلہ:** گواہی دینے کی چند صورتیں ہیں۔ زنا وغیرہ کی گواہی میں اختیار ہے دے یا نہ دے۔ بلکہ چھپانا مستحب حضور علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی مسلمان کی پردہ پوشی کرے۔ رب تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں ستاری فرمائے گا۔ مگر چوری میں مال لینے کی گواہی دے تاکہ مال والے کا حق نہ مارا جائے یہ نہ کہے کہ چوری سے لیا ہے تاکہ وہ ہاتھ کٹنے سے بچ جائے (خزائن العرفان) لہذا زنا وغیرہ کا چھپانا بہتر اور باقی گواہیاں دینا بہتر۔ **مسئلہ:** اگر گواہی چھپانے سے کسی کا دینی یا دنیوی حق مارا جاتا ہے۔ تو چھپانا منع ہے۔ طلاق و قرض کی گواہی ضروری ہے۔ **مسئلہ:** شرعی حقوق کی گواہی دعویٰ پر موقوف نہیں۔ گواہ پر ضروری ہے کہ بغیر دعویٰ اور بغیر کسی کے بلائے گواہی دے۔ چاند دیکھ لیا ہے فوراً گواہی دے۔ کسی شوہر کو طلاق دیتے سن لیا فوراً گواہی دے۔ **مسئلہ:** اگر کسی کے پاس گواہی ہے اور مدعی اس سے بے خبر ہے اور اس کا حق مارا جا رہا ہے تو گواہ پر لازم ہے کہ بلا طلب جا کر گواہی دے لہذا **اذا ما دعوا** کی قید وہاں ہے جہاں حقوق انسانی کی گواہی ہو اور مدعی کے علم میں ہو۔ یا بلانے سے عام بلانا مراد ہے۔ مدعی کا ہو یا شریعت کا۔ **مسئلہ:** اگر کسی معاملہ کے گواہ بہت سے ہیں۔ تو گواہی دینا فرض کفایہ ہے اور دو ہی ہوں تو ان پر فرض عین۔ **مسئلہ:** نقد اور معمولی تجارت یا لین دین کا لکھ لینا بھی اچھا ہے حتی کہ امانت کا لین دین بھی تحریری ہو تو بہتر ہے۔ اس لئے یہاں **لا جناح** فرمایا گیا۔ یعنی اس نقد تجارت کے نہ لکھنے میں گستاخی نہیں۔ جس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ لکھ لینے میں فائدہ بہت ہے۔ رہا یہ سوال کہ ادھار اور بڑی تجارت کو نہ لکھنے میں گناہ ہے یا نہیں اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ ہے اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہے اور ہو سکتا ہے کہ گناہ نہیں حرج ہو تو اب بھی یہ حکم باقی ہے کہ بڑی تجارت ادھار وال کا نہ لکھنا خرابیوں کا باعث ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: **فلیس علیکم جناح** سے معلوم ہوا کہ ادھار تجارت کے نہ لکھنے میں گناہ ہے کیونکہ یہاں

یہ فرمایا گیا کہ اگر تجارت نقد ہو تو نہ لکھنے میں گناہ نہیں۔ جس سے لازم آیا کہ اگر ادھار ہو تو نہ لکھنا گناہ ہے اور جس کا ترک گناہ ہے وہ واجب ہوتا ہے پھر فقہاء یہ کیوں فرماتے ہیں کہ یہ تحریر واجب نہیں۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ **ایک یہ** کہ معترض نے مفہوم مخالف لے کر اعتراض کیا جو صحیح نہیں یہ تو معلوم ہوا کہ نقد تجارت نہ لکھنے میں گناہ نہیں۔ رہی یہ بات کہ ادھار تجارت نہ لکھنے میں گناہ ہے اس سے خاموشی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ تحریر و گواہی وغیرہ اولاً فرض تھیں پھر ان کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ تیسرے یہ کہ جناح بمعنی حرج، مضائقہ یا کج روی ہے۔ یعنی نقد تجارت کے نہ لکھنے میں خطرہ یا نقصان نہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **فان جنحوا للسلم فاجنح لها**۔ یہ تمام تو جیہیں اس لئے کی گئیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے بارہا قرض کا لین دین کیا مگر ہر ایک کی تحریر نہ کی۔ اگر لکھنا واجب ہوتا تو اس پر پابندی ہوتی۔

دوسرا اعتراض: حاضرۃ کے بعد **تدیرونها** کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** یہ **حاضرۃ** کی تفسیر ہے۔ تجارت حاضرہ کے معنی غیر موقوف تجارت بھی ہو سکتی ہے۔ **تدیرونها** سے معلوم ہوا کہ اس سے نقدی تجارت مراد ہے۔ **تیسرا اعتراض:** فقہاء قرآن کریم کے بعض احکام کو وجوبی قرار دیتے ہیں اور بعض کو استحبابی یہ کیوں؟ قرآن کے سارے احکام یکساں ہونے چاہئیں۔ اس کا قرینہ کیا ہے؟ (عام جہلا) **جواب:** بے شک سارے احکام وجوبی نہیں ہو سکتے۔ رب فرماتا ہے **فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر** جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کافر ہو جائے' یہاں ایمان و کفر دونوں کے لئے صیغہ امر ارشاد ہوا۔ تو کیا ایمان لانا بھی واجب ہے اور کفر بھی واجب۔ قرآن کریم میں امر سولہ معنی میں استعمال ہوا۔ وجوب' استحباب' تخییر' تحقیر' تنبیہ وغیرہ وغیرہ اس کی پہچان فقہا کا کام ہے۔ البتہ استحباب کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ جہاں امر کے بعد دنیوی فوائد بیان ہوں تو وہ استحبابی ہو گا۔ جیسے یہاں ارشاد ہوا کہ لکھنے سے گواہی خوب ہو سکے گی۔ تمہیں کوئی شک نہ رہے گا۔ تمہارے معاملات ٹھیک رہیں گے وغیرہ چونکہ ابھی آیت ختم نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس کی تفسیر صوفیانہ آئندہ بیان ہو گی۔ ان شاء اللہ۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **اقسط** کے بعد عند اللہ کیوں ارشاد ہوا صرف **اقسط** ہی کافی تھا۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ بعض چیزوں کو لوگ انصاف سمجھتے ہیں۔ مگر اللہ کے نزدیک ظلم ہوتی ہے۔ بعض چیزیں اس کے برعکس کہ اللہ کے نزدیک عدل ہوتی ہیں۔ لوگوں کے نزدیک ظلم' بعض چیزیں خالق و مخلوق کے نزدیک عدل ہیں۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تحریر و گواہی رب کے نزدیک انصاف ہے۔ مخلوق انصاف مانے یا نہ مانے۔ دوسرے یہ کہ صرف گواہ بنانا انصاف ہے مگر اس میں خطرہ ہے کہ عاقدین اور گواہوں کے انتقال کے بعد' پھر خطرہ فساد ہے۔ لیکن تحریر ہو جانے کی صورت میں آئندہ بھی نسلوں میں جھگڑا پیدا نہ ہو گا۔ زمین' مکان کی خرید و فروخت میں بیسیوں اس کے بعد اولاد در اولاد جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جو تحریر و رجسٹری سے طے ہوتے ہیں۔ اگر صرف گواہوں پر ہوتے تو کبھی طے نہ ہوتے۔ اسی لئے آج حکومتیں دستاویزوں کی رجسٹریاں کراتی ہیں کہ کل کو جھگڑا نہ اٹھے اسی لئے تحریر کو فرمایا گیا کہ اللہ کے نزدیک یہ ہی زیادہ انصاف کی چیز ہے۔

وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ

اور گواہ بنا لو جب خرید و فروخت کرو اور نہ نقصان پہنچایا جاوے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر کرو تم
اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ کر لو اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جاوے اور نہ گواہ کو (یا نہ

فَسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

پس تحقیق وہ نافرمانی ہے ساتھ تمہارے اور ڈرو تم اللہ سے اور سکھاتا ہے تم کو اللہ اور اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا ہے

لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ اور جو تم ایسا کرو تو یہ تمہارا فسق ہوگا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اس آیت میں قرض کے لین دین کے لئے دو حکم دیئے گئے "لکھنا" اور اس پر گواہ بنانا۔ پھر نقدی تجارت میں لکھنے کی معافی دی گئی۔ جس سے وہم ہو سکتا تھا کہ شاید اس میں گواہی کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ اب اس وہم کو دفع فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلے جملہ میں حکم تھا کہ گواہ بوقت طلب گواہی سے انکار نہ کریں۔ اب معاملہ والوں کو تاکید فرمائی جا رہی ہے کہ تم بھی انہیں نقصان نہ پہنچانا تاکہ گواہ اور مدعی دونوں ایک دوسرے کا لحاظ کریں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلے جملہ میں بہت سے احکام تفصیلوار بیان ہوئے اس جملہ میں بطور تتمہ ان سب کا اجمالی ذکر ہے۔

شان نزول : ابن جریر نے حضرت ربیع سے روایت کی کہ جب آیت **ولا یاب کاتب** نازل ہوئی تو بعض اہل معاملہ کاتبوں کے پاس آ کر دستاویز لکھوانے کی فرمائش کرتے وہ کہتا مجھے اس وقت کام ہے کسی اور کاتب سے لکھوالو۔ تو یہ اسے پکڑ لیتے اور کہتے کہ تجھے دستاویز لکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے پھر انکار کیوں کرتا ہے۔ بغیر لکھوائے نہ چھوڑتے۔ جس سے کاتبوں کو بہت دشواری ہوگئی۔ تب جملہ **ولا یضار** الخ۔ نازل ہوا (تفسیر در منثور و روح المعانی)

تفسیر : **واشهدوا اذا تبايعتم۔ اشهدوا** اشهاد سے بنا بمعنی گواہ بنانا۔ اس میں خریدار اور تاجر دونوں کو حکم ہے اور یہ امر بھی استحبابی اور **اذا** ظرف ہے۔ اور **تبايعتم** بیع کا باب تفاعل ہے۔ بمعنی خرید و فروخت کرنا۔ اس بیع سے یا نقد تجارت مراد ہے یا ہر چھوٹی بڑی عام تجارت یعنی نقد تجارت کے لکھنے کی اگرچہ ضرورت نہیں۔ مگر اے معاملہ والو گواہ اس پر بھی بنالیا کرو۔ **ولا يضار كاتب ولا شهيد۔ لا يضار** باب مفاعلہ کی نہی ہے اس کا مادہ ضرر بمعنی نقصان و تکلیف ہے۔ ممکن ہے کہ معروف ہو اور کاتب اس کا فاعل یا مجہول ہو اور کاتب نائب فاعل، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات **لا يضارر** ہے (دوسرے پہلی رے کا کسرہ) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرات **لا يضارر** ہے (دوسرے اور پہلی رے کا بھی فتح) یعنی کاتب اور گواہ معاملہ والے کو تکلیف اور نقصان نہ پہنچائیں۔ یا اہل معاملہ کی طرف سے نہ کاتب کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو پہلی قراءت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ **وان تفعلوا فانه فسوق بكم** اور ظاہر ہے کہ کاتب کی غلط تحریر اور گواہ کا گواہی چھپانا یا بدلنا فسق ہے نہ کہ اہل معاملہ کا اسے مجبور کر کے لکھوانا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **ومن يكتمها فانه آثم قلبه۔** دوسری قراءت کی تائید اس کے شان نزول سے ہوتی ہے۔ نیز پہلے سارے کے سارے خطاب اہل معاملہ سے تھے۔ ایک قرات **لا يضار** (رے کے پیش سے) بھی ہے (نفی بمعنی نہی) یعنی کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ حسن کی قراءت **ولا يضار** (رے کے کسرہ) سے ہے (روح المعانی) **وان تفعلوا فانه فسوق بكم۔** **لا يضار** کی پہلی قراءت کی بنا پر یہ کاتب اور گواہوں سے خطاب ہے اور دوسری قراءت کی صورت میں اہل

معاملہ سے خطاب **تفعلوا** کا مفعول بہ ضمیر پوشیدہ ہے۔ جس کا مرجع ضرور یا تمام ذکر کی ہوئی چیزیں ہیں **فانہ** میں **ہ** کا مرجع فعل ہے یعنی **تفعلوا** کا مصدر۔ **فسوق** فسق سے بنا۔ جس کے لغوی معنی کی تحقیق ہم پہلے سیپارہ میں کر چکے۔ اس کے معنی ہیں اطاعت سے نکل جانا' اس کا مقابل ہے 'عدالت۔ **بکم** کا متعلق پوشیدہ ہے' **لازم یا متلبس** اور وہ فسوق کی صفت ہے اور ممکن ہے کہ **بکم** کی ب معنی **فی** ہو۔ اور یہ فسق کے متعلق ہو۔ (روح المعانی) یعنی اے کاتبو اور گواہو اگر تم اہل معاملہ کو ستاؤ گے تو یہ ستانا رب کی نافرمانی ہوگی' جو تم پر لازم ہے کہ توبہ سے بھی معاف نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ حقوق العباد ہیں۔ یا اے اہل معاملہ اگر تم کاتبوں یا گواہوں کو تنگ کرو گے یا ہمارے بتائے قوانین کی پابندی نہ کرو گے۔ تو تمہاری یہ حرکت لازم فسق ہوگی۔ یا یہ فسق تم میں ثابت ہو جائے گا۔ **واتقوا اللہ۔** یہ **وقی** سے بنا معنی ڈر و خوف اس میں کاتب و گواہ اہل معاملہ سب ہی سے خطاب ہے۔ یعنی اے لوگو اللہ سے ڈرتے رہو۔ **ویعلمکم اللہ' یعلم** کا مصدر تعلیم ہے۔ معنی آہستگی سے سکھانا' اس کا مفعول بہ پوشیدہ ہے۔ یعنی اللہ تم کو دنیوی کاروبار کے قوانین بھی آہستگی سے سکھاتا ہے۔ **واللہ بکل شیء علیم** اللہ تمہاری دینی و دنیاوی تمام مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! اگرچہ نقد تجارت کا لکھنا چنداں ضروری نہیں' لیکن اس پر بھی احتیاطاً گواہ بنا لیا کرو کہ کبھی اس میں بھی جھگڑے پڑ جاتے ہیں اور یہ بھی خیال رہے کہ یہ قوانین لوگوں کی آسانی کے لئے ہیں نہ کہ نقصان و تنگی کے لئے۔ لہذا قوانین کو آڑ بنا کر کاتبوں اور گواہوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے کہ ان کے کاروبار روک کر تم اپنا کام کراؤ یا کاتب کو اجرت اور گواہ کو سفر خرچ دینے سے انکار کرو یا ان قوانین کی آڑ میں نہ تو کاتب اہل معاملہ کو نقصان پہنچائیں کہ کم و بیش لکھ دیں یا بہت زیادہ اجرت مانگیں یا مقدمہ کے وقت اپنی تحریر کا انکار کر دیں اور نہ گواہ نقصان پہنچائیں کہ نہ گواہی چھپائیں نہ کچہری کی حاضری میں بلاوجہ انکار کریں اور نہ گواہی میں کمی بیشی کریں۔ اور اے کاتبو اور گواہو اگر تم ایسی حرکت کرو گے تو یہ تمہارا فسق لازم ہوگا جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہو سکتا کیونکہ حقوق العباد حق والے کے بغیر معاف کئے نہیں بخشے جاتے یا اے معاملے والو اگر تم قانون شکنی کرو گے' تو تمہارا یہ فعل لازم نافرمانی قرار دیا جائے گا اور اے گواہو کاتبو معاملہ والو اللہ سے ڈرو۔ رب تم پر اتنا مہربان ہے کہ جیسے تمہیں دینی قوانین بتاتا ہے۔ ایسے ہی دنیاوی بھی۔ کیونکہ دین دنیا سے وابستہ ہے اور اس کے قوانین نہایت صحیح ہیں۔ کیونکہ وہ بندوں کے حالات اور ان کے مناسب سارے کاموں کو جانتا ہے۔ خیال رہے کہ بیع تین قسم کی ہے۔ بیع قولی عملی اور دونوں کا مجموعہ۔ بیع قولی وہ ہے جو دو طرف کے ایجاب و قبول سے ہو اور بیع عملی وہ ہے جو صرف لین دین سے ہو منہ سے کچھ نہ کہا جاوے جسے بیع تعاطی کہتے ہیں۔ مجموعہ وہ ہے کہ جس میں ایک طرف سے قولی ہو اور دوسری طرف سے دینے کا عمل۔ بیع میں قیمت پہلے دی جائے' چیز پر قبضہ بعد میں۔ تحریر ہو تو لکھت پڑھت پہلے ہونا چاہئے لین دین بعد میں گواہی کی صورت میں ایجاب و قبول اور لین دین دونوں گواہوں کے سامنے ہوں تاکہ وہ عقد و قبض کے گواہ ہوں نہ کہ محض اقرار بیع کے اجارہ میں نفع پہلے حاصل کرو' کرایہ بعد میں دو۔ پہلے مہینہ بھر مکان میں رہ لو پھر کرایہ دو پہلے تانگہ پر سوار ہو کر منزل پر پہنچ جاؤ پھر کرایہ دو لیکن اگر جانبین عقد سے پہلے ہی اس کے عکس پر راضی ہو گئے ہوں تو اس کے برعکس کرنا بھی درست ہے۔ جیسے آج ریل کا کرایہ پہلے دیا جاتا ہے۔ سوار بعد میں ہوتے ہیں۔ یہ اس طے شدہ پروگرام کے مطابق ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر چھوٹی بڑی نقد اور ادھار بیع پر گواہ بنانے چاہئے۔ کیونکہ سب میں جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ اگر ساگ بھی خرید تو گواہ بنالو (تفسیر در منثور) یہ ہی ضروری نہیں کہ گواہوں کو جمع کر کے ان کے سامنے بیع کی جائے بلکہ سودے اور قیمت کا لین دین سب کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ چھپ کرنہ ہو بارہا دیکھا گیا کہ ایک پیسہ کے لین دین میں جھگڑا پڑ جاتا ہے۔ خریدار کہتا ہے کہ میں نے پیسہ دے دیا۔ تاجر کہتا ہے نہیں دیا۔ **دوسرا فائدہ:** اسلام مکمل دین ہے جس میں دین دنیا کے سارے معاملات طے کر دیئے گئے مسلمان دوسری قوموں کے محتاج نہیں بلکہ دیگر قومیں ان کی محتاج ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** اسلام نے اعلیٰ مساوات کا سبق دیا کہ نہ کاتب و گواہ معاملہ والوں کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اور نہ یہ لوگ انہیں۔ **چوتھا فائدہ:** گواہی دینے پر اجرت لینا حرام ہے۔ کیونکہ یہ اسلامی فرض ہے جیسا کہ **لا یضار** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **مسئلہ:** دستاویز لکھنے پر اجرت لینا جائز ہے بلکہ ضروری ہے کہ اجرت پہلے طے کرلی جائے یہ بھی **لا یضار** سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ **مسئلہ:** کتابت پر بھی اجرت لے سکتے ہیں اور ہدیہ بھی۔ گواہی پر اجرت لینا ناجائز۔ اگر مدعی اپنی خوشی سے کچھ ہدیہ دے تو جائز۔ مگر خیال رہے کہ اس نیت سے گواہی نہ دی جائے ایسے ہی عالم کو مسئلہ شرعی بتانے پر اجرت لینا حرام کہ یہ اس پر فرض تھا۔ مسئلہ بتانا دینی تبلیغ ہے۔ مگر فتویٰ لکھنے پر خصوصاً جبکہ اس کا فتویٰ کچہری میں پیش ہو اور عالم کو گواہی وغیرہ کے لئے وہاں حاضری دینا پڑے جائز ہے۔ یہ بھی **لا یضار کاتب** سے معلوم ہوا یہ مسئلہ بتانے کی اجرت نہیں بلکہ لکھ کر دینے کی اجرت ہے۔ جیسے فتاویٰ کتابی شکل میں چھاپ کر فروخت کرنا۔ یا پریس والوں سے اپنے فتاویٰ کا حق تصنیف وصول کرنا جائز ہے کہ یہ مسئلہ بتانے کی اجرت نہیں بلکہ اور چیزوں کی اجرت ہے۔ جیسے قرآنی آیات سے دم درود کرنا' آیت لکھ کر تعویذ دینا کہ ان دونوں کی اجرت لینا جائز ہے کہ اس میں آیت کا فروخت کرنا نہیں بلکہ علاج کی اجرت ہے۔ صحابہ کرام نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر سانپ کاٹے پر دم کیا اور تیس بکریاں اجرت لیں۔ **مسئلہ:** اگر گواہ اپنا کام چھوڑ کر تمام دن کچہری میں حاضر رہا تو یہ نقصان مدعی سے لے سکتا ہے۔ یہ گواہی کی اجرت نہیں' بلکہ نقصان کی تلافی ہے۔

تفسیر صوفیانہ : قرآن کی سب سے بڑی آیت یہ قرض کی آیت ہے اور سب سے چھوٹی آیت **مدھامتٰن** ہے اور سب سے بڑی سورۃ بقر ہے اور سب سے چھوٹی سورۃ کوثر ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مالی معاملات اور خلق کے آپس میں تعلقات میں بہت احتیاط چاہئے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ مال کا تعلق جسم سے ہے اور جسم کا نفس سے اور نفس کا روح سے۔ مال کی خرابی جسم کو اور جسم کا نفس کو اور نفس کا بگاڑ قلب کو خراب کر دیتا ہے کیونکہ غذا اور لباس وغیرہ یہ مال ہی تو ہیں۔ معاملات کی خرابی حسد' کینہ اور بغض کا ذریعہ ہے اور یہ چیزیں دین کو ایسے برباد کرتی ہیں جیسے آگ لکڑی کو۔ تعلقات' تین قسم کے ہیں ایک اللہ کا بندوں سے اس کا ظہور یہ ہے کہ وہ انہیں دینی اور دنیوی معاملات کی تعلیم فرماتا ہے تاکہ وہ دنیا کے ذریعہ دین برباد نہ کریں اور دوسرا تعلق بندوں کا اللہ سے وہ یہ کہ بندے یقین رکھیں کہ جیسے مخلوق کے معاملات صاف رہنا ضروری ہیں ایسے ہی انسان کو چاہئے کہ اپنا معاملہ رب کے ساتھ صاف رکھے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ فقط مالی خرید و فروخت کی ہی تحریر و گواہی نہیں بلکہ رب نے مسلمانوں کی جان و مال جنت کے عوض خریدی ان سے عہد و پیمان لئے۔ یہ عہد نامہ جنتی یاقوت میں لکھا گیا۔ اس پر ملائکہ گواہ بنائے گئے اور وہ عہد نامہ سنگ اسود میں محفوظ رکھا گیا۔ (روح البیان) حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن سنگ اسود کی آنکھیں اور منہ ہوں گے۔ جس سے وہ لوگوں کی گواہی دے گا۔ (حاکم) غرضیکہ یہ لکھائی اور گواہی کا دستور رب

تعالیٰ کے ہاں بھی ہے جو کہ علیم و خبیر ہے۔ اب بھی ہمارے سارے کاموں کی تحریر ہو رہی ہے۔ ان پر فرشتے گواہ ہیں۔ قیامت میں اسی تحریر و گواہی پر فیصلہ ہو گا۔ اگر کوئی گواہی پر جرح کرے گا تو اس پر مجرم کے اعضاء سے گواہی دلوادی جائے گی۔ تیسرا تعلق بندوں کا بندوں کے ساتھ ہے۔ بندہ کو غور کرنا چاہئے کہ رب تعالیٰ ہماری خطاؤں اور گناہوں کے باوجود اپنے انعامات بند نہیں فرماتا ہم کو بھی چاہئے کہ آپس کے تعلقات معمولی باتوں سے نہ توڑ دیں اور رب کے حقوق کا لحاظ رکھیں اسی لئے فرمایا گیا **واتقوا اللہ** یعنی ان تینوں تعلقات میں اللہ سے ڈرو اللہ تمہارے قول و فعل اور تمہارے دل کی باتوں اور رازوں کو جانتا ہے۔ تم کو بقدر خلوص جزا دے گا مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے قلب کی تختی کو برے اخلاق کے نقوش سے دھو ڈالیں اور اس پر عالم سرو اخلاق کے نقوش قائم کریں اور سارے حالات میں رب سے معاملہ اچھا رکھیں تاکہ درجات پائیں خیال رکھو کہ قلب آراستہ گھر کی طرح ہے اور گندے اخلاق اس پر گرد و غبار اور کوڑا ہیں۔ جب تک کہ یہ گھر اس کوڑے سے صاف نہ کیا جائے۔ تب تک اس کا محبوب اس آڑ میں رہے گا (روح البیان) عبادات آسان ہیں مگر صفائی معاملات بہت مشکل۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن سلام سے پوچھا کہ عالم کون ہے۔ فرمایا جس کا عمل مطابق علم کے ہو۔ پوچھا علماء کے سینہ سے علم نکالنے والی کون چیز ہے؟ جواب دیا طمع (دارمی و در منثور) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اولاً "خاموشی سیکھو، پھر حلم (بردباری) پھر علم، پھر اس پر عمل کرو (بیہقی و تفسیر در منثور) حضرت ضحاک فرماتے ہیں تین شخصوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ایک زانی جب تک زنا سے توبہ نہ کرے دوسرے وہ شخص جو ادھار کی تجارت کرے اور نہ لکھے نہ گواہ بنائے اور خریدار اس کے قرض کا انکار کر دے۔ رب فرماتا ہے کہ تو نے لکھ کر تجارت کیوں نہ کی۔ تیسرے وہ شخص جو کسی کا مال ظلماً کھائے۔ جب تک کہ اسے واپس نہ کر دے (ہناد و تفسیر در منثور) اور تمام عبادات و معاملات کی اصل خوف الٰہی ہے جس سے انسان کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس آیت کو حکم تقویٰ پر ختم کیا گیا۔"

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ

اور اگر تم ہو اوپر سفر کے اور نہ پاؤ تم لکھنے والا پس گروی ہے قبضہ کیا ہوا پس اگر امین جانے

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو گرو ہو قبضہ میں دیا ہو اور اگر تم میں ایک کو دوسرے

اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ

بعض تمہارا بعض کو پس چاہیے کہ ادا کرے جو امین سمجھا گیا امانت اس کی اور چاہیے کہ ڈرے اللہ

پر اطمینان ہو تو وہ جسے اس نے امین سمجھا تھا اپنی امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے

رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

رب اپنے سے اور نہ چھپاؤ تم گواہی کو اور جو کوئی چھپائے گا اسے پس تحقیق گنہگار ہے دل

جو رب اس کا ہے اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے گا تو اندر سے اس کا دل گنہگار ہے

تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

اس کا اور اللہ اس کے جو کرتے ہو تم جاننے والا

اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** تجارتیں چار قسم کی ہیں۔ نقد' ادھار' تحریر و گواہوں سے۔ ادھار اعتماد پر' دو تجارتوں کا ذکر پچھلی آیت میں ہو گیا یعنی نقد اور ادھار مع تحریر و گواہ باقی دو کا اب تذکرہ ہے۔ ادھار گروی کا اور ادھار اعتماد کا۔ **دوسرا تعلق:** ادھار تجارت میں اعتماد کی چند صورتیں ہیں۔ تحریر و گواہی' رہن' دلی اطمینان ایک کا ذکر پچھلی آیت میں کر دیا گیا۔ یعنی تحریر و گواہی۔ دو کا اب ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** آیت میں گواہوں کو ادائے شہادت کا حکم دیا گیا تھا اور گواہی چھپانے سے منع کیا گیا۔ گواہی بھی ایک قسم کی امانت ہے اور گواہ امین اسی مناسبت سے اب گروی رکھنے کے احکام ارشاد ہو رہے ہیں کیونکہ گروی چیز قرض خواہ کے پاس ایک لحاظ سے امانت ہی ہوتی ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں حضری تجارت کا ذکر تھا۔ یعنی بیوپاری اور خریدار دونوں اسی جگہ کے رہنے والے ہوں جہاں تجارت ہوئی۔ اب پردیسیوں کی تجارت کا ذکر ہے۔ جہاں یہ دونوں یا ان میں سے ایک پردیسی ہو جس کا نہ کوئی جان پہچان والا ہو اور نہ انہیں تحریر و گواہی میسر ہو۔

تفسیر : **وان کنتم علی سفر**۔ ظاہر یہ ہے کہ اس میں تاجر اور خریدار سب سے خطاب ہے اور ممکن ہے کہ ان دونوں میں سے ایک سے ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سارے مسلمانوں سے خطاب ہو۔ یعنی اے تاجرو یا اے خریدارو یا اے بیع و شراء کرنے والو۔ یا اے مسلمانوں اگر تم سفر پر ہو کیونکہ سفر تو ہر ایک کو پیش آسکتا ہے۔ **علی** یا تو بمعنی **فی** ہے یا اپنے ہی مضمون میں۔ اور سفر پر وہ مسافر کہلاتا ہے۔ جو نماز قصر پڑھے خواہ راستہ طے کر رہا ہو یا کہیں عارضی طور ٹھہر جائے اور سفر پر وہ مسافر کہلاتا ہے۔ جو کہیں نہ ٹھہرا ہو۔ لفظ سفر کی لغوی تحقیق ہم اس آیت کی تفسیر میں کر چکے **فمن کان منکم مریضا او علی سفر** یہاں اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں ظاہر ہونا اور کھلنا۔ اسی لئے کتاب کو سفر اور دفتر کو اسفار کہتے ہیں کہ اس سے مضامین ظاہر ہوتے ہیں **کمثل الحمار یحمل اسفارا** صبح کی روشنی کو اسفار اور عورت کے برقعہ اتارنے کو سفر۔ پیغام لانے والے کو سفیر کہا جاتا ہے کہ وہ چھپی بات ظاہر کرتا ہے جھاڑو کو سفر اور جھاڑو دینے کو سفار کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے غبار جھڑ کر اصل زمین ظاہر ہوتی ہے۔ پردیس جانے کو سفر اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے مسافر پر لوگوں کے حالات ظاہر ہوتے ہیں۔ یا یہ شخص گھر سے نکل کر جنگل میں جاتا ہے۔ گویا اب تک چھت کے پردہ میں تھا اب کھل گیا۔ (از تفسیر کبیر) یعنی اے تاجرو اور خریدارو اگر تم دونوں یا تم میں سے ایک مسافر ہو **ولم تجدوا کاتبا**۔ یہ بھی خطاب ان سب ہی سے ہے یا قرض لینے والے سے کیونکہ ضرورت کاتب وغیرہ کی اسی کو زیادہ ہے۔ کاتب نہ ملنے کی چند صورتیں ہیں یا تو لکھنے والا ہی نہ ملے اور ان میں سے کسی کو لکھنا آتا نہ ہو یا قلم و دوات' کاغذ وغیرہ موجود نہ ہو۔ یعنی اور کوئی تم لکھنے والا نہ پاؤ جیسے رب فرماتا ہے **فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا**' اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی پر تیمم کر لو۔ پانی نہ پانے کی تین صورتیں ہیں پانی موجود نہ

ہو' پانی کا کنواں ہو مگر ڈول رسی نہ ہو یا پانی پر سانپ یا دشمن ہے یا پانی موجود بھی ہے۔ قبضہ بھی ہے مگر بیماری کی وجہ سے استعمال پر قدرت نہیں' ان تمام صورتوں میں تیمم جائز ہے۔ ایسے ہی کاتب نہ پانے کی تین صورتیں ہیں اور ہر صورت میں گروی کا حکم ہوگا **فرهن مقبوضة**۔ یہ یا تو پوشیدہ خبر کا مبتدا ہے۔ یا پوشیدہ مبتداء کی خبر' یا پوشیدہ فعل کا نائب فاعل یعنی **المشروع رهن یا فلیوخذ رهن یا فعلیکم رهن**۔ خیال رہے کہ **رهان' رهن** کی جمع ہے۔ رے کا فتح یا کسرہ اور رہن مصدر ہے۔ بمعنی گروی رکھنا۔ لیکن اصطلاح میں اس چیز کو رہن کہا جاتا ہے جو گروی رکھی جائے مصدر بمعنی اسم مفعول۔ اسی کی جمع **رهن** بھی ہے۔ جیسے ثمر کی ثمار اور کلب کی کلاب اور نعل کی نعال اور کبش کی کباش اور رهن بھی جیسے سقف کی جمع۔ اس کی قرأتیں بھی دو ہیں۔ **رهن اور رهان**۔ خیال رہے کہ رہن کے لغوی معنی دو ہیں۔ مضبوطی اور ہمیشگی اسی واسطے راہن بمعنی دائم و ثابت آتا ہے اور مرہون بمعنی مضبوط شاعر کہتا ہے۔

یراهنني فیر ا هنتي بنه　　وارهنه بني بما اقول

بو علی نے کہا ہے۔

فالخبز واللحم لهن راهن　　رتهوو اوتها ساکب

گروی چیز کو اسی لئے رهن کہتے ہیں کہ اس سے قرض کی پختگی ہوتی ہے اور وہ تا ادائے قرض قرض خواہ کے پاس ہمیشہ رہتی ہے۔ **مقبوضة** سے قرض خواہ کا قبضہ مراد ہے۔ یعنی کاتب نہ ملنے کی صورت میں مقروض پر گرو رکھنا لازم ہے۔ جس پر قرض خواہ کا قبضہ ہو جائے۔ مگر یہ گروی صرف پختگی قرض کے لئے ہے۔ اسے بزنس یا نفع بخش کاروبار نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ آج کل بعض مسلمانوں نے ہندوؤں' بنیوں کی دیکھا دیکھی اسے نفع بخش تجارت سمجھ رکھا ہے یہ خالص سود ہے اب بجائے **رهن** کے بیع وفا کرنا چاہئے۔ تاکہ حرام سے بچا جائے۔ **فان امن بعضکم بعضا** ۔ **امن** یا **امن** سے بنا یا **امانة** سے بنا۔ امن بمعنی بے خوفی جس کا مقابل ہے خوف امانت بمعنی امین جاننا' اعتماد کرنا' بھروسہ کرنا یا امانت دینا۔ امن کا اسم فاعل امن اور امانت کا امین ہے۔ **بعضکم** سے قرض دینے والا مراد ہے اور **بعضا** سے قرض لینے والا یعنی اگر اہل معاملہ میں سے قرض خواہ مقروض سے بے خوف ہو اور اس کے انکار وغیرہ کا اندیشہ نہ کرے یا اسے امین جانے اس بنا پر بغیر لکھے پڑھے اور بغیر گواہ شہادت قرض دے دے۔ **فلیو دالذی او تمن امانته**۔ **فلیود'** تادیہ سے بنا جس کا اصل اداء ہے۔ خیال رہے کہ عین واجب کا دینا ادا کہلاتا ہے اور اس کے مثل کا دینا قضاء' یہاں اداء بمعنی قضاء ہے۔ کیونکہ قرض میں واجب کا مثل دیا جاتا ہے نہ کہ عین نیز چونکہ دین ذمہ میں واجب ہوتا ہے اسی لئے اس کے مثل کا دینا گویا عین ہی کا دینا ہے۔ اسی لئے یہاں **ادا** فرمایا گیا (از تفسیر احمدی) **الذی** سے مقروض مراد ہے۔ **او تمن'** **ائتمان** سے بنا' جس کا مادہ امن یا امانت ہے۔ خیال رہے کہ امن اور ائتمان دونوں کے معنی امین جاننا ہیں۔ اسی لئے معتمد شخص کو مامون بھی کہتے ہیں اور موتمن بھی رب فرماتا ہے **هل امنکم علیه الا کما امنتکم علی اخیه** امانت سے مراد قرض ہے اسے امانت فرما کر مقروض کو ادا کی رغبت دی گئی۔ خیال رہے کہ امانت مصدر ہے بمعنی امن۔ قرض کو اسی لئے امانت فرما دیا گیا کہ دینے والے نے مقروض پر اعتماد کیا ہے۔ بلکہ امانت کو بھی اسی واسطے امانت کہتے ہیں کہ وہ اطمینان اور بے خوفی کی بنا پر کسی کے پاس رکھی جاتی ہے۔ **امانته** میں ہ کا مرجع یا قرض خواہ ہے یا مقروض یعنی چاہئے کہ مقروض اس قرض خواہ کا قرضہ وقت پر ضرور ادا کرے۔ جس نے اسے امین جان کر بغیر

لکھت کئے قرض دے دیا۔ تاکہ اس کا اعتبار باقی رہے یا مقروض اپنا قرض جو اس کے ذمہ واجب الادا ہے۔ صحیح وقت پر ادا کر دے۔ قرض کی نسبت قرض خواہ کی طرف بھی ہوتی ہے استحقاق کے لحاظ سے اور مقروض کی طرف بھی واجب فی الذمہ ہونے کی حیثیت سے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قرض خواہ کا قرض اور یہ بھی کہ مقروض کا قرض **ولیتق اللہ ربہ** یہ بھی مقروض سے خطاب ہے۔ یعنی مقروض ادائے قرض میں اپنے رب سے ڈرے کہ بغیر ٹالے ادا کر دے حقوق العباد چونکہ سخت تر ہیں۔ اس لئے یہاں رب کے نام دو فرمائے گئے۔ اللہ اور رب **ولا تکتموا الشھادۃ** یہ گواہوں کو خطاب ہے یا مقروضوں کو یا عام مسلمانوں کو کتم کے لغوی معنی بہت دفعہ بیان ہو چکے یعنی اے مسلمانو یا اے گواہو تم گواہی نہ چھپاؤ تاکہ مدعی کا حق برباد نہ ہو یا اے مقروضو تم کچہری میں جاکر خود اپنے خلاف گواہی دے لو کہ قرض کا اقرار کر لو گواہی چھپانے کی چند صورتیں ہیں۔ گواہی نہ دینا یا خلاف دینا۔ یا حق سے کم کی گواہی دینا یا میعاد قرض میں فرق کر کے گواہی دینا کہ تھوڑی میعاد کو زیادہ بنا دینا اس میں سب سے منع کر دیا گیا۔ **ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ** انہ کی ضمیر یا تو من کی طرف لوٹتی ہے۔ یا ضمیر شان ہے اور اثم خبر اور قلبہ مبتدا۔ اثم اثم سے بنا معنی گنہ یعنی جو گواہ یا مدعی علیہ گواہی چھپائے کہ گواہی نہ دے یا غلط دے یا حق سے کم کی گواہی دے تو اس کا دل گنہگار' فاسق و فاجر ہے۔ خیال رہے کہ یہاں دل کو فاسق کہنے میں عجیب راز ہے۔ ایک یہ کہ تمام گناہوں یعنی زنا' شراب خوری جھوٹ وغیرہ کا تعلق ظاہری اعضاء سے ہوتا ہے۔ جھوٹ کا زبان سے زنا کا شرمگاہ سے' شراب کا حلق وغیرہ سے کہ اس سے یہ اعضاء گنہگار ہوتے ہیں مگر گواہی چھپانے کا تعلق دل سے ہے کہ اس سے دل گنہگار ہوتا ہے اور دل چونکہ ظاہری اعضاء سے اعلیٰ ہے اس لئے اس کے گناہ بھی ظاہری گناہوں سے سخت تر۔ کفر و شرک دل سے ہوتا ہے دوسرے یہ کہ ہر فعل کو اسی عضو کی طرف نسبت کرتے ہیں جس سے وہ صادر ہو کہا جاتا ہے کہ فلاں واقعہ میری آنکھوں نے دیکھا' فلاں بات میرے کانوں نے سنی' چونکہ گواہی چھپانے کی جگہ دل ہے اس لئے اسے دل کا گناہ قرار دیا گیا۔ تیسرے یہ کہ دل تمام جسم کا اصل ہے اگر وہ بگڑا تو سارا جسم بگڑا۔ اور اگر وہ ٹھیک رہا تو سارا جسم ٹھیک رہا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ گواہی چھپانے والے کا دل گنہگار ہو گا۔ جس سے اس کا سارا جسم پھنسے گا۔ چوتھے یہ کہ جھوٹا گواہ یہ نہ سمجھے کہ دیگر جھوٹوں کی طرح اس میں بھی فقط زبان گنہگار ہوئی' نہیں بلکہ اس سے دل بھی گنہگار ہو گا۔ پانچویں یہ کہ عربی میں اصل عضو بول کر سارا جسم مراد لیتے ہیں۔ یہاں بھی قلب بول کر قلب والا مراد چھٹے یہ کہ بعضے گناہ وہ ہیں۔ جس سے دل میں سیاہی پیدا ہوتی ہے اور پھر وہ بڑھتے بڑھتے سارے دل کو گھیر لیتی ہے۔ یہاں فرمایا گیا کہ جھوٹی گواہی کا اثر دل پر پڑے گا کہ اس سے گواہ کا دل کالا ہو گا ابن ابی عبلہ نے قلبہ فتح سے پڑھا ہے۔ یعنی وہ جھوٹا گواہ اپنے دل کو گنہگار کرنے والا ہے (تفسیر روح المعانی و مدارک وغیرہ) تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہاں آثم بمعنی مسخ ہے۔ یعنی جھوٹے گواہ کا دل مسخ ہو جاتا ہے خدا کی پناہ۔ یہ بھی قرض حسن کی ایک قسم ہے کہ مقروض سے کسی قسم کی پختگی کر دے۔ نیز صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے قرض دے دیا جاوے دوسرے قانونی قرضوں میں تو حکومتیں ذمہ دار ہوتی ہیں۔ ایسے قرض کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے کہ اگر مقروض نے نہ دیا تو رب تعالیٰ اس کی سخت پکڑ فرماوے گا۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ **واللہ بما تعملون علیم۔** سے سارے نیک و بد اعمال مراد ہیں اور **تعملون** میں عام مسلمانوں سے خطاب یعنی اے مسلمانو اللہ تمہارے سارے نیک و بد اعمال کا جاننے والا ہے۔ ہر ایک کو عمل کے مطابق سزا یا جزا دے گا۔

خلاصہ تفسیر : اے قرض کا معاملہ کرنے والو اگر تم دونوں یا تم میں سے کوئی ایک مسافر ہو جہاں اس کا کوئی جان پہچان والا نہ

ہو اور تمہیں پردیس میں قرض کے لین دین کی حاجت پڑ جائے اور اتفاقاً" کوئی لکھنے والا یا قلم دوات یا کاغذ نہ پاؤ تو مقروض کو چاہئے کہ اپنی کوئی چیز قرض دینے والے کے پاس گروی رکھ دے جس پر اس کا قبضہ کرا دے۔ لیکن اگر قرض خواہ مقروض کو دیانتدار سمجھ کر اس پر بھروسہ کرے اور بغیر تحریر و گواہی اور بغیر گروی ویسے ہی قرض دے دے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جیسے تمام ظاہری نیکیاں روزہ 'نماز' حج' زکوۃ وغیرہ ظاہر جسم کا تقویٰ ہے مگر مقبول و محبوب بندوں کا ادب دل کا تقویٰ ہے رب فرماتا ہے **ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ** صفا مروہ پہاڑ اللہ کے شعائر سے ہیں اور فرماتا ہے **ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب** کہ جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے ایسے ہی دوسرے گناہ جسم کا فسق ہیں مگر گواہی چھپانا دل کا فسق کہ یہ کبھی کفر بھی ہو جاتا ہے جو علماء حضور انور کے فضائل و مناقب چھپاتے ہیں یا بیان کرنے سے کتراتے ہیں وہ دل کے فاسق ہیں حضور کے مناقب نہ چھپیں گے یہ خود چھپ جائیں گے گرد و غبار یا شامیانہ سے سورج نہیں چھپتا بلکہ یہ شخص اس کے فیض سے چھپ جاتا ہے۔ تو مقروض کو چاہئے کہ وقت پر اس کا قرضہ ادا کر دے۔ کیونکہ اس نے اس پر دو احسان کئے قرض اور وہ بھی بغیر تحریر و گواہی دیا۔ مقروض کو چاہئے کہ اس معاملہ میں اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے کہ نہ تو ادا میں دیر لگائے اور نہ قرض میں کچھ کمی کرے۔ قرض خواہ کی شرافت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اے مسلمانو تم گواہی کبھی نہ چھپاؤ کہ نہ تم گواہی دینے سے انکار کرو۔ نہ اسے بدلو اور نہ اپنے خلاف سچے اقرار سے بچو جو گواہی چھپائے گا وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کی صرف زبان گنہگار ہو گی۔ نہیں بلکہ اس کا دل بھی گنہگار ہو گا اور دل تمام اعضاء سے افضل ہے۔ لہٰذا اس کی نیکی باقی تمام نیکیوں سے افضل اور اس کا گناہ باقی گناہوں سے بڑھ کر ہے دیکھو دل کی نیکی ایمان ہے اور اس کا گناہ کفر جو تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ نیز گواہی چھپانے سے آپس میں کدورت اور بغض پیدا ہو گا جس کا انجام جنگ و جدال اور خونریزی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ بغض وغیرہ دل کی بیماریاں ہیں۔ غرضکہ گواہی چھپانا بلاواسطہ بھی دل کی بیماری ہے اور بہت سی دلی بیماریوں کا ذریعہ لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے اللہ تمہارے ہر ظاہر باطن 'نیک و بد اعمال کا جاننے والا ہے ہر ایک کو بقدر عمل جزا و سزا دے گا اور ممکن ہے کہ **فان امن** سے امانت رکھنے کا ذکر ہو۔ یعنی اگر تم میں سے کوئی کسی کے پاس امانت رکھے تو امین کو چاہئے کہ امانت صحیح طور پر ادا کرے۔ چونکہ گواہی بھی گویا امانت ہے اس لئے اس کے ساتھ یہ مسئلہ بھی بیان فرما دیا گیا۔ **واللہ اعلم۔** کسی کے پاس رکھا یہ بھی امانت ہے کسی کی کوئی چیز پڑی مل گئی' یہ بھی امانت ہے فوت شدہ شخص کا مال' اس کی اولاد ہماری تحویل میں آ گئی یہ بھی امانت ہے۔ کسی نے اپنا راز ہم سے کہہ دیا' یہ بھی امانت ہے اس کی رازداری چاہئے بشرطیکہ وہ راز کسی ظلم کا نہ ہو ورنہ ظاہر کر دے کسی کے یتیم بچے ہماری پرورش میں آ گئے یہ بھی امانت ہے بلکہ بادشاہ و رعایا کا امانتی ہے۔ بہرحال امانت کی بہت صورتیں ہیں اور ان کے بہت احکام امانت داری بہت اہم چیز ہے اس میں بہت مشکلیں مگر جس پر اللہ تعالیٰ کرم کرے۔

فائدے اور مسائل : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** شرط کی نفی سے حکم کی نفی لازم نہیں۔ دیکھو اس آیت میں گروی رکھنے کا حکم بشرط سفر دیا گیا یعنی جب ان دونوں میں سے کوئی مسافر ہو تو مقروض گروی رکھے' حالانکہ سب کا اتفاق ہے کہ وطن میں بھی گروی رکھنا جائز ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو آپ کی زرہ شریف ابو شحم یہودی کے پاس کچھ غلہ کے عوض گروی تھی جسے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھڑایا (خازن) رب فرماتا ہے **فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ' ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا۔** دیکھو اس آیت میں قصر نماز کو

خوف کفار سے مشروط کیا حالانکہ بغیر خوف بھی سفر میں قصر کا حکم ہے۔ دوسرا فائدہ: گروی کے لئے کاتب نہ ملنے کی شرط نہیں گواہ و کاتب ملتے ہوئے بھی گروی رکھنا جائز ہے۔ جیسا کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا۔ لہذا یہ دونوں شرطیں اتفاقی ہیں نہ کہ احترازی۔ تیسرا فائدہ: رہن میں مرہون چیز پر قرض خواہ کا قبضہ ضروری ہے کہ اس کے بغیر رہن مکمل نہ ہوگا جیسا کہ مقبوضۃ سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: قرض کے لئے تحریر گواہ، رہن وغیرہ تمام چیزیں مستحب ہیں نہ کہ واجب اور سارے امر استحبابی ہیں نہ کہ وجوبی جیسا کہ **فان امن** سے معلوم ہوا۔ کیونکہ اگر یہ چیزیں فرض ہوتیں تو ان کے بغیر قرض دینا جائز ہی نہ ہوتا۔ پھر **فان امن** کے کیا معنی۔ نوٹ: جن لوگوں نے ان اوامر کو وجوب کے لئے مانا وہ **فان امن** سے ان سب کو منسوخ مانتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ یہ احکام استحبابی ہیں اور آیت مداینہ کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ پوری آیت مداینہ محکم ہے (کبیر) پانچواں فائدہ: حقوق کی گواہی چھپانا حرام۔ خواہ حقوق شرعیہ ہوں یا بندوں کے حقوق گواہی کے اقسام اور احکام پچھلی آیت میں ہم بیان کرچکے ہیں یہ مسئلہ **لا تکتموا** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: گواہی چھپانا گناہ کبیرہ ہے۔ جیسا کہ **اثم قلبه** سے معلوم ہوا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اکبر الکبائر شرک ہے اور جھوٹی گواہی اور گواہی چھپانا (تفسیر مدارک و احمدی) ساتواں فائدہ: مال برباد کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ ان سارے احکام سے معلوم ہوا۔ لہذا جوا، شراب خوری، سینما وغیرہ سب حرام کہ اس میں مال کی بربادی ہے۔ (احمدی) آٹھواں فائدہ: مسلمانوں میں اتفاق اور اتحاد رہنا بہت ضروری ہے اسی لئے مال کے لین دین پر اتنی قیدیں لگادی گئیں۔ تاکہ مسلمانوں میں اتفاق قائم رہے۔ نواں فائدہ: قرض پر گروی رکھا جاسکتا ہے نہ کہ امانت یا عاریت پر اسی لئے قرآن کریم نے دین کے ساتھ رہن کا ذکر کیا۔ دسواں فائدہ: بیع سلم میں مسلم فیہ کے عوض گروی رکھنا جائز ہے کیونکہ وہ بھی تاجر پر قرض ہے (احمدی) مسئلہ: رہن صرف ذی قیمت مال رکھا جاتا ہے۔ لہذا کوئی شخص اپنی بیوی بچوں یا اپنے کو گروی نہیں رکھ سکتا کیونکہ یہ مال نہیں۔ اس طرح کوئی مسلمان شراب یا سور گروی نہیں رکھ سکتا کیونکہ یہ ذی قیمت مال نہیں۔ مسئلہ: صرف ایجاب و قبول سے رہن مکمل نہیں ہوتا۔ جب تک کہ مرتہن یعنی قرض خواہ اس پر قبضہ نہ کرلے خیال رہے کہ خرید و فروخت اور نکاح و اجارہ، صرف ایجاب و قبول سے مکمل ہوجاتے ہیں مگر رہن و ہبہ بغیر قبضہ غیر مکمل۔ مسئلہ: مرہون چیز سے کوئی فرق فائدہ نہیں اٹھاسکتا۔ نہ گروی دینے والا نہ لینے والا۔ مسئلہ: مرہون چیز کی زکوٰۃ کسی پر واجب نہیں کیونکہ مالک کا اس پر قبضہ نہیں۔ اور قرض خواہ کی اس پر ملکیت نہیں۔ ہاں جب مقروض اپنا رہن چھڑالے۔ تب اس پر گزشتہ سالوں یعنی زمانہ قرض کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مگر قرض وضع کرکے۔ مسئلہ: مرہون چیز قرض خواہ کے پاس بقدر قرض مضمون ہے اور اس سے زیادہ امانت۔ لہذا اگر مرہون کی قیمت قرض سے زائد تھی اور وہ قرض خواہ کے پاس ضائع ہوگئی تو قرض خواہ کا قرض گیا۔ اور زیادتی کا ضمان نہیں اور اگر اس کی قیمت قرض کے برابر تھی تو بھی یہی حکم ہے اور اگر قرض سے کم تھی تو بقدر قیمت قرض ختم ہوگیا اور باقی مقروض سے لے۔ مسئلہ: مرہون پر جو کچھ قرض خواہ خرچ کرے وہ خرچ بھی قرض میں شمار ہوگا۔ مثلاً مرہون گھوڑے کو جو گھاس دانہ قرض خواہ نے دیا۔ اس کی قیمت مقروض سے لے گا۔ مسئلہ: مرہون کی آمدنی بھی قرض کے عوض گروی رہے گی۔ مثلاً کسی کے پاس بھینس گروی تھی تو اس کے گھی دودھ کی قیمت اور اس کے بچے خرچ وضع کرکے قرض خواہ کے پاس گروی رہیں گے۔ مقروض قرض ادا کرکے یہ سب کچھ چھڑالے۔ مسئلہ: پنجاب میں جو رہن کا رواج ہے کہ کسی کا کھیت

اپنے پاس گروی رکھا۔ اور اس کی آمدنی کھائی پھر پورا قرض لے کر واپس کیا یہ حرام ہے اس کے لئے بجائے رہن کے بیع وفا کرنی چاہئے' جس کا طریقہ ہم پہلے بیان کر چکے۔ **مسئلہ:** مالک بنانے کے چار طریقے ہیں بیع' ہبہ' کرایہ' عاریت۔ مال کے عوض مال کا مالک کرنا بیع ہے بغیر عوض کچھ دے دینا ہبہ۔ مال کے عوض نفع کا مالک کرنا' کرایہ اور بلا معاوضہ نفع کا مالک کرنا عاریت ہے۔ **مسئلہ:** ہبہ کی تین صورتیں ہیں۔ صدقہ' نذر' ہدیہ محض رضاالٰہی کے لئے کسی کو کچھ دینا صدقہ ہے رضاالٰہی کے لئے کسی کو کچھ دے کر خوش کرنا نذر جیسے ماں باپ یا پیر استاد کا نذرانہ آپس میں تعلقات بڑھانے کے لئے تحفۃ" کچھ دینا ہدیہ' صدقہ اور نذر واپس لینا منع ہے ہدیہ کا واپس لینا جائز ہے اگرچہ برا۔ **مسئلہ:** سات صورتوں میں ہدیہ کی واپسی منع ہو جاتی ہے' جس کا جمع ہے۔ **دمع خزقہ** **مسئلہ:** امانت ضائع ہونے میں امین پر تاوان نہیں ہاں اگر امین عمداً" ضائع کر دے تو تاوان ہے خیال رہے: کہ امانت صرف مال ہی کی نہیں ہوتی بلکہ راز و مشورہ کی بھی ہوتی ہے حدیث شریف میں ہے۔ **المستشار موتمن۔** **مسئلہ:** اگر کوئی شخص کسی کو کچھ رقم اپنے کسی کام میں خرچ کرنے کو دے تو اس پر لازم ہے کہ دیانت داری اور خیر خواہی کے ساتھ اس کے کام پر خرچ کرے' اگر پوری رقم خرچ نہ کی تو خائن ہوا اور اگر رقم بے جا زیادہ صرف کر دی تو بھی خائن ہوا۔ **مسئلہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے بہت صفات سے نوازا' ان صفات میں بڑی صفت امانتداری ہے کفار مکہ بھی حضور کو نبوت سے پہلے محمد امین کہتے تھے اب بھی حضور کے روضہ کی جالی پر یہ مضمون ہے۔ **محمد رسول اللہ صادق الوعد الامین۔** جبرئیل امین کا بھی لقب روح الامین ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ امین ہونا بڑی خوبی ہے اور امانت بڑا وصف ہے۔

اعتراض: **پہلا اعتراض:** اس آیت میں **مقبوضۃ'** **رھن** کی صفت ہے اور علم اصول کا مسئلہ ہے کہ صفت اور شرط کے بدلنے سے حکم نہیں بدلتا۔ تو چاہئے کہ جیسے سفر رہن کے لئے شرط نہیں۔ ایسے ہی قبضہ بھی شرط نہ ہو۔ بلکہ دیگر معاملات کی طرح صرف ایجاب و قبول سے رہن بھی کامل ہو جائے (امام مالک) **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ رہن ایک قسم کا وثیقہ اور مضبوطی ہے اور بغیر قبضہ یہ پختگی حاصل نہیں ہو سکتی اور جس صفت کے بغیر مقصود بدل جائے وہ حکم کے لئے قید ہوتی ہے (احکام القرآن) دوسرے یہ کہ رہن کا حکم نہ صرف اس آیت سے ہی لیا گیا اور آیت میں تو قبضہ کی قید ہے۔ لہٰذا اب بغیر قبضہ رہن کو جائز کرنا قرآنی مقید کو مطلق کرنا ہے اور یہ بلا نص جائز نہیں۔ ہاں اگر دوسری نص مطلق ہوتی تو یہ کہا جا سکتا تھا۔ تیسرے یہ کہ رہن میں قبضہ کی قید ایسی ہے جیسے گواہوں میں مرد ہونے مسلمان ہونے اور عادل کی قید۔ کیونکہ یہ مسئلہ اسی پر تو معطوف ہے اور وہ قید گواہوں کے لئے احترازی تھیں کہ کافر اور فقط عورتوں اور فاسقوں کی گواہی معتبر نہیں۔ لہٰذا قبضہ کی قید بھی رہن میں ایسی ہونی چاہئے (احکام القرآن) اسی لئے آئمہ حنفیہ فرماتے ہیں کہ مشاع (حصہ غیر معین) کا رہن جائز نہیں۔ خلاصہ یہ کہ قبضہ سے رہن وثیقہ بنتا ہے اور بغیر قبضہ نہ وہ رہن ہے نہ وثیقہ۔ لہٰذا یہ صفت لازم ہے **دوسرا اعتراض** رہن کا تاوان کیوں واجب ہے چاہئے کہ وہ بھی مثل امانت کے ہو۔ **جواب** اس لئے کہ آیت میں رہن پر امانت کا عطف کیا گیا اور معطوف علیہ معطوف کا غیر ہوتا ہے اگر اس کا تاوان نہ ہوتا تو یہ امانت بنتی' پھر امانت کا اس پر عطف کرنا کیا معنی (احکام القرآن) **تیسرا اعتراض** تو پھر رہن قرض سے زیادہ میں کیوں امانت ہے؟ **جواب:** اس لئے کہ حدیث شریف میں ایسا ہی آیا ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا **الرھن بما فیہ۔** حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی کے

پاس گھوڑا گروی رکھا۔ قرض خواہ کے پاس گھوڑا مر گیا مقروض نے بارگاہ نبوی میں دعویٰ کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے قرض خواہ سے فرمایا **ذھب حقک** دوسری روایت ہے۔ **لا شئی لک**۔ (احکام القرآن) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرہون کا بقدر قرض ضمان ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت میں **امن** سے قرض بلا تحریر دینا مراد ہے نہ کہ امانت۔ پھر اس سے دلیل پکڑنا غلط۔ جواب: قرآن کی عبارت میں الفاظ کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے اور ہم نے تفسیر میں عرض کر دیا کہ **امن یا امن** سے بنایا **امانت** سے بلکہ ایسے قرض کو امانت اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ امانت کی طرح محض اعتماد پر دیا گیا۔ ورنہ حقیقتاً امانت وہی ہے جو بطور ودیعت کسی کو دی جائے۔ پانچواں اعتراض: جب رہن کا حکم عام ہے تو اس آیت میں سفر کی قید کیوں لگائی گئی۔ جواب: اس لئے کہ گروی رکھنا سخت مجبوری کی حالت میں ہے جب مقروض قرض خواہ کو کسی طرح مطمئن نہ کر سکے تو کچھ گروی رکھے اور ایسی مجبوری اکثر سفر میں درپیش آتی ہے۔ وطن میں لوگ ضامن بن جاتے ہیں گواہی اور تحریر وغیرہ سے قرض خواہ کا اطمینان کرایا جاسکتا ہے اس لئے یہ قید لگادی گئی۔ خیال رہے کہ آج کل رہن آمدنی کا ذریعہ بنالیا گیا اس لئے وطن میں بھی اس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ شریعت میں رہن کی آمدنی قرض خواہ کے لئے حرام ہے وہ صرف قرض کی پختگی کے لئے ہے۔ تاکہ قرض خواہ اس کے ذریعہ ضرورت کے وقت قرض وصول کر سکے اس لئے وطن میں اس کی ضرورت کم درپیش ہوتی تھی۔

تفسیر صوفیانہ : دین دار لوگوں کے دو گروہ ہیں۔ واقفین اور سائرین واقف تو وہ لوگ ہیں جو صورت پر ٹھہر گئے۔ معنی کی طرف نہ جاسکے وہ تو مثل اس چوزہ (مرغ کا بچہ) کے ہیں جو انڈے میں قید ہو کہ ان کا رزق صرف عالم اجسام سے ہی ہے اور وہ اسی جیل میں قید' اس پر کراماً" کاتبین مقرر ہیں جو اس کے اعمال ظاہرہ برابر لکھتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ قالب سے قلب کی طرف' صورت سے سیرت کی طرف جسم سے روح کی طرف راہ نہ پاسکے ان کے سارے اعمال معاملات ہوں یا عبادات اس عالم میں سے ہیں۔ سائرین وہ لوگ ہیں جو صورت پر نہ ٹھہرے' اور اس منزل پر قیام نہ کیا بلکہ اس عالم سے عالم معنی کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ ان کی پھر دو قسمیں ہیں سیار اور طیار' سیار وہ ہے جو شریعت و عقل کے قدم سے طریقت کی راہ طے کر رہے ہیں اور طیار وہ ہیں جن کے پیروں میں شریعت کے گھنگرو ہیں اور وہ عشق و ہمت کے پروں سے فضائے حقیقت میں اڑ رہے ہیں۔ ان کے باطنی اعمال تحریر کے قابل نہیں ان کی کراماً" کاتبین کو خبر بھی نہیں۔

میان عاشق و معشوق رمزیست کراماً" کاتبین را ہم خبر نیست

بعض اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ میرے بائیں ہاتھ کے فرشتہ نے بیس سال سے کچھ نہ لکھا۔ بعض نے فرمایا کہ مجھ سے داہنا ہاتھ کے فرشتہ نے کہا کہ براہ مہربانی اپنے قلبی معاملات میں سے کچھ ظاہر کرو تاکہ میں نامہ اعمال میں لکھ کر رب سے قرب حاصل کروں' ہم نے اس سے کہہ دیا کہ تمہارے واسطے ظاہری فرائض ہی کافی ہیں' لکھے جاؤ' سمن' وارنٹ' قید و بند' توکیل کی ضرورت اس کے لئے ہے۔ جو صاحب حق کا حق ادا نہ کرے اور اس سے بھاگا پھرے مگر جو دن رات حق والے کے دروازہ پر پڑا رہے نہ اسے پکڑوانے کی ضرورت ہے اور نہ اس کو وکیل کی حاجت۔ یہاں ان سیارین سے خطاب ہو رہا ہے کہ اگر تم عالم ظاہر سے عالم باطن کی طرف سفر کرو۔ اور اس راہ میں تم کراماً" کاتبین وغیرہ کسی لکھنے والے کو نہ پاؤ۔ کیونکہ وہ تو ظاہری اعمال لکھتے ہیں تو تم اپنے قلب کو رب کے پاس گروی رکھ دو جو پہلے ہی سے اس کے قبضہ میں ہے **القلب بین اصبعین من اصابع الرحمن**۔ سیار کا تو یہ حال تھا مگر عاشق طیار وہ تو پہلے ہی سے اپنا قلب اور عقل کھو چکا اور سب کچھ رب کے حوالہ کر چکا اس کا

قلب ایسی امانت ہے جسے بجز پروردگار کوئی نہیں رکھتا (روح البیان) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جب مخلوق کی امانت کی اتنی احتیاط ہے تو خالق کی امانت کتنی بڑی احتیاط کی چیز ہے ہمارے جان و مال' اولاد وغیرہ سب رب کی امانتیں ہیں۔ جس میں خیانت کرنا بڑا جرم ہے ان سے برے کام لینا' یہ ہی خیانت ہے رب فرماتا ہے **ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا** ۔ کان' آنکھ' دل سب کے بارے میں سوال ہو گا اور فرماتا ہے **ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید** جو بات بھی انسان کرتا ہے اس کی تحریر و گواہی قائم ہوتی ہے ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہ عضو رب کی امانت ہیں۔ جن میں امانت داری بہت ضروری ہے۔ فرماتا ہے۔ **انا عرضنا الا مانتہ علی السموت و الارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان** اس امانت کو آسمان و زمین پہاڑ برداشت کر سکے انسان نے برداشت کر لی وہ امانت کیا ہے۔ یا تو احکام شرعیہ کی امانت ہے یا عشق الٰہی کی امانت' جو صرف انسان کے حصہ میں آئی' اگر امانت داری کرے تو ثواب کا مستحق ہے ورنہ عذاب کا اور صاحب حق کی گواہی چھپانا سخت گناہ۔ رب کی گواہی چھپانا کفر ہے۔ ساری مخلوق اس کی ذات و صفات' اس کے پیغمبروں اور اس کی کتابوں کے گواہ ہیں جو یہ گواہی ادا نہیں کرتا وہ مجرم ہے اور جو بصدق دل پڑھتا ہے۔ **اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ** وہی کامیاب ہے۔ بشرطیکہ یہ گواہی صدق دل سے ہو نہ کہ محض زبان سے اس لئے فرمایا گیا **واللہ بما تعملون علیم**۔ رب جانتا ہے کہ کس کی گواہی قابل قبول ہے اور کس کی قابل رد اور گواہیاں صرف ایک دو بار دی جاتی ہیں یہ گواہی توحید و رسالت ہر وقت ہر حالت میں' مرتے جیتے نیز اور گواہیاں صرف حاکم کے سامنے دی جاتی ہیں یہ گواہی توحید و رسالت کی گواہی ہر جگہ حتی کہ موذن نماز کا بلاوا ایسے دیتا ہے یہ گواہیاں پہلے ہر مومن کو چاہئے کہ تنہا جنگل میں ایک آدھ بار باواز بلند کلمہ پڑھ دے تاکہ وہاں کے شجر و حجر اس کے ایمان کے گواہ بن جاویں۔ جیساکہ حدیث شریف میں ہے جو اس زندگی میں ہر جگہ ہر وقت ہر طرح توحید و رسالت کی گواہی دے گا۔ کل قیامت میں اللہ و رسول بلکہ فرشتے اس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ پھر توحید و رسالت کی گواہی صرف زبان سے نہ دے بلکہ زبان' جنان' ارکان شکل لباس' وضع قطع سب سے گواہی دے کہ وہ شکل بھی مسلمانوں کی سی بنائے۔ لباس بھی مسلمانوں کا سا پہنے جو مسلمان لباس و شکل کفار کی سی رکھیں وہ ایک قسم کی گواہی چھپاتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو مقبول گواہی پر زندہ رکھے اور اسی پر خاتمہ نصیب فرمائے۔

وہ ہی موت ہے وہ ہی زندگی جو خدا نصیب کرے مجھے
کہ مرے تو ان ہی کے نام پر جو جئے تو ان پر نثار ہے

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ
واسطے اللہ ہی کے ہے وہ جو بیچ آسمانوں اور جو زمین کے ہے اور اگر ظاہر کرو گے تم اس کو
اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ

اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ

جو کچھ دلوں تمہارے کے ہے یا چھپاؤ گے اس کو حساب لے گا تمہارا ساتھ اس کے اللہ پس بخشے گا

تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا تو جسے چاہے گا

يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

بخشے گا واسطے جس کے چاہے گا اور عذاب دے گا جس کو چاہے گا۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت والا ہے

اور جسے چاہے گا سزا دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: سورہ بقر میں عقائد اور شرعی احکام کا ذکر ہوا نماز' زکوۃ' روزہ' حج' قصاص' جہاد' حیض' طلاق' عدت' مہر' تجارت' سود قرض وغیرہ تفصیل وار بیان ہوئے اب آخر سورت میں رب کی کمال قدرت و علم کا ذکر ہو رہا ہے تاکہ بندے خوف الٰہی سے ان سب پر عمل کریں گویا اب تک قوانین کا ذکر تھا اور اب ان پر عمل کرانے کے لئے رب کی قاہر حکومت کا بیان ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تمہارے اعمال کا جاننے والا ہے اب اس کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے۔ یعنی اس لئے علیم ہے کہ سب کچھ اس کی ملک اس کی خلق ہے اور خالق و مالک اپنی مخلوق' مملوک کو جانتا ہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں قرض کے لکھنے اور اس پر گواہ بنانے کا ذکر تھا جس سے لوگوں کے مال کی حفاظت مقصود تھی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان احکام' کے نفعے تم ہی کو ہیں۔ ہماری ملکیت سے تو کوئی چیز نکل سکتی ہی نہیں۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ گواہی چھپانا دل کا گناہ ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کے سوا اور گناہ بھی دل کا گناہ ہے۔ جس کا حساب لیا جائے گا (کبیر و احمدی) **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ گواہی چھپانے سے دل گنہگار ہوتا ہے۔ اب اس مسئلہ کی تحقیق فرمائی جارہی ہے کہ دل کے برے افعال میں سے کون سا فعل گناہ ہے اور کون سا نہیں۔

تفسیر : **للہ ما فی السموت وما فی الارض**۔ للہ میں لام ملکیت کا ہے اور یہ ایک پوشیدہ عبارت کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے۔ نیز ہمارے علم کی رسائی' ان آسمان و زمین تک ہی ہے جسے عالم اجسام کہتے ہیں۔ باقی تمام عالم ہمارے مشاہدے سے دور ہیں۔ اس لئے اس عالم کا ہی ذکر ہوا ورنہ رب تعالیٰ کی ملکیت و خلقت' ان چیزوں میں منحصر نہیں یعنی وہ تو رب العالمین ہے۔ اس نے صدہا عالم بنائے سب کو پال رہا ہے اور **ما** مبتدا موخر۔ اس کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ **ما** سے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں مراد ہیں۔ چونکہ بے عقل چیزیں نوعیت میں زیادہ ہیں اور عقل والی کم۔ اس لئے یہاں **ما** فرمایا گیا۔ اگرچہ آسمان بھی سات ہیں اور زمینیں بھی سات مگر چونکہ آسمانوں کی حقیقتیں مختلف ہیں کوئی چاندی کا کوئی سونے کا وغیرہ اور ساری زمینوں کی حقیقت ایک مٹی ہے نیز آسمانوں میں فاصلہ ہے اور سات زمینیں پیاز کے چھلکوں کی طرح' ایک دوسری سے چمٹی ہوئی ہیں۔ اس لئے **سموات** جمع اور **ارض** واحد لایا گیا اور **خلق لکم** میں لام نفع کا ہے یعنی ہر چیز اللہ کی ملک ہے۔ کسی اور کی نہیں حقیقی مالک وہ ہے مگر رب نے ہر چیز بنائی ہے تمہارے نفع کے لئے وہ خود نفع اٹھانے سے پاک ہے یعنی

آسمان و زمین کی ساری چیزیں اللہ ہی کی ہیں کہ وہ ان کا مالک و خالق ہے جیسا چاہے تصرف کرے اس کے مقابل کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فلاں چیز میری ہے۔ **وان تبدوا ما فی انفسکم** یہ جملہ پچھلے جملہ پر متفرع ہے۔ **تبدوا** **ابداء** سے بنا جس کا مادہ ہے **بدء** بمعنی ظہور۔ شروع کرنے کو اسی لئے ابتداء کہتے ہیں کہ اس سے شئی ظہور میں آتی ہے۔ یہاں **ما** سے مراد دل کی بری چیزیں ہیں جیسا کہ اگلے جملہ سے معلوم ہو رہا ہے اور ممکن ہے کہ اس سے دل کی ساری اچھی چیزیں اور بری چیزیں مراد ہوں۔ فی ظرف ہے **انفس**۔ **نفس** کی جمع ہے۔ نفس کے چند معنی ہیں سانس، ذات، دل، نفس امارہ یہاں دل یا نفس امارہ مراد ہے۔ دل میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز دل کی صفت بن جائے اور اصلی طور پر اس میں سما جائے۔ جیسے برے اخلاق، حسد، غرور، تکبر، ناشکری، گواہی چھپانا، اور برے کاموں کا ارادہ (روح المعانی) اس تفسیر کا خیال رہے اس سے بہت اعتراضات خود بخود اٹھ جائیں گے کیونکہ برے خیالات اور اوہام **فی انفسکم** میں داخل ہی نہیں ہوئے کہ اس سے نفس موصوف نہیں ہوئی۔ لہٰذا یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ یعنی فی اگر تم اپنے دل کے عیوب نفس کی بری صفات لوگوں پر ظاہر کرو کہ علانیہ بری حرکتیں کرو یا خفیہ یا چھپ کر گناہ کرو۔ یا علانیہ **او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ**۔ یہ **ان تبدوا** پر معطوف ہے **تخفوا** کا مصدر **اخفاء** اور مادہ **خفی** ہے بمعنی چھپنا ظہور کا مقابل۔ خیال رہے کہ یہاں ظاہر کرنا یا چھپانا بندوں سے مراد ہے ورنہ رب تعالیٰ پر ہر چیز ظاہر ہے یعنی اگر تم اپنی بری عادتوں اور برے ارادوں اور برے اخلاق کو لوگوں پر ظاہر کرو یا ان سے چھپاؤ کہ خفیہ طور پر گناہ کرو چونکہ علانیہ گناہ خفیہ گناہ سے بدتر ہے کہ **علان** میں گناہ بھی ہے۔ بے شرمی بھی اور لوگوں کو اپنے خلاف قیامت میں گواہ بنانا بھی خصوصاً بزرگوں کے سامنے گناہ کرنا اس لئے علانیہ گناہ کا ذکر پہلے ہوا خفیہ کا بعد میں بہرحال تم جو گناہ بھی کرو رب قیامت میں تم سے حساب ضرور لے گا۔ حساب کے معنی اور اس کی تحقیق اور اقسام پہلے پارہ میں عرض کئے جا چکے ہیں۔ **بہ** کا مرجع **ما** ہے اور چونکہ قیامت کے دن فرشتوں کے سارے کام رب کے حکم سے ہوں گے۔ اس لئے ان کا فعل رب کا فعل ہے۔ اس لئے اگرچہ حساب ملائکہ لیں گے۔ مگر وہ فعل حقیقتاً رب ہی کا ہوگا۔ پھر حساب کا انجام یہ ہوگا کہ **فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء** یہ دونوں نئے جملے ہیں اسی لئے مضارع مرفوع ہے **یغفر**، **غفر** سے اور **یعذب**، **عذب** سے بنا۔ **غفر** بمعنی ڈھکنا اور **عذب** بمعنی روکنا اسی لئے چھلکے کو غفر کہتے ہیں کہ وہ مغز کو ڈھانپے ہوتا ہے اور میٹھے پانی کو **ماء عذب** کو وہ پیاس کو روکتا ہے۔ اس کی مفصل تشریح پہلے سیپارہ میں ہو چکی۔ بخشش کو مغفرت اور سزا کو عذاب کہا جاتا ہے۔ دونوں جگہ **یشاء** کا مفعول پوشیدہ ہے دونوں جگہ **من** سے مراد مجرم ہیں نہ کہ نیک کار بندے کہ معافی یا سزا دینا جرم پر ہی ہوتا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ ہر ظاہر و پوشیدہ عیوب کا حساب لے گا۔ پھر جس مجرم کو چاہے گا۔ اپنے فضل سے بخشے گا اور جس کو چاہے گا اپنے عدل سے عذاب دے گا۔ چونکہ عذاب پر مغفرت اور غضب پر رحمت غالب ہے۔ اس لئے مغفرت کا ذکر پہلے کیا گیا۔ **واللہ علی کل شیء قدیر**۔ یہ جملہ گویا گزشتہ کی دلیل ہے یعنی رب تعالیٰ چونکہ سب کا حاکم ہے کسی کا محکوم نہیں، سب اس کے محکوم و مخلوق ہیں۔ سو وہ ہر چیز پر قادر ہے کسی کو اس پر قدرت نہیں۔ لہٰذا بخشنے اور عذاب دینے میں اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اس آیت کی پوری تحقیق اور شئی کے لغوی و اصطلاحی معنی پہلے سیپارہ میں مسئلہ امکان کذب کے ماتحت ہو چکی۔

خلاصہ تفسیر: آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اللہ ہی کی ملک اس کی مخلوق ہیں۔ ان میں کسی کی شرکت نہیں۔ تم لوگ

اپنے نفسانی عیوب میں سے جو ظاہر کرو اور جو چھپاؤ اس طرح کہ علانیہ ظاہر ظہور گناہ کرو یا خفیہ چھپ کر گناہ کرو یا دل کے خطرات اور ارادہ ظاہری ہو یا باطنی رب سب کا حساب لے گا۔ بعد حساب بری کرے کہ گناہ دکھا کر اقرار کرا کر معاف فرما دے یا اس پر پکڑ فرمادے حساب ضرور لے گا۔ کیونکہ ہر چیز اس کے علم میں ہے تمہارے اظہار پر اس کا جاننا موقوف نہیں۔ پھر حساب لے کر جس مجرم کو چاہے گا۔ محض اپنے فضل و کرم سے بخش دے گا اور جس کو چاہے گا محض اپنے عدل و انصاف سے عذاب دے گا۔ کیونکہ وہ شہنشاہ مختار ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ رب تعالٰی ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ لہٰذا دل کے چھپے عیوب پر مطلع ہو کر حساب لینا اور کسی کو بخش دینا اور کسی کو سزا دینا تعجب نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ہر چیز کا مالک حقیقی رب تعالٰی ہے۔ اس کے ماسوا کی ملکیت مجازی عطائی اور فانی ہے۔ جیسا کہ للہ کے حصر سے معلوم ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **وجاھدوا باموالکم وانفسکم۔** اپنے جان و مال سے جہاد کرو اس میں جان و مال کو مسلمانوں کی چیز قرار دیا گیا۔ یعنی حقیقی ملک رب تعالٰی کی ہے اور مجازی ملک مخلوق کو بھی حاصل ہے اس قسم کے تمام حصروں کا یہی حال ہے جیسے اللہ کافی گواہ ہے۔ اللہ کافی وکیل ہے اللہ کافی حساب لینے والا ہے کہ اس کی یہ تمام صفات حقیقی ہیں اور دوسروں کی مجازی اسی طرح **لہ غیب السموت والارض** کہ زمین و آسمان کا غیب رب ہی کا ہے۔ یعنی علم حقیقی رب کے ساتھ خاص ہے اور عطائی مجازی اس کے پیاروں کو بھی حاصل ہے جو لوگ اس آیت کی آڑ میں انبیائے کرام کے علم غیب عطائی کا بھی انکار کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ سورہ بقرکی آیت سے مخلوق کی ملکیت کا بھی انکار کریں نہ کسی کو گواہ مانیں' نہ وکیل' نہ بادشاہ' دیکھو پھر کیا لطف آتا ہے غرض ہر چیز میں ذاتی اور عطائی کا فرق کرنا پڑے گا۔ دوسرا فائدہ: رب تعالٰی اولاد وغیرہ سے پاک ہے۔ کیونکہ اپنی اولاد اور بیوی پر ملکیت نہیں ہوتی اگر معاذ اللہ رب کی اولاد یا بیوی ہوتی تو وہ تمام کا مالک نہ ہوتا۔ لہٰذا اس آیت میں مشرکین کا بھی رد ہے۔ جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور عیسائی یہودیوں کی بھی تردید ہے۔ حضرت عیسیٰ یا عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ تیسرا فائدہ: حساب و حشر حق ہے۔ جیسا کہ **یحاسبکم** سے معلوم ہوا۔ لہٰذا اس میں معتزلہ اور روافض کا رد ہے جو حساب کے منکر ہیں جب دنیا میں مالک اپنے غلاموں سے معمولی چیزوں کا حساب لیتے ہیں تو رب تعالٰی اپنی اتنی نعمتوں کا حساب کیوں نہ لے۔ چوتھا فائدہ: گناہ کبیرہ کی مغفرت اور گناہ صغیرہ پر عذاب ہو سکتا ہے جیسا کہ **لمن یشاء** کی تعبیر سے معلوم ہوا۔ مگر خیال رہے کہ کبیرہ سے کفر کے سوا دیگر گناہ مراد ہیں۔ کفر کی مغفرت کبھی نہیں ہو سکتی رب فرماتا ہے۔ **ان اللہ لا یغفران یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔** ایسے ہی **ما فی انفسکم** میں سے مراد برے خیالات برے ارادے اور بری نیتیں ہیں اچھے اعمال اچھے اقوال اچھے ارادے اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ آگے مغفرت اور عذاب کا ذکر ہے اچھے اعمال کی قبولیت ہوتی ہے نہ کہ مغفرت معافی اور اچھے اعمال پر ثواب ملتا ہے نہ کہ عذاب یوں ہی **تبدو** اور **تخفوہ** ہم گنہگار مسلمانوں سے خطاب ہے۔ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان جیسے خطابات میں داخل نہیں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ وہاں گناہ کی پہنچ بھی نہیں پانچواں فائدہ: حساب و کتاب ہمارے اظہار پر موقوف نہیں بلکہ ہم جو کام چھپ کے کر لیتے ہیں اس کا بھی حساب ہے۔ جیسا کہ **او تخفوہ** سے معلوم ہوا مگر خیال رہے کہ حساب حشر دو قسم کا ہے حساب یسیر یعنی پیشی پھر معافی اور حساب عسیر یعنی پوچھ گچھ کہ تم نے گناہ کیوں کئے۔ حساب یسیر تو ہر خطرہ اور وسوسہ پر ہو سکتا ہے۔ رب فرماتا ہے **ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ**

مگر حساب عسیر اور سزا گناہ کے ارادہ پر نہیں ہو سکتا' لہٰذا آیت واضح ہے۔ چھٹا فائدہ: بندے کے افعال بھی خدا کی مخلوق ہیں۔ بندہ ان کا خالق نہیں کیونکہ وہ بھی زمین و آسمان کی چیزوں میں سے ہی ایک چیز ہے۔ مسئلہ: جیسے کہ ظاہری اعضاء سے دو طرح کے کام ہوتے ہیں۔ اختیاری اور غیر اختیاری۔ اختیاری جیسے زبان سے بالارادہ بولنا یا ارادۃً" آنکھ سے کچھ دیکھنا یا ہاتھ ہلانا اور غیر ارادی جیسے بلا قصد منہ سے کچھ نکل جانا یا بلا ارادہ کسی عورت پر نظر پڑ جانا' یا ہاتھ کے رعشہ کی حرکت ان میں اختیاری کاموں پر عذاب و ثواب ہے۔ غیر اختیاری پر نہیں۔ ایسے ہی دل کے کام بھی بعض اختیاری ہیں اور بعض غیر اختیاری' اختیاری جیسے کفر کا عقیدہ اپنے کو بڑا سمجھنا' برے کاموں کا ارادہ اور غیر اختیاری جیسے برے وسوسے اور خطرات و خیالات ان میں بھی اختیاری فعل پر پکڑ ہے۔ غیر اختیاری پر نہیں۔ **تخفوہ** سے یہ ہی مراد ہے لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ دیکھو رب فرماتا ہے **لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما کسبت قلوبکم** جس سے معلوم ہوا کہ دلی کسب کا اعتبار ہے نہ کہ فقط وہم کا نیز ارشاد فرمایا **لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت** ان آیتوں اور بہت سی احادیث سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ دل کے اختیاری فعل پر سزا اور جزا ہے۔ خیال رہے کہ بعض صحابہ کرام جیسے حضرت علی و ابن عباس و ابن مسعود اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور بہت سے علماء نے اس **تخفوہ** میں وسوسوں اور دلی خطرات کو بھی داخل مانا ہے اور وہ حضرات اس آیت کو **لا یکلف اللہ نفسا** سے منسوخ مانتے ہیں دیکھو۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی و روح البیان) بخاری نے عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ یہ آیت **لا یکلف اللہ** سے منسوخ ہے (روح المعانی) ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم سب بہت غمگین ہوئے کہ جب دلی خطرات کا بھی حساب ہے تو ہم میں سے کون عذاب سے بچ سکے گا۔ تب آیت **لا یکلف اللہ نفسا** نازل ہوئی (در منثور) تفسیر کبیر' خازن نے فرمایا کہ جب یہ آیت اتری تو حضرت ابو بکر و عمر' عبدالرحمٰن ابن عوف اور معاذ ابن جبل اور دیگر حضرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یہ حکم طاقت سے زیادہ ہے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم بھی بنی اسرائیل کی طرح کہنا چاہتے ہو۔ **سمعنا وعصینا** یوں کہو **سمعنا واطعنا**۔ یعنی ہم نے سنا اور اطاعت کریں گے صحابہ کرام نے یہ کہا مگر ان کی آوازیں خوف سے کانپتی تھیں ایک سال کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ **لا یکلف اللہ نفسا**" الخ۔ غرضکہ اس آیت میں بہت اختلاف ہے ان دونوں قولوں کی مطابقت یوں ہو سکتی ہے کہ اگرچہ صحابہ کرام اس آیت کا صحیح مطلب جانتے تھے لیکن انتہائی خوف الٰہی کی وجہ سے ان کی نظر ظاہری عموم پر پہنچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تفسیر نہ فرمائی۔ بلکہ انہیں اطاعت کا حکم دیا پھر رب نے خود یوں تفسیر فرمادی کہ **لا یکلف اللہ نفسا**۔ الخ۔ گویا وہ آیت اسی آیت کی تفسیر ہے۔ جس سے ایک وہم دور کیا جارہا ہے نہ کہ ناسخ بھی توضیح کو بھی مجازاً" ناسخ کہہ دیا کرتے ہیں (روح المعانی) اس کی مثال یوں سمجھو کہ آیت **استغفر لہم اولا تستغفرلہم** نازل ہونے کے بعد حضور علیہ السلام نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ مجھے رب نے اختیار دیا ہے منافقین کے لئے دعائے مغفرت کروں یا نہ کروں میں نے ایک جانب کو اختیار کر لیا۔ اس فرمانے کی وجہ غلبہ رحمت ہے نہ کہ مقصد کلام سے بے توجہی۔ مسئلہ: اس میں اختلاف ہے کہ خبر کا نسخ جائز ہے یا ناجائز۔ حضرت عبداللہ ابن عباس و علی و دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) نے جائز فرمایا۔ مگر جمہور کا قول یہ ہے کہ کسی خبر کا نسخ جائز نہیں۔ خواہ قدیمی چیزوں کی خبر ہو۔ جیسے رب کی ذات و صفات یا متغیر چیز کی جیسے

ایمان زید وغیرہ (روح المعانی' خازن وکبیر وغیرہ) مسئلہ: جن خبروں سے حکم یا ممانعت سمجھی جاتی ہے۔ وہ منسوخ ہو سکتی ہیں۔ جیسے **کتب علیکم الصیام** وغیرہ (روح المعانی) مسئلہ: حق یہ ہے کہ ارادہ گناہ پر گناہ کا عذاب نہ ہو گا' بلکہ ارادہ گناہ کا۔ کوئی چوری کرنے نکلا مگر نہ کر سکا تو اس کے ہاتھ نہیں کٹ سکتے۔ ہاں اس ارادہ کا گنہگار ہوا۔ نہ کہ چوری کا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: یہاں فرمایا گیا **للہ ما فی السموت** اور دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ یعنی سب چیزیں تمہارے لئے پیدا کی گئیں۔ یہاں بھی لام ہے اور وہاں بھی ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: یہاں ملکیت کا لام ہے اور وہاں نفع کا۔ یعنی ہر چیز رب کی ملک ہے اور تمہارے نفع کے لئے۔ خدا تعالیٰ نفع حاصل کرنے سے پاک ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین کی چیزیں اللہ کی ہیں۔ بتاؤ خود آسمان و زمین بھی اللہ کے ہیں یا نہیں کیا وہ کسی اور کے ہیں؟ (آریہ) جواب: قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز برتن سے جدا نہ ہو سکے تو جو اس چیز کا مالک ہو گا۔ وہ برتن کا بھی مالک ہو گا۔ جو مکان کا مالک ہے وہی اس کے کڑی' تختوں اور کواڑوں کا بھی مالک ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ مکان میں منقولی سامان کسی اور کا ہو یہ آسمان و زمین کی چیزیں ان سے نکل سکتی ہی نہیں۔ لہذا جب رب ان کا مالک تو آسمان و زمین کا بھی مالک۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا بخشش کے مستحق کو نہ بخشے اور غیر مستحق کو بخشنے پر قادر ہے کیونکہ فرمایا گیا **لمن یشاء**۔ اور یہ صریحی ظلم ہے۔ کیا مسلمانوں کا خدا ظالم ہے؟ (ستیارتھ پرکاش) جواب: یادش بخیر! پنڈت جی بہت دنوں میں بولے مگر ایسے بولے جیسے ہمیشہ بولا کرتے ہیں پنڈت جی اس سے پہلے جرموں کا ذکر ہو چکا انہیں کی معافی اور سزا کا تذکرہ ہے یعنی جس مجرم کو چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔ نیک کار کے عذاب کا کہاں ذکر ہے بات یہ ہے کہ تین قسم کی حیثیتیں ہیں۔ ایک سب کا محکوم ہونا جیسے رعایا بادشاہ سے لے کر چپڑاسی تک کی محکوم ہے۔ دوسرے بعض کا محکوم بعض کا حاکم ہونا' جیسے تھانیدار' تیسرے کل کا حاکم ہونا۔ جیسے بادشاہ کہ وہ مختار مطلق ہے۔ اسے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ یہاں یہ ہی فرمایا جا رہا ہے کہ ہم کل کے حاکم ہیں مجرموں کو بخشنے اور سزا دینے میں پورا اختیار رکھتے ہیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر اچھے برے ارادہ خیال کی بھی پکڑ اور حساب ہے اور ہر نبی ولی کا بھی حساب ہے اور کافر کا کفر بھی قابل معافی ہے کیونکہ **ما** اور **تخفوا** وغیرہ میں کوئی قید نہیں۔ جواب: یہاں **ما** سے مراد برے خیالات ہیں۔ اور **تبدوا او تخفوہ** میں ہم عام مسلمانوں سے خطاب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت سے کوئی نسبت نہیں۔ پانچواں اعتراض: جب انسان کو خدا نے ہی نیک و بد بنایا تو اسے سزا و جزا نہ ہونا چاہئے۔ اور جب خدا ہی کے حکم سے انسان نیکی اور بدی کرتا تو پھر اس کی ذمہ داری خدا ہی پر ہے۔ مثلاً" اگر جرنیل کے حکم سے کوئی سپاہی کسی کو مار ڈالے تو اس کا ذمہ دار جرنیل ہو گا نہ کہ سپاہی (ستیارتھ پرکاش) جواب: اس کا جواب ہم پہلے اور دوسرے پارہ میں بہت دفعہ دے چکے۔ پنڈت جی کو ایک سوال دہرانے کی بیماری ہے۔ پنڈت جی خیال رکھو کہ ہر انسان فطرت یعنی توحید پر پیدا ہوتا ہے۔ وہاں سے کافر ہو کر کوئی نہیں آتا پھر وہ نیک و بد اعمال کے ذریعہ اپنے کو سزا یا جزا کا مستحق بناتا ہے اور خدا نے برائی کا نہ تو کسی کو حکم دیا اور نہ برائی سے راضی ہے۔ شاید تمہارے پرماتما نے پاپ کا حکم دیا ہو گا۔ اسلامی خدا نے گناہوں سے بچنے اور نیک بننے کا ہی حکم دیا۔ پھر جرنیل والی مثال کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ جرنیل قتل کا حکم دے کر اس کا ذمہ دار بنا۔ رب تعالیٰ نے نہ برائی کا حکم دیا اور نہ اس کی طرف کوئی برائی منسوب ہو سکے' برائی کا حکم دینے والا نفس یا شیطان ہے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دلی خیالات کا بھی حساب ہو گا اور حدیث شریف

میں آیا ہے کہ رب نے میری امت کے دلی خطرات معاف کئے جب تک کہ وہ کلام نہ کرے یا اس کے مطابق عمل نہ کرے اس آیت و حدیث میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ آیت **لا یکلف اللہ** سے منسوخ ہے جیسا کہ حضرت علی و ابن عباس و عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا قول ہے۔ دوسرے یہ کہ آیت مجمل ہے۔ جس کی تفسیر **لا یکلف اللہ** الخ۔ ہے یعنی اس سے برے ارادے اور دل کے اختیاری افعال مراد ہیں نہ کہ غیر اختیاری خیالات اور حدیث شریف میں فقط خطرات مراد' ارادہ اور خطرہ میں فرق ہے۔ تیسرے یہ کہ اس حساب سے صرف پیشی مراد ہے۔ جسے حساب یسیر بھی کہتے ہیں۔ **فسوف یحاسب حسابا یسیرا** یعنی قیامت میں برے خطرات بھی انسان پر پیش تو کردیئے جائیں گے مگر ان پر پکڑ نہ ہوگی۔ چوتھے یہ کہ اس حساب سے دنیوی سزائیں مراد ہیں کہ یہاں کے غم اور تکالیف ان برے خطرات کا کفارہ بن جاتے ہیں جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے پانچویں یہ کہ **ان تبدوا** سے مراد علانیہ گناہ کرنا ہیں اور **تخفوہ** سے چھپ کر یعنی اگر تم علانیہ گناہ کرو۔ تو بھی حساب ہوگا اور چھپ کر کرو تو بھی۔ چھٹے یہ کہ حساب سے مراد فقط خبر دینا اور اس کا اقرار کرانا ہے۔ ساتواں اعتراض یہ جوابات اصل اعتراض کو نہیں اٹھاتے کیونکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں **ان اللہ عفا لامتی عما حدثت بہ انفسھا مالم یتکلموا بہ او یعملوا بہ** (متفق علیہ) یعنی برائی کا ارادہ معاف ہے جب تک کہ اس کے مطابق کلام یا عمل نہ کرے۔ اور تمہارے جواب سے معلوم ہوا کہ قلب کے اختیاری فعل یعنی ارادہ گناہ پر پکڑ ہے۔ **جواب:** یہ حدیث احکام شرعیہ کے بارے میں ہے۔ یعنی فقط ارادے سے طلاق یا عتق یا بیع یا صدقہ یا ہبہ نہ ہوگا۔ جب تک کہ اس کا قول یا اس پر عمل نہ ہو اور یہاں اخروی پکڑ کا ذکر ہے حدیث شریف ہے کہ جب دو مسلمان جنگ کے لئے نکلے اور ایک نے دوسرے کو قتل کیا تو قاتل مقتول دونوں جہنمی' قاتل تو قتل کی وجہ سے اور مقتول ارادہ قتل سے کہ وہ بھی اسی ارادے سے آیا تھا مگر اسے موقعہ نہ ملا (از احکام القرآن) **آٹھواں اعتراض:** خبر کا نسخ ناجائز ہونا چاہئے کیونکہ یہ جھوٹ یا لاعلمی سے ہو سکتا ہے۔ پھر اتنے صحابہ کرام اس کے کیوں قائل ہو گئے؟ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ نسخ خبر کے وہ حضرات بھی قائل نہیں ان کے کلام میں جو نسخ آیا وہ مجازا" بمعنی تفسیر ہے (روح المعانی) دوسرے یہ کہ وہ حضرات واقعات کی حکایت کو قابل نسخ نہیں مانتے بلکہ صرف قوانین کی خبروں کو مثلا" یہ ممکن نہیں کہ رب تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی خبر دے کہ ایسا ہوا تھا اور پھر اسے منسوخ کر دے ہاں یہ ممکن ہے کہ پہلے خبر دی جائے کہ ہم تمہارے دلی ارادوں کا بھی حساب لیں گے پھر ارشاد فرمادے کہ اچھا اس کی معافی ہے۔ اس کا حساب نہ لیں گے یہ کسی خبر کی تبدیلی نہیں بلکہ قانون کی تبدیلی ہے کہ اب تک یہ قانون تھا اور اب سے یہ دوسرا جاری ہوا۔ اور ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ وہ احکام جو بصورت خبر ہوں۔ نسخ قبول کر لیتے ہیں۔ **نواں اعتراض:** جس کو چاہا بخش دیا۔ جس کو چاہا سزا دے دی یہ تولا قانونی ہے اور لاقانون غلط بھی ہے باعث فساد ملک بھی آج ایسے راج کو چوپٹ راج اور ایسے ملک کو اندھیر نگری کہا جاتا ہے۔ رب کے ہاں ایسی اندھا دھند نہیں ہو سکتی؟ **جواب:** دوسرے کے حقوق میں اس قسم کا طریقہ غلط ہے۔ شریعت میں قانونی مجرم کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اپنے مجرم کو جسے چاہیں معاف کرنا جسے چاہیں معاف نہ کرنا بالکل درست ہے۔ ہم اپنے مقروضوں کو جسے چاہیں معاف کر دیں جسے چاہیں معاف نہ کریں اس سے وصول کر لیں ہم کو حق ہے۔ بندے رب کے مقروض ہیں۔ وہ مختار ہے۔ جس کو چاہے اپنے قرض معاف کر دے۔ جس کو چاہے سزا دے ہاں حقوق العباد میں یہ نہ ہوگا۔ وہاں ظالم سے ضرور مظلوم کا بدلہ دلوایا جاوے گا یا خود مقروض سے معاف کرایا جاوے

ہو۔ یہاں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے نہ کہ حقوق العباد کی معافی کا ذکر۔

تفسیر صوفیانہ : انسان روح اور جسم کے مجموعہ کا نام ہے روح عالم امر کی ایک چیز ہے اور جسم عالم خلق کا روح ملکوت میں سے ہے اور جسم ملک میں سے روح نورانی ہے اور جسم ظلمانی روح علوی ہے اور جسم سفلی ان میں سے ہر ایک اپنے عالم کی طرف جانا چاہتی ہے۔ روح کا قصد قرب رب العالمین ہے اور نفس و جسم کا میلان حق سے دوری اور **اسفل السافلین** کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اس لئے ہے کہ لوگوں کو نفسانی ظلمتوں سے پاک کر کے قرب الٰہی کا مستحق بنائیں اور ان کی ظلمت نفس کو مٹا کر ان پر روح کے انوار ظاہر فرمائیں۔ جس کے بارے میں ارشاد ہوا **یخرجھم من الظلمت الی النور** مگر شیطان کا کام یہ ہے کہ لوگوں کو روحانی انوار سے نکالے اور نفسانی ظلمتوں میں پھنسائے تاکہ انسان رب العالمین سے دور رہ کر **اسفل السافلین** میں پہنچے اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اے انسانو اگر تم اپنی ظلمات نفس کو ظاہر کرو کہ شریعت کے مخالف اور طبیعت کے موافق رہو۔ یا ان ظلمات کو چھپاؤ اور دبادو کہ طبیعت کی مخالفت کرو اور شریعت کی موافقت رب تعالیٰ سب کا حساب فرمائے گا۔ کہ قابل انوار نفوس کو پاک فرمائے گا اور جو روحیں ظلمتوں میں پھنسی ہیں انہیں خلوت کرے گا تو جس کو چاہے گا بخشے گا کہ اس کے نفس کو روح کے انوار سے روح کو حق کے انوار سے منور فرمائے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا کہ اس کے نفس پر دوزخ کی آگ بھڑکائے گا اور اس کی روح کو اپنے فراق کی آگ میں جلائے گا۔ اللہ عالم امر اور عالم خلق کی ہر چیز پر قادر ہے کہ عالم امر پر لطف اور تاریک جسم پر قہر فرماتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کامیاب وہ انسان ہے جس کی روح اس کے نفس پر غالب ہو اور ناکام وہ ہے جس کا نفس روح پر غالب اور اس کے غلبہ کا پتہ اس کے افعال و اعمال اور میلان سے چلتا ہے (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ **سموات** یعنی آسمان حضرات انبیاء کرام ہیں کہ یہ حضرات آسمان کی طرح خلق کو فیض دیتے ہیں اور مومنین حضرات زمین ہیں کہ یہ حضرات ہمیشہ انبیاء کرام سے فیض لیتے رہتے ہیں۔ کبھی ان سے مستغنی نہیں ہوتے۔ آیت کے پہلے جملہ میں ارشاد ہوا کہ نبوت کے آسمانوں میں جو کچھ فیوض ہیں وہ بھی رب ہی کی طرف سے ہیں اور قلوب مومنین میں جو اثر لینے کی مختلف تاثیریں ہیں یہ بھی رب کی طرف سے ہیں جیسے یہ ظاہری زمین مختلف تاثیر رکھتی ہے ایسے ہی انسانوں کے دل مختلف اثر رکھتے ہیں۔ نبوت کا فیض ایک ہے مگر صدیقین خاص عام مومنین کے دل مختلف ہیں۔ جس اختلاف کی وجہ سے مختلف اثرات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ سب رب کی طرف سے ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ
ایمان لائے پیغمبر ساتھ اس کے جو اتارا گیا طرف ان کے سے رب ان کے ساتھ اور ایمان لائے ہر
رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے رب کے پاس سے اس پر اترا اور ایمان والے سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس
بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ
ایک ایمان لایا ساتھ اللہ اور فرشتوں اس کے اور کتابوں اس کی اور رسولوں اس کے نہیں فرق کرتے ہم درمیان
کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے اور عرض کی کہ ہم نے

رُسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ

کسی کے رسول پر ایمان لانے میں فرق نہ کرنے اور کہا انہوں نے سنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے بخشش تیری اے رب ہمارے اور تیری طرف لوٹنا ہے۔

سنا اور مانا تیری معافی ہو اے رب ہمارے اور تیری طرف پھرنا ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: سورہ بقر رب کے نام سے شروع ہوئی تھی اب اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ختم ہو رہی ہے تاکہ اس کے شروع میں قرآن اتارنے والے کا نام ہو اور اخیر میں ان کا نام جن پر اتارا گیا یہ ہی حال کلمہ، نماز، دعاؤں کا ہے کہ ان کی ابتداء اللہ کے نام سے ہے اور انتہاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام شریف پر بلکہ مسلمان کی زندگی کا بھی یہ ہی حال ہے کہ جب دنیا میں آئے تو اذان سنے اور جب یہاں سے جائے تو کلمہ پڑھتے ہوئے کہ آخری سانس لفظ رسول اللہ پر ختم ہو۔ **دوسرا تعلق**: جب سلطانی حکم رعایا کی طرف آتا ہے تو اس کے پہلے سلطان کا نام ہوتا ہے بعد میں احکام کا ذکر اور آخر میں مہر عدالت اور وزراء، امراء کی تصدیق۔ سورہ بقر میں بھی یہ ہی ہوا کہ پہلے رب کا نام آیا۔ پھر اس کے احکام ارشاد ہوئے اب آخر میں عدالت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر اور خدام بارگاہ صحابہ کرام کی تصدیق یعنی یہ احکام رب نے بھیجے اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جان نثاروں نے تصدیق کی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے کمال علم و قدرت کا ذکر تھا جس سے اس کی ربوبیت کا ثبوت ہوا۔ اب مسلمانوں کی اطاعت شعاری اور وفاداری کا تذکرہ ہے۔ جس سے ان کی عبدیت کا ظہور ہوا یعنی ہم کامل رب اور مسلمان ہمارے کامل بندے ہیں۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے جلال کا ذکر تھا کہ ہم تمہارے ہر ظاہر اور ہر چھپے ہوئے عیوب کا حساب لیں گے۔ اب مسلمانوں کی مدح بیان فرما کر جمال الٰہی کا اظہار ہے۔ کہ جیسے دنیا میں ہم مسلمانوں کی تعریفیں فرماتے ہیں اور ان کے عیوب چھپاتے ہیں ایسے ہی آخرت میں ہوگا کہ مسلمانوں کی نیکیاں سب دیکھیں گے اور عیبوں پر پردہ ڈال دیا جائے گا۔ جیسے ہمارا علم قدرت کامل ہے ویسے ہمارے جود و رحمت بھی کامل (کبیر) **پانچواں تعلق**: سورہ بقر کی ابتداء میں پرہیزگاروں کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز و زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اب ان مومنین کا پتہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کے عقائد اعمال اور دعاء کی یہ نوعیت ہے۔ **چھٹا تعلق**: اب تک عبادات و معاملات کے بہت سے احکام بیان ہوئے اب ان کی حقانیت کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم محض اپنے خیال سے یا سن سنا کر یہ احکام بیان نہیں فرماتے۔ بلکہ انہیں دلائل و مشاہدہ سے یقین ہے کہ جبرئیل فرشتہ ہیں نہ کہ جن اور جو کچھ کہتے ہیں رب تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں نہ کہ اپنی طرف سے اور مسلمانوں کو بھی بذریعہ معجزات یقین ہے کہ یہ قرآن رب کا کلام ہے نہ کہ کسی انسان کا اور نبی و جبرئیل (علیہم السلام) کلام بدلنے سے معصوم ہیں اور یہ کلام شیطانی اثرات سے بالکل محفوظ۔

شان نزول : تفسیر خازن و در منثور وغیرہ نے عبداللہ ابن عباس وغیرہ سے روایت کی کہ جب **وان تبدوا ما فی انفسکم** الخ۔ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا حبیب اللہ ہم نے تمام احکام کی اطاعت کی اور ہم وفادار رہیں گے، لیکن دل کے وسوسے اور خطرے قابو سے باہر ہیں اگر ان پر حساب ہوا تو نجات کی کیا

رلو ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم بنی اسرائیل کی طرح کہنا چاہتے ہو۔ سمعنا و عصینا۔ ہم نے سن تو لیا مگر مانیں گے نہیں۔ تب وہ حضرات معذرت کرنے لگے۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری جس میں غلامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفائی بلکہ سفارش کی گئی کہ اے محبوب (علیہ السلام) ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ لوگ آپ کے خدام ہمارے مطیع اور سچے مسلمان ہیں مگر جمہور مفسرین نے اس جگہ خاموشی اختیار کی۔ کیونکہ ان کے نزدیک آیت وان تبدوا منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ ہم دونوں قولوں کی مطابقت پچھلی آیت میں کر چکے ہیں۔

تفسیر : امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون۔ امن ایمان کا ماضی ہے اور ایمان کے معنی تصدیق کرنا۔ پہچاننا اور ایمان لانا ہیں۔ یہاں ماضی اپنے ہی معنی میں ہے اور ایمان کے تینوں معنی کا احتمال ہے۔ الرسول میں الف لام عہدی ہے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ چونکہ آپ وصف رسالت میں ایسے مشہور ہیں کہ رسول بولنے سے آپ ہی کی طرف دھیان جاتا ہے اس لئے نام پاک نہ لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو لاکھوں صفات بخشے مگر آپ کا وصف رسالت بہت مشہور ہے۔ حتی کہ کلمہ طیبہ میں آپ کو رسول اللہ فرمایا گیا۔ کیونکہ رسول خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں تمام صفات اس پر ہی متفرع ہیں۔ چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان تمام خلق کے ایمان سے اعلیٰ بھی ہے اور مقدم بھی۔ اس لئے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کا ذکر ہوا پھر دوسروں کے ایمان کا اعلیٰ تو اس لئے ہے کہ تمام کا ایمان بالغیب ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان شہودی کہ رب کو اور تمام غیوب کو ملاحظہ فرمایا اور مقدم اس لئے ہے کہ سب خلق سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کروڑوں سال اس طرح رب کی عبادت کی کہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم عابد تھے اور رب معبود' بما میں ب صلہ کی ہے اور ما سے سارا قرآن یا سورہ بقر' یا اس کے احکام مراد ہیں۔ انزل' انزال سے بنا ہے بمعنی ایکدم اتارنا۔ یا تو یہاں تنزیل کے معنی میں ہے کیونکہ قرآن کا نزول آہستگی سے ہوا' یا اپنے ہی معنی میں ہے کیونکہ ہر رمضان میں حضرت جبریل سارا قرآن حضور کو سنایا کرتے تھے اور حضور سے سنا کرتے تھے۔ یعنی دور فرمایا کرتے تھے۔ قرآن کریم کا آہستگی سے نزول تو احکام نافذ کرنے کے لئے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے لئے نزول کی اور شان تھی فرماتے ہیں کہ سورۂ بقر کی آخری آیات معراج میں زیر عرش ہم کو عطا ہوئیں۔ حالانکہ یہ آیات مدنیہ ہیں اور معراج ہجرت سے پہلے ہے اور ہو سکتا ہے کہ ما سے قرآن و حدیث اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کشف' و الہامات سب مراد ہوں (کبیر) چونکہ ان میں سے ہزاروں چیزیں حضور علیہ السلام کے ساتھ خاص تھیں جس کی دوسروں کو خبر بھی نہ تھی۔ جیسے متشابہات قرآنیہ کا علم اور بہت سے راز و نیاز کی باتیں۔ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی ظاہر ہوئیں کسی کو ان کی ہوا بھی نہ لگی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو روتے زیادہ اور ہنستے کم۔ اس لئے خصوصیت سے آپ کا ذکر علیحدہ کیا گیا۔ من ابتدائیہ ہے چونکہ قرآن کریم مسلمانوں کی روحانی پرورش کا ذریعہ ہے اس لئے یہاں حق تعالیٰ کو رب کے نام سے یاد فرمایا گیا اور چونکہ مربوبیت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے فرد ہیں۔ آپ پر رحمتیں بلاواسطہ اور دوسروں پر بالواسطہ ہیں۔ اس لئے رب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کیا گیا۔ والمومنون میں یا تو واؤ عاطفہ ہے اور اس کا عطف رسول پر

ہے اور یہاں جملہ ختم ہو گیا یا یہ واؤ ابتدائیہ ہے اور **والمومنون** مبتداء اور یہاں سے جملہ علیحدہ (روح المعانی و کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ یہاں مومنین سے یا تو خاص وہ جماعت مراد ہے جو حاضر بارگاہ ہوتی تھی یا سارے مسلمان یعنی اس قرآن کریم کی حقانیت اللہ کے رسول اور ان مسلمانوں نے دلائل و معجزات وغیرہ سے پہچان لی (کبیر) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے ان اتاری ہوئی چیزوں کی تصدیق فرمادی کہ یہ رب کی طرف سے ہیں (خازن) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سارے اتارے ہوئے پر پہلے ہی سے ایمان مشاہدہ لا چکے ہیں اور مسلمان یہ کہتے ہیں **کل امن باللہ وملئکتہ و کتبہ و رسلہ** الخ۔ یا تو کل مبتدا ہے اور یا **مومنون** کی تاکید اس کا مضاف الیہ ''ہم'' ضمیر پوشیدہ ہے ظاہر یہ ہے کہ اس کا مرجع صرف مومنین ہیں (خازن) ممکن ہے کہ رسول اور مومنین دونوں ہوں (مدارک وغیرہ) **امن** کل کی خبر ہے چونکہ **کل** لفظاً ''واحد'' تھا اس لئے **امن** واحد لایا گیا۔ خیال رہے کہ **امن** کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ جیسا کہ دوسری تفسیر سے معلوم ہوا اس صورت میں نبی کی نسبت سے ایمان مشاہدہ مراد ہے اور مومنوں کی نسبت سنا ہوا ایمان جیسے **ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی** میں **یصلون** کے معنی ملائکہ کے اعتبار سے اور ہیں اللہ کے اعتبار سے کچھ اور باللہ میں ب صلہ کی ہے اور **ملائکہ** سے سارے فرشتے' اور کتب سے ساری آسمانی کتابیں اور رسول سے سارے پیغمبر مراد ہیں۔ یعنی سارے مسلمان یا نبی اور سب مسلمان اللہ اور اس کے سارے فرشتوں اور اس کی ساری کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لا چکے۔ ان سب چیزوں پر اجمالی ایمان کی ذات اور ان کی صفات پر ہم صدق دل سے ایمان لاتے ہیں کہ سب سے عمدہ مخلوق فرشتے ہیں ان میں سے بعض مقربین ہیں۔ جو صرف عبادتیں کرتے ہیں اور بعض مدبرات جو عالم کا انتظام کرتے ہیں۔ مدبرات امر مقربین سے افضل ہیں اور سب سے چار فرشتے افضل اور ان چار میں حضرت جبریل افضل کہ وہ خادم الانبیاء حامل وحی ہیں **لا نفرق بین احد من رسلہ** ۔ یہ جملہ **یقولون** فعل پوشیدہ کا مفعول بہ ہے۔ جو امن کے فاعل کا حال یا کل کی دوسری خبر۔ **نفرق**' تفریق سے بنا جس کا مادہ **فرق** ہے یہ مساوات کے مقابل' یہاں اس سے فرق نبوت یا فرق اعتقاد مراد ہے نہ کہ فرق مراتب' **احد** بمعنی **احاد** ہے کیونکہ بین کثرت چاہتا ہے۔ نیز احد نکرہ ہے جو نفی کے تحت میں عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ خیال رہے کہ احد وہ ہے جس کے ساتھ دوسرا ذکور نہ ہو اور واحد وہ جس کا کوئی مثل نہ ہو اور وحید وہ جس کا کوئی مددگار نہ ہو (روح البیان) **من رسلہ** کا متعلق پوشیدہ ہے جو احد کا حال یا صفت ہے۔ یعنی مسلمان یہ کہتے ہوئے ایمان لاتے ہیں کہ ہم خدا کے رسولوں میں سے کسی رسول پر ایمان لانے یا نبوت میں فرق نہیں کرتے' نبی کو یکساں ہی مانتے ہیں اور سب پر ایمان لاتے ہیں۔ چونکہ اہل کتاب نے فرشتوں کا انکار نہ کیا تھا سب کو مانتے تھے۔ انہوں نے بعض کتابوں اور بعض رسولوں کا انکار کیا تھا۔ جیسے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور انجیل شریف کا انکار کیا۔ اور یہود و نصاریٰ نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا انکار کیا مگر انکار کتاب کی وجہ انکار رسول تھا۔ اگر وہ لوگ ان حضرات انبیاء علیہم السلام کو مان لیتے تو ضرور ان کی کتابوں کو بھی مان لیتے' لہٰذا اس جگہ فرق نہ کرنے میں صرف رسولوں کا ذکر ہوا۔ یہ نہ فرمایا گیا کہ کتابوں یا فرشتوں میں فرق نہیں کرتے' بلکہ فرمایا گیا کہ ہم رسولوں میں فرق نہیں کرتے سب کو مانتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی طرح بعض کے اقراری اور بعض کے انکاری نہیں۔ جیسے قرآن کریم کی ایک آیت کا انکار کفر ہے ایسے ہی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے۔ نیز دین بدلتا ہے نبی کے بدلنے سے۔ دین یہود و نصاریٰ اس لئے مختلف ہیں کہ ان کے نبی مختلف ہیں۔ عیسائیوں کے تمام فرقے عیسائی کہلاتے ہیں کہ

ان کے نبی ایک ہیں۔ **وقالوا سمعنا واطعنا** یہ امن پر عطف ہے اور چونکہ کل معنا " جمع ہے لہذا **قالوا** جمع ہوا۔ اس کا فاعل وہی مومنین ہیں۔ یا تو **قالوا** بمعنی ماضی ہے یا بمعنی حال۔ **سمعنا** سے گوش و ہوش سے سننا اور اس کی حقانیت پر یقین کرنا مراد ہے۔ **اطعنا** اطاعت سے بنا جس کا مادہ طوع ہے بمعنی خوشی بخوشی فرمانبرداری کرنے کو اطاعت کہا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ **سمعنا** کا مفعول یہ سارا قرآن و حدیث ہے اور **اطعنا** کا مفعول صرف احکام کیونکہ **سمعنا** میں قوت ایمانی کی طرف اشارہ ہے۔ **اطعنا** میں عمل کی طرف' اور ایمان سب پر ہوتا ہے اور اطاعت صرف احکام کی۔ یعنی مسلمان نبی کا فرمان سن کر عرض کرتے ہیں کہ ہم نے آپ کے سارے فرمان بگوش و ہوش سنے اور ان کی حقانیت کا یقین کیا اور آپ کے سارے احکام کی اطاعت کریں گے۔ روح البیان و در منثور نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اس آیت میں رب تعالیٰ نے آپ کی اور آپ کی امت کی بڑی تعریف فرمائی۔ لہذا آپ کچھ رب سے مانگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی۔ جس کو رب نے ان الفاظ میں نقل فرمایا **غفرانک ربنا والیک المصیر**O اس روایت کی بنا پر یہاں قال محذوف ہوگا۔ جس کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ جملہ مفعول ہے۔ یا رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو تعلیم دی تو یہ **قولوا** فعل پوشیدہ کا مفعول ہے۔ **غفران** سبحان کی طرح مصدر ہے یا تو **اغفر** فعل پوشیدہ کا مفعول مطلق ہے یا نسئل کا مفعول بہ یہ ضرب بمضروب سے ہے۔ ک ضمیر غفران کا مضاف الیہ ہے جو حقیقت میں نسئل کا مفعول تھی' **ربنا** سے پہلے پوشیدہ ہے۔ **والیک** میں واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ عبارت کا معطوف ہے۔ یعنی **منک المبدء والیک المصیر**۔ **الیک** ایک پوشیدہ عبارت کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے اور **مصیر** مبتداء موخر **مصیر**' **صار یصیر** کا مصدر میمی ہے اس کا مادہ **صیر** ہے بمعنی ہو جانا اور لوٹنا۔ یعنی وہ عرض کرتے ہیں کہ اے مولیٰ چونکہ ہم تیری اطاعت کا عہد کرتے ہیں تو بھی اپنے کرم سے ہماری خطاؤں کو بخش دے۔ ہم تجھ سے تیری مغفرت مانگتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ تجھ سے ہی سب کی ابتدا ہے اور تیری طرف سب کی انتہا۔

خلاصہ تفسیر: جو کچھ رب کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا اس پر یہ نبی بھی ایمان لائے اور سارے مسلمان بھی کہ یہ رب کا کلام ہے۔ اس میں کسی کی ملاوٹ نہیں۔ نہ جبریل نے رب سے کچھ حاصل کرنے میں کچھ شک و شبہ کیا' نہ لوا کرنے میں کمی بیشی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سننے میں خطا کی' نہ پہچاننے میں کوتاہی' سارے مسلمان اللہ کی ذات اور اس کی صفات اور اس کے ناموں پر ایمان لائے۔ انہوں نے اعتقاد رکھا کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک و مثل نہیں۔ اس کے علم و قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔ نیز اس کے فرشتوں پر ایمان لائے کہ وہ سب موجود ہیں۔ گناہوں سے پاک ہیں۔ نورانی جسم ہیں۔ رب اور انسان کے درمیان واسطہ ہیں۔ انہیں کے ذریعہ پیغمبروں پر کتابیں آئیں۔ نیز اس کی ساری کتابوں پر ایمان لائے کہ یہ اللہ کی کتابیں ہیں۔ کہانت جادو اور شیطانی الہامات سے پاک ہیں قرآن میں تحریف و تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس میں محکمات و متشابہات ہیں۔ نیز وہ سارے پیغمبروں پر ایمان لائے کہ وہ گناہوں سے معصوم ہیں۔ وحی الٰہی کے امین' ساری خلق سے افضل ہیں اور ان میں سے بعض بعض سے اعلیٰ اور افضل۔ چونکہ رب کی طرف سے کتابیں آئیں۔ فرشتے لائے اور پیغمبروں پر لائے۔ اس لحاظ سے یہاں پہلے ان کا ذکر ہوا پھر فرشتوں کا پھر کتابوں کا۔ پھر رسولوں کا' مسلمان یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ اے مولیٰ ہم یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح انبیاء پر ایمان لائے یا ان کے نبی ماننے میں فرق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ

مانیں اور بعض کی عارضی سب کو اصل نبوت میں برابر مانتے ہیں اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مولیٰ ہم نے تیرا سارا کلام عقیدت سے سنا اور تجھ سے عہد کرتے ہیں کہ تیرے احکام کی اطاعت کریں گے اے مولیٰ ہمیں بخش دے۔ تجھ سے ہی سب کی ابتدا ہے اور تیری طرف سب کا لوٹنا ہے۔ خیال رہے کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں پر ایمان لائے ایسے ہی سارے فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کے مومن بھی ہیں اور مومن بہ بھی بلکہ فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و فرمانبردار بھی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاگو بھی۔ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو دعائیں دیتے ہیں۔ **ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی** اور قرآن کریم میں ہے **ھو الذی یصلی علیکم و ملئکتہ** اور ارشاد ہے **ویستغفرون للذین امنوا**۔ ایسے ہی کتابوں کی تصدیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور کتابوں نے خصوصاً" قرآن مجید نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق فرمائی تو آپ قرآن کریم کے مصدق بھی ہیں۔ مصدق بہ بھی معجزہ ہونے کی حیثیت سے قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا اور کتاب اللہ ہونے کی حیثیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن بتایا۔ لہذا دور نہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مومنین کے ایمان میں بہت فرق ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا الگ ذکر فرمایا گیا اور مسلمانوں کا الگ اگر یہ فرق نہ ہوتا تو مومنین میں رسول بھی داخل ہو جاتے لہذا کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بھائی نہیں کہہ سکتا اور یہ آیت **انما المومنون اخوۃ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں نہیں کر سکتا۔ حق یہ ہے کہ نبی اور امتی میں لفظ ایمان کی شرکت ہے نہ کہ معنیٰ ایمان کی۔ اللہ کا نام بھی مومن ہے مگر اسے بھائی نہیں کہا جا سکتا۔ ہم اس کی مکمل بحث پہلے سیپارہ میں کر چکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان شہودی و حضوری ہے کہ رب تعالیٰ اور جنت و دوزخ کا مشاہدہ فرمایا اور اپنی نبوت کا علم حضوری۔ ہمارا ایمان سنا ہوا ہم محض مومن اور حضور ایمان کیونکہ ان کے ماننے کا نام ہی تو ایمان ہے۔ ہم دنیا میں بے خبر آئے۔ ماں باپ و استاد کے ذریعہ سے علم حاصل کیا وہ وہاں سے باخبر آئے اور سب کو ایمان دیا۔ غرضکہ عبادات 'معاملات 'اعتقادات سب میں ہی فرق ہے۔ اس کی مکمل تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو، جب دریائے رحمت جوش میں ہو اسی وقت دعا مانگنا محبوب و بہتر ہے' دیکھو حضرت جبریل نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت یہ دعاء مغفرت فرمادیں۔ لہذا مجلس ذکر اللہ میں بارش کے وقت شب قدر میں 'ہمیشہ آخری شب میں دعا مانگنا اس لئے بہتر ہے کہ اس وقت رحمت الٰہی کا جوش ہوتا ہے۔ **دوسرا فائدہ**: قرآن پاک اور انبیاء کرام کے الہامات یقینی ہیں نہ اس میں وسوسہ نفس شامل ہونے کا خطرہ نہ القاء شیطان کا احتمال۔ جیسا کہ **ما انزل** کے **ما** سے معلوم ہوا اسی لئے حدیث سے نسخ قرآن جائز ہے دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فقط خواب پر اپنے بے قصور فرزند اسمٰعیل کے ذبح کا ارادہ کر لیا حالانکہ بے قصور کی جان لینا حرام ہے مگر ان کے خواب نے ان کے لئے اس حکم شرعی کو منسوخ کر دیا تھا۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھو' تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ جو شخص کہے کہ ایک بار شیطان نے وحی میں ملا دیا تھا۔ **تلک الغرانیق العلی** وہ قرآن پاک پر تہمت لگاتا ہے۔ **القی الشیطن فی امنیتہ** کا مطلب ہی کچھ اور ہے۔ **تیسرا فائدہ**: صحابہ کرام خصوصاً" خلفائے راشدین کا ایمان قطعی یقینی ہے جو ان کے ایمان میں شک کرے وہ خود بے

ایمان ہے۔ دیکھو رب نے ان کے ایمان کو نبی کے ایمان کے ساتھ بیان کیا جیسا کہ تفسیر اول سے معلوم ہوا ان کے فضائل میں
بے شمار آیتیں اتریں۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب شان حبیب الرحمن دیکھو اور ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر کا
مطالعہ فرماؤ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کا ایمان صحابہ کرام کی طرح نہیں ہو سکتا کہ ان کے ایمان کی رب تعالیٰ گواہی دے چکا یہ بھی
معلوم ہوا کہ ان حضرات کو رب تعالیٰ نے حسن خاتمہ 'ایمان پر وفات نصیب فرمائی۔ اگر وہ حضرات ایمان پر قائم رہنے والے نہ
ہوتے تو رب تعالیٰ جو عالم الغیب ہے کبھی ان کے ایمان کا اس شاندار طریقے سے اعلان نہ فرماتا ان کا مومن ہونا قرآن شریف
سے ثابت ہو چکا۔ اب ان کے ایمان سے نکلنے کے لئے کوئی آیت ہی چاہئے وہ تو ہے نہیں۔ چوتھا فائدہ: قرآن پاک میں نہ
تبدیلی ہوئی نہ تحریف 'جو کوئی اس میں کمی یا زیادتی مانے وہ کتبہ کا مومن نہیں (کبیر) پانچواں فائدہ: سارے فرشتوں ساری
کتابوں اور سارے رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے ایک کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔ جیسا کہ **وملئکتہ و کتبہ** سے
معلوم ہوا۔ مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ انبیاء کے لئے تعداد مقرر نہ کرے کیونکہ اس کا یقین نہیں یوں کہے کہ سارے پیغمبروں پر ہمارا
ایمان ہے۔ چھٹا فائدہ: اگرچہ پیغمبر درجات میں مختلف ہیں کہ ان میں بعض بعض سے اعلیٰ مگر نفس نبوت اور ایمان میں سب
برابر جو کوئی بعض کا انکار کرے یا مولوی قاسم و مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح بعض کو اصلی نبی اور بعض کو عارضی نبی مانے وہ بے
ایمان ہے۔ جیسا کہ **لا نفرق** سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: اللہ 'فرشتوں 'کتابوں 'رسولوں 'جنت 'دوزخ 'حشر نشر سب پر
ایمان لانا ضروری ہے اسی لئے یہاں پہلے چار کا ذکر صراحتاً" فرمایا اور جنت و دوزخ کا ذکر **سمعنا واطعنا** میں حشر اور نشر کا ذکر
والیک المصیر میں اشارتاً" فرمایا گیا۔ آٹھواں فائدہ: دعا مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے رب کی صفات پھر اپنی وفاداری اور
گنہگاری کا ذکر کرکے پھر طلب حاجت کرے۔ اسی لئے یہاں غفران سے پہلے ایمان کا ذکر۔ معلوم ہوا کہ وسیلہ اعمال سے دعا جلد
قبول ہوتی ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اگر نبی اور مومنین میں فرق ہے تو ایک **امن** کے فاعل دونوں کیونکر ہو گئے اگر کہا جائے کہ
اس **امن** کے معنی ہی دو ہیں تو غلط ہے کیونکہ مشترک کے دو معنی مراد لینا ناجائز اگر ایمان میں فرق ہوتا تو رسول کے لئے **امن**
الگ لایا جاتا اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اور مومنین حقیقت ایمان میں ایک ہیں۔ لہذا نبی کو
کیوں نہ بھائی کہا جائے (دیوبندی) جواب: ایک فعل کے دو فاعلوں کے لحاظ سے دو معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا
ہے۔ **وکل اتوہ داخرین**۔ قیامت میں ساری مخلوق بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو گی۔ حالانکہ ان میں سے بعض اڑ کر بعض چل
کر اور بعض پیٹ کے بل گھسیٹ کر آئیں گے۔ مگر سب کی آمد کو ایک **اتوہ** سے بیان فرمایا۔ نیز فرماتا ہے **ان اللہ و
ملئکتہ یصلون علی النبی** اللہ اور فرشتے نبی پر صلوۃ بھیجتے ہیں۔ دیکھو اللہ کی صلوۃ رحمت ہے اور فرشتوں کی صلوۃ دعاء
رحمت۔ مگر دونوں کو ایک ہی صیغہ **یصلون** سے بیان فرمایا گیا ایسے ہی یہاں ہے اجتماع مشترک کا قاعدہ یہاں جاری نہیں ہوتا۔
اجتماع مشترک اور ہے عموم مشترک کچھ اور اجتماع مشترک ممنوع ہے۔ عموم مشترک جائز بلکہ بہت واقع ہے۔ دوسرا
اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے پیغمبر درجہ میں یکساں ہیں جیسا کہ **لا نفرق** نے بتایا۔ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے بھی ارشاد فرمایا۔ **لا تفضلونی علی یونس ابن متی** مجھے یونس علیہ السلام پر بھی بزرگی نہ دو۔ لہذا حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کو سید الانبیاء نہ کہنا چاہیے۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ انبیاء کرام میں نفس رسالت میں فرق، نہیں کہ کوئی اصلی نبی ہو کوئی عارضی۔ دیگر درجات میں فرق ہے اسی لئے بین احد من رسلہ فرمایا گیا نہ کہ بین درجت احد اور دوسری جگہ ارشاد ہوا ورفع بعضہم درجت دوسرے یہ کہ لا نفرق۔ کا مطلب ہے ہم اپنی طرف سے ان میں فرق نہیں کرتے جو رب نے فرق مراتب فرمایا اسے مانتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم ایسا فرق نہیں کرتے جس سے کسی پیغمبر کی توہین ہو جائے یہ ہی حدیث کا مطلب ہے کہ مجھے یونس علیہ السلام پر ایسی بزرگی مت دو جس سے ان کی توہین ہو ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا انا سید ولد ادم۔ چوتھے یہ کہ ہم ایمان میں فرق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں جیسے یہودی و عیسائی تیسرا اعتراض: ملائکہ یعنی فرشتے بھی تو رسول ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے جاعل الملئکۃ رسلا اولی اجنحۃ پھر فرشتوں کے بعد رسلہ ہی کا ذکر کیوں کیا؟ جواب: فرشتے لغوی معنی سے رسول ہیں۔ یعنی محض قاصد و سفیر صرف پیغام پہنچانے والے وہ بھی حضرات انبیاء پر نہ کہ عام لوگوں پر اور حضرات انبیاء اصطلاحاً" رسول ہیں۔ یعنی پیغام الٰہی پہنچانے والے، سمجھانے والے لوگوں سے عمل کرانے والے وہ بھی تمام لوگوں سے اس لئے انسان ان انسانی رسولوں کی امت ہوتے ہیں۔ فرشتوں کی امت نہیں ہوتے کلمہ میں محمد رسول اللہ ہے۔ جبریل رسول اللہ نہیں۔ ہم پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازم ہے نہ کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی قبر میں حضور کی پہچان کرائی جاتی ہے نہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی۔ رسول اصطلاحی کی تعریف یہ ہے کہ وہ انسان ہیں جنہیں اللہ نے تبلیغ احکام کے لئے بھیجا۔ پوسٹ مین اور ڈپٹی کمشنر میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ : ایمان کے معنی ہیں تصدیق کرنا اور تصدیق کی تین صورتیں ہیں دل سے زبان سے اور عمل سے فقط زبان کی تصدیق بالکل بے کار جیسے منافقین کی تصدیق تھی اور صرف تصدیق بغیر عمل چنداں فائدہ مند نہیں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ تلاوت بے عمل ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ کے حکم نامہ کو روز پڑھ لیا کرے مگر اس کے مطابق عمل نہ کرے جیسے محض پڑھ لینے سے وہ شخص فرمانبردار نہیں ہو سکتا ایسے ہی محض تلاوت قرآن سے بغیر عمل جنت حاصل نہیں کر سکتا۔ رب نے فرمایا جزاء" بما کانوا یعملون جنت عمل کی جزا ہے۔ تصدیق بالارکان کے بھی چند درجے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل قرآن پاک کی تصدیق تھا بلکہ یوں کہو کہ آپ کی زندگی پاک اس کی تفسیر ہے اور قرآن پاک پر عمل آپ کی عادت مبارک اسی لئے امن کے بعد رسول کا ذکر علیحدہ ہوا اور مومنین کا علیحدہ کہ ان کا ہر فعل ایمان و تصدیق صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ استغفار ایمان کا نتیجہ اور بندگی کا اثر ہے۔ اسی لئے یہاں ایمان کے بعد غفران کا ذکر ہوا بندہ کو چاہیے کہ اپنے کو ہر برائی کا اور رب کو ہر بھلائی کا اہل سمجھے لہذا خوبیوں کو رب کی طرف اور برائیوں کو اپنی طرف نسبت دے اور یہ پڑھتا رہے استغفر اللہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ ذکر دنیا اور آخرت کے عذاب سے نجات دینے والا ہے۔ زاہد گناہ سے استغفار کرتا ہے اور عارف عبادت سے انسان کو چاہیے کہ اپنے اوقات کو توبہ اور استغفار کے گھیرے میں رکھے۔ گناہ کے وقت استغفار، اطاعت کے وقت حمد، نعمت کے وقت شکر کرنا مردوں کا کام ہے اس توفیق کے چار اسباب ہیں۔ نور الٰہی جو بلا واسطہ قلوب میں آئے علم وسیع جو عقل کامل کے ساتھ ہو۔ اپنے معاملات میں غور و خوض۔ شیخ کامل کی صحبت شیخ ابو مدین فرماتے ہیں

کہ پیر کامل وہ ہے جو تجھے اپنے اخلاق سے تہذیب سکھائے اور اپنے طریقوں سے ادب اور تیرے قلب کو اپنے نور سے چمکا دے۔ سامنے تیرا دل مطمئن کر دے اور غائب ہو تیری حفاظت کرے جب تک اس میں یہ بات نہ ہو تب تک شیخ کامل نہیں۔ کسی نے خوب کہا۔

از ہستی خویش تجو غافل نہ شوی ہرگز براہ خویش واصل نہ شوی
از بحر ظہور تا بساحل نہ شوی در مذہب اہل عشق کامل نہ شوی

صوفیاء فرماتے ہیں کہ آداب دعا یہ ہے کہ پہلے حمد الٰہی کرے پھر نعت و صلوۃ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی درود شریف، پڑھے پھر اپنے گناہوں سے استغفار کرے۔ پھر اپنے نیک اعمال کے توسل سے دعا کرے دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے دعا سے پہلے **سمعنا واطعنا** فرما کر ایمان و اعمال کے ذکر کی تلقین فرمائی اور اگر کسی کے پاس خود اپنے نیک اعمال نہ ہوں وہ اپنے ماں باپ استاذ شیخ بلکہ اہل بیت اطہار بلکہ حضور نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے توسل سے دعا کرے کہ خدایا غازیان بدر و حنین کا صدقہ کربلا والے شہیدوں کے طفیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد والے سجدوں کے وسیلہ میری حاجات پوری کر۔ ان شاء اللہ حاجات پوری ہوں گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وکان ابوھما صالحا**۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

خیال رہے کہ سب کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے مگر کوئی جوانی میں ہی خوشی سے اس کی طرف رجوع کرتا ہے کوئی بڑھاپے میں جب دنیا کے کام کا بھی نہیں رہتا اور کوئی بعد موت مجبور ہو کر پہلا شخص بہت مبارک ہے۔ دوسرا غنیمت ہے۔ تیسرا مزدور ہے۔ جو خوشی سے حاکم کے ہاں حاضر ہو جائے اسے نہیں پکڑوایا جاتا۔

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَیْهَا مَا

نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جان کو مگر گنجائش بھر اس کی واسطے اس کے ہے وہ جو کمایا اور اوپر اس کے ہے

اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر اس کا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے

اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ

وہ جو حاصل کیا اے رب ہمارے نہ پکڑ فرما ہماری اگر بھول جائیں یا خطا کریں ہم اے رب ہمارے اور نہ ڈال اوپر

جو برائی کمائی اے رب ہمارے ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں اے رب ہمارے اور

عَلَیْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ

ہمارے بوجھ مثل اس کے کہ ڈالا تو نے اوپر ان کے جو تھے پہلے ہمارے

ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تو نے ہم سے اگلوں پر رکھا تھا

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کا ذکر کیا کہ وہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم نے رب کے احکام سنے بھی اطاعت بھی کریں گے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم کیوں نہ اس کی اطاعت کریں وہ ہمیں طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جب اس کا یہ فضل ہے تو ہم پر اطاعت لازم۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کی اطاعت کا ذکر تھا۔ اب رب کے اس فضل کا ذکر ہے۔ جو ان پر دنیا میں ہے یعنی جب مسلمان ہماری اطاعت میں ایسے سرگرم ہیں تو ہم بھی ان پر فضل میں کمی کیوں کریں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کی زبانی اطاعت کا ذکر تھا اب ان کی دلی نیک گمانی کا تذکرہ ہے۔ یعنی وہ زبان سے یوں کہتے ہیں اور دل میں رب کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ طاقت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

شان نزول : جب یہ آیت **وان تبدوا** الخ۔ نازل ہوئی تو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا حبیب اللہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ظاہری احکام پر ہم نے عمل کیا۔ مگر دل کے خطرات قابو سے باہر ہیں۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس نے اس آیت کی تفسیر کر دی۔ (تفسیر روح البیان و در منثور)

تفسیر : **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** یہ عبارت یا نیا جملہ ہے اور رب کا فرمان، یا اس کا تعلق **سمعنا** سے ہے اور **قالوا** کا مفعول ہے۔ اس صورت میں یہ بھی مسلمانوں کا کلام ہے۔ جو رب نے نقل فرمایا۔ خواہ اس قول سے زبانی قول مراد ہو یا قلبی عقیدہ (کبیر و خازن و روح المعانی وغیرہ)۔ یکلف، تکلیف سے بنا جس کا مادہ **کلف** بمعنی مشقت ہے۔ یہاں کلف سے یا مجبوری مراد ہے اور **نفسا** سے دنیا کی ہر چیز مراد یا تکلیف سے وہ احکام مراد ہیں جو طاقت انسانی سے باہر ہوں اور **نفسا** سے سارے مکلفین مقصود خواہ مسلمان ہوں یا دوسری امتیں یا تکلیف سے بھاری احکام مراد ہیں اور **نفسا** سے صرف مسلمان مقصود۔ خیال رہے کہ کلفت و مشقت والی چیز کسی کے ذمہ لازم کرنے کو تکلیف کہتے ہیں۔ اس کی یہ تین صورتیں ہیں۔ غرضکہ ہماری اصطلاح میں تکلیف، دکھ، درد، مشقت کو کہتے ہیں مگر شریعت میں کسی کے ذمہ کچھ احکام لازم کر دینے کو تکلیف کہا جاتا ہے۔ چھوٹے بچوں کو غیر مکلف کہتے ہیں اور عاقل و بالغ کو مکلف کہ بلوغ و عقل سے اس کے ذمہ کچھ احکام ہو گئے۔ بچپن میں کوئی حکم اس پر جاری نہ تھا **وسع** کے معنی ہیں گنجائش و فراخی، اسی لئے بڑے میدان کو وسیع کہا جاتا ہے اس کا مقابل ضیق بھی ہے اور جھد بھی۔ (تنگی و مشقت) ضیق کے معنی ہیں طاقت سے باہر ہونا اور جھد کے معنی ہیں مشکل ہونا اگرچہ طاقت کے اندر ہو۔ لہٰذا وسعت کے بھی دو معنی ہوئے۔ ممکن اور آسان یعنی وہ جو کیا جا سکے اور وہ جو بآسانی کیا جا سکے۔ وسعت کے یہ معانی کلفت کے لحاظ سے ہوں گے۔ یا تو **نفسا** سے ہر جان مراد ہے انسان ہو یا غیر انسان یا ہر انسان مراد یا ہر مسلمان مراد۔ اس لئے اس آیت کی تین تفسیریں ہوں گی۔ خیال رہے کہ **وسعھا** قدر محذوف کا مضاف الیہ ہے۔ مضاف کے پوشیدہ ہونے سے یہ منصوب ہو گیا۔ یعنی اللہ کسی چیز کو ناممکن کام پر مجبور نہیں کرتا یا اللہ کسی مکلف کو وہ احکام نہیں دیتا جو اس سے نہ ہو سکیں۔ یا اللہ کسی مسلمان پر کوئی مشکل چیز واجب نہیں فرماتا۔ صرف وہ حکم دیتا ہے جو آسانی سے ہو سکے۔ **لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت**۔ یہ نیا جملہ ہے اور رب کا دوسرا قانون۔ لام نفع کا ہے اور ھا کا مرجع نفس ہے۔ **ما** سے مراد نیک اعمال ہیں **لھا** خبر ہے اور **ما** مبتداء۔ **کسبت ما** کا صلہ **وعلیھا** میں واؤ عاطفہ ہے اور علیٰ نقصان کے لئے **ما** سے مراد بد

عملیاں ہیں۔ اکتسبت باب افتعال کا ماضی ہے اس کا مادہ کسب ہے۔ بمعنی ظاہری عمل کرنا۔ اسی لئے کمائی کو کسب کہا جاتا ہے کبھی دل کے فعل پر بھی بولا جاتا ہے جیسے بما کسبت قلوبکم بعض علماء نے فرمایا کہ کسب اور اکتساب میں کوئی فرق نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے بلی من کسب سیئۃ اور فرماتا ہے بغیر ما اکتسبوا بعض نے فرمایا کہ کسب عام ہے اور اکتساب خاص۔ اکتساب وہ فعل ہے جو انسان اپنے لئے کرے اور کسب ہر فعل خواہ اپنے لئے ہو یا غیر کے لئے۔ بعض نے فرمایا کہ اکتساب اہتمام سے کام کرنا ہے اور کسب عام خواہ اہتمام سے ہو یا بغیر اہتمام چونکہ نفس گناہ تو خوشی اور اہتمام سے کرتا ہے نیکی مجبوراً اس لئے نیکی کے لئے کسب اور گناہ کے لئے اکتساب فرمایا گیا۔ نیز نفس امارہ گناہ زیادہ کرتا ہے اور نیکیاں کم۔ اس لئے وہاں کسبت اور یہاں اکتسبت ارشاد ہوا۔ یعنی ہر نفس کی نیکیاں اس کے لئے ہیں اور ہر نفس کے گناہ اس پر پڑیں گے یا نیکی کا ثواب خود کرنے والے کو ملے گا وہ کبھی محروم نہیں ہو سکتا اور گناہ کا عذاب بھی کرنے والے پر ہی ہے اس سے بچ نہیں سکتا یا ہر نفس کو ہر اس نیکی کا ثواب ملے گا جسے وہ کرے خواہ اہتمام و ارادے سے۔ خواہ بغیر اہتمام و ارادہ اور ہر اس گناہ کی سزا ملے گی جو وہ ارادۃً کرے اہتمام سے کرے یا بلا قصد اور گناہ سرزد ہو جانے پر پکڑ نہیں۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔ یا تو اس کا تعلق بھی سمعنا سے ہے اور یہ بھی قالوا کا مفعول ہے اور مسلمانوں کا کلام یا قولو فعل محذوف کا مفعول ہے۔ چونکہ یہ دعا ہے اس لئے رب کے نام سے شروع کی گئی۔ کیونکہ دعا میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا خصوصاً ربنا کہہ کر پکارنے کے بعد دعا کرنا بہتر ہے۔ لا تؤاخذنا۔ مواخذہ سے بنا۔ یہاں باب مفاعلہ شرکت کے لئے نہیں۔ اس کے معنی یا پکڑنا ہیں۔ یا عذاب دینا۔ نسیان کے دو معنی ہیں۔ (1) بھولنا اس کے مقابل ہے۔ ذکر یعنی یاد کرنا (2) دوسرے چھوڑنا جس کا مقابل ہے فعل یعنی کرنا رب تعالیٰ فرماتا ہے نسوا اللہ فنسیھم انہوں نے رب کو چھوڑ دیا۔ رب نے ان کو شاعر کہتا ہے۔

ولم اک عند الجود للجود تا لیا　　ولا کنت یوم الروع للطعن ناسیا

یہاں ناسی بمعنی تارک ہے (روح المعانی و کبیر) پھر بھولنے کی بھی دو صورتیں ہیں ایک اپنی کوتاہی سے۔ بھولنا جسے بھلا دینا کہا جاتا ہے۔ دوسرے اتفاقاً بھول جانا۔ یہاں غالباً پہلے یا تیسرے معنی مراد ہیں۔ دیر لگانے کو بھی نسی کہہ دیتے ہیں۔ اسی سے نسیئۃ ہے۔ بمعنی ادھار۔ اخطانا خطاء سے بنا جس کے معنی غلطی بھی ہیں۔ جس کا مقابل صواب ہے اور چوک جانا بھی جس کا مقابل ہے عمداً بچ جانے رہ جانے کو بھی خطا کہہ دیتے ہیں۔ یہاں نسیان سے نیکی چھوڑ جانا مراد ہے اور خطاء سے مراد دھوکے سے گناہ کر لینا۔ فقہائی اصطلاح میں نسیان یہ ہے کہ کلام ارادہ سے کیا جائے اور مانع کا خیال نہ رہے۔ جیسے روزہ یاد نہ رہا۔ کچھ کھا لیا خطا یہ ہے کہ مانع تو یاد رہے مگر فعل بلا ارادہ ہو گیا جیسے کلی کر رہا تھا کہ پانی حلق سے اتر گیا۔ خیال رہے کہ ارادۃً گناہ بھی ہماری جہالت و نسیان ہی سے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے یعملون السوء بجھالۃ لہٰذا اسی نسیان و خطا میں ارادۃً گناہ بھی داخل ہیں۔ یعنی مسلمان یہ بھی کہتے ہیں اے مسلمانوں تم یہ بھی دعا مانگو کہ اے مولیٰ اگر ہم کوئی نیکی بھول جائیں یا غلطی سے گناہ کر بیٹھیں۔ تو ہماری پکڑ نہ فرما نہ تو دنیا میں پکڑ فرما کہ ہم اپنے گناہوں کی شامت سے آفات میں مبتلا ہو جائیں۔ یا نیک اعمال سے محروم ہو جائیں۔ نہ مرتے وقت پکڑ کہ خاتمہ خراب ہو جائے۔ نہ قبر میں پکڑ کہ امتحان میں فیل ہو جائیں نہ آخرت میں پکڑ فرما کہ ہم عذاب میں پھنس جاویں۔ لا تؤاخذنا ان سب کو شامل ہے ربنا ولا تحمل علینا اصرا یہ جملہ لا تؤاخذنا پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے انکسار عاجزی کے لئے ربنا کی تکرار کی گئی۔ لا تحمل کا مادہ حمل ہے بمعنی لادنا

اور کسی پر ڈالنا۔ اصر کے لغوی معنی ذمہ' بوجھ اور شدت ہیں۔ عہد کو بھی اسی لئے اصر کہتے ہیں کہ وہ بھی بوجھ ہوتا ہے۔ **واخذتم علی ذلکم اصری**۔ قید کو بھی اسی معنی سے **اصر** کہہ دیتے ہیں بعض علماء نے فرمایا کہ ناقابل معافی گناہ **اصر** ہے (روح المعانی) یعنی ہمارے مولیٰ ہم پر بوجھ نہ ڈال **کما حملتہ علی الذین من قبلنا** یہ جملہ مصدر محذوف کی صفت ہے جو **لا تحمل** کا مفعول مطلق ہے اور ہو سکتا ہے کہ **اصر** کی صفت ہو۔ قبل سے مراد پچھلی امتیں یہود و نصاریٰ ہیں۔ ان پر تین قسم کے بوجھ تھے احکام کے سزاؤں کے اور توبہ کے۔ چنانچہ انہیں کبھی توبہ کے لئے خود کشی کرنی پڑتی تھی ناپاک کپڑے اور گندی کھال کاٹنا پڑتی تھی رات دن میں ان پر پچاس نمازیں فرض تھیں۔ مسجد کے سوا ان کی نماز کہیں نہ ہوتی تھی۔ ان پر چوتھائی مال زکوۃ واجب تھی۔ رات کے پوشیدہ گناہ صبح کو دروازہ پر لکھ جاتے تھے۔ (روح البیان و کبیر وغیرہ) رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل یہ تمام مصیبتیں دور فرمادیں۔ ارشاد فرماتا ہے **ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم** یعنی اے مولیٰ ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا ہم سے اگلی امتوں یہود و نصاریٰ پر ڈالا تھا۔

خلاصہ تفسیر : اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کی تکلیف نہیں دیتا۔ اس لئے کسی ناممکن چیزوں کا مکلف نہ کیا۔ کیونکہ وہ طاقت سے باہر ہیں خصوصاً" مسلمانوں کو بھاری احکام بھی نہ دیئے نماز' زکوۃ روزہ وغیرہ میں ان کے لئے بے شمار سہولتیں کیں۔ ہر شخص کی نیکیاں اس کے لئے ہیں اور ہر شخص اپنے گناہوں کا ذمہ دار ہے نہ کوئی کسی کی نیکی چھین کر اسے محروم کر سکے اور نہ کسی کے گناہ کا وبال دوسرے پر اس طرح پڑے کہ گنہگار صاف بچ جائے یا ہر شخص کو نیکی معمولی سی بھی مفید ہے اگرچہ اتفاقا" ہی ہو جائے مگر گناہ وہی مضر ہے جو اہتمام سے ہو کبیرہ ہو۔ جس پر اصرار و قصد کی جاوے یا نیکی تو وہ بھی مفید ہے جو دوسرے کے لئے دوسرے کی طرف سے کرے مگر گناہ وہی مضر ہو گا جو اپنے لئے کرے۔ کیونکہ گناہ دوسرے کے لئے ہوتا ہی نہیں۔ اے مسلمانوں تم ہم سے دعائیں مانگا کرو کہ اے مولیٰ اگر ہم سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو ہماری پکڑ نہ فرما اور ہمیں عذاب نہ دے اگر ہم نیکی کو بدی سمجھ کر چھوڑ بیٹھیں یا بدی کو بھلائی سمجھ کر کر بیٹھیں تو ہم پر ناراض نہ ہو اور اے مولیٰ ہم پر سخت احکام سزاؤں اور توبہ وغیرہ کے لئے ایسے بوجھ نہ ڈال جیسے ہم سے پچھلی امتوں پر ڈالے تھے۔ ہم گنہگار اور کمزور ہیں تو قوی اور قادر' ستار ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خدا تعالیٰ ناممکن باتوں کی کسی کو تکلیف نہیں دیتا ہر چیز کو بقدر طاقت احکام دیئے جاتے ہیں یہ قاعدہ انسان ہی کے لئے خاص نہیں بلکہ عالم کی ہر چیز میں رب کا یہ ہی دستور ہے۔ درختوں میں نہ نقل و حرکت کی طاقت ہے نہ روزی کمانے کی طاقت تو انہیں اسی جگہ غذا' پانی پہنچایا جاتا ہے۔ پرندوں وغیرہ میں نقل و حرکت کی طاقت تو ہے مگر وہ کمانے سے مجبور تو ان کی غذا ان کے آشیانوں میں نہ پہنچی۔ ان کو تلاش غذا کے لئے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ مگر باہر جا کر بغیر کمائے روزی مل جاتی ہے۔ انسان بھی جب تک کمزور رہا اس کی خدمت کے لئے ماں باپ مقرر کئے گئے۔ جیسی اس میں طاقت آتی گئی۔ ویسی ہی اس کی ذمہ داری اور بوجھ بڑھتا گیا۔ **دوسرا فائدہ:** پچھلی قوموں پر دشوار احکام تھے مگر مسلمانوں کے لئے نہایت سہل و آسان احکام۔ **تیسرا فائدہ:** نیکی اگر بلا قصد بھی ہو جائے تب بھی اس کا ثواب ملتا ہے۔ مگر بدی پر بلا ارادہ عذاب نہیں اگر کسی کے چراغ سے کوئی قرآن پاک کی تلاوت کرے اور چراغ والے کو خبر بھی نہ ہو تب بھی ان

شاء اللہ اسے ثواب ملے گا۔ لیکن اگر کسی کی روشنی میں کوئی گناہ کرلے تو روشنی والے پر عذاب نہیں۔ دیکھو نیکی کے لئے کسبت فرمایا گیا جو عام ہے اور گناہ کے لئے اکتسبت جس سے بالارادہ فعل مراد چوتھا فائدہ: رب تعالیٰ مسلمانوں کو ہر طرح دینا چاہتا ہے۔ اسی لئے انہیں مانگنے کا حکم دیتا ہے۔ بلکہ مانگنا سکھاتا ہے۔ بادشاہ کا کسی سے یہ کہنا کہ تم اپنی نوکری کے لئے ہمیں اس مضمون کی عرضی دو۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ نوکر رکھنا منظور ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

لو لم ترد نیل ما ارجوا وا طلبہ من فیض جودک ما علمتنی طلبا

اے مولیٰ اگر تجھے دینا منظور نہ ہوتا تو ہمیں مانگنا کیوں سکھاتا۔ اس تعلیم سے معلوم ہوا کہ دینا منظور ہے مگر ہم سے کہلوا کر پانچواں فائدہ: کسی مسلمان کی نیکی دوسرا اس طرح نہیں چھین سکتا کہ کرنے والا کچھ نہ پائے اور نہ کسی کی برائی دوسرے پر اس طرح پڑ سکتی ہے کہ کرنے والا بچ جائے۔ جیسے کہ **لہا** اور **علیہا** کے حصر سے معلوم ہوا چھٹا فائدہ: بھول چوک پر پکڑ ممکن ہے۔ بلکہ پچھلی امتوں پر ہوتی بھی تھی۔ اسی لئے تو ہمیں اس دعا کا حکم دیا گیا۔ ناممکنات اور واجبات کی دعائیں مانگی جاتی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت سے بھول چوک کی سزا اٹھالی گئی **وقع عن امتی الخطاء والنسیان**۔ معلوم ہوا کہ پچھلی امتوں پر اس کی پکڑ تھی۔ مسئلہ: آخرت میں بھول چوک پر پکڑ نہ ہوگی۔ مگر احکام شرعیہ میں بعض جگہ بھول معاف ہے اور بعض جگہ نہیں روزہ میں بھول کر کھالیا معاف ہے۔ لیکن اگر نماز میں بھول کر بات کرلی تو نماز جاتی رہی۔ اگر ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا بھول گیا۔ تو حلال ہے اور اگر خطاً کسی کا نقصان کردیا تو تاوان واجب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: **ومن قتل مؤمنا "خطا" فتحریر رقبۃ مؤمنۃ و دیۃ مسلمۃ الی اہلہ الا ان یصدقوا** دیکھو خطاً قتل کردینے پر بھی کفارہ اور دیت واجب فرمائی گئی۔ اگر کوئی بھول کر بے وضو نماز پڑھ لے تو نماز نہ ہوئی۔ غرضکہ یہ آیت اخروی عذاب کے متعلق ہے نہ کہ دنیوی احکام کے بارے میں۔ مسئلہ: بھول کر دو صورتیں ہیں ایک اتفاقاً اور دوسرے اپنی کوتاہی سے پہلی کی پکڑ نہیں اور دوسری کی آخرت میں بھی پکڑ ہے۔ اگر حافظ تلاوت قرآن چھوڑ دے لہٰذا بھول جائے تو سخت گنہگار ہے۔ لیکن اگر کوئی بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھول گیا تو گنہگار نہیں۔ اس لئے آیت میں بھول چوک سے معافی مانگنے کا حکم دیا گیا کہ بعض بھول چوک قابل پکڑ ہیں۔ لہٰذا آیت پر یہ سوال نہیں کہ جب بھول و خطا پر پکڑ قانوناً نہیں تو اس کی دعا کیوں مانگی واجب اور ناممکن کی دعا کرنا منع ہے کیونکہ بعض بھول مواخذہ کے لائق بھی ہیں۔ مسئلہ: بعض علماء کرام نے فرمایا کہ بعض غلطیاں مثل زہر کے ہیں کہ اگر جان بوجھ کر کھائے تو بھی ہلاک اور بھول چوک سے کھا جائے تو بھی ایسے طلاق نکاح بیع اجارہ ہبہ وغیرہ عقود کا یہی حال ہے کہ عمداً کرے یا بھول کر یا خطاء سے بہرحال واقع ہو جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے **ثلث جدھن جد وھزلھن جد** مسئلہ: شریعت یا بندوں کے حقوق بھول چوک سے معاف نہیں ہوسکتے لہٰذا اگر قرضخواہ اور مقروض دونوں قرض بھول گئے یا کوئی مسلمان کچھ نمازیں بھول گیا تو اس کو قرض معاف ہو نہ نمازیں۔ جب یاد آجائے ادا کرے۔ مسئلہ: **کسبت** اور **اکتسبت** سے وہ اعمال مراد ہیں جو شرعاً معتبر ہوں۔ کافر اور مرتد کی نیکیاں اور بچہ و دیوانہ کے گناہ معتبر نہیں نہ کافر کو ثواب اور نہ بچہ کو گناہ۔ جیسے بے وضو کی نماز نماز نہیں۔ ایسے ہی کافر کی نیکی نیکی ہی نہیں اور جیسے سوئے ہوئے آدمی کا گناہ گناہ نہیں۔ ایسے ہی بچہ کی برائیاں گناہ نہیں۔ ساتواں فائدہ: غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی اور غیر مجتہد کو قرآن و حدیث سے مسائل نکالنے کی تکلیف دینا طاقت سے زیادہ تکلیف ہے۔

آٹھواں فائدہ: خطا اجتہادی معاف ہے۔ کیونکہ اس آیت میں خطا اور بھول کی معافی کی درخواست کی گئی ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی اور حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن جھوٹی خوابیں گھڑنے والے کو حکم ہو گا کہ جو کے دانہ میں گرہ لگائے اور تصویریں بنانے والے کو حکم دیا جائے گا کہ اپنی کھینچی ہوئی تصویروں میں جان ڈالے یہ احکام طاقت سے زیادہ ہیں تو اس آیت و حدیث میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: یہ حکم تکلیفی نہ ہو گا اس سے فقط عذاب دینا مقصود ہے۔ ہر حکم تکلیفی نہیں ہوتا۔ یہاں تکلیف کی نفی ہے اور حدیث شریف میں عذاب کا ذکر۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ناممکن کام کی تکلیف دی نہیں جاتی۔ تو بولہب ابو جہل اور دیگر وہ کفار جن کا کافر رہنا علم الٰہی میں آچکا۔ ان کا کفر واجب اور ایمان ناممکن ہو گیا۔ کیونکہ ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض ناممکن ہو جاتی ہے۔ پھر انہیں ایمان کا مکلف کیوں کیا گیا۔ جواب: ان لوگوں کا ایمان بذات خود ناممکن نہیں۔ جس پر وہ قادر نہ ہوں رب تعالیٰ کے علم میں یہ بات آئی کہ یہ لوگ ایمان پر قادر ہوتے ہوئے بخوشی کافر رہیں گے۔ ایمان کے قریب نہ آئیں گے جیسے ان کا کفر علم الٰہی میں آگیا ایسے ہی ان کا اختیار ارادہ اور خوشی بھی علم الٰہی میں آچکی۔ کفر بالاختیار کی نقیض مطلق ایمان نہیں ہے آیت کا مقصد تو یہ ہے کہ انسان کو ان باتوں کی تکلیف نہیں دی جاتی جو اس سے نہ ہو سکیں۔ جیسے اجتماع نقیضین یا ہوا میں اڑ جانے اور آگ میں جل جانے کے احکام۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کی نیکی اس کو ملتی ہے نہ کہ دوسرے کو تو چاہئے کہ کسی کو ثواب نہ بخشا جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خیرات میں کروں اور ثواب دوسروں کو مل جائے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **لیس للانسان الا ما سعی**۔ معلوم ہوا کہ اپنی ہی نیکی کام آ سکتی ہے۔ نہ کہ دوسرے کی (بعض نیچری) جواب: اس کے بہت جواب ہیں۔ جن کی تفصیل ہماری کتاب جاء الحق اول میں دیکھو۔ ان میں سے چند یہاں عرض کئے جاتے ہیں ایک یہ کہ بخشنے سے محض ثواب پہنچتا ہے نہ کہ اصل فعل، وہ تو کرنے والے ہی کے لئے رہتا ہے اس آیت کا یہ ہی مطلب ہے کہ نفس کا کمایا ہوا فعل اسی کے لئے رہے گا۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت بدنی عبادتوں کے لئے ہے نہ کہ مالی۔ اسی لئے **کسبت** فرمایا گیا۔ یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز، روزہ ادا نہیں کر سکتا۔ یہ تو خود ہی کرنا پڑیں گے۔ خیال رہے کہ عبادات تین قسم کی ہیں۔ عبادات بدنی، جیسے نماز روزہ، عبادات مالی جیسے زکوۃ بدنی اور مالی کے مجموعہ جیسے حج، بدنی عبادات میں نیابت نہیں ہو سکتی۔ مالی میں بہرحال ہو سکتی ہے بدنی اور مال کے مجموعہ میں بحالت مجبوری نیابت جائز اور بلا وجہ ناجائز، میری طرف سے نماز کوئی نہیں پڑھ سکتا اپنی زکوۃ میں مجھے اختیار ہے کہ خود دوں یا کسی سے دلوا دوں۔ مگر حج بحالت مجبوری دوسرے سے کرایا جا سکتا ہے نہ کہ بلا ضرورت، اسی لئے حج بدل بڈھے یا میت کی طرف سے جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ **لھا** میں لام ملکیت کا ہے یعنی ہر شخص اپنی ہی نیکیوں کا مالک ہے نہ کہ دوسرے کی۔ کیا خبر دوسرا بخشے یا نہ بخشے اولاد کے بھروسہ پر خود نیکی سے غافل نہ رہو۔

بعد مرنے کے جنہیں اپنا پرایا بھول جائے ۔۔۔ فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

پانچویں یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی کرنے والا کبھی نیکی سے محروم نہیں ہو سکتا اسے ضرور ملے گی۔ چنانچہ ثواب بخشنے سے بخشنے والا ثواب سے محروم نہیں جاتا۔ بلکہ اس نے جتنوں کو ثواب بخشا۔ اسے ان سب کے برابر ثواب ملتا ہے۔ دیکھو (در مختار) چھٹے یہ کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے۔ **واتبعتهم ذريتهم بايمان** یہ ہی عبداللہ ابن عباس کا قول ہے دیکھو جمل و

خازن زیر آیت **لیس للانسان الا ما سعی** اگر کسی کی نیکی دوسرے کے کام بالکل نہ آئی تو مسلمانوں کے نابالغ بچے جنت میں کیوں جاتے اور انبیائے کرام کی نابالغ اولاد ان کے ساتھ جنت الفردوس میں کیوں رہتی۔ بتاؤ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ کہاں ہوں گے۔ یقیناً" جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے انہیں یہ درجہ کیوں ملا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے۔ غرضکہ اس آیت میں ہبہ کی نفی نہیں۔ ایصال ثواب کا ثبوت صدہا حدیث سے ہے۔ بچوں کے حج سے ماں باپ کو ثواب ہے روزہ افطار کرانے والے کو روزہ کا ثواب **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیکی صرف نیکی کرنے والے کے لئے ہے اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دلوادی جائیں گی۔ اس آیت اور حدیث میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ دنیا میں خدا پاک اعمال کی زیادتیاں فرماتا ہے۔ کسی نیکی کا ثواب پچیس گنا اور کسی کا پانچ سو گنا کسی کا لاکھ گنا۔ قیامت کے دن مظلوم کو ان زیادتیوں میں سے دیا جائے گا نہ کہ اصل نیکی۔ یہ زیادتیاں اسی لئے کی گئی تھیں۔ حکومت دیوالیہ کے لئے کچھ ضرور چھوڑ دیتی ہے مگر روزہ کی نہ زیادتی کسی کو ملے نہ اصل۔ اسی لئے فرمایا گیا **الصوم لی وانا اجزی بہ** روزہ تو میرا ہے اور میں اس کی ضرور جزا دوں گا۔ غرضکہ آیت و حدیث میں کوئی مخالفت نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیکی کرنے والے کو اس کی نیکی ضرور ملتی ہے۔ مگر دوسری جگہ ارشاد ہو رہا ہے کہ نبی کی آواز پر اپنی آواز اونچی مت کرو ورنہ **اذ تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** تمہاری نیکیاں ضبط ہو جائیں گی اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی جس سے معلوم ہوا کہ بعض نیکیوں کا ثواب نہیں بھی ملتا ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** ہم نے فوائد میں عرض کر دیا کہ یہاں کسب سے عمل معتبر مراد ہے۔ ضبط شدہ نیکی کسب میں داخل نہیں جیسے کہ اسی گناہ کا عذاب ہو جو بخشا نہ جائے۔ ایسے ہی اس نیکی کا ثواب ملے گا جو ضبط نہ ہو جائے **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کا گناہ اسی پر پڑتا ہے۔ مگر حدیث شریف میں ہے کہ گناہ کے موجد پر سارے گنہگاروں کا وبال ہے ہر قتل میں قابیل کا حصہ ہے کیونکہ وہ قتل کا موجد ہے۔ قرآن کریم بھی فرماتا ہے۔ **ولیحملن اثقالھم واثقالا مع اثقالھم** یعنی کافروں کے سردار اپنا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے متبعین کا بھی ان میں مطابقت کیسے ہو؟ **جواب:** اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ صرف موجد ہی کو عذاب ہو اور باقی سب گنہگار بچ جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایجاد گناہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کا عذاب سب گنہگاروں کے برابر ہے یہ اپنے قصور یعنی ایجاد گناہ کا ہی عذاب پائے گا۔ نہ کہ لوروں کے گناہ کا۔ ان کے گناہ ان پر رہیں گے چوری کرنے والا' کرانے والا' مال کا بھید بتانے والا' چوری کا مال رکھنے والا' اسے بیچنے والا' یہ سب جیل کے قابل ہیں مگر سب اپنے اپنے گناہوں سے اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گناہ کا عذاب خود کرنے والے پر ہی ہوگا' نہ کہ دوسرے پر **ساتواں اعتراض:** نیکی کے لئے **کسبت** اور گناہ کے لئے **اکتسبت** کیوں فرمایا گیا۔ دونوں صیغے یکساں کیوں نہ ہوئے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ خوشی اور ارادہ سے کام کرنا اکتساب کہلاتا ہے اور کسب ہر فعل کو کہہ دیتے ہیں۔ قصداً" ہو یا بلا قصد لہذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ انسان سے جو بھی نیکی صادر ہو جائے اس کا ثواب ملے گا۔ ارادۃً" ہو یا بلا ارادہ' خوشی سے ہو یا مجبوراً" بچوں نے رٹ کر نماز پڑھی ثواب ملا کسی کے کھیت سے جانور انسان کچھ دانے کھا گئے اور مالک کو خبر بھی نہ ہوئی مگر مالک کو ثواب ملا۔ کسی کی دیوار کے سایہ میں کسی نیک بندہ نے آرام پالیا۔ مالک کو ثواب ملا۔ مگر بدی کا یہ حال نہیں۔ بھول سے ہو جائے معاف خطا سے ہو جائے معاف جبراً" ہو جائے معاف' اگر مجبوری میں کلمہ کفر منہ

سے نکل بھی لو تو بھی پکڑ نہیں روزہ دار کے منہ میں جبراً" کوئی چیز ٹھونس دی گئی جس سے روزہ ٹوٹ گیا روزہ دار پر نہ گناہ نہ کفارہ صرف قضا کافی ہے۔ اسی کرم کے اظہار کے لئے وہاں کسبت فرمایا۔ اور یہاں اکتسبت اس کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ اس کا نام گنہگاروں کو سہارا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور یہاں یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک منزل کے چند راستے ہوتے ہیں اور ہر راستہ طے کرنے کے مختلف اسباب۔ مکہ معظمہ کا راستہ سمندر بھی ہے خشکی بھی اور ہوا بھی۔ پروالے اڑ کر وہاں جائیں زروالے مختلف سواریوں میں جائیں۔ زوروالے پیدل وہاں پہنچیں۔ یعنی کوئی ہوائی جہاز سے جائے۔ کوئی کشتی سے 'کوئی اونٹ سے 'کوئی موٹر سے 'کوئی پیدل مگر بے زر' بے پر' بے زور' بے سہارا پر نہ وہاں جانا واجب اور نہ اس پر حج فرض۔ اس کا حج یہ ہی ہے کہ تمنائے حج میں مرے یہ ہی اس منزل کا حال ہے۔ بارگاہ الٰہی کے مختلف راستے ہیں۔ کسی راستہ کا نام شریعت ہے کسی کا طریقت اور ہر راستہ کے طے کرنے کے مختلف اسباب ہیں۔ کوئی اطاعت کے قدم سے دوڑتا ہے کوئی ارادت کے بازوں سے اڑتا ہے کوئی تقویٰ کے قدم سے چلتا ہے کوئی عشق کے پروں سے اڑتا ہے۔ غرضکہ جیسی جسے توفیق ویسے ہی اس کا سفران شاء اللہ یہ سب وہاں تک پہنچیں گے۔ ان مسافروں سے خطاب ہے کہ اے رہروان راہ محبت اپنی کوشش میں کمی نہ کرو۔ جس قابل ہو سفر کئے جاؤ اللہ" کسی نفس کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ بے پر کو اڑنے کا حکم نہیں اور بے زر پر کچھ زور نہیں۔ یہاں اتنا خیال رکھنا کہ اس راستہ میں تمہاری جیسی کوشش ہوگی ویسی ہی کامیابی 'چونکہ یہ راستہ دشوار ہے۔ اور منزل کٹھن۔ اس لئے یہ دعا مانگتے ہوئے آؤ کہ اے مولیٰ کریم اگر کبھی ہم راستہ بھول جائیں یا شامت نفس سے کبھی اس راستہ سے بھٹک کر شیطانی گلی کوچوں میں چلے جائیں۔ تو ہماری پکڑ نہ کر اور یہ بھی دعا مانگو کہ مولیٰ اس راستے میں ہمیں ہلکا پھلکا رکھ مسافر جتنا ہلکا اتنا ہی اسے آرام۔ جتنا بھاری اتنی مصیبت۔ اے اللہ تیری رحمت ہمارے گناہوں کے بوجھوں کو اٹھائے۔ ہمارا بوجھ ہم پر نہ ڈال۔ ورنہ ہم کمزور تجھ تک کیسے پہنچیں گے۔ مولیٰ کریم کرم فرما۔ اس راستہ پر چلانا بھی تیرا ہی کام ہے اور منزل تک پہنچانا بھی تیرے فضل پر موقوف۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دنیا ایک میلہ گاہ یا نمائش گاہ ہے جہاں مختلف قسم کے بازار' تاجر' دوکانیں ہیں۔ ہم لوگ ناسمجھ بچوں کی طرح ہیں جو یہ میلہ دیکھنے آئے۔ حضرات انبیاء کرام مشائخ عظام ہمارے ولی وارث ہیں۔ جن کے دامن تھامنے کی برکت سے ہم ان شاء اللہ بھٹک نہیں سکتے۔ اگر یہ دامن چھوٹ جائے تو ہم بھٹک کر نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچ جائیں۔ ہم کو چاہئے کہ یہ میلہ ضرور دیکھیں۔ یہاں سے سودے ضرور خریدیں مگر ان مقبولوں کا دامن پکڑے رہیں تاکہ میلہ دیکھ کر بخیریت اپنے گھر پہنچ جائیں۔ اس آیت میں رب تعالیٰ نے یہ دعا تعلیم فرمائی کہ مولیٰ اگر ہم بھول چوک کر ان کے دامن چھوڑ بیٹھیں تو معافی دے وہ حضرات ہمیں نہ چھوڑیں۔ گم شدہ بچہ کو والی وارث ڈھونڈھ لیتے ہیں۔ ہمارے والی وارث ہمیں ڈھونڈھ لیں۔

دوسری تفسیر : اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی گنجائش سے زیادہ کمال حاصل کرنے کی تکلیف نہیں دیتا ہر ایک کو بقدر استعداد تجلیات عطا فرماتا ہے۔ جتنا ظرف اتنی ہی عطا۔ ہر نفس جو کچھ بھلائیاں و کمالات کمائے گا وہ اس کے لئے نافع ہوں گی اور جو کچھ گناہ کرے گا کہ خالق کے سوا مخلوق پر توجہ کرے وہ اسی کے لئے نقصان دہ ہو گا۔ اس کو چاہئے کہ یوں دعا مانگا کرے کہ اے اللہ اگر ہم ظلمت نفس میں پھنس کر تیرا عہد و پیمان بھول جائیں اور ایسے عمل سے خطا کر جائیں جو تیری بارگاہ کے لائق ہو تو ہماری پکڑ نہ فرما

اور اے اللہ ہم پر صفات نفس اور افعال خبیثہ کا بوجھ نہ ڈال دے جیسا کہ ان لوگوں پر ڈالا گیا۔ جو ظاہری حجاب میں پھنس کر باطنی صفات سے محروم ہو گئے (روح المعانی)

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ
اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے وہ کہ نہیں ہے واسطے ہمارے طاقت ساتھ اس کے اور معاف کر ہم سے اور بخشش کر
اے رب ہمارے اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں سہار نہ ہو اور ہمیں معاف فرما دے اور بخش دے
وَارْحَمْنَا ۚ أَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝
واسطے ہمارے اور رحم کر ہم پر تو والی ہے ہمارا پس مدد کر ہماری اوپر قوم کافروں کے
اور ہم پر مہر کر تو ہمارا مولیٰ ہے تو کافروں پر ہمیں مدد دے۔

تعلق : پچھلے جملوں میں چند دعائیں ہیں۔ اس میں بھی ایک دعا ہی ہے گویا یہ جملہ گزشتہ کا تمہ ہے۔ ان جملوں میں دشوار احکام سے بچانے کی دعا کی گئی تھی جن کی اگرچہ طاقت تو ہو مگر بدشواری ادا ہو سکیں۔ اس میں ان چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے جو طاقت سے باہر ہوں۔

تفسیر : ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ۔ ربنا کی تکرار رب کا کرم حاصل کرنے کے لئے ہے واؤ عاطفہ ہے اور جملہ ولا تحمل علینا پر معطوف ہے۔ حمل اور تحمیل قریباً ایک ہی ہیں البتہ تحمل کے بعد علیٰ آتا ہے اور اس کے بعد نہیں آتا۔ بعض نے کہا حمل کے معنی ہیں۔ لادنا۔ تحمیل اٹھوانا اور لدوانا اگر کسی کے سر پر بھاری بوجھ رکھ دیا جائے تو اسے حمل کہا جائے گا اور اگر اٹھانے کا بھی اسی کو مکلف کیا جائے کہ تو خود اٹھا کر اپنے سر پر رکھ یہ تحمیل ہے۔ لہٰذا حمل سے تحمیل سخت تر۔ بعض نے فرمایا کہ ثقیل چیز کا لادنا حمل اور ناقابل برداشت کا لادنا تحمیل۔ ما سے سزائیں مراد ہیں' یا ناممکن احکام یا وہ اعمال جو جہنم کا ذریعہ ہوں طاقۃ' طوق سے بنا۔ بمعنی قوت یہ اطاعت کا ہم معنی ہے۔ جیسے جابت واجابت یہاں حاصل مصدر ہے' لنا طاقت کا متعلق ہے۔ بہ مرجع ما کا ہے۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہاں ما سے مراد نفس کے وسوسے یا محبت کا جوش ہے۔ تو تحمیل سے مراد پکڑ ہے۔ یا ما سے مراد دشمنوں کے طعنے دوستوں کی جدائی یا صورتوں کا مسخ ہونا ہے۔ یعنی اے مولیٰ ہم پر ان احکام یا ان سزاؤں یا ان تکلیف کا بوجھ مت ڈال۔ جن کے اٹھانے کی ہمیں طاقت نہیں۔ واعف عنا واغفرلنا وارحمنا۔ اعف' عفو سے بنا بمعنی مٹانا۔ معافی کو اسی لئے عفو کہتے ہیں کہ اس سے جرم مٹ جاتا ہے۔ اغفر' غفر سے بنا بمعنی چھپانا۔ اسی لئے چھلکا کو غفر کہتے ہیں کہ وہ مغز کو چھپائے ہوتا ہے اصطلاح میں بخشنے کو بھی مغفرت کہا جاتا ہے اور عیب چھپانے کو بھی۔ ارحمنا' رحم سے بنا ہے تو قلب رب تعالیٰ کے لئے جب اس کا استعمال ہو تو بمعنی رحمت اور مہربانی ہوتا ہے کیونکہ وہ قلب سے پاک ہے۔ یعنی ہمارے گناہوں کو مٹا دے' ہمارے عیبوں کو چھپا لے اور

ہم پر رحمت فرما کہ تھوڑی اور کھوٹی نیکیاں قبول فرمالے۔ **انت مولنا** ، **مولیٰ** **ولی** کا مصدر میمی ہے بمعنی اسم فاعل۔ اس کے معنی ہیں مددگار ، مالک سید اور متولی۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی ہم تجھ سے یہ دعائیں اسی لئے کرتے ہیں کہ تو ہمارا مالک آقا ہے ، والی ہے **فانصرنا علی القوم الکفرین** ف یا جزائیہ ہے اور یہ جملہ شرط محذوف کی جزا یا ترتب کی ہے اور یہ جملہ **انت مولنا** پر مرتب۔ **انصر** بمعنی مدد ہے۔ جب بغیر **علی** آئے تو موافق مدد مراد ہوتی ہے اور اگر **علی** آئے تو مخالف یہاں دوسرے معنی میں ہے۔ قوم بمعنی جماعت ہے۔ جس کی تحقیق پہلے کی جا چکی ہے اور کافرین سے سارے دینی دشمن مراد ہیں۔ خواہ انسان ہوں یا شیاطین وغیرہ یعنی چونکہ تو ہمارا والی ہے ہم تیرے بندے اور بندوں کی مدد کرنا والی کا کام ہے لہٰذا تو ہماری کفار قوم کے مقابلہ میں مدد کر اور ان پر ہمیں غلبہ دے۔

خلاصہ تفسیر : اے ہمارے مولیٰ ہم پر ان احکام اور عذابوں اور ناممکن باتوں کا بوجھ مت ڈال جن کے برداشت کی ہم میں طاقت نہیں اور ہمارے گناہ اور آثار گناہ کو مٹادے۔ ہمارے عیبوں کو چھپالے اور ہمیں رسوا مت کر۔ اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہمارا والی اور مددگار ہے۔ لہٰذا کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ خیال رہے عفو اور مغفرت اور رحمت میں چند طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ گناہ پر عذاب نہ دینا عفو ہے اور اس کا چھپالینا کہ کسی کو خبر نہ ہو تاکہ کوئی طعنہ نہ دے۔ یہ مغفرت اور عطاء ثواب رحمت پھر رحمت دو قسم کی ہے۔ جسمانی اور روحانی۔ دوسرے یہ کہ افعال کی معافی عفو ہے اور اقوال کی معافی مغفرت اور میزان کا بھاری کرنا رحم۔ تیسرے یہ کہ سکرات موت سے بچانا عفو اور تاریکی قبر سے محفوظ رکھنا مغفرت اور قیامت کے خوف سے بچانا رحم۔ چوتھے یہ کہ گناہ صغائر معاف کرنا عفو ، بمعنی معاف کرنا مغفرت اور تھوڑی و کھوٹی عبادت قبول فرما کر اس پر کامل ثواب دے دینا رحم۔ پانچویں یہ کہ عذاب آخرت سے بچانا عفو ، دنیوی عذاب مسخ و خسف و غرق وغیرہ سے بچانا۔ مغفرت اور ہم دیوالیوں کو اپنے کرم سے مالا مال کر دینا رحمت۔ چھٹے یہ کہ قیامت کے دن اپنے حقوق معاف فرمادینا عفو اور بندوں کے حقوق معاف کرادینا مغفرت اور جب کسی کے اعمال حقدار لے جائیں۔ تو پھر بغیر عمل جنت دینا رحم۔ ساتویں یہ کہ گناہ مٹانا عفو اور کسی کو خبر نہ کرنا مغفرت اور بجائے گناہ نیکیاں دے دینا رحم۔ جیسے فرمایا گیا۔ **اولئک یبدل اللہ سیاتہم حسنت** لہٰذا ان الفاظ میں تکرار نہیں کسی نے کیا خوب کہا۔

گنہگار پہ جب لطف آپ کا ہوگا ۔۔۔ کیا بغیر کیا بے کیا کیا ہوگا
نیاؤ ند کیں کیں ٹھکرائی! ۔۔۔ بن کیتی لکھ دین برائی

یعنی رب نے انصاف نہ کیا۔ بلکہ رحم خسروانہ فرمایا کہ ہماری کی ہوئی برائیاں تمام بے کی ہوئی بنادیں اور بغیر کی ہوئی نیکیاں اپنے کرم سے کی ہوئی بنادیں۔ خیال رہے کہ ان دعاؤں میں **ربنا** نہ لایا گیا گویا یہ گزشتہ دعاؤں کا نتیجہ ہیں یا گویا بندہ دعائیں کرتے کرتے رب سے اتنا قریب ہو گیا کہ اسے پکارنے کی حاجت نہ رہی۔ کیونکہ زیادتی قرب کبھی ندا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

فائدے : اس جملہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: دعا جماعت کے ساتھ مانگنا چاہئے تاکہ جلد قبول ہو کیونکہ دعائیں مل کر بارگاہ الٰہی میں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ اگر کوئی اکیلے دعا مانگے جب بھی سب کے لئے مانگے۔ دیکھو یہاں ہر دعا میں ضمیر جمع لائی گی۔ **دوسرا فائدہ**: دعا میں بار بار **ربنا** کہنا بہتر ہے۔ جیسا کہ اس جگہ **ربنا** کے تکرار سے معلوم ہوا۔ **تیسرا**

فائدہ: دینی حاجتیں دنیوی حاجتوں سے پہلے مانگے۔ دیکھو یہاں خطا و نسیان کی معافی مانگنے کی تعلیم دی گئی۔ چوتھا فائدہ: گزشتہ لوگوں کے عذاب سے عبرت پکڑنا ضروری ہے تاکہ ان کے حوالہ سے دعا مانگی جائے کہ خدایا ان کی طرح ہم پر یہ عذاب نہ بھیجنا۔ پانچواں فائدہ: پچھلے مقبولین و مردودین کے حالات جاننا بہت فائدہ مند ہیں تاکہ مقبولین کے سے عمل کرے اور مردودین کے اعمال سے بچے۔ جیسے اس حوالہ سے معلوم ہوا۔ پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن انسانی کلام ہے نہ کہ خدا کا ورنہ خدا کسے رب کہتا ہے اور کس سے دعا مانگتا ہے (آریہ) اس کا جواب ہم آیت: **ایاک نعبد و ایاک نستعین** میں دے چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یا تو یہاں **قولو** پوشیدہ ہے۔ یعنی اے مسلمانو اس طرح دعائیں مانگو۔ رب تعالیٰ عبادات کی طرح بندوں کو مانگنا بھی سکھاتا ہے۔ یا **یقولون** فعل پوشیدہ ہے۔ یعنی ہمارے نیک بندے یوں دعا مانگتے ہیں۔ یا تعلیماً یوں ارشاد فرمایا گیا۔ جیسے استاد پڑھاتے وقت خود پڑھتا ہے۔ تاکہ اسی طرح شاگرد بھی پڑھے۔ کہتا ہے الف ب ت ث وغیرہ یا حاکم رعایا کی زبان میں کلام فرماتا ہے۔ مثلاً نوکری کے فارم کا مضمون یہ ہوتا ہے کہ میں وفادار رہوں گا۔ بخوشی ہر کام کروں گا۔ یہ مضمون اگرچہ حاکم نے لکھا مگر نوکروں کی زبان سے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت میں یہ نہ فرمایا گیا **لا تکلفنا ما لا طاقتہ لنا الخ**۔ بلکہ **ولا تحملنا** فرمایا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ناممکن چیزوں کی تکلیف دینا جائز ہے۔ کیونکہ ناممکنات طاقت سے باہر ہیں اور دعا ممکنات کی مانگی جاتی ہے نہ کہ واجبات اور ممکنات کی (بعض علماء) جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تحمیل بمعنی تکلیف ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں **ما** سے مراد اخروی عذاب ہے۔ جو برداشت سے باہر۔ تیسرے یہ کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مولیٰ تو دشوار احکام کے تکلیف نہ دینے کے قانون کو منسوخ نہ فرما چوتھے یہ کہ کسی چیز کی دعا مانگنا اس کے امکان کو نہیں چاہتا قرآن پاک میں **رب احکم بالحق**۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا **ولا تخزنی یوم یبعثون**۔ حالانکہ انبیائے کرام کی رسوائی ممکن اور نہ خدا پاک کا غلط فیصلہ فرمانا ممکن۔ تیسرا اعتراض: جب اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی کہ ہم کسی نفس کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے پھر اس دعا مانگنے سے کیا فائدہ مانگی وہ چیز جاتی ہے جس کے نہ ملنے کا اندیشہ ہو۔ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہاں **ما** سے مراد یا تو دنیاوی مصیبتیں ہیں۔ یا آخرت کے عذاب یا نفس کے وسوسے وغیرہ یہ چیزیں تو طاقت سے زیادہ بھی ڈالی جاتی ہیں۔ بعض بیماریاں ایسی سخت آتی ہیں کہ انسان کی جان نکل جاتی ہے۔ اور آیت **لا یکلف اللہ** میں شرعی احکام کی تکلیف مراد ہے کہ کسی شخص پر طاقت سے زیادہ احکام شرعیہ لازم نہیں کئے جاتے۔ لہٰذا وہ آیت بھی درست ہے اور یہ دعا بھی صحیح۔

تفسیر صوفیانہ : ابتداء کی طرف لوٹنے کا نام انتہا ہے۔ انسان مسافر ہے۔ جدھر سے چلا تھا ادھر ہی جا رہا ہے۔ **کان اللہ ولم یکن معہ شئی** رب تعالیٰ تھا اور کچھ نہ تھا۔ اس ذات کے تعین اول کا نام حقیقت محمدیہ ہوا سو وہی اصل وجود اور حقیقت ہر بود ہے جس سے سارا عالم ظہور میں آیا۔ رب نے خاک کو دانہ، دانے کو آٹا اور آٹے کو روٹی روٹی کو خون اور خون کو منی اور منی کو نطفہ، اور نطفہ کو مضغہ اور مضغہ کو علقہ، پھر اسے بے عقل و ہوش بچہ بنایا، پھر اس بے ہوش کو عقل و ہوش دیا۔ یہ تمام مراتب بعد کے تھے اب اسے اصل کی طرف یوں رجوع کیا کہ پہلے اسے ظاہری شریعت کا پابند کیا۔ پھر ایمان کے بعد عرفان دیا۔ پھر صاحب کشف و الہام بنایا۔ پھر اسے خدمات و کرامات دیئے۔ پھر اسے مدارج طے کرنے کی توفیق دی۔ یہاں تک کہ وہ فنافی الرسول کے درجہ سے ہوتا ہوا فنافی اللہ تک پہنچا یہ اس کی انتہا تھی **کما بدانا اول خلق نعیدہ** اس سفر میں اٹھتے گئی

منزلوں میں ٹھہرنا پڑا۔ ہر منزل کے احکام جداگانہ تھے۔ جن میں سے دو مقام اہم تھے ایک شریعت کی پابندی دوسرے طریقت۔ ان دو مقاموں کے لحاظ سے بندہ نے دعا مانگی۔ پہلے مقام میں ترک سختی کی دعا کی اور دوسرے مقام میں ناقابل برداشت احکام سے پناہ مانگی۔ چونکہ شریعت طریقت سے پہلے ہے۔ اس لئے **لا تحمل علینا** کو **ولا تحملنا** سے پہلے بیان کیا گیا یعنی اے مولیٰ اس سفر میں منزل شریعت کی سختیوں سے بچا اور مقام طریقت میں ہم سے وہ اطاعت اور شکر اور معذرت طلب نہ کر جو تیری بارگاہ کے لائق ہیں۔ بلکہ وہ ہی ٹوٹی پھوٹی عبادات قبول فرمالے۔ جو ہمارے لائق ہے اور ہم پر ہجران اور محرومی کے بوجھ نہ ڈال۔ ہمارے افعال وصفات کی کوتاہیوں کو معاف کر اپنے وصال کی لذت اور جمال کا مشاہدہ عطا فرما ہمارے وجود کے گناہ کو معاف کر کیوں کہ ہونا ہی تو کبیرا کبائر ہے۔ وجود بعد فنا عطا فرما کر رحم کر تو ہمارا اصل والی ہے ہم تیرے آثار قدرت اور مظاہر صفات ہیں۔ ہمیں کافر قوم یعنی نفس امارہ اور اس کے صفات اور شیطانی لشکروں اور ہمارے وہموں پر ہمیں مدد دے جو تیری راہ میں آڑ ہیں۔ ہماری قوت روحانیہ کو اس قوت جسمانیہ پر غالب فرما جو تیرے ماسوا کی طرف بلاتی ہے (از کبیر و معانی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ دعائیں چار قسم کی ہیں ایک وہ جس کی تعلیم رب تعالیٰ نے دی اور ہم کو خود بتائیں جیسے ان جیسی آیات کی دعائیں۔ دوسری وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں جو باب الدعوات کی احادیث میں مذکور ہیں۔ تیسری وہ جو رب تعالیٰ نے یا اس کے محبوب نے گزشتہ پیغمبروں کی دعائیں نقل فرمائیں کہ فلاں پیغمبر نے فلاں موقعہ پر یہ دعا مانگی۔ جیسے حضرت خلیل علیہ السلام اور ذبیح اللہ کے متعلق فرمایا کہ ان حضرات نے تعمیر کعبہ پر یہ دعا مانگی۔ **ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم** ان تینوں قسم کی دعاؤں کو دعاء ماثورہ کہتے ہیں۔ اور چوتھی وہ دعا جو بندہ خود اپنی تجویز وارادے سے مانگے۔ ان تمام دعاؤں میں بہتر ہیں۔ جو رب تعالیٰ نے تعلیم فرمائیں۔ پھر وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیں۔ پھر وہ جو دیگر انبیاء کرام سے منقول ہیں۔ سب سے اخیر میں وہ جو بندہ خود مانگے۔ بہرحال دعا ماثورہ غیر ماثورہ سے افضل ہے کہ ماثورہ یعنی منقول دعا میں الفاظ کی تاثیر بھی ہے۔ زبان کی تاثیر بھی۔ غیر ماثورہ میں صرف الفاظ کی تاثیر ہے۔ رب تعالیٰ نے سورہ بقرہ دعا ماثورہ کی تعلیم پر ختم فرمائی۔

فضائل وفوائد : ہم **الم** کے شروع میں سورۂ بقر کے بہت سے فضائل وفوائد عرض کر چکے ہیں۔ کچھ یہاں عرض کئے دیتے ہیں۔ (۱) سورۂ بقر کی آخری دو آیتیں یعنی **امن الرسول** سے اخیر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں بلاواسطہ عطا ہوئیں اور حضور علیہ السلام نے لامکان میں پہنچ کر یہ ہی دعائیں مانگیں۔ (در منثور ومشکوۃ باب المعراج) (2) بیہقی نے حضرت نعمان ابن بشیر سے نقل کیا کہ رب تعالیٰ نے آسمانوں وزمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب خاص تحریر فرمائی۔ سورۂ بقر کی اخیری دو آیتیں اس کتاب کی ہیں۔ کذا فی الترمذی والدارمی ونسائی ودر منثور۔ (3) امام احمدؒ نے عقبہ ابن عامر سے روایت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سورۂ بقر کی آخری دو آیتیں پڑھا کرو۔ میرے رب نے خصوصیت کے ساتھ عرش کے نیچے سے مجھے عطا فرمائیں۔ مجھ سے پہلے کسی نبی کو یہ نہ ملیں (در منثور) (4) مسلم نے عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں سدرۃ المنتہی پر پہنچے تو آپ کو تین چیزیں عطا فرمائیں پانچ نمازیں اور سورۂ بقر کی آخری دو آیتیں اور ہر مومن کی بخشش (در منثور) (5) حاکم وبیہقی نے ابوذر سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جن آیتوں پر سورۂ بقر ختم فرمائی وہ عرش کا خزانہ ہیں انہیں خود بھی سیکھو اور اپنی بیوی بچوں کو بھی سکھاؤ۔ یہ صلوۃ ہیں۔ یہ قرآن ہیں یہ دعائیں ہیں (6) حضرت علی فرماتے ہیں کہ بڑا بیوقوف وہ شخص ہے جو سوتے وقت سورۂ بقر کی آخری آیتیں نہ پڑھے

(دارمی) حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جو کوئی نماز عشاء کے بعد سورہ بقر کی آخری آیتیں پڑھے۔ اسے تمام رات عبادت کا ثواب ملتا ہے (ابن عدی و در منثور) (8) حضرت کعب فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چار چیزیں وہ دی گئیں جو کسی پیغمبر کو نہ دی گئیں۔ بقر کے آخری رکوع کی تین آیتیں اور آیۃ الکرسی (ابو عبیدہ) (9) ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی سخت مصیبت میں گرفتار ہو۔ وہ دعائے کرب پڑھے۔ وہ یہ ہے۔

لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم لا الہ الا اللہ رب العرش العظیم لا الہ الا اللہ رب السموت السبع و رب الارض و رب العرش الکریم سبحنک یا رحمن ما شئت ان تکون کان ومالم تشا لم یکن' لا حول ولا قوۃ الا باللہ اعوذ بالذی یمسک السموت السبع ومن فیھن ان یقعن علی الارض من شر ما خلق ومن شر ما براء۔ اعوذ بکلمت اللہ التامات التی لا یجاوزھن برولا فاجر من شر الساعۃ والھامۃ ومن الشر کلہ فی الدنیا والاخرۃ۔

پھر آیت الکرسی پڑھے۔ پھر سورہ بقر کا آخری رکوع پڑھے۔ ان شاء اللہ نجات ملے گی (تہذیب الاثار) (10) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی سوتے وقت سورہ بقر کی آخری دو آیتیں پڑھ لیا کرے تو اسے رات بھر شیطان اور دیگر آفات سے پناہ ملے گی اور تمام رات کی عبادت کا ثواب ملے گا (مسلم بخاری و خازن) (11) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز جبریل علیہ السلام حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک اوپر سے سخت آواز سنی' حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس وقت آسمان کا وہ دروازہ کھلا جو آج تک کبھی نہ کھلا تھا یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ایک فرشتہ حاضر ہوا' حضرت جبریل نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہ فرشتہ ہے جو آج تک کبھی زمین پر نہ آیا۔ اس فرشتہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں آپ کو ان دو نوروں کی مبارک باد دینے آیا ہوں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملے۔ ایک سورۃ فاتحہ اور دوسرا سورہ بقر کی آخری آیتیں۔ اس کو پڑھنے والے کی ہر تمنا پوری ہوگی۔ (مسلم و خازن) (12) سورہ بقر ختم کرکے آمین کہنا چاہئے کیونکہ حضور علیہ السلام بھی فرماتے ہیں اور فرشتے بھی آمین کہتے ہیں (کبیر) (13) اگر دفن کے بعد قبر کے سرہانے سورہ بقر کا پہلا رکوع **مفلحون** تک اور قبر کی پائنتی سورہ بقر کا آخری رکوع پڑھا جائے تو میت کو قبر میں راحت ہوگی۔ (14) جس گھر میں سورہ بقر پڑھی جائے وہاں تین دن تک شیطان نہیں آتا (روح البیان) (15) حضرت معاذ ابن جبل فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار شیطان کو قید کر لیا وہ بولا اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو میں آپ کو بڑا عمدہ عمل بتاؤں۔ میں نے کہا بتا۔ وہ بولا کہ اگر کوئی انسان رات کو سورہ بقر کی آخری آیتیں پڑھ لیا کرے تو ہم میں سے کوئی اس گھر میں رات بھر نہیں جا سکتا۔ غرضکہ اس کے فضائل و فوائد بے شمار ہیں۔ فقیر کی یہ وصیت ہے کہ تہجد خواں حضرات اپنی تہجد میں یہ دو دعائیں پڑھا کریں اول رکعت میں سورہ بقر کا یہ آخری رکوع' دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران کا یہ رکوع **ان فی خلق السموت والارض** سے **انک لا تخلف المیعاد** تک اور معنی پر نظر و دھیان رکھیں ان شاء اللہ بہت خشوع و خضوع میسر ہوگا۔ اور قبول کی امید بھی ہے۔ بھاگے ہوئے مجرم کے لئے وارنٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو مجرم خود ہی حاکم کے سامنے پیش ہو جائے۔ اسے وارنٹ کی ضرورت نہیں۔ رب تعالیٰ حاضر ہو جانے والے مجرموں کو اپنے کرم سے معافی دے دیتا ہے۔ بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔ اسے راضی کرنے کی کوشش کرو اللہ تعالیٰ میرے ان الفاظ میں تاثیر دے۔

آخر میں بندہ گنہگار شرمسار اپنے آقا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نعت خواں احمد یار خاں بارگاہ پروردگار میں عرض کرتا ہے کہ مولیٰ تیرا ہی فضل و کرم تھا جو میں نے سورۂ بقرکی تفسیر ختم کی۔ اگر میں نے کچھ غلطی کی ہو۔ تو میری شامت نفس ہے۔ اور اگر صحیح لکھا ہو تو میرے مولیٰ وہ تیری توفیق سے ہے۔ اے مولیٰ کریم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور حضرت حسن و حسین اور صحابہ بدر و حنین کے طفیل اسے قبول فرمالے میری خطاؤں سے درگزر فرما اس کی برکت سے میرے نامہ اعمال کی سیاہی دور فرما اسے صدقہ جاریہ بنا۔ اور ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرما۔ اس قرآن کو ہمارے دلوں کا سرور ہماری آنکھوں کا نور اور ہماری قبر کا مونس اور حشر کا ساتھی بنا اور اے مولیٰ باقی تفسیر پوری کرنے کی توفیق دے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و شفیعنا و حبیبنا و مولنا محمد و الہ و اصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین۔

آیاتہا ۲۰۰ | ۳ سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ ۸۹ | رکوعاتہا ۲۰

سورہ آل عمران مدنی ہے اس میں دو سو آیات اور بیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو بے حد بخشش کرنے والا ہے نہایت مہربان

الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

اللہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے زندہ قائم رکھنے والا اتارا اوپر تمہارے اس کتاب کو

اللہ ہے جس کے سوا کسی کی پوجا نہیں آپ زندہ اوروں کو قائم رکھنے والا اس نے تم پر سچی کتاب

بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝

ساتھ حق کے سچا کرنے والا ان کو جو سامنے ہیں اس کے اور اتارا توریت و انجیل کو پہلے سے ہدایت

اتاری اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی اور اس نے اس سے پہلے توریت اور انجیل اتاری

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝

واسطے لوگوں کے اور اتارا فرقان کو

لوگوں کو راہ دکھاتی اور فیصلہ اتارا

تعلق : یہ سورۃ مدنی ہے یعنی بعد ہجرت اتری۔ اس میں دو سو آیتیں، تین ہزار چار سو اسی کلمے اور چودہ ہزار پانچ سو بیس حرف ہیں (خازن و خزائن)۔ اس سورۃ کا نام توریت شریف میں طیبہ ہے (معانی)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اور بقرہ کا زہرا وین رکھا۔ یعنی چمکدار سورتیں (از مسلم و معانی) نیز اس کا نام سورۃ کلام، سورۃ کنز، سورۃ معقیہ، سورۃ مجادلہ اور سورۃ استغفار بھی ہے۔ یہ نام اس کے مضامین کی مناسبت سے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں حضرت عمران کے بیوی بچوں کے حالات کا بیان ہے۔ اس لئے اس کا نام سورۃ آل عمران ہوا۔ حضرت عمران مریم کے والد، عیسیٰ علیہ السلام کے نانا ہیں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم بڑی کتاب ہے۔ اگر اس کی تقسیم نہ ہوتی تو اس کی تلاوت بھی مشکل ہوتی اور اس کا سیکھنا بھی دشوار، اس لئے رب تعالیٰ نے قرآن کریم کی کئی طرح تقسیم فرمائی۔ آیات سے، رکوع سے، منزلوں سے، سورتوں سے، سپاروں سے۔ آیتوں سے، تقسیم تو دوران تلاوت سانس لینے کے لئے ہے۔ رکوعوں سے تقسیم نماز میں تلاوت کے لئے ہے کہ اتنا پڑھ کر رکوع کرو۔ منزلوں سے تقسیم ان لوگوں کے لئے ہے جو ایک ہفتہ میں قرآن حکیم ختم کرنا چاہیں۔ اور پاروں سے تقسیم ان لوگوں کے لئے ہے جو مہینہ میں ختم کریں۔ رہا سورتوں سے تقسیم فرمانا یہ قرآن کریم کی اصلی تقسیم ہے جو آسمان سے اسی طرح نازل ہوئی۔ اس کو سورہ بقر سے چند طرح تعلق اور مناسبت ہے۔ (1) سورہ بقر کے بہت سے مجمل احکام کی اس سورۃ میں شرح ہے۔ (2) سورہ بقر میں دلائل تھے اور اس سورۃ میں کفار کے شبہات دور کئے گئے ہیں۔ اسی لئے اس میں بعض مضامین مکرر آئے ہیں۔ مثلاً "قرآن کی حقانیت، اس کا نازل ہونا، گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرنا وغیرہ۔ (3) سورۂ بقر کو آدم علیہ السلام کے قصہ سے شروع کیا گیا تھا۔ جن کی نہ ماں تھی نہ باپ اور اس سورۃ کو عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے شروع کیا گیا۔ جن کی والدہ تھیں، والد نہ تھا۔ چونکہ آدم علیہ السلام پہلے انسان تھے۔ اس لئے ان کا ذکر قرآن کی پہلی سورت میں آیا اور عیسیٰ علیہ السلام ان کے بعد اس لئے ان کا ذکر بعد کی سورت میں۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عجیب و انوکھی تھی مگر آدم علیہ السلام کی پیدائش عجیب تر کا ذکر پہلے فرمایا گیا۔ نیز عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو محض اس لئے خدا کا بیٹا مانا کہ وہ بغیر باپ پیدا ہوئے۔ لہذا رب نے پہلے آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا۔ اب اس سورۃ میں عیسیٰ علیہ السلام کا تاکہ ان کی تردید میں آسانی ہو کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہو تو آدم علیہ السلام کو بھی مانو۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو آدم علیہ السلام کے قصہ پر قیاس کیا گیا ہے اور مقیس علیہ مقیس سے پہلے ہوتا ہے لہذا سورۃ بقر پہلے آئی اور آل عمران اس کے بعد۔ (4) سورۃ بقر کو متقین کے ذکر سے شروع کیا گیا۔ اور پھر جہنم کے بارے میں فرمایا **اعدت للکفرین** وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی اور اس سورۃ کے آخر میں فرمایا گیا۔ **و جنۃ عرضها السموت والارض اعدت للمتقین۔** جنت پرہیز گاروں کے لئے تیار کی گئی۔ لہذا یہ سورتیں گویا یکساں ہیں۔ (5) اس سورۃ کی انتہا سورۃ بقر کی ابتداء کے مناسب ہے کہ وہاں متقیوں کے بارے میں فرمایا گیا۔ **و اولئک هم المفلحون** اور اس کے اخیر میں ارشاد ہوا۔ **واتقوا الله لعلکم تفلحون۔** (6) سورۂ بقر میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی گئی۔ **ربنا وابعث فیهم رسولا منهم۔** اس سورۃ میں اس دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ **اذ بعث فیهم رسولا من انفسهم۔** غرضیکہ اس سورۃ کو سورہ بقر سے مناسبت ہے۔

آیت کا تعلق : اس آیت کا سورہ بقر کی آخری آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ (1) ایک یہ کہ اس آیت میں بندہ کی مجبوری

اور معذوری کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں رب تعالیٰ کی قدرت و عظمت کا ذکر ہے۔ جس سے بندہ کی بندگی اور خدا کی ربوبیت کا پتہ لگتا ہے۔ اور ان دونوں پر ہی ایمان کا مدار ہے کہ بندہ اپنے کو مجبور معذور جانے' رب کو قادر مطلق سمجھے تب ہی تو اس پر ایمان لائے گا۔ اسی کی اطاعت کرے گا۔ (2) دوسرے یہ کہ اس آیت میں مسلمانوں سے قوم کفار کے مقابلہ میں فتح کی دعا منگائی تھی اب اس آیت میں اس فتح کا ذکر ہے۔ جو رب تعالیٰ نے اپنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عیسائیوں کے مناظرہ میں عطا فرمائی لسانی جنگ سنانی جنگ سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ سنانی جنگ تو کبھی کسی سے ہو جاتی ہے مگر لسانی جنگ یعنی مناظرہ ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ نیز مناظرہ میں کبھی لوگ راستہ پر آجاتے ہیں مگر جنگ میں اکثر شکست کھا کر بھاگ جاتے ہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ نے مناظرہ کا بڑے اہتمام سے ذکر فرمایا۔ (3) تیسرے یہ کہ یہ ساری سورۃ بقر کے اخیر جملہ سے خاص تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ اس میں کفار پر فتح مانگی گئی اور اس سورۃ کی بہت سی آیتوں میں کفار کے ساتھ مناظرہ اور جہاد کا ذکر ہے۔

شان نزول : ایک بار نجران کے عیسائیوں کی ایک جماعت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ جس میں ساٹھ سوار تھے۔ اور چودہ ان کے سردار اور اس قوم کے تین بڑے پیشوا بھی ان میں تھے۔ ایک کا نام عبد المسیح لقب عاقب تھا۔ یہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ جس کی رائے کے بغیر عیسائی کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ دوسرے کا نام ایہم تھا یہ اپنی قوم کا افسر مال تھا۔ جس کے ذمہ ساری قوم کی خورد و نوش اور رسد کا انتظام تھا۔ تیسرے کا نام ابو حارثہ تھا جو نصاریٰ کے تمام علماء پادریوں کا بڑا پیشوا تھا۔ روم کے بادشاہ اس کے علم اور دینی عظمت کی وجہ سے اس کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے اور اس کے لئے جائدادیں' زمینیں وقف کی تھیں اور گرجے بنائے تھے۔ یہی اس جماعت کا سردار اعظم تھا۔ جب یہ لوگ نجران سے چلے تو ابو حارثہ خچر پر سوار ہوا اور اس کا بھائی کرز ابن علقمہ اس کے ساتھ تھا۔ اچانک ابو حارثہ کا خچر پھسلا۔ کرز نے حضور (علیہ السلام) کا نام لے کر کہا کہ وہ ہلاک ہوں۔ کیونکہ اس زمانہ میں پھسلتے وقت دشمنوں کو بددعا دیا کرتے تھے ابو حارثہ نے کہا خبردار وہ کیوں ہلاک ہوں تو ہلاک ہو۔ کرز نے کہا کیوں؟ ابو حارثہ نے کہا کہ وہ سچے نبی ہیں۔ یہ وہی آخر الزمان پیغمبر ہیں جن کا اب تک انتظار تھا کرز نے کہا تو تم ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ ابو حارثہ بولا کہ ہمارے بادشاہوں نے ہمیں بہت جائیدادیں دے رکھی ہے اگر ان پر ایمان لے آئیں تو سب کچھ چھن جائے۔ یہ بات کرز کے دل میں بیٹھ گئی آخر کار کچھ عرصہ بعد کرز اپنے پچیس ساتھیوں کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔ خیر یہ لوگ سفر کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ جب مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو عصر کی نماز کا وقت تھا یہ لوگ عمدہ اور قیمتی پوشاکیں پہن کر بڑے شان و شوکت سے حضور علیہ السلام سے مناظرہ کرنے آئے تھے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم نے آج تک ایسی شان و شکوہ والی جماعت نہ دیکھی تھی انہیں مسجد نبوی میں اتارا گیا۔ جب ان کی نماز کا وقت آیا تو انہوں نے وہاں ہی نماز شروع کر دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا انہیں اپنی نماز پڑھ لینے دو۔ چنانچہ انہوں نے مشرق کی طرف نماز پڑھی (خازن و روح البیان وغیرہ) پھر حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم ایمان لاؤ وہ بولے ہم تو آپ سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جھوٹے ہو۔ تمہیں اسلام لانے سے چند باتیں روکتی ہیں۔ تم عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے خنزیر کھاتے ہو وغیرہ وغیرہ ان میں سے کوئی بولا کہ واقعی وہ خدا کے بیٹے تھے ورنہ بتاؤ ان کے باپ کون ہیں؟ بعض نے کہا کہ وہ تیسرے خدا تھے دیکھو قرآن شریف میں بھی خلقنا' انزلنا وغیرہ جمع کے صیغے فرمائے گئے ہیں اور جمع کم سے کم تین پر بولی جاتی ہے اگر خدا ایک ہوتا تو ہر جگہ واحد

کامیٹا ہی ہوتا۔ بعض بولے کہ نہیں بلکہ ان میں خدائی اثر اپنے حلول کئے ہوئے ہے جیسے پھول میں رنگ و بو۔ کیونکہ ان سے خدائی کام ظاہر ہوئے' انہوں نے مردے زندہ کئے' انہوں نے اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کیا۔ انہوں نے مٹی سے پرندے بنا کر روح پھونک دی یہ کام وہی کر سکتا ہے۔ جس میں خدائی ہو۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔ وہ بولے ہاں! آپ نے فرمایا کہ ہمارا رب حی لا یموت ہے اس کے لئے موت ناممکن اور عیسیٰ علیہ السلام پر موت آنے والی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں! پھر فرمایا کہ رب بندوں کا حقیقی کار ساز محافظ اور روزی دینے والا ہے۔ وہ بولے ہاں حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایسے ہیں انہوں نے کہا نہیں پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ پر آسمان و زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں' انہوں نے اقرار کیا تو فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام حمل میں رہے۔ پیدا ہونے والے کی طرح پیدا ہوئے۔ بچوں کی طرح کھاتے پیتے تھے۔ انسانی عوارضات بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے اقرار کیا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر وہ اللہ کیسے ہیں اس پر وہ سارے خاموش ہو گئے۔ تب سورۂ آل عمران کچھ اور اسی آیتیں نازل ہوئیں (کبیر خازن و خزائن وغیرہ)۔ اس مناظرہ سے عاجز ہو کر پھر وہ مباہلہ پر آمادہ ہوئے۔ جس کا قصہ اسی سورۃ میں آئے گا۔ مگر پھر مباہلہ کی بھی ہمت نہ کی۔ وہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں اور نبی کی بددعا ہلاک کر دیتی ہے (کبیر)۔

تفسیر : **الم** اس کے متعلق پہلے سیپارہ میں بہت کچھ عرض کیا جا چکا۔ یہاں صرف یہ سمجھ لو کہ یا تو الف سے اللہ کی طرف اشارہ ہے اور لام سے لطیف کی طرف اور میم مجید کی جانب یعنی قرآن اللہ نے اتارا جو رحم و کرم و بزرگی والا ہے یا الف سے اشارہ اللہ کی طرف ہے۔ لام سے جبریل کی طرف اور میم سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ یعنی یہ قرآن یا یہ سورۃ اللہ نے اتارا' جبریل لائے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا۔ بعض قرءتوں میں الف لام میم پر وقف ہے اور بعض میں اس کی میم کو زبر دے کر لام سے ملا دیا گیا ہے۔ **اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم** اس جملہ کی پوری تفسیر آیت الکرسی میں ہو چکی۔ **اللہ** مبتداء ہے اور **لا الہ الا ھو** اس کی خبر اور **الحی القیوم** خبر دوم۔ **الحی** وہ ہے جسے کبھی موت نہ آسکے۔ یعنی حی کامل صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ **الحی** میں لام عہدی ہے۔ اس کے ماسواء بھی اگرچہ حی ہیں' مگر حی ناقص قابل موت لہذا **الحی** رب تعالیٰ ہی کی صفت ہے اور قیوم وہ جو خود بالذات قائم ہو۔ اور دوسرے اس سے قائم ہوں۔ اور جو خلق کی دنیوی اخروی ساری حاجتوں کا انتظام فرمائے۔ قیوم حقیقی یعنی عالم کو قائم باقی رکھنے والا صرف رب تعالیٰ ہے اس کے بعض بندے قیام عالم کا ذریعہ۔ حدیث شریف میں ہے کہ تارے چاند' سورج آسمان کے بقاء کا ذریعہ ہیں اور میرے صحابہ قیام زمین کا وسیلہ اسی لئے صوفیاء کی اصطلاح میں بعض بزرگوں کو قیوم اول' قیوم دوم کہا جاتا ہے۔ بعض اولیاء اللہ عالم کی حاجت روائی کا ذریعہ ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم چالیس ابدال کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کی برکت سے لوگوں پر بارشیں ہوں گی۔ جنگوں میں فتح و نصرت نصیب ہو گی۔ لہذا یہ حضرات مجازاً "قیوم ہیں۔ ہم ان دو لفظوں کی نہایت نفیس تحقیق آیت الکرسی میں کر چکے ہیں۔ یعنی اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی ہمیشہ زندہ رہنے والا' اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ چونکہ توحید کا عقیدہ بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے معتبر نہیں۔ نیز رب تعالیٰ کی قیومیت کا تقاضا تھا کہ بندوں کو بقاء کے ذریعے دیئے جائیں۔ چنانچہ بقاء اجسام کے لئے اس نے غذائیں دوائیں و ہوائیں وغیرہ پیدا فرمائیں اور بقاء ارواح یا بقاء ایمان کے لئے انبیاء مبعوث کئے۔ کتابیں

اتریں۔ گویا کتب آسمانی کا نزول قیومیت باطنی کا ظہور ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ **نزل علیک الکتب بالحق۔ نزل** تنزیل سے بنا بمعنی آہستہ آہستہ اتارنا۔ الکتب میں الف لام عہدی ہے۔ جس سے قرآن پاک مراد چونکہ یہ پہلے لوح محفوظ میں تھا اور اس کے مضامین پچھلے پیغمبروں کے صحیفوں میں لکھے ہوئے تھے۔ اور آئندہ بھی اس کی کتابت ہوتی رہے گی اس لئے اسے کتاب فرمایا اگرچہ اس کا نزول پڑھ کر ہوا نہ کہ لکھ کر۔ کتاب فرمانے میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ کامل کتاب یہی ہے۔ اس کے مقابلہ میں سب ناقص۔ بالحق یا نزل کے متعلق ہے یا متلبسا" پوشیدہ کے اور وہ کتاب کی صفت حق مقابل باطل کا ہے۔ جیسے صدق مقابل کذب کا ہر واقعی حقیقت رکھنے والی چیز حق کہلاتی ہے۔ یعنی اس رب نے حق کے ساتھ۔ آپ پر کتاب اتاری۔ جس میں باطل شامل نہ ہو سکا کہ بھیجنے والے رب نے حق بھیجا۔ لانے والے جبریل حق لائے۔ کوئی ملاوٹ نہ کی۔ لینے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق لیا کہ زیر زبر تک بھول نہ سکے۔ یا رب نے آپ پر وہ کتاب اتاری جو حق سے موصوف ہے۔ اور ممکن ہے کہ حق بمعنی صدق ہو یعنی قرآن میں پچھلوں کی سچی خبریں ہیں۔ یا حق بمعنی فیصلہ کرنے والا کلام۔ یعنی یہ تو قول فیصل ہے نہ کہ ہزل یا حق بمعنی عدل و انصاف ہے۔ یا حق بمعنی استحقاق یا حق فاسد کا مقابل ہے۔ یعنی اس کلام میں تناقص اور تقابل نہیں۔ یا یہ کلام اس کا مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے (کبیر و معانی وغیرہ)۔ **مصدقا" لما بین یدیہ۔ مصدقا"** یا تو علیک کی ضمیر مجرور کا حال ہے۔ یا کتاب کا یا بالحق کے متعلق کا جو کہ کتاب کا حال اول تھا۔ یہ لفظ تصدیق سے بنا بمعنی سچا کرنا اور سچا کہنا، یا سچا کہلوانا۔ قرآن کریم گذشتہ نبیوں کتابوں وغیرہ کا تینوں طرح مصدق ہے۔ **لما مصدقا** کے متعلق ہے۔ سامنے پچھلی آسمانی کتابیں مراد ہیں۔ چونکہ پہلے کچھ کتابیں آئی تھیں، کچھ صحیفے، کچھ...... انبیائے کرام کے معجزات۔ ان سب کو شامل کرنے کے لئے ما ارشاد ہوا۔ قرآن کریم نے سب ہی کی تصدیق فرمائی۔ بین ثبت فعل محذوف کا ظرف ہے۔ جو ما کا صلہ ہے۔ اس کے معنی ہوتے ہیں سامنے۔ خواہ زمانہ کے لحاظ سے سامنے ہو، یا جگہ کے لحاظ سے۔ یہاں زمانہ کے لحاظ سے مراد ہے۔ یعنی یہ قرآن پچھلی کتابیں، صحیفے، انبیائے کرام کے معجزات کو سچا کرنے والا ہے۔ یا سچا بتانے والا ہے۔ خیال رہے کہ جیسے مصدقا میں احتمال ہے کہ علیک کے کاف خطاب سے حال ہو ایسے ہی بالحق میں بھی احتمال ہے کہ متلبسا" ثابتا" کے متعلق ہو کر علیک کے کاف خطاب کا حال ہو گا۔ یعنی آپ پر کتاب اتاری اس حال میں کہ آپ حق سے وابستہ و متصف ہیں۔ اس طرح کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہر ادا حق ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سراپا حق ہیں۔ بلکہ آپ مطلقا" حق ہیں۔ ہمارے اعمال نفسانی شیطانی رحمانی ہر طرح کے ہوتے ہیں۔ مگر آپ وہ ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سونا، جاگنا، دیکھنا سننا، بولنا عین حق ہے۔ یعنی بے عیب ہے چونکہ قرآن عین حق ہے۔ اس لئے جس پر قرآن اتارا وہ بھی عین حق ہونا چاہیے۔ نیز جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو وہ حق جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے علیحدہ ہو گیا۔ باطل ہو گیا، طلوع و غروب کے وقت نماز حق نہیں، باطل ہے۔ کیونکہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سے منع فرما دیا۔ ایسے ہی جو عالم حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وابستہ ہے وہ حق ہے۔ جو وابستہ نہیں باطل ہے۔ جب قرآن کا کاغذ، سیاہی، قلم لکھنے والا، چھاپنے والا پاک چاہیے، سب کا احترام ہے۔ ایسے ہی جس ذات کریم پر قرآن اترے وہ بھی پاک و حق چاہیے۔ ان کا احترام بھی لازم۔ **و انزل التورٰۃ والانجیل۔** یہ جملہ نزل پر معطوف ہے اور گویا بین یدیہ کا بیان خصوصی ہے۔ چونکہ توریت و انجیل کی خصوصیت سے تصدیق فرمائی اور انہیں کتابوں کے ماننے والے عرب میں موجود تھے۔ اس لئے اس کو علیحدہ بیان فرمایا۔ اگرچہ زبور شریف اور

تمام صحیفے برحق ہیں اور سب پر ہمارا ایمان ہے اور قرآن کریم و حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب ہی کی تصدیق فرمائی مگر توریت کی تصدیق زبور کی تصدیق ہے اور داؤد علیہ السلام کی امت عرب میں تھی نہیں اس لئے زبور کا ذکر نہ ہوا۔ انزل' دوسرے صحیفوں کا اور چونکہ توریت و انجیل کا آنا یکبارگی ہوا تھا۔ اور قرآن شریف کا نزول آہستگی سے تیئس سال میں۔ لہٰذا اس کے لئے نزول فرمایا گیا تھا۔ اور ان کے لئے انزل حق یہ ہے کہ توریت زبان عبرانی کا لفظ ہے اور انجیل زبان سریانی کا۔ اس لئے اس کا اشتقاق اور معنی بیان کرنا ضروری نہیں مگر بعض لوگوں نے فرمایا کہ یہ دونوں لفظ عربی ہیں اگر غیر زبان کے ہوتے تو ان پر الف لام نہ آتا۔ الف لام آنا علامت عربیت کی ہے اسی لئے المشکواۃ' الموسیٰ' العیسیٰ نہیں کہا جاتا۔ خواہ وضعاً" عربی ہوں' یا ان زبانوں سے منقول ہو کر پھر ان میں اختلاف ہے کہ یہ لفظ کس سے مشتق۔ بعض نے کہا کہ توریت وری سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں' پتھر سے لوہار گڑ کر آگ نکالنا' یعنی چمک اور نور۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **افرایتم النار التی تورون**۔ چونکہ وہ کتاب نور تھی اس لئے اس کا نام توریت ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ وری سے مشتق ہے بمعنی چھپانا۔ **یواری سواتکم و ریشا** اس لئے جس کلام کی مراد ظاہر نہ ہو۔ اسے توریہ کہتے ہیں۔ چونکہ توراۃ شریف میں اشارے' تلویحات' رموز بہت تھے۔ اس لئے اس کا نام توریت ہوا خلیل و سیبویہ کے نزدیک **تووریۃ**' بروزن فوعلۃ ہے۔ جیسے **صومعۃ**۔ اصل میں وووریۃ تھا۔ پہلا واؤ' ت سے بدلا۔ اور ی' الف' سے تو توریت ہو گیا۔ لکھنے میں توریت آتا ہے اور پڑھنے میں کبھی توراۃ اور کبھی توریت قراء فرماتے ہیں کہ یہ بروزن **تفعلۃ** ہے۔ جیسے **توصیۃ** باب تفعیل کا مصدر تفعیلا" رے کے کسرہ کو فتح سے اور یا کو الف سے بدل دیا گیا۔ توراۃ ہو گیا مگر خیال رہے کہ پہلی صورت میں واؤ کا ت سے بدلنا بھی تخفیف کے لئے ہے جیسے **تجاہ**' **تراث** اور جیسے **تخمۃ** اور **تعلان** اور دوسری صورت میں کسرہ کو فتح سے بدلنا بھی تخفیف کے لئے ہے جیسے **توصیۃ** سے **توصاۃ** مگر **فوعلۃ** کے اوزان زیادہ ہیں۔ جیسے **صومعۃ**' **موصلۃ**' **دوسرۃ** مگر **تفعلۃ** کا وزن بہت کم ہے۔ لفظ انجیل اس میں چند قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا مادہ نجل ہے' بمعنی اصل اسی لئے ماں باپ کو ناجلین کہتے ہیں چونکہ وہ انجیل شریف اپنے دین کی اصل تھی لہٰذا اسے انجیل بروزن افعیل کہا گیا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ نجل سے' بمعنی تازہ پانی عرب والے کہتے ہیں۔ **استنجل الوادی** یعنی جنگل میں نیا کنواں ظاہر ہوا۔ چونکہ انجیل سے بھی حق ظاہر ہوا تھا۔ اس لئے اسے انجیل کہا گیا۔ بعض نے کہا کہ نجل سے مشتق ہے بمعنی پانی کا وسیع چشمہ کہا جاتا ہے۔ **عین نجلاء** چونکہ توریت کے احکام میں تنگی تھی اور انجیل کے احکام میں وسعت۔ اس لئے اسے انجیل کہا گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ تناجل سے بنا بمعنی جھگڑا کرنا اہل عرب کہتے ہیں۔ **تناجل الناس** چونکہ اس میں اختلاف بہت ہوا کہ ایک سے بارہ انجیلیں بن گئیں اس لئے اسے انجیل کہا گیا۔ خیال رہے کہ شیر کے بچہ کو بھی اسی لئے نجل کہتے ہیں کہ وہ سب پر غالب رہتا ہے۔ بہرحال جن لوگوں نے انہیں لفظ عربی مانا انہوں نے اس کے اشتقاق میں یہ مشقتیں کیں اور جنہوں نے عجمی مانا انہیں اس کی ضرورت در پیش نہیں آئی۔ کبھی عجمی ناموں پر بھی الف لام آجاتا ہے۔ جیسے **الاسکندریہ** (از تفسیر کبیر و معانی)۔ خیال رہے کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں انجیل ہے الف کی فتح سے **من قبل**۔ یہ **انزل** کے متعلق ہے اور قبل کا مضاف الیہ پوشیدہ۔ یا تو قبلک تھا یا قبلہ یعنی رب نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے یا قرآن سے پہلے توریت و انجیل بھی نازل فرمائی تھی۔ **ھدی" للناس**' **ھدی"** مصدر ہے۔ بمعنی ہادی اور توریت و انجیل کا حال چونکہ مصدر واحد تثنیہ جمع سب کے لئے بولا جاسکتا ہے۔ اس لئے یہ واحد ہی رہا اور ممکن ہے کہ الکتب کا حال ہو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

ھدی معنی مصدری میں ہو اور اس سے پہلے ذوی پوشیدہ ہو اور ممکن ہے کہ انزل کا مفعول لہ ہو یعنی توریت و انجیل لوگوں کو نبی آخر الزمان کی طرف رہبری کرنے کے لئے اتاری گئی تھیں کہ لوگ ان کے ذریعہ نبی آخر الزمان پر ایمان لائیں۔ **و انزل الفرقان**۔ یہ نزل پر معطوف ہے اور فرقان 'سبحان' غفران کی طرح مصدر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ یہاں یا تو اس سے قرآن شریف مراد ہے اور انزل سے اس کا پہلا نزول مراد۔ جب لوح محفوظ سے بیت العزت کی طرف اتار آگیا۔ چونکہ وہ ایک بارگی آیا تھا۔ اس لئے انزل ارشاد ہوا یا فرقان سے آیات محکمات مراد ہیں۔ جو قابل نسخ نہ ہوں یا اس سے زبور شریف مراد ہے یا ساری آسمانی کتابیں گویا یہ تعمیم بعد تخصیص ہے۔ یا اس سے گذشتہ انبیائے کرام کے معجزات مراد ہیں۔ چونکہ معجزہ جادوگر اور نبی میں فرق کر دیتا ہے اس لئے اسے بھی فرقان کہا جاتا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ نے ساری آسمانی کتابیں یا زبور شریف' یا انبیائے کرام کے معجزات' یا قرآن مجید اتارا جو کہ حق و باطل میں فرق کرنے والے ہیں (کبیر' روح المعانی وغیرہ)۔

خلاصہ تفسیر : اے لوگو اللہ وہ ذات ہے کہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہی ہمیشہ زندہ ہے اور عالم کو قائم رکھنے والا۔ لہٰذا وہ اولاد وغیرہ سے پاک ہے۔ فانی چیز کے لئے اولاد کی ضرورت ہے تاکہ اس کی نسل باقی رہے۔ جب چاند' سورج' تارے جو عارضی طور پر قیامت تک باقی رکھے جائیں گے ان کے اولاد نہیں تو وہ حی لایموت قدوس اولاد کا حاجتمند کیونکر ہو سکتا ہے۔ رب تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اس نے آپ پر ایسی عجیب و غریب کتاب اتاری جو بالکل سچی ہے حق ہے اور پچھلی ساری کتابوں کی تصدیق و تائید فرمانے والی ہے اگر یہ نہ آتی تو وہ کتابیں سچی نہ ہو سکتیں۔ اور یہودیوں و عیسائیوں سے جب یہ سوال کیا جاتا کہ بتاؤ وہ نبی آخر الزمان کہاں ہیں۔ جن کی تمہاری کتابوں نے پیش گوئی کی تھی تو یہ کیا جواب دیتے۔ آپ کے اور اس کتاب کے آنے سے ان کتابوں کا بول بالا اور ان اہل کتاب کا منہ اجالا ہو گیا۔ نیز اس قرآن نے سارے جہان سے ان کتابوں کی تصدیق کرائی اور انہیں سچا کہلوا لیا۔ ورنہ انہیں کون جانتا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب نئی نہیں آئی۔ رب نے اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر توریت و انجیل بھی اتاری تھی۔ جو سارے لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف خصوصاً "یہود و نصاریٰ کو آپ کی اور قرآن کی طرف ہدایت کرتی ہیں کہ ان کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علیہ شریف' آپ کے اوصاف جمیلہ' بلکہ آپ کے صحابہ کرام کے صفات صاف صاف موجود ہیں۔ اور رب تعالیٰ نے ایسی چیزیں اتاری ہیں جو حق و باطل میں فرق کر دیں۔ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھائیں پھر یہ کیوں بہکتے ہیں۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق فرمایا آپ پر اتاری چند وجوں سے ایک یہ کہ قرآن کریم سید الکتاب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی قرآن اترا ہے۔ اس اتارنے میں نہ ہم کو غلطی ہوئی ہے نہ حضرت جبریل کو دوسرے اس کتاب کے لئے پہلے ہی سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتخاب ہو چکا تھا۔ تیسرے یہ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان یعنی عربی میں آئی۔ آپ کی زمین یعنی مکہ مدینہ میں آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ یعنی خیر القرون میں اتری۔ چوتھے یہ کہ کتاب کے الفاظ تمہارے کان و زبان پر مضامین' دماغ پر اسرار دل پر احکام تمہارے قالب پر اترے کہ تم نے یہ سب کچھ براہ راست رب سے سیکھا کسی اور استاد کی شاگردی نہ کی اس لئے **علیک علی افنک** وغیرہ نہ فرمایا۔ لہٰذا یہ آیت حمد الٰہی بھی ہے۔ نعت مصطفیٰ' حقیقت قرآن بھی۔ ہم لوگ الفاظ قرآن سیکھنے میاں جی کے پاس جاتے ہیں۔ قرأۃ سیکھنے قاری

صاحب کے پاس، معانی و احکام سیکھنے عالم کے پاس، اسرار و رموز سیکھنے کے لئے شیخ وقت کے پاس جاتے ہیں۔ مگر رب تعالیٰ نے یہ تمام خود ہی اپنے حبیب کو سکھا دیئے یہ ہے نزل علیک الکتب کا ظہور۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان علینا جمعہ و قرانہ فاذا قرانہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ۔**

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اس سورۃ کے نام ہی میں عیسائیوں کی تردید ہے۔ کیونکہ اس کا نام سورۂ آل عمران جس کے معنی ہوئے عمران کے گھر والے یعنی بال بچے اور آل سے عمران کی بیوی حضرت حنا عمران کی بیٹی حضرت مریم اور عمران کے نواسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ اس سورۃ میں انہیں کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ جو کسی کی اولاد ہو وہ نہ خدا ہو سکتا ہے نہ خدا کی بیوی کہ یہ رشتے جنسیت چاہتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** اس سورہ کا نام روافض و خوارج کی بھی تردید ہے کیونکہ اس کا نام ہے آل عمران اور آل سے مراد عمران کی بیوی بھی ہیں۔ اور ان کی بیٹی اور نواسے بھی معلوم ہوا کہ آل میں بیوی اور اولاد سب داخل ہوتے ہیں۔ درود پاک میں آتا ہے۔ **اللھم صل علی محمد و علی ال محمد** اس آل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد، ساری بیویاں داخل ہیں۔ روافض کہتے ہیں کہ بیبیاں آل نہیں وہ بھی اس سورت کے نام سے عبرت پکڑیں۔ خوارج کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک آل سے خارج ہے وہ بھی اس نام سے نصیحت حاصل کریں۔ **تیسرا فائدہ:** بے دینوں سے مناظرہ کرنا سنت نبوی بلکہ سنت انبیاء ہے۔ دیکھو اس سورۃ کا بڑا حصہ اس مناظرہ کے بارے میں اترا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں سے کیا۔ **مسئلہ:** جو کہے کہ رب تعالیٰ نے قرآن کریم اتارنے میں غلطی کی اسے دھوکا ہو گیا۔ یا کہے کہ جناب جبریل علیہ السلام نے پہنچانے میں غلطی کی کہ قرآن آیا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وہ بھول گئے یا آپ نے بوقت وفات قلم دوات "کاغذ منگایا نہ دیا گیا۔ جس سے بعض احکام بیان نہ ہو سکے وہ مرتد بے دین ہے کہ **نزل علیک بالحق** کا انکار ہے۔ جب قرآن کریم کا نزول حق کے ساتھ ہوا حق سے پہنچا، حق کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا اور پہنچایا تو یہ خامیاں کیسے پیدا ہو سکتی ہیں۔ قرآن میں اگر تردد ہوا تو اسلام ہی ختم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** مناظرہ میں دلائل قوی دینے چاہئیں نہ کہ گالیاں۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت پر کیسے قوی دلائل قائم فرمائے کہ سارے عیسائی حیران رہ گئے۔ نہ وہاں مذاق تھا نہ دل لگی۔ اس زمانہ کے مناظر اس سے عبرت حاصل کریں۔ **پانچواں فائدہ:** اگر کفار کے ایمان کی امید ہو تو ان سے اخلاق کے برتاوے برتنا چاہئیں۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے ان عیسائیوں کو بطور مہمان اپنی مسجد شریف میں اتارا اور ان کے کلام پر کچھ کچھ ناراضی کا اظہار نہ فرمایا کہ کبھی سخت کلامی سے ضد پیدا ہو جاتی ہے اور جب ضد آئی، تلاش حق گئی۔ اس زمانہ کے عام مناظرے اسی وجہ سے ناکام رہتے ہیں کہ ان کی بنیاد ضد پر ہوتی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** ضرورۃ" کفار کا مسجد میں آنا جائز ہے۔ دیکھو حضور علیہ السلام نے عیسائیوں کو مسجد میں داخل فرمایا۔ اب بھی فقہا فرماتے ہیں کہ قاضی کو مسجد میں بیٹھنا چاہئے تاکہ ہر فریادی اس تک بے تکلف پہنچ سکے اور ظاہر ہے کہ فریادیوں میں بعض کافر بھی ہوں گے۔ **ساتواں فائدہ:** عقیدہ توحید بغیر عقیدہ نبوت معتبر نہیں **الا بعلم الاطلاع** دیکھو رب نے اپنے صفات کے ساتھ قرآن کریم توریت و انجیل وغیرہ کا ذکر بھی فرمایا اور حقیقت میں انبیائے کرام اور ان کی کتابیں رب کا صحیح پتہ ہیں۔ بغیر پتہ خط اور اس کا سارا مضمون منزل مقصود تک نہیں پہنچتا۔

ایسے ہی بلاواسطہ انبیاء سارے عقائد بیکار ہوں گے۔ **آٹھواں فائدہ:** کبھی نام کام کا پتہ دیتے ہیں۔ سو دیکھو رب تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے اسماء سے عیسیٰ علیہ السلام کی بندگی ثابت فرمائی۔ **نواں فائدہ:** مناظرہ کے قانون قرآن شریف سے مستنبط ہیں۔ چنانچہ دلیل تحلف اس آیت سے مستنبط ہو سکتی ہے وہ اس طرح کہ کہا جائے کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت میں جھگڑا کرتے ہو یا ان کی نبوت میں اگر انہیں خدا مانتے ہو تو یہ غلط ہے۔ اللہ حی و قیوم ہے اور عیسیٰ علیہ السلام میں یہ وصف نہیں اور اگر ان کی نبوت ثابت کرنا چاہتے ہو تو ہمیں منظور ہے۔ مگر جن دلائل سے ان کی نبوت ثابت کرتے ہو وہ سارے دلائل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔ اگر ان پر انجیل آئی تھی تو ان پر قرآن اترا اگر ان کے ہاتھ شریف پر چند معجزات ظاہر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر صدہا معجزات ظاہر ہوئے غرض جن وجوہ سے تم انہیں نبی مانتے ہو۔ انہی سے انہیں بھی نبی مان لو۔ اس کی کیا وجہ کہ دلیل تو عام ہو اور دعویٰ خاص ہو جائے۔ اب ہماری اس تقریر کو آیت پر منطبق کرو کہ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے انکار کے لئے پہلے فرمایا گیا **نزل علیک الکتب** پھر ارشاد ہوا **و انزل التورٰۃ والانجیل** یعنی چونکہ نزول کتاب آپ میں اور ان میں مشترک ہے تو ضروری ہے کہ نبوت بھی مشترک ہو یہ نہیں ہو سکتا کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوں اور آپ نہ ہوں بے شک وہ سچے نبی ہیں 'روح اللہ' ہیں۔ مگر اے پیارے تم سید الانبیاء ہو اور حبیب اللہ ہو کیونکہ تم میں یہ خصوصیت ہے کہ تمہاری کتاب **مصدقا لما بین یدیہ** ساری کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ جب قرآن بڑی کتاب ہے تو قرآن والا بھی بڑا پیغمبر 'بڑی کتاب' بڑے معلم پڑھاتے ہیں۔ **دسواں فائدہ:** اگر کسی بزرگ کے متعلق بعض لوگ حد سے بڑھ جائیں تو ان کی تردید کے لئے بزرگ کو گالیاں مت دو۔ بلکہ حد سے بڑھنے والوں کو سمجھاؤ۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائیوں نے خدا کا بیٹا مانا مگر قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توہین نہ کی بلکہ عیسائیوں کی تردید فرمائی۔ دیکھو اس آیت میں عیسائیوں کے مقابلہ میں فرمایا گیا کہ بے شک رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت اور عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتاری وہ حضرات بھی سچے ہیں ان کی کتابیں بھی سچی مگر اے بے ایمانو تم جھوٹے کہ تم نے انہیں خدا کا بیٹا مان لیا اور اسی لئے اگلی آیت میں کفار کی برائی فرمائی گئی۔ **ان الذین کفروا** الخ اس سے اسمٰعیل کی ذریت غیر مقلد اور دیوبندیوں کو عبرت پکڑنی چاہیے۔ ان بد نصیبوں نے مسلمانوں کی تردید کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں۔ معاذ اللہ اور تقویۃ الایمان' براہین قاطعہ وغیرہ جیسی گندی و ناپاک کتابیں لکھ ڈالیں۔ **گیارھواں فائدہ:** نزول قرآن شریف کا بھی ہوا اور توریت و انجیل کا بھی مگر ان نزولوں میں چند طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ نزول قرآن پڑھ کر ہے۔ اور ان کتابوں کا نزول لکھا ہوا۔ اس لئے اسے قرآن کہتے ہیں۔ ان کتب کا نام قرآن نہیں' دوسرے یہ کہ ان کتب کے نزول کے لئے جگہ مقرر تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلا کر توریت دی گئی مگر نزول قرآن کے لئے کوئی جگہ مقرر نہ ہوئی۔ مکہ معظمہ کے کوچہ و بازاروں میں 'مدینہ پاک کے دشت و آبادی میں نزول ہوتا رہا۔ تیسرے یہ کہ توریت و انجیل کے نزول کے لئے وقت مقرر کہ فلاں مہینہ فلاں تاریخ میں توریت دی گئی۔ مگر نزول قرآن کے لئے کوئی وقت مقرر نہ ہوا۔ دن رات حضور صلی اللہ وسلم کے ہر حال میں حتی کہ بستر پر آرام فرماتے وقت آیات قرآنیہ نازل ہوتی تھیں اس لئے قرآن کریم کے لئے 'نزل اور توریت و انجیل کے لئے انزل ارشاد ہوا۔ نزول قرآن کی ان وسعتوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا بھی اظہار ہے کہ برابر رب و محبوب میں سلسلہ رسل و رسائل باقی ہے۔ اور امت مرحومہ پر کرم بھی کہ اس طرح احکام آنے میں انہیں تکلیف نہ ہوئی۔ بنی اسرائیل جیسی سرکش

قوم کے لئے قوانین بھی سخت ہوتے ہیں۔ اس لئے ان پر رب نے سختی فرمائی تمام احکام کا ایک دم آجانا بھی ایک سختی تھی۔

اعتراض : پہلا اعتراض اس آیت میں قرآن پاک کی خصوصی صفت بیان فرمائی گئی۔ **مصدقا" لما بین یدیہ** کہ پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اس میں قرآن پاک کی ہی کیا خصوصیت ہے ہر آسمانی کتاب نے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کی۔ **جواب:** گذشتہ کلام کی تائید کو تصدیق کہتے ہیں اور آنے والی کلام کی تعریف کو بشارت۔ ساری آسمانی کتابیں اپنے سے پہلوں کی تصدیق کرتی تھیں اور آئندہ کی بشارت دیتی تھیں۔ قرآن پاک کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مصدق تو ہر کتاب کا ہے۔ مگر مبشر کسی کا نہیں۔ کیونکہ اس کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ کوئی آسمانی کتاب **مصدقا لما بین یدیہ** کے یہ معنی ہیں کہ ساری کتابوں کا مصدق کسی کا مبشر نہیں۔ یہی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔ **ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم۔ دوسرا اعتراض:** جب قرآن پاک نے پچھلی کتابوں کو منسوخ کر دیا تو ان کی تصدیق کہاں کی؟ **جواب:** یہ نسخ ہی ان کی تصدیق ہے۔ ان کتابوں نے خود خبر دی تھی کہ ہم قرآن سے منسوخ ہوں گی اگر قرآن آکر انہیں منسوخ نہ کرتا تو ان کی یہ خبر جھوٹی ہو جاتی۔ نیز نسخ تصدیق کے خلاف نہیں قرآن نے یہ فرمایا کہ وہ ساری کتابیں سچی ہیں۔ آسمانوں سے آئیں مگر ان کے احکام اب جاری نہیں جیسی بچہ کی عمر ویسی اس کی غذا جیسی دنیا کی عمر ویسے ان کے احکام۔ **تیسرا اعتراض:** قرآن کریم نے اپنی صفت فرمائی **ھدی للمتقین** اور یہاں توریت و انجیل کے متعلق فرمایا **ھدی للناس** تو کیا توریت انجیل کی ہدایت قرآن کریم کی ہدایت سے زیادہ عام ہے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں **الناس** سے مراد اس زمانہ کے یہودی و عیسائی ہیں۔ جیسے حضرت مریم کے لئے فرمایا گیا۔ **و اصطفک علی نساء العلمین** دوسرے یہ کہ ہدایت کے معنی راہ دکھانا بھی ہیں اور مقصود تک پہنچانا بھی۔ یہاں راہ دکھانا مراد ہے اور وہاں مقصود تک پہنچانا مراد تھا۔ یعنی توریت و انجیل سب کو خدا کا راستہ دکھاتی ہیں۔ خواہ ان پر توریت کے احکام لازم ہوں یا نہیں۔ تیسرے یہ کہ یہاں ہدایت سے قرآن اور صاحب قرآن کی طرف ہدایت دینا مراد ہے یعنی توریت و انجیل باواز بلند پکار رہی ہیں کہ آؤ قرآن والے کو مان لو۔ چوتھے یہ کہ یہاں بھی **ھدی للناس** قرآن کی صفت ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا۔ **چوتھا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ رب نے اولاً" فرمایا **نزل علیک الکتب** اور پھر فرمایا **و انزل الفرقان** حالانکہ **انزال** کے معنی ہیں ایک دم اتارنا تنزیل کے معنی ہیں آہستگی اتارنا یہ دونوں وصف قرآن میں کیونکر جمع ہو گئے۔ **جواب:** قرآن کے چند نزول ہیں۔ ایک تو لوح محفوظ سے پہلے آسمان کی طرف۔ دوسرے حضور علیہ السلام پر ہر ماہ رمضان میں یہ دونوں نزول ایک دم تھے اور تیسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول بحسب ضرورت پہلے دو نزولوں کے لحاظ سے انزل فرمایا جاتا ہے اور تیسرے نزول کے لحاظ سے نزل۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کو مسجد نبوی شریف میں اپنی نماز پڑھنے کی اجازت دی اور آج کے مسلمان دیوبندیوں' قادیانیوں کو بھی اپنی مسجدوں میں اسلامی نماز نہیں پڑھنے دیتے بلکہ بعض لوگ بدمذہب کے گھس جانے پر مسجد دھلوا دیتے ہیں۔ ان کا یہ فعل اس حدیث کے خلاف ہے۔ **جواب** : وہ عیسائی اہل کتاب تھے اور یہ لوگ مرتدین ہیں اور مرتد کے احکام اہل کتاب سے سخت تر ہیں۔ نیز ان کے ایمان کی امید تھی۔ اسی لئے وہاں اخلاق کا برتاؤ برتا گیا۔ اور یہاں ان لوگوں کے فتنہ کا سخت اندیشہ ہے وہ لوگ دل میں ایمان رکھ کر آئے تھے اور یہ

وگ مسجد پر قبضہ کرنے کی نیت سے آتے ہیں۔ جس کے مسجد میں آنے سے نمازیوں کو ایذا ہو۔ اس کو مسجد سے ضرور روکا جائے گالیاں بکنے والا گندہ ذہنی مریض کچی پیاز یا لسن کھانے والا جس کے منہ میں بدبو ہو۔ جس کے جسم پر بدبو دار زخم ہو ان سب کو مسجد سے روکا جاتا ہے کیوں اس لئے کہ ان کے آنے میں نمازیوں کو ایذا ہے۔ تو جن بے دینوں کے آنے سے نمازیوں کو ایذا ہو ان کو ضرور روکا جائے۔ اگر اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا ہے تو اپنی مسجدوں میں مشرکین کو سنکھ بجانے اور پوجا پاٹ کی بھی اجازت دے دو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا**۔ یہ آیت فتح مکہ کے بعد کی ہے اور یہ مناظرہ فتح مکہ سے پہلے کا اس آیت نے حکم دیا کہ مشرکین کو خانہ کعبہ کا طواف نہ کرنے دو ممکن ہے کہ یہ حدیث اس آیت سے منسوخ ہو۔ خیال رہے کہ مسجد حرام اور دیگر مساجد حکم مسجدیت میں یکساں ہیں اور طواف و دیگر نمازیں یکساں۔ جب کفار کو مسجد حرم شریف میں طواف کرنے کی اجازت نہیں تو دیگر مساجد میں نماز پڑھنے کی اجازت کیونکر ہو گی۔ نیز کسی روایت میں یہ نہیں آتا کہ ان عیسائیوں کو حضور علیہ السلام نے نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ بلکہ الفاظ یہ ہیں **فقاموا للصلوۃ فی مسجد رسول اللہ فقال دعوھم** (خازن) وہ لوگ خود نماز کے لئے کھڑے ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! انہیں چھوڑ دو)۔ واقعہ یہ ہوا کہ مسلمان نماز عصر میں مشغول ہوئے اور انہوں نے اپنی نماز شروع کر دی۔ بعد عصر مسلمانوں نے انہیں روکنا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں چھوڑ دو پڑھ لینے دو۔ اس سے اجازت ثابت نہیں ہوتی۔ بخاری میں ہے کہ ایک بدوی مسجد نبوی شریف میں پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ نے روکنا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **دعوہ** اسے چھوڑ دو۔ پیشاب کر لینے دو اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ مسجدوں میں پیشاب کرنا جائز ہے وہ لفظ یہاں بھی ہے جو ان عیسائیوں کے لئے تھا۔ غرض اجازت ثابت نہیں ہوتی۔

تفسیر صوفیانہ : رشتے اور تعلقات دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو ہم جنسیت چاہتے ہیں۔ جیسے باپ بیٹا' یا بیوی شوہر' یا بھائی برادر ہوتا کہ یہ رشتے دو جنسوں میں قائم ہو سکتے ہی نہیں۔ کوئی جانور کسی انسان کا نہ باپ ہو سکے نہ بیٹا' نہ شوہر' نہ بیوی' نہ بھائی' نہ بھتیجا۔ دوسرا وہ جس میں یہ شرط نہیں۔ جیسے مالک مملوک' خالق و مخلوق وغیرہ جانور انسان کا مملوک ہوتا ہے۔ اور انسان اس کا مالک بے وقوف عیسائیوں نے بندہ کا رب کے ساتھ وہ رشتہ جوڑا جو ہم جنسیت چاہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو رب کا بیٹا اور حضرت مریم کو اس کی بیوی قرار دیا۔ **الحی القیوم** فرما کر اسی جانب اشارہ کر دیا گیا کہ جو رشتہ دو مختلف قوموں میں قائم نہیں ہو سکتا وہ الحی القیوم کے ساتھ کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ وہ خالق' یہ مخلوق' یہ عابد وہ معبود' یہ حادث وہ قدیم۔ پھر باپ بیٹا ہونا کیسا؟ ہاں یوں کہو کہ وہ سب اللہ کے پیارے بندے اور اس کے رسول سچے ہیں۔ بندگی وہ رشتہ اور تعلق ہے جو مخلوق و خالق میں قائم ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخلوق سے ظاہری رشتہ لباس بشریت کا اثر تھا۔ ورنہ حقیقت محمدیہ کا نہ کوئی باپ ہے نہ بیٹا۔ نہ بھائی نہ بھتیجا مغز کے احکام اور ہیں پوست کے کچھ اور (مثنوی شریف)۔ اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اس مضمون کو کیا خوب ادا فرمایا۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں
کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں ہیں

بعض اولیاء اللہ پر حالت وجدان طاری ہوتی ہے تو تمام عالم سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ خیال رہے کہ انسان کا نفس گویا زمین ہے اور روح گویا آسمان انبیاء کرام رحمت کا بادل۔ آسمانی کتابیں گویا بارش۔ جیسے زمین پر آسمان کی مدد سے بارش کے ذریعہ پھل پھول پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے ہی نفس پر روح کے ذریعہ انبیائے کرام کی تعلیم کی برکت سے ایمان عرفان اور تقویٰ پرہیز گاری کے باغ کھلتے ہیں۔ فرشتوں میں صرف آسمان یعنی روح ہے۔ زمین یعنی نفس نہیں۔ اسی لئے ان کے پاس اعمال کی کھیتی نہیں۔ اور ان کے اعمال پر جزا نہیں انسان کے پاس چونکہ نفس بھی ہے۔ اسی لئے اس کے اعمال قابل جزا ہیں جیسے کہ ایک بارش نے زمین پر مختلف پھول کھلتے ہیں۔ ایسے ہی بارش قرآن سے زمین نفس پر رنگ برنگے مختلف پھول پھل پیدا ہوئے۔ صدیق' فاروق' عثمان غنی' حیدر کرار اولیاء و اقطاب ان کے نفوس میں قدرت نے جیسا تخم امانت رکھا تھا۔ قرآن کی بارش سے ویسے ہی ان پر باغ لگے اور یہ بھی خیال رکھو کہ اخیری بارش پچھلی ساری بارشوں کا تتمہ ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ سب برباد۔ اب اس آیت کا مطلب سمجھو کہ رب تعالیٰ نے زمین نفس پر توریت و انجیل وغیرہ کی بارش بھیجی پھر جب یہ کھیتی پکنے کے قریب آئی' تو اس پر قرآن کی بارش برسائی۔ جو **مصدقا لما بین یدیہ** ہے یعنی گزشتہ کتابوں کی تکمیل اور تصدیق اسی بارش سے ہوئی جو یہودی یا عیسائی قرآن کی تعلیم سے الگ رہ کر صرف انجیل پر قناعت کئے رہا اس کی مثال ایسی ہوگی۔ جیسے کسی کے کھیت کو اگلی بارشیں ملیں پچھلی نہ ملی جس سے کھیت جل کر تباہ ہو جائے۔ ہاں کچھ ترکاریاں اور کچی کھیتیاں بھی تھیں جو اسی زمانہ میں کٹ گئیں مگر اب بغیر اطاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ یہاں رب تعالیٰ نے تنزیل قرآن' انزال توریت و انجیل' انزال فرقان کا ذکر بطور احسان بیان فرمایا۔ دنیا لیٹر بکس کی طرح ہے۔ یہاں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔ دوزخ میں جانے والے بھی یہاں ہی ہیں۔ جنت میں جانے والے بھی۔ پھر جیسے ڈاک چھانٹ کر ہر طرف کو بھیجی جاتی ہے ایسے ہی رب تعالیٰ انسانوں کو چھانٹ کر جنت دوزخ میں بھیجے گا۔ اب جو چیز چھانٹ پیدا کرنے والی ہے اسی کو فرقان کہا جاتا ہے۔ کتاب اللہ' معجزات نبی۔ ان کے فرمان عالیہ سب فرقان ہیں۔ انہی سے جنت دوزخ کے لوگوں میں فرق ہوتا ہے۔ جو انہیں مان گیا جنتی ہے' جو انکاری ہے دوزخی ہے۔ صدیق' زندیق' ابوجہل وغیرہ میں انہی چیزوں نے چھانٹ فرمائی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ
تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ساتھ آیتوں اللہ کے واسطے ان کے عذاب ہے سخت اور اللہ غالب
بے شک وہ جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوئے ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب بدلہ
ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی
بدلہ والا ہے تحقیق اللہ نہیں چھپتی اوپر اس کے کوئی چیز نہ بیچ زمین کے اور نہ بیچ آسمانوں کے
لینے والا ہے اللہ پر کچھ چھپا نہیں زمین میں نہ آسمان میں وہ ہی ہے کہ تمہاری

السَّمَآءِ ؕ هُوَ الَّذِیۡ یُصَوِّرُکُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ کَیۡفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰہَ

وہ وہ ہے جو صورت بناتا ہے تمہاری بیچ رحموں کے جس طرح چاہتا ہے نہیں ہے کوئی

تصویر بناتا ہے ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے اس کے سوا کسی کی عبادت

اِلَّا ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۶﴾

معبود سوا اس کے غالب ہے حکمت والا ہے۔

نہیں عزت والا عظمت والا

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں توحید الٰہی پر بے مثل دلائل قائم فرمائے گئے تھے۔ اب اس کے نہ ماننے والوں پر عذاب کا ذکر ہے کیونکہ عاقل بات سے مانتے ہیں اور غافل جوتے سے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے بے مثل ہونے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بندہ ہونے کی نشانیاں بیان ہوئی تھیں کہ وہ اللہ حی و قیوم ہے۔ انبیاء پر وحی اتارنے والا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفات نہیں۔ پھر وہ رب کے بیٹے کیسے؟ جس پر مناظرہ کرنے والے عیسائی خاموش تو ہو گئے مگر مانے نہیں۔ اب ان کی خاموشی اور نہ ماننے پر عتاب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ زندہ ہے اور عالم کو قائم رکھنے والا اور ان کی ضرورت پوری فرمانے والا ہے۔ اب اس کے حی و قیوم ہونے کو ثابت فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کامل علم والا بھی ہے اور قدرت والا بھی۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے بندہ ہونے پر دلائل قائم فرمائے گئے تھے اب عیسائیوں کے ان شبہات کا جواب دیا جا رہا ہے۔ جن کی بناء پر وہ انہیں خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بچوں کو گھر میں کھائے رکھے ہوئے کھانے کی خبر دے دیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ انہیں علم غیب تھا اور وہ مٹی کے پرندے بنا کر ان میں جان ڈال دیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان میں قدرت اور خلق بھی تھی اور جس میں یہ صفتیں ہوں وہ رب ہے۔ اس آیت میں اسی شبہ کا جواب دیا جا رہا ہے کہ بے شک عیسیٰ علیہ السلام کو بعض غیوب کا بھی علم تھا اور کچھ قدرت بھی۔ مگر اتنا علم و قدرت الوہیت کے لئے کافی نہیں۔ رب وہ جس پر کوئی چیز مخفی نہ ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام کی یہ صفت نہیں۔ اور جو ماں کے رحم میں بچہ کی شکل بنائے وہ خدا اور جو بنے وہ بندہ۔ عیسیٰ علیہ السلام کی شکل پاک تو بنائی گئی لہٰذا وہ بندہ ہیں خدا نہیں۔ **پانچواں تعلق:** یہ ساری آیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں آئیں۔ چونکہ آپ نے چند دلائل قائم فرمائے تھے جیسا کہ شان نزول میں عرض کیا جا چکا کچھ دلائل کی تائید پچھلی آیتوں میں کی جا چکی اور کچھ کی اب ہو رہی ہے۔

تفسیر : **ان الذین کفروا بایت اللہ** چونکہ اسی آیت کریمہ کے مضمون کے اہل کتاب منکر تھے۔ وہ تو اپنے کفریات کو عین ایمان سمجھے ہوئے تھے۔ اس لئے رب نے اس آیت کو ان سے شروع فرمایا **ان** رفع شک کے موقعہ پر بولا جاتا ہے **الذین** سے یا تو وہ عیسائی مراد ہیں جن سے مناظرہ ہوا تھا۔ جیسا کہ پچھلے شان نزول سے ظاہر ہے یا سارے کفار جیسا کہ لفظ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کفر کے یا لغوی معنی مراد ہیں یعنی انکار کرنا یا اصطلاحی معنی 'ب' صلہ کی ہے' نہ کہ تعدیہ کی۔ آیات جمع آیت کی

ہے۔ معنی نشانی اس کی اضافت یا تو جنسی ہے اور اس سے گذشتہ کتابیں یا انبیائے کرام کے معجزات یا قرآن پاک کی آیتیں یا ساری چیزیں مراد ہیں۔ کیونکہ یہ سب رب کی نشانیاں ہیں۔ یا اضافت عہدی ہے اور اس سے توریت و انجیل کی وہ آیتیں مراد ہیں جن میں نبی آخر الزمان کی بشارت دی گئی تھی۔ آیات کو ذات کی طرف نسبت کرنے میں ان کے کفر کا بیان ہے۔ یعنی یہ عیسائی یا وہ سارے کفار جنہوں نے رب کی ساری نشانیوں کا یا توریت و انجیل کی ان خاص آیتوں کا یا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ دلائل کا انکار کیا۔ انکار آیات کی چند صورتیں ہیں یا تو الفاظ آیات کلی انکار کر دیا جائے یا مضمون آیات کا انکار ہو' یا ان احکام کا انکار ہو' جس پر امت کا اجماع ہو وہ لوگ ان تینوں قسم کا انکار کرتے تھے۔ بعض آیات انہوں نے بدل دی تھیں۔ بعض کی غلط تاویلیں کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت والی آیتوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں نہیں مانتے تھے آج مسلمانوں کے اندر آخری دو انکاروں کی بیماری پیدا ہو گئی ہے وہ بھی اس سے عبرت پکڑیں ہمیشہ قرآنی آیات کا وہی مطلب سمجھو جو چودہ سو برس سے آج تک عام مومنین سمجھتے آئے ہیں۔ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ہیں۔ اقیموا الصلوۃ میں صلوۃ کے معنی نماز ہی ہیں۔ **و لهم عذاب شديد** لهم خبر مقدم ہے اور عذاب مبتدا مؤخر اور یہ جملہ ان کی خبر۔ عذاب کی تنوین عظمت کے لئے اور شدید کی تنوین شدت کے لئے اسی لحاظ سے حصر کیا گیا۔ معنی یہ ہوئے کہ خاص ایسے ہی کافروں کے لئے جو جان بوجھ کر آیات کا انکار کریں بڑا ہی سخت عذاب ہے۔ جس کی شدت سوا رب کے کوئی نہیں جان سکتا۔ رہے بے خبر کافر ان کے لئے عذاب تو ہے مگر اتنا سخت نہیں (معانی' روح) غرضکہ سرداران کفر کا عذاب سخت ہے۔ بے خبری میں کافر ہونے والوں کا عذاب ہلکا یا یہ حصر گنہگار مسلمانوں کے لحاظ سے ہے تو معنی یہ ہوئے کہ کفار ہی کو سخت عذاب ہو گا۔ رہے گنہگار مومن اگر انہیں عذاب ہوا تو ہلکا ہو گا کہ اس کا عذاب عارضی ہو گا کافر کا دائمی۔ اس کی پردہ پوشی ہو گی کہ کسی کو خبر نہ ہو گی کہ کوئی عذاب پا رہا ہے۔ کافر کی پردہ دری ہو گی۔ اسے غذائیں یعنی کفار کا پیشاب' پاخانہ' خون' پیپ کھانے کو نہ دیا جائے گا کہ اس کے منہ میں کبھی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تو آتا تھا۔ کافر کو دیا جائے گا۔ مومن کو چاہئے کہ اپنا منہ زبانی گندی باتوں سے محفوظ رکھے کہ یہاں اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے۔ رب تعالیٰ نے انسان کو ماں کے پیٹ میں حیض کا خون منہ سے نہ پلایا بلکہ ناف سے پہنچایا کہ اس کا منہ گندگی سے محفوظ رہے۔ تو ہم کو احتیاط لازم ہے۔ مومن کا منہ بہت ہی حرمت والا ہے۔ **والله عزيز ذوانتقام** یہ مستقل جملہ ہے پہلے جملہ کی تائید کرتا ہے۔ **عزیز** عز سے بنا۔ بمعنی غلبہ تام۔ عزیز وہ غالب جو کسی سے مغلوب نہ ہو۔ **انتقام** نقمۃ کا باب افتعال ہے اس کے معنی غلبہ' قبضہ' سزا اور تکلیف ہے۔ نقمۃ باب **ضرب يضرب** سے ہے۔ قرآن فرماتا ہے **وما نقموا منهم الا ان يومنوا** الخ اور فرماتا ہے **وما تنقم منا الا ان امنا** بدلہ کو انتقام اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں سزا دی جاتی ہے۔ اگرچہ **ذو انتقام** اور **منتقم** کے معنی قریباً" یکساں ہیں مگر **ذو انتقام** میں زیادہ مبالغہ ہے۔ صاحب سیف وہی کہلائے گا۔ جس سے اکثر قتل واقع ہو نہ وہ کہ جس کے پاس تلوار ہے۔ یعنی اللہ غالب ہے اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ اور دشمنوں سے سخت بدلہ لینے والا ہے۔ اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ یہ خبر عذاب شدید کی تحقیق کے لئے ہے۔ یعنی رب تعالیٰ کا عذاب سخت بھی ہے اور بہت بڑا بھی' کیونکہ وہ رب سب پر غالب ہے کوئی اسے مجرم کو سخت عذاب دینے سے روک نہیں سکتا۔ اور جیسے وہ کرم کرنے والا ہے ایسے ہی بدلہ لینے والا بھی باغی کو یوں چھوڑ دینا بھی لاقانونی ہے بڑا حاکم ہی بڑی سزا دے سکتا ہے۔ ایسے معمولی حاکم پھانسی کی سزا دے نہیں سکتا۔ اور

مقام فرما کر یہ بتایا کہ رب بغیر جرم کے کسی کو سزا نہیں دیتا۔ بدلہ میں سزا دیتا ہے' مجرم کی سزا' بدلہ دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ برزخ میں بھی' حشر میں بھی' آخرت میں بھی' کفار کے لئے دنیاوی مصیبتیں بھی عذاب ہیں' مومن کے لئے رحمت۔ یہ جملہ گویا معترضہ تھا۔ اب پھر اصل مضمون کی طرف رجوع ہے۔ **ان اللہ لا یخفی علیہ شیء فی الارض ولا فی السماء۔** یہ نیا جملہ ہے جس میں رب تعالیٰ کی وسعت علم کا ذکر ہے۔ چونکہ بعض لوگ اس کے علم یا وسعت علم کے منکر تھے۔ اس لئے اسے **ان** سے شروع فرمایا گیا۔ **لا یخفی' خفاء** سے بنا۔ بمعنی پوشیدگی اور چھپنا اس کا مقابل ظہور ہے۔ پوشیدگی کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو شے کا فی الحال موجود نہ ہونا۔ دوسرے پردہ میں ہونا۔ یہاں دوام و استمرار کے لئے یعنی کبھی نہیں چھپتا۔ **علیہ' یخفی** کے متعلق ہے اور شی عام اس کا فاعل۔ شی ء موجود کو بھی کہتے ہیں ممکن کو بھی اور معلوم کو بھی مگر یہاں موجود یا ممکن مراد ہے کیونکہ غیر مخفی یعنی ظاہر ہونا اس ہی کی شان ہے' نہ کہ ناممکنات کی رب کو معلوم تو ہر چیز ہے مگر غیر مخفی یعنی ظاہر صرف موجودات یا ممکنات ہیں **فی الارض'** ثابت پوشیدہ کے متعلق ہو کر شی ء کی صفت ہے۔ **لا** نفی کی تاکید کے لئے دوبارہ لایا گیا **فی السماء** بھی شی ء کی صفت بعض لوگوں نے فرمایا کہ یہ دونوں جار مجرور **لا یخفی** کے متعلق ہیں۔ چونکہ انسان کو بمقابلہ آسمان کے زمین کا زیادہ علم ہے۔ اس لئے یہاں زمین کا ذکر پہلے ہوا اور آسمان کا بعد میں اور چونکہ عالم اجسام کے دو ہی کنارے ہیں۔ زمین و آسمان اس لئے اس سے مراد عالم اجسام کی ساری چیزیں ہیں یعنی رب تعالیٰ پر کوئی چھوٹی بڑی گذشتہ موجودہ اور آئندہ چیز بھی پوشیدہ نہیں سب کچھ ظاہر ہے۔ اب اظہار قدرت کے لئے فرمایا جاتا ہے **ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء۔** ھو سے ذات الٰہی مراد ہے اور الذی سے اس کی صفت یصور تصویر سے بنا۔ جس کے معنی ہیں صورت بخشنا۔ ظاہر چیز کو دیکھ کر جانا جاتا ہے اور چھپی چیز کو اس کے علامات و آثار سے بھی جانا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ کی ذات تمام غیبوں سے بڑھ کر غیب ہے اس لئے اسے اس کی قدرت و صنعتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ **ھو الذی** فرما کر یہ بتایا کہ اگر تم اس عقیدہ کو جاننا پہچاننا چاہتے ہو تو خود اپنے کو دیکھو تم بذات خود اس کی معرفت کی کتاب ہو۔ **و فی انفسکم افلا تبصرون۔** صورت لغت میں صار۔ صور کا مصدر ہے۔ بمعنی مائل ہونا اور مائل کرنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فصرھن الیک** صور کو اسی لئے صور کہتے ہیں کہ تمام مخلوق اس کی آواز پر اس کی طرف مائل ہوگی۔ **و نفخ فی الصور** اور صیر' ضرب ضرب سے بمعنی مائل کرنا اور منقلب ہونا ہے۔ اصطلاح میں صورت اس ہیئت کا نام ہے جو ترتیب اجزاء سے حاصل ہو یعنی شکل چونکہ یہ بھی اجزاء کے ایک دوسرے کی طرف میلان سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اسے صورت کہا جاتا ہے۔ ارحام جمع رحم کی ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں مہربانی اور رقت قلبی اسی سے رحمت ہے عورت کی بچہ دانی کو اس لئے رحم کہتے ہیں کہ وہ رشتوں' قرابتوں اور محبتوں کی اصل ہے۔ **فی الارحام** یا تو **یصور** کا متعلق ہے یا کسی پوشیدہ عبارت کا متعلق ہو کر کم کا حال ہے اور کیف **یشاء** سے منصوب ہے اور یہاں عموم کیفیت کے لئے بولا گیا۔ **یشاء** کا مفعول یہ پوشیدہ ہے۔ یعنی رب تعالیٰ وہ قدرت والا ہے کہ تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم میں جیسی چاہتا ہے صورت بخشتا ہے۔ لڑکا بنائے یا لڑکی' کامل یا ناقص' کالا یا گورا' یا جس طرح چاہے تمہیں بنا دے۔ باپ کے نطفہ سے یا بغیر نطفہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا یہ اس کا کمال ہے نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت۔ کیونکہ **لا الہ الا ھو العزیز الحکیم** اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہی غالب حکمت والا ہے۔ یہ جملہ گذشتہ دلائل کا نتیجہ ہے۔ پہلے مطلوب کے طریقہ پر ارشاد فرمایا گیا تھا اب نتیجہ کے طور پر۔

خلاصہ ء تفسیر : اللہ کی وحدانیت اور اس کے ماسوای عبدیت پر بے شمار دلائل قائم ہو چکے اب جو کوئی جان بوجھ کر ان نشانیوں کا انکار کرے اور عیسیٰ علیہ السلام یا کسی اور کو خدا کا شریک مانے اس کے لئے سخت عذاب ہے۔ اللہ وہ غالب ہے کہ اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ جو چاہے کرے اور جو چاہے فیصلہ فرمائے۔ سخت بدلہ لینے والا ہے اسے بدلہ سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اے بے وقوفو! عیسیٰ علیہ السلام یا کوئی دوسرا خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ رب کی شان تو یہ ہے کہ اس سے آسمان و زمین کی کوئی چھوٹی بڑی فی الحال یا آئندہ ہونے والی چیز کبھی پوشیدہ نہیں۔ یہ وسعت علمی اس کے ساتھ خاص ہے اگر اس نے اپنے فضل سے کسی کو کچھ علم غیب عطا فرمایا تو اس سے وہ خدا نہ بن گیا بلکہ بندہ ہی رہا۔ نیز وہ ایسی قدرت والا ہے کہ تمہیں تمہاری ماؤں کے تاریک رحموں میں جیسی چاہتا ہے صورت بخشتا ہے۔ کسی کو لڑکا بناتا ہے کسی کو لڑکی کوئی کالا کوئی گورا کوئی خوبصورت کوئی بدصورت کوئی کامل کوئی ناقص کوئی صفراوی کوئی بلغمی کوئی اندھا کوئی انکھیارا کوئی گونگا کوئی نہایت تیز بولنے والا کوئی بد نصیب کوئی نصیبہ ور۔ غرضکہ تخم ایک زمین ایک مگر پھل مختلف یا یوں سمجھو کہ مادہ ایک سانچہ ہے مگر اس میں ڈھلنے والے بندے مختلف۔ دیگر چیزوں میں دکھایا گیا ہے کہ جیسا بیج ویسا ہی اس کا پھل۔ ویسی ہی اس کی لذت ویسی ہی رنگ و بو ویسے ہی خاصیت۔ مگر حضرت انسان قدرت الٰہی کا مظہر ہے کہ ایک ہی ماں کے چند بچے ان میں سے کوئی کافر کوئی ولی کسی کا مزاج بلغمی کسی کا صفراوی۔ کوئی گونگا کوئی تیز زبان کوئی پیدا ہوتے ہی مر گیا کوئی سو سال جیا کوئی کچا ہی گر گیا۔ ان کمالات قدرت کو دیکھ کر کہنا پڑے گا بے شک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی۔ جو چاہے جس طرح چاہے جب چاہے جیسے چاہے بنائے۔ جو رب نطفہ میں اتنے کرشمے دکھا سکتا ہے وہ بغیر نطفہ کے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی پیدا فرما سکتا ہے۔ جب یہ سمجھ چکے تو سمجھو لوگو کہ رب کے سوا کوئی معبود نہیں معبود وہ جو ان صفات سے موصوف ہو وہی سب پر غالب ہے اور حکمت والا ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت و راز سے خالی نہیں۔ اس کی غالبیت و حکمت اسی کی ہستی کی دلیل ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں

عرفت ربی بفسخ عزائمی میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے فسخ ہو جانے سے پہچانا۔

لطیفہ : کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ موجد شطرنج کا کمال تو دیکھو کہ اس نے گز بھر کپڑے پر چونسٹھ خانے بنائے مگر جب کھیلو تب اس کی نئی چال ہے آپ نے فرمایا کہ خالق کا کمال تو دیکھو کہ اس نے بالشت بھر چہرہ میں پانچ سوراخ کئے۔ دو آنکھوں کے دو ناک کے اور ایک منہ کا۔ مگر اس پر کروڑوں نقشے کھینچ دیئے ان میں کوئی دوسرے سے نہیں ملتا۔ گویا آپ کلیہ کلام **کیف یشاء** کی تفسیر ہے۔

مسلم و بخاری وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا نطفہ چالیس روز تک رحم میں اسی رنگ پر رہتا ہے۔ پھر چالیس دن تک جمے ہوئے خون کی شکل میں پھر چالیس دن تک پارہ گوشت کی شکل میں رہتا ہے۔ پھر رب تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کی تمام کیفیت لکھ جاتا ہے کہ یہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ بد بخت ہے یا نصیبہ ور۔ اسے کیسا رزق ملے گا۔ کب مرے گا کیسے کام کرے گا۔ یہ تمام کچھ ایک صحیفہ میں لکھ کر اس بچے کے گلے میں ڈال دیتا ہے۔ رب نے فرمایا **و کل انسان الزمنه طئره فی عنقه** بعض بد نصیب جنت کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں صرف ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اچانک اس کی تقدیر غالب آتی ہے اور وہ پلٹا کھا کر دوزخیوں کے سے عمل کرتا ہے اور اسی پر اس کا خاتمہ

ہوتا ہے اور وہ داخل دوزخ ہوتا ہے۔ بعض خوش نصیب دوزخ کے کام کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں اور دوزخ میں ایک ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اچانک اس کی تقدیر اس پر سبقت کرتی ہے اور اس کی زندگی کا نقشہ بدل جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے۔ اسی پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور وہ داخل جنت ہوتا ہے۔ (خزائن و خازن و روح وغیرہ) انسان کو چاہئے کہ رب تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈرے اپنے ظاہری اعمال پر گھمنڈ نہ کرے اور یہ دعا کرتا رہے۔

تو نے اسلام دیا تو نے جماعت میں لیا تو کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بعض عطائی علم غیب دلیل الوہیت نہیں اور نہ اس کا انبیاء کے لئے ماننا شرک دیکھو عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے علم غیب کو ان کے خدا ہونے کی دلیل بنایا۔ رب نے ان کے علم غیب کا انکار نہیں کیا بلکہ ان کے استدلال کو غلط قرار دیا۔ دیوبندیوں کو اس سے عبرت پکڑنی چاہئے کہ وہ سنیوں کو اس بناء پر مشرک کہہ دیتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کی عطا سے سارے واقعات عالم کا علم غیب مانا۔ حالانکہ یہ علم علم خداوندی کے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ دوسرا فائدہ: تقدیر لکھنے والا فرشتہ علوم خمسہ جانتا ہے کہ کون نیک بخت ہے اور کون بدبخت کون کہاں مرے گا اور کب مرے گا کون کتنا کھائے گا اور کتنا پئے گا۔ کیونکہ یہ سب باتیں وہی تو لکھ گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس فرشتہ سے بڑھ کر عالم ہیں۔ اس لئے یہ پانچوں علم حضور علیہ السلام کو بھی حاصل ہوئے۔ تیسرا فائدہ: ہر ایک کی اگلی سوانح عمری اس کے گلے میں موجود ہے جیسا کہ ہماری بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوا۔ لہٰذا اولیاء کی حقیقت بین آنکھوں سے کچھ چھپا ہوا نہیں۔ چوتھا فائدہ: عطائی قدرت خدا ہونے کی دلیل نہیں۔ دیکھو عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اس لئے رب مانا تھا کہ وہ مٹی کے پرندوں میں جان ڈالتے تھے۔ رب تعالیٰ نے حضرت مسیح کی قدرت کا انکار نہیں فرمایا بلکہ اس استدلال کو غلط بتایا۔ اس سے بھی دیوبندی عبرت پکڑیں کہ وہ اولیاء اللہ اور انبیائے کرام میں عطائی قدرت ماننے کو شرک کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کی قدرت قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق اول کا مطالعہ کرو۔ پانچواں فائدہ: خدا تعالیٰ ہر وقت ہر چیز کا عالم ہے۔ جیسا کہ **لا یخفی** کی وسعت سے معلوم ہوا جو اسے ایک آن کے لئے جاہل مانے وہ بے ایمان ہے۔ دیوبندیوں کے پیشوا اسماعیل صاحب دہلوی نے تقویۃ الایمان میں لکھا کہ جب چاہے غیب معلوم کرے یہ اللہ صاحب کی شان ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب کے شاگرد سید حسین علی پنجابی نے اپنی کتاب بلغۃ الحیران میں لکھا کہ حق یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کو بندوں کے فعل کی ہر وقت خبر نہیں۔ جب وہ کر لیتے ہیں تب اسے خبر ہوتی ہے یہ عقیدے صریحی بے دینی ہیں اور اس آیت کریمہ کے سخت خلاف۔ چھٹا فائدہ: چالیس کا عدد بڑا مبارک ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ پر ہر چالیس دن کے بعد تبدیلی ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ چالیس دن میں تبدیلی ہے۔ چالیس سال تک آدم علیہ السلام کا خمیر خشک کیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دن تک کا اعتکاف کرا کر توریت دی گئی۔ چالیس سال کی عمر میں اکثر پیغمبروں کو نبوت ملی۔ چالیس سال کی عمر میں عقل کامل ہوتی ہے اسی لئے صوفیائے کرام چلے کرتے ہیں۔ اس کی پوری تحقیق پہلے سیپارہ کی تفسیر اور ہماری کتاب جاء الحق اول میں دیکھو۔ انوار ساطعہ نے ایک حدیث نقل کی کہ بزرگان دین کی ارواح چالیس دن تک اپنی قبر میں رہتی ہیں۔ پھر اپنے اصلی ٹھکانے جہاں حشر تک رہنا ہے۔ پہنچ جاتی ہیں۔

اعتراض : پہلا اعتراض اس آیت کا مضمون مختصر عبارت میں بھی ادا ہو سکتا تھا کہ کہہ دیا جاتا کہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اتنی دراز عبارت کیوں فرمائی گئی کہ اللہ پر زمین و آسمان کی چیزیں چھپی نہیں۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ **جواب:** اس سے تاکید مقصود ہے جیسے بادشاہ یہ کہہ دے کہ میں سب کا بادشاہوں اور یہ کہے کہ ذرہ ذرہ پر میری حکومت ہے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے مگر دوسری عبارت میں جو تاکید ہے وہ پہلی میں نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ پر وہ چیزیں چھپی ہوئی نہیں جو آسمان و زمین میں ہوں تو کیا دوسری چیزیں چھپی ہیں جو اب تک پیدا نہیں ہوئی یا پیدا تو ہوئیں مگر آسمان و زمین کے علاوہ اور عالم میں ان کا مقام ہے۔ خدا اسے بھی جانتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں جانتا تو اس کے علم میں کمی ہے اور اگر جانتا ہے تو اس آیت کے خلاف **جواب:** یہ عبارت بندوں کے لحاظ سے ہے کہ ان کے علوم انہیں میں محدود ہیں۔ اسی سے انہیں رب کی وسعت علم کا پتہ لگ گیا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ رحم مادر میں خود بچوں کی صورتیں بناتا ہے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ کام فرشتہ کے سپرد ہے ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** رب کے حکم سے فرشتہ رحم میں صورت بناتا ہے لہذا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ فرشتہ نے صورت بنائی اور یہ بھی کہ رب نے کیونکہ غلام کا فعل مالک کا فعل ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے ملک جیت لیا۔ حالانکہ لشکر نے جیتا ہے اس میں اس جانب اشارہ ہو گیا کہ جیسے اس فرشتہ کو خدا نہیں کہہ سکتے۔ جو رحم میں صورتیں بنا کر ان میں روح پھونکتا ہے ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو مٹی کے پرندوں میں پھونکنے اور مردوں کو زندہ کرنے اور بیماروں کو اچھا کرنے سے خدا نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ یہ دراصل خدا کے فعل ہیں یہ حضرات اس کا مظہر۔ اسرافیل علیہ السلام صور پھونک کر سارے ہی مردوں کو زندہ کریں گے تو کیا وہ خدا ہیں ہرگز نہیں۔ ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے ماں کے رحم میں نطفہ ہر چالیسویں دن رنگ بدلتا ہے۔ یہاں تک کہ شکل انسانی اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے ہی سچے مرید کا قلب گویا رحم ہے اور شیخ کامل کی نگاہ گویا نطفہ شیخ مرید کے قلب پر اثر ڈال کر اس سے چلے کراتا ہے۔ جس سے مرید ہر چلہ میں ترقی کرتا ہوا اسی بارگاہ تک پہنچ جاتا ہے جہاں سے چلا تھا پھر اس کے قلب میں روح خاص پھونکی جاتی ہے۔ جسے روح القدس کہہ سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ** نیز فرماتا ہے **کتب فی قلوبھم الایمان و ایدھم بروح منہ** جب اس میں یہ روح پھکتی ہے تب یہ اپنے وقت کا آدم ہوتا ہے اور تمام ملائکہ کا گویا مسجود (روح البیان) جیسے ایک ہی رحم سے مختلف اولاد پیدا ہوتی ہے ایسے ہی ایک ہی تعلیم سے مریدین کے مختلف حالات ہوتے ہیں۔ نگاہ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ہی تھی مگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درجات مختلف۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ہماری بندگی کی سب سے بڑی دلیل ہماری مجبوری و معذوری ہے۔ بندہ خود مختار ہو کر دعویٰ خدائی کر بیٹھتا ہے اور اپنی ناکامی و مجبوری دیکھ کر بندہ بنتا ہے۔ فرعون جب طوفان میں پھنسا تو بولا **امنت انہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنوا اسرائیل** ہم اگرچہ دوران زندگی میں کچھ مختار بھی ہیں مگر پیدائش و موت میں محض مجبور کہ جب چاہا جیسا چاہا رب نے بنا دیا وہاں ہماری تدبیر کو دخل نہیں اور جب چاہا جس طرح چاہا بلا لیا۔ کوئی تدبیر و علاج موت پر مفید نہیں ہوتا۔ انسان اپنی ابتدائی و انتہائی مجبوریوں پر نظر رکھے تو گناہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ

وہ اللہ وہ ہے جس نے اتارا اوپر آپ کے اس کتاب کو اس میں سے بعض آیتیں مضبوط کی ہوئی ہیں وہ

وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری

وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا

اصل کتاب ہیں اور دوسری متشابہ والی پس لیکن وہ لوگ کہ بیچ دلوں ان کے کجی ہے بس پیچھے پڑتے ہیں وہ ان

وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے

تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ

کے جو متشابہ رکھتی ہیں اس میں سے تلاش کرنے والے فتنہ اور تلاش کرنے تاویل کو اس کو اور نہیں جانتا تاویل اس کی

پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ

اِلَّا اللّٰهُ ۘؔ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ

کوئی اللہ کے سوا اور مضبوط لوگ بیچ علم کے کہتے ہیں کہ ایمان لائے ہم ساتھ اس کے سب پاس سے

ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے

رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

ہے رب ہمارے کے اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر عقل والے

پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: مناظرہ کے تین پہلو ہوتے ہیں۔ (1) اپنے دلائل۔ (2) معترض کے جوابات۔ (3) اس کے الزام کا دفعیہ پچھلی آیتوں میں اگلے دو پہلو ارشاد ہوئے اب عیسائیوں کے الزام کا جواب دیا جارہا ہے کہ وہ کہہ سکتے تھے یا کہتے تھے کہ قرآن نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ فرمایا جس کے معنی یہی ہوئے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ بیٹا باپ کی جان ہوتا ہے اس کا اب جواب دیا جارہا ہے کہ اے عیسائیو! تم نے روح اور لفظ کلمہ سے الزام دیا۔ لفظ میں حقیقی معنی کا بھی احتمال ہوتا ہے اور مجازی کا بھی۔ جہاں لفظ کے ظاہری معنی دلیل عقلی کے خلاف ہوں سمجھ لو کہ وہ متشابہات میں سے ہے اس لئے اب فرمایا گیا کہ قرآن کی بعض آیات محکم ہیں اور بعض متشابہ۔ غرضکہ یہ آیتیں گذشتہ مناظرہ کا تتمہ ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی قدرتوں کا ذکر ہوا کہ وہ ایک ہی پیٹ سے مختلف قسم کی اولاد پیدا فرماتا ہے۔ کوئی مومن 'کوئی کافر' کوئی نرم دل 'کوئی سخت دل۔ اس کی وجہ عقل میں نہیں آتی۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ جیسے دنیوی معاملات میں بعض تک عقل پہنچتی ہے اور بعض تک نہیں اسی طرح کتاب اللہ میں بعض آیات وہ ہیں جو سمجھ میں آجائیں 'اور بعض سمجھ سے بالاتر' ہر جگہ اپنا قیاس نہ دوڑاؤ۔ خلاصہ یہ ہے

کہ عام احکام میں قریباً" ہر جگہ بعض باتیں سمجھ میں آتی ہیں بعض نہیں آتیں۔ جسم کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ ہڈی گوشت وغیرہ سے بنا۔ مگر روح سمجھ میں نہیں آتی جسم کا بننا عقل میں آتا ہے۔ مگر کالا گورا عالم جاہل سعید شقی ہونے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ عقل حیران ہے کہ بچہ اتنے غلافوں میں سانس کیسے لیتا ہے۔ انڈے میں ہوا کدھر سے آتی ہے ایسے ہی قرآن شریف کی بعض آیات سمجھ میں آتی ہیں بعض نہیں آتیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی قیومیت کا ذکر تھا اور قیوم وہ ہے جو عالم کی حاجت پوری کرے۔ حاجتیں دو قسم کی ہیں۔ جسمانی اور روحانی۔ جسمانی حاجت روائی کا ذکر پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم انہیں جیسی چاہتے ہیں صورت بخشتے ہیں اور روحانی حاجت روائی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ رب نے وہ کتاب اتاری جو علم و حکمت کا سرچشمہ ہے۔ تاکہ لوگ اس سے اپنی علمی حاجت پوری کریں۔

شان نزول : اس کے نزول میں کئی روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نجرانی عیسائیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل قاہرہ سن کر عرض کیا کہ تمہارے قرآن نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کو کلمتہ اللہ اور روح اللہ فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہاں وہ بولے بس ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں تب یہ آیت کریمہ اتری (روح المعانی و تفسیر در منثور ابن جریر)۔ دوسرے یہ کہ ایک دفعہ یہود کا سردار ابو یاسر ابن اخطب اپنے یہودی ساتھیوں کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک پر گزرا آپ شروع سورہ بقر کی آیتیں تلاوت فرما رہے تھے۔ **الم ' ذلک الکتب** الخ ابو یاسر اپنے بھائی حیی ابن اخطب کے پاس پہنچا۔ اور یہ آیت پڑھ کر اسے سنائی۔ یہی ایک جماعت کعب ابن اشرف وغیرہ کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بولا کہ ہم اس دین کی پیروی کیسے کریں۔ جس کی عمر صرف اکتہر (71) سال ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ کیسے۔ وہ بولا کہ آپ پر آیت آئی **الم** الف کا عدد ایک لام کے تیس۔ میم کے چالیس کل اکتہر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی کل یہ عمر ہے۔ حضور (علیہ السلام) نے ارشاد فرمایا! **المص** وہ بولا اب تو معاملہ بڑھ گیا کہ ایک سو اکسٹھ ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا! **المر** وہ بولا اب تو بہت ترقی ہو گئی کہ دو سو اکہتر عدد بنے۔ ہم نہیں جانتے کہ کسے مانیں' کسے نہ مانیں۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ تیسرے یہ کہ عیسائیوں نے کہا تھا کہ رب فرماتا ہے۔ **نحن خلقنا ' نحن قدرنا** اور جمع کم سے کم تین کے لئے آتی ہے۔ معلوم ہوا خدا تین ہیں۔ تب یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر احمدی و معانی و خازن و تاریخ بخاری و ابن جریر عن ابن عباس)۔ مگر خیال رہے کہ ہم شروع آل عمران میں عرض کر چکے ہیں کہ نجرانی عیسائیوں کے مناظرہ پر اسی سے زیادہ آیتیں اتریں۔ پھر ان آیات کا شان نزول کچھ اور ہونا مشکل ہے۔ ممکن ہے کہ اسی مناظرہ کے وقت یہ واقعہ درپیش آیا ہو۔ ایک آیت کے چند شان نزول ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر : **هو الذی انزل علیک الکتب۔۔۔** ھو یہ نیا جملہ ہے۔ ھو کا مرجع رب العالمین ہے۔ **ھو الذی** کبھی اظہار کرم کے لئے کبھی اظہار غضب کے لئے۔ ایک کاریگر کہتا ہے میں وہ باکمال ہوں کہ فلاں عمارت میری بنائی ہوئی ہے۔ ایک مہربان باپ کہتا ہے میں وہ ہوں جس نے تجھ پر یہ کرم کئے۔ دشمن سے کہا جاتا ہے میں وہ جس نے اتنوں کو مارا اتنے ختم کئے۔ یہاں **ھو الذی** یا تو اظہار کرم کے لئے ہے یا اظہار قدرت کے لئے یعنی رب وہ قدرت والا ہے یا وہ کرم و

مہربانی والا ہے۔ انزل' انزال سے بنا بمعنی ایک دم اتارنا یا تو اس سے وہ نزول قرآن مراد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ و سلم پر ماہ رمضان میں ایک دم ہوتا تھا۔ یا یہ انزال بمعنی تنزیل ہے یا اس میں تجرید کر لی گئی اور مطلقاً اتارنا مراد ہو۔ علیک میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے خطاب ہے۔ الکتب سے پورا قرآن کریم مراد ہے۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ و سلم وہ اللہ وہ قدرت والا ہے جس نے تم پر یہ قرآن کریم اتارا۔ خیال رہے کہ دنیا ظلمت کدہ ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم اور قرآن کریم یہاں کا نور کاری گر کے تمام کمالات نور سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر نور نہ ہو تو آدمی چیزوں سے ٹھوکر کھاکر چیزیں بلکہ اپنا سر توڑ لیتا ہے۔ اس لئے کمرے کا سوئچ دروازے پر لگاتے ہیں کہ روشنی پہلے کریں اندر بعد میں داخل ہوں۔ ایسے ہی دنیا اندھیرا گھر ہے۔ قرآن یہاں کا نور' نیز انسان اجنبی جگہ کے مقامات اپنے عقل و علم سے معلوم نہیں کر سکتا۔ وہاں کے باشندے سے پوچھنا پڑے گا۔ ایسے ہی عقل اس عالم کو معلوم کر سکتی ہے چیزیں ایجاد کر سکتی ہے۔ مگر ایمان و تقویٰ نہیں بنا سکتی۔ اس لئے قرآن کا نزول رب کی رحمت ہے تو فرمایا گیا هو الذی اگرچہ قرآن شریف تمام لوگوں کے لئے آیا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ و سلم پر آیا تو کہ لوگ آپ کے حاجت مند رہیں۔ گندم لوگوں کے لئے پیدا ہوتی ہے مگر زمیندار کے گھر ہوتی ہے۔ یہ قانون قدرت ہے۔ دیکھو رب کی چینی ڈپو سے ملا کرتی ہے۔ قرآن کی ہر چیز حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے مختلف اعضاء پر نازل ہوئی۔ الفاظ کان پر' معانی دماغ پر' اسرار دل پر۔ اس لئے علیک فرمایا اور دوسری جگہ علی قلبک ارشاد ہوا۔ منه ایت محکمت یہ جملہ کتاب کی صفت ہے اور منه میں من تبعیضیہ ہے اس کا متعلق منقسم یا قائم ہے۔ ایت مبتداء موخر۔ محکمت۔ محکمتہ کی جمع ہے جس کا مادہ حکم ہے۔ حکم کے لغوی معنی منع کرنا' واپس کرنا ہیں۔ افسر کو اسی لئے حاکم کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کو ظلم سے روکتا ہے۔ پختہ کرنے کو احکام اور مضبوط کو محکم اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اکھیڑنے والے کا مقابلہ کرتا ہے۔ علم کو اسی لئے حکمت کہتے ہیں کہ وہ برائیوں سے روکتا ہے۔ اصطلاح میں محکم وہ عبارت ہے جس کے معنی ظاہر ہوں اور احتمالات اور شبہات سے محفوظ ہو۔ اس کے شرعی معنی آئندہ بیان کئے جائیں گے (معانی و کبیر)۔ یہ آیت کی صفت ہے یعنی قرآن کی بعض آیتیں محکم ہیں جن کے معنی بالکل ظاہر اور احتمالات سے محفوظ ہیں۔ هن ام الکتب یہ محکمت کی صفت ہے۔ ام کے لغوی معنی ہیں اصل جن کی طرف رجوع کیا جائے یعنی مرجع۔ اسی لئے ماں کو ام کہتے ہیں اور مکہ شریف کو ام القری یہ آیتیں چونکہ اصل قرآن ہیں کہ انہیں سے احکام نکالے جاتے ہیں اور متشابہات کو انہیں کی طرف پھیرا جاتا ہے اور حرام و حلال میں ہر شخص انہیں کی طرف رجوع کرتا ہے اس لئے انہیں ام الکتاب کہا گیا۔ سورۂ فاتحہ کا نام بھی ام الکتاب ہے یہاں کتاب سے یا کل کتاب مراد ہے اور اضافت فی کی یعنی وہ اس قرآن میں اصل آیتیں ہیں۔ یا اس سے بعض کتاب مراد یعنی غیر محکم آیتیں و اخر متشبهت۔ اخر' اخری کی جمع ہے۔ جو اخر اسم تفضیل کی تانیث ہے یہاں آیات کی صفت ہے اس کے معنی ہیں بہت پیچھے رہنے والی۔ کبھی بمعنی غیر بھی بولا جاتا ہے' یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ اسی لئے اس کا استعمال نہ الف لام سے ہوا نہ اضافت سے' نہ من سے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ اخر منہ سے معدول ہے' متشابہات تشابہ سے بنا۔ جس کا مادہ شبہ ہے۔ جس کے معنی ہیں کیفیت میں کسی کی مثل ہونا۔ اسی لئے تصویر کو شبیہ اور مثل ہونے کو مشابہت یا تشبیہ کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں متشابہ وہ کہلاتا ہے جو کسی کے مشابہ اس طرح ہو جائے کہ اس میں فرق نہ ہو سکے۔ یعنی یکساں' رب تعالیٰ فرماتا

ہے ان البقر تشابہ علینا اور فرماتا ہے و اتوا بہ متشابھا ۔ نیز فرماتا ہے تشابھت قلوبھم اہل عرب کہتے ہیں اشتبہ علی امرا تان یہاں وہ آیتیں مراد ہیں جن میں بہت سے معنی کا احتمال ہو اور کسی کو ترجیح نہ ہو۔ یا جس کے معنی سمجھ میں نہ آتے ہوں۔ یعنی محکمات کے علاوہ کچھ آیتیں ایسی ہیں جن کے معنی ظاہر نہیں 'یا ان میں چند معنی کا احتمال ہے یا ان کی مراد رب کے سوا کسی کو نہیں معلوم یا اس کی حکمت رب جانے۔ متشابہ کے شرعی معنی انشاء اللہ آئندہ بیان ہوں گے یہاں تک تو آیات کی تقسیم کی گئی۔ اب لوگوں کے حالات سنو۔ فاما الذین فی قلوبھم زیغ اما تفصیل کے لئے ہے الذین سے یا تو وہ نجرانی عیسائی مراد ہیں۔ جو روح اللہ کے لفظ سے دھوکہ دیتے ہیں یا وہ مشرکین ہیں جنہوں نے الم سے غلط مطلب حاصل کیا یا منافقین۔ امام احمد نے بروایت ابو امامہ نقل کیا۔ اس سے مراد خارجی لوگ ہیں اور ممکن ہے کہ اس سے سارے وہ بدمذہب مراد ہوں جو قرآن پاک کے غلط معنی کریں اور متشابہات کی غلط تاویلیں کریں۔ زیغ۔ ضرب یضرب کا مصدر ہے۔ بمعنی جھک جانا' مائل ہو جانا۔ اس کا مقابل استقامت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم ۔ نیز فرماتا ہے ما زاغ البصر وما طغی یعنی وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ٹیڑھا پن اور سیدھا راستہ سے میلان ہے اگر تکلا ٹیڑھا ہو تو سوت نہیں کاتتا۔ اگر مشین کا کوئی پرزہ ٹیڑھا ہو تو ساری مشین کو بیکار کر دیتا ہے کہ پھر مشین کام نہیں کرتی۔ اگر پہیے کا دھرا ٹیڑھا ہو جائے تو تانگہ چل نہیں سکتا۔ سارا تانگہ بیکار ہوتا ہے۔ اگر راستہ ٹیڑھا ہو تو اسے اختیار کرکے کوئی سیدھے راستہ پر نہیں پہنچتا۔ ایسے ہی اگر عالم کا دل ٹیڑھا ہو تو اس کے عقیدے 'اعمال' احوال سب غلط ہوتے ہیں۔ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ ٹیڑھے دل والا عالم قرآن سے گمراہی لیتا ہے اور لوگ اس سے گمراہ ہوتے ہیں اس لئے ارشاد ہوا۔ وما الذین' ٹیڑھے دل والا عالم وہ ہوتا ہے جس کی زبان پر دین دل میں دنیا ہو یا جس کا دل مدینہ طیبہ سے ہٹا ہو۔ جیسے نمازی کا رخ اگر ٹیڑھا ہو تو نماز نہیں ہوتی ایسے ہی اگر عالم کے دل کا رخ ٹیڑھا ہو تو ایمان درست نہیں ہوتا اور نہ اس کی تقریر درست ہو۔ فیتبعون ما تشابہ منہ یہ الذین کی خبر بمعنی جزا ہے۔ اتباع کا مادہ تبع ہے بمعنی پیچھے اتباع پیچھے چلنے اور پیچھے پڑنے کو کہتے ہیں۔ جیسے فاتبعونہ اس کا فاعل الذین ہے ما سے متشابہ آیات مراد ہیں۔ منہ کا مرجع کتاب اللہ ہے۔ یعنی جن کے دلوں میں کجی ہے وہ آیات محکمہ کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ کبھی اس کے ظاہری معنی سے لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ کبھی قرآن میں تعارض اور مقابلہ دکھاتے ہیں۔ کبھی اس کے ظاہری معنی سے اپنے غلط مسائل ثابت کرتے ہیں۔ غرضکہ وہ اسی میں مشغول رہتے ہیں ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ یہ یتبعون کا مفعول لہ ہے۔ اور ابتغاء کا مادہ بغی ہے' بمعنی چاہنا اور حد سے آگے بڑھنا۔ اسلامی سلطان کے مخالف کو باغی کہتے ہیں۔ یعنی حد اطاعت سے بڑھنے والا۔ قرآن فرماتا ہے وابتغوا الیہ الوسیلۃ اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ یہاں بمعنی تلاش ہے۔ فتنہ کے لغوی معنی غلو اور حد سے آگے بڑھنا ہے۔ کبھی بمعنی آزمائش اور امتحان بھی آتا ہے۔ انما اموالکم و اولادکم فتنۃ۔ کبھی اصل سے ہٹا دینے کو بھی فتنہ کہہ دیتے ہیں۔ گمراہ کرنا اور بلائیں مصیبتیں سب کو فتنہ کہا جاتا ہے۔ و ان کادوا لیفتنونک یہاں یا تو فتنہ سے بہکانا مراد ہے یا گمراہ کرنا' یا مسلمانوں میں اختلاف ڈالنا' بلائیں برپا کرنا۔ یا ایک نیا دین قائم کرکے مسلمانوں میں کشت و خون کرانا۔ یا شرک و کفر (مدارک' خازن و کبیر وغیرہ)۔ دوسرا ابتغاء پہلے ابتغاء پر معطوف ہے۔ اور یتبعون کا مفعول لہ۔ تاویل اول سے بنا۔

معنی رجوع کرنا لوٹنا اسی لئے ٹھکانے کو موئل کہا جاتا ہے۔ کبھی بیان اور تفسیر کو بھی تاویل کہہ دیتے ہیں۔ جیسے **فالک خیروا حسن تاویلا** جیسے **سانبئک بتاویل ما لم تستطع علیہ صبرا**" اصطلاح میں کسی لفظ کو ظاہری معنے سے پھیرنا تاویل کہلاتا ہے۔ یہاں وہ باطل اور جھوٹی تاویلیں مراد ہیں۔ جو عقائد اسلامیہ کے خلاف ہوں۔ اور مفسدین کی مرضی کے مطابق یعنی الفاظ کو توڑ مروڑ کر اپنا مطلب نکالنا۔ یعنی ایسے بے دین لوگ محض گمراہی پھیلانے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے کشت و خون کرانے اور لوگوں کے بہکانے کے لئے نیز اپنے مطلب کے موافق قرآن بنانے کے لئے متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ محکم آیتوں اور روشن احکام کی پرواہ نہیں کرتے **وما یعلم تاویلہ الا اللہ** واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ یتبعون کے فاعل سے حال ہے یہاں تاویل سے صحیح معنی اور صحیح مقصود مراد ہے۔ اسی لئے وہاں فرمایا گیا تھا **وابتغاء تاویلہ** اور یہاں ارشاد ہوا **وما یعلم تاویلہ الا اللہ**" کا مرجع یا تشابہ کا ما ہے یعنی متشابہ آیتوں کے صحیح معنی رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ خیال رہے کہ احناف کے نزدیک **الا اللہ** پر وقف ہے اور **والراسخون** سے نیا جملہ شروع ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ متشابہات کے معنی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور پختہ علم والے بغیر تاویل کئے ان پر ایمان لاتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں وقف نہیں بلکہ **الراسخون** لفظ اللہ پر معطوف ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ متشابہات کی تاویلیں اللہ اور سچے علماء کے سوا کوئی نہیں جانتا (کبیر و خازن و مدارک وغیرہ)۔ **والراسخون فی العلم یقولون امنا بہ** ہمارے نزدیک یہ واؤ ابتدائیہ ہے اور **راسخون** مبتداء ہے۔ **یقولون** خبر۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واؤ عاطفہ ہے۔ اور **الراسخون** اللہ پر معطوف اور **یقولون الراسخون** کا حال۔ مگر قول اول دلائل کے لحاظ سے قوی ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ عرض کریں گے۔ راسخ رسوخ سے بنا بمعنی مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جانا۔ رسوخ بمعنی ثبوت اسی لئے راسخ وہ درخت کہلاتا ہے جس کی جڑ زمین میں بہت پھیلی ہو اور جڑ کی رگوں نے زمین کو مضبوط پکڑ لیا ہو۔ ایسا درخت بمقابلہ پودوں کے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ راسخ علماء کون ہیں۔ بعض نے فرمایا! عالم باعمل راسخ عالم ہے۔ بعض کا قول ہے کہ راسخ وہ ہے جس میں چار صفتیں ہوں۔ پرہیزگاری، انکسار، زہد اور مجاہدۂ نفس (خازن و خزائن) بعض نے کہا کہ راسخ وہ جو اللہ کی ذات و صفات کو یقین اور قرآنی آیات کو دلائل یقینیہ سے پہچانے (کبیر) بعض نے فرمایا کہ راسخ عالم وہ جس کے دل و دماغ اور زبان پر علم نے ایسا قبضہ کر لیا ہو جیسے درخت کی جڑ نے زمین پر کہ زبان سے علمی تقریر کرے دماغ میں علم محفوظ رکھے اور دل میں معرفت ہو۔ بعض نے فرمایا کہ راسخ فی العلم وہ جس کا علم معرفت الٰہی کا ذریعہ ہو۔ اور اسے علم کے ساتھ عشق بھی حاصل ہو۔ انہیں کی شان میں ہے **انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا** ورنہ علم بغیر معرفت حجاب ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واضلہ اللہ علی علم** بعض نے فرمایا کہ جس دکان میں ترازو اور باٹ ہیں وہ دکان راسخ و مضبوط ہے اور جو ترازو سے خالی وہ کمزور اسی طرح راسخ عالم وہ ہے جس کے پاس شریعت کا ترازو ہو کہ اپنے اور دوسروں کے کاموں کو اس پر تول کر عمل کرتا ہو۔ عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں راسخ عالم ہوں۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ میں ان عالموں میں سے ہوں جنہیں متشابہات کا علم ہے (خزائن) تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہاں راسخین سے وہ علماء اہل کتاب مراد ہیں۔ جو ایمان لے آئے تھے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ سارے علماء کاملین مراد ہیں۔ **امنا بہ**۔ **یقولون** کا مفعول ہے اور ضمیر کا مرجع یا کتاب ہے یا ما

تشابہ کا یعنی مضبوط علم والے متشابہات کی تاویل کے پیچھے نہیں پڑتے۔ بلکہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم متشابہات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے جو معنی ہیں حق ہیں۔ کل من عند ربنا۔ یہ امنا بہ کی تاکید ہے۔ کل کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے۔ اور من کا متعلق ثبت ہے۔ جو کل کی خبر ہے یعنی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سارا قرآن یا محکم متشابہ' ساری آیتیں ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ وما یذکر الا اولوا الباب یہ رب تعالیٰ کا مقولہ ہے نہ کہ علماء کا یہ نیا جملہ ہے۔ یذکر باب تفعل کا مضارع ہے۔ جس کی ت ذال میں مدغم ہو گئی اولو' ذو کی جمع ہے۔ الباب' لب کی جمع ہے۔ معنی اصل اور مغز عقل کو بھی لب اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اصل انسانیت یعنی سوا عقل والوں کے اور کوئی قرآن سے نصیحت حاصل نہیں کرتا۔

خلاصہ تفسیر : وہ اللہ ایسی قدرت والا ہے جس نے آپ پر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن اتارا جس کی سب آیتیں یکساں نہیں۔ بلکہ بعض آیتیں محکم ہیں۔ جن کے معانی بھی صاف ہیں اور ان کی مراد بھی واضح یہ قرآن میں اصل آیتیں ہیں جن کی طرف حلال و حرام اور احکام شرعیہ میں رجوع کیا جاتا ہے۔ یہی شریعت کی اصل ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ آیتیں متشابہ ہیں جن کے معنی واضح نہیں اور ان کا مقصود ظاہر نہیں ان میں بہت اشتباہ ہے پھر لوگ بھی چند قسم کے ہیں جن کے دل میں کجی ہے اور جو سیدھے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ وہ تو محض فتنہ پھیلانے' قرآن کو جھٹلانے اور آیات قرآنیہ میں تعارض دکھانے کی غرض سے نیز قرآن کو اپنی رائے کے مطابق بنانے کے لئے محکم آیتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ جیسے یہ نجران کے عیسائی اور دیگر گمراہ فرقے۔ حالانکہ ان متشابہات کے حقیقی معنی اور صحیح مقصود خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا وہ جانے جسے اپنے کرم سے رب تعالیٰ نوازے۔ اور علم متشابہات عطا فرمائے (خزائن وغیرہ) اور پختہ علم والے یعنی متقی پرہیزگار علماء متشابہات کے متعلق یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لے آئے۔ ان کے جو بھی معنی ہیں حق ہیں۔ کیونکہ ساری محکمات و متشابہات ہمارے رب کی طرف سے ہیں ہماری عقل میں آئیں یا نہ آئیں اور نصیحت نہیں پکڑتے مگر وہ جن کے پاس عقل کامل ہو۔ غرضکہ اس کتاب سے تقدیر والے ہدایت لیتے ہیں اور بد نصیب گمراہی۔ خیال رہے کہ وہ درخت جو ریگستان' کوہستان' چھتوں پر عارضی طور پر خود جم جاتے ہیں ان میں پھل پھول نہیں لگتے۔ کچھ سبزہ دکھا کر سوکھ جاتے ہیں۔ مگر جو پودے کسی نے زمین نرم کر کے لگائے ہیں وہ پھول بھی دیتے ہیں اور پھل بھی۔ ایسے ہی خود رو عالم جو ترجمہ قرآن شریف دیکھ کر عالم بن جاتے ہیں۔ ان سے فیض نہیں ہوتا مگر جو کسی کامل کی نگاہ کرم سے محنتیں کرنے کے بعد عالم بنتے ہیں کہ علم کی جڑ ان کے دلوں میں قائم ہوتی ہے اور اس کی شاخیں ان کے تمام اعضاء میں پھیلی ہوتی ہیں کہ اس عالم کی زبان' ہاتھ پاؤں کو برے اعمال سے روک لیتی ہیں۔ وہ عالم راسخ فی العلم ہے کہ اس کے علم سے لوگ فیض پاتے ہیں۔ جیسے زمین کو نرم کر کے بیج بوتے ہیں لوہے کو آگ میں نرم کر کے اوزار بناتے ہیں۔ مٹی کو پانی سے نرم کر کے اس کے برتن بناتے ہیں۔ ایسے ہی استاد کامل شاگرد کے دل کو اولاً نرم کرتے ہیں۔ پھر اس میں علم کا تخم بوتے ہیں۔ تب انسان راسخ فی العلم بنتا ہے۔ عالم ہونا آسان ہے۔ مگر راسخ فی العلم ہونا بہت مشکل ہے۔

محکم و متشابہ

ان دونوں لفظوں کے لغوی معنی ہم تفسیر میں بتا چکے- اس میں گفتگو ہے کہ یہاں ان دونوں سے کیا مراد ہے- بعض مفسرین نے فرمایا کہ محکم وہ عبارت ہے جس کی مراد پہچانی جا سکے- خواہ ظاہر ظہور یا کسی قدر تاویل سے اور متشابہ وہ جو کسی طرح سے سمجھ میں نہ آ سکے- جیسے قیامت' دجال' اور دابۃ الارض کے آنے کا وقت اور جیسے کہ سورتوں کے اول میں حروف مقطعات بعض علماء نے فرمایا کہ محکم وہ جس میں ایک ہی معنی کا احتمال ہو اور متشابہ وہ جس میں چند احتمالات ہوں- بعض نے فرمایا کہ جو ناسخ ہے وہ محکم اور جو منسوخ ہے وہ متشابہ بعض کے نزدیک محکم وہ جو مقرر نہ ہو اور متشابہ وہ جس کے الفاظ مقرر ہوں- بعض کے خیال میں محکم وہ جس کی وجہ سمجھ میں آ سکے اور متشابہ وہ جس کی وجہ عقل سے باہر ہو جیسے نماز کے اوقات اور رکعات کی تعداد اور ماہ رمضان میں روزہ کا ہونا' نہ کہ شعبان میں کہ اس کی صحیح حکمت رب ہی کے علم میں ہے- بعض نے فرمایا کہ محکم وہ جس کا ہر دین میں حکم رہا- جیسے ایمان اور عبادات کے احکام- متشابہ وہ احکام جو صرف قرآن میں آئے- غرضکہ اس کے متعلق سترہ قول ہیں (تفسیر احمدی) سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جو احکام شریعتوں کے اختلاف سے بدل جائیں وہ متشابہ اور جو نہ بدلیں وہ محکم- اہل اصول کے نزدیک محکم وہ ہے جس کے معنی بالکل ظاہر ہوں اور وہی کلام سے مقصود ہوں- اس میں تاویل یا تخصیص کی گنجائش نہ ہو- نسخ یا تبدیل کا احتمال نہ ہو اور متشابہ وہ ہے جس کی مراد عقل میں نہ آ سکے- اور یہ بھی امید نہ ہو کہ رب تعالیٰ بیان فرمائے- خیال رہے کہ یہ اقوال اس طرح جمع ہو سکتے ہیں کہ متشابہات کی بہت قسمیں ہیں- ہر بزرگ نے ایک قسم کی تعریف فرمائی ہے- ورنہ یہ سب متشابہ کے اقسام ہیں-

متشابہ کی قسمیں : متشابہ کی چند قسمیں ہیں- ایک وہ جو صرف لفظاً" متشابہ ہوں- دوسرے وہ جو صرف معناً" تیسرے وہ جو لفظاً" بھی متشابہ ہوں اور معنیً" بھی- لفظاً" متشابہ کی پھر چند قسمیں ہیں یا مفرد لفظ متشابہ ہو یا پورا جملہ اور معنیً" متشابہ کی پھر چند قسمیں ہیں- ایک وہ جو صرف معنی کے لحاظ سے متشابہ ہو- دوسرے وہ جو معنی کے عموم خصوص کے لحاظ سے ہوں- تیسرے وہ جو کیفیت کے لحاظ سے متشابہ ہوں- چوتھے وہ جو شرائط کے لحاظ سے متشابہ ہوں (روح المعانی) پھر متشابہات دو قسم کے ہیں ایک وہ جس کے معنی کچھ بھی سمجھ میں نہ آئیں- جیسے الم وغیرہ انہیں آیات مقطعات کہتے ہیں- دوسرے وہ جن کے لغوی معنی سمجھ میں آتے ہوں- مگر یہ خبر نہ ہو کہ یہاں رب کی کیا مراد ہے اور ظاہری معنی محکم آیتوں کے خلاف ہوں- جیسے ید اللہ اور وجہ اللہ- کہ ید اور وجہ کے لغوی معنی بالکل ظاہر ہیں- مگر یہ خبر نہیں کہ آیت میں ان سے کیا مراد ہے انہیں آیات صفات کہتے ہیں- مقطعات کل انتیس (29) ہیں- (1) المص اعراف میں- (2) المر رعد میں- (3) کھیعص- مریم میں طس- نمل میں ص- حم عسق شوریٰ میں- ن- ق- طہ- یس- طسم- شعرا اور قصص میں الر پانچ سورتوں میں- یونس- ہود- یوسف- ابراہیم- حجر- الم چھ سورتوں میں بقرہ' آل عمران' عنکبوت' روم' لقمان' سجدہ- حم چھ سورتوں میں- مومن' سورہ سجدہ' زخرف' دخان' جاثیہ' احقاف- یہ وہ آیتیں ہیں جن کے لغوی معنی کی بھی ہم کو خبر نہیں- لیکن آیات

صفات یہ قرآن کریم میں بہت ہیں کچھ عرض کئے جاتے ہیں۔ الرحمن علی العرش استوی و لتصنع علی عینی۔ کل شیء ھالک الا وجھہ۔ یداللہ فوق ایدیھم والسموات مطویت بیمینہ۔ علی ما فرطت فی جنب اللہ۔ یوم یکشف عن ساق۔ وھو القاھر فوق عبادہ۔ و نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ و فی انفسکم افلا تبصرون۔ واللہ بکل شیء محیط۔ و جاء ربک۔ و یاتی ربک عند ربک من دون اللہ فثم وجہ اللہ۔ وھو معکم اینما کنتم۔ و نفخت فیہ من روحی۔ سنفرغ لکم ایھا الثقلن۔ اللہ نور السموت والارض۔ الی ربھا ناظرۃ یہ تمام متشابہات ہیں (تفسیر احمدی)۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ساری نفسانی صفات جو رب کی طرف نسبت کی جائیں وہ متشابہات ہیں۔ جیسے رحمت' غضب' حیا' مکر اور استہزاء۔ جہاں کہیں یہ الفاظ رب کے لئے قرآن میں آئیں' انہیں متشابہ محکم کی طرف لوٹاؤ (احمدی و کبیر)۔ بلکہ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوۃ چھٹے باب میں فرمایا کہ وہ آیات جن میں انبیائے کرام کے لئے صفات عمومی ثابت کئے جائیں وہ متشابہات ہیں۔ جیسے قل انما انا بشر مثلکم اور وعصی ادم ربہ فغوی۔ و استغفر لذنبک و للمومنین نیز تفسیر احمدی نے زیر آیت لا ینال عھدی الظلمین فرمایا کہ تمام وہ آیتیں جن سے انبیاء کرام کا گنہگار ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ان سب کی تاویل واجب ہے۔ جیسے و لقد ھمت بہ و ھم بھا یا فتکونا من الظلمین۔ یا ووجدک ضالا فھدی وغیرہ گویا ان کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ آیتیں متشابہات ہیں۔ (نوٹ) ہماری اس تحقیق سے تمام بدمذہبوں خصوصاً دیوبندیوں کو عبرت پکڑنی چاہئے کہ وہ بارہا اپنے مذہب کی حمایت کے لئے متشابہ آیات سے دلیل پکڑتے ہیں۔

متشابہات کا علم: ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ اس آیت میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ 'الا اللہ' پر وقف کرتے ہیں اور شافعی یہاں وقف نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک متشابہات کا علم رب کے سوا کسی کو نہیں اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک علمائے کاملین کو بھی ہے۔ اس مسئلہ کے عرض کرنے سے پیشتر تین باتیں سمجھ لو۔ ایک یہ کہ یہ اختلاف علماء کے متعلق ہے ورنہ یہ سب مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے متشابہات کا علم ملا۔ اس کے نہ حنفی منکر ہیں نہ شافعی نور الانوار شریف میں ملا احمد جیون نے بحث متشابہ میں فرمایا کہ یہ اختلاف امت کے بارے میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے متشابہات کا علم ہے۔ ورنہ ان کا نازل فرمانا بے فائدہ ہوگا۔ اسی نور الانوار اور تفسیر روح المعانی میں اسی جگہ ہے کہ متشابہات اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اسرار ہیں جنہیں اغیار نہیں جانتے دوسرے یہ کہ یہ اختلاف دلائل نقلی و عقلی کے ذریعے جاننے میں ہے۔ ورنہ صاحب کشف اور اولیائے کاملین کو بذریعہ الہام متشابہات کا علم ہوتا ہے (روح المعانی)۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ متشابہات کو میں جانتا ہوں (روح المعانی و خازن و خزائن وغیرہ) اور بہت اولیاء اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے متشابہات کے علم کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ علی خواص فرماتے ہیں کہ مجھے سورۂ فاتحہ کے دو لاکھ چالیس ہزار نو سو نوے علوم ملے۔ کشف میں فرمایا کہ ق' مص' حم وغیرہ کا علم ہم کو ایسا ہے جیسے دوسروں کو اولیات کا علم۔ علی خواص نے فرمایا کہ ہم اسی کو عالم کہتے ہیں۔ جو ہر لفظ کو جانے (روح المعانی) تیسرے یہ کہ یہ اختلاف اصولی متشابہات یعنی مقطعات و آیات صفات میں ہے۔ ورنہ وقت قیامت اور ملائکہ ربانیہ کی تعداد وغیرہ متشابہات کا علم علمائے کرام کے لئے امام شافعی بھی نہیں مانتے اور تعداد رکعات کی مصلحت اور اوقات نماز کی حکمت جاننے کا امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بھی انکار نہیں

کرتے۔ بلکہ اختلاف اس میں ہے کہ **الم** اور **الم** وغیرہ مقطعات قرآنیہ اور آیات صفات وغیرہ کا علم علماء کرام کو ہے یا نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہے۔ کیونکہ دیگر آیات کو محکم اس لئے کہتے ہیں کہ متشابہات کو ان کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور ان کے معانی محکمات کے مطابق کئے جاتے ہیں۔ اگر متشابہات کا علم کسی کو نہ ہو تو ان آیات کو محکمات کیونکر کہا جاتا نیز حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن عباس کے لئے دعا فرمائی **اللھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل** اے اللہ انہیں دین کا فقیہ بنا اور متشابہات کی تاویل سکھا۔ اگر تاویل رب کے ساتھ خاص ہوتی تو اس دعا کے کیا معنی۔ نیز عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ متشابہات کی تاویل میں جانتا ہوں۔ نیز رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا **وما یذکر الا اولوا الالباب** ان متشابہات سے نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر عقلمند اگر متشابہات سمجھ سے بالاتر ہیں تو اس سے نصیحت پکڑنے کے کیا معنی۔ نیز اگر متشابہات تک بندوں کے علم کی رسائی نہیں تو ان کے نازل کرنے اور قرآن میں باقی رکھنے سے کیا فائدہ۔ قرآن تو لوگوں کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔ اس کی ہر آیت ہدایت ہے وغیرہ مگر احناف فرماتے ہیں کہ ان متشابہات کا علم رب تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں چند وجوں سے۔ اولاً" یہ کہ عام صحابہ کرام اور تابعین کا یہی مذہب ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر کے چار درجے ہیں۔ ایک وہ جو سب کے علم میں ہونی چاہئے جیسے حرام و حلال کے مسائل۔ دوسرے وہ جس کا علم صرف اہل عرب کو ہے۔ جیسے عربی زبان کے راز۔ تیسرے وہ جسے صرف علماء ہی جانتے ہیں۔ چوتھے وہ جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دوسرے یہ کہ اس آیت کی دیگر قراءتیں اس مسئلہ کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس کی قرات ہے **و یقول الراسخون فی العلم** نیز ابی ابن کعب کی قرات ہے **و یقول الراسخون فی العلم** حضرت عبداللہ ابن مسعود کی قرات یوں ہے **و ان تاویلہ الا عنداللہ والراسخون فی العلم یقولون امنا بہ** ان قراتوں میں آپ کے معنی بن سکتے ہی نہیں۔ تیسرے یہ کہ مختلف احادیث میں بھی یہی آیا ہے کہ متشابہات کا علم صرف اللہ کو ہے چنانچہ طبرانی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت پر تین چیزوں کا خوف کرتا ہوں۔ (1) زیادتی مال جو باعث حسد ہو۔ (2) جنگ و جدل۔ (3) متشابہات کی تاویل' حالانکہ اس کی تاویل خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نیز ابن مردویہ نے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! قرآن کی جن آیتوں کو تم سمجھ سکو ان پر عمل کرو۔ اور متشابہات پر ایمان لے آؤ۔ نیز حاکم نے بروایت ابن مسعود نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پاک سات چیزوں کو لے کر اترا۔ ممانعت' حکم' حلال' حرام' محکم' متشابہ اور مثالیں۔ لہذا تم حلال کو حلال جانو' حرام کو حرام سمجھو' احکام پر عمل کرو' ممانعت سے بچو' مثالوں سے عبرت پکڑو' محکم پر عمل کرو اور متشابہات پر ایمان لے آؤ اور کہہ دو **امنا بہ کل من عند ربنا**۔ نیز ابن جریر نے عبداللہ ابن عباس سے مرفوعاً" نقل کیا کہ متشابہ کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جو اس کے علم کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے (روح المعانی) چوتھے یہ کہ آئمہ کرام کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ کسی نے امام مالک سے پوچھا کہ **ثم استوی علی العرش** کے کیا معنی؟ آپ نے فرمایا کہ استوی کے معنی معلوم ہیں اس کی کیفیت مجہول اس پر ایمان لانا واجب اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت (کبیر) پانچویں یہ کہ اس آیت میں رب تعالیٰ نے بدمذہبوں کی برائی یوں فرمائی کہ وہ متشابہات کی تاویل کے پیچھے پڑتے ہیں۔ اور علمائے کرام کی تعریف یوں کی کہ وہ کہہ دیتے ہیں **امنا بہ** اگر انہیں بھی اس کا علم ہو تا تو یہاں تاویل کا مقابلہ ایمان سے نہ ہو تا بلکہ یوں کہا جاتا کہ گمراہ غلط تاویلیں کرتے ہیں۔ علماء صحیح (کبیر) مجھے یہ کہ **الا اللہ** پر وقف نہ کرتے میں' اور **الراسخون** کو' اللہ پر معطوف

ماننے میں' یقولون سے پہلے کچھ عبارت پوشیدہ ماننی پڑے گی۔ اور الرٰسخون کو مبتدا ماننا لینے میں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور پوشیدہ ماننے سے نہ ماننا بہتر (کبیر) ساتویں یہ کہ اگر یقولون کو حال مانتے ہو تو چاہئے کہ یہ رٰسخون اور اللہ دونوں کا حال ہو۔ کیونکہ وہ معطوف اور معطوف علیہ ہیں تو معنے یہ ہوئے کہ اللہ اور علماء دونوں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور یہ معنی بالکل فاسد ہیں۔ اور یہ بالکل خلاف ظاہر ہے کہ صرف رٰسخون کا حال ہو (کبیر)۔ غرضکہ ترجیح اسی کو ہے کہ علماء کو متشابہات کا علم نہیں۔

فیصلہ : ان دونوں اماموں کے قول میں مطابقت یوں کی جاسکتی ہے کہ احناف کہتے ہیں کہ متشابہات کا قطعی علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ شوافع کہتے ہیں کہ ظنی علم علماء کو بھی ہے۔ لہذا ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ خیال رہے کہ احناف **الم** وغیرہ کی تاویلیں پہلے نہیں کرتے تھے۔ مگر جب علماء متاخرین نے بدمذہبوں کا فساد اور بے دینوں کے الحاد کا زور دیکھا تو انہوں نے مذہب شافعی پر عمل کرتے ہوئے ان متشابہات کی کچھ تاویلیں کیں۔ تاکہ لوگ بے دینوں کی تاویلات سے بچیں مثلاً" کہا کہ **الم** میں الف سے اللہ اور لام سے جبریل اور میم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں وغیرہ۔

متشابہات کی حکمتیں : متشابہات کو نازل فرمانے اور انہیں قرآن میں باقی رکھنے میں چند حکمتیں ہیں۔ (1) حکومت کی طرف سے حکام کے پاس صریحی احکام کے ساتھ کچھ رموز اور اشارے بھی آتے ہیں۔ جسے چٹھی رساں اور ڈاکخانہ کے ملازمین بھی نہیں سمجھ سکتے۔ صرف حاکم جانتا ہے یا وہ افسر' ایسے ہی قرآن کریم میں رب تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام پر صاف احکام کے ساتھ کچھ راز و نیاز بھی آئے جنہیں حضرت جبرئیل امین بھی نہ سمجھ سکے۔ انہیں کا نام متشابہات ہے۔ (2) متشابہات میں علماء کا امتحان ہے جہلاء کو حکم دیا گیا کہ علم سیکھو' علماء کو حکم دیا گیا کہ ان باتوں کو نہ سیکھو' اور نہ ان میں غور کرو۔ ہر ایک کا امتحان اس کے تقاضائے طبیعت کے خلاف سے ہوتا ہے۔ (3) متشابہات کے ذریعہ سے بندہ اپنی بندگی کا اقرار کرتا ہے کہ عالم ہر جگہ اپنی عقل کا گھوڑا دوڑاتا ہے مگر یہاں پہنچ کر کہنا پڑتا ہے کہ رب جانے ان کا مطلب' اور اپنے قصور کا اقرار علامت بندگی ہے۔ (4) متشابہات کے ذریعہ خدائی کتاب' اور انسانی کتاب میں فرق ہوتا ہے کہ انسانی کتاب وہ جسے ہر کوئی اول سے آخر تک سمجھ لے اور خدائی کتاب وہ جہاں ہر ایک اپنے عجز کا اقرار کرے۔ اسی لئے قرآن سے پہلے دیگر آسمانی کتابوں میں بھی متشابہات تھے۔ انہی متشابہات میں پھنس کر عیسائی گمراہ ہو گئے۔ چنانچہ انجیل شریف میں عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا گیا۔ نہ آپ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے۔ بلکہ متی رسول میں۔ خود ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو خدا کی بادشاہت کہا گیا۔ بلکہ حضور (علیہ السلام) کو خدا کہا گیا۔ دیکھو متی 21_33_40 جہاں انگورستان کے مالک کے بیٹے کی مثال دی ہے۔ زبور شریف میں سارے جہاں کو خدا کا بیٹا کہا گیا۔ چنانچہ زبور 82_6 میں ہے کہ میں نے تو کہا تم اللہ ہو اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو۔ غرضکہ تمام کتب آسمانی میں متشابہات موجود ہیں۔ (5) متشابہات کا انسانی علم سے بالاتر ہونا ذریعہ ہدایت ہے۔

اعتراض : پہلا جواب: قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور بعض متشابہ مگر ایک جگہ سارے قرآن کو محکم کہا **کتب احکمت ایتہ** اور دوسری جگہ سارے قرآن کو متشابہ فرمایا گیا **نزل احسن الحدیث کتبا متشابھا** جس سے معلوم ہوا کہ سارا قرآن متشابہ ہے۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: وہاں محکم سے

مراد فساد معنوی اور لفظی خرابیوں سے محفوظ ہے یعنی سارے قرآن کے معنی اور الفاظ سے خالی ہیں اور وہاں متشابہ سے مراد سارے قرآن کا یکساں ہونا ہے یعنی سارا قرآن فصاحت و بلاغت میں یکساں ہے شعراء کے کلام کی طرح بعض اعلیٰ بعض ادنیٰ نہیں اور یہاں محکم سے مراد ہے ظاہر المعنی اور متشابہ سے مجہول المعنی۔ لہذا آیتوں میں تعارض نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** **الا اللہ** پر وقف کرنے سے معلوم ہوا کہ متشابہات کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ اور تم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اولیاء اللہ کو بھی ہے۔ تمہارا یہ کلام اس آیت کے خلاف ہے۔ (بعض جہلائے دیو بند)۔ **جواب:** ہم علم متشابہات کے مسئلہ میں عرض کر چکے کہ اماموں کا یہ اختلاف علم بالدلائل میں ہے اس علم میں کسی کا اختلاف نہیں جو بذریعہ کشف یا الہام ہو۔ رب تعالیٰ حضور علیہ السلام کے فعل کو اپنا فعل قرار دیتا ہے۔ کیونکہ حضور (علیہ السلام) فنافی اللہ ہیں۔ فرماتا ہے۔ **یخدعون اللہ** یعنی رسول اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔ **ید اللہ فوق ایدیھم** حضور صلی اللہ علیہ کی بیعت رب تعالیٰ کی بیعت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست شریف رب تعالیٰ کا دست قدرت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کنکر پھینکنا رب تعالیٰ کا پھینکنا ایسے ہی یہاں ہے کہ اللہ والوں کا جاننا رب کا ہی جاننا ہے کہ وہ بلا واسطہ عقل رب تعالیٰ کی عطا ہے۔ لہذا ان سب کا علم الا اللہ میں داخل ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الرحمٰن○ علم القراٰن** رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ اور ظاہر ہے کہ رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا ہی قرآن سکھایا۔ سارے قرآن میں متشابہات بھی ہیں۔ اگر رب نے ان کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیا ہوتا تو علم القرآن کیونکر درست ہوتا۔ **تیسرا اعتراض:** رب تعالیٰ نے فرمایا! **ان ھذا القراٰن یھدی للتی ھی اقوم** قرآن کریم سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی ہر آیت ہدایت ہے تو اگر بعض آیتیں ایسی بھی ہوں جن کے معنی کی کسی کو خبر نہ ہو وہ ہدایت کیسے کرے گی۔ ان کے نازل فرمانے اور قرآن میں رکھنے سے کیا فائدہ؟ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن پاک ہر طرح ہدایت ہے۔ سمجھ میں آئے نہ آئے۔ اگر اس کی ہدایت سمجھنے پر موقوف ہوتی تو صرف اہل عرب تک خاص رہتی عجمی لوگ جو اس کے معنی نہیں سمجھتے۔ وہ اس سے ہدایت نہ پاتے' دوسرے یہ کہ قرآن کریم چند طرح ہدایت ہے جو آیتیں سمجھ میں آجائیں ان کا مضمون بھی ہدایت اور جو عقل سے بالاتر ہیں ان کی عبارت ہدایت ہے بلکہ ان کا سمجھ میں نہ آنا بتاتا ہے کہ یہ اس کا کلام ہے۔ جس کا علم' قدرت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ تیسرے یہ کہ رب نے یہی تو فرمایا ہے کہ قرآن سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے اور متشابہات کے متعلق سیدھا راستہ یہی ہے کہ ان میں غور نہ کیا جائے۔ ان کے پیچھے پڑنا ٹیڑھا راستہ ہے۔ **چوتھا اعتراض:** رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ولقد یسرنا القراٰن للذکر فھل من مدکر** ہم نے سارے قرآن کو آسان کر دیا ہے اگر اس کی بعض آیتیں سمجھ میں نہ آسکیں تو سارا قرآن آسان کہاں رہا (چکڑالوی)۔ **جواب:** سارا قرآن ذکر کے لئے آسان نہ کہ سمجھنے کے لئے۔ ذکر سے یا تو یاد کرنا مراد ہے یا نصیحت پکڑنا اور واقعی متشابہات کا یاد کرنا بھی آسان کہ بچے رٹ لیتے ہیں۔ دوسری آسمانی کتابوں میں یہ وصف نہ تھا اور متشابہات سے نصیحت حاصل کرنا کہ یہ خدائی کلام ہے یہ بھی آسان۔ اس کی سمجھ ہر ایک کو ناممکن ہے۔

تفسیر صوفیانہ : انسانی اور قدرتی چیز میں فرق یہی ہے کہ انسانی چیز کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ نیز اس کی حقیقت تک انسان پہنچ سکتا ہے اور قدرتی چیز کا نہ تو مقابلہ ممکن اور نہ اس کی تہ تک پہنچنا آسان غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں کچھ ظہور ہے اور کچھ خفا' خود اپنے پر غور کر لو کہ ہمارے پاس دو چیزیں ہیں' ایک جسم' دوسرے روح۔ جسم کے متعلق ہمیں کچھ تھوڑی خبر

ہے کہ یہ چار عناصر سے بنا۔ کسی میں سودا غالب کسی پر صفرا۔ مگر روح کی کچھ خبر نہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ کعبہ سے بنی ظاہر چیزیں گویا محکمات ہیں اور یہ پوشیدہ چیزیں گویا متشابہات اسی قاعدہ سے قرآن کریم کی کچھ آیتیں کسی قدر ظاہر ہیں۔ جنہیں محکمات کہا جاتا ہے۔ اور بعض بالکل عقل سے دور۔ یہ متشابہ ہیں۔ جیسے دنیاوی چیزوں میں جب عقل تھکتی ہے تو کہتی ہے کہ اللہ جانے یہ کیا ہے اور اس کی یہ مجبوری ہی نشان بندگی ہے ایسے ہی قرآنی آیات میں بھی عقل کو کہنا پڑتا ہے کہ خدا کی باتیں خدا ہی جانے اگر یہ مجبوری نہ ہوتی تو شاید یہ عقل خدائی دعویٰ کر بیٹھتی۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ محکم و متشابہ کا قصہ ہر جگہ ہی موجود ہے۔ یکھو ذات کے دو لحاظ ہیں۔ ایک وجہ مطلق دوسرے وجہ اضافی۔ وجہ مطلق وہ حیثیت ہے جو خلق کی فنا کے بعد بھی باقی ہے۔ جس میں کثرت کا بالکل احتمال نہیں اور وجہ اضافی مخلوق کے ساتھ تعلقات ہیں۔ وجہ مطلق گویا متشابہ ہے اور وجہ اضافی گویا محکم یہ وجوہ اضافیہ ہر شخص کو بقدر استعداد معلوم ہیں۔ بلکہ مخلوق میں سے ہر چیز اسی کا مظہر ہے۔ وجہ مطلق کو سوائے عارفین کے کوئی نہیں پہچانتا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وما الوجہ الا واحد" غیر انہ — اذا انت اعددت المرایا تعددا

اس کی مثال یوں دیکھو کہ ایک آئینہ خانہ ہے۔ جس میں رنگ برنگے شیشے ہیں۔ جن کے درمیان صاحب خانہ جلوہ گر ہے۔ صاحب خانہ ایک مگر اس کے نقشے جو آئینہ میں کھچ رہے ہیں بے شمار۔ وہ صاحب خانہ مطلق ہے اور یہ تصویریں وجہ اضافی صاحب خانہ گویا متشابہ اور یہ آئینہ کے نقوش محکمات اس متشابہ کو وہ صاحب اسرار جانے جس کی رسائی درون سرا یعنی گھر کے اندر ہو۔ اور باہر کے دوست انہیں محکمات کو اختیار کریں۔ اور جو تصویر ان کے مذہب کے مناسب ہو اسے اختیار کریں۔ جو باہر رہ کر گھر والے کو دیکھنے کا دعویٰ کرے وہی گمراہ ہے۔ اسی کے متعلق فرمایا گیا **و اما الذین فی قلوبھم زیغ** یعنی وہ پردے والے لوگ جو حق تک نہ پہنچے۔ وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں محض فتنہ کے لئے۔ اس کے پیچھے پڑنے کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ان کا حجاب اور بڑھتا جاتا ہے مگر واقف کار لوگ پکار کر کہتے ہیں **کل من عند ربنا** یہ تمام عکس اسی ذات کے ہیں۔ ان کے نزدیک **کل** وہ ایک ہی ہے۔ جس میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا۔ نصیحت وہی پکڑ سکتے ہیں۔ جن کے دل نور ہدایت سے منور ہوں۔ اور جو خواہشات نفسانیہ کے چھلکا سے صاف ہوں (از ابن عربی) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے کھجور، آم وغیرہ کے باغ لگاتا ایک آدمی ہے مگر سالوں تک لوگ اس کے پھل کھاتے رہتے ہیں ایسے ہی راسخ فی العلم علماء کرام قبروں میں سو جاتے ہیں اور ان کے علوم سے لوگ پشت در پشت فیض پاتے رہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ، صاحب مشکوٰۃ اور دوسرے وہ علماء دین جن کی تصانیف سے لوگ تا قیامت فائدے اٹھاتے رہیں گے یہ ان راسخین فی العلم میں سے ہیں جن کی یہاں تعریف ہے۔

ہدایت: اللہ کے مقبول بندے مظہر ذات الٰہی ہیں۔ ان کے کلام میں بھی کچھ محکمات ہوتے ہیں کچھ متشابہات، چنانچہ بعض احادیث متشابہ ہیں۔ ایسے ہی صوفیائے کرام کے کچھ اقوال مثل متشابہات ہیں۔ منصور نے انا الحق کہا، بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے سبحانی ما اعظم شانی فرمایا۔ یہ سب متشابہات ہی ہیں کہ ان کے ظاہر پر احکام شرعی جاری نہیں ہو سکتے۔ شامی نے باب المرتدین میں فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن عربی کے وہ کلمات جو بظاہر خلاف شرع معلوم ہوں۔ قرآنی متشابہات کے مثل ہیں۔ اسی لئے خود محی الدین نے فرمایا کہ ہم ایسی قوم ہیں کہ ہماری کتابیں نااہل کو دیکھنا حرام ہیں۔ امام سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی تنبیہ الغبی تبرئۃ ابن عربی۔ اس میں فرمایا کہ میرے نزدیک فیصلہ یہ ہے کہ ابن عربی ولی کامل ہیں مگر ان کی کتابیں دیکھنا

حرام (شاہی اللہ او وہ اولیاء کاملین جن کی ولایت پر امت کا اتفاق ہو چکا ان کے اس قسم کے اقوال کے ظاہری معنی نہ کئے جائیں گے اور کہا جائے گا رب ہی جانے ان کی کیا مراد ہے۔

لطیفہ : محمد علی لاہوری نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس جگہ لکھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت یا دعویٰ خدائی مثل متشابہات کے ہے۔ نہ انہیں نبی کہو اور نہ انہیں برا جانو۔ اسی کی دیکھا دیکھی اس زمانہ کے دیوبندیوں نے یہی راہ اختیار کرلی کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی ' رشید احمد گنگوہی وغیرہم کی کفریہ عبارات کی جب کوئی توجیہ نہ کرسکے تو کہنے لگے کہ یہ متشابہات ہیں۔ اس کے معنی خدا ہی جانے یا وہ جانے اس لئے ہم متشابہات کے بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں کہ متشابہ ہونے کی تین علامتیں ہیں۔ (1) ایک یہ کہ بولنے والا وہ شخص ہو جس کی ولایت پر سارے مسلمانوں کا اتفاق ہو ورنہ پھر تو ابلیس بھی کہہ سکتا تھا کہ میرا کلام متشابہ ہے۔ (2) دوسرے یہ کہ اس عبارت کو عقیدہ نہ بنایا گیا ہو نہ بولنے والے نے اس کی تبلیغ کی ہو' نہ اس کے ماننے والوں نے۔ منصور نے انا الحق جوش میں کہہ دیا۔ نہ اس کی طرف کسی کو دعوت دی اور نہ کسی نے اس کی تبلیغ کی۔ (3) تیسرے یہ کہ اس کلام میں کسی نبی کی توہین نہ ہو۔ توہین نبی مثل متشابہ نہیں بن سکتی۔ یہاں یہ کچھ بھی نہیں۔ تقویۃ الایمان کی تبلیغ کی جاتی ہے اسے عقائد میں پیش کیا جاتا ہے۔ مرزا جی نے عمر بھر دعویٰ نبوت پر مناظرے مباہلے کئے۔ پھر یہ متشابہ کیسا۔ ان سب کے باوجود ان میں سے بعض اولیاء کو علماء نے قتل کرادیا۔ جیسے حضرت منصور اور انہوں نے شریعت کے سامنے اپنی گردن رکھ دی تاکہ ان کی اس بے اختیاری عبارت سے دین میں فتنہ واقع نہ ہو۔ کسی ولی نے بارگاہ نبوۃ میں گستاخی کرنے کی جرات نہیں کی جوش میں انا اللہ تو کہہ گئے۔ مگر انا محمد صلی اللہ علیہ کسی نے نہ کہا۔ کیونکہ دربار الٰہی بارگاہ ناز ہے اور آستانہ مصطفیٰ مقام نیاز۔ یہاں اونچی آواز سے بولنے پر نیکیاں برباد ہوتی ہیں۔ یہ تقریر بہت خیال میں رکھنی چاہئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمائیں۔ و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا محمد و علی الہ و اصحابہ اجمعین ' وھو ارحم الرحمین۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ

اے رب ہمارے نہ ٹیڑھا کر دلوں کو ہمارے پیچھے اس کے ہدایت دی تونے ہم کو اور دے تو

اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر

رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ

واسطے ہمارے اپنے پاس سے رحمت تحقیق تو بہت دینے والا ہے۔ اے رب ہمارے تحقیق تو جمع کرنے والا ہے

بیشک تو ہے بڑا دینے والا۔ اے رب ہمارے بیشک تو سب لوگوں کو جمع کرنے والا ہے۔ اس دن کے لئے جس میں

لَا رَيْبَ فِيهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝

لوگوں کو واسطے اس دن کے کہ نہیں ہے شک بیچ اس کے تحقیق اللہ نہیں خلاف کرتا وعدہ

کوئی شبہ نہیں بے شک اللہ کا وعدہ نہیں بدلتا

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ربانی علماء کے ایمان کا ذکر تھا کہ متشابہات پر بغیر غور کئے ایمان لے آتے ہیں اب ان کے خوف اور خشیت الٰہی کا ذکر ہے کہ وہ باوجود کمال ایمان کے پھر بھی اپنے پر اعتماد نہیں کرتے۔ ہم سے دعا کرتے ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے کامل علماء کی ایک صفت بیان کی یعنی بلا توقف ایمان لے آنا۔ اب ان کی دوسری صفت کا بیان ہے۔ یعنی اپنے ہدایت پر رہنے کی دعا کرنا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں دو جماعتوں کا ذکر ہوا گمراہ اور ہدایت یافتہ اب رب کی طرف سے دعا کی تعلیم ہے کہ اے مسلمانو! ہم سے یہ دعا کرو کہ ہمیں گمراہوں میں سے نہ کر' ہدایت پر قائم رکھ۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں انسان کی کمزوری اور مخلوق کی معذوری کا ذکر تھا کہ ان کے دماغ متشابہات تک نہیں پہنچے۔ اب اس کی دوسری مجبوری کا ذکر ہے کہ بغیر ہمارے کرم ہدایت پر قائم نہیں رہ سکتا۔

تفسیر : **ربنا لا تزغ قلوبنا** ۔ یہ جملہ یا تو رب تعالیٰ کا مقولہ ہے یا ان علمائے کرام کا پہلی صورت میں یہاں **قولوا** پوشیدہ ہے۔ رب تعالیٰ کو پکارنا اپنی بے کسی' بے بسی کے اظہار کے لئے ہے اور رب تعالیٰ کی رحمت و قدرت کے اقرار کے لئے نہ کہ غافل کو بیدار کرنے کے لئے۔ تین چیزیں وہ ہیں جن سے دریاء رحمت جوش میں آتا ہے۔ دل کی بے قراری' زاری' اور آنکھوں کا پانی' یہ پانی کشت ایمان کے لئے ایسا ہے جیسے سوکھی کھیتی کے لئے بارش کا پانی **لا تزغ**' **زوغ** سے بنا۔ باب افعال کا نہی ہے جس کے معنی ہیں ٹیڑھا کرنا۔ چونکہ یہاں ہدایت کے مقابلہ میں ہے اس لئے اس سے گمراہ کرنا مراد ہے۔ یعنی اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو گمراہ نہ کردے۔ خیال رہے کہ گمراہی اور ہدایت کا محل دل ہے اس لئے اسی کا ذکر فرمایا گیا اور ہدایت تین قسم کی ہے۔ ایمان کی ہدایت عبادات کی ہدایت۔ معاملات کی ہدایت' ان تینوں ہدایتوں کے لاکھوں افراد ہیں۔ ایسے ہی زیغ کی تین قسمیں ہیں۔ ایمان میں زیغ' عبادات میں زیغ' معاملات میں زیغ' اور ہر قسم کے زیغ کے لاکھوں افراد۔ لا تزغ میں ہر زیغ و کجی سے پناہ مانگی گئی ہے۔ ہدایت فرما کر یہ بتایا کہ ہدایت صرف تیرے کرم سے ملتی ہے۔ اس میں اپنے کمال کو دخل نہیں۔ اور یہ ہدایت ہی رب تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جو کسی' کو ملتی ہے **بعد اذ هديتنا** ۔ **بعد**' **لا تزغ** کا ظرف ہے۔ اور ہدایت سے راہ دکھانا مراد ہے نہ کہ مقصود پر پہنچانا۔ کیونکہ مقصود پر پہنچ کر بہکنا نا ممکن ہے یا تو ہدایت سے مراد متشابہات پر ایمان لانا ہے تو زیغ سے مراد ہو گا ان کے پیچھے پڑنا اور اگر ہدایت سے مراد ایمان ہے تو زیغ سے مراد کفر ہو گا اور اگر اس سے مراد عام رہبری ہے تو زیغ سے مراد عام گمراہی ہو گی۔ یعنی اے مولا ہمیں ہدایت دیدے۔ گمراہ نہ کر' چونکہ طہارت نور سے پہلے ہے اس لئے دل کی طہارت کی دعا کے بعد اب نور کی دعا ہے۔ کہ **وهب لنا من لدنک رحمة**" یہ **لا تزغ** پر معطوف ہے۔ **هب**' **هبة** کا امر ہے۔ جس کے معنی ہیں بلا معاوضہ عطیہ۔ **لنا** اور **من لدن** دونوں **هب** کے متعلق ہیں۔ اور ممکن ہے کہ **من لدنک**' **کائنة**" کے متعلق ہو کر **رحمة**" کا حال ہو۔ **من** ابتدائیہ ہے **لدن** کبھی **عند** کے معنی میں آتا ہے۔ اور کبھی زمانی یا مکانی غایت کی ابتداء ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ مضاف ہو گا۔ کبھی مفرد کی طرف' اور کبھی جملہ اسمیہ یا فعلیہ کی طرف۔ بعض لغات میں یہ مبنی ہے مشابہت حرف کی وجہ سے اور بعض میں معرب اکثر من کے ساتھ ہی آتا ہے (روح المعانی)۔ رحمت بمعنی احسان اور انعام ہے اس کی تنوین تعظیمی ہے۔ اس سے مراد یا توفیق ہے' یا دین پر قائم رہنا یا ہدایت پر اور یا متشابہات پر ایمان لانا ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ ساری رحمتیں مراد ہوں کیونکہ رحمت کی بہت سی قسمیں ہیں قلب میں نور ایمانی کا آنا۔ اعضا میں نور اطاعت کا چمکنا۔

دنیا میں رزق کی وسعت' امن ' تندرستی ' علم ' موت کے وقت آسانی قبر کی روشنی ' منکر نکیر کے امتحان میں آسانی ' قیامت کے دن گناہوں کی معافی ' نیکی کا پلہ بھاری ہونا عذاب الٰہی سے بچنا ' یہ سب ہی رحمت ہیں اور سب مراد ' بڑے دربار میں چھوٹی چیز کیوں مانگو ' یعنی اے مولا بغیر کسی احسان اور بغیر مخلوق کے واسطہ کے ہمیں اپنی طرف سے ہر قسم کی بڑی رحمت عطا فرما۔ خیال رہے کہ مال کے عوض مال دینا تجارت یا بیع ہے۔ کام کے عوض دنیا مزدوری و اجرت ہے اور بغیر معاوضہ کچھ دینا ہبہ ہے۔ اگر رب تعالیٰ کی رضا کے لئے عطا ہے تو صدقہ ہے ورنہ ہدیہ ' بیع و مزدوری میں حساب سے دینا ہوتا ہے۔ مگر ہبہ میں بے حساب عطا **ھب** فرما کر عرض کیا کہ ہماری قابلیت نہ دیکھ اپنا کرم دیکھ۔ حساب سے نہ دے بے حساب دے لنا کلام نفع کا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ چیز دے جو تیرے علم میں ہمارے لئے خیر ہے۔ ہم تو کبھی نادانی سے بری چیزیں مانگ لیتے ہیں یا جمع فرما کر عرض کیا کہ بے منت مخلوق ہم کو رحمت دے مخلوق کے واسطے والی رحمت میں دوسرے کا احسان بھی ہوتا ہے اور وہ رحمت فانی بھی ہوتی ہے۔ **رحمۃ** میں تمام رحمتیں شامل ہیں۔ لہٰذا یہ دعا بہت جامع ہے۔ چونکہ بڑی رحمتیں مانگی تھیں۔ لہٰذا عرض کیا کہ اے مولا یہ انعامات میرے لحاظ سے بہت بڑے ہیں مگر تیرے کرم کے مقابلہ میں حقیر ہیں۔ کیونکہ **انک انت الوھاب۔ انت** یا تو مبتدا ہے اور اپنی خبر **وھاب** سے مل کر ان کی خبر اور یا ضمیر فصل ہے ' یا اسم ان کی تاکید۔ **وھاب' ھبۃ** کا مبالغہ ہے یعنی بہت دینے والا۔ یعنی اے مولا تو بہت ہی دینے والا ہے۔ تیرا کرم ' تیری بخشش ہمارے خیال قیاس وہم سے بالا تر ہے جو تیرے سوا ہے وہ تیری سخا ہے۔ تیرا احسان ہے ' تیرا کام ہے۔ اے قدیم الاحسان مجھ مسکین کو اپنے دروازہ سے مایوس نہ پھیر اور میری حقیر دعا کو رد نہ کر۔ مجھے اپنے فضل سے اپنی رحمت کا اہل بنا **یا ارحم الرحمین و یا اکرم الاکرمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علی الہ و اصحبہ اجمعین** چونکہ اس دعا میں دینی اور دنیوی تمام حاجتیں مانگی گئی تھیں۔ لہٰذا اب دینی حاجتوں کو مقدم رکھنے کے لئے عرض کیا جا رہا ہے۔ **ربنا انک جامع الناس لیوم لا ریب فیہ** یہاں بھی یا تو **قولو** پوشیدہ ہے۔ یا **یقولون** اور یا تو رب کا اپنا مقولہ ہے یا ان علماء کا۔ جامع کے معنی جمع فرمانے والا ہے۔ یہاں قیامت کا اجتماع مراد ہے جیسا کہ **لیوم** سے معلوم ہو رہا ہے کیونکہ اس دن ایسا بڑا مجمع ہو گا۔ جس کی مثال دنیا میں کبھی قائم نہ ہوئی کہ از آدم تا روز قیامت کے سارے انسان ایک میدان میں بیک وقت جمع ہوں گے۔ دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوا نیز دنیا میں مجمع بہت دیر میں جمع ہوتا ہے مگر قیامت میں آنا "فانا" ہو گا۔ الناس سے سارے لوگ مراد ہیں۔ مکلف ہوں یا غیر مکلف ' مومن ہوں یا کفار ' اگرچہ وہاں ساری مخلوق جمع کی جائے گی مگر چونکہ انسان سب سے افضل ہے اس لئے اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ **لیوم** کا لام یا بمعنی فی ہے یا بمعنی الیٰ یا تعلیلیہ ہی ہے مگر یہاں جزا پوشیدہ یعنی بجزاء یوم ' یوم سے یا دن مراد ہے۔ کیونکہ اس وقت آفتاب طلوع ہو گا اور یا وقت **لا ریب فیہ** یا تو **لیوم** کی صفت ہے۔ یا **جامع الناس** کی تاکید۔ **ریب** کے معنی ہم شروع سورہ بقر میں عرض کر چکے۔ **فیہ** کی ضمیر یا یوم کی طرف لوٹتی ہے یا جمع کی طرف۔ یعنی اے پروردگار ہمیں یقین ہے کہ تو قیامت کے دن تمام لوگوں کو سزا و جزاء کے لئے ایک جگہ ایک ہی وقت میں جمع فرمائے گا۔ لہٰذا ہمیں اس دن کی رحمتیں عطا فرما اور یہ دعا اپنی اظہار بندگی کے لئے ہے اور اس لئے کہ ہمیں اپنے ایمان پر اعتماد نہیں۔ اس لئے نہیں کہ تجھ پر بے اعتباری ہے کیونکہ **ان اللہ لا یخلف المیعاد** یہ **لا ریب فیہ** کی علت ہے یا **جامع الناس** کی یا اپنے دعا مانگنے کی۔ نیز یا تو یہ رب کا مقولہ ہے یا علمائے راسخین کا کلام اور ان کی دعا کا تتمہ۔ **یخلف' اخلاف** سے بنا۔ جس کا مادہ خلف ہے بمعنی خلاف کرنا اور پورا نہ کرنا۔

میعاد' وعد کا مصدر میمی ہے۔ دراصل موعاد تھا۔ **واو'** ی سے بدل گیا۔ خیال رہے کہ وعدہ کے معنی ہیں خیر کا امیدوار بنانا اور وعید کے معنی ہیں بلا سے ڈرانا۔ یہ میعاد بمعنی وعدہ ہے نہ کہ بمعنی وعید یعنی اللہ اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔ کیونکہ وعدہ خلافی جھوٹ ہے اور جھوٹ عیب اور جو عیب دار ہو وہ اللہ نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : علمائے ربانی سارے قرآن پر ایمان لا کر اور متشابہات کو بغیر بحث و مناظرہ کے مان کر ہم سے عرض کرتے ہیں کہ اے مولا جب تو نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں ہدایت دے دی اور اپنا راستہ دکھا دیا تو اب ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں ہدایت کے بعد گمراہ نہ کر کیونکہ کریم فقیر کو دے کر اس سے واپس نہیں لیا کرتے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں اپنی خاص بڑی بڑی رحمتوں سے نواز کہ ہمارے دل میں اپنی معرفت کا نور دے۔ ہمارے اعضاء سے اپنے دین کی خدمت لے۔ ہمیں دنیا میں رزق و امن اور تندرستی دے۔ سکرات موت کو آسان کر' سوالات قبر میں سہولت فرما۔ ہماری قبروں کو روشن کر' قیامت کے دن ہمارے عیبوں کو چھپا لے۔ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے' میزان میں نیکیوں کا پلہ بھاری فرما دے' صراط پر آسانی فرما۔ خیر کی توفیق دے۔ اے مولی تو بڑا دینے والا ہے اور بڑا رحیم و کریم ہے اگرچہ یہ عطائیں ہمارے لحاظ سے بہت بڑی ہیں۔ مگر تیرے نزدیک کچھ نہیں۔ اے مولی ہمیں یقین ہے کہ تو قیامت کے دن سب کو ایک جگہ ایک وقت میں جمع فرمائے گا۔ اس دن ہماری عیب پوشی فرمانا۔ اس مجمع میں ہماری رسوائی نہ ہو تو نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں ایمان دیا۔ ہدایت دی اور تو نے مومنوں کے لئے رحمت کا وعدہ فرمایا اور تو اپنے سارے وعدے پورے فرمانے والا ہے۔ تیری رحمت کے اہل رہیں گے یا نہ رہیں گے۔ تو ہی قابلیت عطا فرمانے والا ہے اور تو ہی اس پر قائم رکھنے والا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بندہ کی ہدایت اور گمراہی رب کی طرف سے ہے۔ دونوں کا خالق پروردگار عالم ہی ہے جیسا کہ **لا تزغ** اور **ھلھبتنا** سے معلوم ہوا۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ انسان کے دل میں کفر کی طرف جھک جانے کی بھی قابلیت ہے اور ایمان کی جانب میلان کی بھی طاقت' میلان کفر کو خذلان' ازاغہ' صد' ختم' طبع' رین' قسوۃ' وقر اور کنان کہتے ہیں۔ یہ سارے الفاظ قرآن کریم میں وارد ہوئے۔ اور ایمان کی طرف مائل ہونے کو توفیق' رشد' ہدایت' تسدید' تثبیت اور عصمت وغیرہ کہتے ہیں۔ یہ سب الفاظ قرآن کریم میں آئے۔ اور ان کے مختلف درجے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی حمد الٰہی ہو اس کے بعد بھی بیچ میں دعا ہو کہ حمد و درود میں گھری ہوئی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ دیکھو پہلے عرض کیا ربنا اور بعد میں کہا **انت الوھاب**۔ **تیسرا فائدہ:** رب تعالیٰ کی ایسی حمد کرے جو اپنی دعا کے موافق ہو۔ چونکہ یہاں عرض کیا تھا **ھب لنا** تو آخر میں کہا **انت الوھاب** اگر دعا میں کہا ہے **اغفرلنا** تو آخر میں کہے **انک انت الستار**۔ **چوتھا فائدہ:** معصومین کا گمراہ ہونا ناممکن ہے اور جن کے دل پر کفر کی مہر لگ چکی ان کا ہدایت پر آنا محال۔ باقی ہر شخص کے لئے دونوں باتیں ممکن بڑا متقی کافر ہو سکتا ہے اور بڑا کافر پرہیز گار جس کی صدہا مثالیں موجود ہیں۔ ہمارا دل اس ہلکے پتے کی طرح ہے جو جنگل میں تیز ہواؤں میں گھرا ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر دل خدا کے قبضہ میں ہے۔ چاہے سیدھا رکھے اور چاہے ٹیڑھا کر دے۔ حکیم ترمذی نے بروایت عتبہ ابن عبداللہ نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان اس قمیض کی طرح ہے جسے تو کبھی پہن لے کبھی اتار دے۔ ابن سعد نے روایت کی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عرض

کرتے تھے اے اللہ مجھے زنا سے بچا' مجھے چوری سے بچا' مجھے کفر سے بچا۔ کسی نے کہا کہ اے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم اتنا خوف کرتے ہو تو تین بار فرمایا **امنت بمصرف القلوب** میں اس پر ایمان لایا جو دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ ابو ایوب انصاری فرماتے ہیں کہ انسان پر بہت سے وقت آتے ہیں۔ کبھی اس کے دل میں رائی برابر کفر نہیں ہوتا اور کبھی اس کے دل میں رائی برابر ایمان نہیں رہتا (روح المعانی)۔ اس لئے یہ دعا مانگنے کا حکم دیا گیا۔ پانچواں فائدہ: رب تعالیٰ سے جامع دعائیں مانگو جس کے الفاظ تھوڑے ہوں' معانی زیادہ۔ جیسا کہ **وحمتہ** " سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: وعدہ خلافی کرنا' جھوٹ بولنا الوہیت کے خلاف ہے (روح المعانی و تفسیر روح البیان)۔ اور تفسیر مدارک نے فرمایا کہ الوہیت وعدہ خلافی کے منافی ہے۔ جو خدا میں جھوٹ کا امکان مانے وہ گویا اس میں الوہیت نہ رہنے کا امکان مانتا ہے۔ تفسیر مدارک نے فرمایا کہ جیسے کہا جاتا ہے کہ سخی وہ جو بخل نہ کرے' ایسے ہی یہاں کہا گیا کہ اللہ وہ جو وعدہ خلافی نہ کرے۔ دیو بندیوں کے قلم نے خدا کو بھی نہ چھوڑا' انہوں نے اس میں جھوٹ کا امکان مانا۔ نبی کو بے علم کہا اور خدا کو جھوٹا۔ معاذ اللہ۔ (نوٹ) خلف وعید یعنی گناہ بخش دینے کو جھوٹ نہیں کہتے۔ بلکہ کرم بخشش اور احسان کہا جاتا ہے۔ انشاء اللہ اس کی بحث اعتراضات و جواب میں آئے گی۔ **ساتواں فائدہ**: ایمان اور نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا کرنا بہت بہتر ہے۔ دیکھو اس دعا کے ساتھ یہ بھی عرض کیا گیا **ربنا انک جامع الناس** یعنی اے مولیٰ ہم بے دین نہیں' قیامت کے اور سارے ایمانیات کے معتقد ہیں۔ تیری رحمت کے تیرے فضل کے حق دار ہیں باغی نہیں ہیں' اطاعت شعار ہیں۔ آٹھواں فائدہ: دعا میں ایسے الفاظ بہتر' جن کی برکت سے دریاء رحمت جوش میں آئے جیسا کہ **بعد اذ ھدیتنا** سے معلوم ہوا۔ یعنی تو نے اپنے کرم سے ہمیں ہدایت دے دی اور تو کریم ہے دے کر لینا کریموں کا دستور نہیں۔ نواں فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ اپنے کو گنہگار جانے' اپنی خطا کا اقرار کرے مگر اپنے کو کافر' گمراہ' بے دین نہ تو سمجھے اور نہ کہے۔ ہم گنہگار ہیں' ہمارے عمل برے مگر الحمد للہ ہمارا عقیدہ نہایت صحیح اور دین نہایت اعلیٰ۔ یہ بھی **بعد اذ ھدیتنا** سے معلوم ہوا۔ جس میں اپنے ہدایت پر ہونے کا اظہار ہے۔ دسواں فائدہ: اپنی ہدایت اور ایمان کو حق تعالیٰ کا عطیہ سمجھے' نہ کہ اپنی کوشش کا نتیجہ' جب رحمت الٰہی دستگیری نہیں کرتی تو بڑے عقلمند بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی **ھدیتنا** سے معلوم ہوا کہ ہدایت کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کیا نہ کہ اپنی طرف۔

اعتراض: پہلا اعتراض: ساری نعمتیں اور رحمتیں رب ہی کی طرف سے ملتی ہیں پھر **من لدنک** کیوں کہا کہ اپنی طرف سے رحمت دے۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں کہ ایک یہ کہ رب تعالیٰ کی بعض نعمتیں مخلوق کے وسیلہ سے ملتی ہیں جنہیں مخلوق کی طرف بھی نسبت کر سکتے ہیں کہ ماں نے دودھ دیا۔ باپ نے کپڑا دیا' حاکم نے فیصلہ دیا' مالک نے تنخواہ دی اور بعض نعمتیں بلاواسطہ ملتی ہیں جیسے خیر کی توفیق' نور ایمانی وغیرہ یہاں وہ رحمتیں مانگی ہیں جو بلاواسطہ ملیں' دوسری نعمتیں تبعاً"۔ دوسرے یہ کہ بڑے دروازہ سے بڑی بھیک ملتی ہے اس لئے **من لدنک** فرمایا یعنی اپنے پاس سے رحمت دے۔ جو تیرے کرم اور فضل کے لائق ہو تیسرے یہ کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اپنا محتاج رکھ۔ کسی بندہ کا احسان مند نہ بنا۔ اگر کسی بندہ کا واسطہ بھی ہو تو اس کا احسان نہ ہو۔ دوسرا اعتراض: تم لوگ مانتے ہو کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن گنہگاروں کے گناہ معاف کردے گا۔ بدکاروں کو بخشے گا اور قرآن میں خبر تھی کہ بدکاروں کو سزا جہنم ہے۔ لہذا بدکاروں کو سزا نہ دینا بھی تو جھوٹ ہوا۔ جب خدا وعید کے خلاف کر سکتا ہے تو وعدہ کے بھی خلاف کر سکتا ہے۔ جب وہ اس پر قادر ہے کہ بے نمازی کو جنت دے تو اس پر بھی قادر

ہے کہ متقی کو جہنم میں بھیج دے نوٹ: یہ اعتراض اس زمانہ کے دیوبندی کرتے ہیں مگر دراصل انہوں نے معتزلہ سے سیکھا ہے۔ معتزلہ کے نزدیک خلف وعید بھی ناممکن ہے ان کے نزدیک بھی آریوں کی طرح گناہوں کی معافی نہیں ہو سکتی (کبیر)۔ جواب: اس کے بہت جواب ہم پہلے سیپارہ میں مسئلہ امکان کذب کے ساتھ دے چکے۔ یہاں چند جواب عرض کرتے ہیں ایک یہ کہ ساری وعیدیں مشروط ہیں مگر وعدے مشروط نہیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **یغفر ما دون ذلک لمن یشاء** کفر کے سوا رب جو گناہ چاہے گا معاف کر دے گا یعنی اگر گناہوں کی معافی نہ ہو تو سزا ملے گی ورنہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ خلاف وعدہ کرنا جھوٹ ہے اور عیب اور خلف وعید کرم اور وصف ہے لہذا یہ جائز ہے وہ ناجائز شاعر کہتا ہے۔

اذا وعدت سرا انجز وعدہ! و ان اوعدنا الضراء فالعفو ما نعہ

دیکھو یہاں معافی کو صفت میں شمار کیا۔ دوسرا شاعر کہتا ہے۔

و انی و ان اوعدتہ او وعدتہ یکذب ایعادی و منجز موعدی

تیسرے یہ کہ وعید خدا کا حق اور اس وعدہ خدا پر بندہ کا حق ہے۔ اپنا حق نہ لینا کرم اور دوسرے کا حق نہ دینا ظلم خدا ظلم سے پاک ہے اور کریم ہے۔ چوتھے یہ کہ وعیدیں خبر نہیں بلکہ انشاء ہیں اور انشاء میں جھوٹ سچ کا احتمال نہیں ہوتا (کبیر و معانی)۔ تیسرا اعتراض: یہ عجیب بات ہے کہ وعدہ کی وجہ سے رب کے ہاتھ بندھ جائیں کہ وہ نیک کار کو عذاب دینے پر قادر نہ رہے۔ امتناع کذب میں تو رب تعالیٰ کو مجبور ماننا ہے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وعدہ کر لینے کی وجہ سے رب کی قدرت ہی سلب ہو گئی وہ یہ نہیں کر سکتا کہ اس کو عذاب دے۔ جواب: آپ نے برعکس کہا یوں کہو کہ جس کو رب تعالیٰ عذاب دینا چاہے اس کے جنتی ہونے کی خبر نہیں دے سکتا ہے یعنی وہ اس پر قادر نہیں کہ دنیا تو ہو عذاب مگر کہہ دے کہ ہم تم کو جنت دیں گے کہ ایسی گپ ہانکنا عیب قدرت نہیں۔ چوتھا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے بعد چاہ بدر کے کنارہ پر کھڑے ہوئے جہاں ابو جہل وغیرہ کی نعشیں پڑی تھیں۔ اور فرمایا کیا تم نے رب کا وعدہ سچا پایا۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعید کو وعدہ فرمایا۔ نیز قرآن پاک میں ہے کہ جنتی جہنمیوں سے کہیں گے۔ **قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا** اے دوزخیو! ہم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا۔ دیکھو یہاں وعدہ اور وعید دونوں کو وعدہ کہا گیا۔ معلوم ہوا کہ دونوں کا یکساں حال ہے (معتزلہ و دیوبندی) نوٹ: دیوبندی معتزلہ کے بالکل مقابل ہیں کہ انہوں نے وعید کی مخالفت بھی ناممکن مانی اور انہوں نے وعدہ کی مخالفت بھی جائز مانی۔ ان میں افراط تھی۔ ان میں تفریط مذہب اہلسنت درمیانی ہے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس وعید کو وعدہ کہنا استہزا" ہے۔ جیسے **نبشرھم بعذاب الیم** یا جیسے **ذق انک انت العزیز الکریم** دوسرے یہ کہ یہ وعید لازم ہونے میں وعدہ کی طرح ہے کیونکہ کفار کا عذاب یقینی ہے۔ ان کی بخشش ناممکن' یہ سارا اختلاف گنہگار مسلمانوں کی بخشش کے بارے میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ : خالق پر نظر ہونا ہدایت ہے اور اس سے ہٹ کر مخلوق پر توجہ کرنا زیغ یعنی کجی نیز رب کی بارگاہ میں جانا صراط مستقیم ہے اور ادھر سے ہٹ کر دوسری طلبی میں پھنسنا زیغ عرض کیا گیا ہے کہ مولیٰ ہم عالم ارواح میں تیری بارگاہ میں تھے۔ تجھ ہی کو جانتے تھے۔ ماسوا سے بے خبر تھے۔ تیرا ہی دروازہ دیکھا تھا اور دروازوں کو جانتے بھی نہ تھے۔ جب اس عالم میں آئے اور وہ طائر

روح اس جسم کے پنجرے میں قید کیا گیا تو پہلے ہی ہمارے کان میں اذان کی آواز پہنچی اے مولیٰ جب تو نے ہمیں عالم ارواح میں اپنا دربار دکھا دیا اور عالم اجسام میں مسلمان بنا کر سیدھے راستہ پر ڈال دیا تو اب اس دنیا میں پھنسا کر نفس و شیطان کو ہم پر غالب کر کے یہاں کی لذتوں سے خبر دے کر ہمارے دل اس راستہ سے ٹیڑھے مت کر یہ کائنات ہمارے لئے حجاب نہ بنے۔ بلکہ تیرے جمال کے آئینے ہو جائیں کہ ہر چیز میں تجھ کو ہی دیکھیں۔ اے مولیٰ ہم تاریکی ہیں تو نور ہم شبنم ہیں تیرا کرم آفتاب ہم تیم ہیں اور تیرے انعام آب رحمت ہم مشت خاک ہیں اور تیرا فضل نسیم۔ اے مولیٰ ہمیں اپنی خاص رحمت عطا فرما کہ ہماری صفات کو اپنی صفات سے محو فرمادے، ہماری ظلمتوں کو اپنے نور سے مٹادے۔ ہمارے غبار کو اپنی رحمت کے جھونکے سے اڑا دے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

یا خفی الذات محسوس العطاء — انت کا لماء و نحن کالرحی!
انت کالریح و نحن کالغبار — یختفی الریح و غبراء جهار

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے فرمایا۔

آب اد وہ کے اور میں تیم برخاست — مشت اپنی ہو اور نور کا لہلا تیرا

تو بدلا دینے والا ہے، تو ہی دیتا ہے اور تو ہی لینے کی قابلیت بھی عطا فرماتا ہے۔ اے مولیٰ ہمیں خبر ہے کہ ایک دن وہ آئے گا جب پردہ اٹھے گا آفتاب حقیقت کا نور ظلمت مجاز کو کافور کر دے گا۔ اس دن سب حسب مراتب اپنے اپنے مقام پر جمع ہوں گے۔ اور یہ کثرت وحدت پر پہنچے گی، تیرا وعدہ سچا ہے۔ اس میں خلاف کا احتمال نہیں، صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا کے دنوں کا آنا بھی مشکوک ہے اور ہمارا پانا بھی مشکوک کیا خبر اس سال ہم پہلے ہی مر جائیں۔ مگر قیامت کا آنا بھی یقینی اور ہمارا اسے پانا بھی ضروری۔ جس کے متعلق فرمایا لا ریب فیہ مگر افسوس ہے کہ ہم کو ان مشکوک دنوں کی فکر بھی ہے اور ان کی تیاری بھی بارش سے پہلے مکان بناتے ہیں۔ سردی آنے سے پہلے اس کے لباس بناتے ہیں مگر اس یقینی دن کی نہ فکر نہ تیاری۔ اگر ہم اس دن کی فکر و تیاری کریں تو رب تعالیٰ ان فکروں سے آزاد کر دے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ

تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہرگز نہ دفع کرے گی ان سے مال ان کے اور نہ اولاد ان کی طرف اللہ کے

بے شک وہ جو کافر ہوئے ان کا مال اور ان کی اولاد اللہ سے انہیں کچھ نہ بچا سکیں گے

اللّٰهِ شَیْـٴًـاؕ وَاُولٰٓىٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَۙ وَالَّذِیْنَ

کسی چیز کو۔ اور یہ لوگ وہ ایندھن ہیں آگ کے مثل طریقہ اہل فرعون کے اور ان کے جو

اور وہ ہی دوزخ کے ایندھن ہیں۔ جیسے فرعون والوں اور ان سے اگلوں کا

مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ

پہلے سے تھے ان کے جھٹلایا انہوں نے نشانیوں کو ہماری پس پکڑا ان کو اللہ نے بوجہ گناہوں

طریقہ انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو اللہ نے ان کے گناہوں پر

الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

ان کے اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔

ان کو پکڑا اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: قرآن کریم کا دستور ہے کہ ایمان کے ساتھ کفر کا مسلمانوں کے ساتھ کفار' نور کے ساتھ تاریکی کا ذکر فرماتا ہے۔ تاکہ انسان مومنوں کی صفتیں حاصل کرے اور کفار کے عیوب سے بچے۔ چنانچہ اب تک مسلمانوں خصوصاً علماء کے اوصاف بیان فرمائے گئے۔ اب کفار کے عیوب کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کی دعا ان کی عاجزی و زاری کا ذکر فرمایا گیا تھا اب کفار کی سخت دلی اور رب تعالیٰ سے بے پرواہی کا ذکر ہے۔ کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں بتایا گیا تھا کہ مسلمانوں کو اپنی اولاد و مال تو کیا خود اپنے پر بھی اعتماد نہیں کہ وہ نیکیاں کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں اور رب تعالیٰ سے دعائے استقامت مانگتے ہیں۔ اب کفار کا ذکر ہے کہ وہ اس کے برخلاف اپنے مال اور اولاد پر بھروسہ کرکے رب سے بے پرواہ رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو وہ خوف ہی ان کی مقبولیت کا ذریعہ ہے اور کفار کی یہ بے خوفی ان کی مردودیت کا سبب۔

تفسیر: ان الذین کفروا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے سارے کفار مراد ہیں۔ خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین مگر بعض نے کہا کہ اس سے فقط وہ نجرانی عیسائی مراد ہیں۔ جو اپنی آمدنی بند ہو جانے کے خوف سے اسلام قبول نہ کرتے تھے (معانی) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بنی قریظہ اور بنی نضیر ہیں یا مشرکین عرب' کچھ ہو مگر یہ سارے کافروں کے لئے ہے۔ کفر کی صدہا قسمیں ہیں کفروا میں ہر قسم کے کافر مراد ہیں۔ جو چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی طرف سے لائے' ان سب کا ماننا ایمان ہے اور ان میں سے ایک کا انکار کفر۔ کفروا سے مراد ہے کہ کفر پر مرگئے انہیں کی یہ سزا ہے۔ جو زندگی بھر کافر رہے مرتے وقت مومن ہو گئے۔ ایمان پر خاتمہ ہوا' وہ تمام رحمتوں کے مستحق ہیں۔ جیسا کہ فرعون کے جادوگروں کا حال ہوا۔ لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم من اللہ شیئا" ۔ تغنی' غناء سے بنا' بمعنی کفایت اور بے پرواہی اور دفع کرنا۔ جب اس کے بعد عن آتا ہے تو اکثر دفع کرنے کے معنی دیتا ہے۔ جیسے ما اغنی عنی مالیہ اور بغیر عن کے کبھی بمعنی کفایت ہوتا ہے اور کبھی بمعنی بے پرواہی۔ جیسے ان اللہ غنی حمید اور اغنھم اللہ و رسولہ۔ اموال مال کی جمع ہے اس سے سارے جمع کئے ہوئے مال مراد ہیں۔ خواہ مرنے پر خرچ کئے ہوں' خواہ اولاد کے لئے چھوڑے ہوں۔ پھر خواہ اللہ کی راہ میں خرچ کئے ہوں خواہ اولاد کے لئے چھوڑے ہوں۔ پھر خواہ اللہ کی راہ میں خرچ کئے ہوں یا اپنے کھانے پینے میں یا اپنے کاروبار میں۔ خواہ خود کمائے ہوں یا کسی کے مال میراث سے حاصل کئے ہوں۔ چونکہ مال بہت سی قسم کے ہوتے ہیں۔ اسی لئے

اسوال جمع فرمایا اولاد ولد کی جمع - ولد بیٹی بیٹا دونوں کو کہتے ہیں - مگر یہاں بیٹے مراد ہیں - کیونکہ مصیبت میں بیٹے ہی کام آتے ہیں نہ کہ بیٹیاں - نیز چونکہ انسان مصیبت میں پہلے مال خرچ کرتا ہے پھر اولاد اسی لئے یہاں پہلے مال کا ذکر ہوا اور بعد میں اولاد کا **من الله** میں یا تو من کے بعد عذاب پوشیدہ ہے اور یہ **لن تغنی** کے متعلق اور من ابتدائیہ اور **شیئا** " **لن تغنی** کا مفعول مطلق یعنی **شیئا** " **من الاغناء** اور ممکن ہے کہ شیئا" مفعول بہ ہو - اور **من الله** اس کا حال مقدم اور من تبعیضیہ (روح المعانی) - تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہاں **من بمعنی عند** ہے - بعض مفسرین نے فرمایا کہ **من** بمعنی بدلہ ہے اور اللہ سے پہلے رحمت یا اطاعت پوشیدہ (معانی) یعنی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم وغیرہ کا انکار کیا - ان کے مال اور ان کی اولاد خدا کی طرف سے آئے ہوئے عذاب کو ان سے ہرگز دفع نہ کر سکیں گے یا ان کے مال و اولاد رحمت الٰہی کے عوض نہ بنیں گے اور اتنا ہی نہیں بلکہ **اولئک هم وقود النار** وقود کی تحقیق ہم پہلے سیپارہ میں **وقودها الناس و الحجارة** کے ماتحت کر چکے - یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس لفظ کی دو قراتیں ہیں - وقود واؤ کی زبر سے ہے اور وقود واؤ کے پیش سے یہ مصدر بھی آتا ہے اور بمعنی ایندھن بھی - ظاہر یہ ہے کہ یہاں بمعنی ایندھن ہے اور ممکن ہے کہ بمعنی مصدر ہو اور اس کے پہلے **اهل** پوشیدہ ہو یہ **هم** کی خبر ہے - یا **اولئک** کی اور **هم** ضمیر فصل - خیال رہے کہ عذاب دو قسم کا ہے ایک نفع بخش چیزوں کا بیکار ہو جانا اور دوسرے تکلیف دہ چیزوں کا جمع ہو جانا - اس لئے ان کے لئے رب نے دونوں عذاب جمع فرمائے دیئے پہلے کا ذکر **لن تغنی عنهم** میں ہوا اور دوسرے کا ذکر **اولئک** الخ سے ہو رہا ہے - یعنی ان کو اسباب خیر کام نہ آئیں گے اور وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے کہ جیسے آگ لکڑی کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے - ایسے ہی ان کے رگ رگ میں جہنم کی آگ بھڑک جائے گی - نیز دوسری چیزیں آگ میں پکنے گلنے کو رکھی جاتی ہے کہ پک کر گل کر نکال لی جاتی ہیں مگر ایندھن آگ میں جلنے کو جاتا ہے - کہ وہاں سے نکالا نہیں جاتا وہاں ہی جل کر راکھ ہو جاتا ہے روٹی پک کر سونا گل کر آگ سے نکال لیا جاتا ہے مگر کوئلہ وہاں ہی رہتا ہے ایسے ہی مومن دوزخ سے نکال لئے جائیں گے کافر وہاں ہی رہیں گے اس لئے انہیں وقود فرمایا - **کداب ال فرعون والذین من قبلهم** یہ عبارت ثلث پوشیدہ کے متعلق ہو کر **داب** کی خبر ہے - **داب** کے چند معنی ہیں - کوشش کرنا زور لگانا تھک جانا عادت شان دائمی حالت رب فرماتا ہے **سبع سنین دابا** بمعنی حالت دائمی اہل عرب کہتے ہیں - **هذا داب فلان** یہ فلانے کی عادت ہو گئی یہ **نصر ینصر** سے ہے - **داب یدوب دوبا** " و " **دابا** یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں اور ہر معنی کا الگ لطف ہے (کبیر) آل اصل میں اہل تھا - بمعنی والا جیسے اہل علم علم والا اہل مال مال والا - اصطلاح میں بال بچوں گھر میں رہنے والوں اور متبعین کو آل کہا جاتا ہے یہاں آخری معنی مراد ہیں - یعنی فرعون کے پیروکار کیونکہ فرعون لاولد تھا اور اس کی بیوی حضرت آسیہ مومنہ تھیں ان پر عذاب کیوں آتا اس کے سپاہی اور اس کے ساتھی اس عذاب میں مبتلا ہوئے - لفظ فرعون کی نہایت نفیس تحقیق اور اس کی مکمل تاریخ ہم پہلے سیپارہ میں کر چکے ہیں - **والذین** میں واؤ عاطفہ ہے اور **الذین** ال پر معطوف ہے من **تبعوا** فعل مقدر کا متعلق ہے اور **قبلهم** کا مرجع ال کیونکہ وہ بڑی جماعت تھی اور اس سے فرعون سے پہلے دیگر امتوں کے کفار مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ **هم** کا مرجع کفار عرب ہوں جن کا ذکر **الذین کفروا** میں ہو چکا اب اس کے معانی سنو - (1) ان کفار عرب کی حالت اور سرکشی فرعونیوں اور اس سے پہلے والے کفار کی سرکشی کی طرح ہے - (2) کفار عرب کی عادت فرعونیوں کی سی ہے - (3) کفار عرب کا جہنم کا ایندھن بننا اور ان کا مال و اولاد کام نہ

آتا۔ فرعونیوں کی طرح ہے کہ جب وہ ڈوبا تو اسے کچھ کام نہ آیا۔ (4) کفار عرب کا جہنم میں ہمیشہ رہنا فرعون کی طرح ہے۔ (5) کفار عرب کی اسلام کے مقابلہ میں کوشش فرعونیوں کی طرح ہے۔ جیسے ان کی کوشش موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں بیکار رہی تھی۔ ایسے ہی ان کی کوششیں آپ کے مقابلہ میں بیکار رہیں گی۔ (6) ان کی اخروی مصیبت فرعونیوں کی مصیبت کی طرح ہے جیسے فرعونیوں پر قیامت تک عذاب پیش ہو رہا ہے۔ **یعرضون علیھا غدوا وعشیا** اور قیامت میں وہ سخت عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے **ادخلوا اٰل فرعون اشد العذاب** ایسے ہی ان کا حال ہو گا۔ خیال رہے کہ ان سب معنی میں آل فرعون داب کا فاعل تھی اور ہو سکتا ہے کہ داب کا مفعول ہو اور اس کا فاعل یعنی لفظ اللہ پوشیدہ ہو۔ **کداب اللہ اٰل فرعون** اور یہ اضافت مصدر کی مفعول کی طرف ہو۔ یعنی اللہ کا معاملہ اہل عرب کے ساتھ ایسا ہی ہو گا جیسا اس کا معاملہ فرعونیوں سے ہوا (تفسیر کبیر و معانی وغیرہ)۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفار عرب مشبہ ہیں اور آل فرعون مشبہ بہ وجہ شبہ میں بہت سے احتمالات ہیں۔ ہر احتمال کے ماتحت بہت سے فوائد۔ اس لئے یہ آیت کریمہ بہت جامع آیت ہے۔ خیال رہے کہ کاف۔ کما مثل وغیرہ تشبیہ کے لئے آتے ہیں اور قریب المعنی ہیں اور **من قبلھم** سے یا تو فرعون سے پہلے کفار مراد ہیں۔ جیسے قوم نوح و ثمود و لوط وغیرہ اور یا قریش سے پہلے کفار عیسائی وغیرہ۔ **کذبوا باٰیتنا** یہ داب کا بیان ہے۔ جھٹلانا دل سے بھی ہوتا ہے زبان سے بھی اور عمل سے بھی نہ ماننا دلی تکذیب ہے۔ زبان سے انکار قولی تکذیب ہے۔ عمل تعلیم کے خلاف کرنا عملی تکذیب ہے۔ یہاں ہر قسم کی تکذیب مراد ہے کہ وہ لوگ ہر طرح جھٹلاتے ہیں۔ آج ہم لوگ دلی و زبانی تکذیب تو نہیں کرتے مگر عملی تکذیب میں گرفتار ہیں اور آیات سے یا تو آسمانی کتابوں کی آیتیں مراد ہیں یا پچھلے نبیوں کے معجزے یعنی ان سب نے ہماری آیتوں کو 'یا ہمارے بھیجے ہوئے معجزات کو جھٹلایا۔ مگر آخری دو معنی زیادہ قوی ہیں کیونکہ فرعونیوں کے پاس کسی آسمانی کتاب کی آیات نہیں آئیں۔ توریت اس کی ہلاکت کے بعد آئی 'باقی 'انجیل' زبور تو بعد کی کتابیں ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ آیات سے مراد انبیاء کرام کی ذوات ہوں کہ وہ حضرات مجسم آیات الہیہ ہیں تو اس کا انجام یہ ہوا **فاخذھم اللہ بذنوبھم**۔ یہ جملہ اللہ کے معاملہ کی تفسیر ہے۔ اخذ کے معنی پکڑنا ہیں مگر یہاں عذاب دینا مراد ہے۔ ھم کا مرجع فرعونی اور سارے کفار ہیں ب سببیہ ہے اور ذنوب ذنب سے بنا۔ معنی تابع اور پیچھے لگنے والا۔ اسی لئے دم کو ذنب کہتے ہیں۔ گناہ کو بھی اس لئے ذنب کہتے ہیں کہ وہ اپنے کرنے والے کے پیچھے لگ جاتا ہے (معانی و روح)۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اصطلاح میں ہر اس فعل کو ذنب کہہ دیتے ہیں کہ جس کا نتیجہ ناگوار ہو۔ **لسان العرب** میں ہے **الذنب الاثم والجرم والمعصیۃ** کہ ذنب اثم اور جرم اور معصیت سب کو کہتے ہیں۔ جو ثواب سے روکے وہ اثم ہے اور جو رب سے تعلق قطع کر دے وہ جرم 'جرم 'قطع اور معصیت نافرمانی کو کہتے ہیں۔ خواہ جان بوجھ کر ہو یا بھول چوک سے معلوم ہوا کہ لفظ ذنب زبان عرب میں بہت وسیع ہے۔ کبھی اس کام کو ذنب کہہ دیتے ہیں جو حقیقت میں گناہ ہو۔ مگر اس کا انجام ناگوار ہو اور غلطی کو بھی ذنب کہہ دیا جاتا ہے۔ اس کا بہتر ترجمہ قصور ہے بڑے گناہ کو بھی ذنب کہہ دیتے ہیں۔ اور چھوٹی سی غلطی کو بھی۔ یہاں بڑے بڑے گناہ جیسے کفر بت پرستی 'انبیائے کرام کا قتل 'ان کی مخالفتیں سب مراد ہیں۔ کیونکہ انہوں نے یہ سارے گناہ کئے تھے۔ اسی لئے یہاں جمع ارشاد ہوا۔ یعنی ان سب کو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا اور کیوں نہ پکڑتا۔ **واللہ شدید العقاب** اللہ سخت عذاب والا ہے۔ عقاب عقب سے بنا۔ معنی پیچھے اسی لئے ایڑی کو عقب کہتے ہیں کہ وہ پیچھے ہوتی ہے۔ ہم عتاب عذاب اور عقاب کا فرق پہلے سیپارہ میں بیان کر

گے۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار اپنے مال' اولاد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے ان کا یہ خیال ہے کہ کفر کی وجہ سے جو ہم پر عذاب آئے گا اسے ہم دنیوی مصیبتوں کی طرح اپنے مال' اولاد کے ذریعہ ٹال دیں گے۔ مگر ان کا یہ خیال غلط ہے' کفار پر جب کفر کی وجہ سے عذاب الٰہی آئے گا تو ان کے مال اولاد سب بیکار ثابت ہوں گے۔ وہ اللہ کی بھیجی مصیبت کو دفع نہیں کر سکیں گے۔ اور یہ لوگ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ جیسے ایندھن کی رگ و ریشہ میں آگ سرایت کر جاتی ہے ایسے ہی ان کے رگ و ریشہ میں جہنم کی آگ بھڑکے گی۔ اسلام کے مقابلہ میں ان کی ناکام کوشش ایسی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعونیوں کی کوشش تھیں یا ان پر کفر کا وبال ایسا آئے گا جیسے فرعونیوں اور ان سے پہلے والے کافروں پر آیا کہ وہ ان سے بڑھ کر مالدار اور صاحب اولاد تھے۔ مگر جب عذاب آیا تو کوئی چیز ان کے کام نہ آئی۔ انہوں نے ہماری آیتوں' نشانیوں' انبیاء کے معجزات کو جھٹلایا' ان کو ایذائیں پہنچائیں۔ پہلے تو رب نے انہیں مہلت دی پھر جب ان کا پیالہ گناہوں سے بھر گیا تو سارے گناہوں کے عوض رب نے اچانک انہیں پکڑ لیا۔ اللہ سخت عذاب والا ہے۔ اس کے عذاب سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ ایسے ہی ان کا حال ہو گا۔ جب جرم یکساں ہے تو عذاب کیوں نہ یکساں ہوں۔ خیال رہے کہ رب کی پکڑ جلد نہیں ہوتی۔ بہت مہلت ملتی ہے کہ بندہ سنبھل جائے مگر جب بندہ رب کے حکم سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے تب پکڑا جاتا ہے۔ فرعون دعویٰ خدائی کرتا رہا۔ بچے ذبح کرتا رہا مگر سر میں درد بھی نہ ہوا۔ جب پیالہ بھر گیا تو پکڑ لیا۔ ایسے ہی کفار عرب رب کی ڈھیل سے دھوکا نہ کھائیں بلکہ جلد سنبھل جائیں ورنہ مارے جائیں گے۔ اللہ کی چکی دیر میں پیستی ہے مگر بہت باریک پیستی ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** آخرت میں مال و اولاد کا کام نہ آنا اور ان کے ذریعہ عذاب الٰہی دفع نہ ہونا کفار کے لئے ہے انشاء اللہ مسلمانوں کا مال بھی کام آئے گا اور اولاد بھی اور ان کے ذریعہ عذاب الٰہی دفع بھی ہو گا۔ جیسا **ان الذین کفروا** سے معلوم ہوا مسلمانوں کے صدقے آخرت میں کار آمد ہیں۔ اولاد کی نیکیوں سے ماں باپ کی نجات ہے۔ یہ آیت اس حدیث کی شرح ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہ میں تم سے عذاب الٰہی دفع نہیں کر سکتا اس آیت نے بتایا کہ وہاں مقصد یہ ہے کہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو عذاب دفع نہیں کر سکتے ورنہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری شفاعت بڑے گناہ کبیرہ والے امتی کو پہنچے گی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امتی کی مدد فرمائیں اور اپنی بیٹی کے کام نہ آئیں۔ **دوسرا فائدہ:** کفار کو ان کے سارے گناہوں کا عذاب دیا جائے گا کسی گناہ کی معافی نہ ہو گی اور نیکیاں ساری برباد ہوں گی جیسا کہ **بذنوبھم** سے معلوم ہوا۔ مسلمانوں کی نیکیاں ساری محفوظ۔ گناہ یا تو بالکل معاف یا کچھ معاف' کفار کی نیکیاں ساری برباد اور گناہ سب محفوظ۔ **تیسرا فائدہ:** متبعین اور پیرو کار کو آل کہہ سکتے ہیں اگرچہ وہ اس کا رشتہ دار نہ ہو۔ دیکھو فرعون کے سپاہیوں کو آل فرعون کہا گیا۔ نافرمان اور باغی آل کہلانے کا مستحق نہیں۔ اگرچہ رشتہ دار ہو۔ کنعان نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا مگر چونکہ کافر تھا اس لئے فرمایا **انہ لیس من اھلک** اس معنی سے حضور علیہ السلام کی ساری امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے اور شیعہ۔ اور دیوبندی' مرزائی وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نہیں اگرچہ وہ اپنے کو سید ہی کہتے ہوں۔ **چوتھا فائدہ:** انبیائے کرام کی مخالفت پر عذاب الٰہی آتا ہے دیکھو فرعون نے دعویٰ خدائی

کیا۔ اس پر عذاب نہ آیا۔ جب تک کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ نہ کیا۔ فرمایا گیا **کذبوا بایتنا فاخذھم اللہ بذنوبھم**۔ ف سے معلوم ہوا کہ آیات الٰہی کی تکذیب یعنی انبیائے کرام کی مخالفت سبب عذاب ہے۔ پانچواں فائدہ: کفار کا آپس میں نکاح درست ہے اور اس نکاح کی اولاد حلال ہے نہ کہ حرامی دیکھو یہاں ارشاد ہوا **ولا دھم** ان کافروں کی اولاد اگر ان کے نکاح صحیح نہ ہوتے تو یہ بچے حرامی ہونے کی وجہ سے ان کی اولاد نہ کہلاتے۔ چھٹا فائدہ: پچھلے کافروں کے حالات ان کی بربادی کے واقعات معلوم کرنا بھی ضروری ہیں تاکہ عبرت حاصل ہو۔ دیکھو قرآن کریم نے عبرت کے لئے آل فرعون اور پچھلے کفار کا حوالہ دیا۔ ساتواں فائدہ: سارے کافر اس لحاظ سے برابر ہیں کہ ان کے مال و اولاد کام نہ آئیں گے۔ خواہ رب کے منکر ہوں یا اس کی صفت کے یا پیغمبر کے یا کسی اور ایمانی عقیدہ کے جیسا کہ **کفروا** کے عموم اور آل فرعون اور پچھلے کافروں کے حوالہ دینے سے معلوم ہوا۔ دیکھو کفار مکہ دعوئی خدائی نہ کرتے تھے مگر انہیں فرعون کا عذاب یاد دلایا گیا جو مدعی الوہیت تھا۔ آٹھواں فائدہ: کافر پر احکام شرعیہ لازم ہیں۔ یعنی وہ ایمان لا کر نماز پڑھے' روزے رکھے اگر نہ کرے گا تو اسے کفر کے ساتھ اس پر بھی سزا دی جائے گی۔ یہاں فرمایا گیا **فاخذھم اللہ بذنوبھم** کسی گناہ کی تخصیص نہ فرمائی گئی۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ جنتی دوزخی کفار سے پوچھیں گے **ما سلککم فی سقر** تمہیں جہنم میں کون چیز لائی۔ وہ عرض کریں گے۔ **لم نک من المصلین و لم نک نطعم المسکین و کنا نخوض مع الخائضین و کنا نکذب بیوم الدین** ۔ ہم نماز نہ پڑھتے تھے ہم زکوۃ نہ دیتے تھے۔ ہم اسلام کا مذاق اڑاتے اور قیامت کو جھٹلاتے تھے۔ انہوں نے کفر کے ساتھ بد عملی کو بھی سبب عذاب بتایا مگر یہ آخرت کے اعتبار سے ہے۔ دنیا میں نہیں اس لئے کافر کو زمانہ کفر کی نمازیں قضا نہ کرنی پڑیں گی۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت میں ہے کہ صرف کفار ہی جہنم کا ایندھن ہیں اور وہی جہنم میں جائیں گے۔ جیسا کہ **ھم** کے حصر سے معلوم ہوا۔ حالانکہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ گنہگار مسلمان بھی کچھ دن جہنم میں رہیں گے۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ جہنم صرف کفار کی خاطر بنی ہے۔ مسلمانوں کا جانا ان کی طفیل ہے کہ جو مسلمان کافروں جیسے عمل کریں یا مسلمانوں کے مقابل ان سے الفت و محبت رکھیں۔ وہ انہی کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔ لہذا جہنم کے ایندھن وہی ہوئے جیسے لکڑی کے ساتھ کا کیڑا بھی آگ میں پہنچ جائے وہ آگ کا ایندھن نہیں۔ یہاں ایندھن ہونے کا حصر ہے نہ کہ جانے کا دوسرے یہ کہ آگ میں جانا دو طرح ہے۔ لوہار کی بھٹی میں لوہا بھی جاتا ہے اور کوئلہ بھی رکھا جاتا ہے۔ یونہی کفار وہاں کے ایندھن ہیں اور مسلمان گناہوں کا میل اتارنے جائیں گے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے کفار آگ ہی میں جائیں گے تو دوزخ کے ٹھنڈے طبقوں میں کون جائے گا۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں **کفروا** سے وہ خاص کفار مراد ہیں جن کے بارے میں یہ آیت آئی کہ یہ کفار آگ میں جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ نار سے مراد دوزخ ہے۔ جز بول کر کل مراد لیا گیا۔ تیسرے یہ کہ دوزخ کی ٹھنڈک بھی آگ کی وجہ سے ہوگی۔ جو طبقے آگ سے قریب ہیں وہ گرم اور جو دور ہیں وہ ٹھنڈے جیسے دنیا کی سردی گرمی سورج کی وجہ سے ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار سے عذاب دفع نہ ہوگا اور حدیث شریف میں ہے کہ ابو طالب کا عذاب ہلکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے باعث اور ابولہب کا عذاب سوموار کو ہلکا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی کے باعث (بخاری شریف) تو اس آیت اور ان احادیث میں موافقت کیونکر ہو؟ جواب: ان احادیث میں عذاب ہلکے ہونے کا ذکر

اور اس آیت میں عذاب دفع ہونے کی نفی ہے۔ تخفیف عذاب اور ہے اور دفع عذاب کچھ اور تخفیف کا ثبوت ہے۔ دفع کی نفی لہٰذا آیت و حدیث میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : مسلمان کے مال و اولاد قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں اور اس کے لئے باعث ثواب۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بیوی بچوں کو پالنا عبادت ہے۔ حتیٰ کہ بیوی کے منہ میں لقمہ دینا عبادت اس سے محبت کرنا ثواب کیونکہ مسلمان کو ان سے دلی تعلق نہیں ہوتا' وہ ان کی خدمت اسی لئے کرتا ہے کہ رب تعالیٰ کا حکم ہے۔ لہٰذا یہ تمام چیزیں اس کے لئے جمال الٰہی کا آئینہ ہیں۔ لیکن کفار کی اولاد و مال ان کے لئے سبب حجاب ہیں اور رب سے دوری کا ذریعہ۔ کیونکہ اسے ان چیزوں سے دلی تعلق ہے اور یہی اس کے حقیقی محبوب۔ لہٰذا یہ چیزیں اسے عذاب سے بچائیں تو کیا اور عذاب بڑھائیں گی۔ دیکھو فرعون اور فرعونیوں کا سارا مال و اسباب ذریعہ عذاب بنا (ابن عربی) اس کی مثال یوں سمجھو کہ پریس میں ایک پلیٹ پر قرآن ہے اور دوسری پلیٹ پر باغیانہ مضمون۔ قرآن والی پلیٹ سے جو کاغذ چھپے گا وہ قرآن بنے گا۔ خواہ ہلکا ہو یا وزنی اور دوسری پلیٹ سے جو کچھ چھپے گا وہ باغیانہ کتاب ہو گی۔ اس کاغذ کا بلاوضو چھونا ناجائز ہے۔ اور ناپاکی کی حالت میں پڑھنا حرام۔ نیز اس کا ہر جگہ ادب و احترام مگر اس کاغذ کا چھاپنا جرم' رکھنا بغاوت' شائع کرنا باعث سزا۔ قرآن میں فرعون کا نام آ جائے یا ہامان کا' یا ابولہب کا آ جائے یا شیطان کا وہ قابل تعظیم ہے کہ اس کے پڑھنے پر ثواب اور اس کو بلاوضو چھونا گناہ کہ اگرچہ وہ لوگ خبیث تھے مگر یہ الفاظ تو جزو قرآن ہیں۔ ان پر قرآن کے احکام جاری مگر باغیانہ کتاب میں بادشاہ کا نام آ جائے یا وزیر کا' فقیر کا آ جائے یا امیر کا کچھ معظم نہیں۔ حکومت سب کو جلوا دے گی۔ یہی حال کفار اور ان کے مال کا ہے۔ کفار باغیانہ مضمون کی پلیٹ ہیں۔ جو چیز ان سے قرب حقیقی رکھے وہ خدا کا عذاب ہے۔ مسلمان رحمت الٰہی کے پلیٹ ہیں جو چیز ان کے پاس آئے وہ رحمت۔ غور تو کرو کہ قیامت میں چاند' سورج' تارے' کفار کے بت سب ہی جہنم میں جائیں گے۔ بولو ان بے چاروں نے کون سا گناہ کیا تھا۔ مگر کفار نے ان سے تعلق رکھا' ان کا بیڑہ غرق کیا۔ اصحاب کہف کا کتا' صالح علیہ السلام کی اونٹنی وغیرہ جنت میں جائیں گے' بتاؤ انہوں نے کون سی نیکی کی تھی۔ صرف یہ کہ وہ نیکوں کے پاس رہے تھے۔ صوفیائے کرام فرماتے کہ بے دین مولوی کے علم کی مثال ایسی ہے جیسے سامری کا بچھڑا' سامری نے فرعونیوں کے سونے سے بچھڑا بنایا اور اس کے منہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے ٹاپ کے نیچے کی خاک ڈالی جو نہایت طیب و طاہر تھی اس خاک کے اثر سے اس میں آواز پیدا ہوئی۔ اس آواز نے ہزاروں اسرائیلیوں کو گمراہ کر دیا۔ اگر یہ خاک کسی اللہ والے کے منہ میں جاتی تو نہ معلوم کیا تاثیر دکھاتی۔ خاک تو اشرف تھی مگر وہ سونا خبیث تھا۔ ایسے ہی بے دین عالم کا حال ہے کہ اس کا قلب گویا فرعونی ہوتا ہے۔ اس کا علم گویا وہ جبریلی خاک۔ اس علم کے ذریعہ وہ جو بولتا ہے اس سے ہزاروں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اس کا علم اس کی عبادت' اس کے رکوع سجدے۔ اس کی قرآن خوانی اس کا مال و اسباب' سب جہنم کے ایندھن ہیں۔ فرعون کے ساتھ اس کا گھوڑا' اس کا لباس اور باقی ساز و سامان سب ہی ڈوبا۔ اللہ علم کے ساتھ ایمان بھی عطا فرمائے۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَ بِئْسَ

فرمادو واسطے ان کے جنہوں نے کفر کیا عنقریب مغلوب ہو گئے تم اور جمع کیے جاؤ گے طرف دوزخ کی

فرمادو کافروں سے کوئی دم جاتا ہے کہ مغلوب ہو گے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ

الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ

اور برا ہے وہ بستر بے شک ہے واسطے تمہارے بیچ نشانی بیچ دو جماعتوں کے جن میں ایک جماعت جنگ کرتی

بہت ہی برا بچھونا ہے بے شک تمہارے لئے نشانی تھی دو گروہوں میں جو آپس میں بھڑ پڑے ایک جتھا

سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ وَ اللّٰهُ

ہے بیچ راستے اللہ کے اور دوسری کافرہ ہے دیکھتے ہیں وہ ان کو دو مثل اپنا دیکھنا آنکھ کا اور اللہ قوت

اللہ کی راہ میں لڑتا اور دوسرا کافر کہ انہیں آنکھوں دیکھا اپنے سے دونا سمجھیں اور اللہ اپنی مدد سے زور

یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

دیتا ہے ساتھ مدد اپنی کے جس کو چاہتا ہے تحقیق بیچ اس کے البتہ عبرت ہے واسطے آنکھوں والوں کے

دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے شک اس میں عقلمندوں کے لئے ضرور دیکھ کر سیکھنا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں پہلے تو رب نے قانون ارشاد فرمایا کہ کفار کے مال و اولاد عذاب الٰہی کو ان سے دفع نہیں کر سکتے۔ پھر اس کی ایک مثال گزشتہ واقعہ سے دی کہ فرعون و فرعونی بڑے مال و منال کے مالک تھے۔ مگر عذاب آنے پر نہ بچ سکے۔ اب اس قانون کی دوسری مثال آئندہ پیش آنے والے واقعہ سے دی جا رہی ہے کہ تم بھی عنقریب مٹ جاؤ گے۔ تمہاری اولاد مال اس آنے والے عذاب کو دفع نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ بنی قریظہ قتل کیے گئے اور بنی نضیر جلاوطن۔ ان کے اموال و اولاد بیکار رہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ کفار کا مال و اولاد عذاب الٰہی کو دفع نہیں کر سکتا۔ جس کی ایک دلیل فرعونیوں کی غرقابی کا قصہ سنا کر بیان ہوئی۔ اب اسی دعوےٰ کی دوسری دلیل ارشاد ہو رہی ہے تم جنگ بدر کو یاد کر لو۔ اس میں کیا ہوا تھا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں جو دعویٰ کیا گیا کہ کفار کا مال و اولاد عذاب دفع نہیں کر سکتا۔ اس کی ایک شہادت تو مشہور قصہ یعنی غرق فرعون سے دی گئی اور دوسری عینی شہادت دی جا رہی ہے۔ یعنی جنگ بدر کے واقعہ سے۔ سمعی گواہی سے عینی گواہی اعلیٰ ہوتی ہے۔ اس لئے اب اعلیٰ کی طرف رجوع ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں اجمالاً "ایک کلیہ قاعدہ ارشاد ہوا کہ کفار کا مال و اولاد بیکار ہے۔ جس میں کفار عرب بھی داخل تھے۔ اب اس قاعدہ کا ایک فرد اور اس اجمال کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ چونکہ کفار کا مال و اولاد عذاب خداوندی کو دور نہیں کر سکتے۔ لہٰذا تم بھی ہوشیار ہو جاؤ۔ عنقریب ہلاک ہو جاؤ گے اور اس کا ثبوت جنگ بدر ہے۔

شان نزول : عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر سے کفار کو

شکست فاش دے کر مدینہ طیبہ واپس ہوئے تو حضور علیہ السلام نے مدینہ کے یہودیوں کو جمع کرکے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو ایسی مصیبت سے پہلے اسلام لے آؤ۔ جیسی بدر میں قریش پر نازل ہوئی۔ تم جانتے ہو کہ میں سچا نبی ہوں تم نے اپنی کتابوں میں میرے اوصاف دیکھے ہیں۔ وہ بولے قریش تو فن جنگ سے ناواقف تھے اگر کبھی ہم سے مقابلہ ہوا تو معلوم ہو جائے گا کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں خبر دی کہ وہ بھی عنقریب مغلوب ہوں گے۔ رب تعالیٰ نے یہ وعدہ سچا کر دکھایا کہ حضور علیہ السلام نے ایک دن میں چھ سو یہودی قتل فرمائے۔ یعنی بنی قریظہ اور بہتوں کو گرفتار فرمایا اور خیبر والوں پر جزیہ مقرر کیا (خزائن العرفان)۔ انہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بھی روایت ہے کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں کفار مکہ کو شکست دی تو یہود آپس میں بولے کہ واللہ یہ سچے نبی ہیں' یہ وہی ہیں' جن کی خبر ہماری توریت میں دی گئی۔ ان کی پیروی کرلینی چاہئے تو ان میں سے بعض نے کہا کہ ابھی جلدی نہ کرو یہ فتح و شکست اتفاقیہ ہے۔ دوسری جنگ اور دیکھ لو کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جب جنگ احد میں مسلمانوں کو بظاہر شکست ہوئی۔ تو یہ یہود بغلیں بجانے لگے اور یہاں تک دلیر ہو گئے کہ جو معاہدہ حضور علیہ السلام سے کیا تھا۔ وہ بھی توڑ دیا اور ان کا سردار کعب بن شرف 60 ہمراہیوں کو لے کر کفار مکہ کے پاس پہنچا۔ اور ان سے کہا کہ تم باہر سے مسلمانوں پر حملہ کرو۔ ہم بیچ مدینہ کے ان پر حملہ کردیں گے۔ ان کو ایسے پیس دو جیسے چکی میں دانہ' کفار مکہ بولے کہ تم اور مسلمان دونوں اہل کتاب ہو۔ اگر تم ان سے مل گئے تو ہم کیا کریں گے۔ کعب بولا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ کفار نے کہا کہ اچھا ہمارے لات و منات کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھالو تو ہمیں اعتبار آجائے۔ کعب نے ایسا ہی کیا۔ اور کہا کہ ہم تم آپس میں پھر لڑیں یا نہ لڑیں۔ ابھی تو اسلام کی مصیبت ہم تم دونوں پر ہے۔ آؤ مل کر اسے پہلے مٹا لیں۔ سچ ہے **الکفر ملۃ واحدۃ** کفر ایک ہی دین ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں پیشگوئی کی گئی ہے کہ یہ سارے کفار مل کر تم سے مقابلہ کریں گے۔ مگر مغلوب ہوں گے (خازن)۔

تفسیر : **قل للذین کفروا ستغلبون و تحشرون الی جھنم** قل میں حضور علیہ السلام سے خطاب ہے۔ اس قل فرمانے میں دو حکمتیں ہیں۔ ایک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیف زبانی دکھانی ہے کہ جو ان کے منہ سے نکلتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ کیونکہ جب یہ پیشین گوئی کی گئی تھی تب تمام ہی حالات مسلمانوں کے خلاف تھے۔ کفار کے حق میں تھے' مسلمان مغلوب الحال تھے۔ یہود بڑے خوشحال مگر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا وہی ہوا۔ دوسرے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم دکھانا تھا کہ آپ کا سینہ علوم کا گنجینہ ہے مگر بتانے کی اجازت نہیں ان میں سے آپ یہ دو باتیں لوگوں کو بتا دیں۔ **کفروا** سے یا تو سارے کفار مراد ہیں۔ اگر یہود مدینہ یعنی بنی نضیر و بنی قریظہ مراد ہیں تب تو آیت بالکل ظاہر ہے کہ آیت کے نزول کے بعد ان میں سے کوئی ایمان نہ لایا سب ہی دوزخ میں گئے اور اگر سارے کفار عرب سے خطاب ہے تو مغلوبیت میں سب ہی مراد مگر دوزخی ہونے میں صرف وہ مراد ہوں گے جو کفر پر مرنے والے تھے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ **ستغلبون** میں دو قراتیں ہیں۔ ی اور ت سے (معانی و کبیر) جب مضارع پر سین آتا ہے تو قریب مستقبل کے معنی ہوتے ہیں یعنی تم عنقریب دنیا میں بہت جلد اسلام اور مسلمانوں سے مغلوب ہو گے کہ بنی قریظہ مقتول ہوں گے اور بنی نضیر نکالے جائیں گے۔ **تحشرون'** حشر سے بنا جس کے معنی ہیں اپنی جائے قرار سے مصیبت کی طرف نکالنا اور جمع کرنا **و اذا الوحوش حشرت** یا جیسے

والطیر محشورۃ مگر الیٰ سے معلوم ہوا کہ یہاں ہانکنے کے معنی مراد ہیں۔ کیونکہ یہ انتہا کو چاہتا ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہود یا سارے کفار سے فرمادو کہ عنقریب تم سب مسلمانوں کے مقابلہ میں مغلوب ہو جاؤ گے اور آخرت میں دوزخ کی طرف ایسے ہانکے جاؤ گے۔ جیسے جانور اس مختصر سے الفاظ میں دونوں جہان کی خبر ہے۔ مغلوبیت اس جہاں کی خبر ہے' جہنمی ہونا اس کی جزا اس **تحشرون** میں ان کفار کا کفر پر رہنا۔ کفر پر مرنا' قبر میں ذلیل ہونا' قیامت میں روسیاہ ہونا' پھر دوزخ میں جانا۔ سب اس میں ہی داخل ہے تو اس آیت میں ہر جگہ کی خبر ہے۔ **تحشرون** کے معنی ہیں۔ مرتے وقت دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے کہ قبر میں دوزخ کا عذاب ہوگا یا بعد قیامت فرشتے دوزخ کی طرف ہی ہانک دیئے جائیں گے۔ **و بئس المھاد**' **بئس** باساء سے بنا بمعنی تکلیف اور شدت رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس** ـ مہاد مہد سے بنا بمعنی ابتدائی حالت اسی لئے تقریر کے شروع کو تمہید کہتے ہیں اور بچے کے گہوارے کو مہاد۔ کیونکہ بچہ ابتدائی حالت میں وہاں آرام کرتا ہے۔ اصطلاح میں مہاد ہر بستر کو کہا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **والارض فرشنھا فنعم الماھدون**ـ یعنی وہ دوزخ برا ابستر ہے جو ان کے لئے تجویز کیا گیا۔ اس کلام میں ادھر اشارہ ہے کہ جیسے گہوارہ بچہ کو ہر طرف سے گھیرے ہوتا ہے۔ ایسے ہی ان کو دوزخ ہر طرف سے گھیرے گی اور قلب و قالب . . . گی۔ **قد کان لکم اٰیۃ" فی فئتین التقتا**ـ یہ جملہ یا تو پہلے کلام کا تتمہ ہے اور اسی قل کا مفعول اور اس میں یہود سے خطاب ہے یا یہ جملہ نیا ہے رب تعالیٰ کا مقولہ چونکہ اس زمانہ کے کفار بھی اور آئندہ کے کفار بھی فتح بدر کو اتفاقی واقعہ سمجھتے تھے نہ کہ قدرت الٰہی کا نمونہ جانتے تھے۔ اسی لئے قد ارشاد ہوا۔ جس مضمون کے انکاری موجود ہوں یا ہونے والے ہوں وہاں قد یا ان وغیرہ سے تاکید کی جاتی ہے لکم میں یا یہود سے خطاب ہے یا سارے کفار سے یا مسلمانوں سے یا غازیان بدر سے اگر کفار سے خطاب ہے تو آیت سے مراد ہے نشان عذاب اور اگر مسلمانوں سے خطاب ہے تو آیت سے مراد ہے نشان رحمت یا نشان قدرت۔ کان کے معنی تھا بھی ہو سکتے ہیں اور ہے بھی۔ آیت بمعنی نشانی اس کی تنوین تعظیمی ہے **فئتین فئۃ** کا تثنیہ ہے **فئۃ** کے معنی واپس ہونا اور لوٹنا ہیں **حتی تفیء الی امر اللہ**ـ اس لئے مال غنیمت اور سایہ کو فیء کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں ہر جماعت خصوصاً لشکر کو فیء بولتے ہیں کیونکہ ان میں ہر ایک دوسرے کی طرف مدد کے لئے لوٹتا ہے۔ اس سے جنگ بدر کے دو لشکر مراد ہیں۔ ایک مسلمانوں کا جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ دوسرا کفار کا جس کی تعداد نو سو پچاس تھی۔ آخر میں ایک ہزار ہو گئی تھی **التقتا** لقاء کا باب افتعال ہے۔ بمعنی آپس میں ایک دوسرے سے ملنا یہاں بدر کے دن جنگ کے لئے اکٹھے ہوئے۔ وہ قدرت کی بڑی نشانی ہے۔ یا اے مسلمانوں جنگ بدر کے یہ دو لشکر نمونہ قدرت الٰہیہ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تمہیں غالب رکھے گا۔ اور انہیں مغلوب **فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ** یہ جملہ پہلے جملہ کی تفصیل ہے اور فئۃ احدھما محذوف کی خبر سبیل اللہ سے یا تو اللہ کا دین مراد ہے یا اللہ کی اطاعت یعنی ان دونوں لشکروں میں سے ایک جماعت اللہ کی راہ میں جہاد کرتی تھی **و اخریٰ کافرۃ**ـ یہ پورا جملہ ہے۔ پہلے پر معطوف' اگرچہ مقابلہ کا تقاضا یہ تھا کہ فرمایا جاتا کہ دوسری جماعت شیطانی راہ میں لڑتی تھی مگر اس مضمون کو نہایت نفیس اور لطیف اشارے سے بیان فرمایا کہ دوسری جماعت کافرہ تھی وہ راہ الٰہی میں کیا لڑتی۔ خیال رہے کہ اخریٰ فئۃ پوشیدہ کی صفت ہے اور کافرہ کا تعلق پوشیدہ سے ہے۔ یعنی دوسری جماعت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منکر تھی۔ **یرونھم مثلیھم رای العین** یہ جملہ یا مستقل نیا جملہ ہے۔ یا اخریٰ **کافرۃ** کی صفت یرون کا فاعل جماعت کفار ہے

اور ھم کا مرجع جماعت مسلمین مثلی بمعنی مثل کا تثنیہ ہے۔ معنی دو مثل یعنی دو گنا یا تگنا رای العین یرون کا مفعول مطلق ہے۔ خیال رہے کہ رای اور رویت تو آنکھ سے دیکھنے کو کہا جاتا ہے اور رویا خواب کو اور یرون دونوں مصدروں سے بن جاتا ہے۔ یرون میں چونکہ احتمال تھا کہ شاید خواب مراد ہو۔ اس لئے رای العین فرمایا گیا۔ اور زیادہ وضاحت کے لئے اس کو عین کی طرف مضاف کر دیا۔ یعنی مسلمان تھے تو تھوڑے مگر کفار انہیں اپنی آنکھوں سے اپنے سے دو گنا یا تگنا محسوس کرتے تھے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یرون کا فاعل لشکر اسلام ہے اور ھم سے مراد کفار یعنی مسلمان کفار کو اپنے سے دو گنا محسوس کرتے تھے۔ حالانکہ وہ ان سے تگنے سے بھی زیادہ تھے یا شروع جنگ میں مسلمانوں نے کفار کو زیادہ محسوس کیا۔ اور کفار نے مسلمانوں کو تھوڑا جانا تاکہ مسلمانوں کے صبر کی آزمائش ہو اور کفار جنگ کی ہمت کریں۔ مگر جنگ چھڑ جانے پر مسلمانوں کو کفار تھوڑے دکھائی دینے لگے۔ اور کفار کو مسلمان زیادہ لہذا یہ دونوں تفسیریں درست ہیں۔ یہ واقعہ یا تو حضور علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ یا کفار کو وہ فرشتے نظر آنے لگے تھے جو مسلمانوں کی مدد کے لئے آئے تھے۔ اسی لئے ارشاد ہوا۔ واللہ یوید بنصرہ من یشاء یہ نیا جملہ ہے۔ یوید تائید سے بنا۔ جس کا مادہ اید بمعنی قوت ہے۔ یعنی اللہ جسے چاہے اپنی مدد و فتح دے خواہ اس کے پاس فتح کا سامان ہو یا نہ ہو۔ ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار۔ ذلک سے یا تو سارے واقعہ کی طرف اشارہ ہے یا اس دیکھنے کی طرف یا فتح بدر کی طرف عبرۃ عبور سے ہے۔ بروزن فعلۃ جیسے جلسۃ و جلوس و رکبۃ و رکوب اس کے لغوی معنی گزر جانا ہے۔ اسی لئے راستہ طے کرنے کو عبور کہا جاتا ہے چونکہ عبرت و نصیحت سے انسان جہالت سے علم کی طرف آجاتا ہے۔ اسی لئے اسے عبرت کہتے ہیں ابصار جمع بصر کی ہے مگر یہاں بمعنی بصیرت یا عقل ہے یعنی اس جنگ بدر کے واقعہ میں عقلمندوں یا بصیرت والوں کے لئے بڑی عبرت ہے کہ اسے دیکھ کر آئندہ کے لئے نصیحت پکڑیں۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو کفار اسلام مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں یا اس کی تباہی کے منتظر ہیں ان سے علانیہ فرما دو کہ تم سارے اکٹھے ہو جاؤ۔ اپنی طاقت جمع کر لو۔ مگر تمہاری قسمت میں دونوں جہان کی رسوائی ہے وہ اس طرح کہ دنیا میں تو کوئی دم جاتا ہے جو تم اسلام کے مقابلہ میں مغلوب ہو جاؤ گے اور آخرت میں تم سب دوزخ کی طرف جانوروں کی طرح ہانک دیئے جاؤ گے اور دوزخ تو بڑا برا بستر ہے جہاں آرام کی کوئی صورت نہیں۔ اور مصیبت کے سارے اسباب جمع ہیں۔ مسلمانوں کی کمی اور ان کی بے سامانی کو مت دیکھو یہ تھوڑی جماعت تمام دنیا پر چھا جائے گی۔ اگر تمہیں اس کا ثبوت چاہئے تو جنگ بدر کا واقعہ یاد کر لو وہ اس قدرت کی کھلی نشانی ہے اس دن میدان بدر میں دو لشکر اکٹھے ہوئے تھے ایک مسلمانوں کا جو راہ الٰہی میں سرکف ہو کر آ گیا تھا۔ اور دوسرا کافروں کا جو اپنی نفسانی خواہشوں پر جنگ کر رہا تھا۔ مسلمان حقیقت میں تھوڑے اور بے سامان تھے۔ کفار کے تہائی تھے مگر رب کی شان تو دیکھو کہ وہ کافروں کو اپنے سے دو گنے تگنے نظر آئے اور یہ تھوڑے ان پر چھا گئے معلوم ہوا کہ اللہ کی مدد ان کے شامل حال تھی۔ رب تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے۔ اگر غور کرو تو جنگ بدر میں عقل والوں کے لئے بڑی ہی عبرت ہے وہ اس سے آئندہ کا پتہ لگا لیں اور آئندہ اسلام کے مقابلہ ہمت نہ کریں۔ خیال رہے کہ جنگ بدر کو چند وجوں سے نشان قدرت قرار دیا گیا ایک یہ کہ اس جنگ کی پیشگوئی پچھلی آسمانی کتابوں میں بھی ہے۔ چنانچہ سعیاہ نبی کی کتاب 21 سے 213 آیت تک کہ وہاں ارشاد فرمایا گیا "عرب کے صحرا میں تم رات کو کاٹو گے اے ددانیوں کے قافلو۔ پانی لے کے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے کے تیما کی سرزمین کے باشندو۔ روٹی کو لئے ہوئے بھاگنے والوں کے ملنے کو نکلو

کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں کیونکہ خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا۔ ہنوز ایک برس ہاں مزدور کے سے ایک ٹھیک برس قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیراندازوں کے جو باقی رہے گی۔ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔ دیکھو اس عبارت میں ہجرت اور جنگ بدر کی صاف پیش گوئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ روٹیاں لے کر ہی روانہ ہوئے تھے۔ اور تلواروں میں سے نکلے تھے اور پہاڑ کے غار میں قیام بھی فرمایا تھا اور ایک سال کے بعد ہی جنگ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ جس میں ابوجہل وغیرہ سرداران قریش مارے گئے۔ قیدار ان کتابوں میں اسمٰعیل علیہ السلام کا نام تھا۔ دوسرے یہ کہ جنگ بدر میں مسلمان بہت کمزور تھے اور کافر نہایت قوی۔ تیسرے یہ کہ مسلمان مدینہ منورہ سے جنگ کے ارادہ سے نکلے بھی نہ تھے۔ کفار اسی ارادہ سے آئے تھے۔ چوتھے یہ کہ مسلمانوں کے پاس سامان جنگ بھی برائے نام ہی تھا۔ کفار کے پاس بیشمار۔ پانچویں یہ کہ ان مسلمانوں کی یہ پہلی جنگ تھی۔ اور کفار جنگ میں بڑے ماہر تھے۔ چھٹے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے پہلے زمین پر خط کھینچ کر فرمادیا تھا کہ یہاں فلاں کافر مرے گا اور یہاں فلاں اور ایسا ہی ہوا۔ ساتویں وہ جو خود قرآن نے بیان فرمایا کہ مسلمان تھوڑے تھے مگر کفار کو اپنے سے دگنے نظر آئے آٹھویں یہ کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی مدد کے لئے پانچ ہزار فرشتے آسمان سے اترے۔ نویں یہ کہ اس جنگ میں ابوجہل کو مسلمانوں کے دو کم سن بچوں نے قتل کیا۔ ان وجوہ سے جنگ بدر کو نشان قدرت فرمایا گیا ورنہ جنگیں تو اور بھی بہت سی ہوئیں (کبیر)۔ یہ بھی خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے یہاں غازیان بدر کے متعلق فرمایا **تقاتل فی سبیل اللہ** کہ یہ جماعت اللہ کی راہ میں جہاد کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ جہاد کرنے والا مومن ہو، کفار کی کوئی نیکی اللہ کی راہ میں نہیں اللہ کی راہ میں وہ جو رب تعالیٰ کے ہاں قبول ہو اور جس پر ثواب ملے۔ قبول و ثواب کی شرط ایمان ہے۔ دوسرے یہ کہ جہاد اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ ہو اس ایک جملہ میں رب تعالیٰ نے غازیان بدر کے ایمان تقویٰ اخلاص سب کی گواہی دے دی پھر دوسری جماعت کے متعلق فرمایا **اخری کافرۃ** دوسری فوج کافر تھی۔ یعنی پہلی فوج خالص مومن تھی۔ اگر وہ فوج بھی منافقین یا کفار کی ہوتی تو **اخری کافرۃ** کے کیا معنی تھے اب جو ان صحابہ پر کفر یا نفاق یا ریا کا الزام لگائے۔ وہ اس آیت کا منکر ہے۔ بدر اور حدیبیہ میں کوئی منافق یا کافر شریک نہ ہوا۔ پھر مومنوں کو **فئۃ** فرمایا معلوم ہوا کہ صحابہ چار پانچ نہ تھے بلکہ فوج در فوج تھے جنہیں **فئۃ** کہا گیا۔

جنگ بدر

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کل انیس جہاد فرمائے۔ نو میں بنفس نفیس شرکت فرمائی پہلا غزوہ عشیرہ دوسرا غزوہ ابواء تیسرا غزوہ ابواط چوتھا غزوہ بدر مگر ان میں سے نو میں باقاعدہ جنگ ہوئی تھی۔ باقی میں معمولی جھڑپیں یا صلح وغیرہ۔ وہ نو یہ ہیں۔ بدر، احد، احزاب، بنی قریظہ، بنی مصطلق، خیبر، فتح مکہ، حنین اور طائف (بخاری و حاشیہ بخاری)۔ جن لوگوں نے فرمایا کہ سب سے پہلا غزوہ جنگ بدر ہے ان کا یہی مطلب ہے کہ باقاعدہ غزوہ جس میں جنگ واقع ہوئی وہ یہی ہے۔ یہ جنگ ماہ

رمضان 2 ہجری جمعہ کے دن ہوئی۔ بارہویں رمضان اتوار کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ اور سترھویں رمضان جمعہ کے دن جنگ واقع ہوئی۔ اور انیس رمضان اتوار کے دن اس سے فراغت حاصل ہوئی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ان تمام جہادوں میں کل ایک ہزار آٹھ کفار مارے گئے اس جنگ کا واقعہ یہ ہوا کہ جب مسلمان مدینہ منورہ میں امن سے بیٹھے تو کفار مکہ کو بہت ناگوار گزرا کہ یہ جماعت ہمارے پنجہ ظلم سے کیوں نکل گئی۔ اس کے لئے وہ طرح طرح کی تدبیریں کرنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے ابو سفیان کو تجارتی مال دے کر ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ کیا اور طے یہ ہوا کہ اس کا سارا نفع ہتھیاروں اور سامان جنگ پر خرچ کیا جائے گا تاکہ مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیا جائے۔ خدا کی شان کہ ابو سفیان کو اس تجارت میں بہت نفع ہاتھ آیا۔ جب وہ وہاں سے لوٹے تو مدینہ منورہ راستہ میں پڑتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سارے واقعہ کی خبر مل چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ چل کر اس قافلہ کو روک لو اور اس کا مال چھین لو کیونکہ یہ تیاری جنگ کے لئے ہے۔ چنانچہ کل تین سو تیرہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس ارادہ سے نکلے۔ جن میں ستتر مہاجرین تھے اور دو سو چھتیس انصار۔ مہاجرین کے علمبردار علی مرتضیٰ تھے اور انصار کے حضرت سعد ابن عبادہ ان کے ساتھ دو گھوڑے، ستر اونٹ اور چھ زرہ اور آٹھ تلواریں تھیں اور اس چھوٹے سے قافلہ کے سپہ سالار اعظم خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

تھے ان کے پاس دو گھوڑے، چھ زرہیں آٹھ شمشیریں
پلٹنے آئے تھے وہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں
یہ لشکر ساری دنیا میں انوکھا اور نرالا تھا!
کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا!
یہ وہ تھے جن سے حق کا بول بالا ہونے والا تھا
یہ وہ تھے جن سے دنیا میں اجالا ہونے والا تھا

اس جنگ میں آٹھ حضرات عذر کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے، تین مہاجر حضرت عثمان جن کی بیوی رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کی تیمارداری کے واسطے رک گئے اور طلحہ اور سعید ابن زید جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ مشرکین کی تلاش کے لئے بھیجا تھا اور پانچ انصاری ان تمام کا غنیمت میں حصہ مقرر کیا گیا سواری کی کمی کی وجہ سے ایک اونٹ پر باری باری سے چند صاحب سوار ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ اور زید ابن حارثہ حضور علیہ السلام کے ساتھ سواری میں شریک تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آئی تو یہ حضرات عرض کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار رہیں۔ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عوض پیدل چلیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ نہ میں تم سے زیادہ کمزور ہوں اور نہ ثواب سے مستغنی۔ ادھر ابو سفیان کو علامات سے پتہ لگ گیا کہ مسلمان ہمارے قافلہ کو روکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ضمضم ابن عمرو غفاری کو ابو جہل کے پاس مکہ کی طرف دوڑایا کہ ہماری مدد کے لئے جلد آؤ ہم پر مسلمانوں کا حملہ ہونے والا ہے۔ اس نے اپنی قمیص پھاڑی، اپنے اونٹ کی ناک کاٹی (یہ اس زمانہ میں انتہائی خوف کی علامت ہوا کرتی تھی) اور چیخا الغوث الغوث یعنی مدد کے لئے چلو مسلمانوں سے تمہارے قافلہ کو خطرہ ہے۔ ابو جہل یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے سارے مکہ میں اعلان کر دیا کہ کوئی شخص مکہ میں نہ رہے سب جنگ کے لئے چلیں۔ ابو لہب نے تو اپنے بجائے خاص ابن ہشام کو بھیج دیا۔ امیہ ابن خلف حضرت بلال کا پہلا مالک چھپتا پھرتا تھا۔ اس کی بیوی کریمہ بنت معمر نے کہا کہ تو تو بڑا ابھار رہتا تھا آج تجھے کیا ہو گیا جو نہتے مسلمانوں کے مقابلہ سے گھبراتا ہے۔ وہ بولا کہ میرے دوست سعد ابن معاذ نے

خبر دی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امیہ ہمارے ہاتھ سے مارا جائے گا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات جھوٹ نہیں ہوتی (بخاری)۔ میں نہ جاؤں گا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا ابو جہل کو بھی یقین تھا) مگر ابو جہل نے نہ چھوڑا۔ اسے بھی ساتھ لے لیا غرضکہ کفار نو سو پچاس (950) کی تعداد میں وہاں سے نکلے۔ ان کا سردار عتبہ ابن ربیعہ تھا۔ اور ان کے پاس سو گھوڑے، سات سو اونٹ، اور بے شمار زرہیں اور ہتھیار تھے۔ اس کے علاوہ شراب کے مٹکے۔ گانے والی عورتیں عیش و طرب کا سامان بکثرت تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ہم مسلمانوں کو شکست دے کر کچھ دن وہاں مزے اڑا کر جشن کرکے لوٹیں گے۔ ادھر ابو سفیان نے مدینہ منورہ کا راستہ چھوڑ کر سمندر کے کنارے کا راستہ اختیار کیا اور صحیح سلامت قافلہ کو مکہ پہنچا دیا۔ اور ابو جہل کو کہلا بھیجا کہ اب جنگ کی ضرورت نہیں۔ تمہارا قافلہ بخیریت مکہ پہنچ گیا۔ مغرور ابو جہل نہ مانا اور ابو سفیان کو کہلا بھیجا کہ مرد جس کام کے لئے نکل پڑتے ہیں 'بغیر انجام دیئے واپس نہیں لوٹتے۔ ابو سفیان تم بھی معہ قافلہ ہم سے آملو۔ مسلمانوں نے ہمارے مقابلہ کی ہمت ہی کیوں کی ان کو ہمیشہ کی نیند سلا دو۔ غرض کہ پچاس آدمی یہ بھی لشکر کفار سے مل گئے۔ جن مورخین نے کفار کی تعداد ساڑھے نو سو بیان کی ہے وہ مکہ سے نکلتے وقت کی تعداد ہے اور جن حضرات نے ایک ہزار بیان کی وہ بوقت جنگ کی تعداد ہے۔ غرضکہ کفار اب ایک ہزار ہو گئے۔ ادھر مسلمانوں کو سارے حالات کا پتہ لگا ان میں سے بعض لوگ اس لئے پریشان ہو گئے کہ سمجھ کر کیا آئے تھے اور کیا پیش آگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثاروں سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ اور انصار سے فرمایا کہ اگر اس وقت جنگ ہو گئی تو کیا تم میرا ساتھ دو گے۔ حضرت سعد ابن معاذ جوش میں اٹھے اور عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود غور فرمالیں۔ ہمارا حال تو یہ ہے۔

تعالیٰ اللہ یہ شیوہ ہی نہیں ہے باوفاؤں کا
پیا ہے دودھ ہم لوگوں نے غیرتمند ماؤں کا

نبی کا حکم ہو تو پھاند جائیں ہم سمندر میں
جہاں کو محو کر دیں نعرۂ اللہ اکبر میں

قریش مکہ تو کیا چیز ہیں دیووں سے لڑ جائیں
سنان تیز بن کر سینۂ باطل میں گڑ جائیں

حضرت مقداد نے عرض کیا یا حبیب اللہ ہم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی نہیں ہیں جو اپنے پیغمبر سے کہہ دیں کہ آپ اپنے رب کو لے کر کفار سے جنگ کریں ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعائے خیر کی اور وہاں سے کوچ کرکے میدان بدر میں اس کنارہ پر قیام کیا جو مدینہ منورہ سے قریب ہے اور کفار مکہ اس کے مقابل کنارہ پر ٹھہر گئے۔ خیال رہے کہ مقام بدر مدینہ منورہ سے جانب مکہ معظمہ تین منزل فاصلہ پر ہے۔ اسے بدر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے پاس ایک گاؤں ہے جسے بدر ابن مخلد ابن نضر ابن کنانہ نے آباد کیا تھا۔ اور اس جگہ بدر ابن حارث نے ایک کنواں کھدوایا تھا جس کنویں کا نام چاہ بدر اور گاؤں کا نام قریہ بدر مشہور ہو گیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ بدر کے معنی ہیں چودھویں رات کا چاند' چونکہ اس کنوئیں کی من پورے چاند کی طرح بالکل گول ہے اور اس کے صاف و شفاف پانی میں چاند کا عکس پڑتا تھا۔ اس لئے اسے بدر کہتے ہیں (مدارج النبوۃ جلد دوم)۔ خدا کی شان مسلمانوں کا کنارہ ریگستان تھا۔ جس میں چلنا مشکل اور پانی بہت کم تھا اور کفار کا کنارہ خالص زمین تھا۔ انہوں نے وہاں کنواں بھی کھود دیا۔ مسلمانوں کو بہت دشواری ہو گئی۔ مسلمانوں نے اپنے مشکیزے بھر لئے قرآن کریم فرماتا ہے **و ینزل علیکم من السماء ماء لیطهرکم** الخ میدان بدر کی یہ جمعہ کی رات بھی عجیب رات تھی۔ جبکہ بدر کے ایک کنارے ایمان تھا اور دوسری طرف طغیان۔ ایک طرف شیطانی لشکر اور دوسری طرف رحمانی۔ اس طرف سجدہ و

سجود تھا۔ ادھر کھیل کود 'وہ مسلمان نشہ ءالہی میں مخمور کفار شراب میں چور غرض سعادت و شقاوت کا ایسا اجتماع آسمان نے کبھی نہ دیکھا ہو گا کہ ایک طرف سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے جان نثار نمازیں پڑھ رہے ہیں دوسری طرف کفار کا سردار ابو جہل اور اس کے یار گا بجا رہے ہیں ادھر خوشی منائی جا رہی ہے۔ ادھر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر خط کھینچ کر ہر ایک کے مرنے کی جگہ بتا رہے تھے۔ غرض جمعہ کا سویرا نمودار ہوا۔ دونوں طرف سے صف آرائی ہوئی۔ اس طرف ابو جہل و عتبہ اپنی صف بندی کر رہے تھے۔ ادھر خود جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی صفیں درست فرما رہے تھے۔ مبارک ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ جس سے صحابہ کرام کو اشارہ کر کے سیدھا کرتے تھے۔ حضرت سوادابن غزیہ جان بوجھ کر صف سے کچھ آگے کھڑے ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر چھڑی لگا کر فرمایا اے سواد سیدھے ہو جاؤ۔ سواد نے عرض کیا یا حبیب اللہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ عدل و انصاف کا دربار ہے۔ مجھ کو بلا قصور کیوں مار پڑی۔ میں اس کا بدلہ چاہتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے چھڑی سواد کو دے کر اپنا سینہ کھول دیا۔ اور فرمایا مجھ سے بدلہ لے لے۔ سواد چھڑی پھینک کر جسم اطہر سے لپٹ گئے اور سینہ پاک کو چومنے لگے۔ فرمایا سواد یہ کیا عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میرا آخری وقت ہے سب سے پہلے میں ہی شہید ہوں گا۔ میں نے چاہا کہ آخری وقت اپنا بدن حضور (علیہ السلام) کے بدن مبارک سے قریب کروں اور اس بہانہ سے سینہ فیض گنجینہ کے بوسے لے لوں (مدارج) اس زمانہ میں جنگ کا دستور یہ تھا کہ پہلے شخصی لڑائی ہوتی تھی جسے مبارزت کہتے ہیں پھر گھمسان کا رن پڑتا تھا۔ اسی قاعدہ کے موافق لشکر کفار سے ربیعہ کے دو بیٹے عتبہ 'شیبہ اور عتبہ کا بیٹا ولید سامنے آئے اور اپنا مقابل مسلمانوں سے مانگا۔ مسلمانوں میں سے حضرت عوف اور معاذ بن حارث اور عبد اللہ ابن رواحہ نکلے۔ کفار بولے کہ ہم تمہیں نہیں جانتے۔ مہاجرین میں سے کسی کو بھیجو جو ہمارے قرابت دار ہیں۔ چنانچہ اب اس طرف سے عبیدہ ابن حارث اور حضرت حمزہ اور علی مرتضیٰ نکلے۔ حضرت عبیدہ جن کی عمر اسی (80) سال سے زیادہ تھی عتبہ کے مقابل میں آئے اور حمزہ شیبہ کے مقابلہ میں اور علی مرتضیٰ ولید کے مقابل کھڑے ہوئے۔ حضرت علی نے ولید کو اور حمزہ نے شیبہ کو تو قتل کر دیا مگر عبیدہ اور عتبہ نے ایک دوسرے پر وار کیا حضرت عبیدہ زخمی ہوئے اور کچھ دیر بعد وفات پا گئے اور اسی مقام پر وادی صفرا میں دفن ہوئے۔ ادھر حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف کے آس پاس انصار کے دو بچے حضرت معوذ ابن عفرا اور معاذ ابن عمرو نے عبد الرحمٰن ابن عوف سے پوچھا کہ ابو جہل کہاں ہے؟ آپ نے پوچھا تم کیا کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا۔

قسم کھائی ہے دونوں نے کریں گے قتل ناری کو   سنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوب باری کو

اتفاقاً" ابو جہل بھی سامنے ہی اپنے لشکر میں ٹہل رہا تھا۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ وہ ہے۔ یہ دونوں بچے اس پر ایسے جھپٹے جیسے چڑیا پر باز اس کے لشکر میں پہنچ کر معوذ نے گرایا اور معاذ نے قتل کر دیا۔ قتل تو کر دیا مگر کفار نے انہیں ایسا گھیر لیا جیسے چاند کا ہالہ۔ دونوں ان کے وار کو بچاتے اور حملہ کرتے ہوئے پیچھے ہٹتے تھے۔ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے معاذ کے کندھے پر ایک وار کیا جس سے ہاتھ جسم سے جدا ہو گیا۔ مگر کچھ کھال جڑی رہی انہوں نے فوراً" تلوار بائیں ہاتھ میں پکڑی اور عکرمہ کے پیچھے بھاگے ان کا یہ کٹا ہوا ہاتھ پاؤں میں الجھتا تھا۔ پاؤں میں دبا کر اس کو توڑ دیا۔ اتنے میں عکرمہ ان کی نگاہ سے غائب ہو گیا۔ پھر یہ اپنا کٹا ہوا ہاتھ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے اس ہاتھ کو کندھے پر رکھ کر اپنا لعاب دہن شریف لگا دیا جس سے وہ ہاتھ بالکل درست ہو گیا۔ اور آپ خلافت عثمانی تک زندہ رہے اور ہاتھ نہایت قوی رہا۔ مدارج النبوت میں فرمایا گیا

کہ معوذ اس دن شہید ہو گئے مگر بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ رہے اور ابو جہل کے سامان کا مطالبہ کیا۔ خیال رہے کہ جنگ بدر میں جو کفار آئے تھے ان میں بہت سے مسلمانوں کے قرابت دار تھے اور صحابی کے ہاتھ سے اس کا قرابتی مارا گیا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے اپنے والد جراح کو اور حضرت مصعب ابن عمیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمیر کو اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص ابن ہشام ابن مغیرہ کو اور حضرت علی و حمزہ نے اپنے قرابت داروں یعنی ربیعہ کے بیٹوں کو قتل کیا۔ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ **لا تجد قوما " یؤمنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ** الخ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس اور حضور علیہ السلام کے داماد حضرت ابو العاص بھی اس جنگ میں کفار کی طرف سے آئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبدالرحمٰن کو جنگ کے لئے بلایا۔ فرمایا کہ تو شیطان کا ساتھی ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام آباپ بیٹے کے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ حضور علیہ السلام نے روک دیا۔ فرمایا کہ ابو بکر بس اس کی اجازت نہیں۔ حضور علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ سب لوگ آخر میں ایک دن صحابی بننے والے ہیں انہیں کے لئے فرمایا گیا۔ **رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ہم المفلحون** غرض جنگ کیا تھی قدرت الٰہی کا نمونہ تھا۔ اس جنگ میں چودہ صحابی شہید ہوئے چھ مہاجر آٹھ انصار۔ اور ستر کافر مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں نے شاندار فتح پائی جنگ کے بعد حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو جہل کی لاش پر پہنچے دیکھا کہ وہ سسک رہا ہے آپ اس کے سینہ ناپاک پر بیٹھے اس کی داڑھی پکڑ کر بولے کہ ابو جہل تو ہی ہے وہ بولا کہ آج تم نے عرب کے سردار کو مار لیا۔ کاش مجھے کوئی بڑا آدمی مارتا۔ افسوس یہ ہے کہ مجھے دیہاتیوں کے دو لڑکوں نے مارا۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود نے اس مغرور کا سر تن سے جدا کیا۔ خیال رہے کہ اس جنگ میں کفار کے چوبیس بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ جن میں ابو جہل اور امیہ ابن خلف 'حضرت بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا پہلا مالک بھی تھا۔ ان کی لاشیں چاہ بدر کے جھیرے میں ڈالی گئیں جن سے بدبو نکلتی تھی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح بدر کے بعد تین دن وہاں قیام فرمایا۔ واپسی کے وقت ان خبثاء کی لاشوں پر کھڑے ہو کر آواز دی کہ اے فلاں فلاں کیا تم نے رب کے وعدہ کو سچا پالیا۔ حضرت عمر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بے جان جسموں سے کلام فرماتے ہیں۔ فرمایا اے عمر تم ان سے زیادہ نہیں سنتے (بخاری)۔ اس جنگ میں کفار کا وہ سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ گویا وہ انہیں کے لئے لائے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے ان قیدی کفار کے بارے میں مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے عرض کیا یا حبیب اللہ یہ کفر کے سردار ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم میں سے ہر مسلمان اپنے قرابت دار کافر کو قتل کرے۔ چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) عباس اور ابو العاص کو قتل کریں۔ ابو بکر صدیق اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو قتل کریں گے۔ میں اپنے بھائی کو قتل کروں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ انہیں مال لے کر چھوڑ دیا جائے۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ آئندہ ایمان لے آئیں اور خدمت اسلام انجام دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کی رائے کو اختیار کیا۔ مگر بعد میں قرآن کریم نے فاروق اعظم کی رائے کو ترجیح دی۔ چنانچہ ان سب کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ اس فدیہ میں بہت پر لطف واقعہ یہ درپیش آیا کہ جب حضرت عباس سے فدیہ طلب کیا گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں۔ کیا آپ

کو یہ گوارا ہو گا کہ آپ کے چچا کو چھڑانے کے لئے مکہ میں چندہ جمع کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم جنگ کے لئے چلے تھے تو آپ نے میری چچی یعنی اپنی بیوی کو چار سو دینار چھپ کر دیئے تھے اور کہا تھا کہ اگر میں لوٹ آیا تو لے لوں گا اور اگر جنگ میں مارا گیا تو اس سے بچوں کو پالنا۔ ان سے فدیہ ادا کرو۔ حضرت عباس خاموش ہوئے اور فدیہ ادا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب جو ابو العاص کی اس وقت بیوی تھی انہوں نے اپنا ہار اور کچھ زیور جو حضور علیہ السلام نے انہیں جہیز میں دیا تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قیدی یعنی میرے شوہر کا فدیہ ہے' قبول فرمایا جائے اور میرے شوہر کی جان بخشی جائے۔ اس سامان کو دیکھ کر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہوئی اور صحابہ کرام زارو زار رونے لگے۔ کیونکہ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زیور تھا۔ اور طے یہ ہوا کہ یہ زیور واپس کر دیا جائے اور ابو العاص کو بلا معاوضہ چھوڑ دیا جائے۔ جب ابو العاص چھوٹ کر چلے تو انہیں حکم دیا گیا کہ حضرت زینب کو یہاں پہنچا دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بعد میں خود وہ بلکہ حضرت عباس حضرت عبد الرحمن وغیرہ سب مسلمان اور صحابی ہوئے (رضی اللہ عنہم) اس لئے فرمایا گیا کہ جنگ بدر نشان قدرت ہے۔

فائدے : اس آیت اور اس واقعہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا۔ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر سے پہلے اس کے واقعات کی خبر دی۔ دوسرا فائدہ: کون کہاں مرے گا۔ یہ ان پانچ علوم میں سے ہے۔ جس کا دیوبندی سخت انکار کرتے ہیں مگر اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا علم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط کھینچ کر فرمایا کہ فلاں کافر یہاں مرے گا۔ تیسرا فائدہ: کفار مکہ جو حضور علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علم غیب کے قائل تھے۔ دیکھو امیہ ابن خلف کو جب یہ خبر پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے مارے جانے کی خبر دی ہے تو اس نے یہ نہ کہا کہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں بلکہ اسے یہی کہتے نبی کہ ان کی بات کبھی جھوٹی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: جنگ بدر بڑی مقبول جنگ ہوئی۔ اس میں شرکت کرنے والے صحابہ کرام یقیناً جنتی ہیں بلکہ جو فرشتے امداد کے لئے اس جنگ میں آئے تھے وہ دوسرے فرشتوں سے افضل ہیں۔ جو کوئی خلفائے راشدین کو برا کہے وہ سخت جاہل ہے۔ کیونکہ وہ حضرات اس میں شریک تھے۔ پانچواں فائدہ: ہار جیت کمی اور زیادتی سے نہیں ہوتی۔ بلکہ فتح محض اللہ کے فضل سے۔ دیکھو جنگ بدر میں مسلمان تھوڑے اور بے سرو سامان تھے اور کفار زیادہ اور سامان والے۔ مگر جیتے مسلمان۔ اس سے ان موجودہ مسلمانوں کو عبرت پکڑنی چاہئے۔ جو اپنی تعداد بڑھانے کے لئے بے دینوں کو اپنی انجمنوں اور تحریکوں میں شامل کرتے ہیں۔ وہی اسلامی تحریک اور انجمن کامیاب ہوگی۔ جس میں خالص سنی مسلمان شامل ہوں۔ عطر کو پیشاب میں ملا کر نہ بڑھاؤ' ورنہ اصل عطر بھی جاتا رہے گا۔ چھٹا فائدہ: غازیان بدر مخلص اور مجاہد فی سبیل اللہ' پکے مومن تھے۔ ان میں کوئی کافر یا منافق نہ تھا نہ آئندہ ہونے والا تھا۔ دیکھو رب نے ان کے جہاد کو **قتال فی سبیل اللہ** فرمایا اور **قتال فی سبیل اللہ** جب ہی ہو گا جب صحابہ مومن بھی ہوں مخلص بھی۔ اب جو ان کے ایمان یا اخلاص میں شک کرے وہ اس آیت کا منکر ہے۔ بلکہ ان دونوں لشکروں کو فئتہ اس لئے فرمایا کہ مومن کا لشکر تو اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔ اور

کفار کا لشکر ہر حالت میں شیاطین یا اپنے سرداروں کی طرف لوٹتا تھا۔ رجوع الی اللہ مومن کا انتہائی کمال ہے انہیں فتنہ کہنے میں بھی ان کے ایمان و اخلاص کی طرف اشارہ ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کو کفار تھوڑے دکھائی دیئے مگر دوسری آیت میں فرمایا گیا **و یقللکم فی اعینھم** یعنی اے مسلمانو ان کی نگاہوں میں تمہیں تھوڑا کر دیا ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ جنگ کی ابتداء میں کافروں کو مسلمان تھوڑے نظر آئے تاکہ وہ جنگ کی ہمت کریں اور جنگ چھڑنے کے بعد زیادہ معلوم ہوئے تاکہ مرعوب ہو جائیں یہ دو آیتیں دو وقت کے لحاظ سے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** **یرونھم** کے بعد **رای العین** کیوں فرمایا گیا۔ آنکھ ہی سے دیکھا جاتا ہے نہ کہ کان سے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ **یرونھم** میں دو احتمال تھے کہ رؤیت سے بنا ہو یا رؤیا سے (بمعنی خواب) **رای العین** سے معلوم ہوا کہ انہوں نے محض خواب خیال سے دگنا نہ دیکھا بلکہ ظاہر ظہور آنکھوں سے۔ **تیسرا اعتراض:** جو چیز موجود نہ ہو اسے دکھا دینا نظر بندی اور دھوکہ ہے جادوگر یہی کرتا ہے کہ دیکھنے والے کی آنکھوں پر اثر ڈال کر کچھ کا کچھ دکھلوا دیتا ہے۔ رب تعالیٰ کے لئے یہ فعل ناممکن ہے (آریہ)۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک وہ جو تفسیر کبیر نے دیا کہ کفار کو دہشت کی وجہ سے اندازہ میں غلطی کر گئے اور تھوڑی کو بہت سمجھ گئے۔ اسی لئے یہاں فرمایا گیا۔ **یرون** یعنی کفار دیکھتے تھے۔ یہ نہ فرمایا گیا کہ ہم نے دکھایا مگر میرے نزدیک یہ جواب کمزور ہے کیونکہ دوسری جگہ **و یقللکم** اور **و یریکموھم** بھی ارشاد ہوا۔ یعنی رب تعالیٰ نے انہیں ایسا دکھایا نیز اس وقت کفار پر گھبراہٹ کہاں تھی۔ وہ تو بڑے خوش تھے۔ اور مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر ہلاک کرنے کی نیت سے کھڑے ہوئے۔ دوسرے یہ کہ چونکہ بدر میں ملائکہ بھی مسلمانوں کے لشکر میں داخل ہو گئے تھے وہ انہیں بشکل انسانی نظر آئے۔ تیسرے یہ کہ یہ دھوکا نہ تھا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ اور رب تعالیٰ کی قدرت اس میں ان کی نظر بندی نہ تھی۔ بلکہ مسلمانوں کی جماعت کا پھیلاؤ بنا تھا۔ **چوتھا اعتراض:** ایک فرشتہ زمین کا طبقہ لوٹا سکتا ہے۔ قوم لوط و عاد و ثمود کو ایک ہی فرشتہ نے ہلاک کیا تھا۔ یہاں اتنے فرشتے کیوں آئے اور پھر ستر ہی کافر کیوں مرے؟ **جواب:** اس کا مفصل جواب انشاء اللہ اس آیت کی تفسیر میں آئے گا۔ **بخمسۃ الاف من الملئکۃ مردفین** یہاں اتنا سمجھ لو کہ جنگ بدر میں فرشتے کفار کو عذاب دینے نہ آئے تھے۔ بلکہ مسلمانوں کی عزت افزائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کے لئے ورنہ رب تعالیٰ فرما چکا ہے۔ **وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم**۔ **پانچواں اعتراض:** حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ بدر کی شرکت سے محروم رہے اور جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور بیعت رضوان کے موقعہ پر بھی غائب رہے۔ پھر تم ان کی اتنی تعریف کیوں کرتے ہو معلوم ہوا کہ وہ مومن نہ تھے۔ ورنہ ان موقعوں پر مسلمانوں کے ساتھ رہتے۔ (رافضی) **جواب:** حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ بدر میں بھی اور بیعت الرضوان میں بھی اعلیٰ درجہ سے شریک ہوئے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی غنیمت میں انہیں حصہ دیا اور بیعت الرضوان کے موقعہ پر اپنے بائیں ہاتھ کو ان (عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا ہاتھ قرار دے کر فرمایا کہ میں ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔ شرکت تو ان کی رضا کا نام ہے۔ اگر وہ میدان جنگ میں آنے سے راضی ہیں تو آنا ثواب اور اگر وہ گھر پر رہنے سے راضی ہیں تو گھر میں

بیٹھنا عبادت- خندق کے موقعہ پر حضرت علیؓ نے عصر کی نماز قضا کی اور سب نے ادا- مگر خدا کی قسم ان کی یہ قضاء ادا سے افضل تھی- کیونکہ خدمت سرکار کی وجہ سے تھی- ہجرت میں صدیق اکبر کو ساتھ لیا- علی مرتضیٰ کو وہیں چھوڑا- مگر یقیناً صدیق بھی ساتھ رہے اور علی مرتضیٰ بھی- کیونکہ وہ حضور علیہ السلام ہی کے فرمان سے وہاں رکے تھے- جنگ احد کا جواب انشاء اللہ انہیں آیتوں کی تفسیر میں آئے گا- جہاں اس کا واقعہ ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ رب نے ان کی معافی کا اعلان فرمایا دیا- جب رب تعالیٰ معاف کرے تو ان پر اعتراض کرنے والا کون؟

تفسیر صوفیانہ : کفر ازل سے مغلوب ہے اور کئی طرح مغلوب ایمان ازل سے غالب ہے اور چند طرح غالب دیکھو کفر اولا بدبختی' پھر ہوا و ہوس سے' پھر نفس سے' پھر شیطان سے' پھر دنیوی لذات سے مغلوب ہے- نفس اسے **اسفل السافلین** تک پہنچاتا ہے- اور کافر کے لئے دو قسم کی آگ ہے ایک اللہ کی آگ دوسری دوزخ کی- اللہ کی آگ تو حجاب ہے- جس کا اثر قلب پر پڑتا ہے- رب تعالیٰ فرماتا ہے **نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ** دوزخ کی آگ وہ شہوت کی غفلت اور مخالفت شریعت کی آگ ہے جس سے کھال جلتی ہے- رب تعالیٰ فرماتا ہے- **کلما نضجت جلودھم بدلنھم جلودا غیرھا**" نور قلب کا لشکر ہے اور تاریکی نفس کا- جب نور ظلمت کو مٹاتا ہے تو اس پر یہ آیت صادق آتی ہے- **ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا** دل کی تمام برائیوں کو دور کرتا ہے کہ وہ ربانی فیوض کے قابل ہو جائے- بدن انسانی گویا میدان بدر ہے- انوار الٰہی گویا اسلامی لشکر جو بظاہر کمزور معلوم ہوتا ہے اور ظلمات نفس لشکر کفار اگرچہ یہ زیادہ معلوم ہو لیکن مغلوب اور جب ان کا مقابلہ ہوتا ہے تو لشکر نور تائید الٰہی سے قوت پاتا ہے- اللہ جس کی چاہے مدد کرے- اس جنگ میں اور اس غلبہ میں ان لوگوں کے لئے عبرت ہے- جنہیں حقیقت تک باریابی حاصل ہے- اور جن کی آنکھوں میں ایقان کا سرمہ ہے (ابن عربی و روح البیان)-

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ

زینت دی گئی واسطے لوگوں کے محبت خواہشات کی عورتوں اور لڑکوں سے اور ڈھیروں چنے

لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی

الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَ

ہوؤں سے سونے اور چاندی کے گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور چوپائے اور کھیتی باڑی یہ

کے ڈھیر اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ جیتی دنیا کی پونجی

الْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

سامان ہے زندگی دنیاوی کا اور اللہ نزدیک اس کے اچھا ٹھکانہ ہے۔

ہے اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ایک جنگ کا ذکر تھا۔ اب جنگ کے سبب کا ذکر ہے کہ محبت دنیا ذریعہ قتال ہے اگر سب لوگ خدا پرست ہو جائیں تو جنگ کی ضرورت نہ پڑے۔ **دوسرا تعلق** : پچھلی آیت میں مال و اولاد کے بیکار ہونے کا ذکر تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس بیکار چیز سے انسان ایسی محبت کرتا ہے کہ آخرت کو بھول جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی حقیقت سے غافل ہے۔ **تیسرا تعلق**: سورۂ آل عمران کے شروع میں عرض کیا گیا کہ ابو حارثہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ہونے کا اقرار کیا۔ اور ایمان لانے سے معذرت یہ کی کہ مجھے اپنے مال چھن جانے کا اندیشہ ہے۔ پھر واقعات سنا کر بتایا گیا کہ جس مال کی محبت میں انسان ایمان کھو بیٹھتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ مصیبت کو دفع نہیں کر سکتا اب بتایا جا رہا ہے کہ انسان اس باطل چیز پر ہی فریفتہ ہے۔ غرضکہ دنیوی سامان کی بیکاری ثابت کی جا رہی ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے بعد یہود مدینہ کو دعوت اسلام دی اور آنے والی مصیبتوں سے ڈرایا تو انہوں نے اپنے مال و اسباب کے بھروسہ پر کہا کہ جب ہم سے لڑو گے تو بتا دیں گے۔ اس آیت میں ان کے اس خیال کی تردید کی جا رہی ہے۔

تفسیر : **زین للناس حب الشهوت** یہ نیا کلام ہے۔ **زین** تزئین سے بنا۔ جس کا مادہ زین ہے بمعنی ظاہری ٹیپ ٹاپ۔ اصطلاح میں ہر ظاہری زیبائش کو بھی زینت کہتے ہیں اور بھلا معلوم ہونے کو بھی یہاں اگر زین کے معنی یہ کئے جائیں کہ لوگوں کے دلوں میں ان چیزوں کی محبت پیدا کی گئی تو اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے کیونکہ ہر چیز کا خالق وہی ہے اور اگر اس سے خواہشات پر بھڑکانا اور بری چیزوں کو بھلا دکھانا مراد ہے تو اس کا فاعل شیطان ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **زینا لهم اعمالهم** اس میں زینت کو رب کی طرف نسبت دی۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **و زین لهم الشیطن اعمالهم** یہاں زینت کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا۔ فرق وہی ہے جو ہم نے عرض کیا کہ امتحان کے لئے دل میں دنیا کی محبت پیدا کرنا رب تعالیٰ کا کام اور شہوتوں کو بھڑکانا شیطان کا فعل یہ بھی خیال رہے: کہ زینت دو قسم کی ہوتی ہے۔ قدرتی اور بناوٹی۔ قدرتی زینت باقی ہے اور بناوٹی زینت عارضی۔ پوڈر کا رنگ پانی سے دھل جاتا ہے۔ مگر چہرے کا قدرتی رنگ صابن سے بھی نہیں چھوٹتا۔ پھر جیسے دنیاوی چیزوں میں قدرت نے رنگ و بو و لذت رکھی ہے ایسی ہی دینی کاموں میں رنگت بھی ہے، خوشبو بھی اور ذائقہ بھی۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ میں مہک و ذائقہ وغیرہ سب کچھ ہے۔ پھر جیسے دنیاوی رنگ آنکھ سے، بو ناک سے، لذت زبان سے محسوس ہوتے ہیں۔ ایسے ہی یہ دینی رنگ و بو کے لئے رب تعالیٰ نے ایمان و روح میں قوت دی ہے۔ جس سے روح ان چیزوں کو محسوس کرتی ہے۔ شہادت کی لذت حضرت حسین سے پوچھو پھر جیسے بعض بیماریوں سے آنکھ، ناک، زبان درست احساس نہیں کرتے۔ یونہی بعض روحانی بیماریاں ان لذتوں کو محسوس نہیں ہونے دیتیں۔ یہاں اگر زین کا فاعل شیطان ہو تو اس سے دھوکہ کی زینت مراد ہے۔ جیسے کالے کو پاؤڈر لگا کر گورا بنا دیا جائے۔ **للناس** سے یا تو وہ یہودی مراد ہیں یا مشرکین یا سارے لوگ اور یہی صحیح ہے۔ **حب الشهوت** میں اضافت لام کی ہے۔ **حب** بمعنی مصدری ہے۔ یعنی محبت کرنا۔ **شهوات** جمع شہوت کی ہے۔ بمعنی نفسانی خواہش اور نفس کا اشتیاق۔ شہوت دو قسم کی ہے۔ سچی اور جھوٹی۔ سچی شہوت وہ جس کے بغیر بدن کا نقصان ہو اور جھوٹی شہوت وہ جو ایسی نہ ہو۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ بعض چیزیں جسم کو مفید ہیں اور بعض روح کو پہلی چیزیں شہوات نفسانیہ ہیں اور

دوسری شہوات روحانیہ۔ خیال رہے: کہ یہاں شہوت بمعنی اسم مفعول ہے۔ بمعنی مشتہات اور نفس کے مراوات یعنی رب کی طرف سے لوگوں کے دل میں دنیوی اور نفسانی چیزوں کی محبت پیدا کی گئی۔ یا شیطان نے دنیوی مرادوں کی محبت کو دلوں میں جما دیا اور شہوتوں پر بھڑکایا۔ **من النساء والبنین** یا تو من بیانیہ ہے اور یہ عبارت شہوات کا بیان ہے یا یہ شہوات کا حال ہے اور جار مجرور کائنتہ کے متعلق۔ نساء جمع ہے۔ جس کا واحد کوئی نہیں۔ جیسے قوم اور رھط بعض نے کہا کہ یہ **امرءة** کی جمع بغیر لفظ کے ہے چونکہ دنیا میں سب سے بڑھ کر محبت عورت سے ہوتی ہے نیز مرد کے جنت سے آنے کا سبب بھی عورت ہی بنی اور عورت کی پیدائش مرد کے جسم سے ہوئی نیز پہلے قتل کی بنا عورت ہی ہوئی۔ اس لئے پہلے اس کا ذکر کیا گیا۔ بنین ابن کی جمع ہے یا تو اس سے بیٹے بیٹیاں ساری اولاد مراد ہے یا صرف بیٹے کیونکہ عام انسان خصوصاً اہل عرب لڑکوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس لئے بیٹوں ہی کا ذکر کیا گیا۔ اور چونکہ اولاد کی محبت عورت کے بعد ہے اس لئے اس کا ذکر نساء کے بعد ہوا۔

والقناطیر المقنطرة ۔ **قناطیر** قنطار کی جمع ہے یا تو بروزن فعلال ہے یا فنعال۔ پہلی صورت میں اس کا نون اصلی ہے اور دوسری میں زائدہ۔ لغت میں ہر مضبوط چیز کو قنطر کہتے ہیں۔ اسی لئے مضبوط پل اور مضبوط عمارت اور مضبوط بات کو بھی قنطر کہا جاتا ہے۔ اہل عرب بولتے ہیں قنطرت الشیء۔ یہاں بہت مال مراد ہے۔ کسی نے کہا کہ سولہ سو (1600) دینار' کسی کے خیال میں بارہ ہزار (12000) دینار' کوئی کہتا ہے کہ ستر ہزار (70000) دینار' کوئی کہتا ہے کہ اسی ہزار (80000) دینار' مگر صحیح یہ ہے کہ قنطار کی کوئی حد نہیں۔ ہر زیادہ مال قنطار کہلائے گا (کبیر و معانی وغیرہ) بعض نے کہا کہ قنطار **قنطرة** سے بنا بمعنی پل چونکہ مال کے ذریعہ انسان آسانی سے زندگی کا زمانہ عبور کر لیتا ہے جیسے پل کے ذریعہ دریا کو۔ اس لئے اسے قنطار کہتے ہیں۔ **مقنطرة** ۔ **قنطرة** کا اسم مفعول ہے۔ بمعنی مضبوط کرنا' جمع کرنا' پل باندھنا' ڈھیر لگانا' ایک دوسرے پر چلنا۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں کیونکہ سب کا مطلب قریباً ایک ہی ہے۔ **من الذھب والفضة** اس کا بیان ہے یا اس کا حال **ذھب** اور **فضة** کے معنی ہم پہلے بیان کر چکے۔ یہاں اتنا عرض کرتے ہیں کہ **ذھب** مونث ہے۔ کہا جاتا ہے **الذھب الحمراء** اسی کی تصغیر **ذھیبة** آتی ہے۔ اس کی جمع **اذھاب** بھی ہے۔ **ذھوب** بھی اور **ذھبان** بھی۔ بعض نے کے نزدیک یہ خود **ذھبة** کی جمع ہے اور **ذھاب** سے مشتق بمعنی جانا۔ کیونکہ یہ ملک سے جا کر فائدہ دیتا ہے۔ نہ کہ قبضہ میں رہ کر۔ اس لئے **ذھب** کہلاتا ہے۔ **فضة** کی جمع **فضض** ہے اور **الفضاض** سے مشتق ہوا۔ بمعنی بکھیرنا چونکہ چاندی بہت دیر جیب میں جمع نہیں رہتی۔ بلکہ بازار میں جاتے ہی متفرق ہو جاتی ہے۔ اس لئے **فضة** کہتے ہیں (روح المعانی)۔ **والخیل المسومة** قناطیر پر عطف ہے۔ خیل جمع ہے۔ جس کا واحد کوئی نہیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا واحد خائل ہے۔ جیسے طائر سے طیر' یہ خیلاء سے مشتق ہے۔ بمعنی تیزی اور اکڑ۔ اسی لئے گمان کو خیال کہتے ہیں کہ وہ تیز ہے اور اکڑ کر چلنے کو اختیال کہا جاتا ہے۔ چونکہ گھوڑے میں تیزی بھی ہے اور اکڑ بھی۔ اس لئے اسے خیل کہتے ہیں تفسیر خازن نے فرمایا کہ جب گھوڑے پر کوئی سوار ہوتا ہے تو اس کے دل میں فخر اور تکبر پیدا ہوتا ہے۔ **مسومة** سوم سے بنا بمعنی چرنا یا سمة اور **سیما** سے بمعنی نشانی اسی لئے چرنے والے جانور کو سائمہ کہتے ہیں اور نشانی کو سیما' **سیماھم فی وجوھھم** بعض نے کہا کہ سمة بمعنی حسن سے بنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فیہ تسیمون** (معانی و کبیر) یعنی جنگل میں چرنے والے گھوڑے یا حسین گھوڑے یا نشان لگائے ہوئے گھوڑے خواہ نشان علامت کے لئے ہو یا عمدگی کی بناء پر۔ **والانعام والحرث**۔ **انعام**' نعم کی جمع ہے یہ **نعومة** سے مشتق ہے۔ بمعنی نرمی و عمدگی اصطلاح میں اونٹ

گائے اور بکری پر بولا جاتا ہے۔ مگر اونٹ پر خصوصیت سے۔ حرث مصدر ہے۔ بمعنی بونا مگر یہاں بمعنی مفعول ہے۔ ہر کھیتی کو خواہ وہ دانہ کی ہو یا ساگ پات کی' یا پھلوں کی اسے حرث کہا جاتا ہے۔ اس کی پوری تحقیق ہم دوسرے پارہ میں زیر آیت **یهلک الحرث والنسل** میں کر چکے' حرث اور زرع کا فرق وہیں بتایا گیا۔ **ذلک متاع الحیوة الدنیا۔ ذلک** سے ان ساتوں مذکورہ چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔ **متاع** یہ **حیوة** کا مصدر ہے' یہاں بمعنی اسم مفعول ہے۔ **حیوة** اور دنیا کی تحقیق پہلے ہو چکی یعنی یہ تمام چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہیں کہ کچھ دن کام دیں گے پھر نہیں۔ دنیا میں زندگی اچھی ہے مگر دنیا کی زندگی بری۔ جب دل میں دنیا آجائے تو وہ دنیا کی زندگی بن جاتی ہے یہی زندگی ہلاکت ہے۔ اسی کے متعلق ارشاد ہوا۔ **اموات غیر احیاء** اور دین میں زندگی والے بعد موت بھی نہیں مرتے۔ **بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ والله عنده حسن المآب۔** حسن بمعنی حسن ہے اور اس میں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ مآب ایوب کا اسم ظرف ہے اس کا مصدر اوب بمعنی رجوع ہے یہ اصل میں مأوب تھا۔ تعلیل سے مآب ہو گیا۔ یعنی اللہ کے نزدیک اچھی لوٹنے کی جگہ جنت ہے۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ فانی دنیا میں پھنس کر اس سے غافل نہ ہو جائے۔

خلاصہ تفسیر : دنیا فانی مقام عبرت ہے' عالم باقی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے پریشان خواب مگر اس چشم حقیقت بین پر دنیوی لذتوں اور اس کے سامان پر محبتوں کے پردے پڑے ہوئے انسان عورتوں اولاد اور سونے چاندی کے ڈھیروں اور اچھے گھوڑوں اور گائے بیل' اونٹ اور کھیتی باڑی کی محبت میں ایسا پھنسا ہے کہ اسے آخرت کے سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ وہ عالم آخرت پر دنیا کو ترجیح دے رہا ہے اور چند روزہ عیش کے لئے (کفر' بے دینی' گناہوں میں مبتلا ہے اور عالم باقی کی خوبیوں سے بے خبر انسان کو دنیوی سامان۔ خصوصاً" روپیہ پیسہ مال' دولت اندھا کر دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جب میں دولت کا مالک ہو گیا تو دنیا کا مالک ہو گیا۔ کیونکہ اس سے ہر چیز خرید سکتا ہے۔ اس نشہ میں وہ خدا اور رسول سے بغاوت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے مگر خیال رہے کہ یہ چیزیں صرف زندگی کا تھوڑا سامان ہیں نہ انسان کو ہمیشہ یہاں ٹھہرنا ہے۔ نہ اس کے لئے یہ چیزیں ہمیشہ کار آمد۔ خدا کے پاس اس سے زیادہ عمدہ اور لذیذ روحانی اور جسمانی نعمتیں موجود ہیں۔ ادھر رغبت کرنی چاہئے۔ اگرچہ انسان کے علاوہ جنات جانور وغیرہ میں بھی محبت کا مادہ ہے۔ مگر چند وجہ سے خاص انسان کا ذکر فرمایا کہ انسان کو ان نعمتوں کی زینت دی گئی۔ ایک یہ کہ ان مذکورہ سات چیزوں سے محبت صرف انسان کو ہے۔ جانوروں کو محبت صرف کھانے اور اولاد سے دوسرے یہ کہ انسان کی محبت ان چیزوں سے دائمی ہے۔ دوسروں کی محبت عارضی۔ جانور کچھ روز کے بعد بچے کو بھول جاتے ہیں۔ انسان اولاد سے مرتے دم تک بلکہ بعد مرے تک محبت کرتا ہے۔ تیسرے یہ کہ انسان ان کی محبت میں گرفتار ہو کر رب کی نافرمانی کر لیتا ہے۔ رب تعالیٰ کو بھول جاتا ہے۔ دوسری مخلوق میں یہ عیب نہیں۔ چوتھے یہ کہ چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اس لئے اس میں پابندیاں بہت زیادہ ہیں۔ عشق و احکام اس کے ذمہ ہیں۔ اسے دوسروں سے محبت کر کے ان سے بے پرواہ ہو جانا زیادہ خطرناک ہے۔ ان وجوہ سے خصوصیت سے یہاں انسان کا ذکر ہوا فرمایا **زین للناس۔** خیال رہے کہ انسان اس نا سمجھ بچے کی طرح ہے جو ہر کھلونے پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ جب ماں کے پیٹ میں تھا تو اسی کو اپنی حقیقی قیام گاہ سمجھا کہ وہاں سے آنا چاہتا ہی نہ تھا۔ جب باہر آیا تو اس کو یاد کر کے رو رو کر غل مچایا۔ یہاں آکر اسے اپنا مقام سمجھ گیا اور اس پر ایسا عاشق ہو گیا کہ یہاں سے جانا چاہتا ہی نہیں۔ خیال رہے کہ یہ دنیا اس عالم کے مقابل میں ایسی ہی تنگ و تاریک اور تکلیف دہ ہے جیسے اس دنیا کے مقابلہ میں ماں کا پیٹ جیسے ماں

کے بعد یہیں بیت قیام نہ تو ایسے ہی یہاں بھی بیت قیام نہ ہوگا۔ اس لئے **واللہ عندہ حسن المآب** کہہ کر وہاں کا شوق دلایا۔

مجرب عمل : اگر زوجین میں نااتفاقی ہو تو طالب یہ آیت سات بار سات عدد سفید الائچی پر دم کرکے اول و آخر درود شریف تین تین بار پڑھ کر مطلوب کو کھلائے۔ تو انشاء اللہ ان میں محبت پیدا ہو جائے گی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اپنی بیوی و مال اور اولاد کی جائز محبت منع نہیں۔ کیونکہ یہ رب کی طرف سے ہے۔ جیسے کہ زین کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا ایسی محبت دنیا کے بقاء کا ذریعہ ہے کہ بیبیوں اور اولاد کی محبت سے نسل قائم ہے اور مال کی محبت سے گھر اور بازار اور بستیاں آباد۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے قلب میں دنیا کی دو چیزوں سے محبت ڈالی گئی۔ خوشبو اور عورتیں۔ یعنی یہ محبت رب کی طرف سے جائز ہے۔ دوسرا فائدہ: ترک دنیا بیوی بچوں سے بے خبر رہنا شرعاً" ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ یہ حکمت خلق کے خلاف ہے یہ بھی زین کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: دنیا کہ بے جا محبت جو آخرت سے غافل کردے۔ سخت بری ہے اور اس کا سبب شیطان ہے۔ جیسا کہ زین کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ شیطان نے ناجائز محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کی۔ تمام گناہوں کی جڑ محبت دنیا ہے۔ چوتھا فائدہ: مال جمع کرنا برا نہیں۔ جب کہ اس کا ذریعہ اور مقصد برا نہ ہو۔ جیسا کہ **القناطیر المقنطرة** سے معلوم ہوا۔ مال دین کی ڈھال اور دنیوی آبرو کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے مال کا برباد کرنا شرعاً" ناجائز ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان اللہ لا یحب المسرفین** اور فرماتا ہے **ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین**۔ پانچواں فائدہ: دنیا کی ظاہری ٹیپ ٹاپ حق پرستوں اور شہوت پرستوں کے درمیان باعث فرق ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملا** " جو دنیا میں رہ کر رب تعالیٰ کی عبادت کرے وہ مرد کامل ہے (خزائن)۔ چھٹا فائدہ: چونکہ دنیا فانی ہے اس لئے اس کی ہر چیز فانی اور چونکہ آخرت باقی ہے۔ اس لئے اس کی ہر چیز باقی۔ کمزور بنیاد کی دیوار کمزور ہے اور مضبوط بنیاد کی دیوار مضبوط۔ انسان کو چاہئے کہ متاع دنیا کو آخرت کا توشہ بنالے اور ایسے کام میں خرچ کرے جس میں اس کی عاقبت درست ہو جیسا کہ **متاع الحیوۃ الدنیا** سے معلوم ہوا۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردوں کے دل میں عورتوں کی اور باپ کے دل میں بیٹوں کی محبت دی گئی۔ حالانکہ یہ محبت دو طرفہ ہوتی ہے۔ شوہر کو بیوی سے اور بیوی کو شوہر سے ایسے ہی باپ کو اولاد سے اولاد کو باپ سے۔ پھر یہاں یک طرفہ محبت کا کیوں ذکر فرمایا گیا۔ جواب: یہ درست ہے مگر مرد میں محبت کا غلبہ ہے اور عورت میں محبوبیت کا۔ ایسے ہی باپ میں محبت غالب ہے۔ اولاد میں محبوبیت جیسے کہ جانور انسان کے خدمتگار ہیں اور انسان ان کا مخدوم مگر انسان بھی ان کی خدمت کرتا ہے۔ دوسرا اعتراض: یہاں یہ کیوں فرمایا گیا۔ **زین للناس حب الشھوت** یا تو **زین الشھوت** کہہ دیا جاتا یا **حب الشھوت** اس چھوٹی عبارت میں بھی مقصد حاصل ہو جاتا؟ جواب: اس سے مبالغہ مقصود ہے۔ اولا" تو محبوب چیزوں کو شہوات فرمایا گیا۔ یعنی سراپا محبت' پھر ان کی محبت کو زین کا مفعول قرار دیا گیا۔ یعنی یہ دنیا کی پیاری چیزیں جو گویا سراپا شہوات ہیں وہ خود تو کیا ان کی محبت بھی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ گویا وہ انتہائی درجہ کے محبوب ہیں جیسے **فاتوا بسورۃ من**

مسئلہ تیسرا اعتراض: اس آیت میں سونے چاندی کی قید کیوں لگائی۔ انسان کو تو نقد کے علاوہ بھی پیار معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ سونا چاندی بہت جلد قبضہ سے نکل جاتا ہے۔ اور زمین وغیرہ ہمیشہ اپنے پاس ہی رہتی ہے۔ ان کی محبت سونے چاندی سے بڑھ کر ہے۔ جواب: قدرت نے چاندی سونے کو تمام چیزوں کی قیمت قرار دیا۔ ان کا مالک گویا ہر چیز کا مالک ہے وہ سمجھتا ہے جو چاہوں گا خرید لوں گا۔ لہٰذا اس سے زیادہ محبت ہے اور سونا چاندی ہی تمام مالوں کی اصل ہے۔ نیز سونے چاندی کی ملکیت سے انسان کو قدرت حاصل ہوتی ہے اور قدرت کمال ہے اور ہر کمال محبوب بالذات' لہٰذا یہ دونوں مال بھی ہیں اور کمال بھی ان دو وجہ سے پیاری ہیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑوں سے محبت کرنا بھی برا ہے۔ حالانکہ دوسری جگہ قرآن کریم گھوڑوں کی قسم کھا رہا ہے۔ **والعلیت ضبحا** " اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گھوڑے کی پیشانی کے بالوں سے خیر و بھلائی وابستہ ہے۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ جہاد کے گھوڑے' کاروبار کے گھوڑے' جیسے تانگہ وغیرہ کے گھوڑے فخر و ریا کے گھوڑے پہلے گھوڑوں کی تعریف ہے اور تیسرے گھوڑوں کی یہاں برائی ہے۔ دیکھو حدیث شریف میں کھیتی باڑی کی تعریف بھی آتی ہے کہ ارشاد ہوا غلہ دبانے والا لعنتی ہے اور غلہ اگانے والا' لانے والا مرزوق ہے اور برائی بھی وارد ہے کہ فرمایا جس گھر میں کھیتی باڑی کے آلات ہوں گے۔ وہاں ذلت و خواری ہوگی جس کھیتی سے غفلت ترک جہاد ہو۔ وہ ذلت کا سامان ہے اور جس سے بندوں پر رزق کی فراوانی ہو وہ رحمت ہے۔

تفسیر صوفیانہ: فرشتوں میں عقل ہے شہوت نہیں اور جانوروں میں شہوت ہے عقل نہیں۔ مگر انسان میں عقل بھی ہے اور شہوت بھی۔ جس کی عقل شہوت پر غالب ہو وہ فرشتوں سے بڑھ کر ہے اور جس کی شہوت عقل کو ڈھک لے وہ جانور سے بدتر (روح البیان) عقل کا تعلق روح سے ہے اور شہوت کا تعلق نفس سے **زین للناس** میں اس نفسانی شہوۃ کا ذکر ہے اور **واللہ عندہ** میں عقل کا تذکرہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ انسان عالم علوی اور سفلی سے مرکب ہے۔ دنیا میں آکر اس کا نور بصیرت نفسانی پردوں اور بدنی حجابوں میں ڈھک گیا۔ اور یہاں کی لذتوں کے پانی سے اس کی تیزی ٹھنڈی پڑ گئی اور شہوت حیوانیہ کی ہواؤں نے اسے اپنی جگہ سے ہلا دیا۔ اب وہ اس پردیس میں اپنے وطن سے دور حق سے مجبور ہے۔ جس کو یہاں کی مصیبتوں اور تکالیف کی ہوائیں اڑائے پھرتی ہے۔ اس کے کان میں شیطان اور نفس کی آوازیں آ رہی ہیں۔ جو اسے ہلاکت کی طرف بلا رہی ہیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے عالم عقل کی روشنی بھی ہے جو اسے کامیابی کی طرف رہبری کر رہا ہے۔ جو کوئی اس نور پر توجہ نہ کرے اور ان بہکانے والی آوازوں کے پیچھے چل دے وہ اسی جگہ پہنچتا ہے۔ جہاں نفس خوش ہوتا ہے۔ آنکھوں کو لذت آتی ہے اور اس باغ کو نفس اپنا گھر سمجھتا ہے۔ اس کا نام حب الشہوات ہے اور جو کوئی ان آوازوں پر کان نہیں دھرتا۔ بلکہ اس شعاع نوری کی طرف چل دیتا ہے۔ وہ آخر کار ایسے باغ میں پہنچتا ہے۔ جس کے لئے کبھی خزاں نہیں۔ اور ایسے آستانہ پر اس کا سر پہنچ جاتا ہے جہاں سے اسے کوئی اٹھا نہیں سکتا یہی اس کا مطلب ہے کہ **واللہ عندہ حسن الماب** (ابن عربی) سیڑھی کے ذریعہ اوپر سے نیچے بھی اتر سکتے ہیں اور نیچے سے اوپر بھی جا سکتے ہیں۔ دنیا اور اس کی چیزیں ایک زینہ ہیں۔ بے وقوف ان میں پھنس کر نیچے گرتا ہے اور عقلمند انہیں کے ذریعہ رب تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ جس نے ان چیزوں کو اپنی زندگی کا مقصود سمجھ لیا۔ وہ اس کے ذریعے نیچے اتر آیا۔ **ثم رددنہ اسفل السافلین** اور جو ان میں رہ کر حق کو نہ بھولا اور ان کی خدمت کو اتباع سنت اور خدا رسی کے لئے کیا وہ اسی سیڑھی کے ذریعہ اوپر پہنچ گیا۔ **زین للناس** میں اترنے والوں کا ذکر ہے اور **واللہ عندہ حسن**

الماٰب میں چڑھنے والوں کا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عشق و محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اور فطرت بدلنا ناممکن ہے۔ حسن کے نتائج برے برے نکلتے ہیں۔ ہاں فطرت کی اصلاح کرنا چاہئے۔ آنکھ کو دیکھنے سے نہ روکو' کان کو سننے سے بند نہ کرو بلکہ ان کی اصلاح کرو کہ انہیں محرمات سے بچالو۔ یونہی عشق و محبت انسان کی فطرت ہے۔ اس سے وہ باز نہیں آسکتا۔ اس کی بھی اصلاح کرو کہ دنیاوی ناجائز محبتوں سے اسے چھڑاؤ۔ اور آخرت کی محبت اس میں بسالو۔ یہ محبت ضرور کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی کرے۔ جب اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوئی تو زن و فرزند' مال و دولت سب کی محبتیں دین بن جائیں گی۔ اس وجہ سے ارشاد ہوا۔ **واللہ عندہ حسن الماٰب**

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ
فرما دو کیا خبر دوں میں تمہیں بہتر کی اس سے واسطے ان لوگوں کے جو ڈریں نزدیک رب ان کے
تم فرماؤ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتادوں پرہیزگاری کے لئے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ
باغات کہ بہتی ہیں نیچے سے ان کے نہریں ہمیشہ رہنے والے بیچ اس کے اور بیویاں ہیں پاک اور
جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور ستھری بیویاں اور اللہ کی
مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۚ﴿۱۵﴾
رضامندی طرف سے اللہ کے اور اللہ دیکھنے والا ہے بندوں کو
خوشنودی اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں اجمالاً فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔ اب اس کی تفصیل فرمائی جارہی ہے کہ وہ ٹھکانا جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔ مگر اس کا ذکر نہ ہوا تھا کہ کس کے لئے۔ اب اس کا ذکر بھی ہو رہا ہے کہ ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ خاص پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں دنیوی نعمتوں کا آخرت سے مقابلہ کیا گیا تھا کہ رذیل ہیں اور آخرت عزیز اب اس کے دلائل ارشاد ہو رہے ہیں کہ دنیا' دوست' دشمن سب کے لئے ہے۔ مگر آخرت صرف پرہیزگاروں کے لئے' دنیا کو فنا ہے' آخرت کو بقا' دنیا میں پھنسنا ناراضی رب کا ذریعہ' اور جنت میں رب سب سے راضی گویا وہ دعویٰ تھا یہ دلائل۔

تفسیر: **قل اونبئکم بخیر من ذلکم** میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے چونکہ اعمال عصاء موسوی کی طرح مفید ہیں۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل دست موسوی کی طرح ہے۔ عصاء موسوی دست موسوی میں اثر دکھاتا تھا۔ اس ہاتھ کے بغیر عصا بیکار ہوتا تھا۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل کے بغیر اعمال بیکار ہیں۔ اس لئے قل

فرمایا گیا کہ مضمون ہمارا ہو محبوب' زبان و توسل تمہارا ہو۔ **اونبئکم** کا پہلا ہمزہ استفہام تقریری کا ہے۔ **انبی نبا** سے بنا بمعنی خبر۔ اصطلاح میں عظیم الشان خبر یا غیب کی خبر پر اکثر بولا جاتا ہے دیگر پر کم اس لئے ہر قاصد کو مخبر کہہ سکتے ہیں لہٰذا نبی وہ جو غیب کی خبر لائے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ کا انکار کرتا ہے وہ در پردہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا انکار کرتا ہے۔ **کم** میں سارے لوگوں سے خصوصاً کفار سے خطاب ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالم کے نبی ہیں۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرمان سارے عالم کے لئے ہیں **وما ارسلنک الا کافۃ للناس** لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سارے جہان کے لوگوں کے لئے ہے۔ **بخیر** کا ب یا تعدیہ کا ہے۔ یا صلہ کا۔ اور یہ انبیء کے متعلق۔ **خیر** بمعنی "اسم تفضیل ہے۔ من سے مستعمل۔ **ذلکم** میں عورتوں' اولاد سونے چاندی کے ڈھیر اور اچھے گھوڑے وغیرہ سب کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سب لوگوں سے یا غافلین سے فرمائیں کہ کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر دوں جو اس دنیوی سارے سامان سے بہتر ہے یا یہ چیزیں وہ ہیں جو گذشتہ مذکورہ چیزوں میں شامل ہو جائیں تو انہیں خیر کر دیں۔ یہ وہ چورن ہے جو ہر غذا کو ہضم کر دیتا ہے۔ خیال رہے: کہ بتانا ہی منظور تھا مگر یہ سوال شوق دلانے کے لئے ہے۔ کیونکہ پوچھ کر جو شے بتائی جائے اس کو سننے والا شوق سے سنتا ہے۔ نیز خیال رہے کہ چونکہ دنیا کی ساری راحتیں تکلیف سے مخلوط ہیں اور فانی آخرت کی نعمتیں خالص نعمتیں ہیں اور باقی اس لئے وہ اس سے بہتر ہیں۔ **للذین اتقوا عند ربھم جنت** ظاہر یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے **بخیر** کا بیان ہے۔ **للذین** خبر مقدم **جنت** مبتداء اور **عند ربھم** کا ظرف یا حال **للذین** میں اگر لام ملکیت کا ہے تو تقویٰ سے مراد پرہیزگاری' نیک کاری ہے یعنی واجبات کا ادا کرنا اور گناہوں سے بچنا۔ کیونکہ جنت اصل ملک پرہیزگاروں کی ہے۔ اور اگر اس کا متعلق ثابت ہے تو تقویٰ سے مراد شرک و کفر سے بچنا ہے کہ آخر کار سارے ہی مسلمان جنت میں جائیں گے گنہگار ہوں یا پرہیزگار۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ قرآن کے عرف میں تقویٰ بمعنی ایمان عام مستعمل ہے۔ رب فرماتا ہے **الزمھم کلمۃ التقوی۔** **عند** سے قرب مکانی مراد نہیں۔ بلکہ قرب رتبی۔ کیونکہ رب تعالیٰ جگہ سے پاک ہے **جنت** جمع جنت کی ہے بمعنی گھنا باغ۔ جس کی زمین کھلی نہ ہو۔ چونکہ ایک ایک جنتی کو کئی کئی باغ ملیں گے۔ اس لئے جمع ارشاد ہوا۔ یعنی پرہیزگاروں یا مسلمانوں کے لئے ان کے رب کے پاس خوبصورت باغ ہیں۔ **عند ربھم** فرما کر یہ بتایا کہ جنت دنیا میں ہی نہ ملے گی بلکہ رب تعالیٰ کے پاس پہنچ کر ملے گی۔ دنیا کام کی جگہ ہے۔ آخرت حصول انجام کی۔ فصل بوتے ہی دانہ نہیں ملتا۔ باغ لگاتے ہی پھل نہیں کھائے جاتے۔ بھینس کی کٹی پیدا ہوتے ہی دودھ نہیں دیتی۔ بچہ سکول میں جاتے ہی بی۔ اے نہیں ہو جاتا۔ ان چیزوں کے انجام بہت بعد میں دیکھے جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایمان و نماز وغیرہ اختیار کرتے ہی جنت نہیں مل جاتی۔ جنت' روضہ' بستان' حدیقہ' حائط سب کے معنی باغ ہیں۔ مگر جنت خصوصی باغ ہے۔ ہر باغ کو جنت نہیں کہا جاتا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ **عند ربھم' اتقوا** کا ظرف ہے اور اس سے منافقین کو نکالنا مقصود ہے۔ یعنی جو رب کے نزدیک متقی ہیں ان کے لئے جنتیں ہیں۔ منافق لوگوں کی نگاہ میں تو پرہیزگار ہے مگر رب تعالیٰ کے نزدیک کافر۔ لہٰذا وہ اس سے خارج ہے (کبیر) اللہ کے نزدیک متقی یا تو وہ ہے جو فقط جسم کا ہی متقی نہ ہو بلکہ دل کا بھی متقی ہو نیک اعمال جسم کا تقویٰ ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم دل کا تقویٰ رب فرماتا ہے۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔** عمل اور ہے' ادب کچھ اور' عمل والا عند الناس متقی ہے اور ادب والا عند اللہ متقی یا عند اللہ متقی وہ ہے۔ جس کا خاتمہ تقویٰ و طہارت پر ہو۔ ہم حال کو دیکھتے ہیں رب کے یہاں مال یعنی انجام دیکھا

جاتا ہے۔یا رب تعالیٰ کے ہاں متقی وہ ہے جس کا نام متقیوں کی فہرست میں آچکا ہے۔یا رب تعالیٰ کے ہاں متقی وہ ہے جو اخلاص والا ہو۔خالق والا متقی اگرچہ مخلوق اسے متقی کہے مگر خالق کے ہاں متقی نہیں۔ **تجری من تحتها الانهر** یہ جملہ جنت کا حال یا صفت ہے **تجری** جری سے بنا بمعنی بہنا۔ **تحتها** کا مرجع جنت ہیں۔ **انهار** نہر کی جمع ہے جس کی تحقیق ہم پہلے کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ جو دریا سے کاٹ کر سیدھی نکالی جائے جس میں کچھ بھی ٹیڑھا پن نہ ہو وہ نہر کہلاتی ہے۔بہنا پانی کی صفت ہے یہاں نہر کی صفت قرار دینا مجازاً" ہے۔چونکہ جنت میں دودھ' شہد' پانی اور شراب طہور کی مختلف نہریں ہوں گی۔اس لئے جمع ارشاد ہوا۔یعنی جنتیں ایسی ہیں کہ ان کے نیچے ہمیشہ نہریں بہتی ہیں ان کے خشک ہو جانے کا کبھی احتمال نہیں۔ **خلدین فیها** یہ **اللذین** کا حال ہے۔ **خلدین خلود** سے بنا بمعنی ہمیشگی اور دراز مدت' یہاں ہمیشگی مراد ہے یعنی متقی ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے کبھی نہ نکلیں گے یا ان باغوں میں سدا بہار رہے گی کبھی خزاں نہ آئے گی۔یا ان باغوں کے پھل دائمی ہوں گے فصل یا موسم کے پابند نہ ہوں گے۔غرض خلود میں بڑی وسعت ہے اس سے جنت اور جنتی لوگ دونوں کا ہمیشہ رہنا ثابت ہوا کہ یہ سب چیزیں اگرچہ ازلی نہیں مگر ابدی ہوں گی۔چونکہ بیوی کے بغیر کوئی راحت کامل نہیں ہوتی مرد کو وحشت رہتی ہے اس لئے ارشاد ہوا **و ازواج مطهرة** یہ جنت پر معطوف ہے۔ **ازواج** زوج کی جمع ہے۔ بمعنی جوڑا۔بیوی کو بھی زوج کہتے ہیں اور شوہر کو بھی۔مگر یہاں بیبیاں مراد ہیں۔کیونکہ پہلے مردوں کا ذکر ہوا اور مرد کے لئے بیوی ہی ہوتی ہے **مطهرة** ازواج کی صفت ہے یہ بہت جامع لفظ ہے یعنی وہ بیبیاں ظاہر عیوب سے پاک ہیں۔جیسے حیض' پیشاب' پاخانہ' تھوک' رینٹ' میل کچیل وغیرہ اور باطنی عیبوں سے بھی دور جیسے حسد' غصہ' بد خلقی' بد صورتی اور شوہر کے سوا غیر پر نظر کرنا۔خیال رہے: کہ ازواج سے مراد یا تو بہت سی بیویاں ہیں کہ ادنیٰ جنتی کو 70 ستر بیویاں عطا ہوں گی اور اس کو سو مردوں کی طاقت ملے گی۔یا چند قسم کی بیویاں سے مراد اپنی دنیا کی بیوی' دوسرے کفار کی مومن بیبیاں اور حوریں مطہرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں منی کا خروج بھی نہ ہو گا کہ یہ بھی گندگی ہے بلکہ صرف ہوا خارج ہو گی۔جس کی لذت منی سے زیادہ ہو گی۔جیسا کہ بعض روایات میں ہے ان سب نعمتوں سے بڑھ کر یہ ہے کہ **و رضوان من الله** واؤ عاطفہ ہے اور رضوان جنت پر معطوف یہ لفظ رضا سے بنا۔بڑی رضا کو رضوان کہا جاتا ہے۔چونکہ سب سے بڑی رضا اللہ کی ہے اس لئے قرآن کریم میں رضاءِ الٰہی کو رضوان کہتے ہیں۔خیال رہے: کہ رضوان رے کے کسرہ سے بھی ہے جیسے حسان اور قربان اور رے کے پیش سے بھی جیسے طغیان' رجحان اور کفران یہ باب ضرب کا مصدر ہے کہا جاتا ہے۔رضیت رضا" و رضوانا"۔یہاں اس کی تنوین تعظیم کی ہے اور من اللہ رضوان کی صفت یعنی جنتیوں کے لئے ان تمام نعمتوں کے ساتھ رب کی بڑی رضامندی بھی ہے۔ **والله بصير بالعباد** یہ نیا جملہ ہے۔گزشتہ کی دلیل۔ **بصير** بمعنی علیم یا خبیر ہے۔عباد سے خاص متقی مراد ہیں یا عام لوگ یعنی اللہ تعالیٰ سارے حالات جاننے والا ہے۔لہٰذا مجرموں کو سزا اور اطاعت کرنے والوں کو جزا عطا فرمائے گا۔سزا اس کا عدل ہے اور جزا اس کا فضل۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان غافلوں سے جو فانی دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں پھنس کر آخرت سے غافل ہو گئے ہیں فرما دو کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز کی خبر دوں' جو ان تمام سے اعلیٰ و افضل ہے کہ دنیا کی ہر نعمت میں مصیبت شامل ہے اور اس کے بعد جو فانی وہ خالص ہے اور باقی۔یہاں کی مشغولیت رب کی ناراضی کا باعث اور وہ رب کی رضامندی کا ذریعہ۔جو لوگ ایمان و

تقویٰ اختیار کریں گے انہیں رب کے پاس ایسے گھنے باغ ملیں گے جن میں ساری نعمتیں جمع ہوں گی۔ ان کے نیچے دودھ ' شہد ' شراب " طہور اور خالص پانی کی نہریں بہتی ہوں گی۔ نہ وہ باغ کبھی سوکھیں نہ ان میں خزاں آئے پھر کمال یہ کہ وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے کہ نہ مریں نہ انہیں کوئی نکالے اس کے ساتھ ہی ساتھ انہیں وہ بیبیاں عطا فرمائیں جائیں گی جو ہر ظاہری اور باطنی عیب سے پاک ہیں نہ انہیں کبھی حیض و نفاس آئے۔ نہ پیشاب پاخانہ کی حاجت پڑے نہ وہ حسد کریں نہ کسی سے کینہ رکھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی بڑی اور دائمی رضامندی ان کے لئے ہوگی کہ وہ کبھی ناراض نہ ہوگا۔ یہ وہ نعمت ہے جس کے مقابل کوئی نعمت نہیں۔ اللہ تعالٰی بندوں کے ہر ظاہری اور باطنی حالات کو جانتا ہے انہیں بقدر عمل جزا دے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ رب تعالٰی جنتیوں سے فرمائے گا اے جنتیو! کیا تم راضی ہو گئے۔ وہ عرض کریں گے اے مولیٰ کیوں نہ راضی ہوں تو نے ہمیں وہ دیا۔ جو کسی مخلوق کو نہ دیا۔ فرمائے گا کہ کیا میں تمہیں وہ نعمت دوں۔ جو ان سب سے بڑھ کر ہو۔ عرض کریں گے اے مولیٰ اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ فرمائے گا کہ میں تم سے راضی ہوں۔ کبھی ناراض نہ ہوں گا (مسلم و بخاری)۔ اور ظاہر ہے کہ بندہ کے لئے رضائے الٰہی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ اسی طرف اشارہ ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ خیال رہے کہ جنت میں باغات ہیں۔ کھیت نہیں کیونکہ کھیت سے باغات کی زینت زیادہ ہے کہ باغ میں سبزہ بھی ہوتا ہے اور سایہ بھی۔ کھیت میں صرف سبزہ ہے سایہ نہیں بلکہ ایک بار کاشت ہو چکی۔ اب فصل ہمیشہ کھاتے جاؤ۔ نیز کھیت میں دانہ ہوتا ہے۔ باغ میں پھل ' دانہ بقاء زندگی کے لئے ہے۔ پھل لذت کے لئے وہاں لذت کے لئے کھانا ہے۔ زندگی کے لئے نہیں ان وجوہ سے وہاں باغ ہیں کھیت نہیں۔ نیز ان باغوں میں انہار ہیں۔ بحار یعنی دریا نہیں۔ اور نہ وہاں پانی کی بارشیں ہیں۔ دنیا کے باغ و کھیت اوپر کے بارشی پانی اور نیچے سے نہریں یا کنویں کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ مگر وہاں صرف نیچے کا پانی تو ہے اوپر کا بارشی پانی نہیں کیونکہ وہاں جنت کی سبزی پانی سے نہیں یہ نہریں زینت اور جنتیوں کے استعمال کے لئے ہوں گی نہ کہ جنت کے سبزہ کے لئے ورنہ پھر شہد ' دودھ ' شراب طہور کی نہریں کیوں ہوتیں۔ اس لئے وہاں بارش نہیں کہ وہاں کی سبزی بحکم الٰہی ہے نہ کہ پانی سے نیز وہاں نہر ہے۔ بحر نہیں کہ۔ بحر میں سیلاب بھی آجاتے ہیں نہر میں نہیں آتے۔ نیز بحر میں حسن نہیں نہر میں حسن ہے ' بحر کا پانی قبضہ میں نہیں ہے۔ نیز نہر گھروں میں پہنچ جاتی ہے۔ بحر نہیں پہنچتی۔ ان وجوہ سے وہاں نہ بارش ہے نہ دریا صرف نہریں ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** آخرت بہر حال دنیا سے بہتر ہے جیسا کہ خیر سے معلوم ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنت میں کمان رکھنے کی جگہ ساری دنیا اور یہاں کی ساری نعمتوں سے بہتر ہے۔ **دوسرا فائدہ:** انسان کا غیر انسان سے نکاح جائز ہے جبکہ وہ شکل انسانی میں ہو۔ دیکھو حوریں جو انسان نہیں انسانی شکل میں ہیں وہ انسانوں کی بیبیاں قرار دی گئیں۔ فرمایا گیا **ازواج مطهرة** ۔ **تیسرا فائدہ:** حوریں ان لوگوں کے نامزد پہلے ہی سے ہو چکی ہیں۔ جن کا ایمان پر خاتمہ ہونے والا ہے۔ اور وہ اب بھی ان کی بیبیاں ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے **و ازواج مطهرة** ایک جگہ یوں فرمایا **و زوجنهم بحور عين** حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی جنتی کی بیوی اس سے لڑتی ہے تو جنت سے اس کی بیوی حور پکار کر کہتی ہے۔ کمبخت اس سے مت لڑ۔ یہ تیرے پاس چند دن مہمان ہے۔ پھر ہمارے پاس آنے والا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** دنیوی عورتیں جب جنت میں پہنچیں گی تو وہ بھی حیض و نفاس ' بغض و کینہ وغیرہ سے پاک کر دی جائیں گی۔ جیسے کہ ازواج کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جنت حاصل کرنے کے لئے ایمان اور عمل دونوں کی ضرورت ہے جیسا کہ

اتقوا سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: اخروی زندگی کے لئے نہ غذا کی ضرورت ہے نہ پانی کی یہ سب چیزیں اس دنیا کے لئے ضروری ہیں جنتی حوروں کا کھانا پینا کہیں ثابت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا بڑا سفر معراج طے کیا مگر نہ توشہ کی ضرورت پیش ہوئی نہ کسی اور چیز کی۔ لہذا عیسیٰ علیہ السلام بھی چوتھے آسمان پر بغیر غذا و پانی کے زندگی گزار لیں تو کیا مشکل ہے۔ مرزائیوں کو اس سے عبرت پکڑنی چاہئے۔ مسئلہ: عورت جنت میں آخری شوہر کے ساتھ رہے گی۔ اس لئے پیغمبر کی بیوی سے کوئی نکاح نہیں کر سکتا۔ کنواری لڑکی کا کسی جنتی کے ساتھ نکاح کر دیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت مریم ہمارے حضور علیہ السلام کے نکاح میں آئیں گی۔ مگر وہاں یہ عورتیں حوروں سے بھی زیادہ حسین و جمیل اور پاک و صاف ہوں گی۔ کیونکہ دنیاوی عورتوں میں نیک اعمال کا حسن بھی ہو گا۔ جس سے حوریں خالی ہوں گی۔ خیال رہے کہ اگر زوجین میں سے ایک اعلیٰ درجہ کا مستحق دوسرا ادنیٰ درجہ کا تو ادنیٰ کو اعلیٰ کر کے ہمراہ کیا جائے گا نہ کہ اعلیٰ کو ادنیٰ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت مریم و آسیہ و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہوں گی نہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درجہ میں رہ کر ہمراہ ہوں گے۔

اعتراض: **پہلا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت میں جنتیوں کے دل بہلانے کے لئے عورتیں بھی ہیں تو یہ بہشت ہوا یا رنڈی خانہ۔ اور وہاں کا خدا خدا ہے یا عورتوں کا شائق؟ (ستیارتھ پرکاش سر سید علی گڑھی)۔ **جواب**: نہ معلوم پنڈت جی کے دماغ میں مغز ہے یا کوڑا۔ جو ہمیشہ بے ڈھنگی ہی بات کرتے ہیں۔ پنڈت جی رنڈی خانہ وہ ہوتا ہے جہاں حرام کاری ہوتی ہو۔ مگر جہاں شرفاء اپنی بیبیوں کے ساتھ شریفانہ زندگی بسر کریں وہ رنڈی خانہ نہیں کہلاتا۔ اگر تمہارے گھر میں تمہارے بیٹے، پوتے شادی شدہ آباد ہیں۔ ہر ایک اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے تو شاید اپنے گھر کو رنڈی خانہ ہی کہتے ہو گے۔ یہاں فرمایا گیا ہے **و ازواج مطهرة** جنتیوں کے لئے ان کی بیویاں ہوں گی پاک و صاف "ازواج" سے ان کی بیبیاں ہونا معلوم ہے اور **مطهرة** سے معلوم ہوا کہ زنا وغیرہ ہر عیب سے پاک ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا گیا۔ **قصرت الطرف لم يطمثهن انس قبلهم ولا جان** کہ وہ اپنے شوہروں کے سوا کسی پر نظر بھی نہیں اٹھاتیں ان تک کوئی انسان و جن پہنچا ہی نہیں۔ ایسے پاک ستھرے گھر کو رنڈی خانہ کہنا پنڈت جی ہی کے لائق ہے۔ گندگی کا کیڑا گلاب کے پھول سے گھن کرتا ہے۔ پنڈت جی نیوگ کے عادی ان کے دھرم میں ایک عورت کا ایک وقت میں گیارہ خاوندوں کے پاس رہنا عبادت۔ وہ ایسی مقدس جگہ کو رنڈی خانہ نہ کہیں تو کیا کہیں۔ ہم علی گڑھی خاں سے کیا کہیں اللہ انہیں سمجھ عطا فرمائے۔ **دوسرا اعتراض**: یہ حوریں دنیا سے بلائی گئیں ہیں یا جنت ہی میں پیدا ہو کر وہاں رہتی ہیں۔ اگر دنیا سے بلائی گئی ہیں تو مردوں کو کیوں نہیں بلایا۔ اور اگر وہاں ہی پیدا ہوئیں تو قیامت تک ان کا کیسے گزارہ ہو گا۔ ان کے لئے کون سے مرد ہیں۔ ستیارتھ پرکاش) **جواب**: حوریں جنت ہی میں پیدا کی گئیں۔ اور جیسے انہیں کھانے پینے کی ضرورت نہیں۔ ایسے ہی وہ مرد کی حاجت سے پاک ہیں۔ وہ تو جنتیوں کے آرام کے لئے پیدا کی گئیں۔ دنیا میں بھی عورت پر کئی حال آتے ہیں۔ بچپن میں اسے مرد کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ پھر جوانی میں بھی کبھی مرد کے لائق ہوتی ہے کبھی نہیں۔ پھر بڑھاپے میں مرد سے بالکل بے پرواہ۔ جب یہاں یہ کیفیت ہے تو وہ تو جنت ہے وہاں کے حالات عقل سے ورا ہیں۔ **تیسرا اعتراض**: جب خدا نے جنت میں ہمیشہ رہنے والی عورتیں بنائی ہیں تو ہمیشہ رہنے والے مرد کیوں نہ بنائے۔ عورتوں کو رکھنا اور مردوں کو نہ رکھنا بے انصافی ہے۔ (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب**: وہ عورتیں وہاں جزاء ایمان کے لئے نہیں رہتیں بلکہ وہ خود اعمال کی جزاء ہیں۔ عورت مرد کے لئے ذریعہ عیش ہے نہ کہ مرد عورتوں کے لئے۔

یہ طرفداری نہیں بلکہ نیک کاروں کے لئے سامان عیش جمع فرمانا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ مگر حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہم کو پیغام بھیجا کہ جنت کی زمین خالی ہے اور زرخیز ہے۔ اعمال کرو تاکہ اس زمین میں باغ لگیں معلوم ہوتا ہے کہ ابھی وہاں کوئی سبزہ نہیں؟ **جواب:** اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنت کی بعض زمین سفید بھی ہے۔ جس میں اعمال سے باغ لگیں گے۔ لہذا یہ حدیث بھی درست ہے اور آیات قرآنیہ بھی ٹھیک ہیں۔ آدم علیہ السلام جنت میں رہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کی سیر فرمائی۔ اب بھی حضرت ادریس وہاں موجود ہیں۔ بی بی مریم کو بہشتی پھل دیئے گئے اگر جنت میں کچھ نہیں تو یہ تمام کاروبار کیسے ہو رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : جو لوگ اغیار کو دیکھنے سے بچتے ہیں ان کے لئے چند جنتیں ہیں۔ جنت یقینی، جنت مکاشفہ، جنت مشاہدہ۔ جنت رضا اور روح جنت جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کان نے سنی اور نہ کسی کے وہم و گمان میں آئی۔ اس جنت کے نیچے تجلیات کی نہریں بہتی ہیں جو غیبی چشموں سے نکلتی ہیں۔ وہ لوگ اس میں بقا فنا کی لذتیں پائیں گے۔ ان کے لئے ازواج یعنی ارواح مقدسہ کے جوڑے ہوں گے۔ جو نفسانی عیوب سے پاک ہوں گے اور صفات الٰہیہ کے خیموں میں رہنے والا۔ اس کے سوا رب تعالیٰ کی ایسی رضامندی ہے جو اندازے سے باہر ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی روحوں کے انقلاب کو دیکھتا ہے کہ کبھی وہ عالم ملکوت میں ہیں اور کبھی عالم جبروت میں، کبھی عالم انوار میں، کبھی عالم شوق میں، کبھی رنج و غم میں مبتلا (روح المعانی)۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جنات جسمانی جنتوں کی طرف اشارہ ہے اور رضوان جنت روحانی کی طرف۔ جنت میں سب سے اعلیٰ مقام روحانیت ہے۔ جہاں بندہ کی روح پر انوار الٰہی کی تجلی ہوتی ہے اور بندہ دریائے معرفت میں غرق ہو جاتا ہے۔ ان مقامات میں پہلے بندہ اللہ سے راضی ہوتا ہے اور پھر اللہ بندہ سے پہلے بندہ مولیٰ کا طالب ہے اور پھر اس کا مطلوب اور محبوب۔ اس کی طرف اس میں اشارہ، راضیۃ مرضیۃ (روح البیان)۔ تفسیر ابن عربی میں فرمایا کہ جو خدا کے لئے دنیا کی ہر چیز چھوڑیں تو ان کے لئے آخرت کی ہر چیز افعال کی جنت جنات ہیں اور روحانیات وہاں کے ازواج اور رضوان جنت صفات غرض وہ رب کا ہے تو سب اس کا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾

وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے تحقیق ہم ایمان لائے پس بخش دے واسطے ہمارے گناہ ہمارے اور

جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہ معاف کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے صبر والے اور

اَلصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡمُنۡفِقِیۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ﴿۱۷﴾

بچا ہم کو عذاب سے آگ کے صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور اطاعت کرنیوالے اور خرچ کرنیوالے اور دعائے مغفرت کرنیوالے صبح کے وقت

سچے اور ادب والے اور راہ خدا میں خرچ کرنے والے اور پچھلے پہر معافی مانگنے والے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں جنت کے مستحقین کا ذکر تھا کہ پرہیزگار اس کے حقدار ہیں۔ اب ان کی وجہ استحقاق کا بیان ہے کہ چونکہ ان کی باتیں ان کے اعمال سب نیک ہیں۔ لہذا وہ اس کے حقدار۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جنت پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ اب پرہیزگاروں کی تفصیل ہے کہ جن میں یہ صفتیں موجود ہوں وہ گروہ ابرار میں سے ہے۔ اور رب کا پسندیدہ۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ خدا اپنے خاص بندوں کو نظر عنایت سے دیکھتا ہے اب ان خاص بندوں کی تفصیل بتائی جا رہی ہے کہ وہ 'وہ' ہیں جو کہتے یہ ہیں اور کرتے یہ ہیں۔

تفسیر : **الذین یقولون ربنا اننا امنا** ۔ یا تو یہ مستقل جملہ ہے اور **الذین ھم** مبتداء پوشیدہ کی خبر یا پچھلے **الذین** کا بیان۔ اور حالت جری میں یا امدح فعل پوشیدہ کا مفعول ہے۔ **امنا** ایمان سے بنا بمعنی تصدیق اس کا متعلق پوشیدہ ہے۔ یعنی **امنا بک** ۔ **نبیک و بکلا مک** یعنی پرہیزگار وہ ہیں یا جنت پرہیزگاروں کے لئے ہے یا ہم تعریف کرتے ہیں ان لوگوں کو جو یہ عرض کرتے ہیں کہ اے مولیٰ ہم تجھ پر تیرے نبی اور تیری کتابوں پر ایمان لے آئے۔ اور ان سب کو سچ جانا۔ خیال رہے کہ دعائے مغفرت سے پہلے اپنے ایمان کا ذکر کرنا یا تو اظہار وفاداری کے لئے ہے یا شکریہ کے لئے کہ تیری مہربانی ہے کہ ہم ایمان لے آئے ورنہ اگر تو کرم نہ کرتا تو ہم کسی طرح بھی ایمان کے لائق نہ تھے۔ یا توسل کے لئے ہے کہ خدایا اس ایمان کے طفیل ہمارے گناہ بخش دے۔ اپنے اعمال کے توسل سے دعائیں کرنا بھی سنت ہے جیسا کہ حدیث غار سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل جب غار میں دفن ہو گئے تھے تو انہوں نے اپنے اعمال کے وسیلہ سے دعائیں مانگی تھیں۔ اور نجات پائی تھی۔ **فاغفرلنا ذنوبنا** ۔ **ف** جزائیہ ہے اور اس کی شرط محذوف یا ترتب کی ہے اور **امنا** پر یہ کلام مرتب ہے۔ **اغفر** **غفر** سے بنا بمعنی چھپانا اور در گزر کرنا۔ **لنا** میں لام نفع کا ہے **ذنوب**۔ **ذنب** کی جمع ہے بمعنی لازمی چیز۔ چونکہ گناہ بھی انسان کو چمٹ جاتا ہے۔ اس لئے اسے ذنب کہتے ہیں۔ یہاں وہ گناہ مراد ہیں جن کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے یعنی اے مولیٰ! چونکہ ہم ایمان لے آئے لہذا ہمارے گناہ کو چھپا لے یا معاف کر دے **فاغفر** کی ف سے معلوم ہوا کہ ایمان کے وسیلہ سے یہ دعا مانگی گئی ہے چونکہ ہم ایمان لا چکے ہیں 'تیرے وفادار ہیں' غدار نہیں ہیں۔ لہذا ہمارے گناہ بخش دے یہ دعا گنہگاری سے کرتے ہیں یعنی مذنبین بھی اور محفوظین بھی کرتے ہیں۔ معصومین بھی 'ہم مذنبین' تو گناہ کرکے معافی مانگتے ہیں۔ وہ حضرات گناہ نہیں کرتے اور معافی چاہتے ہیں اور معصومین نیکیاں کرکے معافی مانگتے ہیں کہ خدایا ہماری نیکی تیری بارگاہ کے لائق نہیں۔ اس کوتاہی کو بخش دے غرض کہ دعا ایک ہے مگر اس کے مقصد تین۔ **وقنا عذاب النار** ۔ یہ **اغفر** پر معطوف ہے۔ **ق** **وقی** یا **وقایہ** کا امر ہے یعنی بچانا۔ نار سے مراد دوزخ ہے۔ خواہ ٹھنڈا طبقہ ہو یا گرم (عذاب) اس لئے عرض کیا گیا کہ عذاب ہی سے بچنا منظور ہے ورنہ سارے مسلمان دوزخ پر سے گزریں گے اور جہنمیوں کو نکالنے کے لئے وہاں جائیں گے بھی مگر عذاب نہ پائیں گے یعنی اے مولیٰ ہمارے گناہ معاف کرکے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ **الصبرین والصدقین والقنتین** یہ الفاظ بھی یا جری حالت میں ہیں پہلے **الذین** کی صفت یا نصبی حالت میں امدح فعل کا مفعول۔ **الصابرین** صبر سے بنا بمعنی روکنا۔ اس کی تحقیق ہم دوسرے سیپارہ کے شروع میں کر چکے ہیں کہ اگر صبر اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں قوموں سے عذاب روکنا اس لئے رب تعالیٰ کا نام ہے **صبور**

یا صبار حدیث شریف میں ہے کہ بڑا صابر رب تعالیٰ ہے اگر بندے کی صفت ہو تو نفس کو گناہ وغیرہ سے روکنا مراد ہوتا ہے۔ صبر میں مخلوق شرط نہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا۔ یہاں نفس کو گھبراہٹ سے روکنے والے مراد ہیں۔ عبادت پر صبر گناہوں سے صبر، تکلیف پر صبر، جہاد میں صبر، سب ہی اس میں داخل ہیں۔ **الصدقین صدق** سے بنا، بمعنی سچائی اس کی بھی تین صورتیں ہیں۔ کلام کا سچ، جھوٹ سے بچنا۔ کلام میں سچ یعنی ہر کام پورا کرنا۔ کوئی ادھورا نہ چھوڑنا، نیت میں صدق کہ جو کام ہو اللہ کے لئے ہو۔ یہ لفظ بہت گنجائش رکھتا ہے وعدہ پورا کرنا زبان صحیح رکھنا، خبر سچی دینا ظاہر اور پوشیدہ رب تعالیٰ سے ڈرنا۔ سب ہی اس میں داخل ہیں۔ امام قتادہ کا یہی قول ہے **القنتین قنوت** سے بنا، بمعنی اطاعت اس میں جانی، مالی، بدنی ہر طرح کی اطاعت داخل ہے گویا اس کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے آپ کو شریعت کے سپرد کر دینا۔ جہاں وہ گرم کرے گرم ہو جائیں۔ جہاں نرم کرے نرم پڑ جائیں۔ یہی ابن جبیر کا قول ہے۔ امام زجاج فرماتے ہیں کہ اس سے اطاعت و عبادت پر ہمیشگی کرنا مراد ہے (کبیر و روح المعانی) بعض نے فرمایا کہ اس سے ادا ء واجبات مقصود۔ قنوط۔ ط سے بمعنی یاس و ناامیدی ہے۔ اور قنوت۔ ت سے۔ بمعنے فرمانبرداری۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا تقنطوا من رحمة الله** اور ہے **و قوموا لله قنتین** اطاعت و قنوت قریباً ہم معنی ہیں۔ مگر قنوت اطاعت سے بڑھ کر ہے کہ قنوت کی حقیقت ہے اپنے کو رب کے کنٹرول میں دے دینا۔ ملک، گھر، انجن جب ہی مفید ہے جبکہ کنٹرول میں رہیں بندہ وہی اچھا ہے جو اپنے محبوب کے کنٹرول میں ہو۔ کنٹرول سے نکل کر انجن ہزاروں کی جان برباد کر دیتا ہے۔ ہم کنٹرول سے نکل کر ایمان برباد کر لیتے ہیں۔ **والمنفقین والمستغفرین بالاسحار** یہ **القنتین** پر معطوف ہے اور اس کی طرح یا منصوب ہے یا مجرور۔ منفقین انفاق سے بنا۔ اس کی تحقیق ہم شروع پارہ الم میں کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس کے معنی ہیں خرچ کرنا۔ اگرچہ جان خرچ کرنا بھی انفاق ہے مگر اکثر مال خرچ کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اس کی بہت صورتیں، اور اس جگہ سب مراد۔ اپنے پر خرچ، بال بچوں پر خرچ، صلہ رحمی، زکوٰۃ، جہاد، تمام نیکیوں میں خرچ کرنا اس میں داخل ہے۔ **المستغفرین** استغفار سے بنا۔ جس کا مادہ غفر ہے بمعنی مٹانا یا چھپانا۔ استغفار مغفرت مانگنا۔ **اسحار** سحر کی جمع ہے بمعنی پوشیدگی، جادو اور سینہ کو اسی لئے سحر کہتے ہیں کہ وہ چھپے ہوتے ہیں۔ صبح صادق کو بھی سحر کہنے کی یہی وجہ ہے کہ اس وقت کی روشنی رات کی تاریکی میں چھپی ہوتی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے نماز تہجد پڑھنے والے مراد ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو فجر کی نماز میں شامل ہوں۔ بعض کے نزدیک اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو صبح اٹھ کر استغفار پڑھیں۔ چونکہ اس وقت دنیوی شور کم ہوتا ہے۔ نیز دل کو سکون ہوتا ہے۔ رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اس لئے اس وقت توبہ اور استغفار دعا وغیرہ زیادہ بہتر ہے۔ یعنی متقی وہ ہیں جو صابر بھی ہوں۔ صادق بھی ہوں، عبادت گزار بھی ہوں اور راہ الٰہی میں خرچ کرنے والے بھی اور نماز تہجد پڑھنے والے یا فجر جماعت سے ادا کرنے والے یا صبح اٹھ کر توبہ و استغفار کرنے والے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے حقدار پرہیزگار ہیں اور پرہیزگار وہ لوگ ہیں جن میں یہ آٹھ صفتیں موجود ہوں۔ ایک یہ کہ وہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی وفاداری کا اظہار کریں اور عرض کریں کہ اے مولا ہم بے ایمان نہیں، باغی نہیں، بلکہ تجھ کو تیرے رسولوں کو، تیری کتابوں کو، تیرے احکام کو سچا جانتے ہیں اور ہم مومن ہیں۔ پھر صرف ایمان پر ہی قناعت نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے کو گنہگار سمجھ کر عرض کرتے ہیں کہ اے مولیٰ ہم خطاکار ہیں، تو غفار ہم گنہگار ہیں، تو ستار، ہمارے سارے چھوٹے بڑے، اگلے پچھلے، ظاہر پوشیدہ گناہ معاف کر دے۔ تیسرے یہ کہ وہ خدا کی جباری قہاری سے ڈرتے

بھی ہیں اپنی نیکیوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ اس لئے عرض کرتے ہیں کہ مولیٰ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ اسی طرح کہ قبر میں آگ ہمارے پاس نہ آئے اور بعد حشر ہم آگ میں سزا کے لئے نہ جائیں۔ بلکہ دنیا میں رب کی نعمتیں، صحت، دولت، عزت، اولاد ہمارے لئے نور ہوں۔ نار نہ ہوں، جو نعمت رب سے غافل کردے وہ نار ہے کہ یار سے فراق کا باعث ہے اور جو نعمت رب سے ملادے وہ نور ہے بلکہ عبادت، ریاضت، علم بھی یا نار ہے یا نور۔ اسی ایک کلمے میں ان تمام قسم کی آگ کے عذاب سے پناہ مانگی ہے۔ بہت جامع دعا ہے۔ شیطان کا علم و عبادت نار تھیں۔ ابو جہل و قارون کی دولت نار فرعون کی سلطنت نار تھی کہ ان چیزوں نے انہیں نار میں داخل کیا رب تعالیٰ فرماتا ہے **اتخذ الهه هوله و اضله الله علی علم** چوتھے یہ کہ وہ مصیبتوں، اور عبادت کی مشقتوں، اور جہاد کی دشواریوں پر بھی صبر کرتے ہیں۔ اور اپنے نفس کو گناہوں سے روکتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ وہ قول کے سچے ہیں، خبر دیتے ہیں تو سچی، وعدہ کرتے ہیں تو سچا، اپنے فعل کے سچے ہیں کہ جو نیک کام شروع کرتے ہیں اسے بغیر پورا کئے نہیں چھوڑتے، نیت کے بھی سچے ہیں کہ ہر نیکی اللہ کے لئے کرتے ہیں اور جس کام کا ارادہ کرلیتے ہیں اسے کرکے چھوڑتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ وہ اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بندے ہیں کہ ہمیشہ ہر قسم کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں۔ نمازیں پڑھیں تو ہمیشہ روزہ رکھیں تو پابندی سے۔ زکوٰۃ دیں تو پورے حساب سے۔ ساتویں یہ کہ وہ بخیل و کنجوس نہیں۔ جائز کاموں میں اور نیکیوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ بندوں کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ آٹھویں یہ کہ جب سب لوگ سوتے ہیں اور نیند کا اچھا وقت ہوتا ہے تب یہ لوگ اپنے نرم و گرم بستر چھوڑ کر مصلی پر آجاتے ہیں اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ استغفار کرتے ہیں۔ یہی سچے متقی ہیں۔ اور جنت کے حقدار۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نیک اعمال کی برکت سے دعا کرنی چاہئے، دیکھو یہاں متقیوں کی یہ پہچان بتائی گئی کہ وہ دعا کے وقت اپنے ایمان کا ذکر کرتے ہیں اور اسی کے طفیل دعا مانگتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** بعض نیکیاں چھپ کر کرنی چاہئے اور بعض ظاہر اپنے ایمان کو ظاہر کرنا بہت ضروری ہے اپنی صورت سیرت، لباس، وضع قطع سے ایمان ظاہر کرو۔ دیکھو یہاں اظہار ایمان کو متقیوں کا نشان قرار دیا گیا۔ تہجد چھپ کر پڑھو۔ مگر پنجگانہ نماز اور جمعہ و عیدین ظاہر کرکے جماعت سے پڑھو، نوافل گھر میں پڑھو مگر تحیۃ المسجد، نماز اشراق، نماز سفر مسجد میں ادا کرو۔ **تیسرا فائدہ:** اپنے کو گنہگار سمجھنا اور ہمیشہ رب سے مغفرت مانگنا پرہیزگاری کی علامت ہے۔ جیسا کہ **فاغفر لنا** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** نیکی پر پابندی کرنی چاہئے۔ اگرچہ تھوڑی ہی ہو۔ کبھی بہت نیکی کرنا۔ کبھی بالکل نہ کرنا برا ہے جیسا کہ **قلنتین** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** ضروری ہے کہ اپنی زبان، دل، نیت سب سچی رکھو۔ جیسا کہ صادقین کے عموم سے معلوم ہوا۔ ہم پہلے پارہ میں عرض کرچکے ہیں کہ چند مقامات میں جھوٹ پر پکڑ نہیں۔ ایک خطرہ جان کے وقت کفر بک دینے میں۔ دوسرے مسلمانوں میں صلح کرانے میں۔ تیسرے اپنی بیوی کو راضی کرنے میں وغیرہ وغیرہ۔ **چھٹا فائدہ:** نماز تہجد بہت بہتر عبادت ہے۔ اس سے چہرہ پر نور، دل میں سرور، قلب کو راحت، ایمان کو قوت اور نفس کو تروتازگی حاصل ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں اس کے بڑے فضائل آئے یہ **المستغفرین** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ** بعض اوقات اور بعض جگہ میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ دیکھو صبح صادق کے وقت استغفار کرنا، دعا مانگنا بہت بہتر ہے جیسا کہ **المستغفرین** کی دوسری تفسیر سے معلوم

ہو۔ **آٹھواں فائدہ:** تمام نیکیوں کی جڑ نیت خیر ہے اگر چلنا' پھرنا' سونا' جاگنا' تجارت کرنا' بچوں کو پالنا نیت خیر سے ہے تو عبادت ہے اور بری نیت (ریا وغیرہ) سے نماز بھی عبادت نہیں۔

توبہ و استغفار

توبہ و استغفار کرنا بڑی عبادت ہے قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں اس کے بڑے فضائل آئے ہیں۔ ہم اولاً اس کے فضائل اور پھر اس کے مسائل عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے اور عمل کی توفیق بخشے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما کان اللہ معذبھم و ھم یستغفرون** رب تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ حالانکہ استغفار کرتے ہیں۔ (1) مشکوۃ باب الاستغفار میں بروایت بخاری ہے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں روزانہ ستر بار سے زیادہ توبہ استغفار کرتا ہوں۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ ہم روزانہ سو بار استغفار کرتے ہیں۔ اے لوگو تم بھی استغفار کرو۔ (2) مسلم بخاری و مشکوۃ میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا۔ پھر ایک عالم سے پوچھا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے اس نے کہا نہیں۔ اسے بھی قتل کر کے سو پورے کر دیئے۔ پھر دل میں شرمندگی پیدا ہوئی ایک اور عالم کے پاس مسئلہ پوچھنے کے لئے چلا۔ راستہ میں موت آ گئی۔ تو اس نے اپنا سینہ اس عالم کے گاؤں کی طرف کر دیا اور مر گیا۔ رحمت و عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا ہوا کہ اس کی روح کون لے جائے گا۔ حکم الٰہی آیا کہ جہاں سے آ رہا تھا وہ اس کے گناہ کا گاؤں تھا اور نیکی کرنے جا رہا تھا زمین ناپو۔ جو گاؤں قریب ہو اس کا اعتبار کرو۔ یعنی اگر عالم کا گاؤں قریب ہے تو رحمت کے فرشتے لے جائیں اور اگر وہ بستی قریب ہو تو عذاب والے فرشتے اٹھائیں۔ ناپا گیا تو یہ بالکل بیچ میں تھا۔ رب تعالیٰ نے اس گناہ کی بستی کو پیچھے ہٹایا اور عالم کی بستی کو آگے بڑھایا۔ اور فرمایا اب ناپو۔ اب اس کی لاش عالم کی بستی سے ایک بالشت زیادہ قریب تھی۔ اس کی بخشش کر دی۔ (3) مسلم شریف اور مشکوۃ میں ہے کہ رب تعالیٰ بندہ کی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص جنگل میں ہو اور اس کے توشہ کا اونٹ گم ہو جائے اور یہ زندگی سے مایوس ہو کر مرنے کے لئے لیٹ جائے۔ پھر اچانک اس کا اونٹ مع توشہ کے آ جائے۔ جتنی خوشی اس شخص کو ہو سکتی ہے اس سے زیادہ خوشی رب تعالیٰ کو بندہ کی توبہ سے ہوتی ہے۔ (4) مسلم بخاری اور مشکوۃ میں ہے کہ جو بندہ گناہ کر کے رو کر عرض کرتا ہے کہ رب **اذنبت فاغفرہ** تو رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو سزا و جزا پر قادر ہے۔ جاؤ میں نے بخش دیا۔ بندہ پھر گناہ کر بیٹھتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے پھر اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ (5) ترمذی شریف میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے اے بندے اگر تیرے گناہ بادل تک پہنچ جائیں پھر تو استغفار کرے تو میں بخش دوں گا۔ اور کوئی پرواہ نہ کروں گا۔ اور اے بندے اگر تو میرے پاس زمین بھر کے گناہ لائے گا بشرطیکہ شرک و کفر سے بچا رہے تو میں تجھے زمین بھر کر مغفرت دوں گا۔ (6) ابو داؤد' ابن ماجہ میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو انسان ہمیشہ استغفار پڑھتا رہے تو رب تعالیٰ اسے ہر تنگی سے نجات اور غم سے خلاصی دے گا۔ اور اس جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو گا۔ (7) احمد ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ گناہ مومن کے دل میں کالا داغ پیدا کرتا ہے اور اس کے لئے توبہ و استغفار ایسی ہے جیسے زنگ آلود لوہے کے لئے صیقل۔ نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مبارک ہے وہ شخص جس

کے بلند اعمال میں زیادہ توبہ و استغفار پائی جائے۔ (8) بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن اپنے گناہ کو مثل پہاڑ کے سمجھتا ہے کہ گویا پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور وہ اس پر گرا جا رہا ہے۔ اور فاسق اپنے گناہوں کو مکھی کی طرح سمجھتا ہے کہ بالکل پرواہ نہیں کرتا۔ (10) بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن ماجہ نے روایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ اس نے گناہ کئے ہی نہ تھے۔ (11) تمام درود وظائف کی تاثیریں اور فوائد احادیث یا مشائخ کے اقوال سے ثابت صرف استغفار ہی وہ عمل و وظیفہ ہے۔ جس کے فوائد قرآن کریم نے بیان فرمائے کہ نوح علیہ السلام کا فرمان نقل فرمایا جو انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا **استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا** ” غرضکہ استغفار قرآنی عمل اور قرآنی وظیفہ ہے۔ (12) انسان اس وقت تک کسی سے معافی مانگتا ہے جب اپنی بے کسی ' بے بسی ' دوسرے کی قوت و قدرت کا معتقد ہو۔ اس طرح بندہ جب ہی رب تعالیٰ سے معافی مانگے گا جب اپنے کو بے بس گنہگار جانے رب تعالیٰ کو قوت و قدرت والا مانے ' یہ عقیدہ ہی عبدیت کی دلیل ہے۔ اور کریم معافی مانگنے والے کو نہیں پکڑتے گرے کو کوئی نہیں گراتا۔ بلکہ گرے کو اٹھاتے ہیں۔ رب تعالیٰ بھی معافی مانگنے والوں کو پکڑتا نہیں بلکہ معافی دیتا ہے وہاں بہانے نہ بنائے عجز و انکسار لے کر حاضر ہو۔ شعر۔

عجز کار انبیاء و اولیاء است   عاجزی محبوب درگاہ خدا است

توبہ و استغفار کے مسائل :

توبہ و استغفار کی حقیقت یہ ہے کہ گنہگار گذشتہ گناہ پر دل میں شرمندہ ہو اور آئندہ بچنے کا عہد کرے۔ شرح سنہ اور مشکوٰۃ باب الاستغفار میں ہے کہ **الندم توبۃ** شرمندہ ہونا بھی توبہ ہے۔ اس کی شرح مرقاۃ میں فرمایا کہ توبہ کے تین رکن ہیں۔ گذشتہ پر شرمندگی۔ آئندہ بچنے سے عہد اور گذشتہ کوتاہیوں کا بقدر طاقت بدلہ کر دینا۔ مسئلہ: توبہ بقدر گناہ چاہئے۔ یعنی چھپے گناہ کی چھپی توبہ۔ اور ظاہر گناہ کی ظاہر توبہ۔ مسئلہ: توبہ کی تین صورتیں ہیں۔ حقوق شریعت سے توبہ حقوق العباد سے توبہ اور حقوق اللہ سے توبہ۔ حقوق شریعت کی توبہ میں ضروری ہے کہ وہ حقوق ادا کر دیئے جائیں۔ نمازیں رہ گئی ہیں تو قضا کرے۔ روزے رہ گئے ہیں تو پورے کرے۔ ڈاڑھی منڈاتا ہے تو توبہ کرے اور آئندہ نہ منڈانے کا عہد کرے ایسے ہی بندوں کے حقوق ادا کرے۔ نوٹ توبہ کے باقی مسائل انشاء اللہ اس آیت کی تفسیر میں آئیں گے۔ **انما التوبۃ علی اللہ للذین** الخ۔ مسئلہ: توبہ و استغفار کا بہتر وقت صبح صادق ہے۔ ابن جریر نے عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ وہ رات کو نماز پڑھتے رہتے تھے پھر اپنے غلام سے پوچھتے کہ اے نافع کیا صبح صادق ہو گئی ہے وہ عرض کرتے نہیں۔ تو پھر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ جب وہ عرض کرتے کہ ہاں صبح ہو گئی تو بیٹھ کر استغفار پڑھتے (روح المعانی و کبیر)۔ مسئلہ: جو کوئی سنت فجر اپنے گھر پڑھے اور اس کے بعد ستر بار یہ پڑھ لیا کرے۔ **استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ** _ اول و آخر درود شریف تین تین بار۔ وہ انشاء اللہ متقین اور استغفار کرنے والوں کے زمرہ میں ہو گا (ابن مردویہ و روح المعانی) اور تجربہ یہ ہے کہ اس سے گھر میں اتفاق اور مصیبتوں سے نجات اور رزق میں برکت رہتی ہے۔ مسئلہ: توبہ و استغفار کے لئے صبح صادق کا وقت نہایت مناسب ہے۔

(1) ابن جریر اور احمد نے نقل کیا کہ داؤد علیہ السلام نے حضرت جبریل سے پوچھا کہ اے جبریل رات کا کون سا حصہ افضل ہے۔ انہوں نے عرض کیا اے نبی اللہ یہ تو مجھے خبر نہیں۔ہاں میں دیکھتا ہوں کہ صبح کے وقت عرش الٰہی ہلتا ہے (روح المعانی)۔ (2) نیز حدیث پاک میں ہے کہ رب تعالیٰ رات کے آخری حصہ میں پہلے آسمان کی طرف توجہ کرم کرکے فرماتا ہے کہ کون دعا مانگتا ہے کہ قبول کروں کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اسے دوں' مجھ سے کون مغفرت مانگتا ہے کہ اسے بخش دوں۔ صبح تک یہی ندائیں رہتی ہیں (روح المعانی)۔ حضرت لقمان نے اپنے فرزند سے فرمایا کہ اے بیٹے مرغ سے بدتر نہ ہو جانا کہ وہ صبح ہی ذکر الٰہی کرے اور تم اس وقت سوتے ہو (خزائن العرفان) بلکہ صبح کو سونے والا کتے سے بدتر ہے کہ کتا تمام رات مالک کا پہرہ دے کر پھر صبح کو سوتا ہے۔ اور یہ شخص رات گناہوں میں گزار کر عبادت کے وقت غافل ہو جاتا ہے۔

حیف تو سوتا ہو اور مسجد میں ہوتی ہو اذان مرغ و ملی سب اٹھیں یاد خدا کے واسطے
گفتم ایں شرط آدمیت نیست مرغ تسبیح خواں و من خاموش

کتے کے سوا کوئی جانور صبح کے وقت نہیں سوتا۔ (4) مجاہد نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام کے فرزندوں نے اپنے والد سے دعائے مغفرت کی درخواست کی انہوں نے جواب دیا۔ **سوف استغفر لکم ربی** ابھی نہیں پھر دعا کروں گا۔ آپ کا یہی منشا تھا کہ صبح صادق کے وقت دعا کی جائے تاکہ جلدی قبول ہو (روح البیان)۔ (5) آزمایا گیا ہے کہ جس گھر کے افراد صبح تڑکے اٹھ بیٹھنے کے عادی ہوں اور گھر کا دروازہ کھول دیتے ہوں تو اس گھر میں برکت رہتی ہے۔ غرضکہ توبہ و استغفار کے لئے وقت سحر نہایت موزوں ہے اسی لئے فرمایا گیا۔ **بالاسحار**

کون سی استغفار افضل ہے:

مشہور یہ ہے **استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ** اگر سنت فجر کے بعد اول و آخر تین تین بار درود شریف پڑھ کر درمیان میں ستر بار استغفار پڑھ لی جائے تو بہت فائدہ مند ہے۔ فقیر کا عمل یہ ہے کہ سنت فجر کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر اولاً" درود شریف پھر بعد یہ آیت پڑھتا ہے۔ **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما** اس کے بعد بارگاہ نبوی کی طرف توجہ کرکے یہ عرض کرتا ہے۔ **لجئت علی بابک یا رسول اللہ عاصیا" و مجرما" وعلی نفسی ظالما وجئت علی بابک یا حبیب اللہ مستغفر او جئت علی بابک یا شفیع المذنبین مستشفعا"** پھر یہ آیت تلاوت کرتا ہے۔ **واما السائل فلا تنہر** پھر بارگاہ رسالت میں یوں عرض کرتا ہے **انا سائل علی بابک یا رسول اللہ اسئلک الشفاعۃ یا رسول اللہ اسئلک مرافقتک فی الجنۃ یا حبیب اللہ اسائلک الشفاعۃ یا شفیع المذنبین** اور پھر استغفار ستر بار پڑھتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کا بہت فائدہ پاتا ہے۔ بخاری شریف میں بروایت شداد ابن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ سید الاستغفار یہ ہے۔ **اللہم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عہدک ووعدک ما استطعت اعوذبک من شرما صنعت ابوء لک**

بنعمتک علی و ابوء بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ جو دن میں پڑھ لے اور شام سے پہلے مر جائے تو وہ جنتی ہے اور جو کوئی رات میں پڑھے اور صبح سے پہلے مر جائے وہ جنتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت قسم کے استغفار روایتوں میں آئے ہیں۔ جس قدر ہم نے نقل کر دیئے کافی ہیں مگر اخلاص اور دل کا حاضر ہونا شرط ہے۔

اعتراض : **پہلا اعتراض:** رب تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے پھر ایسا کہنا کہ اے اپنے ایمان کی کیوں خبر دی جا رہی ہے کیا وہ ہمارے ایمان سے بے خبر ہے۔ **جواب:** اس میں تین فائدے ہیں۔ اول اپنا استحقاق مغفرت عرض کرنا کہ ہم باغی نہیں۔ بلکہ تیرے سوا کسی دروازہ کو نہ دیکھا نہ جانا ہمارا تو ہی ہے۔ لہٰذا گناہ معاف کر، تیسرے یہ کہ اپنی مصیبتوں کا اس میں اظہار ہے اور دنیا سے بے نیازی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ چونکہ دنیا مومن کے لئے جیل ہے اور کافر کے لئے جنت۔ لہٰذا ہم دنیا کی تکالیف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آخرت کی نجات مانگتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس دعا کو لفظ ربنا سے کیوں شروع کیا گیا۔ خدا کے نام تو اور بہت سے ہیں ان سے کیوں نہ پکارا؟ **جواب:** رحمت الٰہی کو جوش میں لانے کے لئے کہ چونکہ تو ہمارا پالنے والا ہے۔ اور ہم تیرے در کے پلے ہوئے اور پروردہ غلام جو ہر مصیبت میں اپنے مربی کو پکارتا ہے۔ اسی غرض سے ہم بھی گناہ کی مصیبت میں پھنسے۔ تجھے پکارتے ہیں ربنا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ متقی وہ ہو سکتا ہے کہ جس میں صبر، سچائی، اطاعت، خیرات اور دعائے مغفرت کے اوصاف جمع ہوں۔ تو جو انبیاء اولیاء علیہم الرحمۃ عیش میں رہے۔ اور انہیں صبر کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام یا حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ متقی ہوئے یا نہیں۔ نیز وہ غریب مسلمان جن میں خیرات کی طاقت نہیں۔ وہ متقی نہیں۔ وہ متقی ہیں یا نہیں نیز انبیائے کرام گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں مانگتے تو متقی نہ ہوئے اور اگر مانگتے ہیں تو یہ جھوٹ ہے کہ وہ اپنے کو گنہگار کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ **لطیفہ:** کسی بزرگ کا بیٹا بہت جھوٹ بولتا تھا۔ ایک بار ان بزرگ نے اسے نصیحت کی کہ بیٹا جھوٹ مت بولا کر بڑا گناہ ہے۔ اس نے کہا حضرت میں نے جھوٹ بولنا آپ سے سیکھا۔ پوچھا کہ میں نے کون سا جھوٹ بولا۔ وہ بولا بتایئے! آپ ولی ہیں یا نہیں۔ بزرگ نے فرمایا! اے بیٹا میں بڑا گنہگار بندہ ہوں۔ مجھے ولایت سے کیا تعلق۔ بیٹا بولا۔ قسم خدا کی آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ اللہ کے پیارے اور ولی کامل ہیں اور تمام دنیا آپ کو ولی کہتی ہے۔ **جواب:** ان تینوں سوالوں کا مکمل جواب انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ سے معلوم ہو جائے گا۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ صبر ہر ناپسندیدہ چیز میں ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کے لئے دنیا کی زندگی اور فراق بار گراں ہے۔ اسے برداشت کرنا ان کا صبر ہے۔ نیز خرچ مال پر موقوف نہیں۔ نفس اور وقت، عزت و آبرو ہر چیز راہ الٰہی میں خرچ ہو سکتی ہے۔ تیسرے اعتراض کا جواب اس شعر سے معلوم کر لو۔

زاہداں از گناہ توبہ کنند　　　عارفاں از عبادت استغفار

ہر ایک کا توبہ اس کے درجہ کے لائق ہے اور اسی لحاظ سے وہ اپنے کو خطا کار کہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : تقویٰ کے چند درجے ہیں۔ شرک و کفر سے بچنا تقویٰ عوام ہے۔ حرام چیزوں سے بچنا تقویٰ مومنین۔ شبہ کی چیزوں سے بچنا تقویٰ کاملین ہے اور ماسواء اللہ سے بچنا تقویٰ عارفین ہے جیسا تقویٰ ویسی اس کے لئے جنت، عارفین اور عوام کے الفاظ تو یکساں ہیں۔ مگر معانی میں زمین و آسمان کا فرق اس کے معنے عارفین کے حق میں یوں ہو سکتے ہیں کہ ماسواللہ سے بچنے والے متقی یوں عرض کرتے ہیں کہ اے مولیٰ ہم تجھے تیرے افعال و صفات کی تجلیات میں دیکھ کر تجھ پر شعوری ایمان لا

چکے۔ لہٰذا تو ہمارے وجودی گناہوں کو بخش دے۔ تیرے ہوتے ہمارا ہونا بھی گناہ ہے۔ اصل عبادت تجھ میں فنا ہے۔ اس میں ہم سے کوتاہی ہوئی ہمیں معاف کر اور ہمیں محرومی اور حجاب و ہجران کی آگ کے عذاب سے بچالے۔ یہ متقی مجاہدات' ریاضات اور مخالفت نفس پر صبر کرتے ہیں۔ یایوں کہو کہ اللہ کے بارے میں اللہ کے لئے یا اللہ پر یا اللہ سے صبر کرتے ہیں۔

حکایت : ایک دیوانہ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کے پاس آکر بولا کہ بتایئے کون سا صبر افضل ہے۔ آپ نے فرمایا **الصبر فی اللہ** وہ بولا نہیں آپ نے فرمایا **الصبر للہ** وہ بولا نہیں۔ آپ نے فرمایا **الصبر مع اللہ** وہ بولا نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر تو کہہ وہ بولا **الصبر عن اللہ** حضرت شبلی یہ سن کر چیخیں مار کر اتنا روئے۔ قریب تھا کہ جان نکل جائے (تفسیر کبیر)۔ حقیقی محبوب رب ہے۔ اس سے مجبوب رہ کر بے قرار نہ ہونا صبر ہے اور صوفیاء کے نزدیک بڑا صابر وہ ہے۔ نیز راہ محبت طے کرنے کی حالت میں بندے پر کبھی قبض وارد ہوتا ہے۔ کبھی بسط صابر وہ ہے جو قبض میں گھبرا کر یہ سفر نہ چھوڑ دے اور بسط میں فخروناز نہ کرے۔ کبھی نماز و دیگر عبادات میں ایسی لذت آتی ہے کہ سبحان اللہ اور کبھی کچھ نظر نہیں آتا ہے وہ بسط تھا یہ قبض۔ لطف نہ آنے کی صورت میں نماز وغیرہ سے دل تنگ نہ ہو جائے۔ اور چھوڑ نہ بیٹھے۔ کسی نے ایک بزرگ سے نماز میں دل نہ لگنے کی شکایت کی۔ بولا کہ نماز پڑھ تو لیتا ہوں مگر لطف خاک نہیں آتا۔ دل نہیں لگتا۔ بزرگ نے فرمایا تم بڑے خوش نصیب ہو کہ خالص اللہ کے لئے عبادت کرتے ہو کیونکہ جسے نماز میں مزہ آئے اور وہ نماز پڑھے 'وہ مزے کے لئے پڑھتا ہے۔ مگر جسے مزہ نہ آئے اور پڑھے وہ اللہ کے لئے پڑھتا ہے۔ بلکہ اگر اتفاقاً" کبھی نماز قضا ہو جائے یا جماعت جاتی رہے اس پر سخت رنج ہو پھر اس رنج پر صبر کرے یہ بھی صبر کی ایک صورت ہے اللہ تعالیٰ نے ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم اور صحابہ کرام کی نماز فجر قضا کرا دی۔ اس قضاء میں یہ حکمت تھی کہ ان حضرات کو اس پر ملال ہو اور اس کا ثواب ملے۔ اور ملال پر صبر کریں تو صبر کا بھی ثواب اور تاقیامت لوگوں کو قضا کے احکام معلوم ہوں اور وہ متقی محبت اور ارادہ میں سچے ہیں اور راہ محبت میں صبر کرنے میں وہ اللہ کے مشتاق ہیں اور جو اللہ کی راہ میں اپنے مال' اپنے افعال' اپنے صفات' اپنے نفوس' اپنی ذات غرضکہ اپنا سب کچھ خرچ کر ڈالتے ہیں اور جب مطلع انوار سے نوری تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور قیامت کبریٰ کے دن کا سویرا ہوتا ہے تو وہ اپنے تعینات کے گناہ سے معافی چاہتے ہیں۔ یہ اس میدان کے سچے متقی ہیں۔ بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ صابر وہ جو طلب پر قائم رہے۔ تعجب سے نہ گھبرائے ہر راحت و طرب کو چھوڑ دے۔ بلوی پر صبر کرے۔ پھر صادق ہو' پھر شاہد ہو' پھر شاہد' پھر صادق' پس رب کا واحد ہو۔ پھر صادق ہو۔ پس اپنا فاقد ہو۔ ان کا حال اولاً" قصد پھر بروز پھر شہود پھر وجود پھر خمود رہے۔ رب تعالیٰ اس قال کو بھی حال بنا دے (تفسیر ابن عربی و روح المعانی)۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ

گواہی دی اللہ نے کہ تحقیق شان یہ ہے کہ نہیں ہے	کوئی معبود سوا اس کے اور فرشتوں	اور صاحبان علم نے	قائم ہے ساتھ انصاف کے
اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے	اور عالموں نے	انصاف سے قائم ہو کر	اس کے سوا کسی کی

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَ مَا

نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے غالب حکمت والا تحقیق دین نزدیک اللہ کے اسلام ہے اور نہیں اختلاف کیا

عبادت نہیں عزت والا حکمت والا ہے بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے اور پھوٹ میں نہ پڑے

اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ

ان لوگوں نے جو دیئے گئے کتاب مگر پیچھے سے اس کے کہ آیا ان کے پاس علم حسد سے درمیان اپنے اور جو

کتابی مگر بعد اس کے کہ انہیں علم آچکا اپنے دلوں کی جلن سے اور جو اللہ کی

بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

انکار کرے آیتوں کا اللہ کی پس تحقیق اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

آیتوں کا منکر ہو تو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں متقین کے اوصاف اور تقویٰ کے ارکان بیان کیے گئے۔ اب تقویٰ کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ پرہیزگار اس لئے رب سے ڈرتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ایمان کا ذکر تھا۔ اب دلائل ایمان بیان ہو رہے ہیں کہ رب تعالیٰ کی وحدانیت پر خود پروردگار اور اس کی مخلوق گواہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ بغیر تقویٰ جنت نہیں مل سکتی۔ اب اس کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ رب تعالیٰ کے ہاں انصاف ہے ظلم نہیں اور اس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ جس کے ہاں اس کے فیصلہ کی اپیل کی جا سکے لہٰذا تقویٰ ہی جنت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں متقیوں کی صفات میں ایمان کا ذکر ہوا تھا۔ اب ایمان کے رکن اعلیٰ یعنی رب کی ذات و صفات کا ذکر ہے گویا ایمان کا اجمالی ذکر پہلے ہوا تھا۔ اب اس کی قدرے تفصیل ہو رہی ہے۔

شان نزول : شام کے علمائے یہود میں سے دو عالم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ جب انہوں نے مدینہ منورہ کو دیکھا تو ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شہر کی یہی صفت ہے جو اس شہر میں پائی جاتی ہے۔ جب آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے تو انہوں نے حضور علیہ السلام کی شکل مبارک اور اخلاق کریمانہ کو توریت کے مطابق دیکھ کر حضور علیہ السلام کو پہچان لیا۔ اور عرض کیا کہ آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا! ہاں، پھر عرض کیا کیا آپ احمد ہیں۔ فرمایا ہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) عرض کرنے لگے ہم ایک سوال پیش کرتے ہیں اگر آپ نے اس کا ٹھیک جواب دے دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے فرمایئے کہ کتاب اللہ میں سب سے بڑی گواہی کون سی ہے؟ اس پر آیت کریمہ شھد اللہ الخ نازل ہوئی۔ جسے سن کر وہ دونوں مسلمان ہو گئے (خزائن العرفان، روح البیان و روح المعانی وغیرہ)۔ غرضکہ یہ لوگ کہیں سے آئے تھے اور کہیں جا رہے تھے۔ راستہ

ئیں ایمان و عرفان بھی مل گیا اور صحابیت بھی میسر ہو گئی۔ شعر

خدا کی دین کا پوچھئے موسیٰ سے احوال — کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

رب کی بے نیازی ہے کہ مدینہ میں رہنے والے یہود و منافقین کو ایمان نہ ملا اور مدینہ پرے سے گزرنے والوں کو بہت کچھ مل گیا۔

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم — زخاک مکہ ابوجہل ایں چہ ابوالعجبیست

ایک روایت یہ ہے کہ یہود اور عیسائیوں نے اسلام کا نام چھوڑ کر اپنے دین کا نام یہودیت اور نصرانیت رکھ لیا۔ یہودیوں نے اپنے خاندان کے عیسائیوں نے اپنے ملک کے نام پر دین کے نام رکھے۔ یہود ان کے جد کا نام تھا ناصرہ عیسائیوں کے وطن کا نام جیسے آریہ آج ایران کا نام یا پارس فارس ملک کے نام پر منسوب ہے۔ ہندو یعنی چور ڈاکو ان کے عمال تھے۔ ان کے نام پر ہوا۔ اسلام کے جیسے کام پیارے ہیں ویسے ہی نام پیارا۔ جن میں نسبت، ملک وغیرہ کی بو تک نہیں۔ اسلامی سنہ ہجری میں بھی ہجرت کی یادگار ہے جو ایک عبادت ہے اسلامی سلام و اذان بھی تمام دینوں کے سلام، اعلان اور عبادت سے افضل۔ غرضکہ یہود و نصاریٰ نے اپنے دین کے نام بدلے اور حضور علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا۔ تب آیت کریمہ **ان الدین عند اللہ الاسلام** نازل ہوئی (خزائن و روح المعانی و بیان)۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہود نے کہا ہمارا دین افضل ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ ہمارا دین اعلیٰ۔ ان دونوں کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لئے **ان الدین** الخ اور **وما اختلف الذین** الخ نازل ہوئی (روح المعانی)۔ حضرت سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ کعبہ معظمہ میں تین سو ساٹھ بت تھے جب مدینہ منورہ میں یہ آیت اتری۔ تب کعبہ کے اندر وہ سارے بت سجدہ میں گر گئے (خزائن العرفان)۔

تفسیر: **شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ واولوا العلم۔ شھد۔** شہود اور شہادت کا فعل ماضی ہے۔ یہاں شہادت سے بنا یعنی گواہی۔ گواہی کی چند صورتیں ہوتی ہیں۔ (۱) کسی نے حاکم کی کچہری میں دعویٰ کیا۔ حاکم نے ثبوت مانگا۔ اس نے گواہ پیش کر دیئے۔ جنہوں نے مدعی کی تصدیق کی۔ اس گواہی کے لئے دعویٰ کچہری وغیرہ ضروری ہے۔ (2) آپ نے ماہ رمضان کا چاند دیکھا عالم سے یا لوگوں سے کہا کہ کل روزہ ہے۔ یعنی چاند دیکھ لیا ہے اس گواہی کے لئے نہ دعویٰ ضروری ہے اور نہ کچہری لازم۔ صرف دینی مسئلہ شائع کرنے کے لئے گواہی دی۔ (3) مسجد کی عمارت اور وہاں کا سامان تمام گھروں اور گرجوں، مندر وغیرہ سے ممتاز ہے تاکہ عمارت کی وضع قطع سامان گواہی دے کہ یہ نہ کسی کا مکان ہے نہ مندر وغیرہ۔ محراب و منبر چٹائیاں اور مصلیٰ اس کی مسجدیت کے گواہ ہیں۔ یونیورسٹی کی سند، حاکم کی وردی۔ بلہ محکمہ اور حکومت کی طرف سے گواہ ہیں۔ غرضیکہ جیسا گواہ ویسی گواہی یہاں گواہی کا فاعل تین ذاتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور علماء یا ان تینوں کی شہادت ایک معنی کی ہے۔ یعنی سچی خبر کہ رب تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی قرآن کریم میں خبر دی اور فرشتوں نے بطریق شہودی اور علماء نے دلائل۔ یقینیہ دیکھ کر توحید کا اقرار کیا یا یعنی بیان یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید ظاہر کی اور فرشتوں نے انبیائے کرام کو اس کی خبر دی۔ رب تعالیٰ کی گواہی دلائل قدرت کو پیدا فرمانا ہے اور مخلوق کی گواہی ان دلائل کو دیکھ کر اقرار کرنا ہے۔ **انہ لا الہ الا ھو** وہ بات ہے۔ جس کی گواہی دی گئی۔ اور ملائکہ لفظ اللہ پر معطوف ہے اور علم والوں سے یا تو انبیائے کرام مراد ہیں یا مہاجرین، یا انصار، یا اہل کتاب کے علماء کاملین جو حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ایمان لے آئے یا سارے علماء دین چونکہ فرشتوں کا علم بدیہی ہے۔ نیز فرشتے رب تعالیٰ اور انسان کے درمیان واسطہ ہیں۔ نیز فرشتوں میں کوئی مشرک یا منکر رب نہیں۔ نیز یہ حکم ان کی بقاء و زندگی کا ذریعہ ہے کہ ہم لوگ ہوا سے سانس لیتے ہیں اور ان کی ہوا کلمہ ہے جس سے وہ سانس لیتے ہیں۔ کیونکہ جہاں وہ ہیں وہاں ہوا کہاں۔ اس لئے علماء سے پہلے ان کا ذکر کیا گیا چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے بغیر گواہی توحید بیکار ہے۔ اس لئے ان علماء اہل کتاب کا ذکر ہوا ہے جو یہاں حضور پر ایمان لے آئے تھے یا چونکہ علماء اسلام کی گواہی توحید تمام مسلمانوں کی گواہی کا ذریعہ ہے کہ یہاں ہی سے اسلام کے عقائد و اعمال قائم ہیں۔ اس لئے صرف علماء کی گواہی کا ذکر ہوا علماء اگرچہ برے ہوں۔ مگر دین ان سے قائم ہے۔ شیر خوار بچے کی زندگی ماں کی چھاتیوں کا دودھ ہے۔ اگرچہ وہ میلی کچیلی ہو۔ یونہی علماء کے سینے مسلمانوں کی روحانی زندگی کے بقاء کا ذریعہ ہیں۔ **قائما** " **بالقسط** قائما قیام سے بنا بمعنی کھڑا ہونا۔ سیدھا ہونا' قائم کرنا اور جاری کرنا۔ یہاں آخری دو معنی بن سکتے ہیں۔ یہ ترکیب میں **الا هو** کی ضمیر **هو** سے حال ہے یا **الٰه** کی صفت اور صفت موصوف میں فاصلہ جائز ہے یا لفظ اللہ کا حال یا **اولو العلم** کا حال۔ ممکن ہے کہ امدح پوشیدہ فعل کا مفعول بہ ہو (کبیر و معانی وغیرہ) بالقسط کی ب یا تعدیہ کی ہے۔ یا صلہ کی یعنی قسط کو قائم کرنے والا یا قسط سے قائم ہو کر۔ قسط کے لغوی معنی ہیں حصہ۔ اس کی جمع ہے اقساط۔ اصطلاح میں انصاف کو قسط کہتے ہیں۔ کیونکہ انصاف کے ذریعہ ہر ایک کو اس کا حصہ پہنچ جاتا ہے مگر لطف یہ ہے کہ قاسط بمعنی ظالم آتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و اما القسطون فكانوا لجهنم حطبا** " اور مقسط بمعنی منصف و عادل ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **ان الله يحب المقسطين** مگر قسط کبھی بمعنی ظلم نہیں آتا۔ یہاں اگر یہ رب کی صفت ہو تو اس سے دینی اور دنیوی انصاف مراد ہے۔ یعنی رب تعالیٰ دینی و دنیوی معاملات میں انصاف فرمانے والا ہے کہ ہر ایک کو اس کے لائق اعضاء' حسن' غنی' فقر' بیماری' تندرستی عمر وغیرہ۔ اسی طرح ہر ایک کو علم' جہالت' ہدایت' گمراہی عطا فرماتا ہے۔ جو جسے دیا عین انصاف سے دیا نہ کہ ظلم سے۔ ایسے ہی آخرت میں انصاف قائم فرمائے گا۔ کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ یہاں قسط ظلم کا مقابل ہے نہ کہ رحم و فضل کا اللہ ظلم نہیں کرے گا۔ فضل کرے گا اور اگر علماء کی صفت ہو تو قسط سے مراد عدل بمعنی عدالت ہے یعنی وہ اہل علم بھی توحید کے گواہ ہیں جو عادل یعنی متقی پرہیزگار ہیں۔ خیال رہے کہ چند معطوفوں میں سے ایک کا بھی حال آسکتا ہے جیسے **و وهبنا له اسحق و يعقوب نافلة**۔ یہاں نافلة یعقوب کا حال ہے۔ ایسے ہی **قائما** **اولوا العلم** کا حال بن سکتا ہے (معانی) یعنی ظالم عالم اگرچہ توحید کی گواہی نہ دیں۔ توریت و انجیل کو بدل دیں۔ مگر منصف عالم گواہ ہیں۔ عوام کی گواہی توحید زبان سے ہے۔ علماء کی گواہی قلم سے۔ شہداء کی گواہی اپنے خون سے۔ چونکہ قلم کی گواہی قیامت تک باقی رہتی ہے اور اس سے ہزارہا کو ایمان ملتا رہتا ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے علماء کی گواہی کا خصوصیت سے یہاں بھی ذکر فرمایا۔ اور اپنے محبوب کی نبوت میں بھی کہ فرمایا۔ **ان يعلمه علمٰٓؤا بنی اسرائيل**۔ وہ مشائخ فخر کرتے ہیں جن کے مرید علماء ہوں علم سے مراد علم دین ہے نہ کہ دیگر علوم کیونکہ علم کی عظمت معلوم کی عظمت سے ہوتی ہے۔ علم دین کا معلوم ذات و صفات الٰہیہ ہیں۔ **لا اله الا هو العزيز الحكيم**۔ یہ عبارت یا تو پہلی **لا اله** کی تکرار ہے کہ وہ دعویٰ تھا۔ اور یہ نتیجہ یا وہ رب کا فرمان تھا اور یہ فرشتوں اور اہل علم کا عزیز سے کمال قدرت اور حکیم سے کمال علم کی طرف اشارہ ہے۔ یہی دو صفتیں ربوبیت کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ چونکہ

قدرت سے موصوف ہونا انصاف، علم سے مقدم ہے۔ اس لئے پہلے عزیز فرمایا گیا۔ پھر حکیم چونکہ اب تک پرہیزگاروں کی تعریف اور ان کے فضائل ارشاد ہوئے تھے شاید کوئی کہتا کہ جنت کے لئے نیک اعمال کی ضرورت ہے۔ کسی دین میں رہ کر کرلئے جائیں۔ اس وہم کو دفع کرنے کے لئے ارشاد ہوا۔ **ان الدین عند اللہ الاسلام** بعض قراءتوں میں ان الف کے فتح سے ہے۔ شہد کا مفعول یعنی اللہ فرشتوں اور علماء نے توحید کی بھی گواہی دی اور حقانیت اسلام کی بھی مگر عام قراءت میں ان الف کے کسرہ سے ہے نیا جملہ۔ دین کے متعلق ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر میں بیان کرچکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس کے لغوی معنی بدلہ ہیں۔ کہا جاتا ہے **کما تدین تدان** جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ پھر اطاعت اور تصدیق عقائد اور شریعت کو دین کہا جانے لگا۔ **عند اللہ** ایک پوشیدہ لفظ کا ظرف ہے۔ المعتبر یا الصحیح یا المحبوب یا الثابت یا المرضی یعنی ایسا دین جو اللہ کے نزدیک معتبر و پسندیدہ ہو۔ وہ صرف اسلام ہے۔ اسلام کے لغوی معنی تین ہیں۔

1۔ اطاعت میں داخل ہونا۔ سلم بمعنی اطاعت۔

2۔ سلامتی میں داخل ہونا۔ (سلم بمعنی سلامتی۔

3۔ عبادت میں اخلاص کرنا۔ سلم بمعنی خلوص۔

کہا جاتا ہے کہ سلم الشی ء لفلان۔ یہ چیز فلانے کی ہوگئی۔ اصطلاح شریعت میں اسلام بمعنی ایمان ہے۔ اسی لئے یہاں دین کو اسلام کہا گیا۔ ایک جگہ ارشاد ہوا۔ **و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ** جہاں کہیں اسلام ایمان کے مقابل استعمال ہوا وہاں لغوی معنی میں ہے۔ یعنی اطاعت جیسے **قل لم تومنوا و لکن قولوا اسلمنا** (کبیر)۔ خیال رہے کہ ہر اصولی مذہب کو دین کہا جاتا ہے۔ خواہ سچا ہو یا جھوٹا۔ مگر اسلام سچے دین کو کہا جائے گا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اصول عقائد کو دین کہا جاتا ہے اور فروعی مسائل کو مذہب۔ لہٰذا ہم میں اور شافعیوں میں دینی اختلاف نہیں مذہبی اختلاف ہے۔ مگر ہم میں اور عیسائی یہودیوں میں دینی اختلاف ہے۔ اس لئے یہاں دین ارشاد ہوا نہ کہ مذہب **وما اختلف الذین اوتوا الکتب** یہ وجہ گمراہی کا بیان ہے ——— **اوتوا الکتب** سے یا یہودی مراد ہیں یا عیسائی یا یہ دونوں۔ تفسیر کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت ستر آدمیوں کو چن کر انہیں توریت سپرد کی اور ان سے تبلیغ دین کا عہد لیا۔ یوشع علیہ السلام کو ان کا امیر مقرر کیا۔ تین پشت تک یہ سب لوگ ہدایت پر قائم رہے۔ پھر ان کی اولاد نے دنیوی طمع سے دین کو بگاڑ دیا۔ اس طرف اس آیت میں اشارہ ہے یہاں اختلاف سے مراد یا تو ان کے آپس کا دینی اختلاف ہے جو انہوں نے پیدا کر رکھا تھا یا حضور علیہ السلام کی نبوت کی مخالفت۔ وہ کہتے تھے کہ نبوت کے مستحق ہم ہی ہیں نہ کہ قریش **الا من بعد ما جاء ھم العلم** یہ پچھلی عبارت کا مستثنیٰ مفرغ ہے اور اس عبارت سے مقصود ان کی سخت برائی بیان کرنا ہے کہ یہ لوگ نادانی میں ایک دوسرے کے مخالف نہ ہوئے بلکہ جان بوجھ کر خیال رہے کہ ما مصدریہ ہے اور علم سے مراد آسمانی کتابوں کا علم ہے یا حضور علیہ السلام کی نبوت کا علم۔ یعنی ان لوگوں نے آسمانی کتابوں کو جان کر آپس میں اختلاف کیا۔ یا حضور علیہ السلام کو اپنی کتابوں کی بیان کی ہوئی علامت سے پہچان کر ان کی مخالفت کی کیوں **بغیا" بینھم۔ بغیا"** اختلف کا مفعول لہ ہے۔ اس سے پہلے لام چھپا ہوا ہے۔ اس کے لغوی معنی تلاش اور طلب ہیں۔ لیکن حسد کو بھی اس لئے بغی کہہ دیتے ہیں کہ اس میں حاسد محسود کی برائی تلاش کرتا ہے۔

بینھم' فانا " کا ظرف ہو کر بغیا کی صفت ہے یعنی ان لوگوں نے جان بوجھ کر صرف حسد سے اختلاف کیا۔ حسد کا اختلاف خلاف ہے۔ جو سخت برا ہے اور تحقیق کا اختلاف اصلی اختلاف ہے یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ جس سے مسئلہ کی تحقیق ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اماموں کا اختلاف تحقیق کا تھا نہ کہ حسد کا جس سے دین واضح ہو گیا۔ حسد کے اختلاف میں نہ علم مفید ہوتا ہے نہ کتاب اللہ نہ عقل دیکھو وہ اسرائیلی اولاد انبیاء تھے۔ عالم تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہتے تھے مدینہ پاک کی زمین میں مگر ایک حسد کی وجہ سے اصل ایمان سے بھی محروم رہے۔ شیطان کو حسد نے ہی مارا اس لئے ارشاد ہوا۔ بغیا " بینھم۔ و من یکفر بایت اللہ یہ حاسدوں کو تنبیہ ہے کفر بمعنی انکار ہے اور آیات سے مراد یا توریت ہے یا انجیل یا توریت و انجیل کی وہ آیتیں جو حضور علیہ السلام کی نعت شریف میں تھیں۔ یا قرآن شریف یا حقانیت اسلام کے سارے دلائل۔ اسی طرح من سے یا یہود یا عیسائی یا وہ دونوں یا وہ سارے بے دین مراد ہیں۔ یعنی جو کوئی اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا۔ فان اللہ سریع الحساب۔ یہ جملہ من یکفر کا جواب نہیں بلکہ جواب کی دلیل ہے۔ اسے قائم مقام جواب قرار دیا گیا۔ یعنی جو کوئی رب کی آیتوں کا انکار کرے۔ اللہ اسے سخت عذاب دے گا۔ کیونکہ وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ خیال رہے کہ سریع یا تو بمعنی قریب ہے یا بمعنی سرعت والا۔ یعنی اللہ عنقریب حساب لینے والا ہے یا وہ ساری مخلوق کا اتنا بڑا حساب آنا "فانا" لے گا۔

خلاصہ ء تفسیر : اللہ کی وحدانیت پر خود رب نے گواہی دی کہ آسمانی کتابوں میں اس کا اعلان فرمایا۔ نیز عالم کے ذرہ ذرہ میں اس کے دلائل قائم فرما دیئے۔ تمام چیزیں کتابوں سے پڑھی جاتی ہیں مگر توحید وہ مضمون ہے۔ جس کے لئے کسی خاص کتاب کی ضرورت نہیں۔ عالم کا ہر ذرہ اس مضمون کی کتاب ہے۔ امام رازی کے سامنے ایک بڑھیا نے اپنے چرخہ سے رب کی ہستی ثابت کی اور اس کی توحید کے لئے اس کا چرخہ توحید کی کتاب بن گیا۔ اور سارے فرشتوں نے بھی اس کی گواہی دی کہ وہ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کی یہ عبادت توحید کی گواہی ہے اور وہ انبیائے کرام سے عرض بھی کرتے ہیں کہ اللہ ایک ہے۔ نیز عام علماء جو عدل و انصاف کے ساتھ قائم اور متقی و پرہیز گار ہیں وہ بھی توحید الٰہی کے گولہ کہ خود اسے مانتے اور لوگوں سے منواتے ہیں۔ غرض ہر نیک بندہ یہی پکار رہا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں عقل کہتی ہے کہ مطاع بہت سے ہو سکتے ہیں۔ مگر معبود ایک ہی چاہئے۔ کیونکہ ادنیٰ چیزیں لاکھوں ہو سکتی ہیں مگر سب سے اعلیٰ جس پر چیزوں کا مدار ہو ایک ہی چاہئے۔ درخت میں شاخیں پتے بہت ہیں۔ مگر جڑ ایک ہمارے جسم میں پانی و دیگر اعضاء بہت مگر دل ایک ہی ہے۔ آسمان پر تارے بہت مگر سورج ایک۔ ملک میں رعایا بہت مگر بادشاہ ایک تو چاہئے کہ مطاع بہت ہوں مگر معبود ایک۔ وہی سب پر غالب ہے کہ سب اس کے مقابل عاجز اور وہی حکمت والا ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ چونکہ اس آیت شھد اللہ میں صرف توحید کا ذکر تھا۔ اور عقیدہ توحید بغیر رسالت کے مانے ہوئے نجات کے لئے کافی نہیں اسلام کے سوا بہت سے دینوں میں توحید مانی جاتی ہے۔ نیز پہلی آیت میں حمد الٰہی کا ذکر ہوا تھا۔ حمد الٰہی بغیر نعت مصطفوی کے مکمل نہیں۔ نیز صرف اصلاح عقیدے پر کفایت نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ اعمال صالحہ کی بھی کوشش ضروری اس لئے توحید کے بعد اسلام کی حقانیت کا ذکر ہوا۔ جس میں توحید و رسالت اعمال وغیرہ سب کچھ آ جاتا ہے اور فرمایا گیا اے

مسلمانوں صرف توحید مان لینے سے کوئی پرہیزگار نہیں بن سکتا۔ خیال رکھو کہ تمام دینوں میں اللہ کا دین پسندیدہ دین اسلام ہی ہے اس کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر کے کوئی متقی نہیں بن سکتا۔ خواہ کتنی ہی نیکی کرے گا۔ اسلام کی حقانیت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو سارے اہل کتاب بھی جانتے ہیں۔ ان کی یہ مخالفت نادانی سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر ہے صرف حسد کی وجہ سے اسلام کی حقانیت کے منکر ہیں۔ انہیں جلن یہ ہے کہ نبوت بنی اسمٰعیل کو کیوں مل گئی۔ اس کے ٹھیکیدار صرف بنی اسرائیل ہیں۔ یا اہل کتاب کا دین ایک ہی تھا یعنی اسلام انہوں نے حسد کی وجہ سے جان بوجھ کر آپس میں اختلاف کیا اور صدہا فرقے بن گئے۔ ہر شخص خیال رکھے کہ جو کوئی اللہ کی کتابوں' اللہ کی آیتوں' اللہ کے دلائل قدرت کا انکار کرے گا وہ جلد سزا پائے گا۔ یہ سمجھے کہ ابھی قیامت بہت دور ہے اور وہاں حساب میں بہت دیر لگے گی۔ اتنا بڑا حساب صدیوں میں ہو گا نہ معلوم میری باری کب آئے' ابھی تو آرام کر لیں۔ پھر دیکھا جائے گا۔ اللہ عنقریب اور جھٹ پٹ حساب لینے والا ہے۔ خیال رہے کہ جیسے توحید الٰہی عالم کے ہر ذرہ ذرہ سے ظاہر ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ذرہ ذرہ سے عیاں ہے۔ اگر انسان میں کچھ بھی عقل و ہوش ہے تو وہ ہر چیز سے حضور کی نبوت ثابت کر سکتا ہے۔ اتنے دشمنوں میں گھر کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلامت رہ جانا ہی آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔ جس کا دشمن سارا ملک ایسی بادشاہت میں اسے قتل کر دینا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ نیز حضور کی محبوبیت آپ کا عام چرچہ حضور کی حقانیت کی دلیل ہے۔ نیز قرآن کا بقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی دلیل ہے کہ توریت اور انجیل عبرانی زبان میں آئیں۔ ہندو کہتے ہیں کہ وید کتاب الٰہی ہے جو سنسکرت میں پارسیوں کے ہاں یہ کتاب الٰہی ہے۔ لیکن رب نے ان تینوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ اب ان کے بولنے والا دنیا میں کوئی نہیں مگر قرآن کی زبان عربی تمام جہان میں بلکہ خود مصر میں جہاں عبرانی زبان بولی جاتی ہے باقی رکھی گئی یہ وہ باتیں ہیں جن سے ہر ہوش والا حضور کی حقانیت ماننے پر مجبور ہے۔ غرضیکہ رب کی توحید حضور کی نبوت ایسے مضامین ہیں جو کسی کتاب سے نہیں سیکھے جاتے۔ عالم کی ہر چیز ان کی کتاب ہے۔

فضیلت : **شهد الله سے الحكيم** تک آیت کے بڑے فضائل ہیں۔ چنانچہ دیلمی نے ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ جب سورۂ فاتحہ اور آیت الکرسی اور یہ آیت **شهد الله الخ** اور آیت **قل اللهم ملک الملک بغیر حساب**' تک نازل ہوئیں۔ تو یہ عرش الٰہی سے لپٹ گئیں۔ اور عرض کیا کہ اے مولا تو ہمیں ایسی قوم پر اتار رہا ہے جو تیری نافرمانی کرے گی رب تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم اپنے جلال کی قسم اپنے درجہ کی قسم جو بندہ ہر فرضی نماز کے بعد تمہیں پڑھ لیا کرے گا۔ میں اس کے سارے گناہ بخش دوں گا۔ اور اسے جنت الفردوس میں رکھوں گا۔ اور روزانہ اس پر ستر بار نظر رحمت کروں گا۔ اور اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا۔ (2) ابن عدی' طبرانی' بیہقی' خطیب اور ابن نجار نے حضرت غالب قطان سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار کوفے گیا۔ حضرت اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب ہی ٹھہرا۔ میں نے دیکھا کہ ایک رات وہ تہجد کے لئے اٹھے تو انہوں نے یہی آیت پڑھی اور بار بار فرمایا کہ جس کی رب نے گواہی دی اس کی میں بھی گواہی دیتا ہوں۔ اے اللہ یہ میری گواہی تیرے پاس امانت ہے۔ میں نے پوچھا جناب آپ یہ کیوں فرما رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے ابو وائل ابن عبد اللہ نے خبر دی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جب اس آیت کا پڑھنے والا قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو گا تو رب تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے پاس ایک بندہ کا عہد

بے اور میں عہد ضرور پورا کروں گا۔ میرے اس بندہ کو جنت میں لے جاؤ (روح المعانی)۔ (3) ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جب مدینہ منورہ میں یہ آیت نازل ہوئی تو خانہ کعبہ کے تین سو ساٹھ (360) بتوں نے کعبہ کی طرف سجدہ کیا۔ (4) جو کوئی سوتے وقت یہ آیت کریمہ پڑھ لیا کرے رب تعالیٰ اس پر ستر ہزار (70000) فرشتوں کو مقرر فرماتا ہے جو قیامت تک اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں (مدارک)۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** علمائے کرام بڑے درجہ والے ہیں کہ رب تعالیٰ نے ان کا ذکر اپنے اور ملائکہ کے ساتھ کیا۔ اور اپنی توحید پر ان کو گواہ بنایا۔ اور بڑے مدعی کا گواہ بننا بھی فخر کی بات ہے۔ **دوسرا فائدہ:** غیر مسلم کی کوئی نیکی قبول نہیں۔ کافر کی نیکیاں ایسی ہیں جیسے بے وضو شخص کی نماز۔ جیسا کہ **ان الدین الخ** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** دلائل و حالات کی گواہی معتبر ہے جیسے **شھد اللہ** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ لہٰذا بعض جگہ علامات کی گواہی سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** رب تعالیٰ کا ہر کام عین عدل ہے کوئی ظلم نہیں۔ جیسا **قائما بالقسط** سے معلوم ہوا کہ جس کو دیا عدل و کرم سے دیا۔ **پانچواں فائدہ:** کوئی فرشتہ بے دین نہیں۔ انسان ہزارہا بے دین ہیں جیسا کہ **قائما بالقسط** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** کبھی حسد سے دین جاتا رہتا ہے۔ جیسے **بغیا بینھم** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** اسلام اور ایمان ایک ہی چیز ہے کیونکہ یہاں دین پر لفظ اسلام بولا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ دین عقائد کا نام ہے نہ کہ محض اعمال کا۔ **آٹھواں فائدہ:** ہر سچا دین اسلام کہلاتا ہے۔ لہٰذا یہودیت اور نصرانیت اپنے اپنے وقت میں اسلام کہلاتے تھے۔ اب جب منسوخ ہو گئے تو یہ نام بھی جاتا رہا۔ اب صرف دین محمدی کا نام اسلام ہے۔

حقانیت اسلام

دنیا کی ہر قوم اپنے دین کو حق جانتی ہے اور دوسرے ادیان کو باطل۔ مگر حق یہ ہے کہ دین اسلام ہی حق ہے۔ اس کے سوا تمام دین باطل۔ اس کے عقلی و نقلی دونوں دلائل موجود ہیں۔ چونکہ آج کل اسلام کے بعض دعویداروں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ہر دین میں رہ کر انسان تقویٰ اختیار کر لیتا ہے جیسے ابوالکلام آزاد وغیرہ۔ اس لئے ہم پہلے حقانیت اسلام پر نقلی دلائل عرض کرتے ہیں پھر عقلی رب تعالیٰ قبول فرمائے اور اپنے بندوں کو راہ راست پر چلنے کی توفیق دے۔

حقانیت اسلام کے نقلی دلائل : (1) اگر ایک محبوب کے چند عاشق ہوں اور ہر ایک کا دعویٰ یہ ہو کہ محبوب مجھ سے ہی راضی ہے تو اس کے فیصلہ کی بہتر صورت یہی ہے کہ خود محبوب سے پوچھ لیا جائے کہ تو کس سے راضی ہے۔ اس کے بیان کے بعد کسی کو جھگڑنے کا حق نہیں۔ صرف رب تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دین اختیار کیا جاتا ہے ہر دین والا یہی سمجھے ہوئے ہے کہ رب تعالیٰ مجھ سے راضی ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ رب تعالیٰ سے پوچھ لیا جائے کہ تو کس سے خوش ہے؟ رب تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ تم جھگڑتے کیوں ہو۔ تم نے ہمیں راضی کرنے کے لئے دین اختیار کیا ہم اعلان کرتے ہیں

کہ ہمارا پیارا دین صرف اسلام ہے۔(2) ابن جریر نے حضرت قتادہ سے روایت کی کہ اسلام اللہ کا دین ہے۔ جس کے لئے
انبیائے کرام بھیجے گئے اور اسی کی طرف اولیاء اللہ نے رہبری کی۔ اس کے سوا کوئی دین مقبول نہیں اور بغیر اسلام کوئی نیکی
قبول نہیں۔(3) علی ابن ابراہیم نے حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے اپنے خطبہ میں
فرمایا کہ اسلام تسلیم ہے اور تسلیم یقین اور یقین تصدیق اور تصدیق اقرار اور اقرار اداور ادا عمل۔ پھر فرمایا کہ مومن نے
اپنا دین رب سے لیا نہ کہ اپنی رائے سے۔ مومن وہ ہے جو اپنے ایمان کو عمل میں دیکھے "کافر کا کفر اس کے انکار سے پہچانا
جاتا ہے۔ اے لوگو اسلام کو مضبوطی سے پکڑو کیونکہ مسلمان کا گناہ کافر کی نیکی سے بہتر ہے کیونکہ یہ گناہ بخشش کے قابل ہے
اور کافر کی نیکی مردود (روح المعانی)۔(4) ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ توریت کا نسخہ لئے ہوئے بارگاہ نبوی میں
حاضر ہوئے اور سنانے لگے۔ حضور علیہ السلام کے چہرۂ انور پر غضب کے آثار نمودار ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے عمر فاروق کو اس سے آگاہ کیا۔ فاروق اعظم نے یہ حال دیکھ کر حضور علیہ السلام سے معافی چاہی تو حضور
علیہ السلام نے فرمایا کہ قسم رب کی اگر آج موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی اطاعت کرو تو گمراہ ہو جاؤ
گے اور اگر موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے اور میری نبوت پاتے تو میری پیروی کرتے (دارمی و مشکوٰۃ باب الاعتصام)۔
(5) اسی مشکوٰۃ میں بحوالہ احمد و بیہقی ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ حضور
(صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں یہود کی بعض باتیں بڑی بھلی معلوم ہوتی ہیں کیا انہیں ہم لکھ لیا کریں۔ فرمایا کیا تمہیں یہود اور
نصاریٰ کی طرح اپنے قرآن پر اعتماد نہیں۔ میں تمہارے پاس صاف اور روشن دین لے کر آیا اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی
زندہ ہوتے تو انہیں ہماری اطاعت کرنی پڑتی۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گذشتہ آسمانی دین اب قابل عمل نہیں۔ اور
نہ ان میں ہدایت ہے۔ چہ جائیکہ شیطانی ادیان زمین پر بت سے کلمے پڑھے گئے۔ ہر دین والے نبی کا کلمہ علیحدہ تھا۔ مگر بعد
موت اور قیامت میں ساری امتیں تو کیا ان کے نبی بھی محمدی کلمہ پڑھیں گے۔(7) حساب قبر میں صرف ہمارے رسول کا
نام ہی پوچھا جاتا ہے اور اسلام ہی کا سوال ہوتا ہے۔ حضور سے پہلے حساب قبر تھا ہی نہیں۔ یہ قانون حضور کے زمانہ سے
بنا۔(8) معراج میں سارے رسولوں نے اسلامی و محمدی نمازیں پڑھی۔ حالانکہ ان کی نمازیں اور تھیں۔

عقلی دلائل : ایک بار چندوسی ضلع مراد آباد میں مذہب کانفرنس ہوئی جس میں عیسائی' آریہ' ہندو اور مسلمانوں کی
طرف سے میں مدعو تھا۔ ہر ایک نے اپنے مذہب کے اصول بیان کئے۔ عیسائیوں نے کہا کہ ہمارے مذہب کی اصل محبت
ہے۔ شاستری ہندو بولے ہمارے مذہب کی بنیاد ہمہ اوست پر ہے کہ ہر چیز میں رب کا جمال دیکھے۔ ہم نے کہا کہ اسلام کے
بنیادی اصول توحید' رسالت' آسمانی کتاب ہے۔ جسم میں دل ایک' ملک میں بادشاہ ایک' آسمان میں سورج ایک تو چاہئے
کہ خلق کا خالق بھی ایک ہو۔ پھر مخلوق اور خالق کے درمیان اپنے واسطہ کی ضرورت ہے۔ جو رب سے فیض لے سکے ہم
کو دے سکے۔ پھر ہم میں سے ہو ہم سے کہہ سکے اس واسطہ کا نام نبی ہے۔ آگ' پانی اور خاک نبی نہیں ہو سکتے کہ ہم سے
بول چال نہیں کر سکتے۔ کتاب اللہ کی پہچان یہ ہے کہ بندہ سے اس کی مثل نہ بن سکے۔ انسانی صنعت اور ربانی صنعت میں
یہی فرق ہے۔ قرآن کریم میں یہ صفت موجود ہے کہ اس کی مثل کسی سے نہ بن سکی یہ تقریر اس جلسہ میں پسند کی گئی۔

مسافر پردیس میں ایسا ہوٹل تلاش کرتا ہے جس میں رہنے سہنے 'غذا' ہوا' پانی' پاخانہ' غسلخانہ وغیرہ کا اچھا انتظام ہو اور خرچ تھوڑا۔ انسان دنیا میں پردیسی ہے اسے ایسا دین چاہئے جس کے احکام آسان ہوں اور اس میں زندگی کا پورا انتظام ہو اور ثواب زیادہ یہ خوبیاں اسلام کے سوا کسی دین میں نہیں۔ اسلام نے ماں کے پیٹ میں آنے کے وقت سے قبر میں جانے تک پورا انتظام کیا۔ زندگی کے ہر شعبہ کو سنبھالا۔ بچے کو دودھ پلانا' دودھ چھڑانا' پرورش کرنا' تعلیم' روزگار' شادی بیاہ' خوشی غمی کے سارے احکام تفصیل وار بیان کر دیئے۔ غریب و امیر' سلطان' وزیر' تارک الدنیا اور عیالدار سب کے لئے قانون بنا دیئے۔ دوسرے مذہبوں میں یہ بات نہیں۔ مسلمانوں کو قانون و آئین کی ضرورت نہیں۔ ان کے قوانین اسلام نے پہلے ہی بنا دیئے۔ اس کے ساتھ ہی اسلام کے احکام نہایت آسان۔ جن پر ہر شخص بے تکلف عمل کر سکے۔ ہندوؤں' عیسائیوں کے ہاں ترک دنیا اعلیٰ عبادت ہے اسلام نے اس سے روکا نیز ہندوؤں کے ہاں اپنے کو تکلیف دینا' سادھو یا راہب بن کر زندگی گزارنا کمال ہے اسلام میں یہ بات عیب ہر ایک کا حق پورا کرنا ضروری۔ ہندوؤں میں زکوۃ سولہواں حصہ واجب' یہودیوں پر چوتھائی حصہ' اسلام میں چالیسواں حصہ۔ اس میں بھی سہولتیں دی گئیں۔ دوسری قوموں میں سوا عبادت خانوں کے اور کہیں عبادت جائز نہیں مسلمانوں کے لئے ساری زمین مسجد ہے۔ یہود کے نزدیک ناپاک کپڑا جلانا اور گندے جسم کا کاٹ ڈالنا ضروری ہے۔ اسلام میں پانی مطہر مانا گیا بلکہ بتیس طریقوں سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے۔ غرضکہ اس میں بہت سہولتیں ہیں اور بہت ثواب۔ (2) کسی چیز کے فائدہ مند ہونے پر تین قسم کے دلائل دیئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا کرنے والا بڑی ہستی کا مالک ہے' دوسرے یہ کہ اس کے تابع ہونے کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کو چھوڑنے والے نقصان میں رہے۔ چوتھے یہ کہ اس دین کی کتاب نہایت مکمل محفوظ اعلیٰ ہے کہا جاتا ہے کہ یہ نسخہ بڑا عمدہ ہے حکیم اجمل خان کا ہے یا اس لئے کہ اس سے لاکھوں بیمار اچھے ہوئے یا اس لئے کہ جن لوگوں نے اس سے غفلت کی انہوں نے نقصان اٹھایا۔ اسی قاعدہ سے اسلام کی حقانیت معلوم کر لو کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے اور وہ تو تمام جہان سے اعلیٰ ہیں۔ لہذا اسلام تمام مذہبوں سے بڑھ کر ہے یا اس لئے کہ اسلام کی برکت سے عرب کے وہ لوگ جو اپنی انسانیت کو کھو کر دنیا کی نگاہوں میں ذلیل ہو چکے تھے۔ وہ انسان تو کیا انسان گر ہو گئے۔ جانوروں کے چرانے والے دنیا بھر کے استاد بن گئے۔ ڈکیتی اور قزاقی کرنے والے اسلام کی بدولت عالم کے نگہبان بن گئے یا اس لئے کہ ہم اسلامی احکام سے بے پرواہ ہو کر ذلیل و خوار ہو گئے یا اس لئے کہ اسلام کے سارے قوانین تمام ادیان کے قوانین سے اعلیٰ ہیں' اس پر کچھ روشنی ڈالتا ہوں۔ اسلامی کتاب یعنی قرآن کریم محفوظ کتاب ہے' تمام دینوں کی کتب غیر محفوظ ہیں۔ وید' انجیل' توریت نے کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ صرف اس دین میں نجات ہے باقی میں نہیں۔ صرف قرآن نے اسلام کے متعلق یہ اعلان فرمایا نیز وید یا موجودہ توریت و انجیل نے کہیں نہیں کہا کہ ہم خدائی کتاب ہیں۔ صرف قرآن نے فرمایا **تنزیل من رب العلمین** عیسائیوں سے انجیل مانگو تو پوچھتے ہیں کس کی انجیل لوقا متی کی یا حنا رسول کی' یا مرقس کی۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ خدا کی انجیل۔ معلوم ہوا کہ یہ انجیلیں خدا کی نہیں بلکہ لوقا' مرقس وغیرہ انسانوں کی ہیں۔ نیز انجیلیں عام تھیں جن میں چار ہیں۔ باقی غائب۔ جیسے انجیل برنباس وغیرہ پھر ان انجیلوں کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے عیسیٰ علیہ

اسلام کے حالات زندگی لکھے۔ خدائی کتاب والی کوئی بات نہیں۔ نہ احکام نہ قوانین پھر اصل توریت و انجیل جو زبان عبرانی میں تھی وہ کہاں خود عبرانی زبان ہی دنیا سے غائب ہو گئی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم : حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے بے مثل صفات ہیں جو کسی مذہب کے پیشوا میں نہیں پائے جاتے۔ (1) جیسی مکمل تاریخ حضور علیہ السلام کی لکھی گئی ایسی دنیا میں کسی کی نہ لکھی گئی۔ زندگی کا ہر واقعہ تاریخ میں آیا اور اس احتیاط کے ساتھ آیا کہ باقاعدہ اس کے لئے اسناد یں بنیں جو راوی کسی اسناد میں آگیا۔ اس کی بھی تاریخ لکھ دی گئی۔ مسلمانوں کے سوا کوئی دین والا اپنے پیشوا کی مکمل اور مستند سوانح عمری بیان نہیں کر سکتا۔ ہندوؤں کو تو یہ بھی یقین نہیں کہ جن پر وید آیا انسان بھی تھے یا نہیں۔ عیسائیوں کو یقین نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے وفات پائی بھی یا نہیں اور اگر پائی تو کیسے اسی طرح ہر مذہب کا حال ہے۔ (2) پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر سے قدم مبارک تک ایسا مکمل حلیہ شریف لکھا گیا کہ کسی کا نہ لکھا جا سکا۔ یہاں تک روایت میں آگیا کہ جسم پاک میں کل بیس بال سفید ہوئے۔ چودہ سر مبارک میں۔ چار ڈاڑھی مبارک میں' دو ریش بچی میں نیز ازواج نے اندرونی زندگی شریف اور صحابہ کرام نے بیرونی زندگی شریف اسی طرح پیش کردی کہ سارے مشاغل دنیا کو معلوم ہو گئے کہ کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ شک و شبہ نہ رہے۔

لطیفہ : مجنوں لیلیٰ کا عاشق تھا۔ فرہاد شیریں کا اور نہ معلوم کون کون کس کس کا عاشق ہوا مگر کسی نے اپنے معشوق کی سوانح عمری نہ لکھی نیز بادشاہوں نے اپنے حالات زندگی لکھوانے کا انتظام نہ کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہماری معشوقوں میں ہزاروں خامیاں ہیں اور ہم میں لاکھوں عیب اپنے کو دنیا پر پیش کرنا اپنے عیب کھولنا ہے مگر صحابہ کرام کو یقین تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کے محبوب ہیں۔ ان کی ذات عیبوں سے دور' جو ان کے حالات سنے گا وہ ان پر فدا ہو گا اگر کوئی اعتراض کرے گا تو اپنی حماقت سے۔ اس لئے بے کھٹک زندگی کے حالات نقل کردیئے۔ **تیسری صفت:** یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی ایسی اصلاح کی کہ جس کی مثال کہیں نہیں ملتی' موسیٰ علیہ السلام کو صرف مصر میں فرعون کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا تو عرض کیا کہ مولیٰ میرا سینہ کھول دے۔ میری زبان میں طاقت گویائی دے۔ میرے بھائی کو میرا وزیر اور قوت بازو بنا۔ ان کی تمام دعائیں قبول فرمائی گئیں۔ پھر بھی انہوں نے عرض کیا **ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی** خدایا ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر ظلم و سرکشی کرے گا تو جواب دیا گیا **لا تخافا اننی معکما اسمع و اری** تم ڈرو نہیں ہم تمہارے ساتھ غرضکہ ہر طرح تسلی و تشفی فرمائی گئی مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہان کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ ابوجہل اور ابولہب جیسے فرعونوں کے مقابلہ میں قائم کیا لیکن دنیوی ظاہری سہارا کوئی نہیں عطا فرمایا گیا۔ جس سیپ سے یہ در یتیم ظاہر ہوا اس پاک شکم سے کوئی بھائی ہی نہ عطا فرمایا۔ ولادت پاک سے پہلے سر پر یتیمی کا سہرا باندھا گیا۔ بچپن شریف میں ہی ماں کی گود بھی نہ رہی جو قرابت دار باقی بچے وہ خون کے پیاسے۔ سارے عالم کی سرداری مگر دنیوی ساز و سامان ندارد۔ **چوتھی صفت:** پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس سال کی تھوڑی سی مدت میں دنیا کی ہوا بدل دی۔ بے دینوں کو دیندار' بت پرستوں کو خدا پرست اور نہ معلوم کسے کیا کیا بنا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہاڑ

توڑ دینا آسان 'دریا کا رخ بدل دینا سہل مگر بگڑی قوم کو بنانا دشوار- نوح علیہ السلام کی ایک ہزار سال تبلیغ میں کل ستر آدمی ایمان لائے اور ان کے بعد بہت جلد دین بدل گیا- مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ تبلیغ میں بے شمار مسلمان ہوئے اور قیامت تک دین باقی رہا- غرضکہ-

بسیار خوباں دیدہ ام 'لیکن تو چیزے دیگری

اگر ہندو کہیں کہ رامچندر نے قوت بازو سے بھاری کمان کے دو ٹکڑے کر ڈالے- تو مسلمان کہہ سکتا ہے کہ ہمارے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی میں وہ طاقت تھی کہ اشارے سے پورے چاند کو توڑ کر دو کمانیں بنا دیا- اگر عیسائی کہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے مردہ زندہ کئے تو مسلمان کہہ سکتا ہے کہ ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سوکھی لکڑیوں اور کنکروں کو جان بخش کر ان سے کلمہ پڑھوا لیا- اگر یہودی کہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی مار کر پتھر سے پانی کے چشمے بہا دیئے تو مسلمان کہہ سکتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنی انگلیوں سے پانی کے فوارے ابال دیئے- یہ بطور نمونہ چند باتیں پیش کی گئیں-

اسلامی قانون : اسلامی قوانین ایسے ٹھوس اور مکمل اور ناقابل تبدیلی ہیں جن کی مثال نہیں مل سکتی- کفار طعنہ کیا کرتے تھے کہ ایک مرد کو چند عورتوں کی کیوں اجازت دی گئی- جب انہوں نے دیکھا کہ عورتوں کی پیداوار زیادہ ہے اور مردوں کی موت بہت کہ لڑائیوں وغیرہ میں مرد ہی مارے جاتے ہیں تو اس کی حکمت سمجھے- اسلام نے چور کے ہاتھ کٹنے کا حکم دیا- دیگر مذاہب نے چور کو قید کرایا- مگر بعد میں پتہ لگا کہ ہاتھ کٹنے سے ہی چوری بند ہو سکتی ہے- قید وغیرہ سے چوری بڑھے گی کہ چور جیل میں روٹی کھائے گا- اسلام نے جرمانہ لینے کی ممانعت کی- کفار نے اس کی اجازت دی بعد میں پتہ لگا کہ جرمانے سے جرم بڑھیں گے- گھٹیں گے نہیں کہ مالداروں کو جرم پر دلیری ہو گی اور حکومت کو اس سے نفع 'حکومت خود جرم چاہے گی تاکہ آمدنی ہو- اسلام نے ذبح حیوانات کی اجازت دی- ہندوؤں نے اس سے منع کیا مگر پتہ یہ لگا کہ اگر جانور ذبح نہ کئے جائیں تو انسانوں کی زندگی ناممکن ہو جائے- کیونکہ ساری پیداوار وہی کھا جائیں گے اور زمین انہیں سے بھر جائے گی- اسلام نے جہاد کا حکم دیا- کفار نے اس سے منع کیا- مگر پتہ یہ لگا کہ بغیر جہاد کوئی قوم دنیا میں عزت پا سکتی ہی نہیں- امن و عزت و انتظام جہاد کی بدولت ہے- اسلام نے شراب جوئے سود کو حرام کیا- بعض کفار نے ان چیزوں کی اجازت دی- مگر تجربہ نے بتایا کہ یہ چیزیں جھگڑے 'فساد 'بدامنی کی جڑ ہیں- سود کی بدولت دن رات تاجروں کے دیوالے ہوتے ہیں اس کی زائد تفصیل کے لئے اس تفسیر کا پہلا پارہ اور ہماری کتاب اسلامی زندگی دیکھو-

فائدے : **پہلا فائدہ**: قرآنی آیات درجہ و فضیلت میں یکساں نہیں- اگرچہ ہر آیت اللہ کا کلام ہے مگر درجہ و رتبہ مختلف جن آیات میں کفار یا ابلیس یا دوزخ کا ذکر ہے وہاں ذکر و ذاکر تو اعلیٰ ہے مگر مذکور وہ خبریں خبیث ہیں اور جن آیات میں حضرات انبیاء یا سید الانبیاء یا رب تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر ہے وہاں ذکر و ذاکر بھی اعلیٰ اور مذکور بھی اعلیٰ لہذا یہ آیات پچھلی آیات سے افضل ہیں- **قل هو الله** اور آیت الکرسی دیگر سورتوں آیتوں سے افضل ہیں- فوائد و تاثیریں بھی بے شمار دیکھو- **شهد الله** الخ آیت کو تمام آیات سے افضل فرمایا گیا' خود کعبہ اگرچہ قبلہ ہے مگر رکن اسود و رکن یمانی و ملتزم

دوسرے حصہ سے افضل ہیں۔ جب کعبہ کی دیواریں قرآن کی آیتیں یکساں نہیں تو انسان یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔ **تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض۔** **دوسرا فائدہ:** گذشتہ کتب میں جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کے نام و اوصاف تفصیل وار مذکور تھے۔ ایسے ہی مدینہ منورہ کے علامات و فضائل مذکور تھے جیسا کہ اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** توحید الٰہی کی گواہی دینا سنت الٰہیہ بھی ہے۔ سنت ملائکہ بھی ہے اور سنت علماء بھی۔ **چوتھا فائدہ:** بارگاہ الٰہی میں علماء دین کا بڑا درجہ ہے کہ رب نے اپنے اور فرشتوں کے ساتھ اہل علم کا بھی ذکر فرمایا اور انہیں گواہ توحید قرار دیا۔ **پانچواں فائدہ:** عالم بعض تو عدل والے ہیں' بعض ظالم' عدل والے عالم بہترین بندے ہیں۔ ظالم بدترین جیسا کہ **قائما بالقسط** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا جس علم کے ساتھ عشق و معرفت بھی شامل ہو وہ علم نعمت ہے جو معرفت و عشق سے خالی ہے وہ عذاب و حجاب العلم' حجاب اکبر اسی علم کو کہا گیا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **واضله الله على علم۔**

اعتراض: **پہلا اعتراض:** کیا اللہ مسلمانوں کا ہی ہے؟ دوسروں کا نہیں؟ (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** پنڈت جی اس آیت میں کہاں ہے کہ خدا مسلمانوں کے سوا کسی کا رب نہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ صرف اسلام پیارا ہے۔ مسلمانوں کے سوا کوئی اس کا دوست نہیں اور واقعی سب کو اطاعت شعار غلام ہی پیارا ہوتا ہے نہ کہ نافرمان۔ **دوسرا اعتراض:** اگر خدا کو اسلام ہی پسند ہے تو کیا اسلام سے پہلے کوئی دین پسند نہ تھا سب برے لوگ تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کلام اللہ نہیں؟ (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حکم اسلام آجانے کے بعد ہے۔ یعنی اسلام کے ہوتے ہوئے کوئی دین خدا کو پیارا نہیں۔ پچھلے پیغمبروں کے دین اپنے اپنے وقت میں ہدایت تھے اب صرف اسلام ہی ہدایت ہے رات میں چراغوں کی ضرورت تھی۔ سورج نکلنے پر سب گل کر دیئے گئے۔ دوسرے یہ کہ یہاں اسلام سے ہر آسمانی دین مراد ہے۔ یعنی ہمیشہ رب تعالیٰ کو اسلام ہی پسند رہا۔ ہر پیغمبر کے دین اپنے اپنے وقت میں اسلام ہی تھے۔ اب انہیں اسلام نہیں کہا جا سکتا۔ **تیسرا اعتراض:** اسلام میں بہت سے فرقے ہیں۔ حنفی' شافعی' مالکی وغیرہ ایسے ہی نیچری' قادیانی اور اہلسنت وغیرہ ان میں کون پیارا ہے کون نہیں؟ **جواب:** حنفی' شافعی' مختلف دین نہیں کہ عقائد سب کے ایک ہیں۔ فروعی مسائل میں اختلاف ہے یہ سب ایک اسٹیشن کے چند راستے ہیں۔ اس کے سوا جس نے اسلامی عقیدوں کا انکار کیا وہ مسلمان ہی نہیں اگرچہ اپنے کو مسلمان کہتا ہو۔ نیچری' قادیانی وغیرہ اسلام سے خارج ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ توحید کا گواہ ہے اور گواہی کسی حاکم کے سامنے دی جاتی ہے بتاؤ رب کا حاکم کون ہے؟ (آریہ)۔ **جواب:** ہم تفسیر میں بتا چکے ہیں کہ یہاں یا تو گواہی بمعنی اظہار اور خبر ہے یا شہادت سے مراد دلائل قائم کرنا ہیں' نیز یہ بھی غلط ہے کہ گواہی حاکم کے سامنے ہی ہو یا اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ نے علماء اور ملائکہ کو توحید کی معرفت دے کر گواہی کے قابل کر دیا لہٰذا حقیقی شاہد وہی ہے (کبیر) باقی سب اس کی توفیق سے گواہ ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ: یہ آیت بہت ہی پر لطف ہے۔ رب ہی مدعی' وہی سب کا مدعی' وہی دعویٰ' وہی شاہد' وہی حاکم۔

عالم اجمال میں نہ کوئی شاہد تھا نہ مشہود
خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

ماسوا اللہ کوئی موجود نہیں اس مقام پر خود ذات نے ذات پر ذات کی ذات کے سامنے گواہی دی۔ جس کے لئے فرمایا گیا۔ **شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو** پھر مقام تفصیل میں جب سایہ کی طرح سب موجود ہوئے تو اصل نے ظل کے ساتھ اپنی وحدانیت پر گواہی دی بلکہ سایہ نے اپنے سایہ والے کا پتہ دیا۔ جس کے متعلق فرمایا گیا۔ **والملٰئکۃ و اولوا العلم** الخ۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ مقسط ہے یعنی عدل فرمانے والا۔ اس طرح کہ ساری کثرتیں اس واحد کا ظل ہیں۔ ان اظلال میں ہر ظل کو اس کی تعداد کے بقدر اپنا جود اپنا کمال اور اپنی تجلی سے حصہ دیا جتنا جس کا ظرف (برتن) اتنی ہی رب کی عطا (ابن عربی) سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے ارواح کو جسم سے چار ہزار سال پہلے پیدا کیا اور رزق کو ارواح سے چار ہزار سال پہلے پیدا کیا۔ رب تعالیٰ کی یہ گواہی اس وقت کی ہے جب نہ زمین تھی نہ آسمان' نہ خشکی' نہ تری' پھر مخلوق نے پیدا ہو کر سیکھ کر گواہی دی۔ خیال رہے کہ مخلوق کی گواہی دو قسم کی ہے۔ اختیاری و غیر اختیاری۔ اختیاری گواہی سارے فرشتوں نے اور بعض انسانوں نے دی مگر غیر اختیاری گواہی سب نے دی۔ بت پرست و کافر کا رونگٹا بھی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے۔ کافر کا دل و زبان مشرک ہے مگر اس کی ہر حالت توحید کی گواہ۔ اعضاء بدن کی اطاعت عبادت ہے اور دل کی اطاعت عجز و نیاز یہی اس کا اسلام ہے اور یہی عند اللہ مقبول' اور ساری ظاہری عبادات کا مغز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سارا دین قلب کا غیر اللہ سے خالی ہونا اور نافرمانی کے عیب سے پاک و صاف ہونا ہے۔ نیز وہی علم نفع بخش ہے جو معرفت کے ساتھ ہو۔ جس علم کے ساتھ نفسانی عیوب شامل ہوں وہ وبال ہے۔ اہل کتاب کا علم اسی لئے اختلاف و فساد کا سبب بنا کہ ان کے نفس کی انانیت فنا نہ ہوئی تھی۔ جس تختی پر اگلے نقوش باقی ہوں اور صاف نہ ہو اس پر دوسرے نقوش خرابی کا سبب ہیں۔ ایسے جس دل پر حسد' بغض' عداوت کے عیوب موجود ہوں اس میں علم اور بھی خرابی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ علم اللہ کی نشانی ہے جو اس کے بعد رب کو نہ پہچانے وہ سخت مجرم ہے۔ کلمہ توحید کی تین عبارتیں ہیں۔ **لا الہ الا اللہ' لا الہ الا ھو' لا الہ الا انت** رب بندے کے پاس حاضر ہے مگر بندہ کبھی غائب ہوتا ہے کبھی حاضر۔ غیوبیت' دوری کا کلمہ ہے۔ **لا الہ الا ھو** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ ہے۔ **لا الہ الا انت** مگر مقام فنا میں پہنچ کر اس کلمہ کی عبارت یوں ہو جاتی ہے۔ **لا الہ الا انا** اس وقت بندہ انا میں فنا ہو کر انا کہتا ہے۔ وہاں زبان بندے کی ہوتی ہے کلام رب تعالیٰ کا جیسے ریڈیو کی آواز نکلتی پیٹی سے ہے مگر ہوتی ہے بولنے والے کی یہی وہاں ہوتا ہے۔

چوں روا باشد انا اللہ از درخت ۔۔۔ کے روانہ باشد کہ گویند نیک بخت

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ

پس اگر حجت بازی کریں وہ تم سے تو کہہ دو کہ تابع کیا میں نے ذات اپنی کو واسطے اللہ کے اور اس نے جس نے پیروی کی میری اور

پھر اے محبوب اگر وہ تم سے حجت کریں تو فرما دو میں اپنا منہ اللہ کے حضور جھکائے ہوں اور جو میرے پیرو ہوئے اور کتابیوں اور

أُوتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

کہدو واسطے انکے جو دیئے گئے کتاب اور بے پڑھوں سے کیا اسلام لائے تم پس اگر اسلام لائیں وہ بے شک ہدایت پاگئے اور اگر منہ

اَن پڑھوں سے فرمادو کیا تم نے گردن رکھی پس اگر وہ گردن رکھیں جب تو راہ پاگئے اور اگر منہ پھیریں تو تم پر

عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

پھیریں پس اس کے سوا نہیں کہ اوپر تمہارے پہنچانا ہے اور اللہ دیکھنے والا ہے بندوں کو

تو یہی حکم پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل کتاب کی ضد اور ہٹ دھرمی کا ذکر تھا اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کلام سکھایا جارہا ہے جو ضدیوں کے مقابل کرنا چاہئے یعنی اظہار ایمان اور ضدی سے بے توجہی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں حقانیت اسلام کا دعویٰ کیا گیا اور مخالفین کی وجہ بیان فرمائی گئی اب حکم دیا جا رہا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس حقانیت کا عملی ثبوت دے دیں اور بتادیں کہ اسلام اطاعت اور فرمانبرداری سکھاتا ہے جس پر ہم اور ہمارے غلام عامل ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں اسلام کی حقانیت کا ذکر تھا کہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف اسلام مقبول دین ہے' اب مسلمان ہونے کا طریقہ بتایا جارہا ہے کہ مسلمان وہ ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔ اس اتباع کے بغیر دعویٰ اسلام غلط ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسلام اور مسلمان ہونے کا معیار و کسوٹی ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں دلائل اور گواہیوں سے مسئلہ توحید ثابت کیا گیا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ جس توحید پر سب کا اتفاق ہے وہی ہمارا دین ہے۔ جن چیزوں میں تم خود متفق نہیں جیسے الوہیت عیسیٰ علیہ السلام اور رب پرستی وغیرہ اس کا ثبوت تمہارے ذمہ ہے نہ کہ ہمارے ذمے۔ گویا **شهد الله** الخ سے توحید کا اجماعی مسئلہ ہونا ثابت کیا گیا اور **وما اختلف الذين** الخ سے بتایا گیا کہ تمہارے مسائل اتفاقی نہیں اختلافی ہیں۔ اب ان دو باتوں کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ ہمارا دعویٰ ثابت ہو چکا تم اپنا دعویٰ ثابت کرو۔ **نوٹ:** تفسیر خازن نے فرمایا کہ جب یہود اور نصاریٰ نے آیت **ان الدين عند الله الاسلام** سنی تو بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا دین بھی اسلام ہی ہے اسی پر ہم ہیں۔ یہودیت اور نصرانیت نسب کے نام ہیں نہ کہ دین کے لہٰذا ہمارا آپس میں نسبی اختلاف ہے نہ کہ دینی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر : **فان حاجوك'** **حاجوك محاجة** سے بنا۔ جس کا مادہ حجت ہے بمعنی دلیل۔ اصطلاح میں **محاجة** کج بحثی کو کہتے ہیں۔ جہاں حق و باطل کی تحقیق مقصود نہ ہو' صرف اپنے مقابل کو خاموش کرنا' اپنی بات اونچی کرنا مقصود ہو۔ مناظرہ بہترین عبادت ہے۔ اور **محاجة** بدترین فساد' خصوصاً حق کے مقابلہ میں۔ اس کا فاعل یا اہل کتاب ہیں یا صرف نجران کے عیسائی یا سارے کفار۔ اور ک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ چونکہ **محاجه** مناظرہ میں فسادی وہ ہوتا ہے جو باطل پر ہو حق پرست فسادی نہیں۔ اگر پولیس اور ڈاکوؤں میں مقابلہ ہو جائے تو ڈاکو فسادی ہیں نہ کہ پولیس۔ اس لئے یہاں **حاجوك** کا فاعل ان کفار کو قرار دیا گیا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مسلمانوں کو۔ اس کا متعلق پوشیدہ ہے۔ یعنی اے

محبوب اگر کفار آپ سے حقانیت اسلام میں کج بحثی کریں تو **فقل اسلمت وجھی للہ و من اتبعن** اسلمت اسلام سے بنا بمعنی اخلاص اطاعت و فرمانبرداری، سربسجود ہونا اپنے کو دوسرے کے سپرد کر دینا یہاں تمام معانی بن سکتے ہیں۔ **وجہ** چہرے کو بھی کہتے ہیں، ذات کو بھی، توجہ کو بھی، عمل کو بھی (کبیر) یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ ذات مراد لی جائے کہ اس میں قلب قالب سب آجاتے ہیں۔ مطلب یہ ہو گا کہ بندے نے اپنے کو رب کے سپرد کر دیا کہ میرے خیالات ارادے، حرکات، سکنات سب رب کے زیر فرمان ہیں۔ **ومن اتبعن** کی واؤ یا تو عاطفہ ہے اور یہ جملہ اسلمت کے فاعل پر معطوف، فاصلہ ہونے کی وجہ سے ضمیر پر اس کا عطف جائز ہو گیا اور واؤ بمعنی مع ہے اور یہ جملہ مفعول معہ، ابو عمرو اور نافع کے نزدیک **اتبعنی** ی کے ساتھ ہے اور باقی قاریوں کے نزدیک اتبعن حذف ی سے۔ کلام عرب میں بہت دفعہ ی گر جاتی ہے۔ اعشیٰ کہتا ہے۔

فھل یمنعنی ارتیادی البلاء و من حذر الموت ان یاتین

یعنی تو آپ فرمادو کہ میں نے اپنی ذات کو یا اپنے عمل کو یا اپنے چہرہ کو یا اپنی توجہ کو اللہ کے لئے خالص کر لیا۔ اس کا مطیع بن گیا اور میرے پیروکاروں نے بھی اپنی ذاتوں کو خالص کیا۔ اس عبارت سے یا ترک مناظرہ مقصود ہے یا کفار کو اچھے طریقہ سے دعوت اسلام دینا۔ **و قل للذین اوتوا الکتب و الامین** یہ جملہ پچھلے جملہ شرطیہ **فان حاجوک** الخ پر معطوف ہے اور **اوتوا الکتب** سے سارے اہل کتاب مراد، یہودی ہوں یا عیسائی، عالم ہوں یا جاہل اور **امیین** سے سارے مشرکین مراد۔ ان دو لفظوں میں سارے غیر مسلم فرقے آگئے۔ اگرچہ یہاں **و قل لھم** بھی کافی ہو جاتا۔ مگر عموم کے لئے صراحتاً ان سب کا ذکر کیا گیا۔ خیال رہے: کہ **امیین** امی کی جمع ہے اور امی ام سے بنا، نسبتی ہے یعنی ماں والا، بے پڑھے کو اس لئے امی کہتے ہیں کہ جیسے وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا ویسا ہی رہا۔ چونکہ عرب کے عام اہل کتاب پڑھے لکھے تھے اور مشرکین بے علم۔ اس لئے انہیں تو **اوتوا الکتب** کہا گیا اور انہیں امی۔ ہم امی کی نہایت نفیس تحقیق پہلے کر چکے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے کے معنی ہیں، پیدائش عالم۔ ء **اسلمتم** یہاں بھی اسلام بمعنی اطاعت ہے اور پہلا ہمزہ استفہامیہ اور اس کا معطوف پوشیدہ ہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔ ء **اسلمتم او دمتم علی کفرکم** یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہر خاص و عام پڑھے بے پڑھے، چھوٹے بڑے سے فرمادو کہ تم بھی میری اتباع میں اسلام قبول کرتے ہو یا نہیں۔ **فان اسلموا فقد اھتدوا** یہ رب کا فرمان ہے۔ خیال رہے: کہ اسلام عین ہدایت ہے۔ لہذا یا تو **اھتدوا** سے مراد گمراہی سے نکلنا ہے یا اپنے کو نفع پہنچانا (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ **اھتدوا** سے مراد جنت کا راستہ پالینا ہو۔ یعنی اگر کفار آپ کا یہ فرمان سن کر ایمان لے آئیں تو وہ گمراہی سے نکل گئے یا انہوں نے اپنی جانوں کو نفع پہنچا لیا یا انہوں نے جنت کا راستہ پالیا۔ تفسیر خازن میں ہے کہ جب اہل کتاب نے یہ آیت سنی تو بولے ہم اسلام لے آئے تو حضور علیہ السلام نے یہود سے پوچھا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول مانتے ہو۔ وہ بولے معاذ اللہ عیسیٰ بھی رسول ہو سکتے ہیں؟ اور عیسائیوں سے پوچھا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول مانتے ہو؟ وہ بولے معاذ اللہ بھلا عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے ہو سکتے ہیں؟ تب یہ آیت آئی۔ **و ان تولوا فانما علیک البلغ۔ تولوا** کا مادہ **ولی** بمعنی پیٹھ پھیرنا ہے۔ اس کا فاعل اہل کتاب ہیں یا سارے کفار۔ ف جزائیہ ہے اور اس کا مابعد جزا نہیں بلکہ دلیل جزا ہے اور اس کا قائم مقام **انما** حصر کے لئے ہے اور اس سے حصر اضافی مراد ہے اور ہدایت کے مقام ہے۔ یعنی

آپ تبلیغ کے ذمہ دار ہیں نہ کہ ہدایت دینے کے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صرف تبلیغ کرنے والے ہیں نہ شفیع المذنبین نہ رحمۃ للعالمین جیسے **قل انما انا بشر مثلکم** میں بشریت حصر الوہیت کے لحاظ سے ہے نہ کہ دوسری صفات کے لحاظ سے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی' رسول' مصطفیٰ' نور' شفیع' ہادی وغیرہ سب کچھ ہیں۔ بلاغ کے معنی ہیں انتہا کو پہنچا دینا۔ یہاں تبلیغ احکام مراد ہے یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ اسلام سے منہ پھیریں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات نہ مانیں تو آپ کو کوئی نقصان نہیں کیونکہ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے نہ کہ ہدایت' ہدایت ہمارا کام ہے اس توجیہ پر یہ آیت محکم ہے۔ منسوخ نہیں اور اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کے ذمہ صرف زبانی تبلیغ ہے نہ کہ جہاد اور قتال۔ تو یہ آیت آیت جہاد سے منسوخ ہے (خازن و روح المعانی)۔ **واللہ بصیر بالعباد** یہ پچھلے کلام کا خاتمہ ہے اس میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی۔ اور عباد سے سارے مومن و کافر بندے مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سب کو دیکھنے والا ہے۔ مومنوں کو ثواب اور کافروں کو عذاب دے گا۔

خلاصہ تفسیر : جب دلائل سے ثابت کر دیا کہ سچا دین اسلام ہی ہے۔ رب تعالیٰ کی توحید اور اسلام کی حقانیت پر سب کا اتفاق بھی ہے اور جو اختلاف لوگوں نے پیدا کئے وہ محض ضد اور تعصب سے ہیں۔ اگر اس پر بھی ناانصاف لوگ حجت بازی اور کج بحثی کئے جائیں تو آپ ان کی ساری بیہودہ گفتگو اور کل شبہات کے جواب اس عمدہ طریقہ سے دے دو کہ منصف مزاج کو سوا ماننے کے کچھ بن نہ پڑے کہ فرما دو اے کتابیو اور غیر کتابیو میں نے اور میرے ساتھیوں نے تو اپنی ذات اپنے اعمال اپنی ہر چیز کو خالص اللہ کے لئے کر دیا۔ بولو تم بھی ہمارے ساتھ اس فرمانبرداری میں شریک ہوتے ہو یا نہیں اور اپنے کو خدا کے لئے سمجھتے ہو یا نہیں۔ اگر وہ یہ سن کر اسلام لے آئیں اور آپ کی پیروی کرنے لگیں تو وہ بھی گمراہی سے نکل کر راہ جنت پا گئے اور اگر اس فیصلہ کن کلام سے بھی منہ موڑیں اور کج بحثی کریں تو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کوئی نقصان نہیں آپ کیوں غم کرتے ہیں۔ آپ پر صرف تبلیغ واجب ہے نہ کہ کسی کو ہدایت دینا۔ اللہ تعالیٰ سب بندوں کو دیکھتا ہے مومن کو ثواب اور کافر کو عذاب دے گا۔ خیال رہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی کفار کے مقابل یہی فرمایا تھا۔ **انی وجہت وجھی للذی الخ** حضور علیہ السلام کو بھی حکم ہو رہا ہے کہ آپ یہ فرما دو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: ضدی اور ہٹ دھرم لوگ جن کو وعظ و نصیحت نفع نہ دے' ان سے مناظرہ نہ کرنا اور علیحدہ ہو جانا بہتر ہے جیسا کہ **اسلمت وجھی** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: دین کی تبلیغ عمدہ طریقہ اور خوش خلقی سے چاہئے نہ کہ تند خوئی اور کج خلقی سے جیسا کہ **اسلمت وجھی** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا **و جادلھم بالتی ھی احسن** (روح المعانی)۔ **تیسرا فائدہ**: تبلیغ قولی کے ساتھ فعلی بھی ضروری ہے۔ یعنی کفار کے سامنے مسلمان ایسے عمدہ عمل پیش کریں جس سے وہ اسلام کے گرویدہ ہو جائیں۔ گویا ہماری صداقت' دیانت داری' خوش خلقی دین اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ ہو جیسے کہ **اسلمت** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: اپنا عقیدہ اور ایمان سب پر ظاہر کرنا چاہئے۔ یہ چھپانے کی چیز نہیں۔ دیکھو رب نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ اپنے اور اپنے غلاموں کے اسلام و اطاعت خداوندی کا اعلان فرما دو۔ مستحب نیکیاں چھپانا بہتر ہے مگر فرائض و عقائد ظاہر کرنا افضل تاکہ

لوگ اس کی پیروی کریں۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جن کے نزدیک تقیہ اصل دین ہے اور اپنے مذہب و ملت کو چھپانا اصول ایمان۔ اگر تقیہ بہترین عبادت ہوتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کفار کے ساتھ کیوں ایذا پاتے' اپنے کو چھپا لیتے۔ آرام کرتے' نیز حضرت حسین یزید کے ہاتھوں کیوں اتنی مصیبت جھیلتے' تقیہ کر کے یزید کی بیعت کر لیتے۔ بجائے مصیبت انعام و اکرام حاصل کرتے۔ **پانچواں فائدہ:** صحابہ کرام اور اہل بیت کا ایمان یقینی ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے ایمان پر اعتماد کا اظہار کروایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ ان کا بھی ذکر کیا اور ایک ہی اسلمت کا فاعل ان کو بھی قرار دیا گیا۔ یہاں تو بتایا گیا کہ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے متبع ہیں کہ ارشاد ہوا **و من اتبعن**۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا **فان امنوا بمثل ما امنتم به فقد اهتدوا** جو بھی تمہارا ایمان لائے گا ہدایت پائے گا۔ اس آیت میں حضرات صحابہ کو ایمان و ہدایت کا معیار قرار دیا گیا کہ مومن وہ جس کا ایمان صحابہ کرام کا سا ہو نیز اتبعن میں اشارۃً فرمایا گیا کہ اسلام و ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں منحصر ہے کہ آپ کی اتباع کے بغیر نہ اسلام ہے نہ ایمان۔ **چھٹا فائدہ:** حضور علیہ الصلوۃ والسلام ساری مخلوق کے نبی ہیں اور سب پر آپ کی اطاعت واجب۔ دیکھو ارشاد ہوا **قل للذین اوتوا الکتب والامین** جس میں دنیا بھر کے سارے کفار سے خطاب ہے۔ خواہ وہ اہل کتاب ہوں' یا دوسرے۔ اور خطاب کا عموم تب ہی درست ہے جبکہ حضور علیہ السلام سب کے پیغمبر ہوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ **بعثت الی الاسود والاحمر** میں ہر سیاہ و سرخ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ جیسے چراغ' لالٹین' بجلی وغیرہ کی روشنیاں زمان و مکان سے محدود ہیں مگر سورج کی روشنی نہ جگہ سے محدود ہے نہ وقت سے۔ یونہی دوسرے نبیوں کا نور ہدایت وقت اور جگہ سے محدود تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہدایت نہ جگہ کا پابند ہے نہ وقت کا۔ ہمیشہ آپ کا وقت ہے' ہر جگہ آپ کی سلطنت' آپ کی نبوت اصل مقصود ہے۔ دوسرے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل' حضور کا دین دائمی جنتری ہے جو ہمیشہ کام دے۔ دوسرے دین وقت خاص کی جنتریاں تھے جو بعد میں بیکار ہو گئے۔ **ساتواں فائدہ:** ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں منحصر ہے۔ آپ کی غلامی کئے بغیر کوئی رب تک پہنچ سکتا ہی نہیں جیسا **و من اتبعن** سے معلوم ہوا نیز **فان اسلموا فقد اهتدوا** نے بھی یہی بتایا کہ اگر یہ لوگ آپ کی اتباع کر کے مسلمان ہو جائیں تو ہدایت پائیں گے۔ **آٹھواں فائدہ:** تبلیغ اسلام بہر حال ضروری ہے خواہ لوگ قبول کریں یا نہ کریں۔ لوگوں کے عناد کی وجہ سے تبلیغ نہیں چھوڑی جا سکتی۔ دیکھو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ آپ سے منہ موڑیں تب بھی آپ پر تبلیغ واجب ہے' آپ ملول نہ ہوں۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ پیغمبر اور امتی سب یکساں خدا کے فرمانبردار ہیں۔ ایمان و اسلام میں کوئی فرق نہیں' دیکھو ایک اسلمت کے دو فاعل بیان ہوئے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام اور سارے مسلمان۔ لہٰذا رب کی بندگی میں سب یکساں ہیں' پھر ان کی اتنی تعظیم و توقیر کیوں کی جاتی ہے (بعض بے دین)۔ **جواب:** اس آیت سے ہی معلوم ہوا کہ پیغمبر و امتی کا ایمان یکساں نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہوا اسلمت اور امت کے لئے فرمایا **و من اتبعن**۔ جس سے پتہ لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست رب کے مطیع ہیں اور امتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے۔ گویا آپ کا کلمہ' نماز و روزہ وغیرہ تمام عبادات تعلیم کے لئے ہیں۔ بظاہر کام یکساں ہیں مگر مقصد میں بڑا فرق۔ شاگرد کے سامنے خود استاد پڑھتا ہے ساتھ ہی بچہ بھی مگر مقصد میں بڑا فرق۔ شاگرد کے سامنے خود استاد پڑھتا ہے ساتھ ہی بچہ بھی۔ مگر استاد کا پڑھنا

در حقیقت پڑھاتا ہے اور بچہ کا پڑھنا سیکھنا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان و اسلام اور ہمارے ایمان و اسلام میں چند طرح فرق ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان و اسلام آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے کا ہمارا یہ ایمان دنیا میں آنے کے بعد۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں آکر ہم سب کو ایمان و اسلام دیا' سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان لیا۔ دیکھو ہمارے بچے اپنے ماحول کے تابع ہوتے ہیں اگر اچھے ماحول میں ان کی پرورش ہو تو اچھے ہو جاتے ہیں اگر برے ماحول میں پرورش ہو تو برے بن جاتے ہیں مگر ماحول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع رہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ماحول خراب بلکہ بہت خراب تھا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اچھے ہوئے بلکہ ماحول کو اچھا کر لیا۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دینے آئے ہیں لینے نہ آئے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلمت فرمانا ہماری تعلیم کے لئے ہے کہ ہم حضور سے سن کر اسلمت کہا کریں۔ اس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جو دعائیں مانگیں' جس میں گناہوں کی معافی مانگی ہے یا گناہوں کا اقرار کیا ہے وہ سب کچھ ہم کو سکھانے کے لئے ہے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر ہم وہ دعائیں مانگا کریں۔ ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہوں سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے معصوم ہیں کہ جس پر نگاہ کرم فرما دیں وہ گناہوں سے محفوظ ہو جائے' فرماتے ہیں کہ جس راستہ سے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرتے ہیں' وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** **فان تولوا** الخ سے معلوم ہوا کہ تبلیغ انکار پر موقوف ہے اگر لوگ ہدایت قبول نہ کریں تب تو تبلیغ کی جائے ورنہ نہیں کیونکہ جزا شرط پر موقوف ہوتی ہے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ **فانما علیک البلاغ** اس شرط کی جزا نہیں بلکہ دلیل جزا ہے یعنی اگر یہ ہدایت سے منہ پھیریں تو آپ غمگین نہ ہوں کیوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صرف تبلیغ ہے نہ کہ ہدایت۔ دوسرے یہ کہ بلاغ سے مراد تبلیغ اسلام ہے اور واقعی تبلیغ اسلام یا تو بے خبر لوگوں کو ہوتی ہے یا منکروں کو۔ مطیعون کو تبلیغ احکام ہو گی نہ کہ تبلیغ اسلام کہ اسلام تو وہ قبول کر چکے۔ تیسرے یہ کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ منہ موڑیں جب بھی آپ تبلیغ کئے جائیں' ان کی سرکشی سے آپ تبلیغ بند نہ کریں۔ **تیسرا اعتراض:** کفار کا کفر تو بالکل ظاہر تھا۔ پھر ان سے ء اسلمتم کہنے کے کیا معنی۔ وہ بات پوچھی جاتی ہے جو ظاہر نہ ہو؟ **جواب:** یہاں سوال مقصود نہیں ہے بلکہ یہ دعوت اسلام کا ایک عمدہ طریقہ ہے۔ جب کسی سے کچھ منوانا ہو تو پوچھتے ہیں کہ بولو کیا مان لو گے یعنی مان جاؤ' یہی یہاں ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اطاعت و عبادت کی اصل عشق ہے۔ عشق سے ہر مشکل حل ہوتی ہے اور عشق رہبر کامل ہے۔ عاشق طریقہ نیاز مندی خود بخود سیکھ جاتا ہے۔ جب دل میں عشق ہو گا تو ہر ظاہری عضو سے محبوب کی اطاعت صادر ہو گی۔ یہی **اسلمت وجھی** کے معنے ہیں نیز روح کا مقام قلب اور نفس کا مقام پیشانی ہے۔ نفس امارہ سرکش ہے۔ جس نے پیشانی جھکا دی اس نے اپنے آپ کو دوسرے کے سپرد کر دیا۔ اسی لئے جانور پیشانی جھکا کر اظہار اطاعت کرتے ہیں اور مقابلہ کے وقت سر اونچا رکھتے ہیں لہذا سر خم کرنا' پیشانی زمین پر رکھ دینا' کسی کے سامنے منہ جھکانا یہ اصل اطاعت ہے۔ **اسلمت وجھی** کے یہی معنی ہیں نیز عام انسان میں بہیمیت غالب ہے اور انبیائے کرام میں ملکی طاقت زیادہ۔ انسان کی بہیمیت نبی کی ملکیت سے ہی مغلوب ہوتی ہے۔ بہیمیت میں سرکشی ہے ملکیت میں اطاعت۔ لہذا ہر شخص کو نبی کی اطاعت ضروری ہے ورنہ اس کی بہیمیت اسے تباہ کر دے گی۔ اسی لئے ارشاد ہوا **و من اتبعن** اور اسی لئے کفار سے فرمایا گیا کہ بولو کیا تم بھی میرے پیروکاروں کی طرح میری اتباع کر کے

ایمان لاتے ہو۔ اگر میری اطاعت سے منہ موڑو گے تو تمہارا نفس تمہیں ہلاک کر دے گا۔ نفس بکری ہے۔ شیطان گویا خونخوار درندہ۔ شریعت رسی ہے طریقت گویا میخ اور پیغمبر علیہ السلام گویا رکھوالے اور اسلام حفاظتی حصار کی مضبوط دیوار، جس سے درندہ گلے میں نہ آسکے۔ علماء و صوفیاء گویا مالک گلہ کے نوکر چاکر جو گلہ کی حفاظت پر مامور ہیں۔ اگر نفس کے گلے میں شریعت کی رسی ہو اور وہ طریقت پر قائم رہے، اسلام کے حصار میں رہے، علماء و صوفیاء کی حفاظت میں رہے، ان کی شاگردی و بیعت کرے تو ایمان درندہ، نفس لوامہ، شیطان کے برے ساتھیوں سے محفوظ رہے گا۔ جانور کی حفاظت کے لئے یہ چار چیزیں ضروری ہیں۔ حصار، رسی، میخ، مالک کو نگرانی اور رکھوالے کو اس کی غذا و حفاظت کی فکر رہے گی۔ اگر سرکشی کرے گا تو رکھوالے کو اس کی فکر بھی نہ ہوگی جس سے وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گا۔ اسی لئے ارشاد ہوا **واللہ بصیر بالعباد** اللہ تعالیٰ پابند شریعت اور بے قید بندوں کو دیکھتا ہے۔ بے قیدیوں کو سزا اور پابندوں کو نجات دے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ

تحقیق وہ جو انکار کرتے ہیں ساتھ نشانیوں اللہ کی اور قتل کرتے ہیں نبیوں کو بغیر حق کے اور قتل کرتے ہیں

جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوتے ہیں اور پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں ناحق شہید کرتے ہیں اور انصاف کا

الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ

ان لوگوں کو جو حکم کرتے ہیں ساتھ انصاف کے لوگوں میں سے پس خوشخبری دو انہیں عذاب دردناک کی یہ لوگ

حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں انہیں خوشخبری دو دردناک عذاب کی یہ وہ لوگ ہیں جن کے

الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٢﴾

وہ ہیں کہ ضبط ہوئے اعمال ان کے بیچ دنیا اور آخرت کے اور نہیں ہے واسطے ان کے کوئی مددگار

اعمال اکارت گئے دنیا اور آخرت میں اور ان کا کوئی مددگار نہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں احکام الٰہی سے منہ موڑنے والے ضدی کفار کا ذکر تھا۔ اب ان کے تین عیوب مع سزا کے بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طرح تسلی فرمائی گئی تھی کہ ان کی گمراہی کا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کوئی اثر نہیں۔ آپ پر صرف تبلیغ واجب ہے۔ اب دوسری طرح تسلی دی جا رہی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار تو ایسے ضدی ہیں کہ انہوں نے پچھلے پیغمبروں کو قتل بھی کر دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت ان سے کیا بعید ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بہرحال تبلیغ واجب ہے۔ کفار مانیں یا نہ مانیں۔ اب تبلیغی باتیں بتائی جا رہی ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے کفریات اور اس کی سزائیں ان تک پہنچا دو۔ یہ قبول کریں یا نہ کریں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی

آیت میں ارشاد ہوا کہ کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانیں یا نہ مانیں آپ پر تبلیغ لازم ہے۔ اب گذشتہ انبیاء کرام و علماء دین کے حالات سنائے جا رہے ہیں کہ وہ حضرات کفار کے ہاتھوں شہید ہو گئے مگر تبلیغ نہ چھوڑی۔ آخر دم تک تبلیغ کرتے رہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہر حال میں تبلیغ کریں۔

تفسیر: **ان الذین یکفرون بایت اللہ** ظاہر یہ ہے کہ **الذین** سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے پتہ چلتا ہے۔ **یکفرون** کفر سے بنا بمعنی انکار کرنا اور چھپانا۔ یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ آیات اللہ سے یا توریت و انجیل کی وہ آیتیں مراد ہیں جو حضور علیہ السلام کی نعت میں تھیں اور ان یہود نے ان آیات کو چھپایا ان کا انکار کیا کہ یہ آیت ہماری کتب میں ہی نہیں یا ان کی تاویلیں کیں کہ ان سے مراد یہ نہیں ہیں کوئی اور ہے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات یا قرآنی آیات وغیرہ۔ خیال رہے کہ تمام کتب آسمانیہ میں رب تعالیٰ کو وہ آیات بہت پیاری ہیں جن میں اس کے محبوبوں کے مناقب و فضائل ہیں۔ ان آیات کا انکار سخت عذاب کا باعث ہے۔ رب تعالیٰ کو وہ زبان' وہ قلم' وہ کتاب پیاری ہے جس میں اس کے پیارے کا پیارا ذکر ہو' فرماتا ہے۔ **والقلم وما یسطرون** قلم سے نعت لکھنے والے قلم مراد **ما یسطرون** سے وہی کتاب مراد ہے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و مناقب ہیں بلکہ اسے مکہ معظمہ اور مدینہ پاک کی زمین پیاری کہ وہاں محبوب کے قدم پڑتے ہیں۔ فرماتا ہے **و ھذا البلد الامین** اور **لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد** ان آیات کے انکار کی تین' صورتیں ہیں۔ ان کا صراحتاً انکار' ان کے معانی کا انکار' ان کی غلط تاویلیں یا ان کا چھپانا' ان کا کبھی ذکر نہ کرنا اور ممکن ہے کہ **الذین** سے سارے کفار مراد ہوں اور آیات اللہ سے ساری آیتیں مقصود۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں۔ یا انہیں چھپاتے ہیں۔ **و یقتلون النبین بغیر حق** یہ جملہ **یکفرون** پر معطوف ہے اور **الذین** کا جملہ۔ اس سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھے۔ **قتل** سے مراد قتل کرنا یا ارادہ قتل ہے۔ **النبین** سے وہ پچھلے پیغمبر مراد ہیں جو یہود کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اگرچہ یہ فعل موجودہ اہل کتاب کے باپ دادوں کا تھا مگر چونکہ یہ اس سے راضی تھے لہٰذا ان کا فعل قرار دیا گیا اور ممکن ہے کہ **نبین** سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ چونکہ ایک پیغمبر کا قتل گویا سب انبیاء کا قتل ہے اس لئے جمع فرمایا گیا۔ حق باطل کا مقابل ہے۔ ہر قسم کے حق کی نفی کے لئے نکرہ ارشاد ہوا۔ یعنی کفر کے ساتھ گذشتہ پیغمبروں کو بھی ناحق قتل کرتے ہیں۔ یعنی ان کے قتل سے راضی ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنا چاہتے ہیں مگر موقعہ نہیں پاتے (معانی و کبیر وغیرہ)۔ **و یقتلون الذین یامرون بالقسط من الناس** یہ کفار کا تیسرا عیب ہے اور **یقتلون** پر معطوف' اس کا فاعل وہی کفار ہیں' اور **الذین** سے مراد مومنین ہیں نہ کہ انبیاء' کیونکہ ان کا ذکر پہلے ہو چکا **یا مرون امر** سے بنا بمعنی حکم یا مشورہ۔ اس کا فاعل **الذین** ہے۔ **قسط** کی لفظی تحقیق ہم پہلے کر چکے' اس کے معنی ہیں انصاف۔ یہاں قتل انبیاء سے باز آنا اور ان کی اطاعت کرنا مراد ہے۔ **من الناس الذین** کا بیان ہے یعنی یہ اہل کتاب انبیاء کرام کو شہید کرنے پر ہی باز نہ رہے بلکہ جو مسلمان انہیں اس حرکت سے روکے اور اچھی بات کا حکم دے اس کو بھی قتل کر ڈالتے ہیں یا یہ کہ موجودہ اہل کتاب جنگوں میں مسلمانوں کو شہید کرتے ہیں یا یہ کہو کہ یہود مدینہ صحابہ کرام کو قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس صورت میں **قسط** سے مراد ایمان اور احکام شرعیہ ہوں گے۔ یہاں تک ان کے عیوب کا ذکر تھا اب جزاء کا ذکر ہے۔ فرمایا جا رہا ہے **فبشرھم بعذاب الیم** یہ جملہ **ان** کی خبر ہے۔ چونکہ **الذین** میں شرط کے معنے تھے۔ اس لئے یہاں ف جزائیہ لائی

گئی۔ ان ف کو جب منع کرتا ہے' جب جملے کے معنے بدل دے۔ چونکہ یہاں ان نے پچھلے جملے کے معنے بالکل نہ بدلے۔ لہذا خبر پر ف آگئی (روح المعانی)۔ بشر' بشارت سے بنا بمعنی خوشخبری۔ ڈرانے کو بشارت کہنا ان کی اہانت کے لئے ہے۔ ھم سے مراد وہی کفار ہیں۔ عذاب کے معنی بارہا بیان ہو چکے الیم الم سے بنا بمعنی رنج و غم۔ یہاں بمعنی مولم ہے یعنی تکلیف دہ دردناک۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایسے مجرموں کو دردناک عذاب کی خبر دے دو۔ اگرچہ دوزخی مسلمانوں کو بھی وہاں تکلیف تو ہوگی مگر کفار کو دوزخ میں تین تکلیفیں ہوں گی جس سے مسلمان محفوظ ہوں گے۔ دوزخ میں آپس کے لعن طعن' مارپیٹ کفار میں ہوں گے۔ مومنوں میں نہ ہوں گے۔ مومن گنہگار کے عذاب کی کسی کو خبر نہ ہوگی دوسرے یہ کہ مومن کو دوزخ سے نکل جانے کی امید ہوگی۔ اپیل' سفارش وغیرہ کی ہر وقت آس لگی ہوگی۔ کفار کو یہ آس نہ ہوگی' یہ یاس سخت تکلیف کا باعث ہوگی۔ تیسرے مومن کے دل' دماغ' اعضاء باطنی اور سجدے کے سات اعضاء کو آگ نہ جلائے گی یہ محفوظ رہیں گے مگر کافر کے دل دماغ کو بھی آگ جلادے گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **تطلع علی الافئدۃ** _ ان وجوہ سے ارشاد ہوا کافر کا عذاب عذاب بھی ہے الیم بھی۔ ایک سزا تو یہ ہوئی۔ دوسری سزا یہ ہے کہ **اولئک الذین حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ** _ بعض کے نزدیک یہ جملہ ان کی خبر ہے اور فبشرھم الخ جملہ معترضہ تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان کی خبر میں ف آسکتی ہی نہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہے **زید فافھم رجل عالم** شاعر کہتا ہے۔

فاعلم فعلم المرء ینفعہ ان سوف یاتی کل ما قدر

لیکن عام علماء کے نزدیک یہ نیا جملہ ہے اولئک مبتداء اور الذین خبر۔ اولئک سے وہ کفار مراد ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔ حبطت' حبوط سے بنا بمعنی ضبطی یا بربادی۔ اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے اعمال سے یا تو ان کی وہ نیکیاں مراد ہیں جو ارتداد سے پہلے کی تھیں۔ یا وہ نیک اعمال مراد ہیں جو ایمان پر موقوف نہ ہوں جیسے صدقہ اور صلہ رحمی وغیرہ **فی الدنیا**' حبطت کے متعلق ہے۔ خیال رہے دنیا سے مراد یہ زندگی ہے اور آخرت سے مراد قبر حشر دونوں' نیکیوں کا فائدہ دنیا میں ذکر خیر' لوگوں کی محبت اور دلوں میں میلان پیدا ہوتا ہے' ایمان پر خاتمہ نصیب ہوتا ہے۔ آخرت میں' قبر میں کامیابی' حشر میں نجات' پل صراط پر خیریت سے گزرنا وغیرہ ہے۔ کفار اپنی نیکیوں کے ان فائدوں سے محروم ہیں۔ بعض بدکار کلمہ گویوں پر بھی یہ عذاب ہے۔ آج یزید کی کوئی نیکی بیان نہیں ہوتی۔ اور دنیا میں بربادی اعمال یہ ہے کہ لوگ ان پر لعنت کریں برا کہیں۔ مسلمان انہیں قتل اور قید کریں اور آخرت کی بربادی وہاں ثواب نہ ملنا ہے۔ یعنی ان کفار کی نیکیاں دنیا و آخرت میں برباد ہو چکیں اور تیسری سزا یہ کہ **وما لھم من نصرین** واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ **اولئک الذین** پر معطوف۔ ھم کا مرجع وہی مذکور کفار ہیں۔ من تنکیریہ ہے۔ اور **نصرین** کا جمع لانا محض وزن کے لئے ہے کہ پہلی آیت الیم پر ختم ہوئی تھی یہ **نصرین** پر ختم ہوئی اس سے معنی جمع مقصود نہیں کیونکہ کفار کا مددگار ایک بھی نہ ہوگا اور ممکن ہے کہ جمع مدد کی اقسام کے لحاظ سے ہو یعنی مددگار بہت سی قسم کے ہوتے ہیں جن سے مختلف امدادیں پہنچتی ہیں۔ ان کے لئے کسی قسم کا کوئی مددگار نہ ہوگا (روح المعانی وغیرہ)۔ انسان کی تین زندگیاں ہیں دنیاوی' برزخی' اخروی۔ کفار کے ظاہری مددگار دنیا میں تو ہیں مگر برزخ و آخرت میں کوئی مددگار نہیں کہ انہیں نہ کوئی مرتے وقت تلقین کرے' نہ برزخ میں ثواب پہنچائے' نہ دعا کرے' نہ آخرت میں کوئی شفاعت کرے۔ مسلمانوں کے لئے یہ سب کچھ ہے۔ نیز دنیا میں کفار کو دنیاوی مدد تو مل جاتی ہے مگر روحانی اخروی مدد نہیں ملتی انہیں ایمان عرفان تقویٰ کسی سے نہیں ملتا۔

مسلمانوں کو یہ سب کچھ ملتا ہے ان دو وجہوں سے ارشاد ہوا کہ کفار کا مددگار کوئی نہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن کفار میں یہ تین عیوب ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی مخالفت سے کیوں غمگین ہوتے ہیں۔ ان کی عادت مخالفت ہے۔ جو اللہ کی آیتوں یعنی قرآن شریف یا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معجزات یا توریت و انجیل کی آیات نعت کا انکار کریں یا چھپائیں اور بے قصور' بے خطا ناحق پیغمبروں کو قتل کریں یا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے کی کوشش کریں' پھر جو مسلمان اس ظلم سے روکے اور انبیاء کی اطاعت کا مشورہ دے اسے بھی قتل کر ڈالیں۔ ایسوں کو سخت دردناک عذاب کی خبر دے دو۔ عذاب ان کے سامنے ہے جو صرف موت کی دیر ہے ان کی ساری نیکیاں دنیا میں بھی برباد ہو گئیں اور آخرت میں ان کے کفر نے سب نیکیوں کو چھپالیا۔ کوئی ان لوگوں کے صدقات و خیرات کا ذکر بھی نہیں کرتا۔ سب لعنت ہی کرتے ہیں اور مسلمان بھی تاک میں ہیں۔ جب موقعہ ملے گا انہیں قتل کریں گے یا قید' ان کی وہ نیکیاں ان کے خون کو محفوظ نہیں کر سکتیں۔ نیز آخرت میں بھی برباد کہ یہ ثواب تو کیا پاتے سخت عذاب میں گرفتار ہوں گے اور جب ان پر دنیا یا آخرت میں عذاب آئے گا تو کوئی بھی ان کی جانی مالی بدنی امداد نہ کر سکے گا۔ یہ بالکل بے یارومددگار رہ جائیں گے مگر یہ اندھے ہیں' انہیں کچھ سوجھتا نہیں۔ خیال رہے کہ گناہ مٹانے کو معافی یا مغفرت کہا جاتا ہے اور نیکیاں مٹانے کو ضبط یا ضلال ارشاد ہوتا ہے۔ یہاں ضبط فرما کر بتایا کہ ان بد نصیبوں کے گناہ تو قائم رہیں گے مگر نیکیاں ضبط ہوں گی۔ ابن جریر و ابن ابی حاتم نے ابو عبیدہ ابن جراح سے روایت کی کہ میں نے پوچھا حبیب اللہ قیامت میں سخت تر عذاب کسے ہو گا۔ فرمایا اسے جو پیغمبر کو قتل کرے اور اسے جو نصیحت کرنے والے یعنی اچھی بات بتانے والے اور برائی سے روکنے والے کو قتل کرے۔ پھر یہی آیت تلاوت کی' پھر فرمایا کہ اے ابو عبیدہ بنی اسرائیل نے ایک دن صبح کے وقت تینتالیس پیغمبروں کو قتل کیا جس پر ایک سو ستر مسلمانوں نے انہیں اس سے منع کیا اور توبہ وغیرہ کا حکم دیا تو ان سب کو بھی اسی دن شام کو قتل کر دیا۔ اس آیت میں انہیں کا ذکر ہے (خازن و معانی وغیرہ)۔ **نوٹ:** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ تین سزائیں تین عیوب کی ہیں۔ کفر کی سزا عذاب' قتل انبیاء کی سزا ضبطی اعمال اور قتل مومنین کی سزا مددگاروں کا نہ ہونا مگر یہ صحیح نہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ سب سزائیں کفر کی ہیں اور یہ جرم بھی کفر ہی کے اقسام ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** انکار نبی گناہوں کی جڑ ہے۔ دیکھو اس آیت میں کفر آیات یعنی انکار نبوت کے بعد سارے گناہوں کا ذکر ہوا۔ جس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جڑ کفر ہے اور سب جرم اس کی شاخیں۔ **دوسرا فائدہ:** عالم دین نائب رسول ہیں۔ ان کی توہین نبی کی توہین ہے۔ دیکھو قتل انبیاء کے ساتھ قتل علماء کا ذکر کیا گیا۔ اور دونوں پر یکساں عذاب مرتب کیا۔ دوسرے مقام پر رب تعالیٰ نے انبیاء' فرشتوں' علماء کو اپنی توحید کا گواہ قرار دیا کہ فرمایا **شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة** تیسرے مقام پر رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل یہ دی کہ **ان يعلمه علماء بنی اسرائيل** انہیں بنی اسرائیل کے علما جانتے پہچانتے ہیں۔ ان وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کا بڑا درجہ ہے۔ **تیسرا فائدہ:** خوف قتل پر بھی تبلیغ کی جائے اگر مبلغ عالم قتل ہو تو ثواب پائے گا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان علماء کی تعریف فرمائی جو ان خونخوار سود کے ہاتھوں شہید ہوئے' جنہوں نے ان انبیاء کو قتل کیا تھا۔ ان علماء کو ضرور اس وقت اپنی جان کا

خطرہ تھا مگر اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وعظ و نصیحت سے باز نہ رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے سچی بات کہنا بڑا جہاد ہے۔ دوسری روایت ہے کہ سید الشہداء حمزہ ابن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ کر مارا جائے۔ عمرو ابن عبیدہ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی نیکی تبلیغ پر قتل ہونا ہے (احکام القرآن) شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

گرچہ دانی کہ نشنوند بگو! ہرچہ میدانی از نصیحت و پند

چوتھا فائدہ: مرتد کی نیکیاں باطل ہو جاتی ہیں جیسا کہ حبطت اعمالھم سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل پہلے مومن تھے پھر عداوت انبیاء سے کافر ہوئے۔ جس سے زمانہ ایمان کی نیکیاں برباد ہو گئیں۔

مسئلہ: مرتد کی نیکیاں تو باطل ہو جاتی ہیں مگر گناہ باقی رہتے ہیں۔ اس لئے جو کوئی مرتد ہو کر مسلمان ہو تو اسے زمانہ اسلام کی نماز، روزہ قضا کرنے ہوں گے کیونکہ قضائے نماز گناہ ہے اور گناہ ارتداد سے معاف نہیں ہوتا (در مختار باب المرتد)۔ مسئلہ: جو کوئی حج کے بعد مرتد ہو جائے اور پھر ایمان لائے تو اسے حج دوبارہ کرنا ہو گا۔ مگر پڑھی ہوئی نمازیں نہ لوٹائے گا (در مختار)۔ مسئلہ: اس میں اختلاف ہے کہ توبہ کے بعد مرتد کی نیکیاں لوٹ آتی ہیں یا نہیں۔ حق یہ ہے کہ گذشتہ ثواب تو نہیں لوٹتا۔ مگر اصل عمل لوٹ آتے ہیں اور آئندہ وہ ثواب کا باعث بنتے ہیں جیسے جو درخت جل کر ہرا ابھرا ہو تو اس کے گذشتہ پھل نہیں لوٹتے مگر چونکہ جڑ باقی تھی، لہٰذا آئندہ پھل پیدا ہوتے ہیں (شامی)۔ پانچواں فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام کی جناب میں بے ادبی کفر ہے۔ دیکھو قتل انبیاء کو جو توہین ہے، کفر قرار دیا گیا۔ چھٹا فائدہ: کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے۔ دیکھو موجودہ اہل کتاب انبیائے کرام کے قاتل نہ تھے بلکہ ان کے باپ دادا قاتل تھے مگر چونکہ یہ اس سے راضی تھے لہٰذا انہیں بھی قاتل کہا گیا۔ ایک گناہ اپنے میں کئی شخصوں کو لپیٹ لیتا ہے، کرنے والا، کرانے والا، گناہ میں مدد دینے والا، گناہ سے راضی و خوش ہونے والا سب ہی گنہگار ہیں۔ چوری کا مال رکھنے والا بھی جیل میں جاتا ہے، ایسے ہی ایک نیکی اپنے میں کئی شخصوں کو سمیٹ لیتی ہے۔ نیکی کرنے والا، کرانے والا، نیکی میں مدد دینے والا، اس سے راضی ہونے والا سب ہی ثواب کے مستحق ہیں۔ ساتواں فائدہ: گناہ میں ارادہ قتل، قتل کی طرح ہے جیسا کہ یقتلون کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ موجودہ یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ جس میں وہ ناکام رہے مگر انہیں قاتل قرار دیا گیا۔ آٹھواں فائدہ: ایک نبی کا انکار سارے پیغمبروں کا انکار ہے جیسے کہ النبین کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نواں فائدہ: انشاء اللہ مسلمانوں کے لئے قبر و حشر میں مددگار ہوں گے۔ چھوٹے بچوں، اولیاء اللہ، انبیائے کرام کی مدد ضرور پہنچے گی۔ کیونکہ مددگار نہ ہونا کفار کے لئے خاص ہے اور یہ ان کے کفر کی سزا ہے جیسا کہ **وما لھم من نصرین** سے معلوم ہوا۔ جو انبیاء کرام کی مدد کا انکار کرتا ہے وہ درپردہ اپنے کفر کا اقراری ہے۔ دسواں فائدہ: مسلمانوں کو خدا کے فضل سے نیکیوں کا فائدہ دنیا میں بھی پہنچتا ہے۔ آخرت میں بھی۔ کیونکہ دنیا و آخرت میں اعمال ضبط ہونا کفار کا عذاب ہے۔ مسلمان اس سے محفوظ۔ خیال رہے کہ دنیوی ثواب بندگان خدا کا راضی ہونا ہے۔ گیارھواں فائدہ: جو عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب کی آیات پر کبھی وعظ نہ کرے صرف **انما انا بشر مثلکم** ہی لوگوں کو سنائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت والی آیتوں میں یا تاویل کرے یا ان کی اہمیت گھٹائے، وہ انہی یہودیوں کی طرح ہے جو آیات نعت کو چھپاتے تھے وہ بھی اس آیت میں

داخل ہے۔ذات وصفات ونعت ومناقب کی آیات دوسری آیات سے افضل ہیں۔ان کی تاثیر بھی اعلیٰ ' پنجگانہ نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے والا مرتے ہی جنت میں جائے گا۔ سوتے وقت آیت الکرسی پڑھنے والے کا گھر بلکہ محلہ ناگہانی آفات سے محفوظ رہتا ہے۔سورۂ تبت میں یہ تاثیریں ہیں کہ سورۂ تبت میں ابولہب کافر کا ذکر ہے۔ آیت الکرسی میں رب تعالیٰ کی ذات و صفات کا۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ قتل پیغمبر ناحق ہی ہو گا۔ حق تو ہو سکتا ہی نہیں۔ جواب: اس کے چند جواب سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکے اس جگہ صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ اس سے گناہ کی برتری دکھانا منظور ہے۔ یعنی انہوں نے وہ جرم کیا جس کے حق ہونے کا احتمال ہی نہیں۔ نیز یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے دھوکے سے قتل نہ کیا بلکہ اپنے کو ظالم جانتے ہوئے قتل کیا۔ دوسرا اعتراض: **يقتلون النبين** سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے سارے پیغمبروں کو قتل کیا۔ حالانکہ انہوں نے نہ کل کو قتل کیا نہ اکثر کو نہ نصف کو' بلکہ چند کو؟ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ النبین میں الف لام عہدی ہے نہ کہ استغراق کا۔ دوسرے یہ کہ بعض پیغمبروں کا قتل کل کے قتل کی طرح ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا۔ ان کافروں کے عمل ضبط ہو گئے۔ عمل سے گناہ مراد ہیں یا نیکیاں ' اگر گناہ مراد ہیں پھر تو وہ بڑے مزے میں رہے کہ سارے گناہ معاف ہوئے اور اگر نیکیاں مراد ہیں تو ان کے پاس نیکیاں تھیں کہاں۔ کافر کا کوئی فعل نیکی ہی نہیں پھر ضبطی کس کی ہوئی؟ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو یہ مرتدین تھے۔ ان کے زمانہ ایمان کی نیکیاں برباد ہوئیں یا نیکیوں سے وہ عمل مراد ہیں جن میں ایمان شرط نہیں۔ جیسے صلہ رحمی ' سچ بولنا ' عدل و انصاف وغیرہ۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ضبطی اعمال ہر کافر کے لئے نہیں بلکہ اس کے لئے ہے جو کفر کے ساتھ قتل انبیاء و علماء بھی کرے۔ کیونکہ یہاں تین جرموں کے بعد اس سزا کا ذکر ہوا۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ کفر کی سزا ہے اور کفر کی بہت سی نوعیتیں ہیں۔ انکار آیات کفر' قتل انبیاء کفر' قتل علماء کفر اور اس امر مشترک کی یہ سزا۔ دوسرے یہ کہ بے شک دنیا و آخرت میں عمل کی بربادی انہیں کے ساتھ خاص ہے۔ دوسرے کافر اپنے اعمال کا بدلہ دنیا میں کچھ نہ کچھ پا لیتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ آخرت میں اعمال کی بالکل بربادی توہین والے کافر کے لئے خاص ہے۔ ورنہ انبیاء سے محبت رکھنے والے کفار اپنی نیکیوں کا کچھ نتیجہ پالیں گے ان کا عذاب ہلکا ہو جائے گا۔ جیسے ابو طالب ' ابولہب ' حاتم طائی وغیرہ۔ چوتھے یہ کہ اولئک سے اشارہ ہر ایک کی طرف ہے نہ کہ مجموعہ کی جانب۔ یعنی یہ کافر ' یہ قاتل انبیاء ' یہ قاتل علماء سب کے اعمال ضبط۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض انبیاء کرام یہود کے ہاتھوں شہید ہوئے مگر دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **انا لننصر رسلنا** ہم اپنے رسولوں کی مدد کریں گے۔ تو رب نے ان رسولوں کی مدد کیوں نہ کی جو شہید ہوئے؟ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ نصرت الٰہی کا وعدہ جہاد کے لئے ہے ' جہاد میں کوئی نبی کسی کافر کے ہاتھ شہید نہ ہو گا اور واقعی کوئی نبی جہاد میں شہید نہ ہوئے۔ دوسرے یہ کہ شہادت یا موت مدد کے خلاف نہیں۔ جس مقصد کے لئے نبی تشریف لاتے ہیں اس میں کامیابی رب تعالیٰ کی مدد سے ہوتی ہے اگر نبی شہید بھی ہو جائیں مگر دین کو مکمل کر جائیں تو وہی غالب ہیں۔ کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ جیتے ' یزید پلید ہارا کہ اس کا مقصد جنگ حاصل نہ ہوا۔

تفسیر صوفیانہ : عدل و انصاف' توحید و ایمان کا سایہ ہے۔ جس کا ایمان ناقص اس سے ناممکن۔ نیز کفار یار سے پردہ میں ہیں۔ اپنے بتوں کی پیروی اور رسم و رواج کی پابندی ان کا حجاب ہے۔ حضرات انبیاء اس حجاب کے پھاڑنے والے تھے۔ چونکہ ان کا حجاب مضبوط اور ظلمت کفر گہری تھی' اس لئے ان تک نور نبوت نہ پہنچا۔ جس سے انہوں نے انبیائے کرام و علماء کو قتل کر دیا۔ نیز روح کا مشغلہ شوق و عشق ہے اور اس کی حرکت پستی سے بلندی کی طرف ہے۔ نفس کا مشغلہ نافرمانی اور مشغولیت دنیا ہے اور اس کی حرکت پستی کی جانب۔ انبیائے کرام روح کی امداد کرنے اور نفس کو دبانے کے لئے تشریف لائے' مگر ان کفار کے نفوس ان کی روحانیت پر غالب آئے۔ جس سے انہوں نے اپنے خیر خواہوں کو قتل کیا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ نفس امارہ گویا کافر ہے اور اس کے گناہ گویا تلوار' قلب خیر خواہ واعظ ہے اور روح اور فرشتہ گویا ہادی پیغمبر۔ نفس کافر نے روح کی مخالفت کر کے اس کو ایسا دبایا کہ اس کی حکومت جسم سے جاتی رہی۔ یہ گویا قتل پیغمبر ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نفس نے کبھی جو جائز کام کر لئے تھے ان کا بھی فائدہ جاتا رہا اور نفس و رب کے درمیان واسطہ روح و قلب اٹھ گیا جو ذریعہ فیض تھا جس سے نفس رب سے بالکل بے تعلق ہو گیا۔ خیال رہے: کہ روح و قلب ظل الٰہی ہیں اور ظل کا انکار اصل کا انکار ہے۔ نیز قلب اور روح آئینہ جمال الٰہی ہیں جس کے ذریعہ وہ نور لم یزل نفس تک پہنچتا ہے۔ ان شیشوں کو توڑنا اس نور سے محروم رہنا ہے اور روح و قلب کے بغیر نیکیاں بھی گناہ ہیں اس لئے فرمایا گیا **حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ** اللہ تعالیٰ ان آئینوں کو زیادہ جلا بخشے (از ابن عربی)۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کافر کے لئے دنیاوی زندگی بھی عذاب الیم ہے۔ موت بھی' قبر بھی' آخرت بھی' دنیا میں اسے قناعت نہیں ملتی' ہوس کی وجہ سے یہاں کی نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ نیز اللہ کی نعمتیں کھاتا ہے مگر غفلت کے ساتھ۔ لہٰذا اس کا کھانا پینا وغیرہ سب عذاب' مرتے وقت وہ چھوٹنے والی دنیا کو دیکھ کر روتا پیٹتا ہے۔ مومن آنے والی نعمتوں' راحتوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے' کافر کی قبر دوزخ کی بھٹی' مومن کی قبر جنت کی کیاری۔ آخرت میں مومن جنتی اور کافر مصیبت میں ان وجوہ سے کافر کو ہر جگہ عذاب الیم ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جیسے جسمانی غذا کا ایک تو عام نفع ہے یعنی بقاء زندگی اور کچھ خصوصی فائدے' دودھ کا اور فائدہ ہے' دہی کا کچھ اور' گندم دال کا نفع اور ہے' جو یا گوشت کا اثر کچھ اور۔ ایسے ہی غذاء روحانی یعنی اعمال صالحہ کا ایک تو عمومی فائدہ ہے۔ کمال ایمان اور کچھ خصوصی فائدے۔ جیسے زکوٰۃ سے مال میں برکت' نماز سے چہرے کا نور' عبادت سے لوگوں کے دل میں کشش' مخلوق میں عزت۔ اعمال کی عزت' مال دولت کی عزت سے زیادہ ہے۔ کفار کے اعمال کی دنیا میں بربادی یہ ہے کہ انہیں اعمال کے یہ خصوصی فائدے حاصل نہیں ہوتے۔ آخرت میں بربادی یہ ہے کہ ان کفار کو اعمال کی وجہ سے رضاء الٰہی' مغفرت وغیرہ نصیب نہیں ہوتی۔ محبوبوں کے گناہ بھلا دیئے جاتے ہیں۔ نیکیاں مشہور کر دی جاتی ہیں بلکہ گناہ ہو جانے پر ان کی حمایت کی جاتی ہے جیسے غازیان احد کی حمایت کی گئی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ
کیا نہ دیکھا تم نے ان کے جو دیئے گئے حصہ کتاب سے بلائے جاتے ہیں طرف کتاب اللہ کے تاکہ فیصلہ
کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ وہ ان کا فیصلہ کرے

بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ

کرے وہ درمیان ان کے پھر منہ پھیرتا ہے ایک گروہ ان میں سے حالانکہ وہ اعتراض کرنیوالے ہیں یہ اس لیے ہے کہ

پھر ان میں سے ایک گروہ اس سے روگرداں ہو کر پھر جاتا ہے۔ یہ جرأت انہیں اس لئے ہوئی کہ وہ کہتے ہیں کہ ہرگز

تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا

تحقیق انہوں نے کہا کہ ہرگز نہ پہنچے گی ہمیں آگ مگر دن گنے ہوئے اور دھوکہ میں ڈال دیا ان کو بیچ دین ان کے

ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دنوں اور ان کے دین میں انہیں فریب دیا اس جھوٹ نے جو باندھتے تھے تو

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ

اس نے جو وہ گھڑتے تھے پس کیا ہوگا جب جمع کریں گے ہم ان کو وقت اس دن کے کہ نہیں ہے شک بیچ اس کے اور پورا دیا

کیسی ہوگی جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے اس دن کے لئے جس میں شک نہیں اور ہر جان کو اس کی کمائی پوری بھر دی جاوے گی

مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

جائیگا ہر نفس وہ جو کمایا اس نے اور وہ نہ ظلم کئے جائیں گے ؎

ان پر ظلم نہ ہوگا ؎

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل کتاب کے عناد کی ایک نوعیت بیان کی کہ وہ انبیائے کرام کے دشمن ہیں۔ اب دوسری طرح ان کا عناد ثابت کیا جارہا ہے کہ وہ درحقیقت اپنی کتابوں کے بھی معتقد نہیں' اور نہ ان کے احکام پر سر جھکاتے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرح تسلی دی گئی کہ ان کفار کی مخالفت پر آپ غمگین نہ ہوں۔ آپ کی تو زبانی مخالفت ہی کرتے ہیں' پچھلے پیغمبروں کو تو انہوں نے شہید بھی کر دیا۔ اب دوسری طرح حضور علیہ السلام کو تسلی دی جارہی ہے کہ ان کا عناد اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ یہ لوگ جن کتابوں کے معتقد بنتے ہیں' درحقیقت انہیں بھی نہیں مانتے۔ ہمیشہ ان کی مخالفت ہی کرتے ہیں۔ جب یہ اپنی مسلم کتابوں کے معتقد نہیں تو اگر آپ کے معتقد نہ ہوں تو کیا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل کتاب کے بدترین جرموں کا ذکر کیا گیا۔ اب اس کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم کچھ بھی کرلیں' ہمیں معمولی عذاب ہوگا۔ اس لئے ایسے جرموں کی ہمت کرتے ہیں۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیت میں یہود کے وہ تاریخی جرم مذکور تھے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیکھے نہ گئے' صرف سنے گئے تھے۔ یعنی قتل انبیاء و قتل علماء وغیرہ۔ اب ان کے موجودہ جرم کا تذکرہ ہے' جو اب زمانہ نبوی میں بھی دیکھا جارہا ہے۔ یعنی انکار توریت اور اپنے کو بہرحال جنتی ماننا خواہ کتنے ہی جرم کریں۔

شان نزول : حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المدراس (یہود کا مدرسہ) میں تشریف لے گئے اور یہود کو دعوت اسلام دی۔ ان میں سے نعیم ابن عمرو اور حارث ابن زید

نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کس دین پر ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا دین ابراہیمی پر۔ وہ بولے کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ آپ نے یہودیت کیوں اختیار نہ کی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا توریت لاؤ۔ ابھی ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔ وہ اس پر تیار نہ ہوئے اور منکر ہو گئے۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ نیز انہی عبداللہ ابن عباس اور امام کلبی سے روایت ہے کہ خیبر کے یہود میں سے کسی مالدار یہودی نے ایک یہودن سے زنا کیا۔ توریت میں زنا کی سزا رجم تھی (پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا) لیکن چونکہ یہ دونوں مجرم خاندانی اور مالدار تھے' اس لئے یہود کو ان کا سنگسار کرنا گوارا نہ ہوا۔ اس مقدمہ کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں اس لئے لائے کہ شاید آپ سنگساری کا حکم نہ دیں۔ غالباً" انہوں نے قرآن شریف کی یہ آیت سن لی ہو گی کہ **الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ** زانی و زانیہ کو سو کوڑے مارو گر انہیں یہ پتہ نہ لگا ہو گا کہ یہ حکم کنوارے زانی کا ہے۔ شادی شدہ کے لئے اسلام میں بھی رجم ہے۔ اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ مجرم سزائے موت سے بچ جائیں مگر حضور علیہ السلام نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ اس پر یہودی طیش میں آ گئے اور بولے کہ زنی کی سزا یہ نہیں ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ظلم کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اچھا اس کا فیصلہ توریت پر رکھو۔ وہ بولے ہاں یہ انصاف کی بات ہے۔ توریت منگائی گئی۔ عبداللہ ابن صوریہ فدکی جو یہود کا بڑا عالم تھا۔ وہ توریت پڑھنے لگا اور رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ لیا اور اس عبارت کو چھوڑ کر آگے پیچھے کی عبارتیں پڑھ دیں۔ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہود کے بڑے عالم تھے اور اب صحابی رسول اللہ تھے۔ ان کا ہاتھ ہٹا کر وہ آیت پڑھ دی جس میں سنگساری کا حکم تھا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ابن صوریہ اس آیت کو چھپا گیا۔ جس پر یہودی ذلیل ہوئے اور دونوں زانی مرد و عورت حضور علیہ السلام کے حکم سے سنگسار کر دیئے گئے۔ جس پر یہود سخت ناراض ہوئے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ **خیال رہے:** کہ عبداللہ ابن سلام کا پہلا نام حصین تھا۔ حضور علیہ السلام نے عبداللہ رکھا۔ یہ توریت کے بڑے عالم تھے۔ 40ھ میں وفات پائی (حقانی' خزائن' عرفان' کبیر و خازن وغیرہ)۔

تفسیر: **الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتب** یہ ہمزہ استفہامیہ ہے اور سوال تعجب کا۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یا سارے مسلمانوں کو تعجب دلانا منظور ہے۔ **تر۔** رویتہ سے بنا رویتہ۔ آنکھ سے دیکھنے کو بھی کہتے ہیں اور دل سے دیکھنے کو بھی۔ اس دل کی رویت سے رائے بنا۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں یا کیا آپ نے غور نہیں کیا۔ یہ دیکھنا اور غور کرنا بھی عبادت ہے۔ **تر** کا فاعل یا صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا ہر قرآن پڑھنے والا اور رویت سے آنکھ کا دیکھنا مراد ہے۔ **الذین** سے سارے اہل کتاب مراد ہیں یا ان کے علماء' کہ سارے اہل کتاب کو کتاب اللہ پر ایمان ملا اور علماء اہل کتاب کو کتاب اللہ کا علم ملا۔ کسی کو کتاب کا نور ملا' کسی کو کتاب کے اسرار سے حصہ ملا یا بعض اہل کتاب' اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے بعض اہل کتاب کی تعریف بھی کی ہے۔ **من اھل الکتب امۃ قائمۃ یتلون ایت اللہ۔** **نصیب۔** **نصب** سے بنا بمعنی رکھنا۔ اس لئے گڑے ہوئے بت کو نصب کہتے ہیں۔ اصطلاح میں مقررہ حصہ کو نصیب کہتے ہیں کہ وہ بھی باقی سے الگ رکھا جاتا ہے۔ **من الکتب** میں **من** یا **تبعیضیہ** ہے یا بیانیہ (معانی) کتاب سے مراد یا توریت ہے یا لوح محفوظ (معانی) چونکہ توریت لوح محفوظ کا ایک حصہ تھی' لہٰذا توریت کا ملنا لوح محفوظ کا گویا ایک حصہ ہی ملنا ہے۔ یا اہل کتاب کے پاس توریت و انجیل پوری باقی نہ رہی تھی۔ بہت ضائع ہو چکی تھی جو باقی تھا وہ اصل کتاب کا ایک حصہ تھا۔ یا کلام الٰہی

کی اصل حقیقت سمجھنا بہت دشوار ہے۔ عام لوگوں کی فہم ظاہری معنی تک پہنچتی ہے اور ظاہری معنی کتاب کا ایک حصہ ہیں۔ جیسے کوئی شخص سمندر کا پورا پانی ' وہاں کے سارے موتی وغیرہ نہیں لے سکتا' سورج کی پوری روشنی پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ ہر شخص بقدر برتن ہی اس سے فیض لے گا۔ یونہی کوئی شخص پوری کتاب اللہ نہیں معلوم کر سکتا۔ کسی کو اس کے الفاظ' کسی کو معانی' کسی کو احکام' کسی کو اسرار ملے۔ مگر جسے جو کچھ ملا کتاب کا حصہ ہی ملا نہ کہ کل کتاب تو حضرت جبرئیل کو بھی نہ ملی۔ ہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کل قرآن ملا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الرحمن علم القران** اور فرماتا ہے **ان علینا جمعہ و قرانہ** ان وجوہ سے "نصیبا" فرمایا گیا یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان اہل کتاب کو نہ دیکھا کہ جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا باقی فنا ہو چکا۔ یا ان کی نظر کتاب اللہ یا توریت و انجیل کے ظاہری معنی تک ہے۔ **اوتوا** فرما کر یہ بتایا گیا کہ علم کتاب محض اپنی کوشش سے نہیں ملتا یہ تو عطیہ ربانی ہے جس پر وہ کرم کردے' بڑے ذہین یہاں فیل ہو جاتے ہیں اور معمولی حیثیت کے لوگ اس سمندر میں غوطے لگا کر موتی نکالتے ہیں۔ اکثر علماء غرباء اور مساکین ہی ہوئے ہیں۔ **یدعون الی کتب اللہ** تو یہ نیا جملہ ہے جو جائے تعجب کو بیان کرتا ہے اور یا **الذین** کا حال۔ اس کتاب اللہ سے یا قرآن کریم مراد ہے جو کہ تبدل و تغیر سے محفوظ اور فیصلہ کن کلام ہے یا توریت شریف ہی مراد ہے ان کی نافرمانی ظاہر کرنے کے لئے ضمیر نہ لائی گئی بلکہ دوبارہ ذکر کیا گیا یعنی وہ اہل کتاب قرآن یا توریت کے فیصلہ کی طرف بلائے جاتے ہیں۔ بلانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا ان کے نائبین علماء کرام۔ اس سے اشارۃً" معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی دعوت پر نہ حاضر ہونا سخت جرم ہے۔ **لیحکم بینھم** یہ **یدعون** کے متعلق ہے۔ **یحکم' حکم** سے بنا بمعنی فیصلہ۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہو چکا۔ خیال رہے کہ چونکہ حق سے ہٹنے والے یہودی تھے اس لئے **بینھم** فرمایا گیا نہ کہ **بینکم و بینھم** اور ممکن ہے کہ خود یہود میں اختلاف پڑ گیا ہو۔ اس لئے **بینھم** فرمادیا گیا۔ **یحکم** کا فاعل کتاب اللہ ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ **یدعون** سے معلوم ہو چکے تھے۔ بعض قراتوں میں **لیحکم** صیغہ مجہول بھی ہے (کبیر)۔ **ثم یتولی فریق منھم۔ ثم** ترتیب اور مہلت کے لئے آتا ہے یہاں ترتیب درجہ کی مراد ہے نہ کہ زمانی۔ کیونکہ وہ فوراً" ہی توریت سے منہ موڑ گئے تھے۔ **یتولی** کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ یہ **تولی** سے بنا بمعنی منہ موڑنا اور پیٹھ پھیرنا۔ **فریق فرقۃ** سے بنا بمعنی گروہ اس سے مراد یا اہل کتاب کے روساء ہیں یا ان کے علماء۔ چونکہ منہ موڑنے میں پیش قدمی ان کے سرداروں نے کی تھی۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی سب نے کی اس لئے انہیں کو اس فعل کا فاعل بنایا گیا۔ یعنی پھر جان بوجھ کر اہل کتاب کا ایک گروہ توریت کے حکم سے منہ پھیر جاتا ہے۔ **و ھم معرضون** واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ **فریق** سے حال ہے یا **منھم** کی ضمیر سے **ھم** کا مرجع۔ یا سارے اہل کتاب ہیں یا وہی فریق علماء۔ **معرضون** سے ان کا ایسی منہ پھیرنا مراد ہے یا **یتولی** سے منہ پھیرنا مراد تھا اور **معرضون** سے دلی ناراضگی مقصود یا تولی ایک گروہ نے کی تھی اور اعراض ان سب نے (روح المعانی)۔ یا تولی اس خاص حکم سے تھی اور اعراض سارے احکام سے یعنی وہ اس حکم سے منہ پھیرتے ہیں حالانکہ وہ دل سے بھی ناراض ہیں یا اب اس حکم سے منہ موڑتے ہیں۔ حالانکہ وہ سارے احکام سے ہی پھیرے ہوئے ہیں۔ یا بظاہر ان میں کا ایک گروہ اس حکم سے منہ موڑتا ہے مگر در پردہ وہ سب ہی پھرے ہوئے ہیں۔ یا منہ پھیرنا ان کی عادت ہو چکی ہے۔ مگر سب سے بہتر وہ معنی ہیں جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کئے کہ تولی سے پھر جانا اور **معرضون** سے روگردان ہونا مراد لیا۔ اس بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کی طرف پیٹھ نہ کرو کہ یہ بھی اعراض ہے۔ تلاوت قرآن کے وقت ہمہ تن گوش

بن کر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ- قاری سامنے ہو تو سب ادھر متوجہ ہوں تاکہ تولی اور اعراض دونوں سے الگ رہے- اہل کتاب سے بچے- **ذلک بانہم قالوا** یہ نیا جملہ ہے- ذلک سے تولی اور اعراض کی طرف اشارہ ہے- چونکہ یہود کے مذکورہ اعمال و عقائد بہت گندے اور اسلامیت کیا انسانیت سے بھی دور تھے- اس لئے ذلک بعید اشارہ ہوا- ذلک بعید کے اشارہ کے لئے آتا ہے- بعید زمانا ہو یا مکانا یا اشارۃ چونکہ یہ بد عقیدگی یہود کے گذشتہ گناہوں کا باعث تھی- اس لئے ب سببیہ ارشاد ہوئی- **بانہم** بان حاصل کا متعلق ہے اور ھم کا مرجع سارے اہل کتاب ہیں- قول سے مراد دلی اعتقاد ہے یا زبانی بات- یعنی ان کے علماء کے غلط وعظ یا یہود کا آپس میں یہ کہنا یا مسلمانوں سے یہ کہنا یا یہ سمجھنا اور عقیدہ رکھنا **لن تمسنا النار الا ایاما معدودات** اس جملہ کی نہایت نفیس تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر گئی- یہاں اتنا سمجھ لو کہ **تمس مس** سے بنا- بمعنی چھونا اور پہنچنا اور **ایاما معدودات** سے تھوڑی مدت مراد ہے یعنی گنتی کے دن- ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہمارے بزرگوں نے چالیس دن بچھڑا پوجا تھا' اتنی ہی مدت ہم جہنم میں رہیں گے پھر نہیں رہ سکتے خواہ کچھ بھی کریں- یعنی ان کو یہ جرات اور کتاب اللہ سے منہ موڑنے کی ہمت اس لئے ہوئی کہ وہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہمیں تھوڑی مدت ہی عذاب ہو سکتا ہے پھر نہیں **و غرھم فی دینھم ما کانوا یفترون** یہ جملہ **قالوا** پر معطوف ہے- **غر غرور** سے بنا بمعنی دھوکہ دینا یا جھوٹی طمع **ھم** کا مرجع وہی اہل کتاب ہیں- دین سے مراد ان کا جھوٹا عقیدہ ہے- جس کو دین سمجھے بیٹھے تھے- **ما** سے ان کے گھڑے ہوئے خیالات مراد ہیں- **یفترون فری** سے بنا بمعنی کاٹنا- مفردات میں ہے کہ اصلاح کے لئے کاٹنے کو فری کہتے ہیں اور فساد کے لئے کاٹنے کو **افتراء** اور **فری** ف کے کسرہ سے بمعنی جھوٹ آتا ہے- اسی سے **افتراء** بمعنی اخلاق ہے- جھوٹ گھڑنا' یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں- خیال رہے **فی دینھم** یا تو غر کے متعلق ہے یا یفترون کے- یعنی ان کے گھڑے ہوئے عقیدوں اور جھوٹے خیال نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا- جس کو وہ دین سمجھے بیٹھے ہیں کہ عیسائی کفار مسیح کے معتقد ہو بیٹھے اور یہودی شفاعت بزرگان کے اعتماد پر کفر کر بیٹھے (معانی)_ جن عیوب کو مٹانے کے لئے حضرات انبیاء کرام تشریف لائے تھے' وہی عیوب ان کے دین بن گئے اور جو چیزیں اصول دین تھیں' انہیں بھول گئے- افسوس آج ہمارا بھی یہی حال ہے- نمازیں چھوڑیں' گانا بجانا دین بن گیا- **فکیف اذا جمعنھم لیوم لا ریب فیہ** یہ نیا جملہ ہے اور **کیف تکون** یا **یصنعون** پوشیدہ حال ہے- اور ممکن ہے کہ پوشیدہ مبتداء کی خبر- یعنی **کیف حالہم اذا جمعنھم** یہ اسی پوشیدہ فعل کا ظرف ہے- کیف میں اشارہ فرمایا گیا کہ جو دنیا میں مطمئن رہے انہیں قیامت کے دن بہت صدمہ ہو گا کہ ان کا حساب ان کی توقع کے خلاف ہو گا اور جو مومن یہاں خطرہ میں رہے' قیامت میں ان کی خوشی بے حساب ہوگی کہ خطرہ ٹل گیا' چھٹی مل گئی- اور جمع سے مراد قیامت کے دن کا اجتماع ہے- اس اجتماع میں جس کی نیک نامی ہوگی وہ بہت ہی سرخرو ہو گا اور بدنام بہت ہی ذلیل ہو گا- نیز یہ لوگ اپنے ان انبیاء کے پاس حاضر ہوں گے جن کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے- اعمال سے بے نیاز ہو گئے تھے- وہ حضرات انہیں منہ بھی نہیں لگائیں گے- نیز جنہوں نے انہیں گمراہ کیا تھا وہ سرداران کفر بھی اس مجمع میں ہوں گے وہ لوگ ان کے کچھ کام نہ آئیں گے- اس سے ان کی مایوسی بہت زیادہ ہوگی- **لیوم** میں لام بمعنی فی ہے یا لام تعلیلیہ ہے- جزا پوشیدہ اور یوم سے مراد وقت ہے **لا ریب فیہ** یہ یوم کی صفت ہے یعنی یہ اس وقت کیا کریں گے یا ان کا کیا حال ہو گا جب ہم ان کو جزاء و سزا کے لئے اس دن میں جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں- کیونکہ جب ہر ایک اپنے ماتحت سے حساب لیتا ہے تو رب تعالیٰ اپنے بندوں سے حساب کیوں نہ لے گا- اس نے

ہم کو بے شمار نعمتیں عبث نہ دیں۔ وہ خود فرماتا ہے کہ **افحسبتم انما خلقنکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون۔ و وفیت کل نفس ما کسبت** واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ **جمعنہم** پر معطوف۔ **وفیت۔ توفیتہ** سے بنا جس کا مادہ وفاع ہے بمعنی پورا دینا۔ **کل نفس** سے ہر عاقل بالغ انسان مراد ہے کیونکہ جانوروں اور نابالغ بچوں کے اعمال پر جزا ہو سزا نہیں۔ **ما** سے مراد ہر نیک و بد عمل ہے اور اس سے پہلے جزا پوشیدہ ہے یعنی جزا **ما کسبت۔ کسبت** سے اختیاری اعمال مراد ہیں۔ کیونکہ مجبوری اعمال پر سزا و جزاء نہیں یعنی ہر قابل عمل انسان کو اس کے اختیاری افعال کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا۔ **وفیت** کا بیان یہ ہے کہ **و ہم لا یظلمون۔ ہم** کا مرجع **کل نفس** ہے۔ کیونکہ وہ معنا جمع ہے اور ظلم سے مراد نقصان ہے (معانی) یعنی ان کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا کہ نہ ان کی نیکیوں کا ثواب کم کیا جائے اور نہ گناہوں کا عذاب زیادہ بڑھایا جائے۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہل کتاب کی مخالفت پر غمگین نہ ہوں۔ یہ تو اپنے پیغمبروں کے بھی نہ ہوئے کہ انہیں شہید کر ڈالا وہ تو پچھلا واقعہ تھا اب ان کی موجودہ حالت یہ ہے جو آپ دیکھ ہی چکے کہ جب یہ اپنی پہچانی مانی ہوئی کتاب یعنی توریت کی طرف بلائے جاتے ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کا فیصلہ مان لو تو اس سے منہ پھیر جاتے اور انکار کر دیتے ہیں جس کتاب کے ماننے کا دعویٰ ہے' جب اس کے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے تو اگر قرآن و صاحب قرآن جس کے وہ مانتے کے مدعی نہیں اس کی مخالفت کریں تو کیا بعید ہے۔ اس بے دینی اور بے باکی کا سبب یہ ہے کہ ان کے پیروں' مرشدوں نے کچھ ڈھکوسلے ان کے دل میں بٹھا دیئے ہیں کہ یہود چونکہ نسل ابراہیمی سے ہیں۔ اس لئے انہیں چند روزہ ہی عذاب ہو گا۔ جتنے دن ان کے باپ دادا نے بچھڑا پوجا تھا۔ پھر ان کی رہائی یقینی ہے خواہ وہ دنیا میں کچھ بھی کریں یا یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے گناہوں کے عوض سولی کھا گئے' ان کی صلیب ان کے گناہوں کا کفارہ ہو چکی۔ اب یہ جو چاہیں کریں' انہیں کوئی عذاب نہیں۔ ان ڈھکوسلوں کو انہوں نے دین سمجھا ہے اور انہیں پر یہ مغرور ہیں۔ خیال تو کرو کہ اس وقت کیسی ہو گی' جب ہم ان سب کو قیامت کے دن سزا و جزا کے لئے جمع کریں گے۔ جس میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری سزا و جزا دی جائے گی۔ تب ان کو اپنے خیالات خام کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ ہم کچھ سمجھتے تھے اور ہوا کچھ اور اس دن کسی پر ظلم نہ ہو گا کہ نہ کسی کی نیکیاں ضائع جائیں اور نہ برائیاں بڑھائی جائیں۔ بعض روایات میں ہے کہ قیامت کے دن سارے کفار سے پہلے یہود کا جھنڈا بلند کیا جائے گا اور انہیں سر محشر رسوا کر کے جہنم میں بھیجا جائے گا (خازن و روح)۔ نیز عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود کا عقیدہ یہ تھا کہ جہنم کے دونوں کناروں میں چالیس سال کا فاصلہ ہے اور آخری کنارہ پر درخت خاردار ہے۔ جسے زقوم کہتے ہیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم زقوم کے پہنچنے تک عذاب پائیں گے وہاں پہنچ کر جہنم ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا ان کے عقیدہ میں دوزخ اور وہاں کا عذاب دائمی نہیں۔ اس آیت میں اسی عقیدہ کا بیان اور اسی کی تردید ہے (روح البیان)۔ خیال رہے کہ دوزخ کی تپش دنیا میں بھی آ رہی ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوپہر کی گرمی دوزخ کی بھڑک سے ہے۔ لہٰذا ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو۔ مگر یہ گرمی رحمت ہے۔ جس میں دنیا کا انتظام قائم ہے۔ آخرت میں دوزخ کے عذاب کی چار نوعیتیں ہوں گی۔ قبر کافر میں دوزخ کا اثر گرمی' بدبو وغیرہ آوے گی بعینہ آگ نہ آوے گی۔ بعد حشر دوزخ سے دور رہیں گے۔ صرف ایک چنگاری ان کے تلوے میں ہو گی۔ جس سے دماغ کھولتا ہو گا۔ بعض آگ میں داخل ہوں گے۔ بعض کے اندر آگ داخل ہو گی۔ پہلا عذاب سب سے ہلکا ہے۔ اس کو مس نار کہا جاتا ہے۔ آخری عذاب بہت سخت ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے تطلع علی الا فئدۃ یہود کہتے تھے کہ ہم کچھ بھی کریں ہم کو ایک منٹ کے لئے بھی عذاب نہ ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سولی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکی۔ جب ان کی بے خوفی کا یہ حال ہے تو اب وہ گناہوں سے کیونکر بچیں۔ نیک اعمال کیوں کریں۔ دینی نظام تو خوف و امید سے قائم ہے۔ جب خوف ہی ختم ہو گیا تو دین سے انہیں کیا تعلق ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دین کو اپنی رائے کے مطابق کرنے کی کوشش طریقہ یہود ہے کہ وہ توریت کے سخت احکام سے پھر جاتے تھے اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو خواہش کے مطابق فتویٰ چاہتے ہیں اور ان علماء کے دشمن ہو جاتے ہیں جو ان کی رائے کے خلاف حق مسائل بیان کریں۔ اسلام کو اپنے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اپنے کو اسلام کے سانچے میں ڈھالو۔ اب تو مسلمان اسلام میں اپنی رائے کے مطابق کتر چھانٹ کر رہے ہیں۔ اسلامی پردہ، سود، پوتے کی میراث وغیرہ سب کو رائے کے مطابق بنانا چاہتے ہیں۔ یہ وہی یہودیانہ حرکت ہے۔ بیمار حکیم کے تابع، بیٹا باپ کے تابع، رعایا بادشاہ کے تابع ہے تو چاہئے کہ مسلمان جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں۔ دوسرا فائدہ: مومن کی عبادت برباد نہ ہو گی اور نہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہے۔ جیسے کہ وفیت کل نفس سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: رحمت رب پر امید "ایمان کا رکن ہے اور اس سے امن" کفر۔ اہل کتاب کو امن نے گناہوں پر دلیر کر دیا۔ چوتھا فائدہ: شریعت کے فیصلہ پر راضی ہونا علامت ایمان ہے اور اس سے ناراضی کفر اور طریقہ یہود۔ جیسا کہ ثم یتولی الخ سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہود کو حضور علیہ السلام کی نبوت کا یقین تھا۔ اسی لئے وہ بعض دفعہ اپنے دینی معاملے میں حضور علیہ السلام سے فیصلہ چاہتے تھے اگرچہ عناداً مخالفت بھی کرتے تھے۔ چھٹا فائدہ: عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے سخت تر ہے جیسا کہ اوتوا نصیبا" کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: علم دین اللہ کی بڑی نعمت ہے یہ بھی اوتوا نصیبا سے ہی معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا ۔ آٹھواں فائدہ: علم بے عمل بیکار ہے بلکہ مضر ہے۔ نواں فائدہ: شکر بقدر نعمت چاہئے۔ عالم کو چاہئے کہ شکر زیادہ کرے۔ دسواں فائدہ: نیکی کا ثواب بخش دینے سے خود عامل کا ثواب کم نہیں ہو جاتا۔ اسے پورا بلکہ زیادہ ملتا ہے جیسا کہ وفیت سے معلوم ہوا۔ علم، چراغ کی روشنی، سمندر کا پانی اور اعمال کا ثواب خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا۔ ثواب بخشنے والے کو اس کا اجر پورا پورا ملے گا۔ نیک عمل کا ثواب بھی اور بخشنے کا بھی۔ گیارھواں فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زبان عبرانی اور توریت شریف کو جانتے تھے۔ ورنہ آپ علماء یہود سے توریت سے فیصلہ کرنے کو نہ فرماتے۔ ایسی جرات سے وہی کلام کر سکتا ہے جسے کتاب پر پورا عبور ہو اور ظاہر ہے کہ اس وقت توریت کا ترجمہ عربی میں نہیں ہوا تھا۔ عبرانی ہی میں تھی۔ معلوم ہوا کہ سارے علوم حاصل کر کے دنیا میں تشریف لائے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اسلام میں رجم کے لئے شرط یہ ہے کہ زانی و زانیہ محصن ہوں یعنی مومن اور شادی شدہ۔ یہود کافر ہیں، انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیوں کروایا؟ وہ محصن نہ تھے، محصن میں ایمان شرط ہے۔ جواب: ان کا رجم حکم اسلامی سے نہ تھا نہ ان پر اسلامی احکام جاری ہیں۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مشرکین عرب کو زنا کی وجہ سے رجم نہ کیا بلکہ خود ان کی کتاب کا حکم ان پر جاری فرمایا وہ بھی اس لئے کہ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا

حکم و حاکم مان لیا تھا۔ اب بھی اسلامی حاکم کفار پر ان کے مذہبی احکام ان پر جاری فرماوے گا اگر ان کا مقدمہ اس کے پاس آئے۔ چنانچہ کفار کے میراث کے احکام ان کے مذہب کے مطابق ان پر جاری ہوں گے نہ کہ اسلام کے مطابق۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبیوں کی شفاعت اور باپ دادا کی بزرگی پر ناز کرنا طریقہ یہود ہے کہ وہ اس شفاعت پر بھروسہ کیے ہوئے تھے وہ مسلمان جو شفاعت انبیاء کے معتقد ہیں' طریقہ یہود پر ہیں (بعض دیوبندی)۔ **جواب:** شفاعت انبیاء پر ناز تقاضائے ایمان ہے' ہاں شفاعت پر اعتماد کر کے گناہوں پر دلیر ہو جانا اور ایمان کی پرواہ نہ کرنا طریقہ یہود ہے۔ اسی کا یہاں ذکر ہے۔ ہم شفاعت کی مکمل بحث پہلے پارہ اور آیت الکرسی کی تفسیر میں کر چکے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہنم سے گنہگار کبھی نہ نکلیں گے اور جہنم سے رہائی کا اعتقاد عقیدہ یہود ہے (معتزلہ)۔ **جواب:** گنہگار مومن جہنم سے ضرور رہائی پائے گا اس پر آیات اور احادیث گواہ ہیں۔ کفار کے لئے رہائی ماننا اور محض نسب پر اعتماد کرنا طریقہ یہود ہے۔ وہ یہی کہتے تھے کہ چونکہ ہم ابراہیمی ہیں لہٰذا خواہ انبیاء کو قتل کریں یا کتاب اللہ کا انکار' دین بدلیں' کتابوں میں تحریف کریں' کچھ کریں۔ جہنم ہمارے لئے دائمی نہیں۔ الحمد للہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں' کافر کے لئے نسب کوئی چیز نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ معافی اور بخشش کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ فرمایا گیا۔ **و وفیت کل نفس** اس آیت سے آریہ دھرم کی تائید ہوتی ہے۔ پھر مسلمان نے بخشش کا عقیدہ کہاں سے نکالا۔ اگر گناہ معاف ہوئے تو پورا بدلا نہ ملا۔ اور آیت فرما رہی ہے پورا بدلا ملے گا (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت نفی ظلم کے لئے ہے۔ اسی لئے اخیر میں فرمایا گیا **و هم لا يظلمون** اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ ہو گا کہ اس کی نیکی کم کر دی جائے یا گناہ بڑھا دیئے جائیں۔ گناہ کی معافی اور نیکیاں بڑھانا اس کے خلاف نہیں۔ اگر بادشاہ ملازموں کو تنخواہ سے زیادہ عطا فرماوے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں کسی کا حق نہیں مارتا۔ پورا دیتا ہوں' یہ اردو کا بھی محاورہ ہے۔ جو دوست وعدہ سے زیادہ کام کرے اسے وفادار کہا جا سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں تین لفظ قابل غور ہیں۔ **وفيت** اور **كل نفس** اور **ما كسبت** ظاہر ہے کہ **كل نفس** سے بچے' دیوانے' مجبور لوگ علیحدہ ہیں۔ ایسے ہی **ما كسبت** سے غیر اختیاری کام اور بچوں' دیوانوں کے کام خارج۔ ایسے ہی **وفيت** سے بخشش علیحدہ۔ تیسرے یہ کہ یہ آیت عقیدہ یہود کی تردید میں ہے۔ وہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہمیں کفر کے باوجود پوری سزا نہ ملے گی۔ اور بلا نیکی کئے ثواب مل جائے گا۔ ان کی تردید میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ غلط ہے۔ بغیر کئے ثواب کیسا اور کفر کا بدلہ کیوں نہ دیا جائے ضرور دیا جائے گا۔ لہٰذا یہ **وفيت** نقصان کے مقابلہ میں ہے۔ کافروں کی سزا میں کمی نہ کی جائے گی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نفس کو اپنے ہی اعمال کا بدلہ ملے گا۔ پھر ثواب بخشنے کے کیا معنے؟ (آریہ) **جواب:** اس کا مکمل جواب **لها ما كسبت** کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا۔ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی کی نیکی ضائع نہ ہو گی پوری ملے گی۔ دوسرے کو نیکی کے ثواب کا یہاں انکار نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** **جمعنهم ليوم** کہنا غلط ہے۔ **في يوم** کہنا چاہئے تھا۔ کیونکہ روز قیامت جمع ہونے کا وقت ہے۔ یعنی ظرف (بعض بے دین)؟ **جواب:** ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ یہاں جزاء یا حساب پوشیدہ ہے یعنی قیامت کی سزا و جزاء کے لئے جمع کئے جائیں گے اگر کوئی کہے **جمعوا ليوم الخميس** تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ جمعرات کے لئے جمع کئے گئے۔

تفسیر صوفیانہ: عقل مند وہ ہے جو اللہ سے امید نہ توڑے اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ ممکن ہے

کہ اس کی کوئی نیکی رب نے قبول کرلی ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ بعض بڑے گنہگار محض اس بناء پر بخش دیئے جائیں گے کہ وہ رحمت الٰہی کے امیدوار تھے۔ نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ صدق دل سے کلمہ پڑھنے والے کو انشاء اللہ موت و قبر کی وحشت اور قیامت کی گھبراہٹ نہ ہوگی۔ وہ قبروں سے خاک جھاڑتے یوں کہتے اٹھیں گے کہ **الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن** (روح البیان)۔ نیز علامت ایمان یہ ہے کہ خواہ کتنا ہی نیک کار ہو مگر رب سے بے خوف نہ رہے۔ نہ معلوم کس گناہ پر اس کی پکڑ ہو جائے۔ بدنصیب وہ ہے جو دنیوی اعمال پر دھوکہ کھا جائے۔ کاملین نیکیوں کے باوجود خاتمہ سے ڈرتے تھے۔ امام غزالی نے منہاج العابدین میں فرمایا کہ توبہ کے تین مقدمات ہیں۔ اپنے گناہ کو انتہائی برا جاننا۔ رب تعالیٰ کی انتہائی سزا کو یاد کرنا اپنے کو ضعیف اور بے کس سمجھنا۔ اے انسان جب تجھ میں گرم دھوپ اور سپاہی کے چپت اور بچھو کے ڈنک کی برداشت نہیں تو دوزخ کی گرمی اور فرشتوں کے ہتھوڑوں اور ان بچھوؤں کے ڈنک کی برداشت کیسے ہوگی۔ جن کے ڈنک مثل کھجور کے ہیں۔ یہود اپنے باپ دادا کی نیکی پر پھول گئے مگر اللہ والے اپنی نیکیوں پر بھی اعتماد نہیں کرتے۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا۔

مرا مے بباید چو طفلاں گریست ز شرم گناہاں نہ طفلاں نہ زیست
نکو گفت لقمان کہ نازیستن! بہ از سالہا بر خطا زیستن
ہم از بامداداں در کلبہ بست بہ از سود سرمایہ دادن ز دست

گناہوں کی زندگی سے موت بہتر اور بدکاری کے ساتھ جاگنے سے سونا اچھا۔ جس دکان کے سودے میں نقصان ہو وہ بندی بہتر ہے۔ قیامت میں اعمال کی پوچھ گچھ ہے نہ کہ نسب کی۔ یہ آیت کریمہ بہت عبرت کی ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے تمام اعضاء ظاہری کے بعض اعمال عبادت ہیں' بعض اعمال گناہ۔ ایسے ہی دل و دماغ کے بعض تفکر و غور عبادت ہیں' بعض غور و تفکر گناہ' بعض کفر اللہ کی نعمتیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتیں' اپنے گناہ' کفار کی حماقتیں سوچنا عبادات ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک ایمان کے ساتھ دیکھنا کعبہ معظمہ' قرآن کریم' ماں باپ استاد دین کو عظمت سے دیکھنا عبادت۔ ایسے ہی کفار کو حقارت سے دیکھنا عبادت۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا **الم تر الی الذین** الخ حدیث شریف میں ہے کہ دین میں اپنے سے اونچے کو دیکھو' دنیا میں اپنے سے نیچے میں غور کرو۔ یہ غور بھی عبادت ہے۔ بروں کے برے اعمال کو حقارت سے دیکھنا' اچھوں کے اچھے کام عظمت سے دیکھنا ثواب ہے **الی الذین** سے اشارہ اسی جانب ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ
کہو کہ اے اللہ مالک ملک کے دیتا ہے تو ملک جس کو چاہتا ہے اور چھینتا ہے ملک جس سے چاہتا ہے اور عزت دیتا ہے
یوں عرض کر اے اللہ ملک کے مالک تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے
تَشَآءُ٘ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ
جس کو چاہتا ہے اور ذلت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بیچ ہاتھ تیرے بھلائی ہے تحقیق تو اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے۔
عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے بے شک تو سب کر سکتا ہے

قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

داخل کرتا ہے تو رات کو بیچ دن کے اور داخل کرتا ہے تو دن کو بیچ رات کے اور نکالتا ہے زندہ کو مردے سے

تو گھڑیوں کا حصہ رات میں ڈالے اور مردے سے زندہ نکالے اور زندہ سے مردہ

الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾

اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور رزق دیتا ہے تو جسے چاہے بے حساب ؛

نکالے اور جسے چاہے بے گنتی دے ؛

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں اہل کتاب کی سرکشی اور ان کے عناد کا ذکر تھا۔ اب مسلمانوں کو خدا کی حمد و ثنا کی تعلیم دی جارہی ہے تاکہ ان کی وفاداری اور اطاعت شعاری کا پتہ لگے۔ چونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' اس لئے سرکشی کے بعد اطاعت کا ذکر مناسب تھا۔ دوسرا تعلق: یہود کی نگاہ دنیا اور اس کے اسباب پر تھی' اس لئے وہ صحابہ کرام کو ان کی مفلسی کی وجہ سے نگاہ حقارت سے دیکھتے تھے اور اپنی بڑائی پر نگاہ کرتے ہوئے کتاب اللہ کے احکام کی پرواہ بھی نہ کرتے تھے جیسا کہ گذشتہ آیت سے معلوم ہوا۔ اس آیت میں اس کی تردید کی جارہی ہے کہ اے محبوب! ان لوگوں کو آپ پڑھ کر سنا دو تاکہ انہیں اپنی کمزوری اور رب تعالیٰ کی قدرت کا پتہ لگے۔ جس سے وہ اطاعت پر راغب ہوں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ یہود جنت کو اپنی میراث' اپنے کو نبوت کا ٹھیکیدار سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ کہتے تھے' ہم کچھ بھی کریں ہمیں عذاب عارضی اور معمولی ہوگا۔ اس آیت میں اشارتاً ان کے اس خیال کی نہایت نفیس تردید کی جارہی ہے کہ جیسے دنیوی سلطنت کسی قوم کی میراث نہیں۔ رب جس خاندان سے چاہے سلطنت نکال لے اور جسے چاہے بخش دے۔ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے سلطنت یہود کو ملی پھر ان کے بدعملوں کی وجہ سے یہود سے منتقل ہو کر قبطیوں میں پہنچ گئی حتی کہ فرعون نے انہیں بہت ذلیل کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پھر سلطنت انہیں یہود سے منتقل ہو کر قبطیوں میں پہنچ گئے حتی کہ فرعون نے انہیں بہت ذلیل کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پھر سلطنت انہیں یہود کو عطا ہوئی مگر بعد میں بخت نصر وغیرہ سلاطین جو بہت ظالم و جابر تھے' ان پر مسلط کیے گئے۔ غرض سلطنت قوموں میں منتقل ہوتی رہی ایسے ہی اخروی نعمت یعنی نبوت وغیرہ کسی خاندان کی ملکیت نہیں۔ رب جسے چاہے' اس نعمت سے نوازے۔ چنانچہ اب تک بنی اسرائیل میں نبوت رہی' اب بنی اسمٰعیل میں پہنچی کہ یہ خاندان عرصہ سے نبوت سے خالی تھا۔ ہزاروں تارے تم میں کھلائے' ایک سورج ان میں چمکا دیا۔ نیز جیسے دنیا میں اچھوں سے برے اور بروں سے اچھے پیدا ہوتے ہیں' برے اپنے باپ دادا کی خوبی سے نفع حاصل نہیں کرسکتے' ایسے ہی نبیوں کی اولاد کافر اور کفار کی اولاد ولی ہوسکتی ہے مگر اولیاء پر اپنے باپ دادا کے کفر کا وبال نہ ہوگا اور کفار کو باپ دادا کی نبوت سے فائدہ حاصل نہیں تو تم کیوں مغرور ہو۔

شان نزول : حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب کے موقعہ پر جسے غزوہ خندق بھی کہتے ہیں' صحابہ کرام کو خندق کھودنے کا حکم دیا اور ہر دس صحابہ پر چالیس گز زمین تقسیم فرمائی' جسے وہ کھودیں' عمرو ابن عوف فرماتے ہیں کہ میں اور

سلمان فارسی اور حذیفہ ابن یمان اور نعمان اور چھ انصاری ایک جگہ کھدائی کر رہے تھے کہ اچانک زمین میں ایک سخت پتھر نمودار
ہوا جس نے ہماری کدال بیکار کر دی اور وہ نہ ٹوٹا۔ حضرت سلمان فارسی نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ
واقعہ عرض کیا کہ ایک پتھر نمودار ہو گیا ہے' وہ نہیں ٹوٹتا۔ حضور علیہ السلام نے کدال خود لی اور سلمان کے ساتھ خندق میں
اترے اور اس پتھر پر چوٹ جو ماری تو اس سے سفید روشنی نمودار ہوئی۔ جیسے اندھیرے گھر میں چراغ۔ سب نے تکبیر کہی۔
حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس وقت حیرہ کے محل دکھائے گئے پھر دوسری چوٹ پر پھر چمک پیدا ہوئی۔ حضور علیہ السلام
نے فرمایا کہ مجھے شام کی زمین دکھائی گئی۔ تیسری چوٹ پر پھر روشنی ظاہر ہوئی اور پتھر ٹوٹ گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے
صنعاء کے محل ظاہر ہوئے اور جبرئیل نے خبر دی کہ میری امت کی سلطنت ان سب پر ہو گی۔ مسلمانوں نے خوش ہو کر الحمد للہ
پڑھی۔ جس پر منافقین ہنسنے لگے اور بولے کہ مسلمان مدینہ میں بیٹھے ہوئے حیرہ اور کسریٰ کے ملکوں کی خواب دیکھ رہے ہیں ان
میں باہر نکل کر کفار سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ چھپنے کے لئے خندق کھود رہے ہیں اور حیرہ و صنعاء جیسے مضبوط ملکوں کی امید باندھ
رہے ہیں تب یہ آیت نازل ہوئی (کبیر و معانی)۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فتح مکہ کے دن صحابہ کرام کو ملک
فارس و روم کے فتح کی خوشخبری سنائی۔ جس پر منافقین نے طعنہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مدینہ پر قناعت نہیں کرتے'
فارس و روم کے طمع میں ہیں۔ کہاں یہ اور کہاں وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ملک بڑے زبردست اور نہایت محفوظ ہیں اس پر یہ
آیت کریمہ اتری (خازن و خزائن)۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ یہود کہتے تھے کہ ہم ان کی اطاعت نہ کریں گے' جنہوں نے
نبوت کو بنی اسرائیل سے منتقل کر کے بنی اسمٰعیل میں پہنچا دیا۔ تب یہ آیت کریمہ اتری (خازن)۔

تفسیر : قل اللهم مالک الملک۔ قل یا تو خاص حضور علیہ السلام کو خطاب ہے اور اس کا متعلق اللہ تعالیٰ ہے یا
مسلمان یعنی اے محبوب! رب تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ عرض کرو تاکہ الفاظ ہمارے ہوں زبان تمہاری۔ زبان و کلام کی تاثیریں جمع
ہو جائیں تو اثر زیادہ ہو یا مسلمانوں کو یہ دعا سکھا دو۔ انہیں اس دعا کی اجازت دے دو تاکہ تمہاری اجازت سے دعا کی تاثیر زیادہ ہو۔
یا مضطر دعا مانگے یا مضطر و بے قرار ہے۔ دعا منگوائے مضطر کی اجازت سے دعا کرے تاکہ اضطرار شامل ہو کر دعا کو قبولیت سے قریب
کر دے۔ اسی صورت میں قل سے اجازت شیخ کا ثبوت ہوا کہ وظیفے اور دعائیں کسی کی اجازت سے استعمال کرو۔ تلوار اپنی
ہو سان دوسرے کی۔ یا ہر مسلمان کو اللهم اصل میں یا اللہ تھا یا حذف کر کے اس کے عوض آخر میں میم مشدد لگا دی گئی یہ اللہ کی
خصوصیت ہے۔ زیدم یا عمرم نہیں کہہ سکتے۔ ایسے ہی بغیر ایھا کے یا کا آنا اور اس کے ہمزہ کا قطعی ہونا اور ت قسم کا آنا اور حرف ندا
کے عوض ہمزہ استفہام آ جانا اللہ کے ساتھ خاص ہے (روح المعانی)۔ بعض نے کہا کہ اللهم کی اصل یا اللہ ام بخیر ہے یعنی اے
اللہ ہماری بھلائی کا ارادہ فرما۔ چونکہ اس کا استعمال زیادہ تھا۔ اس لئے یا اور ام کی ہمزہ دونوں دور کر دیئے اللم ہو گیا۔ جیسے ھلم کہ
اصل میں ھل ام تھا (کبیر و معانی)۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللهم کی میم میں ان تمام اسماء الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے جن کے
اول میں میم ہے جیسے ملک' مالک' منان' مقتدر' مجید' معید' مقیت وغیرہ۔ جس نے اللهم کہہ کر دعا مانگی اس نے گویا ان تمام
ناموں کے وسیلے سے دعا مانگی جن کے اول میم ہے اس لئے اکثر دعاؤں میں اللهم آتا ہے۔ نیز اللہ اسم ذات ہے باقی اسماء صفاتیہ
ہیں۔ اسم ذات کو پکار کر دعا افضل ہے۔ بعض کے خیال میں اللہ اسم اعظم ہے لہٰذا اس کے توسل سے دعا ان شاء اللہ ضرور قبول ہو
گی۔ **مالک الملک** یہ ترکیب میں یا دوسرا منادیٰ ہے۔ یا اللهم کی صفت (کبیر و معانی)۔ ہم مالک اور ملک کا نفیس فرق مالک

یوم الدین کی تفسیر میں کر چکے۔ ملک بمعنی قدرت ہے اور مالک بمعنی قادر 'مالک الملک کے معنی ہوئے قدرت دینے پر قادر' اصطلاح میں کسی پر مضبوط قبضہ رکھنے کو ملک کہا جاتا ہے۔ ملک میم کے کسرہ سے بمنزلہ جنس ہے۔ ہر ملک ملک ہے مگر ہر ملک ملک نہیں۔ لسان العرب میں ہے کہ ملک و ملکوت جب خدا کی طرف نسبت دیئے جائیں تو ان کے ایک ہی معنی ہوتے ہیں۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ مالک الملک سے مراد ہے ہر ملکیت کا مالک کہ وجود عدم 'موت زندگی 'عذاب و ثواب سب اسی کے قبضہ میں ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں۔ مالک الملک بادشاہوں کا مالک اور ان کا وارث' اصطلاح میں بڑے علاقے کا نام ملک ہے۔ شہر 'ضلع 'صوبہ 'علاقہ 'ملک۔ ان سب میں ملک بڑا ہے۔ اللہ کے ملک بہت ہیں۔ ملک اجسام 'ملک انوار 'ملک امکان 'ملک امر۔ رب تعالیٰ ان سب ملکوں کا مالک ہے۔ ملک اجسام سب سے چھوٹا ملک ہے۔ تمام آسمان و زمین جنت کے مقابلہ میں سات کوڑیاں ہیں میدان میں۔ الملک میں الف لام جنسی ہے جو سب ملکوں کو شامل ہے۔ رب سارے ملکوں کا حقیقی مالک ہے **توتی الملک من تشاء** یہ نیا جملہ ہے جو مالک الملک کی وسعت کو بیان کر رہا ہے اور ممکن ہے کہ **اللھم** کا حال ہو یا اقت مبتداء کی خبر۔ خیال رہے کہ اس ملک سے پہلا ملک مراد ہے کیونکہ جب معرفہ کے بعد معرفہ آئے تو دوسرے سے پہلا مراد ہوتا ہے یعنی جس ملک کا تو مالک ہے وہی دوسرے کو دے سکتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس ملک سے مراد نبوت و رسالت و باطنی سلطنت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اتینھم ملکا عظیما** ہم نے آل ابراہیم کو بڑا ملک یعنی نبوت عطا فرمائی۔ چونکہ نبی کی حکومت ظاہر و باطن سب پر ہے اور بادشاہوں کی سلطنت فقط ظاہر پر۔ اس لئے نبوت کو ملک فرمایا گیا۔ چونکہ منافقین یا اہل کتاب حضور علیہ السلام کی نبوت پر اس لئے معترض تھے کہ آپ بنی اسمٰعیل میں سے ہیں۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ آئی۔ بعض کے نزدیک ملک سے سلطنت مراد ہے یعنی زمین پر حکومت۔ اور مال و عزت 'کھیتی باڑی اور سامان کی زیادتی اور لوگوں پر ہیبت۔ بعض کے نزدیک ملک سے ساری ملکیتیں مراد ہیں لہذا اس میں ملکیت نبوت اور سلطنت علم 'عقل 'تندرستی 'اچھے اخلاق 'قدرت 'محبت 'ملکیت 'اموال سب داخل ہیں (کبیر)۔ **من** توتی کا دوسرا مفعول ہے اور **تشاء من** کا صلہ 'مالک الملک کے بعد عطا ملک کا ذکر اس لئے فرمایا کہ کامل مالک وہی ہوتا ہے جو دوسرے کو دے بھی جو خود مالک یا قابض تو ہو مگر دوسرے کو دے نہ سکے تو وہ ناقص مالک ہے جیسے آج پاکستان میں مہاجر الاٹ شدہ مکانات کے مالک تو ہیں مگر فروخت یا ہبہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ پورے مالک نہیں۔ رب کی پوری ملکیت کا ثبوت اس کی تملیکت سے ہوگا۔ اگر وہ بندوں کو ملک کا مالک نہ کر سکے تو خود پورا مالک نہیں جو ۔علماء الٰہی انبیاء و اولیاء کو کسی چیز کا مالک نہیں مانتے وہ در پردہ رب کو پورا مالک یعنی مالک کر دینے پر قادر نہیں مانتے۔ ان حضرات کی ملکیت رب تعالیٰ کی کامل ملکیت کی دلیل ہے **و تنزع الملک ممن تشاء** یہ جملہ توتی پر معطوف ہے اور جو اس کا حال تھا وہ اس کا ہے۔ یہ پچھلے دونوں ملک ایک ہی معنی میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مولیٰ تو ملک دینے کے بعد بھی اس ملک کا مالک رہتا ہے 'غلام کی ملکیت مولیٰ کی ملکیت ہے۔ بندے کی ملک رب کی ملک ہے۔ لہذا تو ملک دے کر واپس بھی لے سکتا ہے کہ ہر چیز تیری ہی ملک جو ہوئی۔ یا محض اہتمام کے لئے ضمیر نہ لائی گئی۔ دونوں جگہ تشاء کا مفعول پوشیدہ ہے۔ وہاں اتیتہ مفعول پوشیدہ ہے وہاں اتیتہ مفعول تھا اور یہاں نزعہ یعنی اے اللہ ہر ملک کا حقیقی مالک تو ہے جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ خیال رہے کہ تنزع نزع سے بنا جس کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کی جائے قرار سے کھینچ لینا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و نزعنا ما فی صدورھم من غل** اسی سے تنازع اور منازعت ہے بمعنی

جھگڑا اور ایک دوسرے سے کو کھینچنا۔ اس عبارت سے یا تو سلطنت سے محروم کردینا مراد ہے یا دے کر چھین لینا **و تعزمن تشاء** **و تذل من تشاء۔** **تعز عز** سے بنا بمعنی غلبہ اور شرف اور **تذل** **ذل** سے بنا بمعنی مغلوبیت اور حقارت عزت سے یا دینی عزت مراد ہے۔ جیسے ایمان' تقویٰ پرہیزگاری اور آخرت میں ثواب یا دنیوی' جیسے زیادت مال' اور مخلوق کے دل میں ہیبت۔ مگر بہتر یہ ہے کہ اس سے ساری عزتیں مراد لی جائیں۔ ایسے ہی تذل سے اس کا مقابل مراد ہے۔ یعنی دنیوی ذلت جیسے مجبوری' مقہوری دنیا کی لعنت اور طعنے یا اخروی ذلت جیسے کفر' برے اخلاق اور آخرت کا عذاب۔ اور بہتر یہ ہے کہ ساری ذلتیں مراد ہوں۔ یعنی تو جسے چاہے دین و دنیا میں عزت دے اور جسے چاہے دونوں جہان میں ذلیل کردے۔ **بیدک الخیر** یہ نیا جملہ ہے **بیدک** خبر ہے اور **خیر** مبتدا۔ **ید** سے مراد قدرت ہے یا قبضہ **خیر** میں الف لام جنسی یا استغراقی ہے۔ یہ مقابل شر کا ہے بمعنی بھلائی۔ اس میں دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں داخل ہیں۔ **بیدک** کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ یعنی دین و دنیا کی ساری بھلائیاں اور خوبیاں تیرے ہی قبضہ میں ہیں۔ ہدایت' ایمان' عرفان' نبوت' سلطنت' مال و دولت کا صرف تو ہی حقیقی مالک ہے۔ تیرے سوا کوئی نہیں **انک علی کل شی قدیر** ۔ یہ تمام مضامین کا تتمہ ہے۔ شیء میں ہر ممکن چیز داخل ہے۔ اگرچہ رب تعالیٰ ہر خیر و شر کا مالک ہے مگر ادب کے لئے خیر کا صراحتاً" ذکر فرمایا اور شر کو شیء کے ضمن میں بیان کردیا یوں کہو کہ چونکہ اس آیت کا نزول نبوت و سلطنت کے متعلق ہوا تھا اور یہ چیزیں خیر ہیں نہ کہ شر۔ اس لئے خیر کا ذکر صراحتاً" کیا اور شر کا ضمناً" **تولج الیل فی النہار و تولج النہار فی الیل۔** **تولج** **ایلاج** سے بنا جس کا مادہ ولج او لوج ہے بمعنی تنگ جگہ میں داخل ہونا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **حتی یلج الجمل فی سم الخیاط** چونکہ رات و دن ضدین اور ایک دوسرے کے پورے مقابل ہیں۔ اس لئے یہاں ولوج فرمایا گیا۔ یا تو لیل سے مراد رات اور **نہار** سے دن مراد ہے اور ان کے داخل کرنے سے مراد رات دن کا گھٹنا بڑھنا ہے کہ گرمیوں میں دن پندرہ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات نو گھنٹے کی' اور سردی میں اس کے برعکس یا رات دن کا آگے پیچھے آنا مراد ہے یا لیل سے تاریکی اور نہار سے مراد روشنی ہے کہ شام کے وقت روشنی پر تاریکی چھا جاتی ہے اور صبح کے وقت تاریکی پر روشنی غالب آتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ رات کی جگہ میں دن کو داخل کرتا ہے اور دن کی جگہ میں رات کو کہ ایک ہی زمین پر کبھی رات کا راج ہوتا ہے اور کبھی دن کا۔ چونکہ رات پہلے ہوتی ہے اس لئے رات کا ذکر پہلے فرمایا۔ دن کا بعد میں۔ خیال رہے کہ زمین کا دن رات اور ہے' جسم کا دن رات کچھ اور' دل کا دن رات کچھ اور' قوموں کا رات و دن کچھ اور' بیماری' تندرستی' زندگی و موت' جسم کے رات دن ہیں۔ غفلت و بیداری' کفر و ایمان' فسق و اطاعت دل کے رات و دن ہیں' زوال و کمال قوموں کے رات و دن ہیں کہ ایک قوم کو کمال کا زمانہ غنیمت جاننا چاہئے کہ اس کے لئے بقا نہیں۔ **و تخرج الحی من المیت و تخرج المیت من الحی** یہ جملہ تولج پر معطوف ہے اور حی حیات سے مشتق ہے اور میت موت سے۔ بعض نے کہا کہ میت اور میّت ایک ہی معنی میں ہے۔ جیسے ھین اور ھیّن اور لین۔ بعض کے نزدیک میت وہ جس پر موت آچکی ہو۔ اور میّت وہ جو قابل موت ہو ابھی مرا نہ ہو یہاں حی سے جاندار اور میت سے بے جان مراد ہے چونکہ حیات اور موت کی بہت قسمیں ہیں۔ اس لئے اس آیت میں بہت وسعت ہے۔ یعنی تو زندہ کو مردے سے مردے کو زندہ سے نکالتا ہے۔ زندہ انسان کو بے جان نطفے سے' بے جان نطفے کو جاندار انسان سے۔ یونہی جاندار چوزے کو بے جان انڈے سے' بے جان انڈے کو جاندار مرغ سے۔ یونہی سبز گھاس کو خشک دانہ سے اور خشک دانہ کو سبز گھاس سے۔ ہرے بھرے درخت کو خشک

بیج سے خشک بیج کو ہرے بھرے درخت سے ایسے ہی مومن کو کافر سے۔ کافر کو مومن سے ایسے ہی ذکی کو غبی سے غبی کو ذکی سے پیدا فرماتا ہے۔ شقی سے ولی اور ولی سے شقی نکالتا ہے۔ بلکہ ایک ہی شخص کبھی مومن ہوتا ہے' کبھی کافر' کبھی بد نصیب' کبھی خوش نصیب' کبھی خوبصورت' کبھی بد صورت۔ بلکہ ایک شخص کی بعض اولاد کافر' بعض مومن۔ خلاصہ یہ ہے کہ جسم کی زندگی و موت اور ہے' روح کی زندگی و موت کچھ اور۔ سبزہ اور زمین کی زندگی موت کچھ اور ہی ہے۔ پھر جسم کے اعضاء کی زندگی و موت علیحدہ ہے۔ آنکھ کی زندگی نور نظر' اس کی موت اندھاپن' کان کی زندگی سننا اس کی موت بہرہ پن' جان کی زندگی ایمان' دل کی زندگی عرفان' یہ تمام موت و زندگیاں قبضہ رحمان میں ہیں۔ جسے چاہے جب چاہے زندگی بخشے۔ جب چاہے موت دے۔ یہ آیت کریمہ بہت جامع۔ **و ترزق من تشاء بغیر حساب** _ اس آیت کی تفسیر پہلے ہو چکی' یہاں اتنا سمجھ لو کہ رزق کے معنی ہیں حصہ **تجعلون رزقکم انکم تکذبون** اب رب تعالیٰ کی نعمت کے حصہ کو رزق کہا جاتا ہے۔ رزق تین قسم کا ہے۔ رزق دلی' رزق روحانی۔ رزق جسمانی بہت قسم کا ہے۔ آنکھ' ناک' کان وغیرہ ہر عضو کا رزق علیحدہ ہے' دل کا رزق عشق و محبت' ایمان و عرفان وغیرہ ہے۔ پھر رزق دو قسم کا ہے۔ رزق عام اور رزق خاص' دیکھو دھوپ' ہوا' زمین اور آسمان کا سایہ رزق عام ہے اور دولت' قوت' سلطنت' رزق خاص۔ ایمان تمام مومنوں کے لئے رزق عام ہے۔ عرفان و قرب الٰہی رزق خاص۔ یہاں رزق خاص کا ذکر ہے کہ اللہ جسے چاہے جب چاہے دے۔ اس فرق مراتب میں حکمت و قدرت الٰہی کا ظہور ہے۔ جب آسمان میں سورج' چاند' تارے روشنی میں مختلف ہیں تو زمین میں بھی مومن' کافر' عاقل' غافل مختلف چاہئیں۔ یا حساب کے معنی ہیں گمان یا تنگی یا محاسبہ اور بغیر حساب من کا ظرف ہے یا تشاء کے فاعل کا حال۔ یعنی جسے چاہتا ہے اسے بہت یا بے حساب کتاب دیتا ہے یا ایسی جگہ سے دیتا ہے جہاں اسے گمان بھی نہ ہو یا جسے چاہتا ہے بغیر استحقاق دیتا ہے۔ ابو العباس مقری فرماتے ہیں کہ قرآن میں حساب تین معنی میں استعمال ہوا بمعنی مشقت۔ جیسے یہاں اور بمعنی گنتی جیسے **انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب** اور بمعنی مطالبہ جیسے **فامنن او امسک بغیر حساب** اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوئے کہ تو جسے چاہے بغیر مشقت دے۔

خلاصہ ء تفسیر : اہل کتاب کے عیوب میں سے دو عیب یہ بھی تھے کہ وہ دنیا اور اور اس کے اسباب پر مغرور تھے کہ مسلمانوں کو ان کی غربت کی وجہ سے حقارت سے دیکھتے تھے۔ نیز اپنے اسرائیلی خاندان پر بڑا فخر کرتے تھے اور سمجھے بیٹھے تھے کہ نبی آخر الزمان ہمارے ہی خاندان سے ہوں گے۔ اول کی تردید کے لئے فرمایا گیا۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم انہیں سنانے کے لئے ہم سے یوں عرض کرو کہ اے اللہ ملک کے حقیقی بادشاہ' سلطنت عزت کسی کی موروثی چیز نہیں جسے تو چاہے سلطنت بخشے' اور جس سے چاہے جب چاہے جس طرح چاہے چھین لے۔ آج مسلمان بے دست و پا ہیں اور کفار طاقت والے۔ لیکن مولیٰ کریم تو چاہے تو اس بے یار و مددگار جماعت کو تخت و تاج کا مالک بنادے اور کفار جن کے پاس ظاہری ساز و سامان بہت ہے انہیں حقیر کردے۔ دوسرے گمان کو باطل کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ اے مولیٰ جسے چاہے تو عزت دے' سلطنت اور نبوت کی نعمتوں سے نوازے' اور جسے چاہے تو ذلیل کرے کہ اس قوم سے نبوت' سلطنت منتقل فرمادے' دنیا اور آخرت کی ساری خیر تیرے قبضے میں ہے۔ اس میں کسی کا اجارہ نہیں تو جو چاہے کرے۔ کوئی اعتراض کرنے والا نہیں' نیز تیری قدرت کا ظہور دن و رات میں ہو رہا ہے کہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں۔ کہ سردی میں' رات جو بڑھ جاتی ہے وہ اس قدر وقت کو اپنے

اندر لے لیتی ہے، جو گرمیوں میں دن تھا۔ اسی طرح گرمیوں میں دن جو بڑا ہوتا ہے تو وہ وقت کا اس قدر حصہ اپنے میں لے لیتا ہے جو سردیوں میں رات تھا یا یہ مطلب ہے کہ وقت پر کبھی رات راج کرتی ہے، کبھی دن نہ رات کا ٹھیکہ ہے نہ دن کا۔ ایسے ہی زمین پر کبھی کفار حکومت کرتے ہیں، کبھی مسلمان، یہ کسی کے پاس ٹھہرنے والی چیز نہیں۔ یونہی تو جاندار کو بے جان سے پیدا فرماتا ہے کہ بسا اوقات مرنے کے بعد جانداروں سے زندہ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ مٹی، منی، انڈا جو بے جان چیزیں ہیں ان سے جاندار چیزیں پیدا فرماتا ہے اور زندہ سے بے جان کو پیدا کرتا ہے کہ زندہ ماں کے پیٹ سے مردہ بچہ اور مرغ سے بے جان انڈہ اور جان دار مرد سے بے جان منی۔ تو تیرے نزدیک کیا مشکل ہے کہ زندہ خاندانوں اور انبیاء کی اولاد سے نالائق کفار پیدا فرما دے جو مردوں سے بدتر ہیں اور کافر خاندانوں اور جاہل لوگوں سے، جو گویا مردے ہیں، ایسے روشن سورج پیدا فرما دیئے جن کی روشنی ہمیشہ رہے جیسا کہ عرب خصوصاً "قریش خاص کر بنی ہاشم ایسا چمکتا دمکتا سچا سورج پیدا فرمایا جس نے فرش و عرش کو چمکا دیا اور بنی اسرائیل کے زندہ خاندان سے جس میں صدہا انبیاء تشریف لائے۔ وہ یہود و نصاریٰ پیدا فرمائے جن میں زندگی کا کوئی اثر نہیں یہ سب تیرے قبضہ قدرت میں ہیں۔ دنیا کی ٹیپ ٹاپ سب بے اصل و بے حقیقت ہے۔ اور اے مولیٰ تیرے دین پر بھی کسی کا قبضہ نہیں جسے چاہے بے مشقت اتنا دے جو اس کے حساب میں نہ آسکے۔ اور گمان سے بالاتر ہو جسے چاہے مشقت کے باوجود کافی روزی ہاتھ نہ آئے یا تو جسے چاہے وہ مال دے، جس کا قیامت میں حساب نہیں۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں ستر ہزار انسان بغیر حساب جنتی ہیں۔ حضرت عکاشہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دعا فرمادیں کہ میں ان میں سے ہوں فرمایا تم ان میں سے ہو، دوسرا آدمی بولا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا کریں میں بھی ان میں سے ہوں۔ فرمایا عکاشہ تم پر سبقت لے گئے گویا تم ان میں سے نہیں ہو۔ یہ ہے اس آیت کی تفسیر۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جیسی دعا مانگنی ہو، رب کو اسی نام سے پکارنا چاہئے۔ رزق مانگنے کے لئے اسے رزاق کہو، شفا مانگنے کے وقت شافی الامراض کہہ کر پکارو۔ بندوں کی حاجتیں بہت ہیں۔ اس لئے رب کے نام بھی بہت ہیں۔ چونکہ یہاں ملک کی دعا کرائی گئی تھی اس لئے رب کو مالک الملک کہہ کر پکارا۔ دنیا کا بھی طریقہ ہے کہ جب فقیر کسی دروازہ پر بھیک مانگنے جاتا ہے تو گھر والے کو سخی داتا کہہ کر پکارتا ہے، کیونکہ سخاوت چاہنے کے لئے آیا ہے اور جب جرنیل کسی فوج کو جنگ کی تربیت دیتا ہے تو کہتا ہے اے میرے بہادرو! **دوسرا فائدہ:** رب کی حمد و ثناء بھی درپردہ دعا ہے۔ دیکھو یہاں ملک مانگنا مقصود تھا مگر صاف نہ کہا گیا۔ بلکہ اس کی یوں تعریف کردی کہ تو جسے چاہے ملک دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ خیال رہے کہ قرآن کریم میں دعا کے چار طریقوں کی تعلیم ہے 'صراحتاً" مانگنا' صرف اپنی حاجات کا ذکر کرنا' مانگنے کے الفاظ نہ ہوں' رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا' اس کے محبوب پر درود پڑھنا۔ یہ چاروں طریقے فطرت کے مطابق ہیں۔ غنی کے دروازے پر جب صدا دیتے ہیں تو کبھی صاف صاف لفظوں سے مانگتے ہیں، کبھی اپنا فقر و فاقہ بیان کرتے ہیں 'بھوکا ہوں' مسافر ہوں' کبھی مالک کی تعریفیں کرتے ہیں۔ آپ سخی ہیں داتا ہیں۔ کبھی مالک کے بچوں کو دعائیں دیتے ہیں 'خانہ آباد' دولت زیادہ' بال بچے شاد۔ یہی طریقے رب تعالیٰ سے دعا مانگنے کے ہیں، جن کی روایات موجود ہیں۔ یہاں تیسرا طریقہ ارشاد ہوا ہے کہ رب سے ملک' عزت' خیر سب کچھ مانگا۔ مگر طلب کا صیغہ نہیں آیا۔ صرف رب کی ثنا اس طرح کی کہ مانگ خود بخود آگئی' مطلب یہ ہے کہ ہم کو ملک دے۔ کفار سے چھین لے۔ ہم کو عزت کفار کو خواری دے۔ ہمیں خیر کثیر بخش دے۔ **تیسرا فائدہ:**

حضرات انبیاء و اولیاء ، عطاء الٰہی رب کے ملکوں کے مالک ہیں۔ رب کے دیئے ہوئے اختیارات سے عالم میں تصرف کرتے ہیں۔ جیسا کہ توتی الملک سے معلوم ہوا۔ اگر رب نے انہیں ملک نہ دیئے تو وہ پورا مالک نہ رہا۔ رب مالک بھی ہے مالک گر بھی۔ چوتھا فائدہ: سلطنت اور دنیوی تمام نعمتیں کسی شخص کے لئے لازم نہیں۔ رب جب چاہے چھین لے ان پر بھروسہ نہ چاہئے مگر نبوت شخص کے لئے لازم ہوتی ہے ' قوم کے لئے نہیں۔ کوئی نبی کبھی معزول نہیں ہو سکتا۔ اسے قرب الٰہی ہمیشہ رہے گا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ زمانہ کسی خاندان میں نبی اور پھر دوسرے خاندان میں۔ جیسے بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر بنی اسمٰعیل میں نبوت آئی۔ خیال رہے کہ بے شک سلطنت خدا کے اختیار میں ہے مگر اس رعایا کے عمل کو بھی دخل ہے۔ بدکار قوم پر ظالم بادشاہ مقرر کیا جاتا ہے اور نیک کار پر عادل۔ بعض روایات میں ہے **کما تکونون یولی علیکم** جیسے تم ہو گے ویسے ہی تم پر حاکم آئیں گے۔ ایک بار موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولیٰ تیری رضا اور ناراضی کی علامت کیا ہے؟ وحی آئی کہ اے موسیٰ عادل اور رحم دل بادشاہ میری رضا کی علامت ہے اور ظالم و جابر سلطان میرے غضب کی پہچان (روح البیان)۔

حکایت : کسی نے حجاج ابن یوسف سے کہا کہ تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح انصاف کیوں نہیں کرتا ' تو نے ان کی خلافت دیکھی ہے اس کو اپنے لئے نمونہ بنا۔ اس نے کیا نفیس جواب دیا **تبذروا تعمر لکم** تم ابوذر غفاری جیسے پرہیزگار بن جاؤ میں عمر جیسا عادل بن جاؤں گا لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ حکام کے ظلم کے وقت توبہ استغفار کریں۔ نیز خیال رہے کہ بادشاہ کے عدل و ظلم کا اثر ہر چیز پر پڑتا ہے۔ خصوصاً" دودھ ' کھیتی باڑی ' درخت ' پھل اور لوگوں کے معاملات پر۔ چنانچہ ظالم کے ملک میں دودھ کم ہو گا۔ کھیتی کی برکت اڑ جائے گی۔ درختوں کے پھل گھٹ جائیں گے۔ تاجروں کے معاملات خراب ہوں گے۔ اور عادل کے ملک میں اس کے برعکس۔ **حکایت:** جب عمر بن عبدالعزیز بادشاہ ہوئے تو انہیں حضرت طاؤس نے لکھا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری سلطنت اچھی رہے تو کام اچھوں کے سپرد کرو۔ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے کیا خوب فرمایا۔

پندم اگر بشنوی اے بادشاہ	در ہمہ دفتر بہ ازیں پند نیست!
جز بخردمند مفرما عمل!	گرچہ عمل کار خردمند نیست!

حدیث شریف میں ہے کہ میری امت پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جب ان کے حاکم ظالم ہوں گے اور علماء لالچی اور عابد ریاکار ' تاجر سود خوار۔ عورتیں دنیوی زینت میں گرفتار (روح البیان)۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنی ملک اپنا ملک اپنے بندوں کو دینے پر قادر ہے بلکہ عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ توتی الملک سے معلوم ہوا۔ دیکھو ملک زمین ظاہری بادشاہ کو اس نے عطا فرمایا ہے۔ ایسے ہی ملک غیب انبیاء ' اولیاء کو عطا فرمایا ہے۔ جو شخص حضرات انبیاء و اولیاء کو کسی چیز کا مالک نہ مانے وہ اس آیت کا انکاری ہے۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ملک عطا فرمانے سے بھی وہ رب مالک رہتا ہے اس کی ملکیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جیسے مولیٰ اپنے غلام کو کچھ دے تو مولیٰ مالک رہتا ہے جیسا کہ **تنزع الملک ممن تشاء** سے معلوم ہوا۔ لہٰذا بندوں کی عارضی ملک سے رب تعالیٰ کی حقیقی ملکیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اعتراض : **پہلا اعتراض:** اگر ملک سے مراد نبوت ہو تو آیت کے معنے یہ ہوئے کہ جسے چاہے تو نبوت دے اور جس سے چاہے چھین لے ' تو کیا نبوت بھی دے کر چھن سکتی ہے کیا ممکن ہے کہ کوئی نبی اس عہدہ سے معزول کر دیا جائے؟ **جواب:** اس

کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اس صورت میں من سے مراد نسب اور خاندان ہو گا۔ یعنی جس خاندان میں جب تک چاہے نبوت رکھے اور جب چاہے اس سے منتقل کر کے دوسرے خاندان میں بھیج دے اور یہ یہود کے اس خیال کی تردید ہے کہ نبوت ہمارے خاندان میں رہنی چاہئے کہ پہلے سے اسی خاندان میں تھی۔ دوسرے یہ کہ چھیننے سے مراد محروم رکھنا ہے یعنی جسے چاہے نبوت دے، جسے چاہے محروم رکھے۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور۔** اللہ مسلمانوں کو تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے۔ مسلمان تاریکی میں تھے ہی کہاں۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں اندھیرے سے محفوظ رکھتا ہے (کبیر) **دوسرا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ مردہ کو زندہ سے اور زندہ کو مردہ سے پیدا فرماتا ہے۔ اس میں تسلسل یا دور لازم آتا ہے۔ ہر بے جان کا ہر جاندار سے نکلنا ناممکن ہے (بعض سرپھرے منطقی) **جواب:** اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر بے جان جاندار سے اور ہر جاندار بے جان سے پیدا ہو بلکہ خدا کی قدرت کا اظہار ہے یعنی وہ ایسا قادر ہے کہ کبھی ایک ضد کو دوسری ضد سے پیدا فرماتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** بھلا زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کبھی نکل سکتا ہے اور کیا قانون قدرت میں تبدیلی ہو سکتی ہے؟ (ستیارتھ پرکاش) **جواب:** پنڈت جی ایسا دن رات ہوتا ہے۔ بے جان منی سے لاکھوں زندہ اور بولتے ہوئے پنڈت بن گئے اور ہزاروں پنڈتوں سے بے شمار بے جان نطفے نکل چکے۔ پنڈت جی تم بھی بے جان نطفہ سے ہی ہو۔ پھر صدہا پاپیوں سے پوتر پیدا ہوتے ہیں اور پوتروں سے پاپی۔ اس کا دن رات مشاہدہ ہو رہا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** آیت میں فرمایا گیا کہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رات دن کو یک وقت جمع فرماتا ہے، یہ ناممکن ہے۔ دن رات کے گھٹنے بڑھنے پر یہ دخول صادق نہیں آتا۔ دخول جب ہو گا کہ رات رہے کہ دن آ جائے؟ **جواب:** دن اور رات وقت کے اوصاف ہیں جن کا اجتماع ناممکن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ ایک ہی وقت کو کبھی رات بنا دیتا ہے کبھی دن۔ یعنی دن رات دشمنی کے باوجود ایسی سخاوت کرتے ہیں کہ کبھی رات اپنا کچھ حصہ دن کو بخش دیتی ہے اور کبھی دن رات کو اور یہ تبدیلی عبرت کے لئے ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا **بیدک الخیر** تیرے قبضہ میں صرف خیر ہے تو کیا شر اس کے قبضہ میں نہیں۔ ایمان مفصل میں پڑھا جاتا ہے **والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ** اس آیت اور عقیدہ میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آیت میں ادب کا لحاظ ہے اور عقیدہ میں واقعہ کا ذکر۔ یعنی در حقیقت ہر چیز اللہ کے قبضہ میں ہے مگر ادب یہ ہے کہ اس کی طرف خیر کی نسبت کرو۔ دوسرے یہ کہ چونکہ یہ دعا کا موقعہ ہے اور اس سے خیر مانگنا مقصود ہے لہٰذا شر کا ذکر نہ ہوا۔ تیسرے یہ کہ ہر شر میں خیر ہوتی ہے۔ مصیبت شر ہے مگر باعث ثواب۔ لہٰذا یہ خیر بھی ہے۔ صورتاً شر اور حکمت کے لحاظ سے خیر۔

تفسیر صوفیانہ: اے اللہ تو ملک جسم، ملک روح، ملک امکان، ملک انوار کا دائمی مالک ہے تیرے سوا ان پر کسی کا مستقل قبضہ نہیں، ہاں جب تو چاہتا ہے کسی کو ظاہری قبضہ و ملک دے دیتا ہے یہ قبضہ و ملک کی تبدیلیاں محض ظاہری و مجازی ہیں۔ جسے چاہتا ہے اپنے تجلیات دکھا کر عزت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے عزت کا لباس اتار کر ذلیل کر دیتا ہے۔ جو کچھ تیری طرف سے ہے سب خیر ہے، تو ہر بات پر قادر ہے۔ سب چیزیں تیری صفات کی مظہر ہیں۔ کسی پر عزت و کبریائی کا ظہور فرما کر اسے عزیز فرماتا ہے اور کسی پر صفت قہر کی جلوہ گری فرما کر اسے ذلیل کرتا ہے۔ کسی پر صفت غنائی تجلی فرما کر اسے مالدار بنا دیتا ہے۔ کسی پر صفت غنا کا ظہور فرما کر اسے بظاہر فقیر اور دل غنی بناتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے رب تعالیٰ نے ملک اجسام بادشاہوں میں تقسیم فرما

دیئے ہیں، کسی کو چھوٹا ملک دیا کسی کو بڑا حتی کہ چار بادشاہوں کو سارے جہان ساری زمین کا ملک دیا۔ حضرت سلیمان، ذوالقرنین، بخت نصر، نمرود۔ ایسے ہی رب نے اپنے نبیوں ولیوں کو عالم ارواح، عالم امکان، عالم امر وغیرہ تقسیم فرما دیئے کہ حضرت سلیمان کے بارے میں فرمایا **وسخرنا له الریح تجری بامره** اور حضرت داؤد کے بارے میں فرماتا ہے **والنا له الحدید** اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا **انا اعطینک الکوثر** ہم نے آپ کو عالم کثرت بخشا۔ کوثر کثیر کا مبالغہ ہے۔ دنیا قلیل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دیا وہ کثیر نہیں اکثر نہیں بلکہ کوثر یعنی بہت ہی زیادہ ہے۔ اگر کوثر سے حوض کوثر ہی مراد ہو تو وہ بھی تمام زمین سے زیادہ قیمتی ہے۔ جس کے کوزے آسمانوں کے تاروں کے برابر ہیں اور پانی موتیوں کی بجری پر ہے اس بجری کا ایک موتی روئے زمین سے زیادہ قیمتی ہے۔ اگر محض تالاب کا نام کوثر ہو تا تو رب تعالیٰ اتنے اہتمام سے اس کی عطا کا ذکر نہ فرماتا۔ آج ہم پاکستانی دریائے جہلم، چناب کے مالک ہیں۔ بھارت والے گنگا، جمنا وغیرہ پانیوں کے مالک ہیں۔ کوثر کیا چیز ہے کہ رب نے ان دریاؤں کی عطا کا اس اہتمام سے ذکر نہ فرمایا۔ کوثر کو عطا کا ذکر کیا۔ معلوم ہوا کہ کوثر سے مراد خیر کثیر یا عالم کثرت ہے جس میں حوض کوثر بھی داخل ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ دیکھو بخاری شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری ملک الٰہی کے مالک ہیں۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں **بلاد الله ملکی تحت حکمی**۔ یہ اس آیت **تؤتی الملک من تشاء** کی تفسیر ہے۔

نوٹ : اسمائے الٰہیہ کا وظیفہ ان کا فیضان لینے کے لئے پڑھا جاتا ہے۔ صفت غنا کے ظہور کے لئے وظیفہ **یا غنی** پڑھو وغیرہ۔ اے مولیٰ تو ہی کبھی نفس کی تاریکی کو قلب کے نور میں داخل فرماتا ہے، جس سے قلب تاریک ہو جاتا ہے اور کبھی قلب کا نور نفس کی تاریکی میں داخل فرماتا ہے، جس سے نفس چمک جاتا ہے۔ فاسقین ہمیشہ رات میں رہتے ہیں اور عارفین ہمیشہ دن میں۔ ان کی زمین کا آسمان ہی کچھ اور ہے اور ان کا دن و رات کچھ دوسرا۔ زندہ قلب کو مردہ نفس سے اور مردہ قلب کو زندہ نفس سے نکالتا ہے۔ ایسے ہی حیات علم و معرفت کو موت جہالت سے اور موت جہالت کو حیات علم سے نکالتا ہے۔ دیکھو بلعم ابن باعور حیات علم سے موت جہل کی طرف منتقل ہوا اور بلال حبشی و عکرمہ ابن ابو جہل جہالت سے علم میں آئے۔ خدا کی شان باپ جہالت کا باوا اور بیٹا علم کا سردار۔ اور جسے چاہتا ہے وہ ظاہری اور باطنی نعمتیں دیتا ہے جن کا آخرت میں حساب نہ ہو۔ خیال رہے کہ ولی کا ہر حال وقف ہے اور وقف حساب سے پاک۔ خیال رہے کہ عوام کے دن رات اور ہیں۔ صوفیاء کے دن رات کچھ اور۔ ایسے ہی جسم کا دن رات کچھ اور ہے اور روح کا کچھ اور۔ عوام کے دن رات کو **ایام ملوج** کہتے ہیں۔ جس کا یہاں ذکر ہے اور صوفیا کے دن رات کو ایام سلخ۔ **نسلخ منه النهار**۔ عوام کا دن رات، آسمانی سورج کے طلوع و غروب سے ہے اور صوفیاء کا دن رات شمس نبوت کے ظہور اور خفاء سے۔ عوام دن میں کام کاج کرتے ہیں رات میں آرام مگر صوفیاء دن میں جلوت اور رات میں خلوت کا مزہ لوٹتے ہیں۔ جسم دن میں غذا حاصل کرتے ہیں مگر عقل معرفت حاصل کرتی ہے اور بصیرت مشاہدہ اور روح اسرا۔ دن رات بھی ایک چیز ہیں اور ہر چیز کا ایک ظاہر ہے ایک باطن، ایک غیب ایک شہادت، ایک روح ایک جسم، ایک ملک ایک ملکوت، ایک لطیف، ایک کثیف۔ نہار ظاہر ہے اور لیل باطن، شہادت ہے اور لیل غیب خیال رہے کہ دن رات کا معنوی نکاح ہوا جس سے اشیاء پیدا ہوئیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یغشی الیل النهار** جو چیز دن میں پیدا ہو اس کے لئے دن ماں ہے اور رات باپ اور رات کے اعمال کے لئے رات ماں ہے اور دن باپ۔ اسی پر عالم کا مدار ہے۔ ہر سلطنت و

ملک کا دن رات، تاریخ، مہینہ، سن جدا گانہ ہے ایسے ہی رب تعالیٰ کا دن رات مخلوق کے دن رات سے جدا گانہ ہے۔ اس کی پوری تحقیق آگے ہوگی۔

مجرب عمل : جس شخص پر بہت قرض ہو گیا ہو اور اس کے ادا کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو اس کو چاہئے کہ نماز وتر کے بعد دو رکعت نفل کھڑے ہو کر پڑھا کرے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد یہ آیتیں **قل اللھم سے بغیر حساب** تک پانچ بار پڑھا کرے۔ انشاء اللہ اس کا قرض بہت جلد ادا ہو جائے گا یہ عمل نہایت مجرب ہے۔ خود میں نے اس کا تجربہ کیا۔ نیز اگر کوئی ہمیشہ وتر کے بعد دو نفل کھڑے ہو کر پڑھ لیا کرے۔ جس میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک ایک بار یہ آیتیں پڑھ لیا کرے تو اس پر کبھی قرض نہ ہوگا۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

نہ بنائیں ایمان والے کافروں کو دوست سوا مسلمانوں کے اور جو کوئی کرے گا یہ پس نہیں ہے

مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں مسلمانوں کے سوا اور جو ایسا کرے گا اُسے اللہ سے کچھ

ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ

وہ اللہ سے بیچ کسی چیز کے مگر یہ کہ ڈرو تم ان سے ڈرنا ڈراتا ہے تم کو اللہ ذات

علاقہ نہ رہا مگر یہ کہ تم ان سے کچھ ڈرو اور اللہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا

نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ

سے اپنی اور طرف اللہ کے لوٹنا ہے فرمادو اگر چھپاؤ تم وہ جو بیچ سینوں تمہارے کے ہے یا

ہے اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے تم فرما دو کہ اگر تم اپنے جی کی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو

يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

ظاہر کرو اس کو جانے گا اللہ اس کو اور جانتا ہے جو بیچ آسمانوں کے ہے اور وہ جو بیچ زمین کے ہے

اللہ کو سب معلوم ہے اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

اور اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے ۔

اللہ کا قابو ہے ۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں سے رب تعالیٰ کی قدرت کا زبانی اقرار کرایا گیا تھا۔ اب عملی اقرار کا حکم دیا جارہا ہے کہ جب رب تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے تو تم اپنے ہر معاملہ کو اسی کے سپرد کرو۔ اس کے دشمنوں کو مددگار نہ بناؤ تاکہ تمہارا عمل تمہارے اس عقیدے کا ثبوت ہو۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو عقیدہ کی تعلیم دی گئی کہ رب کے ساتھ یہ عقیدہ رکھو۔ اب انہیں درستی معاملات کا سبق دیا جارہا ہے تاکہ عقیدہ کے ساتھ معاملات بھی درست ہوں کہ اسی پر نجات کا مدار ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی تعظیم کا حکم دیا گیا اور تعظیم کی دو شرطیں ہیں۔ اللہ کے دوستوں کی تعظیم کرنا اور اس کے دشمنوں کی حقارت۔ گویا پچھلی آیت میں تعظیم کا ذکر تھا۔ اب شرط تعظیم کا۔

شان نزول: حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ نے جنگ احزاب کے دن حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے ساتھ پانچ سو یہودی ہیں جو میرے حلیف ہیں اگر حکم ہو تو دشمن کے مقابلہ میں ان سے مدد حاصل کرلی جائے۔ تب یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خازن و خزائن) بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ کے بارے میں آئی جو کبھی کفار مکہ سے محبت ظاہر کیا کرتے تھے' اس سے ان کو منع کیا گیا (کبیر و معانی) بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت عبداللہ ابن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں آئی جو یہود اور مشرکین سے محبت رکھتے تھے اور انہیں مسلمانوں کی خفیہ خبریں پہنچاتے تھے (تفسیر خازن و کبیر) اس صورت میں مومنوں سے زبانی اور ظاہری ایمان مراد ہوگا۔ ہمیشہ سے مسلمان دو قسم کے رہے ہیں۔ قومی مسلمان اور مذہبی مسلمان۔ منافقین قومی مسلمان تھے۔ مخلصین مذہبی مسلمان۔ یوں ہی اسلام کے تہتر فرقوں میں 72 فرقے قومی مسلمان ہیں اور ایک فرقہ مذہبی مسلمان۔ قرآن کریم میں اکثر **الذین امنوا** سے مذہبی مسلمانوں سے خطاب ہوتا ہے مگر کبھی قومی مسلمانوں سے بھی خطاب ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یا ایھا الذین امنوا امنوا** اے قومی مومنوں مذہبی مومن بن جاؤ۔

تفسیر: **لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء۔ لا یتخذ۔ اتخاذ** سے بنا جس کا مادہ **اخذ** ہے بمعنی اختیار کرنا۔ اور بنانا۔ پہلی صورت میں ایک مفعول کو چاہتا ہے دوسری میں دو کو۔ یہاں دونوں معنے درست ہیں اگر بمعنی اختیار ہو تو اولیاء کافرین کا حال ہوگا اور اگر پکڑنا یا بنانا مراد ہو تو **یتخذ** کا مفعول دوم۔ مومنوں سے سارے مسلمان مراد ہیں اور کافرین سے سارے کافرین مراد خواہ کافر اصلی ہوں یا مرتد۔ اہل کتاب ہوں یا مشرک۔ اولیاء ولی کی جمع ہے۔ جس کی اصل **ولاء** ہے بمعنی قریب یا مدد۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی مسلمان کافروں کو دوست یا مددگار نہ بنائیں اور ان کے پچھلے تعلقات کا لحاظ نہ کرتے ہوئے موجودہ کفر کا اعتبار کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ولی یا بمعنی مددگار ہے یا بمعنی دوست۔ کفار کو مددگار بنانا' مومنوں کے مقابلہ میں کہ ان کی مدد سے مسلمانوں کو تباہ کیا جائے' حرام ہے بلاوجہ مدد لینا ممنوع۔ ضرورتاً جائز۔ یہاں پہلی قسم کی مدد مراد اور دوستی بھی تین قسم کی ہے۔ معاملات کی دوستی جیسے بروقسط کہتے ہیں جائز ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا ینھکم اللہ الخ**۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے لین دین کے معاملات کئے ہیں' بوقت وفات آپ کی زرہ یہودی کے پاس گروی تھی۔ کفار سے محبت حرام ہے۔ کفر سے محبت کفر ہے۔ یہاں آخری دو محبتیں مراد ہیں **من دون المومنین**۔ یہ فاعل کا حال ہے اور

متجاوزین کے متعلق۔ بعض نے کہا کہ اولیاء کی صفت ہے۔ بعض کے نزدیک یہ **اتخاذ** کے متعلق ہے (روح المعانی) **دون** کے معنی کوتاہ یا پیچھے رہنے والا ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ **دنو** کا مقلوب ہے اب بمعنی غیر اور سوا استعمال ہوتا ہے مگر ہر سوا کو دون نہیں کہتے۔ ہر سوا کو الا کہا جاتا ہے۔ اجنبی کو غیر اور مقابل کو **دون** بولتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و وجد من دونہم امراتین** اس لئے کلمہ طیبہ میں **الا اللہ** کہا جاتا ہے۔ **دون اللہ** نہیں کہا جاتا۔ یعنی مسلمانوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ اگر **دون** بمعنی مقابل ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ مسلمانوں کے مقابل کفار کو دوست نہ بناؤ کہ ان کی مدد لے کر مسلمانوں کو تباہ کرو اور اگر بمعنی سواء ہے تو یہ قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔ جیسا کہ انشاء اللہ سوال و جواب میں معلوم ہوگا **ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شی۔** **ذلک** سے **اتخاذ** کی طرف اشارہ ہے جو **یتخذ** کا مصدر ہے۔ **من اللہ** میں ولایت یا محبت پوشیدہ ہے۔ یعنی **من ولایت اللہ** یا **من محبت اللہ** یہ لفظ شئی کا حال مقدم ہے یا شئی کی تنوین حقارت کی ہے اور **فی شئی لیس** کی خبر۔ اصل عبارت یوں تھی **فلیس فی شئی من ولایۃ اللہ** یعنی جو کفار سے محبت کرے گا یا انہیں اپنا مددگار بنائے گا وہ اللہ کی دوستی کے کسی درجہ میں نہیں۔ یعنی اسے رب سے محبت کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ دشمن سے دوستی بھی دشمنی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ولایت کفار سے مراد کفر سے دوستی ہو تو یہاں **شئی** سے مراد اسلام ہوگا یعنی جو کفار کے کفر سے دوستی رکھے گا وہ اللہ کے ہاں اسلام میں بالکل شمار نہ ہوگا۔ ان ہی کی طرح کافر ہو گیا اور اگر محبت کفار مراد ہے تو **شی** سے مراد رحمت ہوگی۔ یعنی جو کفار سے محبت کرے گا وہ اللہ کی رحمت میں بالکل نہ ہوگا۔ نہ دنیا میں نہ برزخ میں نہ آخرت میں۔ دنیا کی رحمت سے روحانی رحمت مراد ہے کیونکہ دنیا میں جسمانی نعمت تو دوست و دشمن سب کو مل جاتی ہے یعنی جو کفار کو دوست بنائے گا وہ دنیا میں روحانی نعمتوں ایمان، عرفان وغیرہ سے دور رہے گا۔ برزخ میں کامیابی امتحان اور آخرت میں مغفرت و غفران سے محروم ہوگا۔ **الا ان تتقوا منہم تقتہ** یہ **لا یتخذ** کے حالات سے استثناء ہے یا اس کے پوشیدہ مفعول لہ سے۔ ان سے پہلے حال یا اجل پوشیدہ یعنی **حال ان تتقوا** یا **لاجل ان تتقوا**، **تتقوا** کا مصدر اتقاء ہے مادہ **وقی** یا **وقایتہ** بمعنی بچنا یا ڈرنا۔ یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ **منہم** کا مرجع کفار ہیں اور یہ پوشیدہ فعل کے متعلق ہو کر **تقتہ** کا حال مقدم ہے۔ اصل عبارت یوں تھی **الا حال ان تتقوا تقتہ ثابتہ من جہتہم تقتہ** اصل میں **وقیہ** تھا واؤ ت سے بدلا گیا۔ جیسے **وجاہ** سے **تجاہ** اور یہ **ما قبل** کے فتح کی وجہ سے الف ہو گئی یہ بروزن **فعلتہ** ہے جیسے **تخمتہ** اور **تودۃ** کا مفعول بہ یعنی کفار کو کبھی کسی حال میں کسی غرض کے لئے دوست نہ بناؤ مگر اس صورت میں جب تم اس سے ڈرو یا تمہیں ان سے کوئی خوف ہو۔ تب منہ سے ظاہری نرمی مدارات کر سکتے ہو جیسے اولیاء کی تین تفسیریں تھیں۔ کفار کو مددگار نہ بناؤ، ان سے قومی دوستی نہ کرو، ان سے دینی دوستی کرو۔ ایسے ہی **الا ان تتقوا** الخ۔ کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ کفار کو مددگار نہ بناؤ مگر جب کہ تمہیں ان سے اندیشہ ہو تو بعض کفار کے مقابلہ میں بعض دوسرے کفار سے مدد لو۔ جیسے آج امریکہ و روس دو بلاک ہیں۔ تمام ملکوں کو ان میں سے ایک سے مدد لینی پڑتی ہے۔ دوسرے یہ کہ قوم کفار کو دوست نہ بناؤ۔ مگر یہ کہ ان سے خطرہ ہو تو ان سے ظاہری دوستی کر سکتے ہو۔ دل میں ان کی طرف میلان نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ کفار سے مذہبی دوستی نہ کرو، ان کے مذہب سے الفت نہ کرو مگر جب کہ ان سے تمہیں خطرہ ہو تو منہ سے کفر نکال دو۔ اس تیسری تفسیر میں ایک شرط یہ ہے کہ دل میں ایمان رہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ بقدر ضرورت کفر بکا جاوے، موقعہ پاتے ہی وہاں سے نکل جائے مگر خبردار پھر بھی

ان سے دلی محبت نہ کرنا کیونکہ **ویحذرکم اللہ نفسہ** یہ مستقل جملہ ہے۔ **تحذر** بمعنی سخت ڈرانا۔ نفس سے پہلے عذاب یا عتاب پوشیدہ ہے (معانی) یا خود ہی مفعول ہے اور نفس بمعنی ذات یعنی اللہ تم کو اپنے عذاب سے یا اپنے سے ڈراتا ہے بعض کے نزدیک **نفسہ** کی ضمیر **اتخاذ** کی طرف لوٹتی ہے اور نفس بمعنی بعینہ (تفسیر کبیر) یعنی رب تم کو بعینہ دوست بنانے سے ڈراتا ہے **والی اللہ المصیر** اس کی تحقیق بارہا ہو چکی **مصیر** یا مصدر میمی ہے یا اسم ظرف یعنی سب کا لوٹنا یا سب کا ٹھکانا اللہ ہی کی طرف ہے یا تو مرتے وقت رب کی طرف رجوع ہے کہ اس وقت ہی سب دنیا والے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ جان نکلتے ہوئے سب دیکھتے ہیں' کچھ نہیں کر سکتے یا قبر میں دفن کے بعد سب کا رجوع رب کی طرف ہے یا قیامت میں کہ ان جگہوں میں کوئی عزیز قریب کام نہ دے گا چونکہ **الا ان تتقوا** سے شبہ ہو سکتا تھا کہ بحالت خوف کفار سے دلی محبت بھی جائز ہے اس وہم کو دفع کرنے کے لئے ارشاد ہوا **قل ان تخفوا ما فی صدورکم۔ تخفوا اخفاء** سے بنا بمعنی چھپانا۔ **ما** سے مراد کفار کی محبت ہے یا سارے اعمال **صدور** جمع صدر کی ہے۔ بمعنی سینہ مگر یہاں سینے کی چیز یعنی دل مراد ہے۔ خیال رہے کہ صدر اعلیٰ اور ظاہری مقام کو بھی کہتے ہیں اور لوٹنے کو بھی' سینہ کو صدر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ جسم کا اعلیٰ مقام ہے کہ اس میں دل ہے نیز اسی کے ذریعہ انسان گھومتا ہے **او تبدوہ یعلمہ اللہ** یہ **تخفوا** پر معطوف اور شرط ہے۔ **یعلم** اس کی جزا یعنی جو کچھ تمہارے دلوں میں محبت کفار وغیرہ ہے تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو اس کی خبر رب تعالیٰ کو بہر حال ہو گی اور کیوں نہ ہو اس کی تو شان یہ ہے کہ **ویعلم ما فی السموت وما فی الارض** وہ آسمانوں اور زمین کی ساری کھلی چھپی چیزیں جانتا ہے اور تمہارا دل اور اس کے خطرات بھی انہیں میں سے ہیں' لہٰذا انہیں بھی جانتا ہے اور کمال علم کے ساتھ اس کی قدرت بھی کامل ہے **واللہ علی کل شیء قدیر** لہٰذا اس کے غضب سے ڈر کر اس کی نافرمانی پر جرأت نہ کرو۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو جب تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ مالک حقیقی ہے' عزت و ذلت اسی کے اختیار میں ہے۔ امیری' غریبی اسی کی طرف سے ہے تو کوئی مسلمان کسی کافر کو اپنا مددگار اور دلی دوست نہ بنائے۔ جب رب تمہارے لئے کافی ہے تو تم کسی کی خوشامد کیوں کرتے ہو۔ جو مسلمان کفار سے دوستی یا محبت کرے گا تو اسے اللہ سے محبت کا کوئی علاقہ نہ رہے گا کیونکہ اپنے دشمن کا دوست اپنا دشمن ہے۔ کفار خدا کے دشمن اور تم کفار کے دوست' تو تم خدا کے دوست کہاں رہے۔ ہاں اگر کبھی تمہیں کفار سے سخت خطرہ ہو تو تم ان سے محبت کا دنیوی ظاہری برتاوا برت سکتے ہو کہ ان سے جنگ نہ کرو' ان سے خندہ پیشانی سے مل لو۔ بوقت ضرورت ان سے سلام و کلام مصافحہ وغیرہ کر لو (روح المعانی) مگر خبردار دل میں ان سے محبت نہ رکھنا۔ رب تعالیٰ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے' سمجھ لو کہ سب کو رب ہی کی طرف لوٹنا ہے' کوئی اس کی پکڑ سے باہر نہیں۔ چونکہ سب رب کی طرف سے ہی آئے ہیں کہ پہلے رب کے سوا تمہارا کوئی نہ تھا' نہ کوئی تمہیں جانتا پہچانتا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا** ایسے ہی پھر تمہارا حال ہونے والا ہے کہ رب کے سوا کوئی تمہارا مددگار نہ ہو گا اس لئے رجوع یعنی لوٹنا فرمایا گیا۔ لوٹنا کہتے ہیں پہلی حالت پر پہنچ جانا اگر تم اپنی دلی باتیں چھپاؤ یا ظاہر کرو خدا سب جانتا ہے کیونکہ وہ تو آسمان و زمین کی ہر چیز پر خبردار ہے۔ اس سے تمہارے دلی حالات کیونکر چھپ سکتے ہیں۔ پھر وہ اس علم کے ساتھ ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے لہٰذا تمہیں جزا و سزا دینا اس کے نزدیک کوئی مشکل نہیں۔ خیال رہے کہ سینہ کو صدر اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں جسم کا صدر یعنی دل رہتا ہے' صدر کے معنی ہیں اشرف مقام۔ سینہ تمام جسم میں اشرف اس

لئے ہے کہ یہ اشرف عضو کا مقام ہے کہ مکہ معظمہ' مدینہ منورہ اس لئے شریف کہلائے کہ اس میں اشرف الخلق کا تعلق ہے اگرچہ رب تعالیٰ ہر چیز جانتا ہے مگر خصوصیت سے سینہ کی باتوں کا اس لئے ذکر فرمایا کہ اس میں دل ہے اور دل کاشانہ یار ہے اگر دل ٹھیک ہو گیا تو سب جسم ٹھیک ہے اور اگر دل خراب ہو گیا تو سارا جسم خراب ہے۔ سارا قالب اور کاموں میں لگا دو مگر دل یار کے کام میں لگا دو۔ چونکہ اس آیت میں اشارۃً دل کی صفائی کا ذکر تھا۔ اس لئے یہ آیت قل سے شروع فرمائی گئی تاکہ مضمون کی اہمیت کا پتہ لگے۔ نیز ان کا ذکر خصوصیت سے علیحدہ کیا گیا۔ اگرچہ یہ سینہ والی چیزیں بھی **ما فی السموت والارض** میں داخل ہیں۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ دل کی باتیں' آسمان و زمین کی چیزیں حقیقی طور پر خود جانتا ہے مگر اس نے بعض بندوں کو اس صفت کا مظہر بنایا بعض کو دلوں کی باتوں آسمان و زمین کی چیزوں پر اطلاع بخشی۔ نیز کبھی دل کی حالت چہرے سے عیاں ہو جاتی ہے۔ دل کا غم' غصہ' خوشی وغیرہ کا پتہ چہرہ دے دیتا ہے۔ قیامت میں کفر و ایمان' فسق و تقویٰ چہرے سے عیاں ہو گا۔ ہر شخص چہرے سے پہچانا جائے گا۔ یہ علوم رب تعالیٰ کے علم کے خلاف نہیں' چشم تو بینندۂ مافی الصدور۔ نوٹ: اس آیت سے تین اہم مسئلے ظاہر ہوئے۔ کفار سے محبت کی ممانعت۔ ان سے مدد حاصل کرنے کی ممانعت' تقیہ کا حکم' ہم ان تینوں مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

کفار سے محبت کرنے کا حکم : کفار سے محبت سخت منع ہے۔ اس کی ممانعت میں بہت آیتیں اور بے شمار حدیثیں وارد ہوئیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تتخذوا الیھود والنصری اولیاء** یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ نیز فرماتا ہے۔ **لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء** میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ نیز فرماتا ہے۔ **لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ** الخ۔ یعنی اے محبوب آپ مسلمانوں کو ایسا نہ پائیں گے کہ وہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں سے دوستی رکھیں' اگرچہ وہ ان کے باپ دادا ہی ہوں۔ احادیث میں بھی اس کی سخت ممانعت آئی ہے مگر خیال رہے کہ تعلقات کی چند قسمیں ہیں۔ اور ان کے جداگانہ احکام۔ دوستی' محبت' میلان طبع' برو قسط' قرابت داری' ادائے حقوق' دنیوی معاملات' میل جول یعنی نشست و برخاست۔ ان سب کے مختلف احکام ہیں' دنیوی معاملات یعنی تجارتی لین دین وغیرہ کفار سے جائز ہے۔ ادائے حقوق جائز۔ کافر ماں باپ کا حق مادری و پدری ادا کیا جائے گا۔ برو قسط یعنی دنیوی معاملات میں خوش اسلوبی' کفار کے احسان کا احسان سے بدلہ' یہ بھی جائز ہے۔ محبت کی تین صورتیں ہیں' کافر کے کفر سے محبت اور اس سے راضی ہونا' یہ کفر ہے۔ کفار سے محبت کہ کفر کو تو برا جانے مگر اہل اسلام کے مقابلہ میں کفار کی مدد کرے۔ خواہ قرابت داری یا دنیوی لالچ یا کسی اور وجہ سے۔ یہ سخت حرام ہے بلکہ اس کا انجام کفر ہے۔ تیسرے کافر قرابتدار سے غیر اختیاری طبیعت کا میلان۔ کافر بیٹے سے محبت پسری وغیرہ۔ مگر اس محبت پر اتنی قدرت رکھے کہ جب اسلام و کفر کا مقابلہ آ پڑے تو بیٹے کا لحاظ نہ کرے۔ یہ جائز ہے منع نہیں۔ میل جول اس کی بھی دو نوعیتیں ہیں۔ ضروری اور غیر ضروری۔ غیر ضروری حرام ہے اور ضرورتاً جائز۔ کسی کا افسر کافر ہے یا ایک محکمہ میں مسلمان اور کفار مل کر کام کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی ہو گا اور ان سے میل جول بھی رکھنا پڑے گا۔ یہ منع نہیں کہ ضرورتیں ناجائز کو جائز کر دیتی ہیں۔ محبت کا میل جول بہرحال حرام ہے۔ ان آیات میں کفار کی غیر ضروری میل جول اور دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ اس تفصیل کے بعد آیات اور احادیث میں پوری واقفیت ہو گی۔

کفار سے مدد لینا : کفار سے مدد لینے کی چند صورتیں ہیں۔ اس کو اپنا راز دار بنانا حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تتخذوا بطانۃ من دونکم** حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عیسائی کو اپنا محرر مقرر کیا تھا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ نے اس کو الگ کرا دیا۔ عیسائی اور یہودی عورتوں سے نکاح جائز ہے مگر اسے اپنا راز دار بنانا حرام۔ اسی طرح کفار کو حکومت میں دخل دینا ناجائز ہے۔ اس کے علاوہ ان سے اور کسی قسم کی مدد لینا جائز ہے۔ کفار کو اسلامی لشکروں میں بھرتی کرنا جائز ہے بشرطیکہ کفار سے جنگ ہو نہ کہ باغیوں سے۔ باغیوں کے مقابلہ میں کفار کو فوج میں نہ لو (روح المعانی) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو ایک مشرک پہلوان لشکر کے ساتھ ہو لیا۔ جس سے صحابہ کرام خوش ہوئے کہ یہ ہماری مدد کرے گا۔ مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا لوٹ جا ہم مشرک سے امداد نہیں لیتے۔ یہ منسوخ ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی تینقاع سے جنگ میں مدد لی اور انہیں غنیمت میں سے کچھ مال بھی عطا فرمایا۔ نیز غزوہ بنی ہوازن میں صفوان ابن امیہ سے مدد لی۔ بعض نے فرمایا ہے کہ بلاوجہ مشرک سے امداد نہ لی جائے اور "ضرورۃ" جائز۔ حضرت عائشہ کی روایت بلا ضرورت کی ہے' باقی ضرورت کی (روح المعانی) نیز کفار کو نوکر غلام رکھنا جائز ہے۔ کفار کے باقی احکام فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں دیکھنے چاہئیں۔ یہ بہت وسیع باب ہے۔

تقیہ : تقیہ کے لفظی معنی ہیں بچنا یا اپنی جان' مال' آبرو کو دشمن سے بچانا۔ چونکہ دشمن دو قسم کے ہیں۔ دینی اور دنیوی۔ اس لئے تقیہ کی بھی دو قسمیں ہیں اور ان کے الگ الگ احکام۔ دینی تقیہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کفار میں ایسا پھنسے کہ وہاں اپنا دین ظاہر نہ کر سکے یا بھی کفر بکنے پر مجبور ہو جائے تو جان چھڑانے کے لئے اس وقت اس پر عمل کرے۔ مگر پھر وہاں سے ایسی جگہ ہجرت کر جائے جہاں دینی آزادی ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** اسی لئے انبیائے کرام نے کفرستان سے ہجرتیں کیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتہاجروا فیہا** ہاں بچے اور عورتیں جو ہجرت پر قادر نہ ہوں' ان کے اور احکام ہیں پھر بھی اگر کوئی کلمہ کفر نہ نکالے اور جان دیدے تو شہید ہو گا (احکام القرآن و روح المعانی) چنانچہ مسیلمہ کذاب نے دو صحابہ کرام کو پکڑ کے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے کہا ہاں۔ پھر وہ بولا کہ تم گواہ ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ انہوں نے فرمایا ہاں اس نے چھوڑ دیا۔ دوسرے سے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے فرمایا ہاں۔ پھر کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں بہرہ ہوں۔ تین بار یہی سوال و جواب ہوئے آخر انہیں شہید کر دیا گیا۔ جب یہ واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے نے رخصت کو اختیار کیا' اس پر کوئی گناہ نہیں اور دوسرا صدق و یقین پر گیا اسے مبارک ہو (احکام القرآن معانی و کبیر وغیرہ) غرضکہ بلاوجہ اپنا دین چھپانا یا جہاں دین ظاہر نہ کر سکیں وہاں رہنا حرام ہے۔ **دوسرا تقیہ:** دنیوی معاملات میں کفار سے مدارات کرنا "یہ ضرورۃ" جائز بلا ضرورت منع۔ کفار سے خندہ پیشانی سے ملنا' ان سے مصافحہ کرنا' انہیں ہدیئے تحفے دینا ان سب کا یہی حکم ہے۔ خیال رہے کہ تبلیغ دین بھی ایک ضرورت ہے۔ جو کفار مائل باسلام ہوں' ان کے ساتھ معاملات ضرور کئے جائیں شروع اسلام میں تو ایسے کافروں کو زکوٰۃ دینا بھی جائز تھی۔ اس دنیوی تقیہ کا اس آیت میں ذکر ہے۔ دینی تقیہ سے اسے کوئی

تعلق نہیں۔ جیساکہ آیت کی روش سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس نے بوقت خوف کفار کو ولی یعنی ظاہری دوست بنانے کا حکم دیا نہ کہ کفر کا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ تقیہ کا حکم شروع اسلام میں تھا کہ مسلمان کمزور تھے' اب نہیں رہا۔ ان کے قول پر اب کسی قسم کا تقیہ جائز نہیں۔ مگر عوف نے امام حسن سے روایت کی کہ تقیہ قیامت تک جائز ہے کیونکہ جان کو بقدر طاقت نقصان سے بچانا ضروری ہے (تفسیر کبیر و معانی و خازن) حضرت سعید نے فرمایا کہ تقیہ بحالت جنگ جائز ہے نہ کہ بحالت امن (خازن) تقیہ کا وہی مطلب ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔ خیال رہے کہ کفر چھپانا' ایمان ظاہر کرنا منافقت ہے اور ایمان چھپانا' زبان سے کچھ ظاہر کرنا ستر ہے اور ایمان چھپانا' کفر ظاہر کرنا تقیہ ہے۔ منافقت تو بہر حال سخت جرم ہے۔ اس کی سزا اصلی کفر سے زیادہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار** اور ستر ضرورۃً جائز ہے بلا ضرورت منع۔ اپنے ایمان کا اعلان صورت' سیرت' قول و فعل سے کرنا چاہئے۔ تقیہ دھوکے کے لئے جرم ہے۔ ضرورت خطرۂ جان کے وقت درست ہے۔

صوفیاء کا تقیہ : صوفیائے کرام کے نزدیک اسرار الٰہیہ کا اغیار سے چھپانا تصوف کا تقیہ ہے اور یہ اہم واجبات میں سے ہے۔ اسی لئے یہ حضرات اسرار ایسی عبارت میں بیان کر جاتے ہیں جو عام کی سمجھ سے باہر ہو۔ بعض ظاہر بین علماء ان کی ظاہری عبارت پر فتویٰ کفر دے دیتے ہیں۔ حضرت محی الدین ابن عربی' بایزید' شامی کی پیچیدہ عبارتیں اسی تقیہ کی مثالیں ہیں۔ اسی لئے فقہائے کرام صوفیاء کے علم کو علم باطن کہتے ہیں یعنی عام سے چھپا ہوا۔ حضرت امام شعرانی نے اپنی کتاب در منشورہ فی بیان علوم مشہورہ میں فرمایا کہ بندہ میں جس قدر رعب زیادہ اسی قدر اس کا کلام باریک (روح المعانی)

روافض کا تقیہ : روافض کے نزدیک تقیہ کی نوعیت ہی اور ہے اور اس کے احکام کچھ اور۔ ان کے ہاں ضرورتاً" اور بلا ضرورت ہر قسم کا تقیہ دینی اور دنیوی جائز ہی نہیں بلکہ عبادت ہے اور سنی کو دھوکا دینا ثواب۔ ان کے یہاں مشہور روایت ہے کہ جس نے دھوکہ کی غرض سے سنی کے پیچھے نماز پڑھ لی گویا اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔ جھوٹ بولنا' اپنا دین بدلنا' حتیٰ کہ اپنی بیٹی کفار کے نکاح میں دے دینا سب تقیہ ہی کی قسمیں ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی کا تینوں خلفاء کے ہاتھ پر بیعت کرنا' ان کے پیچھے نمازیں پڑھنا اور منبر پر ان کی تعریفیں کرنا' بلکہ اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق سے کر دینا' سب تقیہ تھا۔ ان اللہ کے بندوں نے یہ غور نہ کیا کہ تقیہ کا مادہ وقی ہے جس کے معنی بچانا یا بچنا۔ بچانا بچنا مصیبت کے موقع پر ہی ہوتا ہے نہ کہ ہر وقت۔ ان کا تقیہ اپنے معنی کے بھی خلاف ہے۔ تقیہ اسی طرح جائز ہے جیسے بحالت اضطرار مردار کھانا جائز اور جو ہر وقت مردار خواری جائز کہے وہ پورا احمق ہے۔ ایسے ہی تقیہ صرف ضرورت کے وقت درست ہے نہ کہ ہر حال میں۔ کفر بکنا گویا روحانی مردار ہے جو صرف ضرورتاً" درست۔ ان کی دلیل یہ ہی آیت ہے اور بیہقی ابن ابی الدنیا اور طبرانی ابن عدی و ابن عساکر وغیرہ کی احادیث۔ چنانچہ ابن عساکر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا **من عاش مداریا مات شہیدا** جو تقیہ کرتا مرا وہ شہید مرا۔ نیز بخاری میں ہے کہ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ ہم بعض لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں حاضری کی اجازت چاہی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا' یہ برا آدمی ہے۔ پھر اسے بلا لیا اور اس سے نرم کلام فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے اولاً" تو اسے برا فرمایا اور پھر اس کے سامنے نرم کلام فرمایا۔ جواب دیا کہ اے عائشہ بدتر شخص وہ ہے کہ جس کے فتنہ

سے بچنے کے لئے لوگ اسے چھوڑیں وغیرہ۔ شیخ سعدی" فرماتے ہیں۔

دروغ مصلحت آمیز! ٭ به از راستی فتنہ انگیز!

یہ روافض کے انتہائی دلائل ہیں مگر یہ سب محض مکڑی کا جالا ہیں۔ اگر تقیہ کی یہ حقیقت ہوتی تو انبیائے کرام خصوصاً" سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ہاتھوں تکلیف برداشت کرنے اور ہجرت کی ضرورت پیش نہ آتی اور کربلا کا ایسا دردناک واقعہ امام حسین علیہ السلام پر نہ گزرتا۔ یہ سب حضرات تقیہ کرلیا کرتے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک** اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رب کی طرف سے اترے ہوئے احکام سب کو خوب پہنچاؤ۔ نیز فرماتا ہے۔ **الذین یبلغون رسالتہ اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا" الا اللہ** جو لوگ اللہ کے احکام لوگوں تک خوب پہنچاتے ہیں اور صرف خدا سے ڈرتے ہیں اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ ان آیتوں میں مخلوق تک احکام الٰہی پہنچانے اور ان سے نہ ڈرنے کا حکم دیا گیا نہ کہ تقیہ کا۔ اس قسم کی آیتیں اور احادیث شمار سے باہر ہیں مگر شیعہ مذہب کی بناپر تقیہ درست ہو سکتا ہی نہیں اس لئے کہ تقیہ میں خوف کی شرط ہے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا اور خوف دو قسم کا ہے جان کا اور آبرو کا۔ اہل بیت کو جان کا خوف ہو سکتا ہی نہیں کیونکہ ان کے نزدیک امام کی موت خود اپنے قبضہ میں ہوتی ہے جیسا کہ کلینی نے کافی میں لکھا بلکہ اس کے لئے ایک باب باندھا۔ نیز امام کو ان کے نزدیک سارے غیوب کا علم ہوتا ہے۔ اپنی موت، موت کی نوعیت اس کا وقت سب اس پر روشن ہے۔ اب جان کے خطرہ کے کیا معنی۔ اور سیدنا مولیٰ علی کو تینوں خلفاء سے ڈرنے کی کیا ضرورت تھی۔ رہا آبرو کا خطرہ۔ وہ بھی ان کے لئے کوئی نہیں۔ کیونکہ روائدی شارح نہج البلاغت نے سلمان فارسی سے حکایت کی کہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمر فاروق مدینہ کے کسی باغ میں ملے۔ حضرت علی کے ہاتھ میں ایک کمان تھی۔ فرمایا اے عمر مجھے خبر ملی ہے کہ تم میرے ساتھیوں کو برا کہتے ہو۔ یہ کہہ کر آپ نے کمان زمین پر ڈال دی وہ کمان بڑا اژدہا بن کر حضرت عمر کو نگلنے کو دوڑا۔ حضرت عمر نے کہا اے علی خدا کے لئے مجھے بچاؤ۔ اب میں تمہاری مخالفت کبھی نہ کروں گا۔ جب بہت خوشامد کی تب حضرت علی نے اسے پکڑا پھر وہ کمان بن گئی۔ سلمان فارسی کہتے ہیں کہ عمر فاروق پر اس کرامت خوف طاری ہو گیا اور علی نے فرمایا کہ اے سلمان اس کمان کا خوف عمر کو مرتے وقت تک رہے گا۔ اس روایت کی بناپر جناب امیر کو عمر فاروق سے خوف کے کیا معنی؟ اور اگر خوف ہوتا بھی تو تبلیغ دین میں مشقت و ایذا اٹھانا اور اس پر صبر کرنا طریقہ انبیاء ہے۔ اہل بیت عظام کو اس کی اقتداء چاہئے تھی نیز جناب مولیٰ علی کا چھ ماہ تک حضرت صدیق کی بیعت نہ کرنا پھر کر لینا اس تقیہ کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ اگر تقیہ ہی کرنا تھا تو آپ پہلے دن بیعت کر لیتے۔ غرضیکہ روافض کا تقیہ جھوٹ، فریب، منافقت اور دغابازی کا مجموعہ ہے۔ معاذ اللہ پہلا تقیہ ابلیس نے کیا کہ **وقاسمھما انی لکما لمن الناصحین** قسم کھا کر بولا کہ اے آدم و حوا میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ نیز واقعہ کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ نے تقیہ نہ کیا بلکہ عبداللہ ابن زیاد نے کیا کہ وہ امام حسین کے لباس میں کوفہ آیا۔ قرآن کریم اور انبیائے کرام اور اہل بیت اطہار اس سے بالکل پاک و صاف ہیں۔ یہاں اور ان احادیث میں مدارات وغیرہ کے وہی معنی ہیں جو ہم نے عرض کئے کہ سخت مجبوری کی حالت میں خطرۂ جان کے وقت کفار سے ظاہری رواداری برت لینا بلکہ اشد ضرورت پر منہ سے کفر نکال لینا۔ بشرطیکہ دل میں ایمان رہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** ضروریات عبادات نہیں بن جاتیں، بلکہ ضرورت پوری کرنے کو ان کی اجازت ہو جاتی ہے۔ ضرورت پر شرعی تقیہ کا جواز ایسا ہی

ہے جیسے جان پر بن جانے کے وقت مردار حرام جانور کی حلت۔

چوں علی شیر است و حق را شیر نر! ظلم نتواں کرد بر شیر اے پسر!

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستی کرنا منع ہے جیسا کہ **من دون المومنین** نے بتایا تو چاہئے کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار سے دوستی جائز ہو۔ اس طرح کہ کفار سے بھی دوستی رکھے اور مسلمانوں سے بھی؟
جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔ جن کے حق میں یہ آیت آئی ان کا عمل یا ارادہ ایسا ہی تھا۔ اس لئے یہ قید لگادی گئی۔ جیسے قرآن کریم فرماتا ہے **لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفة** کہ تم دگنا تگنا سود نہ کھاؤ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا کھالیا کرو۔ دوسرے یہ کہ **من دون المومنین** کافرین کی صفت ہے یعنی وہ کفار جو مسلمانوں کے ہر طرح غیر ہیں تم ان سے دوستی مت رکھو۔ تیسرے یہ کہ دوسری آیتوں میں یہ قید نہیں ہے وہاں مطلقاً ممانعت ہے۔ وہ آیتیں اس کا بیان ہیں۔ چوتھے یہ کہ **دون** معنی مقابل یا علیحدگی ہو۔ یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کو دوست نہ بناؤ کہ کفار کی مدد لے کر مسلمانوں کو تباہ کرو۔ **دون** معنی مقابل علیحدہ ہی آتا ہے تب تو یہ آیت بالکل واضح ہے۔
دوسرا اعتراض: بھلا مسلمانوں کے خدا کی طرفداری تو دیکھو کہ جو دین اسلام میں نہ ہوں انہیں کافر کہہ دیا۔ غیر مذہب کے نیک کاروں میں سے بھی رفاقت نہ رکھنا اور برے مسلمانوں سے رفاقت کی تعلیم دینا خدا کے لائق نہیں۔ قرآن کا خدا اور مسلمان تعصب سے پر ہیں (ستیارتھ پرکاش) **جواب:** پنڈت جی نے اس میں دو اعتراض کئے ایک غیر مسلموں کو کافر کہنا دوسرے کفار سے الگ رہنے کا حکم کہ یہ تعصب ہے۔ پنڈت جی کیا کافر کوئی گالی ہے۔ کافر کے معنی ہیں منکر اور چھپانے والا' کفر معنی انکار آتا ہے مولانا خسرو صاحب فرماتے ہیں ؏

کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست!

یعنی میں عشق کا چھپانے والا ہوں مجھے اظہار کی ضرورت نہیں۔ پنڈت جی کیا تم قرآن اور اسلامی قوانین کے منکر نہیں ہو اگر ہو تو اس لفظ سے چڑتے کیوں ہو۔ اگر تمہیں یہ لفظ برا لگتا ہے تو اسلام کو مان لو۔ تمہیں کافر کوئی نہ کہے گا۔ تم نے کافر کا اتنا برا منایا۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ تم نے اپنے غیر مذہبوں کو کیا کیا خطاب دیئے ہیں۔ مسلمانوں کو کہتے ہو ملکش یعنی گندے۔ کسی کا نام رکھا اچھوت یعنی گھونے۔ آریہ بنانے کو کہتے ہو۔ شدھی کرنا یعنی پاک کرنا۔ دیگر قوموں کو کتوں سے بھی زیادہ گندا جانتے ہو۔ کسی کو وام مارگی کہتے ہو یعنی مکار' دغاباز۔ ذرا اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کا دوسرا حصہ اور گیارھواں باب پڑھو نیز مسلمانوں پر تعصب کا الزام غلط ہے۔ تعصب کے معنی ہیں قومی پچھ یہ لفظ عصب سے بنا معنی برادری و کنبہ۔ جس قدر مسلمان فراخ دل واقع ہوا ہے کوئی قوم ایسی نہیں۔ مسلمان ملک قوم قبیلہ کی قیدوں سے آزاد ہے ہر ملک اور قوم کا مسلمان اس کا بھائی ہے نہ کسی انسان کو گندہ سمجھتا ہے نہ کسی سے بلاوجہ لڑتا ہے۔ مسلمان نے صدہا سال ہندوستان میں تم کو پالا اب بھی تمہاری تجارتیں وغیرہ مسلمانوں کے دم سے چل رہی ہیں۔ مگر تمہارے تعصب کا یہ حال ہے کہ مسلمان کی صورت و نام سے بیزار ہو۔ رہا کفار سے الگ رہنے کا حکم یہ بالکل صحیح ہے دولت مند کو چاہئے کہ چور سے الگ رہے۔ کفر اڑ کر لگنے والی بیماری ہے۔ تندرستوں کو اس سے دور رہنا بہتر ہے۔ کفر کا زہر سانپ کے زہر سے بدتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ : حقیقی محبت' ولایت اپنے ہم جنس سے ہو سکتی ہے غیر جنس سے محبت ذاتی نہیں بلکہ مصنوعی ہے۔ جس کا ترجمہ ریاکاری یا نفاق ہے۔ چونکہ کفار مسلمانوں کے ہم جنس نہیں۔ ان میں روحانی اختلاف ہے لہذا ان سے محبت مصنوعی ہوگی اور چونکہ اسلام ریاکاری اور نفاق کی جڑ کاٹتا ہے اس لئے اس نے اس محبت سے منع کیا جو کوئی ایسا کرے گا وہ خدا کے نور سے دور رہے گا کیونکہ کفر غبار اور تاریکی ہے اس کا نور سے اجتماع کیسا۔ مگر چونکہ مسلمان دو قسم کے ہیں ایک ضعیف الیقین' دوسرے کامل الیقین کامل الیقین۔ مومنین کی نگاہ اس آیت پر رہتی ہے **وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو** وہ کسی سے خوف نہیں کرتے اس لئے وہ اس اجتناب تحت میں آتے ہی نہیں۔ تمام دنیا ان سے ڈرتی ہے مگر وہ کسی سے نہیں ڈرتے مگر ضعیف الیقین لوگ جن پر ظاہری خوف طاری ہو جاتا ہے۔ انہیں ظاہری تعلق کی اجازت دی گئی۔ اس لئے آگے فرمایا گیا **ویحذرکم اللہ نفسہ** کہ اللہ تمہیں اپنی توحید عیانی کی طرف بلاتا ہے تاکہ تمہیں وہاں پہنچ کر غیر کا بالکل خوف نہ رہے صرف رب تعالیٰ کا خوف ہو چونکہ سب کا انجام اس توحید پر ہی ہو گا لہذا تم اس سے خوف کرو (ابن عربی)

دوسری تفسیر : روح اور اس کے معاملات مومنین ہیں نفس اور اس کے معاملات کفار۔ روح کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تو نفس اور اس کے خطرات کو اپنا دوست نہ سمجھ یہ اگر بظاہر کبھی تیری دوستی کا دم بھرے مگر حقیقت میں یہ تیرا سخت دشمن ہے اگر تو نے ان سے محبت کی تو یار سے آڑ میں رہے گی۔ ہاں جب کبھی اس کی بربادی کا اندیشہ ہو تو اس کی ظاہری پرورش کر تاکہ وہ فنا نہ ہو جائے بلکہ تیرا خادم بن کر تیری امداد کرے اور تیری سواری کا کام دے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ محبت چار قسم کی ہوتی ہے۔ جسمانی' نفسانی' شیطانی' رحمانی۔ اولاد وغیرہ سے محبت جسمانی ہے۔ خونی رشتہ کی وجہ سے مال و دولت سے محبت نفسانی ہے کفار و کفر سے محبت شیطانی ہے۔ اللہ کے پیاروں سے محبت رحمانی ہے۔ پہلی دو محبتیں فانی ہیں کہ نفس کو فنا ہے تو اس کی محبت کو بھی فنا ہے۔ تیسری یعنی شیطانی محبت عداوت میں تبدیل ہو جاوے گی۔ چوتھی یعنی رحمانی محبت کو بقا ہے رحمان باقی ہے تو رحمانی محبتیں بھی باقی ہیں۔ دنیا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے کفار ابوجہل وغیرہ قبر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچان سکے مگر نہ دیکھنے والے مسلمان پہچان لیتے ہیں یہ ہے محبت رحمانی کا نتیجہ۔ جیسے صاف آئینہ ذرا میں دھندلا ہو جاتا ہے ایسے ہی آئینہ دل گناہ اور محبت کفار سے دھندلا ہو جاتا ہے اگر آئینہ دل ان گرد و غبار سے صاف رہے تو اس میں سارا عالم بلکہ خالق عالم بھی ہے۔ جیسے صاف شیشہ میں گھر اور گھر کا ساز و سامان بلکہ گھر والا نظر آتا ہے۔

الٰہی رنج و غم کا نور کر دے! یہ سینہ نور سے معمور کر دے
نبی کی کالی زلفوں کا تصدق سیاہی میرے دل کی دور کر دے

صوفیاء کے نزدیک چیزیں تین قسم کی ہیں ایک وہ جو زبان میں بھی ہیں دل میں بھی جیسے اللہ کا ذکر' یار کا چرچہ۔ بعض چیزیں وہ ہیں جو صرف دل میں آئیں زبان پر نہ آئیں۔ جیسے اسرار الٰہی کہ دل کے خزانے میں رہیں۔ زبان کے دروازے پر نہ آنے پائیں۔

بہ دہانش قفل و در دل راز ہا! بند لب ہا دل پر آوردہ دار ہا!

بعض چیزیں وہ ہیں جو زبان پر رہیں دل میں نہ اتریں جیسے دنیاوی باتیں وغیرہ جیسے بستی میں لوگوں کے مکان بھی ہوتے ہیں اللہ کا گھر یعنی مسجد بھی۔ مسجد تمام گندگیوں سے پاک و صاف رکھی جاتی ہے ایسے ہی جسم مومن ایک بستی ہے جس کے تمام اعضاء

سے دنیاوی کام کئے جائیں مگر دل وہ مسجد ہے جس میں رب کے سوا کچھ نہ رہنا چاہئے۔ مشائخ کی بیعت اس لئے کرتے ہیں کہ دل کی صفائی میسر ہو۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوٓءٍ
جس دن پائے گا ہر نفس وہ جو کیا اُس نے بھلائی سے موجود اور وہ جو کیا اس نے برائی سے تمنا کرے گا
جس دن ہر جان نے جو بھلا کام کیا حاضر پائے گی اور جو بُرا کام کیا اُمید کرے گی کاش
تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُۥٓ أَمَدًۢا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ ٱللَّهُ نَفْسَهُۥ ۗ وَٱللَّهُ
کہ کاش تحقیق درمیان اس کے فاصلہ ہوتا دُور کا اور ڈراتا ہے تم کو اللہ ذات سے اپنی اور اللہ
کہ مجھ میں اور اس میں دُور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تمہیں عذاب سے ڈراتا ہے اور اللہ
رَءُوفٌۢ بِٱلْعِبَادِ ﴿۳۰﴾
مہربان ہے ساتھ بندوں کے
بندوں پر مہربان ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو کفار و کفر سے الگ رہنے کا حکم دیا تھا اب اس کی سزا بیان فرمائی جا رہی ہے کہ تم دنیا میں ان کے ساتھ رہے تو آخرت میں بھی ان ہی کے ساتھ اٹھو گے اور وہاں ان کی ہمراہی بہت تکلیف دہ ہوگی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں کفار سے دلی محبت کی ممانعت کی گئی تھی اور ظاہری برتاؤ کی اجازت دی گئی۔ گویا ناجائز اور جائز فعل کا ذکر تھا اب رغبت اور خوف کی آیت ارشاد فرمائی گئی۔ گویا یہ گزشتہ مضامین کا تتمہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ تم کو اللہ اپنے عذاب سے ڈراتا ہے' اب عذاب کے دن کا ذکر فرمایا جا رہا ہے اور عذاب کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ قیامت کا دن ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و علم کا ذکر تھا' اب اس آیت میں بندوں کی مجبوری اور ان کے عجز و نیاز کا ذکر ہے۔ خوف و عجز کا ظہور قیامت میں ہوگا۔ عبدیت کا اقرار' رب کی قدرت' اپنی عجز و نیاز معلوم کر کے ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک رکن ایمان کا ذکر پہلے ہوا' دوسرے رکن کا ذکر اب ہو رہا ہے۔

تفسیر : **یوم تجد کل نفس ما عملت** : **یوم** یا تو **مصیر** کا ظرف ہے یا **یحذرکم اللہ** کا یا **قدیر** کا یا **تو دکلیا** ذکر فعل پوشیدہ کا۔ **اذکر** میں خطاب یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے۔ یعنی اے محبوب آپ ہمارے بندوں کو وہ دن یاد دلا دو اور آپ کے جانشین علماء تاقیامت مسلمانوں کو یاد دلاتے رہیں۔ جو عالم یہ دن یاد نہ دلائے اس نے اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی کی۔ اے مسلمان وہ دن یاد کرتا رہ' یا وہ دن یاد رکھ۔ اسی لئے اس کے معنی سات آٹھ ہو سکتے ہیں **تجد**

وجدان سے بنا معنی پانا۔ کل نفس سے ہر مکلف کی ذات مراد ہے۔ یعنی عاقل بالغ انسان اور جنات۔ کیونکہ جانوروں اور بچوں پاگلوں کا نہ حساب کتاب ہے نہ انہیں سزا و جزا۔ ما سے مراد سارے تکلیفی احکام ہیں۔ غیر اختیاری افعال اس سے خارج ہیں۔ جیسے رعشہ کی حرکت یا سانس وغیرہ۔ کیونکہ ان پر سزا جزا نہیں۔ عملت سے سارے قلبی و ظاہری اعضاء کے کام مراد ہیں۔ اس لئے کہ دلی ارادوں پر بھی سزا جزا ہے۔ یعنی تمہیں خدا کی طرف اس دن لوٹنا پڑے گا یا خدا تمہیں اس دن سے ڈراتا ہے یا ہر نفس اس دن آرزو کرے گا یا اللہ کی قدرت اس دن ظاہر ہوگی یا اس دن کو یاد رکھو جس دن ہر جان اپنے سارے اعمال پائے گی۔ اس دن سے مراد یا تو موت کا دن ہے کہ مرتے وقت ہی مرنے والے کو اپنے اعمال یاد آتے ہیں یا قبر میں جانے کا دن یا قیامت کا دن۔ تیسرے معنی زیادہ قوی ہیں کہ اصل سزا اور جزاء کا دن وہی ہے۔ خیال رہے کہ بعض کے نزدیک یہاں ما سے پہلے جزا یا کتاب پوشیدہ ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنا نامہ اعمال یا اعمال کی سزا جزا ہر نفس پائے گا۔ رب تعالیٰ فرمائے گا اقرا کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا اپنی کتاب خود پڑھ لے آج تو ہی اپنا کافی محاسب ہے یا خود اعمال کو مختلف شکلوں میں موجود دیکھے گا۔ نیک اعمال کی اچھی شکلیں برے اعمال کی شکلیں بری۔ سانپ بچھو وغیرہ بلکہ نیک و بد اعمال کا اثر خود عامل کی شکل و صورت پر نمودار ہو گا۔ یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ۔ مگر بہتر یہ ہے کہ کچھ پوشیدہ نہ کیا جائے اور آیت کا یہی مطلب لیا جائے کہ بعینہٖ اپنے اعمال کو پائے گا جیسا کہ ہم انشاء اللہ آئندہ عرض کریں گے من خیر محضرا وما عملت من سوء۔ من بیانیہ ہے ما کا بیان۔ خیر سے ہر جائز کام یا نیکی مراد ہے۔ اگرچہ معمولی ہی ہو۔ محضرا " یحضر کا دوسرا مفعول ہے اس کے معنی ہیں حاضر کیا ہوا۔ یعنی فرشتے یا رب تعالیٰ اسے حاضر فرمائے گا۔ خواہ نامہ اعمال کے ذریعہ یا بلاواسطہ۔ محضرا " کے بعد عند ما پوشیدہ ہے اور وما عملت پہلے ما پر معطوف ہے تجد کا مفعول من سوء' ما کا بیان ہے اصل عبارت یوں تھی۔ ما عملت خیر وما عملت من سوء محضرا " چونکہ بھلائی مقصود بالذات ہے اور گناہ مقصود تبعاً۔ نیز نیکی رحمت رب کی مظہر ہے اور گناہ قہر کا مظہر ہے۔ نیز رحمت قہر پر غالب ہے اس لئے خیر کا ذکر پہلے کیا اور گناہ کا بعد میں نیز چونکہ اگلے مضمون کا تعلق صرف گناہوں سے ہے اس لئے یہاں علیحدہ ما عملت فرمایا گیا ورنہ پہلا ہی فعل کافی تھا۔ یعنی جو کچھ بھلائی یا برائی کی ہے اسے اپنے پاس حاضر پائے گا۔ پھر یہ حال ہو گا کہ تو دلو ان بینہا و بینہ امدا بعیدا۔ تودد سے بنا معنی چاہنا اور خواہش کرنا۔ اس کا فاعل گنہگار نفس ہے نہ کہ ہر نفس۔ کیونکہ یہ تمنا گنہگار ہی کریں گے لو ان الخ۔ تود کا مفعول ہے۔ بینہا و بینہ ان کی خبر اور امدا بعیدا اس کا اسم بینہا کا مرجع نفس اور بینہ کا مرجع یا دن ہے یا اس کے برے اعمال۔ امد بمعنی فاصلہ آتا ہے۔ بعید بمعنی دراز۔ امد اور ابد میں یہ فرق ہے کہ ابد غیر محدود وقت کو کہا جاتا ہے اور امد وہ مدت ہے۔ جس کی حد ہو مگر معلوم نہ ہو۔ بعض کے نزدیک یہاں امد سے مراد عمر بھر کا فاصلہ ہے۔ بعض کے نزدیک مشرق و مغرب کی دوری۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ یالیت بینی و بینک بعد المشرقین۔ الخ۔ گویا وہ آیت اس جملہ کی تفسیر ہے۔ یعنی اس دن گنہگار نفس آرزو کرے گا کہ کاش مجھ میں اور اس قیامت میں یا مجھ میں اور میرے نامہ اعمال یا سزاء اعمال یا اعمال میں بہت فاصلہ ہوتا۔ یعنی یہ چیزیں میرے پاس نہ ہوتیں۔ قبر کے امتحان میں پاس ہوتے ہی بندہ قیامت قائم ہونے کی تمنا کرتا ہے کہ جلد قیامت قائم ہو اور میری کامیابی پر لوگ مطلع ہوں اور وہاں فیل ہو جانے والا تمنا کرتا ہے کہ قیامت کبھی نہ آئے تاکہ میرا حال کسی پر ظاہر نہ ہو۔ قیامت کے دن میں یہ دونوں

تمنائیں بھی موجود ہوں گی اور دونوں قسم کے لوگ بھی حاضر ہوں گے۔ نیز آج جیسے ہم سانپ شیر سے گھبراتے ہیں ایسے ہی مجرم کل قیامت میں اپنے گناہوں سے گھبرائیں گے کہ بد عملیاں ان جانوروں بلکہ بعض ان سے بھی زیادہ ڈراؤنی شکل میں ہوں گی، مجرم ان سے بھاگے گا مگر وہ اعمال اس سے چمٹیں کے چھوڑیں گے نہیں۔ اور ممکن ہے کہ اس تمنا کا تعلق دنیا سے ہو یعنی وہ تمنا کرے گا کہ کاش میں گناہوں سے بہت دور رہا ہوتا۔ ان کے قریب بھی نہ گیا ہوتا۔ اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **یوم یعض الظالم علی یدیہ یقول یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا یویلتی لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا**" ہائے کاش کہ میں نے بچایا ہوتا۔ اس وقت کا پچھتانا بے کار ہے۔ **ویحذرکم اللہ نفسہ** اس کی مکمل تفسیر پچھلی آیت میں ہو چکی۔ پہلے یہ جملہ محبت کفار سے بچانے کے لئے ارشاد ہوا تھا اور اب آخرت کی رغبت دینے اور برائیوں سے بچانے کے لئے ارشاد فرمایا گیا۔ یعنی اللہ تم کو اپنی ذات یا اپنی صفات قہاریت یا اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔ **واللہ رؤف بالعباد۔ رؤف رافتہ** سے بنا بمعنی انتہائی محبت و کرم **العباد** سے یا سارے بندے مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ دنیا میں سب پر مہربان ہے اسی لئے انہیں عذاب سے ڈرایا اور نیک اعمال کا موقعہ دیا اور اپنے قہر و غضب کی انہیں خبر دی۔ جیسے مہربان باپ اپنی محبوب اولاد کو تکلیف دہ چیزوں سے خبردار کر دے اور یا **عباد** سے نیک بندے مراد ہیں۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ قرآن میں **عباد** نیک بندوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے **وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض هونا۔** اور فرماتا ہے۔ **عینا یشرب بہا عباد اللہ۔** فرماتا ہے **قل یا عبادی الذین اسرفوا** الخ۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخرت میں اللہ خاص ان بندوں پر مہربان ہو گا جو حق عبودیت ادا کر کے حاضر ہوں۔ غرضکہ اس آیت کریمہ میں نشتر بھی ہے مرہم بھی، رب تعالیٰ کی جباریت و قہاریت کا خیال کر کے ڈرو اور اس کی رحمت پر دھیان کر کے امید رکھو۔ اس خوف و امید ہی کی بنیادوں پر اسلام کی بنیاد قائم ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے لوگو! اس قیامت کے دن پر ہر وقت دھیان رکھو جس دن ہر شخص اپنے بھلے برے سارے کام اپنے سامنے موجود پائے گا کہ اس کی نیکیاں اچھی شکل میں اس کے ساتھ ہوں گی اور برائیاں بری صورت میں نظر آئیں گی (حدیث شریف) دنیا میں بعض برائیاں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور بعض بھلائیاں بری مگر وہاں ہر چیز اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہو گی کہ بے زکوۃ مال گنجے سانپ کی شکل میں اور روزے، نماز حسین صورتوں میں نظر آئیں گے۔ تب ہر بدکار آرزو کرے گا کہ کاش میں قیامت میں حاضر نہ ہوتا اور اس دن سے دور رہتا یا کاش یہ ڈراؤنی صورتیں مجھ سے دور ہٹ جاتیں یا کاش میں دنیا میں گناہوں سے دور بھاگا ہوتا مگر اس وقت کا پچھتانا کچھ کام نہ دے گا۔ ابھی موقعہ ہے کچھ خیر کما لو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بار بار اپنے قہر و غضب سے ڈراتا ہے اور وہ بندوں پر نہایت ہی مہربان ہے۔ اسی لئے وہ نیکیوں کی رغبت اور گناہوں سے خوف دیتا ہے ورنہ کسی کی نیکی سے اسے کچھ فائدہ نہیں اور کسی کی برائی سے اس کا کچھ نقصان نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قیامت کے دن ہر شخص پر اس کے سارے اعمال ضرور پیش ہوں گے اگرچہ پھر بعض کی بخشش ہو جائے۔ پانا اور چیز ہے اور سزا و جزا ملنا اور **دوسرا فائدہ:** بعض کے خیال میں صرف وہی عمل پیش ہوں گے جن پر سزا جزا ملنے والی ہو۔ معاف شدہ گناہوں کا وہاں ذکر بھی نہ ہو گا۔ بلکہ مسلمان کے بعض

بخشے ہوئے گناہ نیکی کی شکل میں نمودار ہوں گے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے **اولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت** خلاصہ اختلاف یہ ہوا کہ بعض کے نزدیک دکھا کر معافی ہوگی اور بعض کے نزدیک پہلے ہی۔ لہٰذا آیات مغفرت اور اس آیت میں کوئی مخالفت نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** قیامت میں ہر شخص کی نظری طاقت بڑھی ہوئی ہوگی کہ اپنے اعمال و عقائد کو جو عرض تھے وہ دیکھ لے گا۔ **چوتھا فائدہ:** قیامت کا دن پردہ اٹھنے کا دن ہوگا کہ ہر چیز اپنی اصلی حالت میں نظر آئے گی۔ مسلمانوں کو اپنے کافر قرابت داروں سے سخت نفرت ہوگی کیونکہ وہ نہایت بد شکل اور بد صورت نمودار ہوں گے۔ **پانچواں فائدہ:** آیات عذاب بھی خدا کی رحمت ہیں کہ ان کے ذریعہ دل میں خوف پیدا ہوتا ہے جو عبادات کی اصل ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے اعمال ہر شخص پر پیش ہوں گے اور دوسری آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض گناہ مٹا بھی دیئے جائیں گے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے **ان الحسنات یذھبن السیات** اور بعض نیکیاں ضبط کی جاتی ہیں۔ فرماتا ہے **حبطت اعمالھم** ان آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ **ما عملت** سے باقی اعمال مراد ہیں نہ کہ برباد شدہ۔ دوسرے یہ کہ یہاں پیشی کا ذکر ہے اور ان آیتوں میں سزا جزا کا یعنی ہر عمل ہر شخص کو دکھایا ضرور جائے گا خواہ اسے جزا ملے یا نہ ملے۔ مثلاً بعض گنہگاروں سے کہا جائے گا کہ کیا تم نے یہ گناہ کئے تھے عرض کریں گے۔ ہاں مولیٰ قصور ہوا۔ یہ ہوئی پیشی۔ پھر ارشاد ہوگا جاؤ معاف کر دیا یہ ہوئی مغفرت۔ لہٰذا آیتوں میں کوئی مخالفت نہیں۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔** اعمال کا دکھانا مراد ہے۔ ان پر سزا جزا دینا کچھ اور دکھانا سب کے لئے سزا جزا بعض کے لئے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نفس کے ہر عمل پیش ہوں گے تو کیا کافروں کے صدقات و خیرات بھی انہیں دکھائے جائیں گے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ان کا کوئی عمل نیکی ہی نہیں کیونکہ نیکی کی شرط ایمان ہے جس کے بغیر ساری نیکیاں بے کار۔ لہٰذا انہیں جو بھی دکھایا جائے گا وہ بدی ہی ہوگی۔ دوسرے یہ کہ ہاں ضرور دکھائی جائے گی مگر یہ کہہ کر کہ اگر تم ایمان کے ساتھ یہ کام کرتے اجر پاتے۔ مگر چونکہ بغیر ایمان تم نے یہ نیکیاں کیں۔ لہٰذا برباد گئیں۔ غرضکہ کفار کے لئے اپنی نیکیاں دیکھنا باعث ملال ہوگا اور مغفور گنہگار کے لئے گناہ دیکھنا باعث خوشی۔ حدیث شریف میں ہے کہ پاس شدہ مومن کو قبر میں پہلے اس کا دوزخ والا ٹھکانا دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آج تو پاس نہ ہوتا تو تیرا ٹھکانہ یہ تھا۔ اللہ نے تجھ پر کرم فرمایا کہ تو پاس ہو گیا۔ اب تیرا ٹھکانہ یہ ہے۔ پھر جنتی جگہ دکھاتے ہیں تاکہ اس کی خوشی دوبالا ہو جائے۔ قبر میں فیل ہو جانے والے سے معاملہ برعکس ہوتا ہے کہ پہلے اسے جنتی ٹھکانہ دکھاتے ہیں کہ اگر تو پاس ہو جاتا تو تیرا ٹھکانہ یہ ہوتا اب چونکہ تو فیل ہو گیا۔ دیکھو اب تیرا ٹھکانہ یہ ہے تاکہ اسے غم پر غم ہوں۔ ایسے ہی قیامت میں مومنوں کو ان کے گناہ دکھا کر معافی دی جائے گی۔ اور کفار کو ان کے نیک اعمال دکھا کر ضبطی کا اعلان ہوگا۔ تاکہ مومن کو خوشی پر خوشی ہو۔ کافر کو غم پر غم۔ یہاں تک کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بعض مغفور گنہگاروں کو بعوض گناہ نیکیاں عطا ہوں گی تو وہ باقی گناہ تلاش کریں گے کیونکہ وہ دیکھیں گے کہ یہاں تو خطا پر عطا ہو رہی ہے۔

دیکھا جب شافع محشر کو طرف داروں میں ۔۔۔ بے گناہ کہنے لگے ہم ہیں گنہگاروں میں

غرضکہ بخشا ہوا گناہ نامقبول نیکی سے افضل ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اعمال عرض ہیں جن کا بقا نہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ غیر باقی عرض بلا جوہر نظر آجائیں یہ بات عقل میں نہیں آتی۔ **جواب:** اس عالم کے احکام یہاں سے جداگانہ ہیں۔ وہاں اعمال کو

صورت دی جائے گی اور یہ رب کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں۔ دنیا میں بھی اگلے واقعات جسمانی صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں بادشاہ مصر نے قحط سالی کو خشک بالیوں اور دبلی گایوں کی شکل میں اور ارزانی کو تر بالوں اور موٹی گایوں کی شکل میں دیکھا تھا۔ اب بھی سفیدی اور نورانیت کامیابی کی علامت ہے اور سیاہی و ظلمت ناکامی کی' جو کوئی دعائے استخارہ پڑھ کر سوئے اور کسی کام کے متعلق کامیابی یا ناکامی معلوم کرنا چاہے تو خواب میں نور کامیابی کی علامت ہے اور گدلا پانی ناکامی کی۔ جو رب سر کے میل کو جوں کی شکل اور چارپائی کے میل کو کھٹل کی شکل بخش سکتا ہے وہ برے بھلے اعمال کو صورت دے کر ان میں جان ڈال سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : انسان جو کچھ کرتا ہے اس کے اعمال کا اثر اس کے نفس میں نقش ہو جاتا ہے اور بار بار کرنے پر وہ مضبوط ملکہ بن جاتا ہے۔ گویا نفس انسانی زمین کا لوح محفوظ یا آئینہ حقیقت نما ہے مگر چونکہ دنیا میں نفس وہمی و خیالی چیزوں میں مشغول ہوتا ہے اس لئے ان نقوش پر اس کی نظر نہیں پہنچتی۔ مرنے کے بعد چونکہ یہ کوئی مشغلہ نہ رہے گا تب اسے وہ تمام نقوش و ہیئتیں نظر آئیں گی۔ بھلائیوں پر تو خوش ہو گا اور برائیوں پر سخت غمگین۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **احصاہ اللہ و نسوہ** تب گناہوں سے دور رہنے کی تمنا کرے گا۔ اسی کا یہاں ذکر ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر خیالے کو کند در دل وطن! روز محشر صورتے خواہد شدن

سیرتے کاں در وجودت غالب است ہم بر آں تصویر حشرت واجب است

عاقل کو چاہئے کہ اپنے نفس کو برے اخلاق سے پاک و صاف رکھے اور روزانہ کے عمل پر غور بھی کر لیا کرے۔ ایک دن حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اے لوگو! اپنی نیکیوں کی زیادتی اور گناہوں کی کمی پر فخر نہ کرو اور کسی کے متعلق کوئی رائے قائم نہ کرو جب تک کہ اس کے خاتمہ کا حال معلوم نہ ہو۔ کیونکہ خاتمہ کا ہی اعتبار ہے (ابن عربی و روح البیان)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ

فرماؤ کہ اگر ہو تم محبت کرتے اللہ سے پس پیروی کرو میری محبوب بنائے گا تم کو اللہ اور بخش دیگا

اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں دوست

ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ

واسطے تمہارے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے فرما دو کہ اطاعت کرو اللہ اور پیغمبر کی پس اگر

رکھے گا اور تمہارے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے تم فرما دو کہ حکم مانو اللہ اور

تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ۝

منہ پھیریں تو پس اللہ نہیں پسند کرتا کافروں کو

رسول کا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کو کفار سے علیحدگی کا حکم دیا گیا اور ان سے محبت کی ممانعت کی گئی۔ اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ گویا پہلے پرہیز کا ذکر تھا اب علاج کا یا پہلے نہ کرنے والے کام بتائے گئے اب کرنے والی چیز کا حکم ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کی محبت سے منع کیا گیا تھا اب وہ بہترین چیز بتائی جا رہی ہے جس سے محبت کفار خود بخود دل سے نکل جائے۔ یعنی اطاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ جب تک محبوب سے حجاب ہے تب تک غیر پر نظر ہے۔ جن آنکھوں نے قدم پاک مصطفیٰ دیکھ لیا (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ پھر کسی اور کو کیا دیکھیں۔ جس دل میں محبت خدا اور رسول ہو اس میں دوسری محبتوں کی جگہ ہی نہیں۔

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں کون آنکھوں میں جچے دیکھ کے تلوا تیرا!

گویا پہلے بڑی سخت چیز کا حکم دیا گیا کہ کفار سے محبت توڑ دو۔ ان سے رشتے قرابتیں کاٹ دو۔ یہ کام ہر شخص کے لئے آسان نہ تھا۔ اب وہ چیز بتائی جس سے یہ سب کچھ آسان ہو جائے۔ یعنی عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کیونکہ عشق ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ڈرا دھمکا کر دعوت ایمان دی گئی تھی اب محبوبیت کا لالچ دے کر ان سب کو ایمان کی طرف بلایا جا رہا ہے کہ اگر تم اس رسول کی اطاعت کرو گے تو خدا تمہیں پیارا بنا لے گا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں رب کے غضب و قہر کا ذکر تھا۔ اب اس کی رحمت خاصہ کا تذکرہ ہے کہ کوئی سختی سے مانتا ہے اور کوئی نرمی سے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف یعنی بہت ہی مہربان ہے۔ اب ان بندوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن پر اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے۔ یعنی رحمت دینے والے رب کا ذکر پہلے ہوا اور رحمت لینے والے بندوں کا ذکر اب ہے جو رحمت لینے کے لائق ہوں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و متبع۔ **چھٹا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ قیامت میں سب کے اعمال سامنے آجائیں گے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر پردہ پوشی چاہتے ہو تو محبوب کی اتباع و پیروی کرو۔ اس کی برکت سے تمہارے عیوب پر دنیا و آخرت میں دوسرے لوگ اطلاع نہ پائیں گے۔

شان نزول : ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جماعت قریش پر گزرے۔ جنہوں نے بت گاڑے ہوئے تھے اور انہیں آراستہ کر رہے تھے اور ان کے سامنے سجدہ میں گرتے تھے۔ تو فرمایا کہ اے گروہ قریش تم نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی مخالفت کی۔ قریش نے کہا کہ ہم ان بتوں کو اللہ کی محبت میں پوجتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اس سے قریب کر دیں تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن و خزائن و کبیر وغیرہ) (2) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب ابن اشرف یہودی اور اس کے تابعین کو دعوت ایمان دی۔ وہ بولے کہ ہم تو اللہ کے پیارے ہیں۔ ہمیں تمہاری کیا ضرورت۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان) (3) جب نجران کے عیسائی الوہیت مسیح کے مسئلہ میں دلائل سے عاجز ہو گئے تو بولے کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفتیں اللہ کی محبت کے لئے ثابت کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ ہمیں وہ نصیب ہو۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر) اخیر روایتیں زیادہ قوی معلوم ہوتی ہیں کیونکہ یہ سورہ مدنی ہے۔ ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے پہلے تبلیغ کے لئے بیت اللہ شریف لے ہی نہیں گئے اور نہ وہاں قریش سے اس گفتگو کا موقعہ ملا۔ صلح حدیبیہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کی حدود میں تشریف لے گئے' اندر نہ گئے۔ عمرۃ القضاء میں اگرچہ اندرون شہر داخلہ ہوا مگر اس دن کفار سے یہ گفتگو نہ ہوئی' یہ داخلہ عارضی تھا۔

تفسیر: **قل ان کنتم تحبون اللہ۔** **قل** میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور **کنتم** میں یا مشرکین یا یہود یا عیسائیوں یا سارے انسانوں سے خطاب ہے۔ خیال رہے کہ **قل** فرمانے میں صدہا راز ہیں کبھی **قل** وہاں ارشاد ہوتا ہے جہاں وہ بات صرف حضور ہی کہہ سکتے ہیں۔ دوسروں کو کہنے کا حق نہ ہو۔ جیسے **قل انما انا بشر مثلکم۔** صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنے کو بشر فرما سکتے ہیں۔ ہم بشر کہہ کر پکاریں تو مجرم ہیں۔ جیسے انبیاء کرام نے اپنے کو ظالم یا ضال فرمایا۔ اگر ہم انہیں یہ کہیں تو ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ اور کبھی دوسروں کے کہلوانے کے لئے بھی **قل** ارشاد ہوتا ہے جیسے **قل ھو اللہ احد** یعنی لوگوں سے آپ کہو کہ اللہ ایک ہے۔ پھر لوگ آپ سے سن کر کہیں کہ اللہ ایک ہے تو وہ مومن ہوں گے۔ خود بخود توحید مان لینے کا نام ایمان نہیں۔ توحید تو ابلیس بھی مانتا ہے۔ یہاں **قل** پہلی قسم کا ہے کیونکہ حضور کے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میری ہی بات کا اتباع کرو۔ صرف مطابق شرع چیزوں میں اوروں کی اتباع ہو سکتی ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل اور حکم کی اتباع ضروری ہے' اگرچہ وہ حکم قرآن کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے ابو خزیمہ کی گواہی دو کے برابر فرمادی۔ سراقہ کو سونے کے کنگن پہننے کی اجازت دے دی۔ حضرت علی کو فاطمہ زہرہ کی موجودگی میں دوسرے نکاح کی ممانعت فرمادی۔ نیز خدا تک پہنچنا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ہوگا۔ دوسرے کی اتباع خدا تک نہیں پہنچا سکتی۔ **تحبون۔** **حب** سے بنا' معنی پسند کرنا اور نفس کا کسی اعلیٰ شی کی طرف مائل ہونا۔ حب دراصل **قلب** کے سیاہ دانہ کو کہتے ہیں۔ چونکہ محبت کا تعلق قلب کے اس دانہ سے ہے' اس لئے اسے **حب** کہا جاتا ہے۔ **تحبون** سے یا محبت کرنا ہی مراد ہے یا ارادۂ محبت۔ لفظ اللہ کو مفعول بنا کر یہ بتایا کہ اگر تم خدا کے چاہنے والے اور اس کے طالب بننا اور اس کو اپنا محبوب کرنا چاہتے ہو تو **فاتبعونی۔** یہ اتباع سے بنا جس کا مادہ **تبع** ہے' معنی پیچھے۔ اتباع پیچھے چلنا۔ یعنی نہ تم میرے بھیا بن کر برابر ہونے کی جرات کرو نہ بڑا کے آگے بڑھو بلکہ غلام بن کر میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ اصطلاح میں کامل اطاعت اور خالص پیروی کو اتباع کہا جاتا ہے جس میں فنا کا ظہور ہو۔ اطاعت کے معنی ہیں فرمان پر عمل۔ اتباع کے معنی ہیں کسی کی اداؤں کی نقل کہ جو کچھ اسے کرتے دیکھا خود کرنے لگے' وجہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اتباع ناقص بھی ہوتی ہے کامل بھی۔ حضور علیہ السلام نے چار قسم کے کام کئے۔ فرائض' واجبات' مستحبات' عادات۔ ان عادات کو سنن زوائد کہتے ہیں۔ صرف فرائض اور واجبات میں اتباع ناقص اتباع ہے۔ ان چاروں اعمال شریف کی اتباع کامل اتباع ہے۔ جس قدر اتباع کامل ہوگی اسی قدر رب تعالیٰ کی محبوبیت اعلیٰ۔ غرضکہ **اتبعونی** اور **یحببکم اللہ** میں بڑی وسعت ہے اگر تم نے ایک یہ کام کرلیا تو تمہیں دو عظیم الشان انعام ملیں گے۔ ایک یہ کہ **یحببکم اللہ الخ۔** اس **کم** میں بھی وہی احتمالات ہیں جو **کنتم** میں تھے کہ اس میں کسی خاص جماعت سے خطاب ہو یا عام سے۔ یعنی اب تک تو تم خدا کے طالب بننا چاہتے تھے' لیکن پھر اس کا برعکس ہوگا کہ رب تمہیں اپنا مطلوب و محبوب کرے گا اور دوسرا انعام یہ کہ **ویغفر لکم ذنوبکم۔** **یغفر** اور **ذنوب** کی لغوی تحقیقات بارہا بیان ہو چکیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ **ذنوب** سے سارے حق اللہ اور تمام چھوٹے بڑے گناہ مراد ہیں اور **کم** میں سب سے خطاب۔ **لکم** میں لام نفع کا ہے یا ملکیت کا۔ یعنی اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ تمہارے سارے اگلے پچھلے چھوٹے بڑے کھلے چھپے گناہ معاف کردے گا **واللہ غفور رحیم۔** اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ مگر اس کی ان صفتوں کے مظہر غلامان مصطفیٰ ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) دشمنان رسول پر صفت قہر کا ظہور ہوا کرے گا۔ اگر تم سے پوری اتباع نہ ہو سکے تو **قل اطیعوا اللہ والرسول الخ۔** بعض روایتوں

میں ہے کہ جب پچھلی آیت اتری تو عبداللہ ابن ابی سلول منافقوں کا سردار بولا کہ دیکھو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فرمانبرداری کو رب تعالیٰ کی اطاعت کی طرح بنادیا اور ہمیں اپنے ساتھ ایسی محبت کا حکم دیا جیسے عیسائی عیسیٰ علیہ السلام سے کرتے ہیں' تب یہ آیت آئی (خازن) اور یہود بولے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا بننا چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو خدا بنالیں جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنالیا۔ تب یہ آیت اتری (مدارک) قل میں بھی حضور علیہ السلام سے خطاب ہے اور **اطیعوا** میں سب لوگوں سے اللہ اور رسول دونوں کے لئے ایک ہی **اطیعوا** ارشاد ہوا کیونکہ رب تعالیٰ کی اطاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں ہے مگر چونکہ ان دونوں کی نوعیتوں میں فرق ہے کہ رب تعالیٰ کی اطاعت صرف احکام میں ہوگی نہ کہ افعال میں اور حضور علیہ السلام کی اطاعت ساری چیزوں میں۔ اس لئے بعض جگہ **اطیعوا** مکرر لایا گیا کہ فرمایا گیا **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول**۔ خیال رہے کہ اطاعت صرف احکام میں فرمانبرداری کرنے کو کہتے ہیں لہٰذا اس کا درجہ اتباع کے بعد ہے اس لئے اس کا ذکر اتباع کے بعد ہوا (روح البیان) اور اتباع کے ساتھ محبوبیت کا ذکر ہوا اور اطاعت کے لئے فرمایا گیا **فان تولوا فان اللہ لا یحب الکفرین**۔ **تولوا** کی لغوی تحقیق بارہا ہو چکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ جمع مذکر غائب ماضی بھی ہو سکتا ہے اور جمع حاضر مضارع بھی۔ پہلی صورت میں یہ رب کا فرمان ہو گا اور دوسری صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یعنی اگر وہ لوگ اطاعت سے منہ موڑیں یا آپ فرمادو کہ اگر تم نے اطاعت سے منہ موڑا تو کافر ہو جاؤ گے اور خدا کے دشمن۔ کیونکہ اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے فرمادو جو آپ کے بغیر وسیلہ ہماری محبت کا دم بھرتے ہیں یا جو اپنے کو رب کا پیارا جان کر آپ سے بے نیاز ہونا چاہتے ہیں یا جو آپ کی اطاعت کے سوا دوسرے اسباب سے خدا تک پہنچنا چاہتے ہیں' ان سب کو اعلان عام کردو کہ اے عیسائیو! یہودیو' ہندیو' سندھیو' عابد اور ریت پرستو! اگر تم خدا سے محبت کرنا چاہتے ہو تو نہ مجھ سے مقابلہ کرو' نہ میری برابری کا دم بھرو نہ مجھ سے آگے آگے چلو بلکہ غلام بن کر میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ اپنے اقوال' افعال' اعمال' غرض زندگی کے ہر شعبہ کو میری مثال بنادو اور مجھ میں فنا ہو جاؤ' تو تم رب کے طالب بننا چاہتے ہو۔ پھر معاملہ برعکس ہو گا کہ رب تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تم جو چاہو گے وہ کرے گا اور پھر تمہیں یہ خطاب آئے گا

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ‌‌ ‌ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

کیونکہ میں رب کا محبوب ہوں اور محبوب کے غلام بھی محبوب ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی تمہارے سارے گناہ معاف فرما دے گا کیونکہ اللہ بڑا غفار اور ارحم الراحمین ہے' تم اپنے کو اس کی مغفرت اور رحمت کا اہل بناؤ۔ پھر لطف دیکھو۔ اور یہ بھی اعلان کردو کہ اے لوگو اللہ و رسول کی اطاعت کرو اور فرائض و واجبات میں ان کی پیروی لازم جانو اگر وہ اس سے منہ موڑیں تو وہ کافر ہیں اور اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا خواہ کچھ بھی کریں' رب کے دشمن ہی رہیں گے۔ خیال رہے کہ یہ آیت پر لطف ہے اس لئے کہ اطاعت تین قسم کی ہوتی ہے' اطاعت محبت کی جیسے والدین کی فرمانبرداری۔ اطاعت ڈر کی جیسے حاکم کا حکم ماننا۔ اطاعت لالچ کی جیسے نوکر کا اپنے آقا کی فرمانبرداری کرنا۔ حضور علیہ السلام سے صرف محبت کی اطاعت چاہئے' خوف و لالچ کی اطاعت تو منافقین بھی کرتے تھے۔ اسی لئے آیت کو محبت سے شروع فرمایا کہ **ان کنتم تحبون اللہ**۔ **تخافون اللہ** یا **تطمعون** نہ فرمایا۔ لالچ یا خوف کی اتباع عارضی ہوتی ہے کہ جب تک لالچ یا خوف ہے' اتباع ہے۔ یہ دونوں قسم کی اطاعت و

اتباع بھی ختم مگر محبت کی اتباع دائمی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی اتباع چاہئے جس کے لئے زوال نہیں۔ دیکھ لو آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہو رہی ہے حالانکہ نہ کوئی دھمکی ہے نہ لالچ۔ انکم ٹیکس وصول کرنے کے لئے محکمے بنائے جاتے ہیں۔ جن پر لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں پھر بھی بمشکل وصول ہوتا ہے مگر زکوۃ و قربانی و حج بغیر کسی محکمہ کے برابر ادا ہو رہے ہیں اور پھر محبت کی بھی تین قسمیں ہیں۔ محبت مع عظمت 'جیسے اپنے استاد یا والدین سے محبت اور محبت مع برابری 'جیسے اپنے بھائی یا بہن یا بیوی سے محبت اور محبت مع حقارت 'جیسے اپنے چھوٹے بچے سے محبت کہ اگرچہ اسے پیارا جانتے ہیں مگر اپنا چھوٹا سمجھتے ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت انتہائی عظمت کے ساتھ چاہئے۔ اسی لئے محبت کے ساتھ اتباع اور اطاعت کا ذکر ہوا۔ غرضکہ اس کا پہلا جز یعنی **تحبون اللہ** دوسرے جز **فاتبعونی** کی شرح کر رہا ہے اور دوسرا جز پہلے کی۔ نیز خیال رہے کہ محبت کے تین درجے ہیں۔ زبانی 'جنانی یعنی دلی اور روحانی و ایمانی۔ حضور علیہ السلام سے محض زبانی محبت کافی نہیں بلکہ روحانی 'دلی اور ایمانی چاہئے۔ چنانچہ فرمایا کہ تم میں اس وقت کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کی اولاد ماں باپ بلکہ اس کی جان سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔ تفسیر روح البیان نے بحوالہ بخاری عبداللہ ابن ہشام سے روایت کی کہ ایک بار عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ! آپ مجھے میری جان کے سوا باقی تمام چیزوں سے پیارے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے جان سے زیادہ عزیز نہ ہوں۔ عمر فاروق نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ! رب کی قسم اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ فرمایا **الان یا عمر**۔ اے عمر اب تمہارا ایمان کامل ہوا۔ نیز خیال رہے کہ کوئی کتنا ہی بڑا عابد ہو اور اس کے دل میں حضور علیہ السلام کی عظمت نہ ہو 'وہ شیطان کی طرح رب سے دور ہے۔ وہی ڈبے منزل تک پہنچتے ہیں جو انجن کے پیچھے لگ جائیں گے۔ آگے رہنے والے ڈبے سٹ ونٹ ہو کر وہاں ہی رہ جاتے ہیں۔ **فاتبعونی** میں یہ ہی بتایا گیا ہے **اتباع** **تبع** سے بنا بمعنی پیچھے چلنا۔ اس طرح کہ اگلے کے قدم پر قدم رکھنا کہ راستہ کے غار و خار وغیرہ کا اگلا ذمہ دار ہو۔ یہ پچھلا تو صرف اس کے قدم پر قدم رکھے جیسے ریل کے ڈبے انجن کی اتباع کرتے ہیں کہ لائن کی صفائی سگنل وغیرہ انجن والے دیکھیں۔ ڈبہ اور ڈبہ والے صرف انجن کے پیچھے دوڑیں۔ یہاں **اتبعونی** فرما کر اس جانب اشارہ کیا کہ میرے محبوب کی پیروی عقل کے ماتحت نہ کرو بلکہ عشق کے ماتحت کرو۔ عشق اندھا ہو کر محبوب کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے۔ سب کی باتیں سوچ سمجھ کر مانو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں 'حضور کا فعل بے سوچے سمجھے کرو جیسے بچہ ماں باپ کی نقل بے سوچے سمجھے کرتا ہے یا بیمار طبیب کا نسخہ بے سوچے سمجھے لیتا ہے اس اتباع پر مدار ایمان ہے یہاں عقل کو چھوڑنا کمال ہے ع

عقل قرباں کن بہ پیش مصطفیٰ

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کے محبوب اعلیٰ ہیں کہ جب ان کے غلام رب کے محبوب ہیں تو جن کی بدولت غلاموں کو یہ شرف ملا ان کی محبوبیت کا کیا پوچھنا 'نیز حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو ان کی اطاعت کے ساتھ ملایا۔ **دوسرا فائدہ:** جو حضور علیہ السلام کی محبت کا دعویٰ کرے اور ان کی سنت کا مخالف ہو وہ بشہادت قرآن جھوٹا ہے۔ جیسا کہ **فاتبعونی** سے معلوم ہوا کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

تعصی الرسول وانت تظهر حبه　　ھذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقاً لا طعته　　ان المحب لمن یحب مطیع!

عشق کا قانون اور محبت کا قاعدہ یہ ہے کہ عاشق کو محبوب کی ہر شے پیاری ہو اس کی سیرت اس کی صورت بلکہ اس محبوب کے غلاموں اس کے وطن اس کے ملک اس کے محلہ اور درودیوار بلکہ سگان کو عزیز ہوں۔ مجنوں عامری نے کیا خوب کہا۔

امر علی الدیار دیار لیلی　　اقبل ذا الجدار و ذا الجدار
وما حب الدیار شغفن قلبی　　ولکن حب من سکن الدیار

یعنی میں لیلیٰ کے دیار میں پہنچ کر وہاں کے درودیوار چومتا ہوں۔ مجھے ان دیواروں سے محبت نہیں بلکہ اس سے محبت ہے جس کے وطن کی یہ دیواریں ہیں۔ تیسرا فائدہ: اتباع اور اطاعت میں بڑا فرق ہے۔ اتباع خاص ہے اور اطاعت عام۔ اس لئے اتباع کے ساتھ محبوبیت کا ذکر کیا اور اطاعت کے ساتھ سزا کا کہ اگر اس سے بھی روگردانی کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ اطاعت رب تعالیٰ' نبی' سلطان' شیخ' ماں باپ' استاد سب کی ہو سکتی ہے مگر اتباع صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو گی۔ اتباع رب تعالیٰ کی بھی نہیں ہو سکتی۔ اتباع کا معنی ہے کسی کی دیکھا دیکھی عمل کرنا رب تعالیٰ روزانہ صدہا کو موت دیتا ہے ہم ایک کو بھی مار دیں تو قتل کئے جاویں۔ غرضکہ اتباع رب تعالیٰ کی بھی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے **اتبعوا** کے ساتھ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا اور اطاعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ' رسول' اولوالامر سب ہی کا ذکر ہوا **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم**۔ یہ فرق بہت خیال میں رہے۔ چوتھا فائدہ: محبت تین قسم کی ہے۔ طبعی' عقلی' احسانی۔ حضور علیہ السلام سے محبت طبعی چاہئے۔ فقط عقلی اور احسانی کافی نہیں جیسا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا جس میں فرمایا گیا کہ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام سے مقابلتہً اولاد' ماں باپ' بلکہ اپنی جان سے زیادہ محبت ہو اور ظاہر ہے کہ اولاد اور جان سے طبعی محبت ہوتی ہے نہ کہ محض عقلی۔ پانچواں فائدہ: حضور کی محبت اور اطاعت پر شرک و کفر کا فتویٰ لگانا طریقہ یہود و منافقین ہے جیسا کہ ہم دوسری آیت **اطیعوا اللہ والرسول** کی شان نزول بحوالہ تفسیر خازن و مدارک بیان کر چکے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اتباع کا حکم دیا تو منافقین اور یہود نے کہا کہ حضور ہم سے نصاریٰ جیسی محبت کراتے ہیں اور انہیں خدا بننے کا شوق ہے' اس لئے اپنی اتباع کو رب کی محبوبیت کا ذریعہ بتاتے ہیں۔ اس واقعہ سے دیوبندیوں کو عبرت پکڑنی چاہئے۔ وہ حضور علیہ السلام کی محبت پر شرک و کفر کے فتوے لگاتے رہتے ہیں۔ چھٹا فائدہ: صرف حضور علیہ السلام کی محبت اور اطاعت خدا رسی کا ذریعہ ہے۔ حضور کو چھوڑ کر کوئی عمل کسی کی اطاعت رب تک نہیں پہنچا سکتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں ہماری اتباع کرنی پڑتی۔ عالم دین یا شیخ یا ولی اپنے متبعین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ تک پہنچانا صرف حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا کام ہے۔ جو پیر وعدہ کرے کہ میں خدا تک پہنچا سکتا ہوں' وہ جھوٹا ہے۔ لاہور کا تانگہ سواری کو کراچی نہیں پہنچا سکتا وہ صرف اسٹیشن پر پہنچا سکے گا۔ کراچی پہنچانا ایکسپریس کا کام ہے۔ ساتواں فائدہ: اطاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا میں ایمان اور آخرت میں جنان ہاتھ آتے ہیں مگر اتباع مصطفیٰ علیہ السلام سے دنیا میں عرفان' ایمان اور محبوبیت یزدان اور آخرت میں لقائے رحمٰن نصیب ہوتے ہیں۔ حضور سرکار بغداد محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خداداد اختیارات اور شان محبوبیت بتا کر فرماتے ہیں۔

وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال

یعنی مجھے یہ تمام بہاریں غلامی سرکار کی وجہ سے حاصل ہوئیں۔ آٹھواں فائدہ: سارا جہان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہے اور سب جن وانس فرشتے' جانور' شجرو حجر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ولازم ہے کیونکہ قل کے ساتھ یہ نہ فرمایا کہ کسی سے فرمادو۔ مطلب یہ ہوا کہ میری ساری مخلوق سے فرمادو۔ اس لئے اونٹوں بکریوں نے حضور کی اطاعت کی۔ ہاں ہر مخلوق اپنی حیثیت کے لائق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گی۔ جیسے ہر انسان اپنی حیثیت کے لائق حضور کی اطاعت کرتا ہے کہ امیر آدمی نماز' روزہ وزکوۃ سب کچھ ادا کرتا ہے' غریب صرف نماز۔ قل فرمانے میں لطیف اشارہ یہ ہے کہ فرمادو آپ' آپ کا فرمان عالی لوگوں تک پہنچانا ہمارا کام۔ ساری مخلوق تک ہم پہنچادیں گے۔ حضرت خلیل کی آواز حج سارے انسانوں تک ہم نے پہنچائی۔ خیال رہے: کہ اگرچہ رسول دنیا میں بہت تشریف لائے مگر قرآن کریم میں جہاں اطاعت کے ساتھ رسول کا ذکر ہو گا وہاں ہمارے رسول مراد ہوں گے کہ ایمان سب رسولوں پر ہے مگر اطاعت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ حضور اللہ کے بھی رسول یعنی اس کے پیغام پہنچانے والے اور ہمارے بھی رسول ہیں۔ یعنی ہماری التجائیں دعائیں رب تک پہنچانے والے۔ قرآن پر عمل اللہ کی اطاعت ہے۔ حدیث پر عمل رسول کی اطاعت۔ فرائض کی پابندی اللہ کی اطاعت ہے۔ سنن کی پابندی رسول کی اطاعت۔ یا یوں کہو کہ حضور کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے **والرسول** میں واو عطف تفسیری کا ہے۔ فرائض وسنن غذا وپانی کی طرح ہیں کہ فرائض روحانی غذائیں سنتیں رحمت کا پانی۔ منکرین حدیث اس آیت پر عمل نہیں کرسکتے۔

پہلا اعتراض: یہ عجب تماشا ہے کہ جو کوئی محمد صاحب کی طرف ہو جائے تو خدا بھی اس کی طرف ہو جائے اور وہ دوسروں کو ستانے کے لئے جو گناہ کرے وہ معاف ہو جائیں۔ بھلا ایسی باتیں بچے خدا کی ہوسکتی ہیں (ستیارتھ پرکاش)' جواب: پنڈت جی نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ خدا ہمیشہ حق کی طرف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں جو ان کی غلامی کرے گا وہ حق پر ہو گا لہذا خدا اس کی طرف ہو گا۔ یہ تو عین انصاف ہے اور تم نے ستانے کے معنے کہاں سے نکالے۔ آیت میں ارشاد ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے گناہ بخش دیئے جائیں گے' بندوں کے حقوق کا ذکر تو نہیں ہے۔ یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ قاتل مقروض وغیرہ مسلمان ہو جائیں تو ان کا قتل و قرض معاف ہو جاتا ہے۔ حقوق بہرحال ادا کرنے پڑیں گے۔ ہاں اسلام کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اسلام وہ سمندر ہے جو ہر گندگی کو دور کر دیتا ہے یہ آریہ دھرم نہیں کہ جس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔ دوسرا اعتراض: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طبعی محبت ایمان کا مدار ہے تو چاہئے کہ کوئی مسلمان نہ ہو۔ کیونکہ ہر ایک کو اپنی اولاد اور جان مال سے قدرتی طور پر میلان طبع زیادہ ہوتا ہے۔ اولاد کی خاطر انسان گناہ بھی کر لیتا ہے۔ لہذا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا مطلب یہی ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقلی محبت زیادہ ہو یعنی مومن کی عقل تقاضا کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونی چاہئے (دیوبندی) جواب: یہاں صرف محبت عقلی مراد نہیں بلکہ محبت طبعی ہی مراد ہے جیسا کہ اولاد اور ماں باپ کے مقابلہ سے معلوم ہوا اور الحمدللہ ہر سنی مسلمان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت طبعی ہوتی ہے۔ سینوں کی جاہل عورتیں کافر اولاد کو منہ نہیں لگاتیں۔ گناہ غفلت کا نتیجہ ہے نہ کہ محبت نہ ہونے کا۔ بے وقوف بیمار بدپرہیزی کرکے بیماری بڑھالیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسے اپنی جان سے محبت نہیں۔ محبت تو ہے مگر غفلت ہے یہ حرکت

کر بیٹھا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا **یغفرلکم ذنوبکم** رب تمہارے سارے گناہ معاف کردے گا اور ذنوب میں حقوق بھی داخل ہیں تو چاہئے کہ نو مسلم کے پچھلے قرض اور خون بھی معاف ہو جائیں۔ جواب: حق العبد کہتے ہی اسے ہیں جو بغیر بندہ کے معاف کئے معاف نہ ہو اور حق اللہ وہ ہے جس میں بندہ کی معافی کی ضرورت نہ پڑے۔ ہر حق عبد میں اللہ کا بھی حق ہے۔ جو بندہ کا حق مارتا ہے وہ رب کا قانون توڑتا ہے۔ اسلام کی برکت سے حق اللہ معاف ہو جائے گا۔ مگر بندہ کا حق ادا کرنا ہو گا۔ ہم اس کی پوری تحقیق دوسرے پارہ میں حج کے بیان میں کرچکے۔ چوتھا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں اور منزل مقصود پر پہنچ کر وسیلہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اپنا اسٹیشن آجانے پر ریل چھوڑ دی جاتی ہے' تو چاہئے کہ جو کوئی خدا تک پہنچ جائے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دے؟ جواب: محض وسیلہ چھوٹ جاتا ہے مگر جس وسیلہ سے مقصود وابستہ ہو وہ کبھی نہیں چھوٹتا۔ گیس' بجلی' روشنی کا وسیلہ ہیں مگر روشنی حاصل کرنے کے بعد انہیں چھوڑ نہیں سکتے ورنہ پھر اندھیرا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسری قسم کے وسیلہ ہیں' اس لئے ہر ولی' غوث' کلمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ضرور لے گا۔ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام ضرور کرے گا۔ غرضکہ ان کے ساتھ تعلق دنیا میں بھی ضروری ہے اور آخرت میں بھی۔

تفسیر صوفیانہ : حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم محبوبیت کے مرکز ہیں اور مرکز کا فیض دائرہ کے ہر نقطہ پر پہنچتا ہے۔ آپ کی اطاعت اور اتباع آپ سے ظاہری و باطنی مناسبت کا ذریعہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے مناسبت باطنی' مناسبت قلبی' مناسبت روحی' مناسبت سری پیدا ہوتی ہے۔ اسی مناسبت کی وجہ سے تابعدار کو محبوبیت کا کچھ حصہ مل جاتا ہے اور اس قطب محبوبیت سے محبوبیت کے انوار اس کو بھی منور کر دیتے ہیں۔ جتنی اتباع قوی اتنی مناسبت زیادہ اور جتنی مناسبت زیادہ اتنی نورانیت غالب اور جتنی نورانیت غالب اتنی محبوبیت ظاہر۔ حضور کی مخالفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری پیدا کرتی ہے جو مجوری کا ذریعہ ہے۔ دائرہ جس مرکز سے قریب اسی قدر اس کا جھکاؤ زیادہ۔ جب اتباع کی برکت سے محبوبیت مل گئی اور یہ غلام آقا کا مظہر ہو گیا تو ان کے صفات اس میں نمودار ہونے لگے جیسے کوئلہ سے آگ۔ اور ان سے تو فرمایا گیا۔ **لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر**۔ لہٰذا اس تابعدار غلام سے بھی فرمایا کہ **یغفرلکم ذنوبکم** اللہ تعالیٰ غفور ہے وہ فنافی الرسول کے ذاتی اور صفاتی گناہوں کو مٹاتا ہے اور رحیم ہے کہ اسے حقانی صفات عطا فرماتا ہے۔ چونکہ یہ اتباع و فنا بہت مشکل اور بلند چیز ہے' اس لئے آسان چیز کی طرف بھی دعوت دی گئی جس کا نام ہے مقام ارادت۔ اور فرمایا **قل اطیعوا اللہ والرسول** یعنی اگر تم محبت کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے تو ارادت سے محروم نہ رہو اگر محبین نہیں بن سکتے تو مطیعین و متبعین تو بن جاؤ۔ اگر لوگ اس سے بھی روگردانی کریں تو وہ محجوب ہیں اور اللہ تعالیٰ محجوب کو دوست نہیں رکھتا۔

حکایت : سلطان محمود غزنوی نے شیخ ربانی ابوالحسن خرقانی سے پوچھا کہ بایزید بسطامی کی کیا شان ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ شیخ کامل ہیں جو ان کی زیارت کرلے جنتی ہو جائے۔ سلطان نے عرض کیا کہ ابوجہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رات دن دیکھا اور جنتی نہ ہوا' بایزید کا دیکھنے والا جنتی کیونکہ ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا کہ رب کی قسم ابوجہل نے محمد رسول اللہ کو دیکھا ہی نہیں۔ اس نے محمد بن عبداللہ کو دیکھا اگر وہ محمد رسول اللہ کو دیکھتا تو کبھی جہنمی نہ رہتا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وتراھم ینظرون**

الیک وھم لا یبصرون۔ آنکھ سے دیکھنا نظر ہے اور دل سے دیکھنا بصیرت (روح البیان واز ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں دوزخ کے راستے صدہا ہیں۔ جنت کی ایک ہی پگ ڈنڈی ہے۔ پگ ڈنڈی ایسی مختصر ہوتی ہے کہ پیچھے والا آگے والے کے برابر ہو کر آگے نکل سکتا ہی نہیں۔ بڑی کوشش کرتا ہے کہ آگے والے کے نقش قدم پر قدم رکھے۔ راستہ کے غار غار آگے والا جانے۔ یوں ہی ہمارا فرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر قدم رکھنا ہے۔ راستہ کے ذمہ دار حضور ہیں اس لئے حکم ہوا فاتبعونی میری اتباع کرو۔ برابر آگے نکلنے کی کوشش نہ کرو۔ ریل کے ڈبے انجن کے برابر آکر آگے نہیں نکل سکتے انہیں پیچھے ہی رہنا ہے لہٰذا فاتبعونی بالکل درست ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾
تحقیق اللہ نے چھانٹ لیا آدم اور نوح اور اولاد ابراہیم اور اولاد عمران کو اوپر جہانوں کے ۞
بے شک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو سارے جہان سے ۞
ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾
نسل کو بعض ان کے بعض سے ہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۞
یہ ایک نسل ہے ایک دوسرے سے اور اللہ سنتا جانتا ہے ۞

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں کفار سے الگ رہنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا تھا جس پر اعتراض ہو سکتا تھا کہ سارے انسان ایک اللہ کی مخلوق۔ ایک دادا کی اولاد' ایک زمین پر بسنے والے' ایک آسمان کے نیچے رہنے والے اور شکل و شباہت میں یکساں ہیں پھر اس فرق کے کیا معنی کہ کفار سے ملو تو بے دین ہو جاؤ اور پیغمبر سے نہ ملو تو بے دین ہو جاؤ۔ اس آیت میں اس وہم کو دفع فرمایا جا رہا ہے کہ یہ دنیا اس درخت کی طرح ہے جس میں شاخیں' پتے' کانٹے' پھل پھول سب کچھ ہیں اور یہ سب ایک ہی تخم سے ایک ہی جڑ پر قائم' ایک ہی زمین میں ہیں' ایک ہی ہوا پانی سے پرورش پاتے ہیں مگر کانٹوں سے پرہیز کیا جاتا ہے اور پھول سے محبت۔ کفار اس درخت کے کانٹے ہیں اور انبیائے کرام پھول۔ آؤ تمہیں دکھائیں کہ اس گلدستہ میں کیسے کیسے پھول ہیں۔ اس لئے گزشتہ انبیائے کرام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یہ بیماری کہ ہم اور نبی یکساں ہیں بڑی پرانی ہے۔ اس بیماری میں گذشتہ امتوں کے کفار گرفتار تھے بلکہ ان کے کفر کی وجہ ہی تھی کہ انہوں نے اپنے میں اور نبی میں فرق نہ کیا۔ وہ نہ سمجھے کہ سانپ اور بھینس اگرچہ اللہ کی مخلوق ہے اس کی روزی کھاتے پیتے ہیں مگر سانپ کے پاس زہر ہے بھینس کے پاس دودھ۔ اس لئے آپ سانپ کو مارتے ہیں اور بھینس کی خدمت کرتے ہیں۔ ایسے ہی کفار کے پاس کفر کا زہر ہے اور حضرات انبیاء' اولیاء' علماء کے پاس ایمان کا دودھ' معرفت الٰہی کا مکھن ہے۔ یہ منافقانہ بیماری آج بھی لوگوں میں موجود ہے کہ سب کو بصارت سے دیکھتے ہیں بصیرت سے نہیں دیکھتے۔ بصارت کہتی ہے کہ گھر کی ساری عورتیں یکساں ہیں۔ شکل و شباہت برابر۔ مگر بصیرت کہتی ہے کہ اپنی ماں اور ہے اور بیوی کچھ اور' بیٹی

پچھو اور۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ محبت اتباع رسول کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ جس میں اشارۃً نبی کی شان کا اظہار ہوا۔ اب صراحتاً انبیائے کرام کی شان بیان فرمائی جا رہی ہے۔ گویا یہ آیت پچھلے اجمال کی تفصیل ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ حضور علیہ السلام کی اطاعت کے بغیر ایمان نہیں مل سکتا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ حکم نیا نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ میں پیغمبر رہے اور ہر وقت کے لوگوں کو ان کی اتباع کا حکم دیا گیا۔

شان نزول: یہود نے کہا تھا کہ ہم حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام کی اولاد ہیں اور ان کے دین پر۔ ان کے رد میں یہ آیت کریمہ اتری جس میں ارشاد ہوا کہ وہ تمام خدا کے پیارے تھے۔ تم مشرک، تم ان کے دین پر کیسے ہو سکتے ہو (خازن و خزائن و معانی وغیرہ) (2) چونکہ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا خدا کہتے تھے، ان کی تردید میں یہ آیت آئی جس میں عیسیٰ علیہ السلام کا شجرۂ نسب بیان ہوا تاکہ معلوم ہو کہ ان کا نسب تو انسانوں سے ہے نہ کہ خدا سے۔ الحمد للہ محفل میلاد شریف کی برکت سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزارہا معجزات دیکھ کر بھی کسی مسلمان نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہا۔ میلاد میں دن رات سنتے رہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فلاں تاریخ کو پیدا ہوئے۔ فلاں فلاں دائی کا دودھ پیا اور ظاہر ہے کہ جو پیدا ہو، پرورش پائے، دودھ پئے وہ خدا یا خدا کا بیٹا نہیں بلکہ بندہ ہے۔ یہ میلاد شرک توڑ ہے۔

تفسیر: **ان اللہ اصطفی ادم و نوحا** جس مضمون کا کوئی مخالف موجود ہو یا آئندہ پیدا ہونے والا ہو۔ اسے **ان** وغیرہ تاکید سے شروع کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس آیت میں پیغمبروں کے فضائل ارشاد ہوئے جس کے بہت سے اہل کتاب منکر تھے اس لئے **ان** سے شروع کیا گیا۔ **اصطفاء صفو** سے بنا بمعنی چھانٹنا۔ چنا، چھنے ہوئے پانی کو اس لئے صفا کہا جاتا ہے کہ وہ میل وغیرہ سے چھانٹ لیا گیا۔ یہاں دیگر انسانوں سے افضل فرمانا مراد ہے۔ شریعت میں اصطفاء خاص قرب کا نام ہے جو خلت و محبت سے عام تر ہے۔ ہر نبی برگزیدہ ہے مگر سب کا لقب مصطفیٰ یا حبیب اللہ یا خلیل نہیں۔ رب تعالیٰ کے چناؤ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ **اصطفاء** عام جو نبی کا نبوت کے لئے چناؤ ہوا کہ انہیں بے عیب پیدا کیا گیا۔ رب نے اپنی صفات و خصوصی علم انہیں بخشے۔ گندا برتن دودھ کے قابل نہیں۔ گندا دل نبوت کے قابل نہیں۔ دوسرا **اصطفاء** خاص جو گروہ انبیاء میں سے بعض کو بعض خصوصی صفات بخشے گئے۔ کوئی کلیم اللہ بنائے گئے۔ کوئی روح اللہ۔ یہاں **اصطفاء** خاص مراد ہے اس لئے صرف چار نبیوں کا ذکر ہوا۔ آدم کے لفظی معنی اور آپ کے تاریخی واقعات پہلے پارہ میں بیان ہو چکے۔ آدم علیہ السلام کا برگزیدہ ہونا اس طرح ہے کہ انہیں رب نے اپنے خاص دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ انہیں نسل انسانی کا مورث اعلیٰ بنایا۔ وسیع علم عطا فرمایا۔ فرشتوں کا مسجود بنایا۔ جنت الفردوس میں ٹھہرایا وغیرہ۔ چونکہ سب سے پہلے پیغمبر آپ ہی ہیں اس لئے سب سے پہلے ذکر آپ ہی کا ہوا۔ نوح علیہ السلام کی برگزیدگی کے یہ معنی کہ آپ آدم علیہ السلام کے بعد پہلے وہ نبی ہیں جنہوں نے کفار کو تبلیغ کی۔ سب سے پہلے آپ ہی کی قوم پر عذاب الٰہی آیا۔ آپ کا لقب آدم اصغر اور روالد دوم ہے۔ کیونکہ سارے انسان آپ کی نسل سے ہیں کہ سوا آپ پر ایمان لانے والوں کے سب لوگ غرق کر دیئے گئے تھے مگر نسل صرف آپ کی اولاد ہوئی۔ باقی مومنین کی نسل نہ چلی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وجعلنا ذریتہم الباقین** آپ ہی نے شریعت آدم علیہ السلام کے بہت سے احکام منسوخ فرمائے جیسے بہن سے نکاح وغیرہ۔ نوح نوحہ سے بنا بمعنی رونا اور گریہ زاری کرنا۔ چونکہ آپ خوف الٰہی میں بہت روتے تھے اس لئے آپ کا

لقب پاک نوح ہوا۔ آپ کا نام شریف یشکر ہے۔ لقب نوح۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین ہزار سال پہلے گذرے ہیں مگر چونکہ سنہ عیسوی سے پرانا سنہ ہمیں کوئی نہیں ملتا۔ اس لئے اس کا صحیح اندازہ نہیں لگ سکتا **وال ابراهیم** یہ **نوحا** پر معطوف ہے اور **اصطفى** کا مفعول۔ چونکہ حضرت ابراہیم و عمران کی اولاد میں مقدس ہستیاں بے شمار ہوئیں۔ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام کو ابو الانبیاء یعنی پیغمبروں کا باپ کہا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں آل فرمایا گیا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ آل زائدہ ہے یا بمعنی نفس (معانی) بعض کے نزدیک آل ابراہیم سے مراد حضرت اسمٰعیل و اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد ہیں، علیہم السلام۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ آل ابراہیم ہر وہ مومن ہے جو ان کے دین پر ہو۔ بعض کے نزدیک آل ابراہیم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ حضور تمام ذریت ابراہیمی میں فرد اعلیٰ ہیں۔ **وال عمران۔** یہ آل ابراہیم پر معطوف ہے اور **اصطفى** کا مفعول۔ عمران دو ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ، ہارون کے والد ماجد جن کا نسب نامہ یہ ہے عمران ابن یصھر ابن قاہث ابن لاوی ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام۔ دوسرے عمران ابن ماثان، حضرت مریم کے والد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا ہیں۔ جن کا نسب شریف یہ ہے۔ عمران ابن ماثان ابن عازر ابن ابی ہود ابن رب ابن بابل ابن سالیان ابن یوحنا ابن لوشا ابن لوموزر ابن یشک ابن خارقا ابن یوتام ابن غرزیا ابن یوزان ابن ساقط ابن ایشا ابن راجقیم ابن سلیمان ابن داؤد ابن ایشا ابن عویل ابن سلمون ابن یاعر ابن مخشون ابن عمیلو ابن دام ابن حضروم ابن فارض ابن یہودا ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام (روح البیان) ان دونوں عمرانوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو برس کا فاصلہ ہے (کبیر و خزائن) یہاں یا تو پہلے عمران مراد ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام کے والد یا دوسرے عمران یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے نانا اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ آگے حضرت مریم و عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہی آرہا ہے **على العلمين** یہ **اصطفى** کے متعلق ہے عالمین کی تفسیر سورۂ فاتحہ میں گذر چکی۔ چونکہ عالم بہت تھے۔ فرشتے، جن، انسان، بحر عالم بر، عالم بحر، عالم ارض، عالم سماء، عالم اجسام، عالم ارواح، عالم امکان، عالم امر، عالم انوار وغیرہ۔ اس لئے عالمین جمع فرمایا گیا۔ اگر آل ابراہیم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوں تو یہاں **على العلمين** میں کسی قید کی ضرورت نہیں۔ بیشک آل ابراہیم قیامت تک ساری مخلوق سے افضل ہے اور اگر اس میں حضور داخل نہ ہوں تو **العالمين** سے زمانہ کے اہل جہان مراد ہیں جیسے یہود سے کہا گیا **وانى فضلتكم على العلمين** اب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت سب سے افضل ہے۔ **ذرية بعضها من بعض** یہ دونوں آل سے بدل ہے۔ **ذرية،** **ذر** سے بنا بمعنی پھیلنا اور بکھرنا اس لئے چھوٹی چیونٹی کو **ذر** اور ریت کے ذرات کو ذرہ کہا جاتا ہے۔ نسل اولاد کو بھی اسی لئے ذریت کہتے ہیں کہ وہ عالم میں پھیلتی ہے یا اس لئے کہ وہ آدم علیہ السلام کی پشت سے چیونٹیوں کی شکل میں نکالی گئی تھیں۔ بعض کا خیال ہے کہ **ذرء** بمعنی خلق سے بنا (خازن) **بعضها من بعض**۔ یہ جملہ ذریت کا صفت اور نسبی حالت میں ہے یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں یا یہ مراد ہے کہ سارے پیغمبر اصل توحید میں ایک ہی ہیں **والله سميع عليم**۔ یہ نیا جملہ ہے۔ سمیع کا مفعول بندوں کے اقوال ہیں اور **عليم** کا مفعول ان کے احوال و افعال۔ یعنی اللہ تمام بندوں کی باتیں سننے والا اور ان کے کام اور حالات جاننے والا ہے۔ ہر شخص کو اس کی لیاقت کے مطابق درجات عطا فرماتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے لوگو سارے انسان یکساں نہیں۔ ان میں سے بعض مثل پھول کے ہیں جن کی صحبت مہکا دیتی ہے۔ بعض کانٹوں کی طرح جن کے پاس بیٹھنا باعث ایذا ہے۔ یہ فرق نیا نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہے' چنانچہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم' نوح' ابراہیم علیہم السلام کی مومن آل اور حضرت عمران کی اولاد کو تمام جہان سے چھانٹ کر چن کر اپنا مقرب بنا لیا کہ آدم علیہ السلام کو انسانوں کا جد امجد فرشتوں کا مسجود بنایا۔ جنت میں ٹھہرایا سارے علم انہیں عطا فرمائے۔ نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کا خطاب دیا۔ زمین پر انہیں کی اولاد پھیلائی۔ ان کی بددعا سے کفار کو ہلاک کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اولوالعزم پیغمبر پیدا فرمائے۔ اسے نبوت اور ولایت سے بھر دیا ہر دین میں آپ کا ذکر خیر رکھا۔ کعبہ معظمہ' مقام ابراہیم' مکہ معظمہ' منیٰ' عرفات' قربانی' عقیقہ' تکبیر' تشریق' صفا مروہ پہاڑ بلکہ تمام ارکان حج آپ کی یادگار ہیں۔ درود ابراہیمی میں آپ کا نام قائم رکھا آپ کی سنتیں اسلام میں قائم فرمائیں۔ غرضکہ بیشمار خصوصیات آپ کو بخشیں۔ عمران کی پاک بیٹی کو وہ فرزند ارجمند عطا فرمایا جس کا لقب کلمۃ اللہ یا روح اللہ ہے وہ کنواری پاک ماں کا ستھرا بیٹا بنی اسرائیل کا خاتم النبیین سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشارت دینے والا گویا طلوع آفتاب کی خبر دیتا ہوا تارا۔ ان سب کو سارے جہان پر خواہ فرشی ہوں یا عرشی۔ انسان ہوں یا جنات یا فرشتے سب پر بزرگی دی۔ یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کی اولاد ہیں کہ عمران حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور حضرت ابراہیم نوح علیہ السلام کی اور نوح علیہ السلام آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اللہ سارے بندوں کی باتیں سنتا ہے اور سب کی نیت' حالت استعداد جانتا اور بقدر قابلیت ان کو درجے عطا فرماتا ہے۔ خیال رہے کہ مخلوق دو قسم کی ہے۔ مکلف اور غیر مکلف۔ مکلف غیر مکلف سے اعلیٰ ہیں۔ مکلف کی پھر چار قسمیں ہیں۔ انسان' فرشتے' جن اور شیاطین۔ انسان کی پیدائش خاک سے' فرشتوں کی پیدائش ہوا سے یا نور سے یا یوں کہو کہ ان کا جسم ہوائی اور روح نوری' ان کا اصلی مقام آسمان ہے۔ شیاطین کی پیدائش آگ سے۔ خلقتنی من نار و خلقته من طين۔ اس پر سب متفق ہیں کہ انسان جن اور شیاطین سے افضل ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ فرشتوں سے افضل ہے یا نہیں۔ بعض کے نزدیک فرشتے انسانوں سے افضل ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ انسان فرشتوں سے بہتر۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ولقد كرمنا بنی ادم۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نبی غیر نبی سے مطلقاً افضل ہیں۔ کوئی ولی غوث یا قطب نبی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ جیسا کہ من العلمین سے معلوم ہوا (احمدی) **دوسرا فائدہ:** انسان فرشتوں سے افضل ہیں۔ یہ بھی العالمین سے ہی معلوم ہوا کہ فرشتے العالمین میں داخل ہیں یعنی آدمیت ملکیت سے افضل ہے اگرچہ کفار کفر کی وجہ سے فرشتے تو کیا جانور سے بھی بدتر ہیں اور رسل ملائکہ رسالت کی وجہ سے عام مسلمانوں سے افضل (احمدی)

مسئلہ : انسانوں کے پیغمبر ملائکہ کے پیغمبروں سے افضل ہیں اور پیغمبر ملائکہ عام انسانوں سے افضل اور عام بشر عام فرشتوں سے افضل۔ یوں سمجھو کہ جنس بشر جنس ملائکہ سے افضل ہے۔ اسی لئے فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا نہ کہ انسان نے فرشتوں کو (احمدی) **تیسرا فائدہ:** بیٹی کی اولاد آل میں داخل ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کو عمران کی آل کہا گیا۔ حالانکہ وہ ان کے نواسے۔ لہٰذا سادات کرام حضور علیہ السلام کی آل ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** سارے پیغمبر اللہ کے برگزیدہ اور مقبول ہیں۔ رب کسی سے ناراض نہیں وہ سب حضرات فسق و فجور سے پاک ہیں جیسا کہ اصطفی سے معلوم ہوا۔ پانچواں

فائدہ: انبیائے کرام جسمانی اور روحانی لحاظ سے سب سے افضل ہیں۔ان کی قوت نظری سننے کی طاقت تمام سے قوی تر ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے ساری زمین سمیٹ کر دکھادی گئی اور میں نماز میں پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔ قرآن نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آسمان و زمین کا ملکوت دکھایا گیا۔ حضرت سلیمان نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سنی۔ یعقوب علیہ السلام نے قمیص یوسفی کی خوشبو مصر سے پائی۔ حضرت خلیل علیہ السلام کو آگ نہ جلاسکی۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے علم کے ہزار باب سکھائے اور میں نے ہرباب سے ہزار باب علم نکالے۔ جب ولی کا یہ حال ہے تو نبی کا علم کتنا ہوگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خادم آصف ابن برخیہ ایک آن میں یمن سے بلقیس کا تخت شام میں لے آئے۔ جسے قرآن کریم نے نقل فرمایا۔ یہ جسمانی فوقیت تھی۔ ان کی روحانی اور عقلی فوقیت کو رب ہی جانے۔ اتنا سمجھ لو کہ نبی کی عقل تمام جہان کی عقلوں سے بڑھ کر اور حضور علیہ السلام کی عقل تمام پیغمبروں کی عقلوں سے بڑھ کر ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا **ان اللہ اصطفی الخ**۔ (تفسیر کبیر)

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں کیونکہ آل عمران کو **العلمین** سے افضل فرمایا گیا اور عالمین میں حضور بھی داخل ہیں (عیسائی) **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت میں آل ابراہیم بھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہیں۔ دوسرے یہ کہ عالمین سے اس زمانہ کے جہان والے مراد ہیں۔

لطیفہ: ایک عیسائی نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے کہا

کسے بگفت کہ عیسیٰ ز مصطفیٰ اعلیٰ است — کہ او بزیر زمین دفن و آں باوج سما است

یعنی عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر ہیں اور تمہارے پیغمبر زمین میں دفن۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام افضل ہوئے۔ آپ نے فوراً جواب دیا۔

بگفتمش کہ نہ ایں حجت قوی باشد! — حباب بر سر آب و گہر تہ دریاست

یعنی یہ دلیل قوی نہیں۔ دیکھو حباب پانی کے اوپر ہے اور موتی پانی کے نیچے، مگر موتی بلبلہ سے افضل اور قیمتی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت میں حضرت آدم و نوح اور دیگر تمام پیغمبروں کے لئے **اصطفی** فرمایا گیا تو چاہئے کہ سارے نبیوں کو مصطفیٰ کہا جاسکے، حالانکہ صرف حضور کو مصطفیٰ کہا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** بعض الفاظ بعض ہستیوں کے لئے خاص ہو جاتے ہیں اگرچہ ان کے معنی ہر جگہ درست ہیں مگر ان کا استعمال ہر جگہ درست نہیں۔ انہیں میں سے لفظ مصطفیٰ بھی ہے، رسول کے معنی قاصد ہیں مگر انبیاء کے سواء کسی پر نہیں بولا جاتا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ھو الذی یصلی علیکم وملئکتہ** جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ سب پر رحمتیں نازل فرماتا ہے مگر حضور علیہ السلام کے سوا کسی کو صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے۔ ایسے ہی السلام علیکم ہر مسلمان کو کہا جاتا ہے مگر علیہ السلام غیر نبی کو کہنا منع۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ آل ابراہیم کو تمام جہانوں سے افضل کیا مگر اولاد ابراہیمی میں بڑے بڑے کفار مشرکین ہوئے۔ **جواب:** کچھ افراد کے خراب ہونے سے قوم و جماعت خراب نہیں ہو جاتی۔ چونکہ اس قوم میں اعلیٰ ہستیاں تھیں کہ خود ہی ان کی وجہ سے قوم

اشرف ہو گئی۔ نیز نسبت کی عظمت انہیں کی وجہ سے جاتی رہی' بیت اللہ میں بت رہے۔ صفا مروہ پر بت رہے مگر چونکہ ان کی نسبت قوی تھی لہٰذا ان کی عظمت میں فرق نہ آیا۔ بتوں سے بھرے ہوئے کعبہ کی طرف حضور انور نے نمازیں پڑھیں۔ اس بتوں والے کعبہ کا طواف کیا۔ جب نسبت ابراہیمی سے کعبہ اور کوہ صفا مروہ کی حرمت میں فرق نہ آیا تو بعض افراد کی خرابی سے قوم ابراہیمی کی عظمت میں فرق کیسے آسکتا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا! **وھذا البلد الامین** مجھے اس امانت والے شہر کی قسم حالانکہ اس مکہ معظمہ میں اس قسم کے وقت ابوجہل 'ابولہب' امیہ ابن خلف بھی تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نے اسے جو شرف بخشا وہ ان خبیثوں کی وجہ سے ٹل نہیں سکتا۔ **چوتھا اعتراض:** فرشتے گناہ سے پاک ہیں اور انسان گناہ میں گرفتار تو چاہئے کہ فرشتے انسان سے افضل ہوں۔ **جواب:** فرشتوں میں گناہوں کی طاقت ہی نہیں کیونکہ وہ شہوت و غصہ سے پاک ہیں ان کا گناہوں سے بچ رہنا کوئی کمال نہیں اور عبادات ان کی غذا ہے مگر انسان میں شہوت و غصہ بھی ہے اور وہ دنیا میں گرفتار بھی' اب اس کا گناہ سے بچنا کمال ہے۔ اگر انسانوں میں گنہگار ہیں تو ان میں ابرار و اخیار بھی ہیں۔ اگر انسانوں میں فساق و فجار ہیں تو ان میں احمد مختار بھی ہیں۔ پھول کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** مصطفیٰ اور خلیل و حبیب میں کیا فرق ہے؟ **جواب:** مصطفیٰ' مجتبیٰ اور مجتبیٰ ہم معنی ہیں۔ لغۃ "ہر برگزیدہ مصطفیٰ ہے مگر اصطلاح میں مصطفیٰ بمعنی محبوب ہیں۔ خلیل وہ جو رب کی مانے حبیب وہ کہ رب اس کی مانے۔

تفسیر صوفیانہ : اصطفیٰ محبت اور خلت سے عام ہے اس میں سارے انبیاء داخل ہیں۔ اس سے خاص خلت ہے اور اس سے خاص محبت۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں کہ آپ حبیب اللہ ہیں۔ سارے پیغمبر دین میں بعض بعض سے ہیں اور توحید و معرفت میں ایک دوسرے کے تابع۔ ولایت اور ولادت دو قسم کی ہے۔ ایک صوری دوسری معنوی۔ ولایت صوری کا تعلق بدن سے ہے اور معنوی کا روح سے۔ مرید اپنے شیخ کی اولاد ہے اور شاگرد اپنی استاد کی اولاد۔ کہا جاتا ہے کہ باپ تین ہیں۔ ایک جننے والا' دوسرا پرورش کرنے والا اور تیسرا علم سکھانے والا۔ جیسے بدن ماں کے رحم میں باپ کے نطفہ سے بنتا ہے۔ ایسے ہی وجود قلب نفس کے رحم میں شیخ کی نظر کرم سے بنتا ہے۔ اسی لئے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص دوبارہ نہ جنا جائے وہ کامل نہیں۔ ایک بار باپ سے دوسری بار شیخ سے۔ خیال رہے کہ ولادت معنوی اکثر ولادت صوری کے تابع ہوتی ہے' کیونکہ روح کی صفائی اور کدورت کا تعلق جسم کی صفائی اور کدورت سے بھی ہے اور ہر روح کا مزاج جداگانہ ہے اسی کے مطابق وہ فیض حاصل کرتی ہے۔ جیسے جسم میں مختلف خاندان ہیں' ایسے ہی روح کی مختلف قسمیں ہیں' ہر قسم کو اپنی جنس سے مناسبت ہے' اگرچہ رشتہ میں کتنی ہی دور ہو۔ امام مہدی اخیر زمانہ میں جلوہ گر ہوں گے مگر چونکہ ظاہری باطنی طور پر حضور کی نسل سے ہوں گے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سے متصف بھی ہوں گے یہ مطلب ہے **ذریۃ بعضھا من بعض** کا۔ (روح البیان و ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے دینی عزتیں ایمان' تقویٰ وغیرہ سے میسر ہوتی ہیں اور دنیاوی عزتیں مال' اسباب' سلطنت وغیرہ سے نصیب ہوتی ہیں' ایسے ہی بڑوں کی اولاد اور بڑوں کا ماں باپ بننے سے بھی دینی و دنیاوی عزتیں ملتی ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو یہ فخر ہے کہ وہ اتنے انبیاء کرام کے خصوصاً" حضور سید الانبیاء کے والد ہیں اور ان انبیاء کو یہ فخر کہ وہ حضرات جناب خلیل کی اولاد ہیں۔ عمران نبی نہیں مگر اللہ نے ان کی اتنی عزت افزائی کی کہ ان کا نام جماعت انبیاء میں لیا اور ان کے نام کی ایک سورۃ آل عمران مقرر کی اور ان کی بیٹی کے نام کی سورۃ سورۂ مریم مقرر فرمائی' کیوں؟ اس لئے کہ وہ والد انبیاء ہیں'

خادمان بیت المقدس کے سردار ہیں۔مادر زاد ولیہ حضرت مریم کے والد ہیں اور کلمۃ اللہ عیسیٰ علیہ السلام کے نانا ہیں۔نسبت کی یہ بہاریں ہیں...... رب تعالیٰ نسبت قوی رکھے۔بزرگوں سے بیعت اسی نسبت کے لئے کی جاتی ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ

جب کہ کہا بیوی نے عمران کی کہ اے رب میرے تحقیق میں نے نذر مانی واسطے تیرے وہ جو بیچ پیٹ میرے کے

کیا ہوا جب عمران کی بیوی نے عرض کی اے میرے رب تیرے لئے منت مانتی ہوں جو میرے پیٹ میں ہے کہ

مِنِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ

ہے آزاد پس قبول کر مجھ سے تحقیق تو سننے والا جاننے والا ہے پس جب کہ جنا اس کو تو عرض کیا اے میرے

خالص تیری ہی خدمت میں رہے تو تو مجھ سے قبول کرلے بے شک تو ہی سنتا جانتا ہے ۔ پھر جب اسے جنا

وَضَعْتُهَآ اُنْثٰىؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰىۚ وَ

تحقیق میں نے جنا اس کو لڑکی اور اللہ بہت جانتا ہے اور نہیں ہے لڑکا مثل اس لڑکی کے اور تحقیق میں نے

بولی اے رب میرے یہ تو میں نے لڑکی جنی اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ جنی اور وہ لڑکا جو اس نے مانگا

اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ

نام رکھا اس کا مریم اور تحقیق میں پناہ دیتی ہوں اس کو تیری اور اور اس کی کو

اس لڑکی سا نہیں اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں

الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

شیطان راندے ہوئے سے ۔

راندے ہوئے شیطان سے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں انبیائے کرام کی برگزیدگی کا اجمالی ذکر تھا اب آل عمران کی بزرگی کی تفصیل بیان فرمائی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ رب نے آل عمران کو بھی چن لیا اور آل عمران عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں اور ان کی والدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ بھی۔ان کے چناؤ کی مختلف نوعیتیں تھیں۔کسی کو نبوت سے چنا اور کسی کو ولایت سے۔اب ان کی تفصیل فرمائی جارہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ رب تعالیٰ نے ان حضرات کو چن لیا جس سے پتہ نہ لگتا تھا کہ کیسے چنا اور کب چنا۔اس آیت میں چننے کی نوعیت کا ذکر ہے کہ یہ حضرات پیدائش سے پہلے ہی چنے ہوئے تھے۔

تفسیر : **اذ قالت امرات عمران۔** **اذ** یا تو زائدہ ہے یا **اذکر** فعل پوشیدہ کا ظرف یا **اصطفی** کا یا **سمیع علیم** کا ظرف ہے۔ اس لحاظ سے اس کے معنی بھی چند ہوں گے۔ اگر **اذکر** کا ظرف ہو تو **اذکر** کے معنی ہیں یاد کرو یا یاد رکھو یا ان کو یاد کراؤ اگر یاد کرو معنی ہوں تو مقصد یہ ہے کہ آپ کو یہ گذشتہ واقعات معلوم تو ہیں ان پر دھیان فرماؤ یاد وہی چیز دلائی جاتی ہے جو پہلے معلوم ہو اگر معنی ہوں کہ یاد دلاؤ تو مطلب یہ ہوگا کہ اپنی امت کو یہ واقعات یاد دلاؤ تاکہ انہیں یہ واقعات یاد رہیں اور ان کے عقائد و اعمال درست رہیں کیونکہ بزرگوں کے واقعات لوگوں کو اچھی تعلیم دیتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے جگہ جگہ اس قسم کے تاریخی واقعات کا ذکر فرمایا ہے حتی کہ ایک سورۃ کا نام قصص ہے۔ اور اگر **اصطفی** کا ظرف ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے مریم و عیسیٰ علیہ السلام کو اس لئے چنا کہ عمران کی بیوی نے یہ دعا کی تھی۔ ولایت تین قسم کی ہوتی ہے۔ وہبی 'کسبی' عطائی۔ حضرت مریم کی ولایت وہبی ہے کہ آپ مادر زاد ولیہ ہیں۔ خاندان اعلیٰ ماں شاندار پھر آپ کیوں نہ شاندار ہوں اور اگر **سمیع** کا ظرف ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم ہر وقت ہی سمیع و علیم ہیں مگر ان بزرگوں مقبولوں کی باتیں بہت ہی سنتے ہیں کہ یہ ہمارے ہیں تو ان کی باتیں بھی ہم کو محبوب ہیں **امراۃ عمران** سے حضرت عمران کی بیوی مراد ہیں جو حضرت مریم کی والدہ عیسیٰ علیہ السلام کی نانی صاحبہ ہیں۔ ان کا اسم شریف حضرت حنہ بنت فاقوزہ ہے ان کی دوسری بہن حضرت ایشاع بنت فاقوزہ زکریا علیہ السلام کی بیوی تھیں اور حضرت یحییٰ کی والدہ۔ گویا یہ سارا گھرانہ ہی پاک تھا۔ قرآن پاک نے سوائے حضرت مریم کے کسی عورت کا نام نہ لیا کنایتہ "فرماتا ہے وہی معاملہ یہاں ہوا یعنی رب نے آل عمران کو جب چنا تھا اس وقت کو یاد کرو جب عمران کی بیوی حنہ نے یہ عرض کیا **رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا۔** **رب** اصل میں **یا ربی** تھا۔ ندا کا یا اور ی متکلم پوشیدہ کر دی گئی۔ **نذرت۔** **نذر** سے بنا۔ اس کے لغوی معنی کی نہایت نفیس تحقیق پہلے پارہ میں گذر چکی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس کے معنی ہیں غیر لازم چیز کو اپنے پر لازم کر لینا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ صیغہ انشاء نذر ہے جیسے بعت اور اشتریت۔ کیونکہ حنہ نے قرار حمل کے بعد یہ نذر مانی تھی۔ عام مفسرین کا یہی قول ہے یعنی میں نذر مانتی ہوں۔ مگر روح المعانی نے فرمایا کہ یہ گزشتہ نذر کی حکایت ہے کیونکہ قرار حمل سے پہلے نذر مان چکی تھیں۔ حمل کے بعد اندیشہ ہوا کہ کہیں لڑکی نہ ہو اور بیت المقدس میں لڑکے وقف کئے جاتے تھے نہ کہ لڑکیاں۔ تب عرض کیا مولیٰ میری نذر کی لاج تیرے ہاتھ ہے۔ میں اپنے اس حمل کی نذر پہلے ہی مان چکی ہوں۔ **ما** سے مراد لڑکا ہے چونکہ بچے ناسمجھ ہوتے ہیں اس لئے **من** نہ فرمایا **ما** فرمایا نیز کبھی ایک حمل سے چند بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے **ابنی** نہ کہا بلکہ **ما فی بطنی** کہا یعنی جو کچھ میرے پیٹ میں ہے ایک یا دو بچے **محررا** **ما** کا حال ہے یہ تحریر سے بنا بمعنی خالص کرنا' درست کرنا' کتاب لکھنے کو تحریر اسی واسطے کہتے ہیں کہ اسے بیکار چیزوں سے خالص کیا جاتا ہے۔ جو مٹی ریت اور پتھر سے صاف ہو اسے طین حر کہتے ہیں۔ آزاد کرنے کو بھی اسی لئے تحریر کہا جاتا ہے کہ غلام مولیٰ کے حق سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ یہاں بمعنی خالص ہی ہے۔ یعنی اے مولیٰ میں نذر مانتی ہوں کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد کر دوں گی کہ اس سے دنیوی کام کاج کچھ نہ لوں گی۔ اس زمانہ میں یہ رواج تھا کہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے لڑکے وقف کئے جاتے تھے کہ وہ بلوغ تک وہاں کی خدمت کرتے۔ بالغ ہو کر انہیں اختیار رہتا کہ خواہ اسی کام میں مشغول رہیں یا دنیوی کاروبار کریں۔ لیکن اگر وہ یہاں قیام اختیار کر لیتے تو پھر انہیں دنیوی کاروبار کا اختیار نہ رہتا تھا۔ یہ بچے اپنے ماں باپ کی خدمت گھر کے کام کاج سے بالکل دور رکھے جاتے تھے۔ چونکہ بنی اسرائیل میں نہ مال غنیمت آتا تھا نہ قیدی

اس لئے اس وقف کا رواج تھا۔ کوئی نبی ایسا نہ گذرا جس کی نسل میں بیت المقدس کی خدمت کے لئے محرر نہ ہوئے ہوں (تفسیر کبیر) **فتقبل منی** یہ بظاہر دعاء قبول ہے اور در پردہ دعاء فرزند۔ کیونکہ لڑکیاں بیت المقدس میں نہ رکھی جاتی تھیں کہ وہ حیض ونفاس کی وجہ سے فرائض خدمت انجام نہ دے سکتی تھیں۔ اس لئے عرض کیا کہ تو مجھے فرزند دے تاکہ میری نذر پوری ہو اور تو قبول فرمائے۔ بعض نے فرمایا کہ تقبل کے معنی راضی ہو کر قبول کرنا ہیں۔ یہ مقابلہ کا ہم معنی ہے کیونکہ اس کے عوض جزا ملتی ہے۔ بعض کے نزدیک **تقبل** کے معنی بتکلف قبول کرنا ہیں کہ وہ چیز قابل قبول نہ ہو مگر کرم سے قبول کرلی جائے۔ یعنی اے مولیٰ یہ حقیر نذر اگرچہ قابل قبول نہیں مگر تو کرم سے قبول فرمالے۔ عمل سے پہلے اس کی قبولیت کی دعا کرسکتے ہیں 'نیک فال کے لئے۔ منشاء یہ ہے کہ عمل کی بھی توفیق دے اور قبول بھی کرے۔ اس واقعہ کے بیان میں ہم لوگوں کو تعلیم ہے کہ اپنے بچوں کا انتظام ان کی پیدائش سے پہلے ہی کرو۔ صالح لڑکی سے نکاح کرو' ماں باپ زمانہ حمل میں اللہ کی یاد' عبادات دعائیں زیادہ کریں۔ بوقت ولادت اللہ کا ذکر کریں۔ پرورش دینی ماحول میں ہو جس چیز کی ابتداء اچھی ہو اس کی انتہا بھی اچھی ہوتی ہے۔ بچہ کی دو کان زندگی ناچ گانے میراثیوں کی بکواس پر نہ کھولو۔ اللہ کے ذکر پر کھولو۔ **انک انت السمیع العلیم** تو ہی میری دعا کا سننے والا اور میری نیت کا جاننے والا ہے لہٰذا میری یہ دعا اور عاجزی قبول فرما اور فرزند عطا فرما۔ **فلما وضعتھا : وضع** کے معنی ہیں رکھنا۔ یہاں مراد ہے جننا کیونکہ جن کر بچہ زمین پر رکھا جاتا ہے۔ اس کا فاعل عمران کی بیوی ہیں۔ **ھا** کا مرجع **ما** ہے چونکہ رب کے علم میں وہ لڑکی تھی۔ اس لئے ضمیر مونث ارشاد ہوئی یا ہر شخص میں نفس و روح ہے جو مونث ہے یعنی پس جب انہوں نے اس لڑکی کو یا اس نفس کو جنا تو **قالت رب انی وضعتھا انثی**۔ یہاں بھی **وضعتھا** میں **ھا** کا مونث ہونا نفس اور روح کے لحاظ سے ہے اور **انثی ھا** کا بدل ہے یا حال۔ اس سے مقصود رب کو خبر نہیں بلکہ فقط اظہار غم ہے کہ نذر کا پورا ہونا بظاہر ناممکن ہو گیا۔ آپ کا یہ غم بے صبری یا ناشکرانہ تھا بلکہ ایک نعمت یا ایک عبادت سے محرومی کا تھا کہ بیٹا ہو تا تو خدمت بیت المقدس کرتا مجھے دائمی ثواب پہنچتا۔ لڑکی نہ یہ کام کرسکے گی نہ مجھے اجر ملے گا۔ بے صبری کا غم برا ہے۔ محرومی کا غم و حسرت عبادت۔ ایک فقیر اپنے مالدار نہ ہونے پر اس لئے غم کرتا ہے کہ اگر میں مالدار ہو تا تو دوسروں کی طرح سینما دیکھتا شراب پیتا تو یہ مجرم ہے اگر اس لئے غم کرتا کہ مالدار ہو تا تو کوٹھیاں 'موٹر تیار کرتا نہ مجرم ہے نہ ثواب کا مستحق۔ اگر اس لئے غم کرتا ہے کہ میرے پاس پیسہ ہو تا تو میں بھی زکوٰۃ دیتا' حج کرتا وغیرہ یہ غم عبادت ہے اور یہ فقیر ان عبادات کا ثواب پائے گا۔ آپ کا یہ غم اس تیسری قسم کا تھا یعنی عرض کیا کہ مولیٰ یہ کیا ہوا میں نے تو لڑکی جنی۔ اب اپنی نذر کیسے پوری کروں۔ **واللہ اعلم بما وضعت** ہماری قرات وضعت ت کے سکون سے ہے اور یہ رب کا فرمان ہے حضور سے خطاب اور اس سے مقصود اس لڑکی کی تعظیم ہے۔ یعنی اے محبوب حنہ کو کیا خبر تھی کہ یہ صاحبزادی کس درجے کی ہے یہ تو رب ہی جانتا ہے کہ کیسی بیٹی ہے۔ بعض قراتوں میں وضعت ت کے پیش سے ہے حنہ کا کلام۔ گویا حنہ نے کہا کہ رب میری مجبوری اور معذوری کو خوب جانتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میرے لڑکی پیدا ہوئی میں نذر کیسے پوری کروں۔ ایک قرات میں وضعت ت کے کسرہ سے ہے رب کا کلام جو حنہ سے ارشاد ہوا یعنی رب نے فرمایا کہ اے حنہ مت گھبراؤ تمہاری مجبوری کو رب جانتا ہے۔ **ولیس الذکر کالانثی** یہ بھی یا تو رب کا کلام ہے جملہ معترضہ اور **الذکر** اور **الانثی** میں الف لام عہدی ہے۔ **ذکر** سے ان کا مانگا ہوا لڑکا مراد ہے اور **انثی** سے دی ہوئی بیٹی۔ یعنی ان کا مانگا ہوا بیٹا درجے اور مرتبہ میں اس بیٹی کی طرح نہیں جو ان کو دی گئی۔ یہ بیٹی بڑی عظیم الشان ہے۔ اس

صورت میں اس لڑکی کو لڑکوں پر فضیلت دینا منظور ہے اور یا یہ حنہ کا کلام ہے وہ فرماتی ہیں کہ بیٹا بیٹی کی طرح نہیں کہ بیٹا بیت المقدس کی خدمت کر سکتا ہے بیٹی نہیں کر سکتی (روح المعانی و کبیر) اور ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کو تسلی دی ہو اور دل کو سمجھایا ہو کہ اے دل یہ بیٹی بیٹے سے اچھی ہے جو رب کا عطیہ ہے۔ **وانی سمیتها مریم** اس کلام کے چند مقصود ہیں۔ ایک حضرت مریم کی یتیمی کا اظہار کیونکہ عمران ان کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے لہٰذا عرض کیا کہ مولیٰ نام رکھنا باپ کا حق ہے مگر چونکہ یہ یتیمہ ہے اس لئے یہ کام میں ہی کرتی ہوں اسی لئے فرمایا **انی** یعنی میں نے نام رکھا نہ باپ نے۔ دوسرے رب سے طلب رحمت یعنی اے اللہ یہ بچی یتیمہ ہے اس پر رحم فرما۔ تیسرے اپنے ارادہ کی پختگی کا اظہار۔ یعنی اے مولیٰ اگر یہ بیت المقدس کی خدمت کے قابل نہیں تو وہاں رہ کر عبادت تو کر سکتی ہے۔ میں اس سے خدمت نہ سہی وہاں عبادت ہی کراؤں گی۔ اس لئے اس کا نام مریم رکھتی ہوں یعنی عابدہ اور خادمہ۔ خیال رہے کہ لفظ مریم میں تین قول ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ عربی لفظ ہے بروزن مفعل مصدر میمی بمعنی اسم مفعول۔ بعض نے کہا کہ یہ ماریہ کا معرب ہے بمعنی لڑکی یا خادمہ۔ بعض کے نزدیک یہ لفظ عبرانی ہے بمعنی عابدہ اور یہی صحیح تر ہے (روح المعانی) چونکہ ان کی والدہ کی نیت انہیں بیت المقدس میں رکھنے کی تھی اس لئے ان کا نام بھی مریم یعنی عابدہ رکھا تاکہ نام کام کے مطابق ہو۔ **وانی اعیذها بک و ذریتها من الشیطن الرجیم** یہ جملہ **انی سمیتها** پر معطوف ہے۔ **اعیذ عوذ** سے بنا بمعنی پناہ میں دینا یا پناہ میں آنا۔ جس کی پناہ میں آنا منظور ہو اس پر ب آتی ہے اور جس سے پناہ پکڑی جائے اس پر من۔ اس کی پوری تحقیق **اعوذ باللہ** کی تفسیر میں گذر چکی۔ اسی سے ہے تعویذ یعنی رب سے پناہ حاصل کرنے کا ذریعہ۔ ذریت سے پہلے **بک** فرمایا گیا تاکہ پتہ لگے کہ دعا میں اصل مقصود یہ ہیں اور اولاد تابع اور ذریت فرما کر حضرت مریم کے لئے عمر و اولاد کی دعا کر لی کیونکہ اولاد بعد بلوغ ہوتی ہے۔ **شیطن** اور **رجیم** کی پوری تحقیق پہلے پارہ میں دیکھو یعنی اے مولا میں اس مریم اور اس کی اولاد کو مردود شیطان سے تیری پناہ میں دیتی ہوں تو ان سب کو شیطان سے بچانا اور ان سب کو نیک صالح بنانا۔ رب تعالیٰ نے یہاں پہلی آیت میں تو حضرت مریم کے حمل شریف میں رہنے کے حالات بیان فرمائے دوسری آیت میں آپ کی پیدائش کے حالات' اگلی تیسری آیت میں آپ کی پرورش کے واقعات کا ذکر آ رہا ہے۔ غرضکہ بی بی مریم کا پورا میلاد شریف ارشاد ہوا۔ ہم بھی میلاد شریف میں یہی حالات اپنے آقا کے بیان کرتے ہیں۔ بزرگوں کا میلاد پڑھنا سنت الیہ ہے۔ خیال رہے کہ آپ نے یہ دعا یا جناب مریم کی ولادت کے وقت ہی مانگی یا جب کہ مریم کو خدام بیت المقدس کے حوالہ کیا۔ یعنی وداع کے وقت دعاء ماثورہ ہوئی۔ ہم کو بھی چاہیے کہ بچوں کی پیدائش اور لڑکی کی رخصتی کے وقت یہ دعا پڑھ دیا کریں۔ انشاء اللہ لڑکی سسرال میں عافیت سے رہے گی اور اولاد بھی صالح ہوگی۔ اپنی دعاؤں سے دعائے ماثورہ بہتر ہوتی ہے۔ حضرت حنہ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ رب نے بی بی مریم کو ہر قسم کی گندگی ظاہری و باطنی سے پاک رکھا۔ فرماتا ہے **مطهرک** اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی خطا بھی سرزد نہ ہوئی۔ اس لئے قیامت میں طلب شفاعت کے موقعہ پر دیگر انبیائے کرام اپنی خطاؤں کا ذکر کر کے شفاعت سے معذوری ظاہر کریں گے مگر جناب مسیح اپنی کسی خطاء کا ذکر نہ فرمائیں گے کہ بے خطا رہے۔ قریب قیامت آپ نکاح کریں گے اولاد ہوگی۔ ان کو بھی یہ دعا پہنچے گی اور آپ کی تمام اولاد نیک و صالح ہوگی۔ غرضکہ ماں کی دعا اور ماں بھی حنہ جیسی بہت پر تاثیر ہوتی ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت بھی یاد کرو اور انہیں سناؤ جبکہ عمران کی بیوی حنہ نے حاملہ ہو کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے مولیٰ چونکہ تو نے مجھے نا امیدی کے بعد اولاد کی امید دکھائی اس لئے میں نذر مانتی ہوں کہ جو کچھ میرے پیٹ میں اولاد ہے وہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہے نہ میں اس سے اپنی خدمت لوں نہ گھر کے کام کاج۔ اے مولیٰ یہ میرا حقیر ہدیہ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمالے تو میرے کلام کا سننے والا اور میری نیت و اخلاص کا جاننے والا ہے۔ وہ لڑکے کی امید پر بہت خوش و خرم تھیں۔ جب وقت ولادت آیا اور حضرت مریم پیدا ہوئیں تو حنہ حیران رہ گئیں اور عرض کرنے لگیں کہ اے مولیٰ یہ کیا ہوا میرے تو لڑکی پیدا ہو گئی اب میں اپنی نذر کیسے پوری کروں۔ اے محبوب حنہ کیا جانیں کہ لڑکی کیسی ہے۔ یہ تو رب ہی جانتا ہے کہ وہ لڑکی کس درجہ کی ہے۔ لڑکا اس لڑکی کی طرح ہو سکتا ہی نہیں۔ انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ اے مولیٰ چونکہ ان کے باپ تو پہلے ہی وفات پاگئے ہیں۔ اس لئے میں ان کا نام مریم رکھتی ہوں۔ یعنی عابدہ۔ اور میری نیت یہ ہے کہ یہ بیت المقدس میں رہ کر تیری عبادت کرے تاکہ بقدر طاقت میری منت پوری ہو۔ اے مولیٰ چونکہ میں انہیں اپنے سے الگ بیت المقدس میں رکھوں اس لئے میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں کہ تو شیطان سے بچا اور اسے صالح پرہیزگار رکھنا۔ خیال رہے کہ بیٹے کی دعا و خواہش کرنا سنت انبیاء بھی ہے 'سنت اولیاء بھی' حضرت ابراہیم و زکریا علیہم السلام نے فرزند کی دعا کی۔ بی بی حنہ نے جو ولیہ تھیں' بیٹے کی دعا کی مگر یہ تمام دعائیں دنیاوی اغراض کے لئے نہ تھیں صرف دین کے لئے تھیں کہ خدا ہمیں بیٹا دے وہ دین کی خدمتیں کریں' ہم کو ثواب ملے۔ جیسے دوسرے کاموں میں اخلاص ہو تو یہ برکت ہوتی ہے ریا ہو تو بے برکتی۔ ایسے ہی طلب اولاد اگر دین کے لئے ہو تو اولاد برکت والی ہے اگر دنیا کے لئے ہے تو نہ عذاب نہ ثواب۔ اگر بری نیت کے لئے ہو تو نقصان دہ۔ حضرت مریم کی یہ عظمتیں بی بی حنہ کے اخلاص کی برکت سے تھیں۔ ماں باپ کا اخلاص اولاد کے کام آتا ہے۔

اصل واقعہ : فاقوذا کی دو بیٹیاں تھیں حنہ اور ایشاع۔ حنہ عمران کے نکاح میں آئیں اور ایشاع حضرت زکریا ابن اذن علیہ السلام کے نکاح میں یہ دونوں بہنیں لاولد تھیں۔ یہاں تک کہ انہیں بڑھاپا آگیا اور اولاد سے مایوسی ہو گئی۔ ایک دن حضرت حنہ نے ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کو دانہ کھلا رہی ہے۔ آپ کے دل میں اولاد کا شوق پیدا ہوا اور دعا کی کہ مولیٰ یہ چڑیا بچے سے اپنا دل بہلا رہی ہے مجھے بھی ایک فرزند دے جو میرے دل بہلانے کا ذریعہ ہو' تو اسی وقت وقف کی منت مان لی یا حمل کے بعد۔ غرضکہ یہ دعا مانگنا تھی کہ انہیں حیض جاری ہوا۔ حیض سے فارغ ہوتے ہی حاملہ ہو گئیں اور عمران سے کہنے لگیں کہ میں نے یہ منت مانی ہے۔ عمران نے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا اگر لڑکی پیدا ہوئی تو کیا کرو گی۔ تب بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے مولیٰ میں منت مان چکی ہوں کہ جو کچھ میرے شکم میں ہے وہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہے اس سے نہ خدمت لوں گی نہ گھر کا کام کاج۔ اس زمانہ میں اس وقف کا رواج تھا کہ لوگ اپنی اولاد کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دیتے تھے اور بچے وہاں ہی رہتے سہتے تھے اور وہاں کی خدمت کرتے تھے۔ جیسے آج کل روضہ مطہرہ اور کعبہ معظمہ میں خدام رہتے ہیں جنہیں اغوات کہا جاتا ہے۔ اس قاعدہ سے آپ نے منت مانی اور خوش تھیں کہ جب میری دعا پر رب نے مجھے یہ امید دکھائی ہے تو بیٹا ہی ہو گا۔ کیونکہ میں نے بیٹا ہی مانگا تھا۔ اسی اثناء میں حضرت عمران وفات پاگئے۔ جب وقت ولادت آیا اور حضرت مریم پیدا ہوئیں تو حنہ

کو خلاف امید لڑکی پیدا ہونے اور اپنی نذر پورا نہ کرسکنے پر بہت افسوس ہوا تب وہ دعا مانگی جو اس آیت میں مذکور ہے۔ بقیہ حصہ اگلی آیتوں میں آرہا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کچھ لوگوں کا اپنے آپ کو دین کے لئے خالص کر دینا ضروری ہے اگر سب لوگ دنیا میں مشغول ہو جائیں تو دین کیسے قائم رہے۔ کاش مسلمان اس سے عبرت پکڑیں اور اپنی بعض اولاد کو خدمت دین کے لئے وقف کردیں 'جنہیں بچپن سے اس کے لئے تیار کریں مگر افسوس کہ اب مسلمان کی نظر روٹی پر رہ گئی اور وہ سمجھ بیٹھے کہ انگریزی میں روٹیاں اچھی ملتی ہیں گویا ان کے عقیدہ میں انگریز رزاق ہیں۔ مگر یاد رکھو کہ تمہاری عزت دین سے ہے اور دین کا بقاء علماء اور صالحین سے۔ اگر اپنی بقا چاہتے ہو تو اپنی جماعت میں ایسے لوگ زیادہ بناؤ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلولا نفر من کل فرقۃ طائفۃ لیتفقھوا فی الدین** **دوسرا فائدہ:** اسلام میں بھی ایسی نذر صحیح ہے کہ کوئی شخص اپنے بچے کو دین کے لئے وقف کرنے کی منت مانے اور اس سے کوئی دنیوی کام نہ لے۔ کیونکہ یہ عبادت ہے اور ہر عبادت میں نذر درست۔ (احکام القرآن) بعض مفسرین کا اس کی ممانعت فرمانا بلا دلیل ہے۔ بغیر انکار گزشتہ امتوں کا واقعہ منقول ہونا جواز کی دلیل ہے۔ قرآن کریم نے اس کی ممانعت نہ کی پھر بلا دلیل کیوں منع کیا جائے۔ **تیسرا فائدہ:** نذر شرعی کا پورا کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جیسا کہ **لک** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** نامعلوم چیز کی نذر جائز ہے یہ بھی **ما فی بطنی** سے معلوم ہوا۔ حنہ کو نذر کے وقت خبر نہ تھی کہ لڑکی ہوگی یا لڑکا مگر نذر مان لی۔ خیال رہے کہ نذر شرعی جس کا پورا کرنا ضروری ہے اس میں تین شرطیں ہیں ایک یہ کہ جس کام کی نذر مانی جائے وہ عادت نہ ہو عبادت ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ عبادت کہیں نہ کہیں واجب ہو ہر جگہ نفل نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اللہ کے نام کی ہو اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ ہوگی تو وہ نذر شرعی نہیں' نذر لغوی ہے۔ اس زمانہ کے لحاظ سے یہ نذر شرعی تھی کہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف اولاد اس زمانہ میں عبادت دین واجبہ تھی۔ نذر لغوی بھی پورا کرنا چاہئے اگرچہ واجب نہیں۔ ایک صحابی نے بیت المقدس میں چراغ جلانے کی منت مانی تھی۔ ایک لونڈی نے حضور کے آگے دف بجانے کی نذر مانی تھی۔ یہ دونوں لغوی نذریں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پورا کرنے کی اجازت دی۔ **چھٹا فائدہ:** اولاد کی پرورش 'تعلیم' تربیت وغیرہ ماں کا بھی حق ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو حنہ کو اس نذر کا اختیار بھی نہ ہوتا۔ **ساتواں فائدہ:** ماں کو اپنی اولاد کے نام رکھنے کا حق ہے اگر باپ نہ رکھے۔ حضرت حنہ نے دختر کا نام مریم رکھا اور رب نے بھی انہیں اسی نام سے یاد کیا' یہ تمام مسائل احکام القرآن سے لئے گئے۔ **آٹھواں فائدہ:** خانقاہوں' بزرگان دین کے مزارات پر' مساجد میں خدام کا رہنا جائز ہے۔ جیسا کہ اس آیت کے مضمون سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبر انور کی منتظمہ تھیں اور اس وقت سے اب تک روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدام رہتے ہیں۔ جس حدیث میں قبر پر بیٹھنے کی ممانعت آئی اس سے قبر پر چڑھ کر بیٹھنا مراد ہے نہ کہ وہاں کا مجاور رہنا۔ **نواں فائدہ:** بزرگان دین کے قصے سننا' پڑھنا' یاد کرنا باعث برکت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حنہ کا پورا قصہ قرآن شریف میں بیان فرمایا کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔ **دسواں فائدہ:** مرد عورت سے افضل ہے مگر بعض عورتیں مردوں سے بڑھ کر جیسا کہ **لیس الذکر کالانثی** سے معلوم ہوا۔ **گیارھواں فائدہ:** اولاد کے نام اچھے رکھنے چاہئیں کہ اکثر نام کا اثر کام پر پڑتا ہے جیسا کہ

سمیتھا مریم سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ لڑکی لڑکے سے افضل ہے' دوسری جگہ فرمایا گیا **الرجال قوامون علی النساء** اور ایک مقام پر فرمایا گیا **وللرجال علیھن درجۃ**۔ ان میں مطابقت کیوں کر ہو؟ **جواب:** نوع مرد نوع عورت سے افضل ہے۔ لیکن بعض عورتیں بعض مردوں سے افضل ہیں یعنی مردیت عوریت سے بڑھ کر ہے' نبوت سلطنت قضاء امامت مردوں کے لئے خاص ہیں۔ اگرچہ عورتوں کے بعض افراد مردوں سے بڑھ جائیں۔ اس آیت میں افراد کا ذکر ہے۔ ان آیتوں میں نوعیت کا۔

حکایت : ایک جگہ روح البیان نے فرمایا کہ کسی نے حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے مردوں کی بڑائی بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ عورتوں کو برا نہ جانو۔ عورتیں انبیاء و اولیاء کی کان ہیں۔ بعض نبی بغیر باپ پیدا ہوئے مگر کوئی پیغمبر بغیر ماں صرف باپ سے پیدا نہیں ہوئے۔ اعلیٰ چیز کا سانچہ بھی اعلیٰ ہوتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت حنہ کو لڑکی پیدا ہونے کا رنج ہوا اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی پر رنج کرنا طریقہ کفار ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **واذا بشر احدھم بالانثی ظل وجھہ' مسودا وھو کظیم**۔ پھر حضرت حنہ سے یہ فعل کیوں واقع ہوا؟ **جواب:** لڑکی سے نفرت اور صرف لڑکے سے محبت کرنا واقعی برا ہے۔ یہاں یہ نہ ہوا۔ انہیں رنج اس کا تھا کہ اب میری نذر کیسے پوری ہوگی۔ نیز چونکہ بیٹے کی امید تھی اور خلاف امید لڑکی ہوئی اس پر قدرے ملال ہوا۔ نیز لڑکوں سے غیر اختیاری محبت سب کو ہوتی ہے مگر لڑکی سے نفرت یا لڑکے پر اس کو ترجیح دینا یا اس کی پیدائش پر ناشکری کے الفاظ بولنا برا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** کیا اسلام میں اولاد کا ایسا وقف صحیح ہے؟ **جواب:** ہاں صحیح ہے مگر کچھ فرق کے ساتھ۔ وقف شرعی مملوک مال کا ہی جائز ہے۔ اولاد کا وقف لغوی درست ہے۔ یعنی دین کے لئے روک دینا۔ **چوتھا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے ماموں تھے کیونکہ وہ حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی تھے۔ مگر حدیث معراج میں ہے کہ یحییٰ و عیسیٰ سے ملاقات کی جو آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** حدیث میں مجازاً" اس طرح فرمایا گیا یعنی حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہم السلام میں خالہ کا رشتہ ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت ایشاع حنہ کی اخیافی بہن ہیں اور حضرت مریم کی علاقائی بہن کہ عمران نے پہلے حنہ کی ماں سے نکاح کیا جس سے ایشاع پیدا ہوئیں پھر حنہ سے۔ اس دین میں ربیبہ سے نکاح درست تھا لہٰذا یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے ماموں بھی ہوئے اور خالہ زاد بھائی بھی۔ مگر پہلا جواب قوی ہے۔ (تفسیر روح المعانی) **پانچواں اعتراض:** بی بی حنہ نے حضرت مریم کی دعا میں صرف شیطان کا ذکر کیوں فرمایا۔ انسان کے دشمن تو لاکھوں ہیں ان کا ذکر کیوں نہ کیا؟ **جواب:** دو وجہ سے' ایک یہ کہ دشمن چار قسم کے ہیں۔ دشمن جان جیسے قاتل موذی انسان و سانپ وغیرہ' دشمن مال جیسے چور ڈاکو وغیرہ دشمن آبرو جیسے حاسد لوگ دشمن ایمان جیسے نفس امارہ و برے ساتھ و شیاطین۔ ان تمام دشمنوں میں دشمن ایمان سخت تر ہے۔ وہ شیطان ہے آپ نے اس سخت خطرناک دشمن ہی سے پناہ مانگی۔ دوسرے یہ کہ جانی دشمن دیکھنے میں آتے ہیں انہیں مار بھی سکتے ہیں۔ مقابلہ بھی کر سکتے ہیں مگر شیطان وہ موذی و خطرناک دشمن ہے جو نہ دیکھنے میں آئے نہ ہم سے مار کھائے نہ بادشاہ کی جیل و پھانسی اس پر چل سکے۔ بجز رب کے کرم کے اور کوئی ذریعہ اس سے بچنے کا نہیں۔ اس لئے خصوصیت سے اس

سے پناہ مانگی۔ **چھٹا اعتراض:** دشمن ایمان بھی بہت ہی ہیں۔ شیطان، نفس امارہ، برے ساتھی وغیرہ پھر شیطان کا ذکر کیوں ہوا؟ **جواب:** شیطان ان سب کا گرو ہے اگر انسان اس سے بچ گیا سب سے بچ گیا۔ نفس وغیرہ کو یہی بہکاتا ہے اگر نفس اس کے شر سے محفوظ ہو جاوے تو بجائے امارہ کے مطمئنہ بن جاتا ہے پھر وہ نفس اچھے مشورے دیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے غذا کا اولاد پر اثر پڑتا ہے ایسے ہی نیتوں کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے۔ جس کی غذا حلال طیب ہو اور نفس نورانی نیت سچی و حقانی ہو تو انشاء اللہ اس کی اولاد نیک صالح بلکہ ولی ہوگی اور جس کی غذا حرام نفس ظلمانی اور خبیثہ نیت فاسدہ ہو اس کی اولاد فاسق خبیث بلکہ کافر ہوگی کیونکہ نطفہ غذا سے پیدا ہوتا ہے اور نفس سے پرورش پاتا ہے۔ اس لئے اس کا اثر قبول کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **الولد سر ابیہ** اولاد باپ کا راز ہے۔ حضرت مریم کا صدق اور عیسیٰ علیہ السلام کا یہ درجہ عمران کی نیک نیتی اور حضرت حنہ کے سچے ارادے کا نتیجہ تھیں (ابن عربی و روح البیان) ہاں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خبیثوں کے گھر طیب اولاد اور طیب کے گھر خبیث اولاد ہو جاتی ہے مگر بہت کم۔ نیت کا اثر صرف اولاد پر ہی نہیں پڑتا بلکہ مال، اعمال، کاروبار سب پر پڑتا ہے۔ نیک نیتی سے مال میں برکت اور عمل کی قبولیت ہے۔ بدنیت کا نہ عمل قبول، نہ مال مبارک۔ چاہئے کہ عمل سے پہلے نیت کی جائے تاکہ تمہارے اعمال درست ہوں۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ
پس قبول کیا اس کو رب نے اس کے ساتھ قبول اچھے کے اور بڑھایا اسے بڑھانا اچھا اور نگہبان بنایا
تو اسے اس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا اور اسے اچھا پروان چڑھایا اور اسے زکریا کی نگہبانی میں
كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ
اس کا زکریا کو جب داخل ہوتے اوپر اس کے زکریا محراب میں تو پاتے نزدیک اس کے رزق کہا انہوں نے
دیا جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے کہا اے
أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ
اے مریم کہاں سے ہے واسطے تمہارے یہ وہ بولیں وہ پاس سے اللہ کے ہے تحقیق اللہ رزق دیتا ہے
مریم تیرے کہاں سے آیا بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے بے شک اللہ جسے چاہے
حِسَابٍ ﴿۳۷﴾
جس کو چاہتا ہے بے حساب ؔ
بے گنتی دے ؔ

تعلق : اس آیت کریمہ کا تعلق پچھلی آیتوں سے چند طرح ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت حنہ کی دعا کا ذکر تھا' اب ان کی قبولیت کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت حنہ کی بزرگی ان کے اخلاص اور ان کی نذر کا تذکرہ تھا۔ اب ان کی صاحبزادی حضرت مریم کی عظمت شان اور قبولیت بارگاہ اور منظوری نذر کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی تمہید تھی۔ اب ولادت یحییٰ کی تمہید ہے (علیہ السلام)

تفسیر : **فتقبلها ربها بقبول حسن** یہاں باب تفعل۔ زیادتی اور مبالغہ کے لئے ہے۔ **ھا** کا مرجع حضرت مریم ہیں اور دوسرے **ھا** کا مرجع یا مریم ہیں یا حنہ۔ چونکہ قبول اور تقبل ہم معنی ہیں اس لئے بجائے تقبل کے بقبول فرمایا گیا۔ نیز چونکہ تقبل میں "تکلفاً" قبول کرنے کا احتمال تھا۔ اس کو دفع کرنے کے لئے۔ قبول فرمایا گیا۔ سیبویہ نے کہا کہ پانچ مصدر بروزن فعول آتے ہیں۔ قبول' طہور' وضوء اور تعود اور ولوع۔ قبول حسن میں چند احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ باوجودیکہ لڑکی خدمت بیت المقدس کے قابل نہیں مگر حضرت حنہ کے اخلاص کی بنا پر مریم کو قبول فرمالیا۔ دوسرے یہ کہ حضرت مریم اور ان کے فرزند عیسیٰ علیہ السلام کو پاکدامن اور شیطان سے محفوظ رکھا۔ تیسرے یہ کہ انہیں گندے اخلاق اور بری باتوں سے بچایا۔ چوتھے یہ کہ حضرت مریم نے کسی کا دودھ نہ پیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بچپن میں کلام کیا (تفسیر کبیر و معانی وغیرہ) یعنی رب تعالیٰ نے حضرت مریم کو راضی ہو کر اچھی طرح قبول فرمالیا اور حنہ کی ساری دعائیں منظور کیں کہ مریم کو اول ولادت سے خاتمہ زندگی تک شیطان سے محفوظ رکھا۔ یہاں رب تعالیٰ نے **فتقبل** فرماکر بتایا کہ ہم نے حنہ کی ساری دعائیں من وعن اسی طرح قبول فرمائیں جس طرح انہوں نے دعائیں مانگیں کوئی دعا رد نہ فرمائی **ھا** فرماکر بتایا کہ ان کی دعا کی وجہ سے اپنا قانون بدل دیا کہ بیت المقدس کی خدمت گاروں میں لڑکی کا ہونا اس زمانہ کے قانون کے خلاف تھا جیسا کہ آج اسلام میں عورت کا امام نماز بننا۔ بزرگوں کی دعا سے قانون بدل دیئے جاتے ہیں۔ قبول حسن فرماکر بتایا کہ ان بی بی حنہ کی دعا سے زیادہ مریم کو نعمتیں دی گئیں۔ انہوں نے صرف یہ دعا مانگی تھی کہ مریم شیطان کے شر سے محفوظ رہیں۔ ہم نے یہ بھی قبول فرمائی اور کئی دن مریم کو جنتی میوے دینا' نبی کی پرورش میں رہنا' زیادہ اچھی طرح پروان چڑھانا بھی بخشا۔ جو ان کی دعا کے سواء ہے۔ پھر عیسیٰ روح اللہ کی ماں بننا اور آپ کے ہاتھ سے کرامات کا ظاہر ہونا۔ قرآن شریف میں آپ کا ذکر ہونا' تاقیامت آپ کا ذکر خیر دنیا میں رہنا۔ یہ سب چیزیں ان کی دعا کے سواء ہیں **وانبتها نباتا حسنا**۔ **انبت** نبات سے بنا۔ لغت میں نبات پھیلنے والی گھاس کو کہتے ہیں جس کا تنا نہ ہو۔ پھر استعمال میں ہر بڑھنے والی شے پر بولنے لگے۔ سبزی ہو یا درخت' حیوان ہو یا انسان۔ انبات بمعنی اگانا' بڑھانا۔ **نباتا** یا تو **انبت** کا مفعول۔ مفعول مطلق ہے یا نبت پوشیدہ فعل کا اور اصل عبارت یوں ہے **وانبتها فنبت هي نباتا حسنا** یعنی پرورش کرنا مراد ہے۔ **حسن** سے مراد دینی خوبی بھی ہے اور دنیوی بھی۔ چنانچہ حضرت مریم ایک دن میں اتنی بڑھتی تھیں جیسے دوسرے بچے ایک سال میں۔ نیز وہ شروع سے ہی عابدہ زاہدہ اور رب کی فرمانبردار ہوئیں۔ یعنی رب تعالیٰ نے مریم کو اچھی طرح پالا' پرورش کیا اور پروان چڑھایا۔ ایسی پرورش ماں باپ سے ناممکن تھی۔ **وكفلها زكريا**۔ یہ **انبت** پر معطوف ہے اور کفل' **تكفيل** سے بنا جس کا مادہ کفل ہے' بمعنی حصہ۔ ضمانت اور ذمہ داری کو کفالہ اور ضامن یا ذمہ دار کو کفیل اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں دوسرے کے بوجھ کا کچھ حصہ اپنے پر رکھا جاتا ہے۔ پرورش کرنے والے مربی کو کافل کہا جاتا

ہے۔حدیث میں ہے انا و کافل الیتیم کھاتین۔ یا تو کفل بمعنی تکفل ہے اور زکریا اس کا فاعل یا کفل اپنے معنی میں ہے اور اس کا فاعل رب تعالیٰ اور ھا مفعول اول اور زکریا مفعول دوم۔ زکریا عجمہ اور علیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ بعض نے کہا کہ تانیث بالالف کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔اس میں تین لغتیں ہیں۔ ذکر بغیر یا کے ذکری بغیر الف کے اور زکریا ی اور الف کے ساتھ۔ آپ کا نسب شریف یہ ہے زکریا ابن لدن ابن مسلم ابن صدون۔ صدون حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ ابن داؤد ابن ایشا ابن حویل ابن سلمون ابن یاعر ابن محشون ابن عمیلو ابن حضروم ابن فارض ابن فارض ابن یہودا ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہ السلام (روح البیان) یعنی رب تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو جو مریم کے خالو تھے حضرت مریم کی نگہبانی کا ذمہ دار بنایا۔ بعض نے کہا کہ حضرت زکریا کی ذمہ داری دودھ چھوڑنے کے بعد شروع ہوئی کیونکہ اس کا ذکر انبتھا کے بعد ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم کی پرورش پہلے ہوئی اور زکریا علیہ السلام کی نگہبانی دودھ چھوٹنے کے بعد۔ مگر صحیح یہ ہے کہ شروع سے ہی حضرت مریم زکریا کی پرورش میں آئیں اور آپ نے ماں کا دودھ بالکل نہ پیا۔ احادیث اس کی گواہ ہیں اور واؤ ترتیب نہیں چاہتی (روح المعانی و کبیر وغیرہ) رب تعالیٰ نے بی بی مریم کی یہاں چند فضیلتیں بیان فرمائیں۔ ان کا اعلیٰ خاندان سے ہونا' حضرت عمران و حنہ کا چشم و چراغ ہونا۔ رب کا انہیں قبول فرمانا اور اچھی طرح انہیں پروان چڑھانا۔ حضرت زکریا کی پرورش' محترم مقام یعنی خاص بیت المقدس کے بالا خانہ میں ہونا۔ جو لڑکی خود بھی اعلیٰ ہو۔ خاندان بھی اعلیٰ' تربیت دینے والے بھی کامل' پرورش کی جگہ بھی افضل ہو۔ غور کرلو وہ بچی کس شان کی مالک ہوگی۔ نبی کی ایک آن کی صحبت جانوروں' لکڑیوں' پتھروں کو متبرک کر دیتی ہے۔ اصحاب کہف کا کتا' کعبہ کا غلاف' قرآن شریف کا جزدان' مدینہ منورہ کے کنکر' پتھر عظمت والے ہیں تو جناب مریم ایسی جگہ اور ایسی تربیت میں کیسی شان والی ہوں گی۔ کلما دخل علیھا زکریا المحراب۔ کلما عموم وقت کے لئے ہے۔ محراب۔ حرب بمعنی جنگ سے بنا بروزن مفعال صیغہ مبالغہ کا ہے جیسے معطان۔ عبادت کے مقام کو محراب کہا جاتا ہے کیونکہ وہاں نفس اور شیطان سے بذریعہ عبادت جنگ کی جاتی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ اسم آلہ بمعنی ظرف مکان ہے کیونکہ یہ شیطان سے جنگ کی جگہ ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

جمع الشجاعت والخشوع لربہ ما احسن المحراب فی المحراب

(روح المعانی)

خیال رہے کہ مفعل ظرف زماں کے لئے بھی آتا ہے اور ظرف مکان کے لئے بھی جیسے میلاد اور معراج۔ یہاں مراد بالا خانہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اذ تسوروا المحراب۔ عمر ابن ربیعہ کہتا ہے۔

ربہ محراب اذا جئتھا لم ادن لی ارتقیا سلما

چنانچہ روایت میں ہے کہ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کے لئے ایک بالا خانہ بنایا تھا جس کے سات دروازے تھے وہاں ان کو رکھا۔ یا اس سے بیت المقدس کی کوئی اعلیٰ جگہ مراد ہے یا مسجد ہی مراد ہے۔ اس زبان میں ساری مسجد کو محراب کہتے تھے۔ جیسے اب مسجد کے غربی دیوار کے درمیانی حصہ کو محراب کہا جاتا ہے جہاں کمان نما طاق بنا ہوتا ہے۔ جیسے آج بیت اللہ مسجد حرام پورے مکہ معظمہ' حدود مکہ کو حرم کہتے ہیں بلکہ مسجد نبوی شریف حدود مدینہ کو بھی حرم کہا جاتا ہے یعنی حرمت والی جگہ' ایسے ہی لفظ محراب بہت معنوں میں استعمال ہوتا تھا یہاں بیت المقدس کا بالا خانہ' وہاں کا کوئی خاص مقام مراد ہے جو حضرت مریم کی

پرورش کے لئے منتخب ہوا تھا۔ یعنی جب زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے پاس ان کے بالاخانے یا مسجد میں جاتے تو **وجد عندھا رزقا**" یا جیسے **وفی السماء رزقکم**۔ ابن جریر نے حضرت ربیعہ سے روایت کی کہ یہاں رزق سے مراد بے موسم پھل ہیں یعنی سردی کے پھل گرمی میں اور گرمی کے پھل سردی میں۔ **رزقا** کی تنوین تعظیمی ہے یعنی حضرت زکریا مریم کے پاس عظیم الشان پھل پاتے تھے۔ خیال رہے کہ جنت میں دانے نہیں ہیں پھل ہیں۔ دانے غذا کے لئے کھائے جاتے ہیں پھل لذت کے لئے' وہاں غذا کی ضرورت نہیں۔ حضرت آدم کے لئے آزمائش کے طور پر عارضی گندم وہاں تھا۔ نیز جنت کے پھل بعض حضرات نے جنت میں جا کر کھائے ہیں' بعض نے زمین پر رہ کر' حضرت مریم وخبیب نے زمین پر رہ کر کھائے۔ نیز جنت کے پھل پانی وغیرہ تو کھائے بھی گئے اور کھائے بھی جائیں گے مگر وہاں کی حوروں کا استعمال قیامت کے بعد ہو گا۔ ورنہ حضرت حوا کی پیدائش کی ضرورت نہ ہوتی۔ نیز وہاں کے پھل کھانے سے ختم نہیں ہوتے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اکلھا دائم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ہم جنت کے پھل آج توڑ لیتے تو تم قیامت تک کھاتے۔ دیکھو ہوا دھوپ استعمال سے کم نہیں ہوتی۔ حضرت مریم وہ پھل کھا بھی لیتی تھیں اور واپس بھی ہو جاتے تھے۔ کھانے سے ختم نہ ہوتے تھے۔ **قال یا مریم انی لک ھذا**۔ یہ نیا جملہ ہے جو گزشتہ مضمون کو واضح کر رہا ہے **انی** کی نفیس تحقیق ہم دوسرے پارہ میں کر چکے کہ اس کے معنے یا **من این** ہوتے ہیں۔ یا **کیف** یا صرف **این** اور **من** پوشیدہ۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

تمنی بوادی الرمث زینب صلتہ ۔۔۔ فکیف ومن انی بذی الرمث تطرق

یہاں **انی** بمعنی **این** ہے دوسرا شاعر کہتا ہے۔

انی ومن این آبک الطرب ۔۔۔ من حیث لا صبوۃ ولا ریب

یہاں **انی** بمعنی **کیف** ہے۔ آیت میں دونوں معنی درست ہیں یعنی فرماتے کہ اے مریم! تمہارے پاس یہ کہاں سے آئے آج کل اس کا موسم نہیں یا تم تک کیسے پہنچے تم تو سات قفلوں میں بند تھیں۔ آپ کا یہ سوال نہ تو بے خبری سے تھا نہ تعجب یا حیرت سے کہ آپ تو جانتے تھے کہ جنتی پھل ہیں۔ یہ سوال آپ کی فہم و سمجھ آزمانے کے لئے تھا۔ رب نے بھی یہ واقعات قرآن کریم میں اس لئے نقل فرمائے کہ مسلمانوں کو ولی کی کرامات' فہم و ادراک کا پتہ لگے۔ ان کے عقائد درست ہوں۔ ان دونوں باتوں کا جواب یہ دیتیں **قالت ھو من عند اللہ**۔ **ھو** کا مرجع رزق ہے اور **من عند** کا متعلق **جاء** ہے اور اس سے مراد بغیر وسیلہ انسان آنا ہے یعنی آپ تعجب نہ کریں۔ یہ جنت کا رزق ہے۔ رب کے پاس سے بلاواسطہ انسان آیا۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت مریم کا یہ کلام بچپن شریف کا ہے اور کیا جامع کلام ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ اللہ کی ذات کو جانتی ہیں اس کی صفات کو بھی کہ وہ رزاق ہے۔ اس کی قدرت کو بھی کہ وہ جنت کے پھل دنیا میں بھیج سکتا ہے۔ جنت کو بھی جانتی ہیں۔ وہاں کے پھل بھی پہچانتی ہیں بلکہ لانے والے فرشتہ کو بھی پہچانتی ہیں۔ یہ فرشتہ ہے جنت سے پھل لایا ہے **ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب** یا تو یہ حضرت مریم کا کلام ہے۔ حساب کے چند معنی ہیں' گمان' اندازہ' محاسبہ دنیا میں یا آخرت میں یہاں سب معنی درست ہیں یعنی رب جسے چاہے ایسی جگہ سے روزی دے۔ جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو۔ کھیت نوکری مزدوری گمان والے دروازے ہیں مگر جنت کے پھل بے گمان جگہ سے آتے ہیں یا جسے چاہے بے اندازہ روزی دے اور اس کا دنیا و آخرت میں حساب نہ لے۔ میرے اس رزق میں یہ تینوں خوبیاں موجود ہیں۔ قانون میں حساب ہے۔ محبت میں

حساب نہیں۔ہوٹل کا کھانا قانون و حساب سے ملتا ہے مگر دوستوں کے گھر دعوت میں بغیر حساب ملتا ہے۔سونیا عوام کے لئے دکان ہے۔خواص کے لئے محبوب کا گھر۔عوام کو حساب سے مل رہا ہے خواص کو بلا حساب میرے پاس بھی یہ رزق ایسی جگہ سے آرہا ہے جو انسان کی عقل و گمان سے باہر ہے۔یا یہ کلام رب تعالیٰ کا ہے اور حساب بمعنی گنتی یا حساب آخرت یعنی رب جسے چاہے بے گنتی یا بلا حساب دے۔

خلاصہ تفسیر : حضرت حنہ کی دعا کا یہ نتیجہ ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کی صاحبزادی کو باوجود لڑکی ہونے کے برضا اچھی طرح قبول فرمایا کہ انہیں سارے وہ اوصاف بخشے جن کی حضرت حنہ کو آرزو تھی اور حضرت مریم کو دینی و دنیوی لحاظ سے عمدہ طرح پالا اور پروان چڑھایا کہ انہیں بلا تربیت اور بلا تعلیم اچھے اخلاق' شوق عبادت' پاکدامنی بخشی اور اول سے آخر تک شیطان سے محفوظ رکھا اور اپنے زمانہ کی ساری عورتوں سے انہیں اجمل و اکمل کیا اور ان کی پرورش کا ذمہ دار اور نگہبان ان کے خالو حضرت زکریا نے ان کی کرامت یہ دیکھی کہ وہ جب کبھی حضرت مریم کے پاس مسجد کے اس حصہ میں جاتے جو حضرت مریم کی قیام گاہ تھا تو باوجود مقفل ہونے کے ان کے پاس غیبی بے موسم پھل پاتے۔ایک دن انہوں نے مریم کی عقل و دانائی آزمانے کے لئے ان سے پوچھا کہ اے مریم تمہارے پاس یہ پھل کہاں سے آتے ہیں جب یہ بازار میں نہیں ملتے' تمہیں کہاں سے مل جاتے ہیں اور تم تک کیسے پہنچ جاتے ہیں۔حالانکہ تمہارے پاس صرف میں ہی آتا ہوں اور تم قفل میں رہتی ہو تو انہوں نے اس عمر شریف میں کیا نفیس جواب دیا کہ بلا وسیلہ انسان میرے رب کے پاس سے آتے ہیں اللہ جسے چاہتا ہے بغیر وہم و گمان عطا فرماتا ہے یا بے گنتی اور بے حساب دیتا ہے۔ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت مریم بلکہ تمام گذشتہ اولیاء و انبیاء پر احسان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے دامن سے لوگوں کی تہمتوں کے داغ دھو ڈالے اور ان کے نام دنیا میں چمکا دیئے ورنہ یہود نے حضرت مریم کو بہتان لگا دیئے تھے۔اسلام کی وسعت قلبی ہے کہ عیسائی یہودی اسلام کو برا کہیں' بانی اسلام کو گالیاں دیں مگر اسلام نے ان کے مانے ہوئے بزرگوں کی گواہیاں دیں۔ہمیشہ مدعی اپنے گواہ کی تعریف کرتا ہے کہ مقدمہ اس کی گواہی پر جیتنا ہے۔ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کے گواہ برحق ہیں۔ **انا ارسلنک شاھدا** مگر حیرت ہے کہ وہ لوگ اپنے اس گواہ عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں۔اگر حضور سچے نہیں تو ان کے دینوں' کتابوں کی حقانیت کیسے ثابت ہوگی۔انہیں چاہئے کہ اپنے نبیوں کی حقانیت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق مانیں۔

واقعہ : حضرت حنہ نے مریم کے پیدا ہوتے ہی انہیں ایک کپڑے میں لپیٹا اور بیت المقدس میں لے گئیں جہاں چار ہزار خدام رہتے تھے (روح البیان) اور ان کے سردار ستائیس یا ستر تھے جن کے امیر حضرت زکریا علیہ السلام تھے۔(خزائن) چونکہ حضرت عمران بنی اسرائیل کے امام تھے۔اس لئے ان ستر میں سے ہر ایک نے حضرت مریم کے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ہر ایک چاہتا تھا کہ ان کی خدمت کا شرف مجھے حاصل ہو۔زکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کا زیادہ مستحق میں ہوں۔کیونکہ ان کی خالہ میرے نکاح میں ہیں وہ احبار بولے کہ اگر قرابتداری کی بنا پر یہ حق ملتا تو ان کی والدہ کو ملتا۔اب فیصلہ یہ ہے کہ قرعہ ڈالا جائے جس کے نام پر قرعہ نکلے وہ انہیں حاصل کرے۔یہ سب حضرات نہر اردن کی طرف اپنے وہ قلم لے کر چلے جس سے وحی لکھتے تھے اور طے یہ ہوا کہ جس کا قلم پانی میں نہ ڈوبے نہ بہ جائے وہ حضرت مریم کو لے اور جس کا قلم ڈوب جائے یا بہ جائے وہ ان کا

مستحق نہیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ سب کے قلم ڈوب گئے یا بہ گئے۔ مگر زکریا علیہ السلام کا قلم پانی میں ٹھہرا رہا۔ لہذا حضرت مریم کی پرورش انہیں کے سپرد ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ تین بار قرعہ ڈالا گیا اور ہر دفعہ ایسا ہی ہوا۔ اسے قرآن کریم نے یہاں فرمایا **وکفلها زکریا**۔ دوسری جگہ فرمایا **اذ یلقون اقلامهم ایهم یکفل مریم** حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم کے لئے بیت المقدس میں ایک بالا خانہ بنایا جس کا دروازہ بیچ بیت المقدس کے تھا۔ جہاں زینہ کے ذریعہ پہنچ سکتے تھے۔ سوا زکریا علیہ السلام کے وہاں کوئی نہ جاتا تھا۔ صحیح روایت میں ہے کہ حضرت مریم نے کسی عورت کا دودھ نہ پیا اور بچپن میں نہایت فصیح و بلیغ کلام فرمایا۔ اور آپ کی پرورش کی یہ کیفیت تھی کہ آپ ایک دن میں اتنا بڑھتی تھیں جتنا دوسرے بچے ایک سال میں اور آپ کو جنتی پھل ملا کرتے تھے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **وجعلنها وابنها اٰیۃ للعلمین** ہم نے مریم اور اس کے بیٹے کو سارے جہان کے لئے اپنی قدرت کا نشان بنایا۔

لطیفہ : کل گیارہ بچوں نے گہوارے میں کلام کیا (1) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (2) حضرت یحییٰ (3) حضرت ابراہیم (4) حضرت عیسیٰ (5) حضرت مریم (علیہم السلام) (6) جریج کی گواہی دینے والا بچہ (7) یوسف علیہ السلام کا گواہ (8) کھائی والوں کا بچہ (9) اس لونڈی کا بچہ جسے زمانہ بنی اسرائیل میں زنا کی تہمت لگائی گئی (10) حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) کی خادمہ کا وہ بچہ جسے کھولتے تیل میں جلایا گیا (11) یسود کا وہ بچہ جو اپنے ماں باپ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفت کودک سلم اللہ علیک	یا رسول اللہ قد جئنا الیک

ان تمام کو شیخ جلال الدین سیوطی نے ان اشعار میں جمع فرمایا۔

تکلم فی المهد النبی محمد	ویحی و عیسی والخلیل و مریم
وجری جریج ثم شاهد یوسف	وطفل الذی الا خدود یرویه مسلم
طفل علیه مر بالامة التی	یقال لها تزنی ولا یتکلم
وما شطته فی عهد فرعون طفلها	وفی زمن الهادی المبارک یختم

لہذا اس آیت میں حضرت مریم کی دو کرامتیں بیان ہوئیں۔ جنت کے پھل کھانا اور بچپن میں کلام کرنا اور کلام بھی ایسا عارفانہ کہ سبحان اللہ۔ حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے شیر خوارگی میں رمضان کے روزے رکھے۔ لوگ نہیں مانتے مگر یہ کرامت یہاں سے ماخوذ ہو سکتی ہے کہ مقبول لوگ بچپن میں عارف کامل ولی ہوتے ہیں۔ ان سے اس قسم کے کام و کلام ظاہر ہوتے ہیں۔

حکایت : ابو یعلی نے حضرت جابر سے روایت کی کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ میں کئی دن کھانا نہ پکا۔ جب غلبہ بھوک کا ہوا تو اپنے ازواج کے گھروں میں تشریف لے گئے مگر کسی کے پاس کچھ نہ پایا۔ پھر حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ گھر میں کچھ کھانے کو ہے؟ عرض کیا نہیں یا رسول اللہ وہاں سے واپس ہی ہوئے تھے کہ کسی ہمسایہ نے حضرت خاتون جنت کی خدمت میں دو روٹیاں اور کچھ گوشت بھیجا۔ خاتون جنت نے سوچا کہ اگرچہ ہم سب حاجت مند ہیں مگر میں یہ کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں گی۔ اس خیال سے وہ کھانا ایک

برتن میں رکھ دیا اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور کی خدمت میں بلانے کے لئے بھیجا۔ حضور تشریف لائے۔ حضرت خاتون جنت نے وہ کھانا پیش کیا۔ کھولا تو برتن کھانے سے بھرا پایا۔ آپ حیران رہ گئے۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا۔ فاطمہ یہ کہاں سے آیا۔ عرض کیا **ھو من عند اللہ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب**۔ حضور علیہ السلام نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ الحمد للہ فاطمہ مریم کے مثل ہے' وہ بھی غیبی کھانا پاکر یہی کہا کرتی تھیں۔ پھر وہ کھانا سب گھر والوں نے کھایا اور محلہ میں تقسیم کیا گیا (روح البیان و معانی)

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کرامات اولیاء حق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبولوں کے ہاتھ پر عجائبات ظاہر فرماتا ہے۔ حضرت مریم سے جو ولیہ تھیں بہت عجائبات ظاہر ہوئے۔ کرامات کا انکار در حقیقت آیات قرآنی اور صدہا احادیث کا انکار ہے (تفسیر کبیر وغیرہ) قرآن کریم نے مختلف جگہ کرامات اولیاء بیان فرمائیں۔ یہاں بی بی مریم کی کرامات کا ذکر ہوا۔ دوسری جگہ آصف بن برخیا کا آن کی آن میں پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے ملکہ بلقیس کا تخت شام میں لا کر حاضر کر دینا۔ ایک جگہ اصحاب کہف کا صدہا سال سونا اور مٹی سے ان کے جسم کا خراب نہ ہونا بیان فرمایا۔ ایک جگہ حضرت مریم کے ہاتھ لگنے سے خشک کھجور کا تر ہونا فوراً" رسیدہ پھل لگ جانا بیان فرمایا جو کھا کر آپ پر ولادت عیسیٰ علیہ السلام آسان ہوئی۔ ایک جگہ حضرت مریم کا بغیر خاوند حاملہ ہونا اور فرشتے سے کلام کرنا بیان فرمایا۔ یہ تمام کرامات اولیاء اللہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ کرامات اولیاء' حالات اصفیاء بیان کرنا' اولیاء اللہ کے مناقب پڑھنا سنت الٰہیہ ہے۔ ہم لوگ گیارھویں شریف میں اولیاء اللہ کے فضائل و کرامات ہی بیان کرتے ہیں۔ کرامات و ارہاصات کبھی پیدائش سے پہلے ظاہر ہوتے ہیں' کبھی وفات کے بعد' آج بھی اصحاب کہف برابر سو رہے ہیں یہ ان کی کرامت ہے۔ **دوسرا فائدہ:** بعض حضرات پیدائشی ولی ہوئے ہیں۔ ولایت عبادت پر موقوف نہیں۔ دیکھو حضرت مریم صغر سنی میں ولی تھیں اور یہ کرامات اسی عمر شریف میں آپ سے ظاہر ہوئیں۔ **تیسرا فائدہ:** ولایت نبوت کا سایہ ہے' کبھی اس کا ظہور شروع سے ہوتا ہے' کبھی کچھ عرصہ بعد' جیسے بعض انبیائے کرام کی نبوت کا ظہور چالیس سال کی عمر شریف میں ہوا اور بعض کا پیدائش سے ہی جیسے حضرت عیسیٰ و یحیٰ علیہما السلام۔ ولایت تین قسم کی ہے۔ وھبی' عطائی' کسبی' حضرت مریم کی ولایت وھبی یعنی خالص عطیہ پروردگار ہے بلاواسطہ انسان۔ **چوتھا فائدہ:** نیک کام میں حرص جائز ہے جیسے کہ حضرت زکریا اور بیت المقدس کے دیگر احبار نے حضرت مریم کے حاصل کرنے میں کی۔ **پانچواں فائدہ:** خالہ کو پرورش کا حق ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم پر اپنا حق پرورش اسی سے ثابت کیا کہ ان کی خالہ میرے نکاح میں ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** مسجد میں رہنا سونا بوقت ضرورت جائز ہے۔ حضرت مریم کی بیت المقدس میں پرورش کی گئی جیسا کہ **کلما دخل علیھا زکریا المحراب** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** بزرگوں کی اولاد کی خدمت کرنا نیک بختی کی علامت ہے۔ ہمیشہ سے اس پر عمل رہا۔ بیت المقدس کے خدام نے حضرت مریم کی خدمت کو اسی لئے سعادت سمجھا کہ وہ عمران کی دختر تھیں۔ اسی لئے سادات کرام کی عزت و حرمت ان کی خدمت باعث ثواب ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** قرعہ کے ذریعے فیصلہ کرنا سنت انبیاء ہے۔ نہر اردن میں قلم ڈالنا قرعہ ہی تو تھا۔ اس سے بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں اگر مسلمان بجائے الیکشن کرانے کے قرعہ ڈال لیا کریں۔ جس کے نام پر قرعہ نکلے وہ ہی ممبری کے لئے کھڑا ہو اکرے' باقی بیٹھ جایا کریں تو بڑی مصیبت دور ہو جائے۔

نوٹ: خیال رہے کہ قرعہ کی مختلف صورتیں ہیں۔ سب سے آسان یہ ہے کہ لوگوں کے نام علیحدہ پرچیوں پر لکھ کر ان کی

گولیاں بنادی جائیں اور کسی ناواقف شخص سے گولی اٹھوائی جائے جس کے نام کی گولی اٹھے وہ ہی مستحق سمجھا جائے۔ **نواں فائدہ:** دعا میں اخلاص کو بڑا دخل ہے۔ حضرت حنہ کے اخلاص نے نہ ہونے والی بات بھی کردی کہ ان کی بیٹی کی نذر ہوئی اور حضرت مریم و عیسیٰ علیہما السلام کو رب نے شیطان سے محفوظ رکھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان ہر بچہ کو پیدائش کے وقت اپنی انگلی سے چوکھیں مارتا ہے جس سے وہ بچہ روتا ہے۔ مگر حضرت مریم اور ان کے فرزند عیسیٰ علیہ السلام اس سے محفوظ رہے (خیال رہے کہ متکلم مستثنیٰ ہوتا ہے حضور علیہ السلام بھی اس سے محفوظ تھے) (کبیر و معانی وغیرہ) **دسواں فائدہ:** اولیاء کو علم لدنی ملتا ہے۔ حضرت مریم رب کی ذات و صفات اور جنت و دوزخ سے پیدائشی باخبر تھیں۔ اسی لئے آپ نے زکریا علیہ السلام کو ایسا نفیس جواب دیا۔ **گیارھواں فائدہ:** بزرگوں کی دعا سے رب تعالیٰ اپنے قانون بدل دیتا ہے۔ دیکھو رب نے حضرت حنہ کی دعا سے اس زمانہ کا شرعی قانون بدل دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش سے بیت المقدس کے قبلہ ہونے کا قانون تبدیل کر دیا۔ حضرت ابراہیم و زکریا علیہم السلام کی دعا سے بانجھ و بوڑھی عورتوں کو اولاد بخشی۔ یہ بھی قانون ولادت کے خلاف ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آسمان سے روٹی و مچھلی کا دسترخوان آیا حالانکہ آسمان سے پانی آنے کا قانون ہے وہاں سے روٹی آنے کا قانون نہیں۔ حضرت حزقیل و عزیر علیہما السلام کی دعا سے مرے ہوؤں کو زندہ فرمایا صدیوں کے بعد۔ حالانکہ قیامت سے پہلے مردہ زندہ ہونا خلاف قانون ہے معلوم ہوا ع

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

بارھواں فائدہ: آج صحابہ کرام و اہل بیت اطہار کو برا کہنے والا ان یہودیوں کی طرح ہے جو حضرت مریم کو مذکورہ بالا فضائل کے ہوتے ہوئے برا کہتے تھے۔ حالانکہ وہ تربیت یافتہ نبی پرورش یافتہ بیت المقدس تھیں۔ ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ صحبت یافتہ رسول ہیں اور آپ کی ازواج و اولاد تربیت یافتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پرورش یافتہ حرمین شریفین ہیں۔ رب تعالیٰ نے مریم کے یہ فضائل یہود کی تردید میں بیان فرمائے۔

پہلا اعتراض: یہاں رزقا سے مراد علم ہے نہ کہ ظاہری پھل وغیرہ (مرزائی) **جواب:** رزق ظاہری کا انکار تفسیر بالرائے ہے جو حرام ہے۔ مطلق رزق سے کھانا معلوم ہوتا ہے جیسے **یرزقه من حیث لا یحتسب یا نحن نرزقهم و ایاکم** نیز اس کے بارے میں احادیث صحیحہ کثرت سے وارد ہیں۔ عبد اللہ ابن عباس و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کی تفسیر پھل سے کی۔ حضرت مجاہد نے اس کی تفسیر علم کی مگر وہ بھی ظاہری رزق کے منکر نہ ہوئے۔ گویا رب تعالیٰ نے مریم کو رزق باطنی یعنی علم اور رزق ظاہر میوے عطا فرمائے۔ **دوسرا اعتراض:** حدیث پاک میں ہے کہ مسجد سے بچوں اور پاگلوں کو دور رکھو نیز بچوں سے مسجد پلید ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے پھر حضرت مریم کو بچپن سے بیت المقدس میں کیوں رکھا گیا اور بیت المقدس کی طہارت کی کیا صورت کی گئی؟ (عام بے دین) **جواب:** یہ بھی حضرت مریم کی کرامت تھی کہ بچپن شریف سے مسجد میں قیام فرمایا مگر مسجد کا فرش وغیرہ خراب نہ ہوا۔ وقت مقررہ پر رفع حاجات ہوتی رہی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت پاک خانہ کعبہ میں ہوئی۔ مگر آپ کی کرامت سے فرش کعبہ پلید نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر طواف کعبہ کیا مگر اونٹ نے حرم شریف میں نہ پیشاب کیا نہ مینگنیں۔ یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کندھے پر امام حسین اور امامہ

بنت ابوالعاص کو لے کر نماز پڑھی مگر دونوں بچوں نے بھی اس حالت میں پیشاب پاخانہ نہ کیا۔ **تیسرا اعتراض:** حضرت حنہ نے مریم کی پیدائش کے بعد ان کے لئے حفاظت شیطان کی دعا فرمائی اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت مریم کو بوقت ولادت شیطان نہ چھو سکا تو گیا دعا کا اثر دعا سے پہلے ظاہر ہو گیا۔ (مرزائی) **جواب:** بوقت پیدائش حضرت مریم کا شیطان سے محفوظ رہنا فضل رب تھا اور آئندہ بقیہ زندگی میں محفوظ رہنا نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شیطان سے امن میں رہنا یہ حضرت حنہ کی دعا سے ہوا تھا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ تارک الدنیا ہونا راہب بن کر عبادت خانوں میں بیٹھنا سلف کا طریقہ ہے پھر مسلمان اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ دیکھو حضرت مریم راہب بنا کر بیت المقدس میں رکھی گئیں (عیسائی) **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حکم پچھلے ادیان میں تھا۔ اسلام میں منسوخ ہو گیا۔ ان پر بھی رب نے پابندی نہ لگائی تھی مگر انہوں نے خود یہ پابندیاں لگالیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ورهبانية ابتدعوها ما كتبنا عليهم** دوسرے یہ کہ حضرت حنہ نے مریم کو صرف وہاں عبادت کرنے کے لئے رکھا نہ کہ تارک الدنیا ہونے کے لئے چنانچہ ان کی اولاد کے لئے بھی دعا فرمائی۔ تارک الدنیا کے اولاد کیسی؟

تفسیر صوفیانہ: روح اول ظہور میں گویا آدم ہے اور اپنے دوسرے ظہور میں گویا نوح۔ دل گویا ابراہیم ہے جسے نمرود نفس نے شہوتوں ہی کو پھن سے فتنوں کی آگ میں ڈالا اور روحانی قوتیں گویا آل ابراہیم ہیں۔ عقل گویا عمران ہے جو جسم کے بیت المقدس میں امام ہے اور اس عمران عقل کی زوجہ نے کہا کہ مولیٰ میں اپنی اندرونی چیز کو شہوات نفسانی سے آزاد کروں گی اور اسے تیری عبادت میں ماسوی اللہ سے بچاؤں گی۔ رب تعالیٰ نے اس کی یہ نذر قبول فرمائی اور اسے مخلوق کی نگاہوں سے بچایا کہ اس کو سوائے زکریا کے کوئی نہ پا سکا اور پھر اسے قدرتی پانی سے سینچ کر خوب ہرا بھرا کیا۔ جس میں نبوت ولایت کے پھل لگے اور پھر زکریا یعنی شیخ طریقت کو اس کا مربی بنایا جب بھی وہ شیخ اس کے پاس محراب سینہ میں جاتا ہے تو وہاں رزق روحانی یعنی علم و حکمت معرفت و حقیقت کے پھل پاتا ہے تو شیخ پوچھتا ہے کہ اے مریم نفس مطمئنہ تیرے پاس یہ پاک و صاف رزق کہاں سے آیا وہ عرض کرتی ہے **من عند الله** اللہ کے پاس سے۔ کیونکہ رزق جسمانی بندوں کے ذریعہ ملتا ہے مگر رزق روحانی رب کا خاص عطیہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد سے نقل کیا کہ یہاں رزق سے مراد علم و حکمت ہے (روح المعانی)

دوسری تفسیر: عقل گویا عمران ہے اور نفس حسنہ عمران کی زوجہ۔ نفس مطمئنہ نے نذر مانی کہ مولیٰ جو کچھ میرے شکم میں ہے یعنی قلب میں اسے مخلوق کی اطاعت سے آزاد رکھوں گی مگر جب لڑکی جنی یعنی نفس مطیعہ تو رب کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مولیٰ یہ تو لڑکی ہوئی مگر رب جانتا ہے کہ یہ لڑکی یعنی اطاعت شعار نفس عجیب و غریب شی ہے اس سے عجیب آثار نمودار ہوں گے یہ حامل اسرار الٰہیہ ہوگی۔ اس نفس مطیعہ کا نام مریم یعنی عابدہ رکھا گیا عرض کیا کہ مولیٰ میں اسے شیطان یعنی شہوات نفسانیہ سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ یہ شہوات ہی نفس کو باغ قدس سے محروم رکھتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے اسے قبول کیا اور اس پر نورانی بارشیں برسائیں اور اسے اچھی طرح پرورش فرمایا کہ اسے دنیاوی جھگڑوں سے محفوظ رکھ کر اپنے قرب خاص کے بیت المقدس میں جگہ بخشی اور زکریا یعنی استعداد کامل کو اس کا ذمہ دار بنایا۔ جب یہ زکریا نفس کے پاس مسجد قلب میں جاتا تو اس کے پاس روحانی غذا عالم ملکوت والی پاتا تو پوچھتا کہ یہ رزق معنوی تیرے پاس سے کہاں سے آیا۔ وہ عرض کرتی رب کے پاس سے۔ اس

رزق علم کو نہ فکر نے پیدا کیا نہ اس کا موجد انسان ہے بلکہ خاص ربانی رزق ہے اللہ تعالیٰ اپنا علم بقدر قابلیت و استعداد بغیر حساب عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ وہ جواد و وہاب ہے (روح المعانی) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حسن ذاتی کے ساتھ اگر حسن خارجی بھی جمع ہو جائے تو نور پر نور ہو جاتا ہے۔ حضرت مریم خود نبوت کے خاندان سے تھیں۔ رب کی مقبول، جنتی میوے کھانے والی۔ مگر جب حضرت زکریا کی پرورش اور بیت المقدس میں رہائش بھی میسر ہو گئی تو آپ کا کمال لازوال بفضل رب ذوالجلال اور بھی اعلیٰ و اکمل ہو گیا۔ پھر بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بننے کے شرف نے ان کی عزت و عظمت کو اور چار چاند لگا دیئے۔ اس لئے ان کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا **اصطفک علی نساء العلمین** اے مریم ہم نے تم کو جہان بھر کی عورتوں میں منتخب فرمایا اور چن لیا۔ آج بھی جسے ذاتی کمال کے ساتھ بیرونی کمال بھی مل جائے وہ بہت خوش نصیب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی صحبت کی برکت سے کلیم اللہ ہونے کے لائق ہو گئے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ
اس جگہ دعا کی زکریا نے رب اپنے سے عرض کیا اے رب میرے دے واسطے میرے پاس سے اپنے اولاد
یہاں پکارا زکریا نے اپنے رب کو بولا اے رب میرے مجھے اپنے پاس سے دے ستھری اولاد بیشک
اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي
پاک تحقیق تو سننے والا ہے دعا کا پس پکارا ان کو فرشتوں نے حالانکہ وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھتے
تو ہی ہے دعا سننے والا تو فرشتوں نے اسے آواز دی اور وہ اپنی نماز کی جگہ نماز پڑھ رہا تھا بے شک
الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ
تھے بیچ محراب کے تحقیق اللہ خوشخبری دیتا ہے آپ کو ساتھ یحییٰ کے تصدیق کرنے والے کلمہ کی طرف
اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحییٰ کا جو اللہ کی طرف سے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار اور ہمیشہ
وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾
سے اللہ کے اور سردار اور عورتوں سے بچنے والے اور نبی نیکوں میں سے ۞
کیلئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے ۞

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت مریم کی کرامت کا ذکر تھا یعنی بے موسم پھل ملنا اب حضرت زکریا کے ایک معجزہ کا ذکر ہے یعنی بے موسم اولاد ملنا۔ اولاد بھی ایک قسم کا پھل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ولادت مریم کا عجیب واقعہ ذکر کیا گیا۔ اب یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا انوکھا قصہ بیان ہو رہا ہے گویا

ایک عجیب بات کے ساتھ دوسری عجیب چیز کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں پیدائش حضرت مسیح کی تمہید تھی اب ولادت یحییٰ علیہ السلام کا قصہ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام بادشاہ ہیں۔ یحییٰ علیہ السلام ان کے وزیر۔ چونکہ وزیر بادشاہ کے ساتھ رہتے ہیں یحییٰ علیہ السلام بھی ساری عمر عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہے اس لئے ان کا قصہ بھی ساتھ ہی بیان کیا گیا۔

تفسیر: هنالک دعا زکریا ربه: هنالک ظرف مکان ہے۔ لام بعد کے لئے ہے اور کاف خطاب کا۔ اس پورے لفظ کے معنی ہوتے ہیں۔ اس جگہ چونکہ یہ اپنے عامل دعا سے پہلے آیا۔ لہذا حصر کے معنی حاصل ہوئے یعنی اس ہی جگہ۔ کبھی مجازاً "زمانہ اور وقت کے لئے بھی بولا جاتا ہے (اس ہی وقت) خیال رہے کہ عند اور حین وقت کے لئے آتے ہیں اور هنالک حقیقتاً جگہ کے لئے اور مجازاً" وقت کے لئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فغلبوا هنالک** اور فرماتا ہے **هنالک الولایة لله** پہلا هنالک جگہ کے لئے ہے اور دوسرا وقت کے لئے۔ یہاں حقیقی معنی مراد ہیں۔ اس سے حضرت مریم کی قیام گاہ ہے جہاں زکریا علیہ السلام نے ان سے گفتگو فرمائی تھی۔ دعا۔ دعاء سے ہے۔ بمعنی پکارنا یا دعا کرنا یعنی اس جگہ جہاں حضرت مریم سے ان کی یہ گفتگو ہوئی۔ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دعا کی یا پکار اور ہو سکتا ہے کہ مجازی معنی مراد ہوں یعنی جواب سنتے ہی اسی وقت یہ دعا کی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں معنی مراد ہوں۔ بطریق عموم مجاز یعنی حضرت زکریا نے اسی وقت اسی جگہ یہ دعا کی۔ حصر سے معلوم ہوا کہ آپ نے مسجد کے منبر یا مسجد امام یا کسی اور گوشہ میں یہ دعا نہ کی بلکہ اس حصہ میں دعا کی جو بی بی مریم کی قیام گاہ تھا کہ یہاں مریم کے قیام کے سبب دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ آج حجاج روضہ رسول کے پاس مواجہ میں کھڑے ہو کر زیادہ دعائیں مانگتے ہیں۔ بعض مسجدوں میں بزرگوں کے مزارات یا ان کی عبادت گاہیں ہوتی ہیں۔ وہاں زیادہ دعا مانگی جاتی ہے ان سب اعمال کی دلیل یہ آیت کریمہ اور حضرت زکریا کا عمل ہے۔ **قال رب هب لی من لدنک ذریة طیبة** یہ دعا کی شرح ہے۔ هب۔ هبة سے بنا بمعنی بلا معاوضہ بطور احسان دینا۔ یہاں بغیر ظاہری اسباب دینا مراد ہے۔ لی اور من لدن دونوں هب کے متعلق ہیں۔ لدن بمعنی عند آتا ہے چونکہ انہوں نے بے وقت یعنی بڑھاپے میں اولاد مانگی تھی۔ اس لئے من لدنک عرض کیا۔ نیز طیب طاہر ستھری اولاد مانگی تھی جس میں عقیدہ، عمل، عبادت کسی چیز میں نقص نہ ہو۔ اس لئے من لدنک عرض کیا یعنی ایسا صاف ستھرا بیٹا دے جو تیرا عطیہ تحفہ کہلانے کا مستحق ہو جسے دیکھ کر تو یاد آجایا کرے۔ ورنہ ہر چیز رب ہی کی طرف سے ہے ذریة بمعنی نسل آتا ہے اس کی لغوی تحقیق ہم پہلے کر چکے ہیں یہ واحد جمع مذکر مونث سب ہی پر بولا جاتا ہے (روح المعانی) یہاں بمعنی ایک فرزند ہے کیونکہ زکریا علیہ السلام کے صرف یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی نسل نہ چلی۔ جیسا کہ حصورا " سے معلوم ہوگا۔ چونکہ ذریة لفظ مونث ہے اس لئے اس کی صفت مونث لائی گئی۔ کیونکہ کبھی اسم جنس میں لفظ کا لحاظ ہو جاتا ہے ہاں علم میں معنی کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ لفظ کا۔ لہذا جاءت طلحه نہیں کہہ سکتے۔ (روح المعانی و کبیر) طیبة سے مراد پاک ہے۔ یا متقی پرہیزگار یا صالح و دیندار جس کے اخلاق اور اعمال عیوب سے پاک و صاف ہوں یعنی اے اللہ مجھے اپنی قدرت سے بغیر عادی واسطہ کے ایک مبارک نیک صالح فرزند عطا فرما اس میں اپنی نیت کا اظہار ہے کہ مولیٰ میں یہ بچہ کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں مانگتا۔ بلکہ طیب و ستھرا مانگتا ہوں **انک سمیع الدعا** یہ جملہ دعا کا خاتمہ ہے اور سمیع سے مراد قبول فرمانے والا ہے۔ رب تعالیٰ سنتا سب کی ہے مگر کسی کی مردودیت و غضب کے

ساتھ 'کسی کی لاپرواہی سے کسی کی توجہ 'کرم و قبولیت سے **الدعا** میں الف لام عہدی ہے یعنی اس قسم کی دعائیں سنتا ہے جو شرائط و ارکان اخلاص و اضطراب دل کے ساتھ ہو۔ نماز کی طرح دعا کے بھی ارکان و شرائط جگہ وقت ہیں۔ جو دعا ان سب کی جامع ہو وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ اس جملہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا **الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمعیل و اسحق ان ربی لسمیع الدعاء** چونکہ بزرگوں کے الفاظ میں تاثیر ہوتی ہے اس لئے آپ نے یہ کلمات بھی عرض کردیئے یعنی اے اللہ تو دعا قبول فرمانے والا ہے تیرے در سے میں ناامید کیوں پھروں۔ **فنادتہ الملئکۃ** پچھلی آیت میں زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر تھا۔ اب قبول دعا کا تذکرہ ہے۔ اس دعا کے وقت حضرت مریم بالکل نو عمر تھیں اور حضرت یحیٰی علیہ السلام کی پیدائش عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے صرف چھ ماہ پیشتر ہے۔ یہ خوشخبری آپ کو دعا کے بعد فوراً" دی گئی مگر اس کا ظہور عرصہ بعد ہوا۔ اس ندا میں حضرت زکریا علیہ السلام کی عظمت کا اظہار ہے۔ ملائکہ سے مراد حضرت جبریئل علیہ السلام ہیں۔ "جمع تعظیماً" ہے یا چونکہ ان کے ساتھ اکثر فرشتوں کی جماعت رہتی ہے یا وہ فرشتوں کے سردار ہیں۔ اس لئے ایک کا کام سب کی طرف نسبت کردیا گیا۔ بعض قراتوں میں **فنادتہ الملئکۃ** ہے۔ عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ملائکہ کو مذکر بولو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الذین لا یومنون بالاخرۃ لیسمون الملئکۃ تسمیۃ الانثی** مگر عام قراءت میں **فنادتہ** ہے اور یہ تانیث ملائکہ کی جمعیت کی وجہ سے ہے یعنی پس زکریا علیہ السلام کو فرشتوں نے آواز دی۔ **وھو قائم یصلی فی المحراب** عام مفسرین فرماتے ہیں کہ واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ **فنادتہ** کی ضمیر مفعول سے حال ہے **ھو** کا مرجع زکریا علیہ السلام ہیں۔ **یصلی** سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دین میں نماز تھی اور ظاہر یہ ہے کہ ان کی نماز بھی اسلامی نماز کی طرح اعمال اور اقوال کا مجموعہ تھی۔ بعض نے فرمایا کہ ان کی نماز میں صرف قیام تھا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد فقط دعا ہے مگر پہلی تفسیر نہایت قوی ہے کہ آپ نماز میں مشغول تھے اور حالت قیام میں تھے کہ یہ آواز آئی۔ محراب کی لغوی تحقیق پہلے ہو چکی۔ یہاں یا تو مسجد مراد ہے یا امام کے کھڑے ہونے کی جگہ یا حضرت مریم کا حجرہ یہی قوی ہے۔ آپ نماز حضرت مریم کی قیام گاہ میں پڑھتے تھے کہ ولیہ کی قرب سے نماز قبولیت سے قریب تر ہو۔ اب بھی بزرگوں کے مزارات کے پاس مسجدیں بنائی جاتی ہیں کہ مسجدیں ان مقبول بندوں کے قرب سے اعلیٰ و افضل ہوں۔ اصحاب کہف کے غار پر مسجد بنائی گئی **لنتخذن علیھم مسجدا** مسجد نبوی شریف میں نماز کیوں افضل ہے اس لئے کہ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب میسر ہے۔ ان سب کی اصل یہ آیت ہے کہ آپ دعا مانگ کر خود مریم کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے یعنی فرشتوں نے انہیں اس حال میں آواز دی جب وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ **ان اللہ یبشرک بیحیی** یہ اس ندا کا بیان ہے۔ **یبشر** بشارت سے ہے بمعنی خوشخبری چونکہ خوشخبری کا اثر بشرہ یعنی چہرہ پر ہوتا ہے کہ انسان کو ہنسی آجاتی ہے اس لئے اسے بشارت کہتے ہیں۔ **بیحیی** کی ب یا صلہ کی ہے یا استعانت کی۔ یہ لفظ یا تو عجمی ہے یا بوجہ عجمی اور علم ہونے کے غیر منصرف ہے یا عربی ہے اور وزن فعل و علمیت کی وجہ سے غیر منصرف۔ اس صورت میں یہ حیات سے بنے گا بمعنی زندگی۔ چونکہ ان کے ذریعہ ان کی بانجھ ماں کو زندگی یعنی شفا دی گئی یا چونکہ رب تعالیٰ نے شروع ہی سے ان کے قلب کو ایمان کے ذریعہ زندگی بخشی یا چونکہ رب تعالیٰ کے علم میں ان کی شہادت تھی اور شہید زندہ ہیں یا چونکہ انہوں نے علم و حکمت کے ذریعہ ایک مخلوق کو روحانی حیات بخشی یا چونکہ یہ پیدائشی نبی تھے اور نبوت ایک قسم کی زندگی ہے اس لئے انہیں یحیٰی کہا جاتا ہے آپ کا اسم شریف پچھلے صحیفوں

میں حیا تھا اور انجیل شریف میں یوحنا اور لقب معمدانی اور قرآن شریف میں یحییٰ (روح المعانی) یعنی رب تعالیٰ تمہیں یحییٰ علیہ السلام کی یا ان کے ذریعہ خوشخبری دیتا ہے کہ تمہارے ایک فرزند ہو گا جس کا نام ہم نے یحییٰ رکھ دیا ہے۔ خیال رہے کہ ہمارے بچوں کے نام ان کے ماں باپ رکھتے ہیں وہ بھی پیدائش سے ساتویں دن مگر ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور حضرت یحییٰ کا نام خود رب تعالیٰ نے رکھا' وہ بھی ولادت سے بہت پہلے۔ نیز ہمارے بچوں کے نام کبھی خلاف کام بھی ہوتے ہیں۔ تمام نام صحیح نہیں ہوتے غلط بھی ہوتے ہیں "کالے آدمی کا نام یوسف خاں' بزدل کا نام شیر بہادر' جاہل کا نام محمد فاضل' بہرے کا نام سمیع اللہ خاں' اندھے کا نام نور اللہ خان رکھ دیا جاتا ہے مگر رب تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام بالکل صحیح اور کام کے مطابق ہوتے ہیں۔ دیکھو رب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد رکھا یعنی بہت سراہا ہوا تعریف کیا ہوا۔ آج بھی اس نام کی بہار دیکھی جا رہی ہے کہ ہر جگہ ہر وقت ہر زبان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ رب نے ان کا نام یحییٰ رکھا یعنی زندگی بخشنے والے یا زندہ جاوید رہنے والے یہ نام ان پر بہت ہی سجا۔ اب تک وہ زندہ ہیں اور تا قیامت زندگی بخشیں گے۔ **مصدقا بکلمتہ من اللہ۔** مصدقا" یحییٰ کا حال ہے کلمہ بات کو کہتے ہیں چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد لفظ **کن** سے پیدا ہوئے۔ اس لئے آپ کا لقب کلمۃ اللہ ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔** **من اللہ** کلمہ کی صفت ہے اور **کائنۃ** پوشیدہ کا متعلق اگرچہ دیگر لوگوں نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی مگر چونکہ یحییٰ علیہ السلام نے بچپن شریف بلکہ حمل شریف ہی سے تصدیق فرمائی۔ اس لئے **مصدقا**" فرمایا گیا یعنی تصدیق کرنے والے ہیں کلمۃ اللہ علیہ السلام کی۔ بعض لوگوں نے کلمۃ اللہ کے معنی انجیل شریف کئے ہیں مگر یہ نہایت ضعیف سی بات ہے۔ **وسیدا و حصورا** سید سود یا سواد سے بنا۔ سود بمعنی جماعت اور سواد بمعنی سیاہی بلکہ بڑی جماعت کو بھی سواد اسی واسطے کہتے ہیں کہ اس سے میدان سیاہ ہو جاتا ہے۔ سید وہ ہے جو سواد یعنی بڑی جماعت کا متولی و سردار ہو یا تو اس سے مراد کریم ہے یا حلیم یا متقی یا شریف یا فقیہ عالم یا رب کے فرمان پر راضی یا سردار۔ بعض اہل لغت نے اس کے معنی ہمت والا اور مالک بھی کئے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **والفیا سیدھا لدا الباب** یہاں سید کے معنی مالک یا خاوند ہیں کہ عزیز مصر زلیخا کا خاوند تھا۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ سید وہ جو کسی پر حسد نہ کرے اور ابو اسحاق نے فرمایا کہ سید وہ جو علم اور تقویٰ میں اپنی قوم سے افضل ہو۔ اب اصطلاح میں ہر دینی یا دنیوی فوقیت رکھنے والے کو سید کہتے ہیں (روح المعانی) چونکہ یحییٰ علیہ السلام میں یہ ساری صفتیں تھیں اس لئے انہیں سید فرمایا گیا۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ آپ نے کبھی کوئی خطا نہ کی (روح البیان) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ آپ نے کبھی کسی پر غصہ نہ کیا۔ اس لئے رب نے آپ کو سید فرمایا۔ **حصور** حصر سے بنا بمعنی روکنا یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اصطلاح میں حصور وہ ہے جو قدرت کے باوجود محض زہد و تقویٰ سے عورتوں کے پاس نہ جائے۔ نامرد حصور نہیں۔ کیونکہ یہ عیب ہے نہ کہ خوبی (عام تفاسیر) خیال رہے کہ عنین' خصی' مجبوب اور حصور یہ چار لفظ ہیں جن کے مختلف معنی ہیں۔ عنین وہ جس کے اعضاء تناسل سب درست ہوں مگر کمزوری کی وجہ سے قابل جماع نہ ہو۔ خصی وہ جس کے خصیے نہ ہوں اور مجبوب وہ جس کے خصیے تو ہوں مگر ذکر کٹا ہو۔ لیکن حصور وہ ہے جس کے پاس اعضاء اور طاقت سب کچھ ہو محض زہد کی بنا پر عورتوں سے الگ رہے اور اپنے نفس کو شہوت سے دور رکھے۔ جن لوگوں نے ان کے معنی نامرد کئے سخت غلطی کی۔ کیونکہ انبیائے کرام اس مرض سے پاک ہوتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ حصور وہ جو اپنے آپ کو ساری نفسانی خواہشات

سے روکے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں اس لئے پیدا نہیں کیا گیا کہ تمہیں دنیا سے روکوں یہ معنی ہیں حصور کے (معانی و کبیر وغیرہ) روح البیان نے فرمایا کہ یحیٰ علیہ السلام نے نکاح کیا تھا۔ واللہ اعلم۔ **ونبیا " من الصلحین** اوصاف خصوصی کے بعد اب ان کی صفت عامہ کا ذکر ہے یعنی آپ انبیائے کرام کی جماعت سے اور معصوم ہوں گے یا خاندانی پیغمبر ہوں گے۔ اس طرح کہ آپ خود نبی' آپ کی والدہ کے خالو نبی' آپ کے بھانجے یحیٰ علیہ السلام نبی' مقبول الدعاء' خود والدہ کامل ولیہ' نانی صاحبہ اللہ کی ولیہ' نانا نہایت ہی مقبول خدا اولی بنی اسرائیل کے سردار۔ خاندانی شرافت اور صالحین میں سے ہونا بھی رب تعالیٰ کی رحمت ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد' ماں' دائی وغیرہ تمام ہی صالحین سے ہیں۔ اس کی پوری بحث پہلے پارے میں گذر گئی۔ اگرچہ نبوت میں بھی صلاح و تقویٰ داخل تھا مگر یہاں اس صلاح سے نبوت کے علاوہ دیگر خوبیاں مراد ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے نبی ہونے کے باوجود دعا کی تھی **وادخلنی برحمتک فی عبادک الصلحین۔**

خلاصہ تفسیر : جب زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کی یہ کرامت دیکھی کہ ان کے پاس بے موسم جنتی میوے آتے ہیں اور حضرت مریم کا وہ دل خوش کن جواب سنا تو قدرتی طور پر آپ کے دل میں فرزند کا شوق پیدا ہوا اور خیال فرمایا کہ جو مریم کو بے موسم میوے دینے پر قادر ہے اور جو خدمت بیت المقدس کے لئے بجائے لڑکے کے لڑکی اور بجائے جوان کے بچی کو قبول فرمالیتا ہے اور جو حضرت مریم کو لڑکپن میں بولنے کی طاقت دیتا ہے اور جو بغیر گمان رزق دینے پر قادر ہے وہ مجھ بوڑھے کو میری بانجھ بیوی سے اولاد بخشنے پر بھی قادر ہے۔ چنانچہ اسی وقت اور اسی جگہ جہاں حضرت مریم سے یہ گفتگو ہوئی تھی انہوں نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ یہ دعا محرم کی ستائیس تاریخ کو ہوئی (روح المعانی) عرض کیا کہ اے مولا مجھے اس بڑھاپے میں خاص اپنی طرف سے ایک پاک و ستھرا بیٹا عطا فرما تو دعاؤں کا قبول فرمانے والا ہے جب تو نے حنہ کی دعا قبول کی تو میری دعا کو بھی ضرور قبول فرمائے گا۔ آپ بہت بڑے عالم تھے اور بارگاہ الٰہی میں قربانیاں آپ ہی پیش فرمایا کرتے تھے۔ مسجد شریف میں آپ کے بغیر اجازت کوئی داخل نہ ہو سکتا تھا۔ آپ ایک دن مسجد میں نماز میں مشغول تھے اور باہر لوگ اجازت کے منتظر تھے۔ دروازہ بند تھا کہ اچانک آپ نے ایک سفید پوش جوان دیکھا۔ وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے آپ کو اس حال میں خوشخبری دی کہ اے زکریا تمہاری دعا قبول ہوئی۔ رب تعالیٰ تمہیں ایک صالح متقی بیٹا عطا فرمائے گا جس کا نام یحیٰ ہے وہ بہت سی خوبیوں کا مالک ہو گا (1) وہ کلمۃ اللہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی پر زور تصدیق کرے گا۔ اس طرح کہ انہیں سچا کہے گا یا سچا کرے گا یا سچا کہلوائے گا سچا کرے گا۔ اس طرح کہ ان کے متعلق عیسیٰ علیہ السلام جو پیش گوئیاں فرمائیں گے ویسے ہی آپ پر ان کا ظہور ہو گا۔ آپ کی ذات' آپ کی صفات' آپ کے احوال جناب مسیح کو سچا کر دکھائیں گے یا بچپن شریف ہی سے انہیں سچا کہیں گے یا لوگوں میں ان کے دین کی تبلیغ کر کے لوگوں کو دین عیسوی میں داخل کریں گے۔ چونکہ حضرت مسیح کی پیدائش حضرت جبرائیل کے کلمہ کن سے ہوئی یا آپ ایک کلمہ کہہ کر لوگوں کو شفا' مردوں کو زندہ کر دیتے تھے یا آپ کے منہ سے جو بات نکلتی تھی حق ہوتی تھی اور جیسا کہ آپ کہتے تھے ویسا ہی ہوتا تھا گویا آپ کی گفتگو کلمۃ اللہ ہوتی تھی اس لئے آپ کا لقب کلمۃ اللہ ہوا۔ (2) مومنوں کا سردار ہو گا (3) ہمیشہ عورتوں سے پرہیز کرے گا کہ زہد اور تقویٰ اور یاد الٰہی میں مشغول ہو کر عورتوں کی طرف توجہ نہ کرے گا۔ نبی ہو گا اور رب تعالیٰ کے خاص نیکوں میں سے ہو گا۔ خیال رہے کہ اس وقت زکریا علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور ان کی بیوی صاحبہ کی عمر اٹھانوے سال۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس بشارت اور اس کے ظہور میں تقریباً" تیرہ یا انیس سال کا فاصلہ

ہے کیونکہ یہ دعا اور بشارت حضرت مریم کے لڑکپن میں ہوئی اور یحیٰی علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت مریم کی عمر شریف تیرہ سال یا 20 سال تھی (روح المعانی و خزائن وغیرہ) تفسیر خازن و خزائن میں ہے کہ ایک دن حضرت ایشاع یحیٰی علیہ السلام کی والدہ نے حضرت مریم سے کہا کہ میں حاملہ ہوں انہوں نے کہا میں بھی۔ ایشاع بولیں کہ اے مریم جب میں تمہارے پاس آتی ہوں تو میرے پیٹ کا بچہ تمہارے پیٹ کے بچے کو سجدہ کرتا ہے۔ یہ مصدقا" کے معنی ہیں۔ خیال رہے کہ یحیٰی علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے سے چھ ماہ پیشتر شہید کئے گئے اور میرودوس یہودی نے آپ کو شہید کیا (تفسیر روح المعانی و کبیر و خازن وغیرہ)

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: وہ دعائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں جو بزرگوں سے منقول ہوں کیونکہ ان الفاظ میں تاثیر ہوتی ہے۔ زکریا علیہ السلام نے ان الفاظ سے دعا مانگی جو ابراہیم علیہ السلام سے منقول تھے۔ دوسرا فائدہ: اولیاء اللہ کے قرب میں دعا جلد قبول ہوتی ہے جیسا کہ **ھنالک** سے معلوم ہوا کیونکہ زکریا علیہ السلام نے اللہ کی ولیہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں فلسطین سے چل کر امام ابو حنیفہ کی قبر پر بغداد شریف آتا ہوں اور دو رکعت پڑھ کر ان کی قبر شریف کے پاس دعا مانگتا ہوں تو میری حاجت بہت جلد پوری ہوتی ہے۔ (مقدمہ شامی فضائل ابو حنیفہ) بلکہ شامی میں اسی جگہ ہے کہ امام شافعی امام ابو حنیفہ کے مزار پر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) جب حاضری دیتے تو نماز میں نہ بسم اللہ جہر سے پڑھتے تھے نہ قنوت نازلہ۔ محض امام صاحب کے ادب کی وجہ سے۔ تیسرا فائدہ: نزول رحمت کے وقت دعا مانگنا سنت انبیاء ہے۔ دیکھو حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر دعا کی۔ حدیث شریف میں ہے کہ بارش کے وقت دعا مانگو کہ یہ نزول رحمت کا وقت ہے۔ چوتھا فائدہ: اکیلے آدمی کو محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے جیسا کہ **یصلی فی المحراب** سے معلوم ہوا۔ حدیث شریف میں جو ممانعت ہے وہ جب ہے کہ اکیلا امام محراب میں ہو اور قوم باہر۔ پانچواں فائدہ: مسجدوں میں محراب بنانا جائز ہے بلکہ سنت انبیاء کہ زکریا علیہ السلام کے زمانہ میں بیت المقدس میں محراب تھی جیسا کہ **فی المحراب** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: انبیائے کرام کی نعت بیان کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ رب تعالیٰ نے اس آیت میں یحیٰی علیہ السلام کی پانچ صفتیں بیان کیں: مصدق، سید، حصور، نبی اور من الصلحین۔ ساتواں فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے فقط کلمہ کن سے پیدا ہوئے جیسا کہ **بکلمۃ من اللہ** سے معلوم ہوا۔ اس کی زیادہ تحقیق انشاء اللہ سوال و جواب میں کی جائے گی۔ آٹھواں فائدہ: نماز میں فرشتوں کی بات سننا، اور ان سے کلام کرنا، یا رب سے عرض معروض کرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ جس کلام سے نماز فاسد ہوتی ہے وہ لوگوں سے کلام ہے۔ دیکھو زکریا علیہ السلام کو ملائکہ نے بحالت نماز ہی پکارا۔ اور آپ نے نماز ہی میں جواب بھی دیا جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے بلکہ حاشیہ بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا بھی نماز کو فاسد نہیں کرتا ہے۔ التحیات میں پڑھا جاتا ہے **السلام علیک ایھا النبی** حالانکہ کسی کو سلام کرنا بھی مفسد نماز ہے۔ نواں فائدہ: غیر خدا کو سید کہہ سکتے ہیں۔ سید وہ جس کی اطاعت واجب ہو۔ رب تعالیٰ نے یحیٰی علیہ السلام کو سید فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد ابن معاذ کو انصار کا سید اور عمر ابن جموح کو بنی سلمہ کا سید اور امام حسن کو سب کا

سید فرمایا۔ رضی اللہ عنھم۔ ہاں بے دینوں اور منافقوں کو سید کہنا منع ہے۔ جس حدیث میں اس کی ممانعت ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) **لا تقولوا للمنافق سیدا** ۔ منافق کو سید نہ کہو (احکام القرآن) لہذا روافض، دیوبندی، قادیانی، سید تو کیا مسلمان ہی نہیں۔ دسواں فائدہ: نبی کی تصدیق ان کے دین کی تبلیغ رب کی اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے۔ جسے یہ خدمت ملے وہ بہت ہی خوش نصیب ہے۔ دیکھو رب نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پہلی صفت بیان فرمائی۔ **مصدقا** " الخ۔ جب کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے کا یہ درجہ ہے تو حبیب اللہ کی تصدیق کرنے کی شان جو ہو گی وہ ہمارے خیال سے وراء ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے۔ گیارہواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے بعض مقبول بندوں کو علم غیب خصوصاً" علوم خمسہ بخشتا ہے۔ دیکھو ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور اس بچے کے حالات کیا ہوں گے، کس حال میں جئے گا، کس حال میں مرے گا۔ یہ تمام چیزیں علوم خمسہ سے ہیں مگر تعلیم الٰہی سے یہ سب باتیں فرشتوں کی معرفت زکریا علیہ السلام کو بھی معلوم ہوئیں۔ جب حضرت ایشاع حاملہ تھیں تو زکریا علیہ السلام کو پتہ تھا کہ اس حمل میں لڑکا ہے یہ بھی پتہ تھا کہ یہ لڑکا ان صفات کا جامع ہو گا ایمان پر قائم رہے گا بلکہ ایمان بخش ہو گا۔ یہ تمام چیزیں علوم خمسہ سے ہیں ہمارے حضور نے حضرت حسین کے صالح و شہید ہونے کی خبر پہلے سے دی۔ بدر میں جنگ سے ایک دن پہلے بتا دیا کہ کل یہاں فلاں کافر مارا جائے گا اور یہاں فلاں۔ یہ ہیں مقبولوں کے علوم خمسہ۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نوافل میں مشغولیت نکاح سے افضل ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ یحییٰ علیہ السلام کی تعریف میں **حصورا** " فرمایا اور حصور وہی ہے جس میں نکاح کی قدرت ہو مگر مشغولیت عبادت کی وجہ سے نکاح نہ کرے پھر حنفی نکاح کو نوافل سے افضل کیوں کہتے ہیں (شافعی) جواب: اس کے چند جواب ہیں: ایک یہ کہ یہ حکم اس شریعت میں تھا۔ ہماری شریعت میں نہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ یحییٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے نکاح کئے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں تو حضور علیہ السلام کا ہر فعل دیگر انبیاء کرام کے ہر فعل سے افضل ہو گا۔ لہذا نکاح کرنا نہ کرنے سے افضل۔ دوسرے یہ کہ ترک نکاح اس زمانہ میں بھی حکم شرعی نہ تھا۔ یحییٰ علیہ السلام نے بذات خود ادھر رغبت نہ فرمائی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم** ترک دنیا اہل کتاب نے خود ایجاد کیا ہم نے ان پر لازم نہ کیا تھا۔ تیسرے یہ کہ تفسیر خازن و روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ یحییٰ علیہ السلام نے نکاح تو کیا مگر نکاح کے لوازمات میں زیادہ مشغول نہ ہوئے۔ نکاح اور چیز ہے اور اس میں مشغولیت دوسری چیز۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان سے واپس تشریف لا کر نکاح کریں گے اور صاحب اولاد ہوں گے۔ حصور کے معنی ہیں نفس کو شہوت سے روکنے والا۔ دوسرا اعتراض: کیا حضرت مریم کے پاس پھل دیکھ کر زکریا علیہ السلام کو خدا کی قدرت کا علم ہوا اس سے پہلے نہ تھا اگر تھا تو **ھنالک** کے کیا معنی؟ (مرزائی) جواب: پہلے علم تو تھا اولاد کا شوق نہ تھا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر قدرتی طور پر دل میں شوق ہوا نیز یہ وقت رحمت الٰہی کا تھا اور رحمت کے وقت دعا مانگنا بہتر۔ تیسرا اعتراض: **کلمۃ من اللہ** کے معنی کتاب اللہ یعنی انجیل شریف ہے نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے نہیں وہ یوسف نجار کے بیٹے ہیں۔ جن کا نکاح حضرت مریم سے ہوا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم** نیز فرماتا ہے **انھا کلمۃ**

ہوقاتلہا : بھلا انسان بھی کلمہ ہو سکتا ہے؟ (قادیانی) جواب: یہ تفسیر قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے بالکل خلاف ہے رب تعالٰی نے کتاب اللہ کو کلمہ نہیں فرمایا اور عیسٰی علیہ السلام کو بارہا کلمہ فرمایا ہے۔ سنو فرماتا ہے **ان مثل عیسٰی عند اللہ کمثل اٰدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون** چونکہ ان کی پیدائش کلمہ کن سے ہوئی نہ کہ نطفہ سے لہٰذا ان کا لقب کلمۃ اللہ ہوا۔ اگر وہ کسی مرد کے بیٹے ہوتے تو انہیں عیسٰی ابن مریم نہ کہا جاتا۔ کیونکہ اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے نہ کہ ماں کی طرف۔ رب تعالٰی فرماتا ہے **ادعوھم لاٰبائھم** تم انہیں کے باپوں کی طرف منسوب کرکے پکارو۔ اگر عیسٰی علیہ السلام کے والد ہوتے تو رب تعالٰی انہیں عیسٰی ابن مریم فرماکر نہ پکارتا رب تعالٰی نے قرآن کریم میں صرف مریم کا نام لیا۔ ان کے سوا کسی عورت کا نام قرآن میں آیا ہی نہیں۔ لہٰذا **کلمۃ من اللہ** کے معنی عیسٰی روح اللہ ہی ہیں۔ بھلا حضرت مریم کا نکاح یوسف نجار کے ساتھ کہاں ثابت ہے اور نکاح پڑھانے کوئی مرزائی جی گئے تھے۔ قرآن کریم نے حضرت مسیح کے بغیر باپ پیدا ہونے کا واقعہ پورے ایک رکوع میں فرماتا ہے جس کا واقعہ سورۂ مریم میں آئے گا۔ انشاء اللہ۔ چوتھا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ مسجد میں محراب بنانا منع ہے چنانچہ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ محراب ان بدعتوں میں سے ہے جو پہلے زمانہ میں نہ تھی۔ ابو موسٰی جہنی نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت خیر میں رہے گی جب تک کہ مسجدوں میں عیسائیوں کی طرح محرابیں نہ بنائی جائیں۔ عبداللہ ابن جعد فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے نزدیک محراب علامت قیامت میں سے ہے۔ عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ محرابوں سے بچو۔ اس بارے میں امام سیوطی نے ایک مستقل رسالہ لکھا پھر اس آیت میں اور ان احادیث میں مطابقت کیونکر ہو (روح المعانی) جواب: نفس محراب منع نہیں بلکہ رنگین اور نقشین محراب بہتر نہیں جس سے نماز میں دھیان بٹے یا صرف امام کا محراب میں کھڑا ہونا ہے اور محراب صرف امام ہی کے لئے ہوتی ہے اس سے بچو۔ ایک روایت میں ہے **اتقوا ھذا المذابح** (روح المعانی) ان محرابوں سے بچو اس کا یہی مطلب ہے کہ محراب میں اکیلے نہ کھڑے ہو۔ زمانہ اول میں اس کا نہ ہونا ممانعت کی دلیل نہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ مینار تھے نہ گنبد نہ پختہ مسجد شریف، صرف کھجور کی لکڑیوں کی دیواریں اور شاخوں کی چھت تھی بلکہ سیدنا انس فرماتے ہیں کہ ہمیں محرابوں میں نماز سے منع کیا جاتا تھا۔ معلوم ہوا محرابیں تھیں مگر وہاں تنہا امام کا کھڑا ہونا منع تھا نیز علامات قیامت ہونا ممانعت کی دلیل نہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مسجد کی زینت زیادتی مال علامات قیامت میں سے ہے۔ حالانکہ نہ مسجد کی زینت منع ہے نہ زیادتی مال۔ پانچواں اعتراض: رب تعالٰی نے حضرت یحیٰی علیہ السلام کی آخری فضیلت بیان فرمائی **من الصّٰلحین** کیونکہ وہ نیکوں میں سے ہوں گے۔ یہ صفت تو عام مسلمانوں میں موجود ہے اسے اتنی اہمیت سے بیان کیوں فرمایا جواب: یہاں صالحین سے مراد یہ عمومی صالحیت نہیں جو ہر مومن متقی کو حاصل ہوتی ہے' بلکہ جیسا اصل لہٗ ویسی ہی صالحیت۔ یہاں صالحین کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہمیشہ نیکیاں ہی کریں گے۔ ان سے کوئی گناہ یا خطا عمر بھر سرزد نہ ہوگی۔ ان کی ہر ادا اصلاح ہے یا وہ کوئی خطا نہیں کرسکیں گے۔ یعنی خطاؤں سے محفوظ یا معصوم یا وہ ان تمام مذکورہ صفات کے لائق ہیں۔ رب نے جو انہیں دیا ہے ان کی لیاقت و قابلیت کی بنا پر دیا یا وہ خود بھی نبی ہیں اور ان کا خاندان بھی صالحین کا ہے کہ ان کے ددھیال اور ننھیال انبیاء و اولیاء ہیں۔ خاندان نبوت سے ہونا بھی رب کا کرم ہے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ غیر خدا کو سید کہہ سکتے ہیں مگر حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ روایت میں ہے کہ وفد بنی عامر حضور علیہ السلام کی خدمت

میں حاضر ہوا۔ عرض کیا **انت سیدنا** آپ ہمارے سید ہیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا **السید ھو اللہ تکلموا بکلامکم ولا یستھوینکم شیطن**۔ یعنی سید تو اللہ ہے۔ تم اپنا مقصد بتاؤ کیوں آئے ہو، تمہیں شیطان ہلاک نہ کر دے۔ اس آیت اور حدیث میں مطابقت کیونکر ہو؟ نیز بعض روایتوں سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام کو اپنی تعریف ناپسند تھی۔ لہٰذا نعت خوانی حضور علیہ السلام کی ناراضی کا ذریعہ ہے (بعض بے دین)؟ **جواب:** ہم نے فوائد میں عرض کیا کہ رب نے یحییٰ علیہ السلام کو سید فرمایا۔ ہمیں نعت خوانی کا حکم دیا، فرمایا **وتعزروہ و توقروہ** حضرت حسان حضور علیہ السلام کے نعت خوان تھے۔ اس نعت خوانی کی ممانعت ہے جو بتکلف ہو۔ دل سے نہ ہو۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ **ان ابغضکم الی الثر ثارون المتشرقون المتفیھقون**۔ ان سب میں تکلف معتبر ہے یعنی جب دل میں حضور علیہ السلام کی محبت نہ ہو تو فقط زبان سے منہ بھر کر بات کرنا اور تعریفیں کرنا باعث غضب الٰہی ہے کہ یہ منافقوں کا طریقہ تھا، وہاں اخلاص دیکھا جاتا ہے (احکام القرآن)

تفسیر صوفیانہ: قوت بدنی گویا عمران کی بیوی ہے اور روح گویا عمران۔ نفس مطمئنہ گویا مریم ہے دماغ اس کا محراب۔ فکر گویا زکریا ہے۔ جب قوت بدنی نے نفس مطمئنہ کو بیت المقدس قلب کے لئے وقف کرنا چاہا تو زکریا فکر اس کی پرورش کا متکفل ہوا۔ جب کبھی یہ فکر کا زکریا مریم نفس مطمئنہ کے پاس محراب دماغ میں جاتا تو اس کے پاس علوم الہامات اور کشف کا غیبی رزق پاتا تو اس سے پوچھتا ہے کہ اے مریم نفس مطمئنہ تیرے پاس یہ جنتی پھل کہاں سے آئے۔ جواب پاتا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے اسی وقت زکریا فکر نے رب تعالیٰ سے عقل فعال کا یحییٰ مانگا جو طبعی میل کچیل سے پاک و صاف ہو۔ اللہ نے اس زکریا کی دعا قبول کی اور اسے ملائکہ یعنی قوت روحانیہ نے آواز دی۔ جبکہ یہ زکریا محراب دماغ میں رب سے مناجات کر رہا تھا کہ اے زکریا تمہیں رب تعالیٰ یحییٰ یعنی عقل فعال کی خوشخبری دیتا ہے جو عیسیٰ (قوت قلبی) کی تصدیق کرے گا اور ان پر ایمان لائے گا یہ قلب گویا کلمۃ اللہ ہے کیونکہ وہ جسمانی آلائش سے پاک ہے اور یحییٰ تمام قوموں کا سردار ہو گا اور حصور یعنی طبیعت جسمانی کی مباشرت اور بدنی گندگیوں سے آپ کو دور رکھے گا اور نبی یعنی معرفت الٰہیہ اور حقیقت کلیہ اخلاق جمیلہ اور اچھی تدابیر کی خبر دے گا اور صالحین یعنی قرب الٰہی کی صلاحیت رکھنے والوں میں سے ہو گا (ابن عربی) گویا فکر نفس مطمئنہ کو دیکھ کر رب سے عقل مانگتی ہے یہ دعا اس کی قبول ہوتی ہے اور رب تعالیٰ کی طرف سے یہ عطیہ ملتا ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ مقبول بندوں کی دعا سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ ان ہونی بات ہو جاتی ہے۔ دیکھو بانجھ عورت جو ناقابل اولاد ہو اور بالکل بڑھے مرد سے جو بالکل قابل اولاد نہ رہے، بچہ پیدا ہونا انہونی بات ہے مگر ایک مقبول کی دعا سے یہ دونوں ناممکن باتیں ممکن نہیں بلکہ واقعہ ہو گئیں۔ بعض لوگ جو بزرگوں سے اولاد مانگتے ہیں ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان کی دعا سے رب تعالیٰ اولاد دے دیتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ نبی ولی کچھ نہیں دیتے وہ سب کچھ دیتے ہیں باذن پروردگار، رب فرماتا ہے **اغناھم اللہ و رسولہ من فضلہ:** حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے حضور سے جنت مانگی اور پالی۔ اولاد جنت سے بڑھ کر نہیں لہٰذا ان سے اولاد مانگی جا سکتی ہے۔ حضرت جبریل نے بی بی مریم سے کہا تھا **لاھب لک غلما ذکیا** میں تمہیں ستھرا بیٹا دوں گا، نیز فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی دعا سے ملا ہوا بچہ بہت نیک و صالح ہوتا ہے اس میں دعا کرنے والے کا اثر ہوتا ہے۔ دیکھو حنہ ولیہ کی دعا سے کلمۃ اللہ جیسا فرزند پیدا

ہوا۔ زکریا علیہ السلام کی دعا سے یحییٰ علیہ السلام جیسا فرزند پیدا ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے اسمٰعیل جیسا نور نظر پیدا ہوا۔ یہ عظمتیں دعا کرنے والوں کی برکتوں سے حاصل ہوئیں۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ

کہا اے رب میرے کیسے ہوگا واسطے میرے لڑکا حالانکہ بے شک پہنچ گیا مجھ کو بڑھاپا اور بیوی میری بانجھ ہے فرمایا

بولا اے میرے رب میرے لڑکا کہاں سے ہوگا مجھے تو پہنچ گیا بڑھاپا اور میری عورت بانجھ فرمایا اللہ نے یوں ہی کرتا ہے

كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا

اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے ؁ عرض کیا اے رب میرے بنا واسطے میرے نشانی فرمایا نشانی تمہاری

جو چاہتا ہے ؁ عرض کی اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی کردے فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تین

تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

یہ ہے کہ نہ کلام کروگے تم لوگوں سے تین دن مگر اشارے سے اور یاد کرو رب اپنے کو بہت اور تسبیح کرو شام اور صبح کو

دن تو لوگوں سے بات نہ کرے مگر اشارے اور اپنے رب کی بہت یاد کر اور کچھ دن رہے اور تڑکے اس کی پاکی بول

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں یحییٰ علیہ السلام کو بشارت دی گئی تھی اور اب ولادت یحییٰ کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر تھا اب ان کے تعجب کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے خود ہی دعا مانگی اور قبولیت دعا کی خبر سن کر خود ہی تعجب فرمایا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر تھا۔ اب طریقہ ولادت کا تذکرہ ہے کہ زکریا علیہ السلام کو نہ دوسرے نکاح کی ضرورت پڑے گی نہ ان کی جوانی واپس کی جائے گی۔ اسی طرح اللہ فرزند دے گا۔

تفسیر: قال رب انی یکون لی غلم: یہ نیا جملہ ہے جو بشارت کے جواب میں رب سے عرض کیا گیا۔ رب سے مراد پروردگار ہے۔ اگرچہ ندا فرشتوں نے دی تھی مگر چونکہ رب کے حکم سے تھی اس لئے رب کو پکارا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ رب سے مراد ملائکہ ہیں کیونکہ وہ انسان کی روحانی تربیت کرتے ہیں اور ایک طرح کے مربی ہیں اور غیر خدا کو رب کہا جاسکتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ **ارجع الی ربک** ظاہر یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے عین نماز کے قیام کی حالت میں ہی فرشتوں سے مخاطب ہو کر بارگاہ الٰہی میں یہ عرض کیا۔ سلام پھیرنے کا انتظار نہ فرمایا۔ ورنہ یہاں **ثم قال** ارشاد ہوتا کیونکہ فرشتوں کا گزشتہ کلام تو قیام کی حالت میں تھا اور آپ رکوع، سجدہ، دوسری رکعت، پھر سلام کے بعد یہ عرض کرتے اس لئے **ثم** ضرور ارشاد ہوتا۔ چونکہ آپ جانتے تھے کہ فرشتوں کا واسطہ میری عزت افزائی کے لئے ہے ورنہ رب تعالیٰ براہ راست مجھے یہ فرما بھی سکتا ہے اور بلا توسط میری سنتا بھی ہے۔ فرشتوں کے وسیلہ کا محتاج نہیں اس لئے کلام فرشتوں سے کیا۔ خطاب رب

تعالیٰ سے۔ خیال رہے کہ نمازی ہر جگہ ہی مدینہ منورہ میں اور دوسری جگہ التحیات میں سلام یکساں ہی کرتا ہے **السلام علیک ایھا النبی** جس سے معلوم ہوا کہ حضور انور دور و نزدیک ہر جگہ سے امت کا سلام سنتے ہیں۔ہاں قانون یہ ہے کہ دور والوں کا سلام فرشتہ بھی پہنچاتا ہے جیسا کہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ملائکہ اعمال پیش کرتے ہیں۔اگرچہ رب تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے یہاں رب کے خطاب سے السلام علیک ایھا النبی والے خطاب کا پتہ لگاؤ۔اگر فرشتوں کی معرفت سلام کہلواتا ہو تا تو خطاب فرشتوں سے ہوتا کہ اے فرشتو میرا سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دینا (تفسیر کبیر) **انی** حرف استفہام ہے بمعنی **من این** بھی آتا ہے اور بمعنی **کیف** بھی۔چونکہ پیدائش فرزند نہایت عجیب چیز تھی اس لئے بطور تعجب آپ نے یہ سوال فرمایا۔ اس سے قدرت الٰہی کا انکار منظور نہیں۔بعض فرماتے ہیں کہ رب سے ہم کلامی کے شوق میں یہ کلام کیا کہ جتنا سلسلہ سوال کا دراز ہوگا اتنی ہی رب سے ہم کلامی کا موقعہ زیادہ ملے گا۔بعض فرماتے ہیں کہ اس سوال سے مقصود کیفیت ولادت کا پوچھنا ہے اور یہی قول قوی تر ہے۔یعنی عرض کیا کہ اے میرے رب میرے فرزند کہاں سے ہوگا۔اس بانجھ اور بڑھی بیوی سے یا مجھے دوسرا نکاح کرنا ہوگا یا اے رب میرے فرزند کیسے ہوگا۔میری جوانی واپس کی جائے گی اور میری بیوی کا حال بدلا جائے گا یا اسی طرح۔ اس معنی پر **قال کذالک** کا جواب نہایت چسپاں ہے (کبیر و روح المعانی) بعض لوگوں نے اور ضعیف وجوہ بھی بیان کئے ہیں جن کا ذکر بے فائدہ ہے۔ مثلاً "کسی نے کہا کہ آپ کو شیطان نے عرض کیا کہ یہ بشارت فرشتہ کی آواز نہ تھی بلکہ شیطانی آواز تھی۔ آپ نے دلی اطمینان کے لئے یہ سوال فرمایا مگر یہ غلط ہے۔پیغمبر پر فرشتے اور شیطان کی آواز مشتبہ نہیں ہو سکتی۔ خیال رہے کہ ناسمجھ بچے کو صبی کہتے ہیں۔ سمجھدار کو غلام۔ قریب بلوغ کو مراہق، بالغ کو شاب۔ ادھیڑ کو کہول اور بڈھے کو شیخ۔ غلام کہنے میں ادھر اشارہ ہے کہ وہ فرزند صاحب عمر ہوگا **وقد بلغنی الکبر وامراتی عاقر**۔ یہ وجہ سوال ہے اور **بلغنی الکبر** ترکیب مقلوب ہے اصل عبارت یوں تھی **وقد بلغت الکبر** (خازن) بعض نے فرمایا کہ اس سے بڑھاپے اور ضعف کا غلبہ بیان کرنا مقصود ہے۔خیال رہے کہ یہ واؤ حالیہ ہے اور جملہ ضمیر متکلم سے حال۔ **کبر** بمعنی بڑائی ہے۔ بڑائی قد و قامت سے بھی ہوتی ہے اور درجہ و عزت سے۔اور زمانہ اور عمر کے لحاظ سے بھی۔یہاں اخیری معنی مراد ہیں یعنی بڑھاپا۔ آپ کی عمر اس وقت ایک سو بیس سال تھی اور بیوی صاحبہ کی عمر اٹھانوے سال۔بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپ کی عمر ننانوے سال تھی۔بعض کے نزدیک بانوے سال۔بعض کے نزدیک پچاسی سال۔بعض کے نزدیک پچہتر سال۔بعض نے کہا ستر بعض نے کہا ساٹھ سال۔مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے (روح المعانی) **عاقر** **عقر** سے بنا بمعنی اصل اور جڑ۔اسی لئے کہا جاتا ہے۔ **عقرت النخل** میں نے کھجور کو جڑ سے اکھیڑ ڈالا۔ذبح کرنے اور پاؤں کاٹنے کو بھی عقر کہتے ہیں۔یعنی اصل سے فنا کر دینا۔کہا جاتا ہے۔ **عقرت البعیر** میں نے اونٹ ذبح کر دیا۔رب تعالیٰ فرماتا ہے **فعقروھا** اور فرماتا ہے **فتعاطی فعقر**۔ بانجھ عورت کو اسی لئے عاقر کہتے ہیں کہ وہ نطفے کو اصل سے برباد کر دیتی ہے۔روح المعانی نے فرمایا کہ عقر بمعنی کاٹنا ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ **رمل عاقر** اس زمین کو کہتے ہیں جس میں پیداوار نہ ہو سکے۔یعنی اے رب مجھے بڑھاپا پہنچ گیا اور میری بیوی بڑھاپے کے ساتھ بانجھ بھی ہے پھر بیٹا کیونکر ہوگا۔ **قال کذالک اللہ یفعل ما یشاء** یہ ان کے سوال کا جواب ہے۔ **قال** کا فاعل رب تعالیٰ ہے یا فرشتے **کذالک** یا تو **یکون** پوشیدہ کے متعلق ہے اور **اللہ یفعل** نیا جملہ ہے یا یہ پورا ایک جملہ ہے یعنی اے زکریا یہ عطائے فرزند بلا فرق ایسے ہی ہوگی۔نہ تم جوان کئے جاؤ گے اور نہ تمہیں دوسرا نکاح کرنا ہوگا کیونکہ اللہ جو

چاہے کرے یا اے زکریا اللہ اسی طرح جو چاہے کرتا ہے۔ تم تعجب مت کرو۔ چونکہ زکریا علیہ السلام چاہتے تھے کہ میں استقرار حمل سے ہی عبادت اور شکر میں مشغول ہو جاؤں اور حمل کی علامت حیض کا بند ہونا ہے۔ حضرت ایشاع کو بڑھاپے کی وجہ سے حیض آتا ہی نہ تھا اور اگر آتا بھی ہوتا۔ تب بھی حمل کا پتہ کچھ عرصہ بعد چلتا۔ اس لئے آپ نے بیوی صاحبہ کے حمل کی علامت رب سے پوچھی کہ عرض کیا **قال رب اجعل لی ایۃ**۔ اے مولی میرے لئے اس حمل کی کوئی نشانی مقرر فرمادے کہ میں وہ نشانی پاکر شروع حمل سے ہی شکر میں مشغول ہو جاؤں۔ دیگر علامات کے ظہور تک مجھے انتظار نہ کرنا پڑے۔ خیال رہے کہ **اجعل جعل** سے مشتق ہے اور **جعل** متعدی بیک مفعول بھی ہوتا ہے اور بدو مفعول بھی۔ پہلی صورت میں **ایۃ** مفعول ہے اور **لی** اس کا حال اور دوسری صورت میں **ایۃ** مفعول اول ہے اور **لی** مفعول دوم۔ **قال ایتک الا تکلم الناس ثلثۃ ایام الا رمزا**۔ یہ ان کی دعا کا جواب ہے **قال** کا فاعل رب تعالیٰ ہے یا فرشتہ۔ **ایتک** سے مراد **ایۃ لک** ہے **الا تکلم** سے مراد یا کلام نہ کرنا ہے یا نہ کر سکنا یا کلام کی رب کی طرف سے ممانعت اور کلام سے دنیوی کلام مراد ہے جیسا کہ **الناس** سے معلوم ہوا **ثلثۃ ایام** سے مراد تین دن مع رات ہیں کیونکہ سورہ مریم میں فرمایا گیا **ثلث لیال** ہماری قرات میں راء کی فتح اور میم کے سکون سے ہے بمعنی حرکت یا اشارہ کرنا۔ خواہ آنکھوں سے ہو یا ہاتھ سے یا سر کی جنبش سے یہاں تینوں معنے بن سکتے ہیں۔ عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ ہاتھ سے اشارہ کو رمز کہتے ہیں اور سر کے اشارہ کو وحی۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ رمز سے مراد ہونٹوں کا ہلانا ہے۔ (تفسیر روح المعانی وغیرہ) یحییٰ ابن وثاب کی قرات میں **الا رمزا** راء اور میم کے ضمہ سے ہے جمع رموز کی۔ جیسے رسول سے رسل۔ بعض قراتوں میں **الا رمزا** راء اور میم کے فتح سے رامز کی جمع جیسے خادم کی جمع خدم۔ اس صورت میں یہ تکلم کے فاعل سے ہوگا یعنی رب نے فرمایا کہ اے زکریا تمہاری بیوی کے حاملہ ہونے کی علامت تمہارے واسطے یہ مقرر کی گئی کہ تم لوگوں سے تین دن خود بخود اشارہ کے سوا کلام نہ کرو گے جو کچھ کہنا ہوگا اشارے سے کہو گے' یا تم تین دن تک بحکم الٰہی بولنے کا روزہ رکھو گے اور شرعاً" تمہیں کلام جائز نہ ہوگا جیسے پچھلے ادیان میں ہوتا تھا یا تم تین دن تک لوگوں سے تو کلام ہی نہ کر سکو گے۔ تمہاری زبان میں بولنے کی طاقت ہی نہ رہے گی۔ یہی قوی تر ہے یعنی آپ کو اس زمانہ میں گنگ کی بیماری نہ ہوگی۔ حضرات انبیاء کرام اس بیماری سے محفوظ ہیں نیز اگر گنگ کی بیماری ہوتی تو آپ ذکر اللہ کیسے کرتے بلکہ قدرتی طور پر آپ کی زبان میں لوگوں سے کلام دنیاوی کرنے کی قوت نہ ہوگی۔ رب سے عرض و معروض بخوبی کرلو گے۔ اب بھی بعض لوگ آپس میں خوب گفتگو کرلیتے ہیں مگر اسٹیج پر بطریقہ تقریر بول نہیں سکتے۔ بعض لوگ دنیا کی ساری باتیں کرلیتے ہیں مگر نماز یا کلمہ ادا نہیں کر سکتے۔ ایک ہی عالم ایک وقت بہت شاندار تقریر کرتا ہے۔ دوسرے وقت کچھ نہیں بول سکتا یہ واردات آتے رہتے ہیں۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ **واذکر ربک کثیرا و سبح بالعشی والابکار** ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم بھی اسی زمانہ کے متعلق ہے اور ممکن ہے کہ اس وقت کے متعلق ہو یعنی اس خاموشی کے زمانہ میں رب کا ذکر کرنا۔ آج ہی سے اس کا خوب ذکر کرو۔ **سبح** کا مصدر۔ تسبیح ہے اس سے مراد یا نماز ہے جیسے **فسبحن اللہ حین تمسون** یا سبحان اللہ کہنا مقصود۔ عشی سورج ڈھلنے سے صبح کے وقت تک کو کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا عشیۃ او ضحہا** اور عشاء نماز مغرب سے عشاء کے وقت تک کو بولا جاتا ہے۔ یعنی رات کا شروع حصہ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وجاءوا اباھم عشاء یبکون** یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائی مغرب کے بعد اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے

آئے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ عشی سورج ڈھلنے سے غروب تک کا نام ہے شاعر کہتا ہے۔

فلا الظل من برد الضحی تستطیعہ ولا الفی من برد العشی تذوق

(کبیر و معانی وغیرہ)

ابکار' بکرہ سے بنا معنی شروع۔ کنواری لڑکی کو باکرہ اور شروع پھل کو باکورہ کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں فجر سے چاشت تک کا وقت بکر کہلاتا ہے۔ یہاں ابکار سے پہلے وقت پوشیدہ ہے یعنی وقت الابکار کیونکہ ابکار مصدر ہے بغیر مضاف پوشیدہ ہوئے اس کا عطف عشی پر صحیح نہیں یعنی صبح و شام رب کی تسبیح پڑھو اور اس کی پاکی بولو۔

خلاصہ تفسیر : زکریا علیہ السلام نے جب فرزند کی بشارت سنی تو عرض کیا کہ اے مولیٰ میرے فرزند کیونکر ہوگا میں تو ایک سو بیس سال کا بوڑھا ہوں اور میری بیوی اٹھانوے سالہ بڈھی ہونے کے علاوہ بانجھ بھی ہے۔ آیا ہماری حالتوں میں تبدیلی کی جائے گی یا ہم دونوں اسی طرح رہیں گے اور فرزند ہو جائے گا۔ جواب ملا کہ اے زکریا تمہارے اولاد ایسے ہی ہوگی نہ تمہاری جوانی لوٹے گی اور نہ تمہیں دوسرے نکاح کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ تمہاری بیوی میں تبدیلی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ ہر طرح قادر ہے۔ تب عرض کیا کہ اے میرے مولیٰ میری خواہش یہ ہے کہ میرے لئے میری بیوی کے حاملہ ہونے پر کوئی نشانی مقرر کر دی جائے تاکہ میں شروع حمل سے ہی تیرے ذکر شکر میں مشغول ہو جاؤں اور مجھے ظہور حمل تک انتظار نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ میری بیوی کو حیض تو آتا ہی نہیں تاکہ اس کی بندش حمل کی علامت ہو۔ تب رب نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے علامت یہ ہے کہ تم زوجہ کے حاملہ ہوتے ہی تین دن تک لوگوں سے کلام نہ کر سکو گے' بجز اشاروں کے۔ اور بات پر تمہیں قوت نہ ہوگی اور اپنے رب کا ذکر خوب کرنا اور صبح و شام تسبیح و تحلیل میں مشغول رہنا۔ خیال رہے کہ چونکہ یحیٰی علیہ السلام بڑے پائے کے عابد و زاہد اور تارک الدنیا اور لوگوں سے بے تعلق تھے۔ اسی لئے ان کے آنے کی علامت بھی رب کی عبادت اور دنیا سے بے تعلقی قرار دی گئی اور انسان کی قوتیں رب کے قبضہ و قدرت میں ہیں۔ جب چاہے معطل کر دے جب چاہے واپس فرمادے۔ بعض لوگوں کو شب کوری ہوتی ہے کہ ان کی آنکھ رات میں نہیں دیکھ سکتی۔ چگادڑ کی آنکھ رات کو خوب دیکھتی ہے دن میں کام نہیں کرتی۔ آنکھ ایک ہے مگر ایک وقت کام کی دوسرے وقت بیکار۔ بعض لوگوں کی نگاہ قریب کو دیکھ لیتی ہے دور کے لئے بے کار۔ بعض کی نگاہ اس کے برعکس۔ لوگ موٹی چیز کو دیکھ لیتے ہیں باریک چیز انہیں نظر نہیں آتی۔ پتہ لگا کہ ہماری قوتیں رب کے اختیار میں ہیں۔ ایسے ہی ہو سکتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کی زبان شریف تسبیح و تبلیغ میں مشغول رہے مگر کلام نہ کر سکے۔ اس پر تفصیلی گفتگو سوال و جواب میں کی جائے گی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** فرزند کی خواہش سنت انبیاء ہے' خصوصاً جب خدمت دین کی نیت سے ہو۔ قرآن کریم نے زکریا علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا **رب لا تذرنی فردا و انت خیر الوارثین** نیز فرمایا **فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من ال یعقوب واجعلہ رب رضیا**۔ نیک بیٹا ماں باپ کے لئے صدقہ جاریہ ہے کہ زندگی اور قبر و حشر میں کام آتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** انبیائے کرام بارگاہ الٰہی میں بڑی عزت والے ہیں کہ ان کے آنے سے پہلے پہلے ان کی آمد کی خبر دنیا میں پھیل جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے فرشتوں کو

خبردے دی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی خبر پہلے ہی سے دنیا میں پھیل چکی تھی۔ ایسے ہی یحییٰ علیہ السلام کی خبر اس کی علامتیں وغیرہ پہلے ہی سے ظاہر کر دی گئیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت تمام جہان میں پہلے ہی سے ہو چکی تھی۔ **تیسرا فائدہ:** نبی کی تشریف آوری خدا کی رحمت ہے۔ اس کا شکریہ ادا کرنا سنت انبیاء۔ دیکھو یحییٰ علیہ السلام کی آمد کی خوشی میں زکریا علیہ السلام نے شکر کیا اور انہیں رب نے بھی حکم دیا کہ تم میرا بہت ذکر کرو اور صبح و شام تسبیح پڑھو۔ لہٰذا اب بھی ولادت پاک کی یادگار میں بدنی یا مالی عبادت کرنا' ذکر اللہ کی مجلس قائم کرنا یعنی محفل میلاد شریف جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے۔ **چوتھا فائدہ:** زکریا علیہ السلام کی یہ خاموشی چند طرح معجزہ ہے اولاً یہ کہ آپ تسبیح اور ذکر پر قادر رہے اور لوگوں سے کلام نہ کر سکے' دوسرے یہ کہ سارے اعضاء خصوصاً" زبان شریف صحیح سلامت رہی اور پھر بات کرنے پر قدرت نہ رہی۔ تیسرے یہ کہ آپ کو پہلے ہی سے خبر دی گئی کہ تمہاری بیوی کے حاملہ ہونے کی یہ علامت ہے پھر ایسا ہی ہوا۔ یہ تمام ایک معجزہ نہیں بلکہ معجزات ہیں۔ یہ فائدہ **الا تکلم الناس** کی اخیری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اوراد اور وظیفوں میں لوگوں سے کلام نہ کرنا سنت انبیاء ہے یہ فائدہ **الا تکلم الناس** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** صبح اور شام تسبیح پڑھنا سنت انبیاء ہے نیز چونکہ ان وقتوں میں عالم کی حالت تبدیل ہوتی ہے کہ دن جاتا ہے اور رات آتی ہے یا رات جاتی ہے دن آتا ہے' اس تبدیلی پر تبدیل کرنے والے پروردگار کا ذکر کرنا بہتر ہے۔ ہمارے سلسلہ قادریہ میں صبح و شام تسبیح فاطمہ پڑھی جاتی ہے۔ اس کی اصل یہ آیت کریمہ ہے۔ **ساتواں فائدہ:** ذکر قلبی کے ساتھ ذکر زبانی بھی ضروری ہے کیونکہ **واذکر ربک** میں بظاہر زبانی مراد ہے اگر صرف ذکر قلبی مراد ہوتا تو لوگوں سے کلام نہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ **آٹھواں فائدہ:** دنیوی کام میں جلدی کرنا منع مگر اخروی نعمت میں جلدی ثواب۔ زکریا علیہ السلام نے پیدائش فرزند بہت جلدی چاہی اسی لئے اس کی نشانی مانگی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وسارعوا الی مغفرة**

پہلا اعتراض: زکریا علیہ السلام نے فرزند کی بشارت پاکر تعجب کیوں کیا اور کیوں فرمایا **انی یکون لی غلم** کیا انہیں قدرت رب میں شک تھا (آریہ) **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو وہ جو تفسیر میں گزر گیا کہ یہ کلام تعجب کے لئے ہے ہی نہیں بلکہ پیدائش کی نوعیت پوچھنے کے لئے ہے کہ مولیٰ فرزند کہاں سے اور کس طرح ہو گا۔ اسی بیوی سے یا دوسری بیوی سے اور مجھے جوانی دی جائے گی یا ایسے ہی۔ جس کا جواب ملا **کذالک** یعنی ایسے ہی ہو گا۔ دوسرے یہ کہ یہ کلام تعجب کے لئے ہی ہے مگر تعجب شک سے نہیں بلکہ حسرت سے ہے۔ جیسے بادشاہ کسی فقیر کو لاکھ روپیہ دیدے تو فقیر عرض کرے کہ حضور تم نے مجھے اتنی رقم کیسے دے دی۔ یعنی میں تو اس لائق نہ تھا۔ تم نے کیسے کرم فرمایا۔ یہ حیرت بادشاہ کی سخاوت پر نہیں بلکہ اپنے ضعف پر ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) **دوسرا اعتراض:** زکریا علیہ السلام نے اس پر رب سے نشانی کیوں مانگی کیا انہیں رب کے وعدہ پر اعتبار نہ تھا (بعض بے دین) **جواب:** اس کا نہایت نفیس جواب تفسیر میں گذر چکا کہ نشان مانگنا ادائے شکر کے لئے ہے۔ گویا عرض کیا کہ اے مولیٰ میری آرزو یہ ہے کہ قرار حمل ہوتے ہی تیرے شکر میں مشغول ہو جاؤں چونکہ میری بیوی ایشاع کو حیض نہیں آتا۔ اس لئے مجھے اس کا پتہ کیونکر چلے گا تو اور کوئی علامت مقرر فرما دے اور شکر اچھی چیز ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے خوشی میں جلدی منظور تھی اور کمال شوق کا اظہار۔ **تیسرا اعتراض:** حمل شریف کی علامت زبان بندی اور ذکر

الٰہی کیوں مقرر کی گئی۔ علامت تو کچھ اور بھی ہو سکتی تھی؟ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک وہ جو قتادہ نے دیا کہ یہ زبان بندی گویا عتاب الٰہی تھا کہ اے زکریا تم نے زبانی بشارت پاکر تعجب اور اپنے بڑھاپے کا ذکر کیوں کیا۔ تمہاری زبان ہی بند کر دی جائے گی (خازن و کبیر وغیرہ) مگر یہ جواب صحیح نہیں۔ کیونکہ بشارت فرزند پر تعجب اور اپنے بڑھاپے کا ذکر تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی کیا تھا کہ فرمایا تھا **ابشر تمونی علی ان مسنی الکبر فبم تبشرون**۔ حضرت سارا نے بھی یہی عرض کیا تھا **ءالد وانا عجوز وهذا بعلی شیخا** اگر اس پر عتاب ہوتا تو ان پر بھی ہونا چاہئے تھا۔ دوسرے یہ کہ آپ کا علامت مانگنا ادائے شکر اور عبادت کے لئے تھا۔ اس نشانی سے ان کے ارادہ کی تائید فرمائی گئی کہ چونکہ آپ ہمارا ذکر چاہتے ہیں لہٰذا ہم صرف ذکر میں مشغول رکھنے کے لئے دوسری گفتگو سے آپ کی زبان ہی بند کر دیں گے۔ اگر عتاب کے لئے زبان بند ہوتی تو زبان شریف بالکل بند ہو جاتی۔ تیسرے یہ کہ جیسی نعمت ویسا اس کا نشان۔ سورج کی بشارت صبح صادق کے نور سے دی جاتی ہے کہ سورج نور ہے تو نور ہی اس کا مبشر ہے۔ بارش کی بشارت بادل سے دی جاتی ہے۔ رات کی آمد افق کی سیاہی سے بتائی جاتی ہے غرضکہ ہر شے کا نشان اس کے مطابق ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جلالی پیغمبر تھے تو ان کی آمد پر قتل وغیرہ نشانی ظاہر ہوئی۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں، اس لئے ان کی آمد پر بارش اور غذا کی دوسری نعمتوں کا نزول ہوا۔ یحییٰ علیہ السلام تارک الدنیا رب کے ذاکر، خوف الٰہی میں ہمیشہ رونے والے تھے کہ آپ کی آنکھوں میں ہمیشہ آنسو رہتے تھے کبھی ٹھٹھا مار کے نہ ہنسے اور آپ دنیا میں پانچ رونے والوں میں سے ایک ہیں۔ لہٰذا آپ کی علامت بھی ایسی ہی مقرر ہوئی۔ چوتھے یہ کہ آپ کی زبان بندی ہوئی ہی نہ تھی۔ خود اپنی خوشی سے کلام نہ فرمایا۔ پانچویں یہ کہ آپ نے کلام کا روزہ رکھا تھا جیسا کہ ہم نے تفسیر میں عرض کر دیا۔ خیال رہے کہ حضرت آدم کی آمد کی دھوم صرف فرشتوں میں ڈالی گئی۔ حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام کی آمد کی خبریں صرف ایک ملک میں دی گئیں۔ جناب یحییٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا چرچا صرف نیک خاندان میں کیا گیا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کی دھوم تمام جہانوں میں مچا دی گئی کہ پہلے تمام جہان میں تین سال تک بارش نہ ہوئی۔ حمل شریف کی شب تمام جگہ خوب بارشیں ہوئیں۔ برکتیں نازل ہوئیں۔ صعود خشک ہوا، ایران کی ایک ہزار سال کی روشن آگ بجھ گئی۔ قیصرو کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔ فقیر نے یہ محل بغداد کے پاس سلمان پاک میں دیکھا ہے۔ غرضکہ عالم میں کوئی چپہ نہ رہا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت نہ پہنچی ہو۔ رحمۃ للعالمین ہیں۔ عالمین کو آپ کی اطلاع دے دی گئی۔

تفسیر صوفیانہ : پہلے عرض کیا جا چکا کہ صوفیائے کرام کے نزدیک فکر صحیح گویا زکریا ہے اور عقل صحیح گویا یحییٰ۔ وہ بطریق اشارہ اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ زکریائے فکر نے عقل کی بشارت پاکر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ میں اپنے تمام منازل طے کرکے آخری منزل تک پہنچ چکی اور میری بیوی یعنی روح نفسانی نور سے خالی اور دنیا میں پھنسی ہوئی گویا بانجھ ہے۔ ہم دونوں سے عقل کا بچہ کیونکر پیدا ہو گا اور اس نور محض کے حصول کی علامت کیا ہو گی تو خطاب ربانی ہوا کہ اے فکر اس نور کے ظہور کی پہچان یہ ہے کہ تو اپنے عمر کے تین دن جن میں ہر دن دس سال کا۔ گویا دس سال کی عمر سے چالیس سال کی عمر تک بدنی قوتوں کے ساتھ مشغولیت اور ان کی فضول لذتوں سے دور رہے گی۔ ہاں ان کے ساتھ مخفی اشارے کیا کرے گی اور ان سب اعضاء کو ان کی خاص تسبیح پڑھنے کا حکم کرے گی اور تو محراب دماغ میں رہ کر اپنی تسبیح میں ہمیشہ مشغول رہے گی (ابن عربی) خلاصہ یہ ہے کہ جسے رب کی طرف سے عقل کامل ملنے والی ہوتی ہے اسے عبادت کا ذوق و شوق قدرتی طور پر ہوتا ہے۔

دوسری تفسیر : جب زکریائے فکر نے یحیٰ عقل کی بشارت سنی تو عرض کیا کہ مولیٰ میں ضعیف اور میری بیوی یعنی نفس حیوانی بانجھ ہے یہ نفس ایسا پاک بچہ کیونکر جن سکتی ہے۔ ناگن ہمیشہ سانپ جنتی ہے۔ اے مولیٰ یہ نفیس فرزند اس خسیس نفس سے کیسے پیدا ہوگا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ ایسے ہی رب تعالیٰ اپنے عجائب قدرت ان لوگوں کو دکھاتا ہے جو عادت کی قید میں پھنسے ہیں۔ فکر نے عرض کیا کہ اے مولیٰ مجھے اس کے نشان بتا' تاکہ میں تیرا ذکر شکر کروں۔ فرمایا نشان تیرا یہ ہے کہ تو مباح لذتوں سے بھی تین دن مانوس نہ ہوگا۔ فنائے فعلی اور فنائے صفات اور فنائے ذات کے دن ہاں **الا رمزا** بقدر ضرورت اور اپنے اس رب کا خوب ذکر کر جس نے تجھے یہاں تک پہنچایا اور رب کی صبح و شام یعنی صحو اور محو کے وقتوں میں تسبیح کر۔ خیال رہے کہ صوفیاء پر دو وقت آتے ہیں ایک فنا فی اللہ کا جسے یہ حضرات محو کہتے ہیں یہ گویا صوفیاء کی شام ہے اور دوسرے بقا باللہ کا جسے ان کے ہاں صحو کہا جاتا ہے۔ یہ صوفیا کی صبح ہے۔ صوفی اس صبح و شام میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے۔ اس صبح اور شام کا سورج ہی دوسرا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ لا الٰہ شام ہے اور الا اللہ سویرا (روح المعانی) ایسے ہی صوفی کے فنا کے تین درجے ہیں۔ فناء فعل یہ اس کی ابتدائی منزل ہے: جب بندے کے ہر کام رب کے اشارہ پر ہوتے ہیں۔ دوسرے فناء صفات: جب بندہ صفات الٰہی کا مظہر بن جاتا ہے۔ تیسرے فناء ذات: جہاں پہنچ کر اس کا ورد یہ ہوتا ہے لاموجود الا اللہ۔ بلکہ اس وقت میں کلیم "کلام متکلم" خود ذات واحدی ہوتی ہے اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ **الا تکلم الناس ثلثۃ ایام الا رمزا**"۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ

اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم تحقیق اللہ نے چن لیا تم کو اور پاک کر دیا تم کو

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم بے شک اللہ نے تجھے چن لیا اور خوب ستھرا کیا اور آج

وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ

اور چن لیا تم کو اوپر عورتوں جہانوں کے اے مریم اطاعت کرو تم واسطے رب اپنے کے اور سجدہ کرو

سارے جہان کی عورتوں سے تجھے پسند کیا اے مریم اپنے رب کے حضور ادب سے کھڑی ہو اس

وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ

اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے یہ خبروں سے ہے غیب کی وحی کرتے ہیں ہم اس کی طرف

کے لئے سجدہ کر اور رکوع والوں کے ساتھ رکوع کر یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم خفیہ طور پر تمہیں بتاتے

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا

آپ کے اور نہ تھے آپ نزدیک ان کے جب ڈالتے تھے وہ قلم اپنے کہ کون ان میں کفیل بنے مریم کا

ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ مریم کس کی پرورش میں رہیں

كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور نہ تھے تم پاس ان کے جب وہ جھگڑتے تھے ؁

اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑتے تھے ؁

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** ان آیتوں میں آل عمران کی برتری اور ان کے چنتو کا ذکر تھا۔ درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر اس کی تاکید کے لئے حضرت زکریا و یحییٰ علیہم السلام کا قصہ آگیا۔ اب پھر آل عمران کا باقی قصہ بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** زکریا علیہ السلام کے قصہ سے پہلے عمران کی بیوی حنہ کی برگزیدگی کا ذکر تھا۔ اب ان کی بیٹی حضرت مریم کی بہتری اور افضلیت کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** کچھ پہلے فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آل عمران کو دنیا والوں پر بزرگی دی۔ اس کی ایک دلیل میں حنہ کا قصہ بیان ہوا۔ اب دوسری دلیل حضرت مریم کے قصہ سے بیان ہو رہی ہے۔ گویا یہ سارا کلام یا اس اجمال کی تفصیل ہے یا اس دعویٰ کی دلیل۔

تفسیر : **واذقالت الملئکۃ** یہ جملہ یا تو پچھلے اذ پر معطوف ہے یا نیا جملہ ہے اور اذ کر فعل پوشیدہ کا ظرف ملائکہ سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں کیونکہ سورۂ مریم میں فرمایا گیا۔ **فارسلنا الیھا روحنا** یا ان کی عظمت کے لئے ملائکہ جمع ارشاد ہوا اس لئے کہ وہ فرشتوں کی جماعت کے سردار ہیں اور سردار کا کام گویا جماعت ہی کا کام ہوتا ہے جیسے **ینزل الملئکۃ بالروح من امرہ** یہاں بھی ملائکہ سے حضرت جبریل مراد ہیں۔ (کبیر و معانی وغیرہ) اور ممکن ہے کہ حضرت مریم کے پاس فرشتوں کی جماعت آئی ہو اور سب ہی نے یہ کلام کیا ہو مگر سورۂ مریم میں ان میں سے ایک کے کلام کا ذکر ہو۔ (مدارک) **یمریم ان اللہ اصطفٰک وطھرک** یہ فرشتوں کا کلام ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ گفتگو حضرت مریم سے سامنے ہو کر کی گئی مگر چونکہ یہ کلام تبلیغی وحی نہ تھا اس لئے حضرت مریم کی نبوت اس سے ثابت نہیں ہو سکتی۔ نبوت مردوں سے خاص ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما ارسلنا قبلک الا رجالا نوحی الیھم** فرشتوں کی یہ گفتگو یا حضرت مریم کی کرامت ہے یا عیسیٰ علیہ السلام کا ارہاص کیونکہ اس سے مراد بنا معنی دیوار کا نچا حصہ۔ اصطلاح میں اس عجیب چیز کو ارہاص کہتے ہیں جو دعویٰ نبوت سے پہلے ظاہر ہو خواہ نبی کی ولادت سے پہلے یا ولادت کے بعد ظہور نبوت سے پہلے جیسے حضور علیہ السلام پر بچپن شریف میں بادل کا سایہ کرنا۔ پتھروں کا سلام کرنا آپ پر سایہ کرنے کے لئے درختوں کا جھک جانا یا جیسے ولادت پاک سے پہلے اصحاب فیل کا قصہ اور ولادت شریف کے وقت نور کا ظاہر ہونا۔ پرندوں، چرندوں کا ایک دوسرے کو خوشخبری دینا یا سیدنا عبداللہ کا ولادت پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے معجزات کا دیکھنا کہ آپ جب کعبہ معظمہ میں جاتے تو وہاں کے سارے بت اوندھے گر جاتے تھے آپ پر بھی بعض اوقات ابر سایہ کرتے تھا، آپکو قتل کرنے کے لئے کچھ یہود آئے تو غیبی لوگ نمودار ہوئے جنہوں نے ان یہود کو قتل کیا نیز حضرت آمنہ نے زمانۂ حمل شریف میں ہر ماہ کسی نہ کسی نبی کی خواب میں زیارت کی۔ خاص ولادت کے وقت حوران بہشتی اور حضرات انبیاء کرام کی والدہ خصوصاً حضرت مریم کا آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہونا نیز حضرت حلیمہ دائی کے گھر آپ کے ہاتھ پر ہزارہا عجائب کا ظہور۔ یہ سب ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارہاصات ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ کلام بطریق الہام تھا جیسے

فاوحینا الی امموسی مگر تفسیر اول صحیح ہے کہ اس کی تائید سورۂ مریم سے ہوتی ہے اصطفی کی لفظی تحقیق پہلے ہو چکی۔ اس جگہ اس سے وہ چناؤ مراد ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہوا شلایہ کہ باوجود لڑکی ہونے کے انہیں بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول کر لیا گیا۔ رب تعالیٰ نے خود ان کی پرورش فرمائی کہ انہیں جنتی رزق بھیجے اور بچپن شریف میں بولنے کی طاقت بخشی۔ ہر گناہ سے محفوظ رکھا اور ان کے ہاتھ پر کرامتیں ظاہر فرمائیں۔ **طھرک** تطہیر سے بنا معنی خوب پاک و صاف کرنا۔ یہاں جسمانی' قلبی' روحانی پاکی اور صفائی مراد ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے انہیں حیض و نفاس سے پاک فرمایا تاکہ بیت المقدس کی خدمت کر سکیں نیز کفر' گناہ' کج خلقی وغیرہ باطنی عیوب سے بھی پاک کیا اور یہود کی تہمت سے بری فرمایا چنانچہ آپ کو نہ کبھی حیض آیا نہ نفاس (خازن و معانی و کبیر وغیرہ' عام تفاسیر) **واصطفک علی نسا عا لعلمین** اس دوسرے اصطفی سے یا پہلے اصطفی کی تاکید ہے یا حضرت مریم کا بعد بلوغ دوسرا چناؤ مراد ہے۔ جیسے انہیں بغیر شوہر بیٹا دینا۔ انکو اور انکے فرزند کو دنیا کے لئے نشان قدرت بنانا۔ فرزند کا پیدا ہوتے ہی اپنی والدہ ماجدہ کے فضائل بیان کرنا وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مریم کا چناؤ دو قسم کا ہوا **وھبی** جو بچپن میں ہو گیا بغیر کسی عمل کے اور چناؤ کسبی جو تقویٰ و طہارت کے ذریعہ بعد جوانی ہوا اصطفی **وھبی** کا ذکر پہلے اصطفک میں تھا اور اصطفاء کسبی کا یہاں دوسری جگہ۔ لہذا آیت میں تکرار نہیں العالمین سے اس زمانہ کے لوگ مراد ہیں۔ جیسے بنی اسرائیل سے فرمایا گیا **انی فضلتکم علی العلمین** (عام تفاسیر) اور اگر اس برگزیدگی سے بغیر شوہر بیٹا مراد ہے تو عالمین سے ساری عورتیں مراد۔ غرضیکہ فضیلت جزوی تو حضرت مریم کو تمام ہی عورتوں پر حاصل ہے۔ بلا استثناء اور فضیلت کلی اس زمانہ کی عورتوں پر حاصل ہے۔ جزوی خصوصیات ہر نبی ہر ولی کو حاصل ہوتی ہیں۔ **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض** کوئی بی بی بغیر خاوند بیٹے کی والدہ نہ بنی' کوئی بی بی روح اللہ کی ماں نہ ہوئی۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ واقعہ بھی یاد کرو جب فرشتوں نے حضرت مریم سے کہا تھا کہ اے مریم تمہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی برگزیدہ کیا تھا اور تمہیں پاک و صاف فرمایا اور دوبارہ سارے جہان کی عورتوں پر تمہیں فوقیت دی لہذا اس کے شکریہ میں **یمریم اقنتی لربک** اقنتی قنوت سے بنا۔ خیال رہے کہ عربی میں قنوط 'ط' سے بمعنی یاس و ناامیدی ہے اور قنوت 'ت' سے اس کے بہت معنی ہیں۔ خاموشی و **قوموا للہ قانتین** اطاعت نماز' قیام' اخلاص وغیرہ یہاں اس کے سارے معنی بن سکتے ہیں اللہ کی رضا کے لئے دنیا والوں سے خاموشی اختیار کرو' رب کے لئے قیام' نماز ادا کرو۔ رب کی عبادت کرو' اخلاص پیدا کرو۔ نماز پڑھو۔ غرضیکہ اس ایک حکم میں بہت سے احکام دے دیئے گئے۔ صوفیاء کے ہاں اس کے معنی ہیں دل ٹھیک کرو **واسجدی وارکعی مع الرا کعین** اگر پہلے قنوت سے قیام مراد ہے تو یہ جملہ اس کا تتمہ ہے کہ ان تینوں چیزوں میں نماز کے ارکان کا ذکر فرمایا گیا اور اس مجموعہ سے نماز مراد ہوئی اور اگر قنوت سے ہر عبادت مراد تھی تو یہ جملہ اسکی تفصیل ہے یا عام کے بعد خاص کا ذکر۔ سجدہ کو رکوع پر مقدم کرنا یا تو اس لئے ہے کہ واؤ میں ترتیب نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ تم رکوع و سجدہ دونوں کام کر لو یا اس لئے کہ سجدہ رکوع سے افضل ہے یا اس لئے کہ اس شریعت میں سجدہ رکوع سے پہلے تھا مگر یہ قول کچھ ضعیف سا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں سجدہ سے پوری نماز مراد ہے۔ چونکہ سجدہ سارے ارکان سے افضل ہے اس لئے جزء سے کل مراد لیا گیا جیسا کہ مقامات نماز کو مسجد کہا جاتا ہے۔ حالانکہ وہاں پوری نماز پڑھی جاتی ہے **مع الرا کعین** فرما کر یہ بتایا کہ نماز جماعت کے ساتھ چاہئے مگر یہاں ہمراہی مکانی نہیں بلکہ فعلی ہے کیونکہ عورت مرد کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتی۔ خیال رہے کہ یہ کلام یا انہیں فرشتوں کا ہے یا رب تعالیٰ کا یعنی اے مریم اپنے رب تعالیٰ

کی اطاعت کرو اور رکوع کرنے والے کے ساتھ رکوع و سجدہ کرو۔ (نماز پڑھو) چونکہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت ملتی ہے اس لئے رکوع میں شرکت بیان کی یہ نہ کہا واسجدی مع الساجدین۔ **ذالک من انباء الغیب** اب تک تو گزشتہ پیغمبروں کا ذکر فرمایا۔ اب اس ذکر کی وجہ بیان فرمائی جارہی ہے کہ اے محبوب! یہ تمام تذکرے صرف قصہ کہانی کے طور پر نہیں بیان ہوئے بلکہ ان سے مقصود تمہاری نبوت ثابت فرمانا ہے تاکہ یہ علوم غیبیہ تمہاری نبوت کی دلیل ہوں یہاں مذکورہ حضرات ہیں، مقصود تم اور تمہاری صفات ہیں۔ ذالک سے حضرت مریم اور ان کی والدہ کے سارے واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ انباء نباء سے بنا، بمعنی مطلق خبر یا عجیب خبر۔ غیب مشاہدہ کا مقابل ہے یعنی یہ سارا قصہ غیب کی عجیب خبروں میں سے ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ علماء کی صحبت پائی تھی، نہ تاریخی کتب کا مطالعہ کیا تھا اور نہ آپ اس جسم کے ساتھ وہاں موجود تھے اس لئے اسے غیب فرمایا گیا۔ ورنہ تواریخ کے ذریعہ واقعات کا معلوم ہو جانا علم غیب نہیں۔ علم الغیب اور علم بالغیب کا فرق شروع تفسیر میں بیان ہو چکا۔ ہمیں قیامت کا علم یہ علم بالغیب ہے نبی کو علم الغیب۔ **نوحیہا الیک** یہ انباء الغیب کی صفت ہے نوحی، وحی سے بنا بمعنی خفیہ اطلاع۔ قرآن کریم میں وحی چند معنی میں استعمال ہوئی۔ 1 رسالت کی وحی جیسے نوحی الیہم۔ 2 الہام جیسے واوحینا الی ام موسیٰ۔ 3 بات دل میں ڈالنا جیسے بان ربک اوحی لہا۔ 4 اشارہ جیسے فاوحی الیہم ان سبحوا زکریا علیہ السلام نے انہیں اشارہ کیا۔ 5 قدرتی ہدایت جیسے واوحی ربک الی النحل (روح البیان) یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جس کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور یہ وحی آپ کی نبوت کی دلیل ہے وحی، الہام، القاء، وسوسہ کا فرق پہلے بتایا جا چکا ہے **وما کنت لدیہم اذ یلقون اقلامہم** یہ مستقل جملہ ہے اور نوحیہ کی تفصیل لدیہم کا مرجع بیت المقدس کے وہ علماء ہیں جنہوں نے حضرت مریم کو حاصل کرنے کی خواہش کی۔ اقلام قلم کی جمع ہے بمعنی آہستگی سے کاٹنا۔ اسی لئے کٹے ہوئے ناخن کو قلامت الظفر کہتے ہیں۔ اردو میں بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں کا سر قلم کر دیا۔ اس سے مراد یا عام قلم ہیں یا توریت شریف لکھنے کے قلم جو لکھتے لکھتے چھوٹے ہو گئے تھے اور قابل تحریر نہ رہے مگر ادباً محفوظ رکھے گئے کیونکہ ان سے توریت لکھی گئی تھی۔ یہ چھ تھے (کبیر و معانی) بعض نے کہا کہ اس سے فال نکالنے کے تیر مراد ہیں۔ جس سے اس زمانہ میں قرعہ ڈالا جاتا تھا۔ یلقون سے مراد دریا میں ڈالنا ہے۔ جس کی تفصیل ابھی کچھ پہلے **وکفلہا زکریا** کی تفسیر میں بیان ہو چکی کہ انہوں نے آپس میں طے کیا تھا کہ جس کا قلم پانی کے رخ کے خلاف بہے یا تر جائے وہ مریم کا کفیل بنے وغیرہ **ایہم یکفل مریم** یہ کلام اول کا تتمہ ہے۔ یہاں **ینظرون** فعل پوشیدہ ہے یکفل کے تفصیلی معنی پہلے بیان ہو چکے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان احبار کے پاس نہ تھے جب وہ مریم کے لئے اپنے قلم دریا میں ڈالتے تھے تاکہ اس کے ذریعہ معلوم کریں کہ مریم کا کفیل کون بنے **وما کنت لدیہم اذ یختصمون** یہ پچھلے جملہ کی تاکید ہے **اذ** کنت کا ظرف ہے **یختصمون** اختصام سے بنا بمعنی ایک دوسرے سے جھگڑنا یعنی جب وہ حضرت مریم کے متعلق آپس میں جھگڑ رہے تھے تب آپ ان کے پاس موجود نہ تھے اور ظاہر ہے کہ آپ نے نہ تاریخی کتابیں پڑھیں نہ تاریخ دان لوگوں سے تعلق رکھا۔ پھر آپ کا ایسے تفصیلی واقعات بیان فرمانا یقیناً آپ کی نبوت کی قوی دلیل ہے۔ خیال رہے کہ ان بزرگوں کا یہ جھگڑا نہ تو دنیاوی چیز کے لئے تھا نہ فساد کے طریقہ پر تھا بلکہ ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش کرنا کہ جناب مریم کی خدمت میرے سپرد ہو اس پر بحث مباحثہ کرنا مراد ہے، یہ جھگڑا بھی اچھا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی تین فضیلتیں بیان فرمائیں اور انہیں چار حکم دیئے۔ بچپن کا چناؤ،

پاکی جوانی کا چناؤ اور احکام دیئے قنوت 'سجدہ' رکوع 'جماعت کی پابندی۔ اس میں دو حکمتیں ہیں ایک یہ کہ تاقیامت لوگ جان لیں کہ بندہ اس زندگی میں کسی درجہ پر پہنچ کر عبادات سے بے نیاز نہیں ہوتا۔ حضرت مریم 'دو دفعہ چناؤ' طہارت کے بعد بھی نماز' روزہ 'سجدہ' رکوع کی پابند رہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ حضرات اپنے اتنے فضائل سننے کے بعد اور زیادہ رب کی عبادت و ریاضات کرتے ہیں۔ شخی میں پھول کو رب کو بھول نہیں جاتے۔ حضرت عثمان سے فرمایا گیا کہ جو چاہو کرو تم بخش دیئے گئے مگر اس اجازت و بشارت کو سن کر ان کی عبادات و ریاضات اور زیادہ ہو گئیں۔ ان سے کہا گیا جو چاہو کرو جیسے پرندے کے پر کاٹ کر کہا جائے جا اڑ تا پھر وہ کیسے اڑے اور کس سے اڑے پر تو کٹ گئے۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وقت بھی یاد کرو یا نہیں یاد دلاؤ۔ جب فرشتوں کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام نے مریم سے کہا تھا کہ اے مریم حق تعالیٰ نے تمہیں بچپن ہی میں چن لیا تھا کہ تمہیں باوجود لڑکی ہونے کے خدمت بیت المقدس کے لئے قبول کر لیا اور تمہاری پرورش خود فرمائی۔ زکریا علیہ السلام کو تمہارا کفیل بنایا۔ تم سے بچپن میں باتیں کرائیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ تمہیں جسمانی قلبی اور روحانی گندگیوں سے پاک کیا کہ تمہیں حیض و نفاس سے دور رکھا۔ بد خلقی 'گناہ اور کفر سے بچایا۔ تمہارے قلب کو منور کیا اور اس کے بعد جب تم جوان ہو گئیں۔ تو تمہیں اس زمانہ کی ساری عورتوں سے دیگر خصوصیات کے ساتھ چھانٹا کہ بغیر شوہر تمہیں بیٹا بخشا اور یہود کی تہمت کو تم سے دور کیا۔ تمہیں اور تمہارے فرزند کو اپنی قدرت کا نشان بنایا۔ اے مریم اس شکریہ میں تم اپنے رب کی اطاعت کرو اور نمازیوں کے ساتھ رکوع سجدہ میں مشغول رہو۔ روایت میں ہے کہ اس حکم کے بعد حضرت مریم اتنا لمبا قیام فرماتی تھیں کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آ جاتا اور پھٹ کر خون جاری ہو جاتا تھا۔ (خازن و خزائن وغیرہ) خیال رہے کہ حضرت مریم کو یہ احکام سنانا یا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمانا **یا ایہا النبی اتق اللہ** یا فرمانا **یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک** یا فرمانا **یا ایہا الذین امنوا امنوا** ان تمام میں مراد ہوتا ہے ایسے ہی یہ کام کئے جاؤ اور زیادہ کئے جاؤ کیونکہ یہ حضرات پہلے سے ہی عابد 'عارف عبادات میں مجاہد ہوتے ہیں۔ عابد کو عبادت کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے لہذا ان کا یہی منشاء ہے جو عرض کیا گیا اے محبوب یہ مریم و حنہ زکریا و یحیٰ علیہم السلام کے واقعات ان غیبی خبروں میں سے ہے جو ہم نے بذریعہ وحی آپ کو بتائے۔ ورنہ آپ نے نہ کتب تواریخ کا مطالعہ فرمایا نہ آپ کو مورخین کے ساتھ رہنے کا کبھی اتفاق ہوا اور نہ آپ یہاں جسم شریف سے وہاں موجود تھے جب بیت المقدس کے خدام حضرت مریم کو حاصل کرنے اور ان کی پرورش کی عزت پانے کے لئے آپس میں جھگڑتے تھے اور جھگڑا مٹانے کے لئے انہوں نے قرعہ ڈالا کہ توریت لکھنے کے چھ قلم ایک دریا میں ڈالے اور طے یہ کیا کہ جس کا قلم تر جائے یا بہاؤ کے خلاف بہنے لگے وہی حضرت مریم کا کفیل بنے اس قرعہ میں زکریا علیہ السلام کو کامیابی ہوئی اور وہی آپ کے متکفل بنے ان تمام واقعات کا تفصیل وار بیان فرمانا آپ کی نبوت کی کھلی دلیل ہے۔ خیال رکھو: کہ جیسے دنیاوی حکومتیں پبلک میں اور سرکاری آدمیوں میں فرق کرنے کے لئے اپنے محکموں کو وردی 'پیٹی' ٹوپی وغیرہ دیتی ہیں جن سے وہ دوسروں سے ممتاز رہیں۔ ایسے ہی رب تعالیٰ عام لوگوں اور سرکاری حضرات یعنی انبیاء کرام و اولیاء عظام میں فرق کے لئے انہیں معجزات و کرامات دیتا ہے یہ معجزات و کرامات گویا ان کی نبوت و ولایت کی علامات ہوتے ہیں یہ معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ علوم غیبیہ اور تصرف غیبی ان کے خداداد اختیارات۔ مکی زندگی شریف میں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیارات کے معجزات زیادہ دکھائے اور مدنی زندگی میں زیادہ معجزات علم غیب کے دکھائے گئے کہ مکہ معظمہ میں عام طور پر لوگ بے علم تھے اور مدینہ منورہ میں یہود و نصاری

کے پوپ پادری بکثرت تھے تاکہ یہ لوگ حضور انور کی غیبی خبریں اور گزشتہ کے بتائے واقعات اپنی کتب کے موافق پائیں اور آپ پر ایمان لائیں۔ اس لئے ارشاد ہوا فا لکمن انبا ءالغیب

حضرت مریم و فاطمہ و عائشہ و خدیجہ رضی اللہ عنھن

اس میں اختلاف ہے کہ ان عورتوں میں افضل کون ہے۔ بعض نے فرمایا کہ حضرت مریم سب سے افضل ہیں بلکہ بعض کے نزدیک وہ نبی ہیں کیونکہ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ مریم تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہیں اور عالم مطلق ہے۔ فقط رائے سے اس کو خاص نہیں کر سکتے۔ (2) نیز ابن جریر نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اے فاطمہ تم مریم کے سوا باقی تمام جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ (3) ابن عساکر نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنتی عورتوں کی سردار مریم پھر فاطمہ پھر خدیجہ پھر آسیہ فرعون کی بیوی ہیں۔ (4) ابن ابی شیبہ نے ابن کھول سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اونٹ پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے افضل قریش کی عورتیں ہیں جو اپنے بچوں پر مہربان اور شوہر کی خیر خواہ ہیں اور اگر ہمیں تحقیق ہوتی کہ مریم بنت عمران اونٹ پر سوار ہوئی ہیں تو ہم ان پر کسی کو بزرگی نہ دیتے۔ (5) حضرت مریم 'عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں اور ان عورتوں کو نبی کی والدہ ہونے کا شرف حاصل نہیں۔ (6) حضرت مریم نے بچپن شریف میں کلام فرمایا۔ ان عورتوں کو یہ شرف حاصل نہیں۔ (7) حضرت مریم کی پرورش رب تعالیٰ نے فرمائی۔ ان کی پرورش ان کے والدین نے کی۔ (8) حضرت مریم کے پاس جنتی میوے آئے ان کے پاس نہ آئے۔ (9) حضرت مریم حیض و نفاس سے پاک رہیں۔ ان بیویوں میں یہ خصوصیت نہیں۔ ان وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم ان سب سے افضل ہیں اور بعض نے فرمایا کہ حضرت فاطمہ زہرا عائشہ صدیقہ اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنھن حضرت مریم بلکہ اولین و آخرین تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ینسا ءالنبی لستن کا حدمن النسا ء اے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتو! تم کسی عورت کی مثل 'نہیں سب سے افضل ہو نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی گندگی دور فرمائے اور تمہیں ظاہر و باطن ہر طرح خوب پاک فرمادے۔ حضرت مریم عمران کی نور نظر مگر حضرت فاطمہ زہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سید الانس والجان کی لخت جگر 'علی مرتضیٰ کی زوجہ مطہرہ 'سید الشہداء کی والدہ محترمہ۔ یہ اوصاف حضرت مریم میں نہیں۔ رب تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وا صطفک علی نسا ءالعلمین ایسا ہی ہے کہ جیسا بنی اسرائیل سے فرمایا گیا تھا۔ وا نی فضلتکم علی العا لمین اور جیسے اس زمانہ میں بنی اسرائیل دوسری قوموں سے افضل تھے۔ ایسے ہی اس وقت کی ساری عورتوں سے حضرت مریم بڑھ چڑھ کر تھیں جیسا کہ ہم تفسیر میں عرض کر چکے اگر حضرت مریم کو جنتی پھل ملے تو حضور علیہ السلام کے غلاموں کو جنتی پانی پلایا گیا اور وہاں کی نعمتیں کھلائی گئیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ ایک پیالہ پانی سے چودہ سو پیاسے سیر ہوئے۔ ایک گلاس دودھ سے ستر صحابہ کرام سیر ہوئے۔ حضرت جابر کے گھر چار سیر جو سے سارے لشکر والوں بلکہ تمام مدینہ والوں کا پیٹ بھر گیا۔ یہ پانی 'دودھ 'گوشت 'آٹا وغیرہ کہاں سے آرہا تھا حضور علیہ السلام نے ان کا کنکشن جنت سے فرمادیا

تھا۔ وہاں کی یہ نعمتیں تھیں۔ اگر حضرت مریم کو زکریا علیہ السلام نے پرورش فرمایا تو حضرت فاطمہ زہرا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پلیں اور پروان چڑھیں۔ اگر حضرت مریم عیسیٰ علیہ السلام کی ماں ہیں تو فاطمہ زہرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور عزت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل اصول۔ یہ سارا باغ انہیں کا ہے اگر حضرت مریم سے ملائکہ نے کلام کیا تو عائشہ صدیقہ کو جبریل علیہ السلام نے سلام کیا۔ غرضیکہ کلی عظمت ان عورتوں کو حاصل ہے۔ ہاں مریم جزوی طور پر افضل ہیں۔ مقاتل نے روایت کی کہ چار عورتیں جہاں کی عورتوں کی سردار ہیں۔ (1) مریم بنت عمران۔ (2) آسیہ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی آسیہ)۔ (3) خدیجہ بنت خویلد۔ (4) فاطمہ بنت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان میں افضل فاطمہ زہرا ہیں۔ نیز ابن جریر نے عمار ابن سعد سے روایت کی کہ مجھ سے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جیسے مریم ساری عورتوں سے افضل تھیں ایسے ہی خدیجہ میری امت کی ساری عورتوں سے افضل ہیں۔ نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد یہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر آجاؤ۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز — از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمت للعالمین — آں امام اولین و آخرین
بانوئے آں تاجدار ھل اتی — مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا
مادر آں مرکز پرکار عشق — مادر آں قافلہ سالار عشق
رشتہ آئین حق زنجیر پاست — پاس فرمان جناب مصطفیٰ است
ورنہ گرد تربتش گردیدمے — سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمے

ہم نے عرض کیا ہے۔

نبی کی لاڈلی، بانو ولی کی، ماں شہیدوں کی — یہاں جلوہ نبوت کا ولایت کا شہادت کا

(5) حضرت مریم کو تہمت لگی تو حضرت عیسیٰ کو بچپن میں گویائی بخش کر ان کی عظمت کی گواہی دلوادی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو تہمت لگی تو بھی ایک شیر خوار بچے ہی کے ذریعے ان کی پاک دامنی ظاہر فرمائی گئی مگر جب محبوبہ محبوب عائشہ صدیقہ کو تہمت لگی تو ہو سکتا تھا کہ وہاں بھی کسی شیر خوار بچے سے یا لکڑی، پتھر، درخت وغیرہ کو گویائی بخش کر گواہی دلوادی جاتی مگر ایسا نہ کیا بلکہ رب تعالیٰ نے خود آپ کی پاکدامنی، عصمت، جنتی ہونے کی گواہی اس طرح دی کہ سورۂ نور میں اٹھارہ آیتیں اتاریں جن میں آپ کی پاک دامنی کا ذکر فرمایا اور تہمت لگانے والوں بلکہ دل میں شبہ کرنے والوں، بلکہ خاموش رہنے والوں یعنی تردید نہ کرنے والوں پر سخت عتاب فرمایا گیا۔ یہ فرق کیوں ہے اس فرق مراتب کو ظاہر کرنے کیلئے۔ اس سے حضرت عائشہ صدیقہ کی بی بی مریم سے افضلیت مطلقہ ثابت ہو کہ ان کا گواہ شیر خوار بچہ اور صدیقہ کا گواہ خود رب العالمین۔

حضرت عائشہ صدیقہ و فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہما

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں حضرات میں کون افضل ہے بعض کے نزدیک حضرت فاطمہ زہرہ عائشہ صدیقہ سے افضل۔ اس لئے کہ آپ۔ (1) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر ہیں آپ کی شرافت اصلی ذاتی ہے اور سب کی

عارضی۔ (2) چونکہ حضور علیہ السلام ہر موجود کے سردار اور فاطمہ زہرا حضور علیہ السلام کا جز لہذا جو کل کا حال وہ جز کا۔ (3) حضرت فاطمہ زہرا جنتی عورتوں کی سردار ہیں جن میں حضرت عائشہ صدیقہ بھی داخل ہیں۔ (4) حضرت فاطمہ زہرا ہم شکل محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ آپ کی رفتار گفتار شکل و شباہت بالکل حضور علیہ السلام کی مثل تھی۔ وہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حیض و نفاس سے پاک تھی (مدارج النبوت)۔ (5) فاطمہ زہرا جنت کی کلی ہیں اسی لئے آپ کا لقب شریف زہرہ ہے یعنی آپ کا لقب شریف زہرہ ہے۔ یعنی آپ کو فاطمہ اور بتول بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے بے تعلق ہیں۔ فاطمہ فطم سے بنا یعنی چھوٹنا۔ جس بچے کا دودھ چھوٹ جائے اسے فطیم کہتے ہیں۔ بتول بتل سے بنا یعنی الگ ہو جانا و تبتل الیہ تبتیلا۔ (6) مبسوط کتاب الکراہیۃ باب اللمس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے ان سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔ ہم نے عرض کیا ہے۔

بتول و فاطمہ زہرہ لقب اس واسطے پایا   کہ دنیا میں رہیں اور دیں پتہ جنت کی نکہت کا

(7) فاطمہ زہرہ نسل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل ہیں۔ عائشہ صدیقہ میں یہ وصف نہیں مگر بعض کے نزدیک حضرت عائشہ صدیقہ فاطمہ زہرہ سے افضل ہیں۔ چند وجوہ سے۔ (1) رب تعالیٰ نے فرمایا **ینساء النبی لستن کا حدمن النساء** اے نبی کی بیویو! تم کسی عورت کی طرح نہیں اور کسی میں فاطمہ زہرا بھی داخل ہیں۔ (2) عائشہ صدیقہ ماں ہیں اور فاطمہ زہرہ بیٹی اور یقیناً ماں بیٹی سے افضل ہے۔ (3) جنت میں فاطمہ زہرہ حضرت علی کے ساتھ ہوں گی مگر عائشہ صدیقہ حضور علیہ السلام کے ساتھ اور اس جگہ سے یہ جگہ افضل ہے۔ (4) عائشہ صدیقہ شیطان کے اثر سے پاک کیونکہ نبی کی بیوی ہیں۔ (5) عائشہ صدیقہ تمام مسلمانوں کی ماں ہیں کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔ فاطمہ زہرہ کا یہ حکم نہیں۔ (6) عائشہ صدیقہ بڑی عالمہ و فقیہہ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دو تہائی دین عائشہ سے لو۔ آپ صحابہ کرام کے علمی اختلاف کا فیصلہ فرماتی تھیں اور اہل علم دوسروں سے افضل ہوتے ہیں۔ (7) عائشہ صدیقہ کو جبریل علیہ السلام سلام کرتے تھے۔ (8) عائشہ صدیقہ کے بستر میں حضور علیہ السلام پر وحی آتی تھی۔ ہم نے ان کی شان میں عرض کیا ہے۔

ان کے بستر میں وحی آئے رسول اللہ پر   اور سلام خادمانہ بھی کریں روح الامین

(9) عائشہ صدیقہ کا لقب محبوبہ محبوب رب العالمین ہے۔ (10) عائشہ صدیقہ کے سینہ پاک میں حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی اور ان کی گود شریف حضور علیہ السلام کی آخری آرام گاہ بنی۔ (11) عائشہ صدیقہ کا حجرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری قیام گاہ قرار پایا کہ یہیں آپ کی قبر انور ہے اور یہ قیامت تک کے لئے جن و انس و ملائکہ کی زیارت گاہ بن گیا۔ ہم نے عرض کیا۔

جن کا پہلو ہو نبی کی آخری آرام گاہ   جن کے حجرے میں قیامت تک نبی ہو جاگزین

(12) جب لوگوں نے عائشہ صدیقہ کو تہمت لگائی تو سورۂ نور کی اٹھارہ آیتوں نے آپ کی نورانیت و برءت کو بیان فرمایا جو مسلمان قرآن مجید پڑھے گا ان کی عصمت کی گواہی دیگا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

وہ جو ہے سورۂ نور جن کی گواہ   ان کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام

(13) آپ صدیقہ، باپ صدیق، شوہر نبیوں کے سردار۔ میکہ بھی اعلیٰ سسرال بھی بالا۔ (14) خود ام المومنین اور والد امیر

المومنین، شوہر خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

ہمارا فیصلہ : اس اختلاف کا فیصلہ ہم یوں کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ہر قسم کے دلائل ملتے ہیں لہذا یا تو خاموشی اختیار کرو یا یوں کہو کہ بعض لحاظ سے عائشہ صدیقہ افضل ہیں اور بعض لحاظ سے فاطمہ زہرہ۔ ایک لخت جگر نور نظر ہیں، دوسری محبوبہ عشاق۔ باب العلم نے بھی یہی فیصلہ فرمایا۔ یہ دونوں ہماری آقا ہیں۔ قیامت تک کسی کی نعلین پاک ہاتھ آجائے ہم فقیروں کا بیڑا پار ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کوئی بندہ کسی رتبہ پر پہنچ کر رب کی عبادت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ دیکھو حضرت مریم کو باوجود ان کی اتنی عظمت کے اطاعت الٰہی اور رکوع و سجود کا حکم دیا گیا۔ **دوسرا فائدہ:** جن پر اللہ کی نعمتیں زیادہ ہوں، انہیں رب کی عبادت بھی زیادہ کرنا چاہئے۔ دیکھو حضرت مریم کو عہدے بڑے بڑے بخشے گئے تو انہیں زیادہ عبادات کا بھی حکم دیا گیا مگر آج ہمارا یہ حال ہے کہ غریب ہوں تو نمازیں پڑھیں امیر ہو کر نماز بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ چاہئے تو یہ کہ غریب پانچ نمازیں پڑھیں تو امیر سات نمازیں پڑھیں کہ ان پر اللہ کا فضل زیادہ ہے۔ **تیسرا فائدہ:** دینی یا دنیاوی پیشواؤں کو چاہئے کہ اپنی زندگی احتیاط سے گزاریں۔ بندہ تابع فرمان بنے تاکہ انہیں دیکھ کر ان کے ماتحت بھی نیک بنیں۔ گھر کا بڑا، محلہ کا بڑا، شہر کا بڑا، بادشاہ امیر، اگر نمازی پرہیز گار ہوں تو ان کے ماتحت لوگ پرہیز گار ہو جاتے ہیں۔ دیکھو حضرت مریم کو رب نے خلق کی پیشوائی دی تو انہیں عبادات کی زیادہ تاکید بھی فرمائی تاکہ مریم کے نقش قدم پر چلنے والے ان کے سے اعمال کریں۔ دیکھا گیا ہے کہ بے نمازی پیر کے مرید نمازی نہیں ہوتے۔ جن کا پیر گھر میں نماز پڑھنے کا عادی ہو وہ لوگ بھی مسجد میں نہیں آتے کیوں؟ پیر کی اتباع کے لئے۔ اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت تک نماز باجماعت مسجد میں ادا کی۔ **چوتھا فائدہ:** غیر نبی سے فرشتے کلام کر سکتے ہیں۔ خواہ ظاہری طور پر یا باطنی طور پر جسے الہام کہتے ہیں جیسا کہ **واذ قالت الملئکة** سے معلوم ہوا مگر تبلیغی وحی نبیوں کے ساتھ خاص ہے۔ **پانچواں فائدہ:** بعض عورتیں بعض مردوں سے افضل ہیں۔ اگرچہ مرد ہونے کی صفت عورت ہونے کی صفت سے افضل ہے۔ جیسا کہ **واصطفٰک** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** حضرت مریم حیض و نفاس وغیرہ گندگی سے پاک تھیں جیسا کہ **وطھرک** کی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **ساتواں فائدہ:** حرف واؤ ترتیب نہیں چاہتا جیسا **واسجدی وارکعی** سے معلوم ہوا کہ سجدہ رکوع کے بعد ہوتا ہے مگر بیان میں پہلے آیا۔ **آٹھواں فائدہ:** بعض امتی کے لئے کچھ احکام خصوصی بھی ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت مریم نبی نہ تھیں امتی تھیں مگر انہیں خصوصیت سے فرمایا گیا۔ انتہی۔

مسئلہ : مرد کا انتہائی کمال نبوت ہے عورت کا انتہائی کمال صدیقیت۔ کسی ولی سے پوچھا گیا کہ کل ابدال کتنے ہیں جواب دیا چالیس نفس پوچھا گیا کہ آپ نے چالیس مرد کیوں نہ کہا نفس کیوں فرمایا جواب دیا کہ ان میں کچھ عورتیں بھی ہیں (تفسیر روح البیان) **نواں فائدہ:** نماز باجماعت پڑھنا چاہئے جیسا کہ **مع الراکعین** سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت ملتی ہے۔ نہ کہ سجدہ میں ملنے سے۔ کیونکہ یہاں وارکعی مع الراکعین فرمایا **واسجدی مع الساجدین** نہ کہا گیا۔ **گیارھواں فائدہ:** عورتیں مردوں کی نماز میں شرکت کر سکتی ہیں دیکھو **وارکعی** صیغہ مونث کا ہے اور **مع الراکعین** مذکر۔ **بارھواں فائدہ:** صرف عورتوں کی جماعت منع ہے اس طرح کہ عورت ہی امام ہو اور عورتیں ہی

مقتدی۔ کیونکہ یہاں مع الرا کعین فرمایا گیا نہ کہ مع الرا کعات۔

مسئلہ : نماز میں عورت امام نہیں ہو سکتی نہ مردوں کی نہ عورتوں کی بلکہ مرد امام ہو گا عورت مقتدی۔ اس لئے حضرت مریم کو علیحدہ عورتوں کی جماعت قائم فرمانے کا حکم نہ دیا گیا بلکہ ارشاد ہوا کہ جو مرد وا کعین ہیں ان ہی کے ساتھ تم بھی رکوع سجدہ کر لیا کرو۔ علیحدہ اپنی عورتوں کی جماعت نہ کرنا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک نے کبھی عورتوں کی جماعت نہ کی اور وہ بیبیاں عورتوں کی امام نہ بنیں بلکہ ہمیشہ مردوں کی جماعت میں شریک ہوئیں۔ **تیرھواں فائدہ:** رب تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا اور اسی کو ان کی نبوت کی دلیل بنایا جیسا کہ من انباء الغیب سے معلوم ہوا۔ نبوت کا منصب صرف یہ نہیں ہے کہ نبی مولویوں کی طرح فقط شرعی مسئلے بتائیں بلکہ غیب کی خبریں رکھنا اور بیان کرنا ان کے لئے ضروری ہے۔ **چودھواں فائدہ:** قرعہ ڈالنا اور اس کے ذریعہ فیصلہ کرنا سنت انبیاء ہے۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جس قوم نے قرعہ سے فیصلہ کیا اس نے اپنا معاملہ رب تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ رب تعالیٰ حق دار کو حق پہنچائے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فساھم فکان من المدحضین** (روح المعانی) امام باقر فرماتے ہیں کہ جس پر سب سے پہلے قرعہ ڈالا گیا وہ مریم بنت عمران ہیں۔ (روح المعانی)۔ **پندرھواں فائدہ:** جس قلم سے کلام الٰہی لکھا جائے اس کی عزت و حرمت چاہئے جیسا کہ ہم نے اقلامھم کی تفسیر میں بیان کیا کہ بعض کے نزدیک یہ توریت لکھنے کے قلم تھے جو گھس گھس کر چھوٹے رہ گئے تھے اور محفوظ تھے۔ **مسئلہ:** جس قلم سے دینی علوم لکھے جائیں نہ ان کا برادہ گندی جگہ ڈالا جائے اور نہ بے کار شدہ قلم کی بے ادبی کی جائے۔ سنا گیا ہے کہ ایک مصنف نے وصیت کی تھی کہ میرے غسل جنازہ کے لئے میرے استعمال شدہ قلموں سے پانی گرم کیا جائے شاید رب تعالیٰ اس کی برکت سے میرے گناہ معاف کر دے۔ بلکہ احتیاط یہ ہے کہ ایسے قلم قرآن پاک کے گلے ہوئے اوراق کی طرح دفن کر دیئے جائیں۔ **مسئلہ:** حضرات انبیاء چار قسم کے ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کا نہ تو نام قرآن شریف میں آیا ہے نہ حالات۔ جیسے حضرت دانیال۔ بعض حضرات وہ ہیں جن کا نام تو قرآن شریف میں نہیں مگر حالات ہیں۔ جیسے حضرت حزقیل عزیر علیہ السلام۔ بعض وہ حضرات ہیں جن کے نام بھی قرآن میں ہیں حالات بھی جیسے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام۔ یہاں انباء الغیب سے مراد بھی آخری قسم ہے تاکہ پتہ لگے کہ دنیا میں جو بھی چمکا حضور کے چمکانے سے چمکا۔ جسے جتنا چمکایا وہ اتنا ہی چمک گیا۔ نیز چونکہ حضرت مریم کے متعلق عیسائیوں نے بہت افراط کی کہ انہیں خدا کی بیوی کہہ دیا اور یہود نے تفریط کی کہ ان کنواری بتول کو عیب لگا دیا۔ اس لئے رب نے ان کے سچے سچے واقعات بیان فرما دیئے تاکہ یہ افراط و تفریط ختم ہو جائے۔

پہلا اعتراض : جب خدا اور فرشتے آج کسی سے باتیں نہیں کرتے تو پہلے کیسے کرتے ہوں گے۔ اگر کہو کہ پرانے زمانہ کے آدمی بے گناہ تھے اب نہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ جب عیسائیوں اور مسلمانوں کا مذہب جاری ہوا اس وقت وحشی اور مجہول آدمی زیادہ تھے اب لوگ سمجھدار زیادہ ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش) **جواب:** پنڈت جی آج بھی نیک بندوں سے خدا اور اس کے فرشتے کلام کرتے ہیں۔ الہام سچی خوابیں دل میں نیک بات کا پڑ جانا یہ سب رب تعالیٰ کے ہی کلام ہیں نہ اس وقت رب سب سے کلام کرتا تھا اور نہ اب۔ مگر اس وقت تک چونکہ دین کی کھیتی کچی تھی اس لئے بعض انسان پیغمبر بھی ہوتے تھے جن پر وحی آتی تھی اور بعض لوگوں سے فرشتے ملاقات بھی کرتے تھے۔ اب جب یہ کھیتی پک گئی لہٰذا ظاہر وحی کی کوئی ضرورت نہ رہی اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا جیسا کہ کھیت پک چکنے کے بعد بارش نہ ہونی چاہئے۔ ایسے ہی اس کھیتی کے پک جانے کے بعد نئی وحی کی

ضرورت نہیں۔ پنڈت جی تم نے یہ بھی خوب کہا کہ پہلے وحشی زیادہ تھے اور اب سمجھدار زیادہ ہیں۔ آریہ بھی مانتے ہیں کہ پہلے دنیا میں علم گیان بھگتی زیادہ تھی۔ اب پاپ بہت ہے اس لئے اس زمانہ کو کلجگ کہا جاتا ہے۔ اگر پچھلے زمانہ سے یہ زمانہ اچھا ہے تو چاہئے تھا کہ وید اس زمانہ میں آتا۔ پہلے روحانیت کا زور تھا اور اب مادہ پرستی کا شور ہے۔ چونکہ تمہارا دھرم مادہ پرستی پر قائم ہے اس لئے تم اس زمانہ کو ترقی کا زمانہ کہہ سکتے ہو۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو جماعت نماز میں مردوں کے ساتھ کھڑا ہونا جائز ہے مگر فقہاء اسے سخت منع فرماتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ اس سے مرد یا عورت کی نماز ٹوٹ جائے گی یہاں فرمایا گیا مع الرا کعین ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب** مع الرا کعین میں فعل کی ہمراہی مراد ہے نہ کہ جگہ کی۔ یعنی اے مریم تم نماز جماعت کے ساتھ پڑھو۔ اس طرح کہ اپنے حجرے سے امام کی اقتداء کرلو جیسے آج کل عورتیں مسجدوں میں الگ کھڑے ہو کر باجماعت نماز پڑھتی ہیں کہ وہ جماعت میں ساتھ ہوتی ہیں مگر جگہ میں علیحدہ۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں۔ رب فرماتا ہے وما کنت لدیھم یعنی آپ ان کے پاس نہ تھے۔ (دیوبندی) **جواب:** حاضر و ناظر کی مکمل بحث اور اس سوال کا تفصیلی جواب ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہاں جسمانی حاضری کی نفی ہے یعنی آپ یہاں جسم وہاں موجود نہ تھے اور پھر اس واقعہ سے باخبر ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ نبی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ حضور علیہ السلام کے سامنے سارا عالم ایسا ہے جیسے ہاتھ کی ہتھیلی اور آپ کا حاضر و ناظر ہونا ایسا ہے جیسے سورج کا ایک وقت میں ہر جگہ ہونا کہ سورج ہے تو ایک ہی مقام پر مگر اسکی تجلی ہر جگہ ہے یا جیسے ملک الموت کا ہر جگہ تصرف کر سکنا کہ وہ ایک ہیں مگر ایک وقت میں ہر جگہ لوگوں کی جان قبض کر سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : روحانی قوتیں گویا فرشتے ہیں اور نفس مطمئنہ گویا مریم اور نفوس امارہ دیگر عورتیں۔ گویا آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ روحانی قوتوں نے نفس مطمئنہ کو پکارا کہ اے مریم نفس تجھے اللہ نے برگزیدہ کیا کیونکہ تو شہوات سے بچی ہوئی ہے اور تجھے گندے اخلاق اور بری صفتوں سے پاک صاف کیا اور تجھے جہان کی عورتوں یعنی نفوس امارہ اور خواہشات شہوانیہ اور برے اعمال پر چن لیا لہذا اے مریم نفس تو اپنے رب کی اطاعت و عبادات میں مشغول رہ اور اپنی ذلت و عاجزی 'احتیاج انکسار ظاہر کرکے سجدہ کر اور خشوع و خضوع کے مقامات میں اللہ کے مقبول بندوں کے ساتھ رکوع کر یعنی جھکی رہو۔ اے نبی کی روح یہ تیرے وجود کے غیبی حالات ہیں۔ جن کی تجھے ہم نے خبر دی تو روحانی اور نفسانی قوتوں کے پاس اس وقت موجود نہ تھی جب کہ وہ اس مریم نفس کے حاصل کرنے میں کوشش کر رہے تھے کہ نفس امارہ اس کا شکار کرکے اسے اپنا جیسا بنانا چاہتا تھا۔ اور قوت روحانیہ اسے اپنی طرف کھینچتی تھی یہ اختلاف دریائے سینہ پر ہوا جو روحانی قوت اور نفسانی شہوت کا محل ہے چونکہ تیرا مقام ان سے بلند و بالا ہے۔ اس لئے وہاں موجود نہ تھی ہماری اطلاع سے تو مطلع ہوئی۔ رب تعالیٰ نے فضل و کرم فرمایا کہ اس مریم (نفس مطمئنہ کو) زکریائے روحانیت کے سپرد کیا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ درد دل تو دل کی عبادت ہے اور یہ نماز روزے وغیرہ جسم کی عبادات' درد دل ان عبادات کی شرط قبول ہے۔ بے دردے کی عبادات بارگاہ الٰہی تک نہیں پہنچتیں۔ اس لئے یہاں رب نے اقنتی پہلے فرمایا اور سجدے و رکوع کا حکم بعد میں دیا ان کے مشرب میں درد دل اصلی قنوت ہے۔ نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ

نماز وغیرہ تمام عبادات میں صرف رب کو راضی کرنے کی نیت چاہئے جنت حاصل کرنے یا دوزخ سے بچنے کی بھی نیت نہ کرے۔ عبادات اللہ کے لئے ہیں نہ کہ دوزخ یا جنت کے لئے اس لئے ارشاد ہوا الخ کہ اے مریم قنوت وغیرہ جو کچھ بھی کرو اپنے رب کے لئے کرو نہ کہ جنت وغیرہ کے لئے۔

مروت نہ باشد کہ مرد خدا بخواہند غیر از خدا از خدا

نیز حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو گزشتہ نبیوں کے واقعات مذکور ہوئے ان سے مقصود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت دینا ہے یہ سب کچھ آپ کی خاطر ہے لہذا یہ آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہیں اس لئے فرمایا گیا ذالک من انباء الغیب لہذا نزول آیات رضاء قصص کا مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آج بھی اگر ہماری عبادات کا مقصود رجاء الٰہی اور اطاعت مصطفوی ہو تو بہت اچھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مقصود ہیں تو ہمارے اعمال کے مقصود بھی ہو سکتے ہیں ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

مجھے کام کیا تھا رکوع سے مجھے کیا غرض تھی سجود سے کسی نقش پا کی تلاش تھی جو جھکا رہا میں نماز میں"

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ﳓ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ
جب کہ کہا فرشتوں نے اے مریم تحقیق اللہ خوشخبری دیتا ہے تمہیں ساتھ کلمہ کے طرف سے اپنی کہ نام انکا
اور یاد کرو جب فرشتوں نے مریم سے کہا اے مریم اللہ تجھے بشارت دیتا ہے ایک کلمہ کی جس کا نام ہے مسیح
عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۵﴾
مسیح عیسیٰ ہے بیٹا مریم کا عزت والے بیچ دنیا اور آخرت کے اور قریب کئے ہوؤں میں سے
عیسیٰ مریم کا بیٹا رودار ہوگا دنیا اور آخرت میں اور قرب والا اور لوگوں سے بات کرے گا
وَ یُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ كَهْلًا وَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۴۶﴾
اور کلام کریگے لوگوں سے بیچ گہوارے کے اور ادھیڑ ہو کر اور ہونگے وہ نیک کاروں میں سے۔
پالنے میں اور پکی عمر میں اور خاصوں میں ہوگا۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت مریم کی برگزیدگی کا اجمالی ذکر تھا اب اس کی تفصیل ہے۔ یعنی رب نے مریم کو اس طرح برگزیدہ کیا کہ انہیں عیسیٰ علیہ السلام جیسا پاک ستھرا بیٹا بخشا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت مریم کے ذاتی فضائل کا ذکر تھا۔ جنت کا رزق پانا۔ حیض و نفاس سے پاک ہونا۔ اب ان کی خارجی شرافت کا ذکر ہے یعنی کلمۃ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں ہونا۔ **تیسرا تعلق:** اب تک حضرت مریم کی پیدائش اور ان کے فضائل کا ذکر تھا جو ولادت عیسیٰ کی تمہید ہیں۔ اب خود عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں حضرت مریم کی چند خصوصیات کا ذکر ہوا۔ اب ان کی ایک خاص خوبی کا ذکر ہے۔ یعنی بغیر شوہر فرزند کی ماں بننا۔

گویا یہ بھی فضائل مریم کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے عظمت ذاتی بھی ہوتی ہے عارضی اور بیرونی بھی پھر بیرونی عظمت کبھی ماں باپ کے ذریعہ اولاد کو حاصل ہوتی ہے۔ کبھی اولاد کے ذریعہ ماں باپ کو اگر کسی کو ذاتی و عارضی دونوں عظمتیں حاصل ہوں تو پھر نور علی نور ہے۔ حضرت مریم کو رب نے تین قسم کی عظمتیں بخشیں، ماں باپ کے ذریعہ کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ حضرت عمران و حنہ کی بیٹی ہیں۔ ذاتی عظمت کہ آپ کو رب نے تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی وغیرہ۔ تیسری عظمت یہ کہ کلمۃ اللہ کی والدہ ہیں کہ دو عظمتوں کا ذکر پچھلی آیات میں ہوا اور تیسری عظمت کا ذکر اس آیت میں ہے۔

تفسیر : **اذقالت الملئکۃ** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ مستقل ہے اور **اذقالت** اذکر فعل پوشیدہ کا ظرف۔ کیونکہ فرشتوں کا یہ کلام پچھلے کلام سے بہت عرصہ بعد ہوا۔ وہ کلام حضرت مریم کے بچپن شریف میں تھا اور یہ کلام ان کے حاملہ ہونے کے وقت (روح المعانی و کبیر وغیرہ) اسی لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہاں یاد کرو پوشیدہ نکالا بعض کے خیال میں یہ **اذ** پہلے **اذقالت** کا ظرف ہے اور یہ دونوں کلام فرشتوں نے ایک ہی وقت میں کئے۔ یعنی حضرت مریم کے بچپن شریف میں۔ بعض نے فرمایا کہ یہ **اذ یلقون** کا بدل ہے اور اس کا عامل **ما کنت لدیھم** ہے یعنی آپ اس وقت بھی یہاں جسم وہاں موجود نہ تھے۔ جب فرشتے بی بی مریم سے یہ کہہ رہے تھے۔ فرشتوں اور مریم کی گفتگو ایسی غیبی چیز ہے جو مورخین کو بھی نہیں معلوم ہو سکتیں۔ یہ خبریں آپ کی نبوت کی قوی دلیل ہیں۔ ان اعتبارات سے اس آیت کے تین معنی ہوں گے مگر پہلے معنی زیادہ قوی۔ ظاہر یہ ہے کہ قالت سے ظاہر ظہور گفتگو مراد ہے جیسے پہلے قالت میں عرض کیا جاچکا۔ ملائکہ سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں یعنی اس وقت کو بھی یاد کرو جب حضرت جبریل علیہ السلام نے ظاہر ظہور مریم سے یہ کہا تھا **یمریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ** یہ جملہ قالت کا مقولہ ہے۔ یبشر بشارت سے بنا جس کے معنی بارہا بیان ہو چکے۔ ب صلہ کی ہے اور کلمۃ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ آپ کو کلمۃ اللہ یا تو اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کی پیدائش بغیر باپ لفظ کن سے ہوئی۔ (کلمہ بمعنی لفظ) جیسے سخی کو سراپا جود کہہ دیتے ہیں یا اس لئے کہ آپ کا چرچا پچھلی کتابوں میں بہت تھا (کلمہ بمعنی تکلم نیز وذکور) چنانچہ توریت شریف کی بیسویں فصل پانچویں دفتر میں ہے کہ اللہ نے سینا سے توجہ کی اور ساعیر سے تجلی ڈالی اور فاران سے ظاہر ہوا۔ سینا کوہ طور اور ساعیر بیت المقدس کا پہاڑ جہاں عیسیٰ علیہ السلام عبادت کرتے تھے اور فاران مکہ معظمہ کا پہاڑ جہاں حضور علیہ السلام نے عبادت فرمائی یا اس لئے کہ آپ ہدایت دینے میں مثل کلمہ کے ہیں۔ جیسے کلمہ کی برکت سے کافر مومن ہو جاتا ہے ایسے ہی آپ کی برکت سے بے دین دیندار بن جاتے تھے یا اس لئے کہ آپ دم فرما کر بیماروں کو اچھا کرتے تھے گویا آپ کی بات میں بیماروں کو شفا تھی۔ منہ کا من تبعیضیہ نہیں ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ جزو کل سے پاک ہے بلکہ ابتدائیہ ہے اور ثابت کا متعلق ہو کر کلمہ کی صفت۔ ہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یعنی اے مریم تمہیں اللہ تعالیٰ ایسے فرزند کی خوش خبری دیتا ہے جو رب کی طرف سے کلمہ ہے **اسمہ المسیح عیسی ابن مریم** اسم بعض کے نزدیک وسم سے بنا بمعنی نشانی و پہچان۔ لغت میں ہر نشانی کو اسم کہتے ہیں مگر اصطلاح میں صرف نام کو یہاں یا تو لغوی معنی میں ہے کیونکہ یہ تینوں عیسیٰ علیہ السلام کے نام نہیں بلکہ مسیح آپکا لقب ہے۔ عیسیٰ نام اور ابن مریم کنیت یعنی ان کی پہچان اور نشانی یہ ہے کہ وہ مسیح ہیں۔ عیسیٰ ہیں اور ابن مریم ہیں۔ اس صورت میں یہ تینوں لفظ اسمہ کی خبریں ہیں یا اسم اصطلاحی معنی میں ہے بمعنی نام اور اس کی خبر عیسیٰ ہے ابن مریم صفت اور مسیح وضاحت کے واسطے لایا گیا جیسے کوئی کہے کہ میرا نام خان بہادر عبداللہ خاں حنفی قادری ہے تو خان بہادر اور حنفی قادری نام نہیں اسمہ کی ضمیر کلمہ کی طرف لوٹتی ہے۔

چونکہ کلمہ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور وہ مذکر۔ لہٰذا ضمیر مذکر لائی گئی۔ مسیح آپ کا لقب ہے جو نبوت کے بعد ملا۔ جیسے صدیق و فاروق بعض کے نزدیک یہ لفظ عبرانی سے معرب ہے۔ اصل میں مشیخ تھا بمعنی مبارک یا سچا بادشاہ۔ بعض نے فرمایا کہ یہ لفظ عربی ہے۔ مسح سے بنا بمعنی چھونا سفر کرنا یا دور کرنا یا یکساں ہونا۔ چونکہ آپ بیماروں کو چھو کر شفا دیتے تھے یا چونکہ آپ نے کہیں گھر نہ بنایا ہمیشہ سفر میں رہے۔ جہاں رات آگئی گزار دی یا چونکہ آپ کو پیدائش کے وقت جبریل علیہ السلام نے چھو لیا یا چونکہ جب رب تعالیٰ نے پشت آدم پر مسح فرما کر ان کی ذریت کو نکالا تو ہر ایک کو اپنے مقام پر واپس کیا سوا عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ ایسے ہی رہے یا چونکہ آپ کے قدم میں گڑھانہ تھا یکساں تھا یا چونکہ آپ صاف ستھرے اور روغن سے مالش کئے ہوئے پیدا ہوئے۔ اس لئے آپ کا لقب مسیح ہوا لہٰذا مسیح یا ممسوح کے معنی میں ہے یا ماسح کے۔ ابن مریم فرما کر تین قوموں کی تردید فرما دی۔ یہود کی جو آپ کی والدہ کو تہمت لگاتے تھے۔ عیسائیوں کی جو آپ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ تیسرے قادیانیوں کی جو کہتے ہیں کہ حضرت مریم کا نکاح یوسف نجار سے ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام ان سے پیدا ہوئے۔ اس ایک لفظ ابن مریم میں ان تینوں کا نہایت بلیغ رد ہو گیا کہ ان کا کوئی باپ ہوتا تو انہیں اس باپ کا بیٹا کہا جاتا نہ کہ مریم ماں کا بیٹا۔ عقلاً ”نقلاً“ ”قانوناً“ ”عرفاً“ بیٹے کو باپ کی طرف نسبت کیا جاتا ہے نہ کہ ماں کی طرف۔ اور اگر وہ خدا کے بیٹے ہوتے تو ابن مریم نہ کہلاتے بلکہ ہم انہیں ابن اللہ کہتے نیز خدا کا بیٹا خدا ہوتا ہے اور خدا کسی کا بیٹا نہیں۔ اس پر تغیر تبدل نہیں آتے۔ وہ حوادث زمانہ کا شکار نہیں ہوتا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ واردات آئی ہیں تو نہ وہ اللہ نہ ابن اللہ بلکہ ابن مریم ہیں۔ (روح المعانی و کبیر) خیال رہے کہ دجال کو بھی مسیح کہا جاتا ہے مگر اس معنی سے کہ اس کی ایک آنکھ ممسوح یعنی صاف ہے یعنی کانا ہے' یا اس لئے کہ وہ چالیس دن میں تمام دنیا کی سیر کرے گا۔ غرض آپ اور معنی میں مسیح ہیں اور دجال دوسرے معنی میں۔ عیسیٰ میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ بھی معرب ہے عبرانی میں ایشوع جیسے موسیٰ کہ بعض کے نزدیک موشا یا میشا تھا اور بعض کے نزدیک یہ بھی عربی ہے۔ عیس سے مشتق ہے بمعنی سرخی و سفیدی۔ چونکہ آپ کا رنگ سرخ و سفید تھا۔ اس لئے آپ کا نام عیسیٰ ہوا۔ ابن مریم فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ وہ بغیر باپ پیدا ہوں گے۔ اسی لئے اب تک نہ کہا گیا۔ یعنی اے مریم اللہ تمہیں کلمۃ اللہ کی بشارت دیتا ہے جن کا لقب مسیح' نام پاک عیسیٰ اور کنیت ابن مریم ہوگی۔ چار نام بیان فرمانے کے بعد۔ اب ان کی چار صفتیں بیان ہو رہی ہیں۔ پہلی یہ کہ **وجیھا فی الدنیا والاخرۃ** یہ کلمت عیسیٰ یا کلمۃ کا حال ہے اور **وجیھا** یا توجہ بمعنی چہرہ سے بنا۔ چونکہ آپ نہایت ہی خوبصورت تھے کہ بہت سے لوگ آپ کا چہرہ انور دیکھ کر ایمان لے آئے اس لئے وجیہہ یعنی حسین و جمیل اور ہیبت والا آپ کی صفت ہوئی یا یہ وجاہت سے بنا بمعنی عزت' قدر اور شرف' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وکان عند اللہ وجیھا** یعنی آپ دنیا میں بھی عزت والے ہیں اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں اس طرح کہ۔ (1) آپ کی پیدائش سب سے نرالی ہے کہ اگرچہ حضرت آدم و حوا بھی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے لیکن پیدائش آدم علیہ السلام میں مٹی اور پانی تو تھے اور حضرت حوا کی پیدائش میں آدم علیہ السلام کی پسلی تو تھی' عیسیٰ علیہ السلام میں کوئی مادی شئی داخل نہ ہوئی صرف کن سے پیدا ہوئے۔ اس لئے کلمۃ اللہ آپ ہی کا لقب ہے نہ کہ آدم علیہ السلام کا۔ (2) نیز عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء اور امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الاولیاء ہیں۔ نیز آپ ہی امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے مجتہد ہوں گے۔ (3) نیز آپ گنبد خضرا میں حضور علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہوں گے اور حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی اٹھیں گے۔ (4) نیز دیگر پیغمبروں کی ہجرت زمین پر ہوئی مگر

عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان پر۔ (5) نیز آپ انسان ہو کر مثل فرشتوں کی زندگی گزار رہے ہیں کہ انہیں کی طرح عبادت آپ کی غذا ہے۔ (6) نیز موسیٰ علیہ السلام نے امت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کی تمنا کی تھی جو پوری نہ ہو سکی، عیسیٰ علیہ السلام کو یہ فخر حاصل ہوا۔ (7) نیز آپ دنیا میں مقبول الدعا ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر مردے زندہ ہوئے اور بیمار شفایاب ہوئے۔ ان وجوہ سے آپ دنیا میں عزت والے ہیں۔ آخرت میں بھی آپ کی خصوصی عزت کئی طرح ظاہر ہو گی۔ سو دیگر انبیائے کرام نہ شفاعت فرمائیں گے نہ شفیع المذنبین کا صحیح پتہ دیں گے۔ اذھبوا الی غیری کہیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں جن سے شفیع المذنبین کا صحیح پتہ لگے گا۔ 2 نیز قیامت کے دن طلب شفاعت کے وقت ہر پیغمبر اپنی کوئی خطا یاد فرمائیں گے کہ ہم سے فلاں خطا ہوئی تھی۔ ہم شفاعت کیسے کریں گے۔ سوا عیسیٰ علیہ السلام کے کہ یہ اپنی کوئی خطا نہ بیان فرمائیں گے۔ اسی لئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ و یحیٰی علیہما السلام سے کوئی خطا سرزد نہ ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ کے متعلق فرمایا گیا **وجیھا فی الدنیا والاخرۃ** یا وجیہ وہ ہے جس کی بات مانی جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ ان کی شان یہ ہے کہ دنیا میں بھی رب تعالیٰ ان کی ہر بات مانے گا اور آخرت میں بھی اور کیوں نہ مانے کہ وہ رب کی ہر بات مانتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت میں بعض وہ ہوں گے جو پراگندہ بال پریشان حال ہوں گے مگر **لوا قسم علی اللہ لا** برہ اگر رب تعالیٰ پر قسم کھالیں تو رب ان کی قسم پوری فرمادے۔ جب ولی کی بات اس قدر مانی جاتی ہے تو آپ تو کلمۃ اللہ اور روح اللہ نبیوں میں بہت شاندار نبی ہیں۔ دوسرا وصف یہ کہ **ومن المقربین** یہ وجیھا" پر معطوف ہے اور کائنا" پوشیدہ کا متعلق۔ مقرب تقریب سے بنا جس کا مادہ قرب ہے بعد کا مقابل۔ اس سے یا قرب درجہ مراد ہے یا قرب مکانی۔ پہلی صورت میں یہ معنی ہوئے کہ وہ اللہ سے قرب رکھنے والوں یعنی انبیاء میں سے ہوں گے۔ دوسری صورت میں یہ معنی ہوئے کہ وہ مقربین یعنی فرشتوں میں سے ہوں گے کہ ان کے ساتھ رہیں گے۔ ان کی سی عبادت کریں گے اور بغیر ظاہری غذا چوتھے آسمان پر زندہ رہیں گے۔ (کبیر و معانی) چوتھی صفت یہ ہے کہ **ویکلم الناس فی المھد وکھلا** صحیح یہ ہے کہ یہ واؤ عاطفہ ہے نہ کہ حالیہ اور یہ جملہ **ان اللہ یبشرک** پر معطوف ہے۔ (کبیر) **یکلم** کلام سے بنا بمعنی بات الناس اس لئے فرمایا گیا کہ آپ نے لوگوں سے گفتگو پیدا ہونے کے بعد کی ورنہ والدہ کے شکم میں ہی توریت شریف پڑھتے تھے۔ جسے حضرت مریم سنتی تھیں۔ (خازن، روح البیان، از مجاہد) سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیدائش کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے صرف ایک بار کلام کیا پھر اپنی عمر پر پہنچ کر بولے (خازن و روح المعانی) مگر ابن خشید نے کہا کہ آپ بچپن میں ہمیشہ ہی کلام فرماتے رہے (روح المعانی) مہد کے معنی ہیں شروع و ابتداء۔ اسی لئے شروع کلام کو تمہید کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں بچے کے جھولے اور گہوارے کو مہد کہتے ہیں کیونکہ بچہ پہلے وہیں رہتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد ماں کی گود ہے۔ (کبیر) کیونکہ بچہ پہلے ماں کی گود میں رہتا ہے پھر کچھ دن کے بعد گہوارے میں لٹایا جاتا ہے۔ آپ نے اپنی پیدائش کے کچھ دیر بعد لوگوں سے کلام کیا کہ جنگل میں پیدا ہوئے، ماں آپ کو لے کر شہر آئیں۔ شہر کے دروازے پر ہی لوگوں نے گھیر لیا۔ جن سے آپ نے نہایت فصیح و بلیغ کلام کیا۔ ابھی گہوارے میں جھولنے کی عمر ہی نہ ہوئی تھی۔ ہاں پھر بعد میں جو کلام ہوئے وہ گہوارے میں تھے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مہد کے ایسے معنی کئے جائیں جو گود اور گہوارہ دونوں کو شامل ہوں۔ کہل کے لغوی معنی پختگی اور مضبوطی ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے۔ **اکتھل النبات** گھاس اپنی پوری طاقت پر پہنچ گئی۔ اصطلاح میں کہل بڑھاپے اور جوانی کی درمیانی حالت ہے۔ جس کی ابتداء چالیس سال سے ہے اور بڑھاپے کی

ابتداء بچپن سال سے چونکہ آپ جوانی یعنی تینتیس سال کی عمر میں اٹھائے گئے اور اب واپس آکر چالیس سال اور زندہ رہیں گے آپ کی کل عمر شریف تہتر سال ہو گی اس لئے کہول ہو کر بولنا آپ کے حق میں معجزہ ہے کہ آسمان سے واپس آکر کلام فرمائیں گے ورنہ کہولت میں عام طور پر لوگ بولا ہی کرتے ہیں۔(کبیر)۔ خیال رہے کہ آپ آسمان پر تشریف لے گئے تھے ایک دن کا بھی فرق نہ ہو گا۔ کیونکہ آسمان کا قیام عمر نہیں بڑھاتا نیز آپ نے بچپن میں تو بنی اسرائیل سے کلام فرمایا اور بڑھاپے میں امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کریں گے۔ بچپن میں دنیا کا اور رنگ تھا بڑھاپے میں اور رنگ ہو گا نیز بچپن میں کلام آسمان پر جانے سے پہلے تھا مگر بڑھاپے کا کلام آسمان سے آکر ہو گا۔ ان وجوہ سے یہ بڑھاپے کا کلام بھی معجزہ نہیں بلکہ چند معجزات کا مجموعہ ہے۔

لطیفہ : تفسیر روح المعانی نے عمر انسانی کے حسب ذیل نام گنائے ہیں کہ بچہ جب تک رحم میں ہے جنین ہے جب پیدا ہو تو ولید جب تم دودھ پئے رضیع ہے جب دودھ چھوڑا دیا جائے تو فطیم جب کچھ چلنے پھرنے لگے تو وہ دارج اور جب اس کے دودھ کے دانت نکل آئیں تو خماسی جب دودھ کے دانت اکھڑنے لگیں تو شغور۔ جب دوسرے دانت نکل آئیں تو مثغر جب دس سال کا ہو جائے تو مترعرع جب قریب بلوغ ہو تو یافع یا مراہق اور جب بالغ ہو جائے تو حزور مگر ان سب صورتوں میں ان کا نام غلام ہو گا جب مونچھ چمکے تو فتا یا شارخ۔ جب داڑھی پوری نکل آئے تو مجتمع پھر تیس سے چالس سال تک شاب پھر چالیس سے ساٹھ تک کہل۔ ساٹھ کے بعد بال سیاہ اور سفید مخلوط ہوں تو شاخ پھر کبر پھر حرم پھر ولف پھر خرف (دیوانہ بڈھا) پھر میت یہ مرد کے نام تھے۔ عورت کے نام حسب ذیل ہے۔ بچی' طفلہ پھر ولیدہ پھر کاعب پھر ناہد جب بالغہ ہو تو معصر پھر عانس پھر خود یہ جوانی اور بڑھاپے کی درمیانی حالت ہے پھر مسلف پھر شہلہ پھر شہربہ پھر حیزبون جب کہ بڑھاپے میں ناقص العقل ہو جائے پھر قلعم اور ہطلط جب دانت گر جائیں (روح المعانی) چوتھی صفت یہ کہ ومن الصلحین صالح صلح سے بنا بمعنی نیکی اور تقویٰ۔ خیال رہے کہ مطیع وہ بھی کہلاتا ہے جو بتکلف یا مجبوراً فرماں برداری کرے مگر صالح وہی ہے جس سے اطاعت بے تکلف صادر ہو۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام اس جماعت سے ہوں گے جو بلا تکلف رب کی طاعت کرے یا صالحین صلاحت سے بنا بمعنی قابلیت یعنی وہ بڑی قابلیتوں کے مالک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کو ہر قسم کی قابلیتیں عطا فرماتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے تمام علاقہ مصر میں اعلیٰ درجہ کی کاشت کرائی۔ پھر غلہ کو سنبھالا پھر تمام دنیا کو رزق تقسیم فرمایا۔ قاسم رزق اللہ رہے۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے آکر مجاہد' غازی اسلام کے عالم مجتہد' مبلغ' اعلیٰ درجہ کے بادشاہ سب کچھ ہی ہوں گے' حالانکہ اس سے پہلے آپ صرف تارک الدنیا تھے' یہ ہے ان کی صلاحیت۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت بھی یاد کرو یا انہیں یاد دلاؤ۔ جب فرشتوں کے سردار جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے ان کے بالغ ہونے کے بعد کہا تھا کہ اے مریم تمہیں اللہ ایسے فرزند کی خوشخبری دیتا ہے جو بغیر باپ رب کی طرف سے کلمہ کن سے پیدا ہوں گے ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ چھو کر بیماروں کو تندرست اور مردوں کو زندہ کریں گے اور ساری عمر سیر و سیاحت میں گزاریں گے اس لئے ان کا لقب مسیح ہو گا اور نام پاک عیسیٰ اور چونکہ وہ بغیر باپ پیدا ہوں گے ان کی کنیت ابن مریم ہو گی اور ان کی صفت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں وہ بڑی عزت والے شان والے رعب دبدبے والے ہیں اور رب

تعالیٰ کے خاص قرب والوں سے ہوں گے یا انسان ہو کر ملائکہ مقربین سے ہوں گے کہ کچھ زمانہ انہیں کی طرح زندگی گزاریں گے اور انہیں کی سی عبادت کریں گے اور ان کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ لوگوں سے گہوارے اور پختہ عمر میں یکساں فصیح و بلیغ و حکیمانہ کلام فرمائیں گے۔ دوسرے بچوں کی طرح نہ ہوں گے کہ پہلے بے معنی الفاظ بولیں، پھر عمدہ۔ یا ان کا بچپن میں کلام کرنا بھی معجزہ ہو گا اور بڑھاپے میں بولنا بھی معجزہ کہ آسمان سے اتر کر کلام فرمائیں گے ان سب کے باوجود وہ خاص نیک کاروں میں سے ہوں گے کہ نہ کبھی خطا کریں گے اور نہ انہیں نیکیاں کرنے میں کچھ تکلف ہو گا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد کے پیدا ہوئے جیسا کہ **کلمۃ منہ** اور **ابن مریم** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام اللہ کے نزدیک بڑے عزت و وجاہت والے بندے ہیں جو انہیں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ذلیل جانے وہ خود ذلیل و کمین ہے۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا اور آخرت میں وجیہہ فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے فرمایا **وکان عنداللہ وجیھا** ہمارے حضور علیہ السلام کے لئے فرمایا **العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین** جو دیوبندی اور وہابی اسمٰعیل دہلوی کی پیروی میں حضرات انبیاء کو ذلیل کہیں، بے دین ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے اور وہاں فرشتوں کے ساتھ ان کی سی زندگی گزار رہے ہیں جیسا کہ **من المقربین** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آسمان سے تشریف لائیں گے اور لوگوں کو ہدایت دیں گے جیسا کہ **وکھلا** سے معلوم ہوا کیونکہ بڑھاپے میں کلام کرنا جب ہی معجزہ ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی خصوصیت ہو ورنہ ہر بڈھا باتیں کرتا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** انبیاء کرام کی نعت گوئی سنت الٰہیہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی نعت ارشاد فرمائی۔ بعض نیکیاں صرف انسان کرتے ہیں جیسے جہاد میں شہید و زخمی ہونا، حج کی مشقتیں جھیلنا، کچھ نیکیاں وہ ہیں جو جن و انس و فرشتے سب کرتے ہیں جیسے نماز اور رب تعالیٰ کی اطاعت۔ مگر ایسا کوئی کام نہیں جو خدا تعالیٰ بھی کرے اور جن و انس و فرشتے بھی سوا نعت انبیاء کرام اور مناقب اولیاء اللہ کے کہ یہ کام خالق و مخلوق میں مشترک ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی** رب نے کسی حکم میں اپنا اور اپنے فرشتوں کا ذکر نہ کیا سواء درود شریف کے۔ تو جو حضور کی نعت اولیاء کے مناقب بیان کرتا ہے وہ سنت الٰہیہ، سنت ملائکہ سنت انبیاء سب پر عمل کرتا ہے اور انبیاء کرام کے کمالات کا سب سے پہلے انکار کرنے والا ابلیس ہے۔ آج جو ان کے کمالات کا انکار کرے انہیں اپنے جیسا ثابت کرنے کی کوشش کرے وہ اس سنت ابلیسی پر کاربند ہے۔ **چھٹا فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے نہ خدائی شان کے مالک۔ کیونکہ ابن مریم ہونا گہوارے سے جھولنا۔ پھر عمر کے انقلابات آنا بڈھا ہونا سب بندگی کی علامات ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام ضرور آسمان سے اتریں گے کیونکہ آپ کہولت سے پہلے تینتیس سال کی عمر میں آسمان پر گئے اگر آپ اب آسمان سے نہ آئیں تو **کھلا** کے معنی درست نہیں ہوتے **آٹھواں فائدہ:** کبھی اولاد کو شرافت ماں کی طرف سے بھی ملتی ہے اور کبھی ماں باپ کی اولاد سے۔ دیکھو ابن مریم ہونا عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہونا حضرت مریم کی شرافت۔ سادات کرام کو ماں یعنی فاطمہ زہرہ سے بزرگی ملی۔

پہلا اعتراض : جب آدم علیہ السلام بھی بغیر باپ پیدا ہوئے ان کا لقب کلمۃ اللہ کیوں نہ ہوا۔ **جواب** : اس لئے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی اور پانی وغیرہ واسطوں سے ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش فقط کن سے بلاواسطہ نہ مٹی نہ پانی نہ نطفہ سے۔ **دوسرا اعتراض**: بکلمۃ منہ کے معنی اپنی کلام کے ذریعہ بشارت دیتا ہے ب استعانت کی ہے آپ کلمۃ اللہ نہیں اسی لئے ب داخل فرمائی گئی (مرزائی) **جواب**: اس صورت میں یہ عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت کیسے بنا۔ خوش خبری کلام کے ذریعہ سے ہوتی ہے نیز دوسری جگہ ارشاد ہوا وکلمتہ القٰھا الٰی مریم یہاں نہ ب ہے نہ ت۔ **تیسرا اعتراض**: یکلم کے ساتھ ناس کی کیوں قید لگائی۔ کلام تو لوگوں سے ہی ہوتا ہے۔؟ **جواب**: اس لئے کہ صلاح و تقویٰ تمام صفتوں سے افضل ہے۔ استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے۔ **پانچواں اعتراض**: ومن المقربین کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقرب فرشتوں کے زمرے ہوں گے۔ حالانکہ انسانیت ملکیت سے افضل ہے یہ تو آپ کی توہین ہوئی۔ **جواب**: واقعی ملک یعنی فرشتہ سے انسان افضل ہے مگر جس انسان میں ملکی صفات ہوں وہ تمام انسان اور فرشتوں سے افضل ہے کہ صورتاً انسان ہے اور سیرتاً فرشتہ اگر انسان ہوا میں اڑے پانی پر چلے تو یہ اس کا کمال ہے ورنہ بہت سے حیوانات تیرتے بھی ہیں اور اڑتے بھی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : اس وقت کو یاد کرو جب قوائے روحانیہ نے مریم نفس سے کہا کہ اے مریم اللہ تیری طرف توجہ کرم فرما کر تجھے ایک ایسے کلمے کی خوشخبری دیتا ہے جو وجود لت کے حروف کا جامع ہے۔ یعنی دل جو تمام عالموں کو گھیرے ہوئے ہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے تجھے دیا گیا۔ اس کا نام مسیح ہے کیونکہ وہ تجھے مس کرکے نورانی کرے گا وہ دنیا میں عزت والا ہے کیونکہ معاش کی تدبیر سوچتا ہے اور قویٰ ظاہری کے انسان اور قویٰ باطنی کے جنات اس کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ نیز وہ جزئیات کا حاصل کرنے والا ہے اور رسال رہ کر غلطی اور کج روی سے محفوظ ہے اور چونکہ وہ معانی کلیہ اور قدسی علوم کا حاصل ہے سعادت کی تدبیر سوچنے والا ہے اور حق کا مطیع و فرمانبردار۔ لہٰذا روحانی آسمان کے ملکوت اس کی اطاعت کرتے ہیں اس لئے وہ آخرت میں بھی عزت والا ہے اور چونکہ وہ دنیا میں تجلی گاہ افعال الٰہی ہے اور آخرت میں تجلی گاہ اسمائے الٰہی۔ اس لئے وہ مقربین میں سے ہے۔ نیز چونکہ وہ تجلی ذات کی صلاحیت رکھتا ہے لہٰذا وہ صالحین میں سے ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ نہ میں آسمان میں سماؤں نہ زمین میں سماؤں۔ ہاں بندہ مومن کے دل میں میری گنجائش ہے اور وہ دل گہوارۂ بدن میں رہ کر بھی لوگوں سے کلام ہدایت کرے گا۔ جب کہ اسے سلوک کی غذاؤں کے ذریعہ ملک یا ملکوت تک پہنچایا جائے گا اور شیخ روح کے طور پر پہنچ کر بڑھاپے میں بھی کلام کرے گا اس میں مقام معرفت تک پہنچنے کی صلاحیت ہے۔ تجھے مبارک ہو کہ تو ایسے پاک قلب کی حاملہ ہونے والی ہے۔ (روح المعانی و ابن عربی)۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ

وہ بولیں اے رب میرے کہاں سے ہوگا واسطے میرے فرزند حالانکہ نہ چھوا مجھے بشر نے فرمایا اسی طرح اللہ

بولی اے میرے رب میرے بچہ کہاں سے ہوگا مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ نہ لگایا فرمایا اللہ یوں ہی پیدا کرتا

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضٰٓى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهٗ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٧﴾ وَ

پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے جب فیصلہ کرتا ہے کسی چیز کا تو اس کے سوا نہیں کہ کہتا ہے واسطے اس کے ہو

ہے جو چاہے جب کسی کام کا حکم فرمائے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا

يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُولًا إِلٰى بَنِىٓ

جا پس وہ ہو جاتا ہے اور سکھائے گا انہیں کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل ؛ اور رسول ہونگے

ہے اور اللہ اسے سکھائے گا کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل ؛ اور رسول ہوگا

إِسْرَآءِيلَ ۙ

وہ طرف بنی اسرائیل کے

بنی اسرائیل کی طرف

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں اس بشارت کا ذکر تھا جو حضرت مریم کو ملائکہ کے ذریعہ دی گئی اب حضرت مریم کے تعجب یا خوشی کا ذکر ہے جو انہیں بشارت سے حاصل ہوئی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں حضرت مسیح کی ولادت کا ذکر تھا اب کیفیت ولادت کا تذکرہ ہے کہ ان کی پیدائش کنواری مریم سے بلا واسطہ شوہر ہوگی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں مسیح علیہ السلام کی ظاہری صفات کا ذکر تھا اب ان کی باطنی صفات یعنی علم و حکمت و رسالت کا تذکرہ ہے۔ یہاں خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے متعلق اس قسم کے بلکہ اس سے اعلیٰ واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ اگرچہ تاریخی حیثیت کے ہیں یا احادیث ضعیف سے ثابت ہیں مگر ان آیات سے ان تمام واقعات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرات انبیاء کرام کی ولادت پر قسم قسم کے معجزات کا ظہور ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ تمام احادیث و تاریخی واقعات قابل قبول ہیں کہ حدیث ضعیف، عمل امت، قبول علماء اور تائید قرآن سے قوی ہو جاتے ہیں دیکھو **انا نور من الله** اگرچہ ضعیف بھی ہو مگر اسکی تائید ان آیات سے ہو رہی ہے **قد جاء کم من الله نور و کتب مبین** اور **سراجا منیرا** لہٰذا وہ حدیث قبول ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے ان ارحاصات اور حضرت مریم کی کرامات کا ذکر فرمایا جو ولادت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ظاہر ہوئیں حضور علیہ السلام کا میلاد خواں حضرت آمنہ و حضرت حلیمہ کے گھر کے ارحاصات ہی بیان کرتا ہے۔

تفسیر : **قالت رب انی یکون لی ولد** یہ مستقل جملہ ہے قالت کا فاعل حضرت مریم ہیں۔ رب سے مراد یا رب تعالیٰ ہے کیونکہ حقیقی کلام ادھر ہی سے تھا یا حضرت جبرائیل۔ کیونکہ بظاہر وہی بول رہے تھے چونکہ حضرت مریم کی پرورش میں جبریل علیہ السلام کو بڑا دخل تھا۔ اس لئے انہیں رب کہا گیا انی یا بمعنی کیف ہے یا من این۔ یہ سوال تعجب کے لئے ہے یا طریقہ ولادت پوچھنے کے لئے۔ اس سے انکار مقصود نہیں جو مریم رب کا غیبی رزق کھاتی رہی ہیں اور جنہوں نے زکریا علیہ السلام سے کہا **هو من عند الله** وہ اسکا انکار کیسے کر سکتی تھیں وہ تو قدرت خدا کا تماشہ دیکھ چکی تھی۔ یعنی حضرت مریم نے عرض کیا کہ اے

مولا میرے فرزند کیسے ہو گا نکاح کے ذریعہ یا بلا نکاح یا کہاں سے ہو گا کس سے نکاح ہو گا۔ (روح المعانی) **ولم یمسسنی بشر** واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ لی کی ضمیرے حال یمس مس سے بنا بمعنی چھونا یا مجازاً جماع مراد ہے۔ **بشر** بشرہ سے بنا بمعنی ظہور۔ انسان کو بشر اس لئے کہتے ہیں کہ اسکی کھال ظاہر ہے پروں یا بالوں سے ڈھکی ہوئی نہیں یا بشر مباشرت سے بنا چونکہ رب تعالیٰ نے ابو البشر آدم علیہ السلام کی پیدائش کی مباشرت خود فرمائی کہ انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اس لئے اس کا نام بشر ہوا (معانی و بیان) مگر یہاں بشر سے مرد مراد ہے یعنی میرے فرزند کیونکر ہو گا مجھے کسی مرد نے چھوا نہیں۔ **قال کذلک اللہ یخلق ما یشاء** یہ ان کے تعجب کا جواب ہے۔ قال کا فاعل یا فرشتہ ہے جسکا کلام رب نے نقل فرمایا یا خود رب تعالیٰ۔ بعض علماء نے فرمایا کہ حضرت مریم کو یہ آواز بلاواسطہ فرشتہ آئی مگر صحیح یہ ہے کہ بواسطہ فرشتہ تھی کذلک یا تو یکون فعل پوشیدہ کے متعلق ہے اور اللہ یخلق سے نیا جملہ اور کذلک کی دلیل یا یہ ایک ہی جملہ ہے اور کذلک یخلق کے متعلق۔ یہ خلق سے بنا بمعنی معدوم کو موجود اور نیست کو ہست کرنا اور ما سے ہر چیز مراد ہے جاندار ہو یا بے جان۔ یعنی تمہارے فرزند یوں ہی بغیر نکاح ہو گا کیونکہ اللہ جسے چاہے جیسے چاہے پیدا کرے یا اے مریم اللہ جسے چاہتا ہے ایسے ہی بغیر ظاہر اسباب پیدا کرتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں یخلق کے معنی یا تو ہیں پیدا کر سکتا ہے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ بغیر اختلاط مرد و زن بچہ پیدا فرما دے یا معنی ہیں پیدا کرتا ہے یعنی بغیر نر مادہ کے اختلاط کے دن رات مخلوق کو پیدا کرتا رہتا ہے کہ سر کی پہلی جوں چارپائی کا پہلا کھٹمل موسم برسات کا پہلا مینڈک اور پہلا پروانہ بغیر نر مادہ کے ہی پیدا ہوتا ہے تو وہ قادر و کریم تمہیں بھی بغیر شوہر بچہ دینے پر قادر ہے۔ **اذا قضی امرا فانما یقول لہ کن فیکون** یہ جملہ پچھلے جملہ کی دلیل ہے **قضی** قضاء سے بنا بمعنی مضبوطی۔ اصطلاح میں فیصلہ اور یقینی ارادے کو بھی قضا کہتے ہیں۔ قضا کے آٹھ معنی پارہ الم میں بیان ہو چکے۔ **امر** امور کا واحد ہے بمعنی چیز یا کام اس میں جوہر و عرض سب داخل ہیں۔ **فانما** کی ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ قضی کی جزا کن کہنے سے فقط تعلق ارادہ کی مثال دینا مقصود ہے اور **فیکون** سے اس چیز کا فوراً بلا تاخیر ہو جانا مراد نہ حقیقی قول مراد ہے اور نہ لفظ کن مقصود۔ کیونکہ کاف اور نون بھی تو ایک مخلوق ہے۔ نیز اگر ہر چیز کن سے پیدا ہوتی ہے تو کن کس سے پیدا ہوتا۔ نیز کن خطاب ہے جب سننے والے موجود ہی نہیں تو خطاب کس سے۔ یعنی جب کسی چیز کی پیدائش کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو اپنے ارادے کو اسکے متعلق فرماتا ہے اور ارادہ فرماتے ہی فوراً وہ شے ہو جاتی ہے نہ مادے کی ضرورت ہے نہ کسی آلے اور اسباب کی حاجت نہ محنت و جانفشانی کی ضرورت۔ اور ممکن ہے کہ کن کہنے سے کلام نفسی مراد ہو جو ان ممکنات سے متعلق ہو جو علم الٰہی میں موجود ہیں (روح المعانی) مگر پہلی توجیہ زیادہ صحیح یعنی رب تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا فیصلہ یا حکم فرماتا ہے تو اس معلوم سے کن فرماتا ہے اور وہ ہو جاتی ہے **ویعلمہ الکتب والحکمۃ والتورۃ والانجیل** یہ یا تو نیا جملہ ہے یا یبشرک یا یخلق پر معطوف۔ ہماری قرات یعلم ی سے ہے دیگر قراتوں میں نعلم نون سے ہے۔ تعلم تعلیم سے بنا بمعنی سکھانا۔ یہاں بلاواسطہ استاذ سکھانا مراد ہے "ہ" کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہیں کتاب سے مراد کتابت یعنی تحریری ہے اور حکمت سے مراد علم فقہ یا علم حلال و حرام یا سارے علوم دینیہ یا سارے عقلی و نقلی علوم ہیں اس صورت میں توریت و انجیل کا ذکر بلا تکلف درست ہوا (روح المعانی و کبیر) روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کتابت کے دس حصے کئے۔ نو حصے عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے اور ایک حصہ میں ساری دنیا (روح المعانی) چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام بہت خوش خط تھے اور ممکن ہے کہ کتاب سے مراد زبور ہو یا مطلقاً آسمانی کتابیں اور علم کتاب سے الفاظ کا علم مراد ہے

اور حکمت سے اس کے اسرار و رموز۔ اس صورت میں توریت انجیل کتاب کا بیان ہے یا خاص بعد عام۔ اور ہو سکتا ہے کہ کتاب سے مراد قرآن شریف ہو اور حکمت سے مراد حدیث پاک کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے واپس آکر امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے مجتہد ہوں گے اور قرآن و حدیث کے بڑے ماہر۔ حالانکہ کسی سے نہ پڑھیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے دو حصے ہوں گے پہلا حصہ آسمان سے آنے کے بعد۔ پہلے حصہ میں وہ توراۃ و انجیل کے بڑے ماہر ہوں گے، دوسرے حصے میں چونکہ توریت و انجیل کا چراغ گل ہو چکا ہو گا، قرآن و حدیث مصطفوی کا سورج چمک رہا ہو گا اس لئے وہ قرآن و حدیث کے بڑے عالم ہوں گے کہ زمین پر مجاکر نہ حنفی ہوں گے نہ شافعی نہ مالکی وغیرہ خود مجتہد اعظم ہوں گے۔ نیز نہ قادری ہوں گے نہ چشتی نقشبندی بلکہ خود بانی سلسلہ ہوں گے یہ تمام علوم انہیں رب ہی سکھائے گا۔ کسی معلم روحانی و جسمانی سے نہ سیکھیں گے۔ چونکہ قرآن و حدیث توریت و انجیل سے افضل ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے افضل کا ذکر پہلے کیا۔ اگرچہ ترتیب میں قرآن و حدیث کی تعلیم بعد میں ہے اور توریت و انجیل کی تعلیم پہلے **ورسولا الی بنی اسرائیل** یہ واؤ بھی عاطفہ ہے اور یہ جملہ **یعلمہ** پر معطوف اور رسولا یکون فعل پوشیدہ کی خبر اور ممکن ہے **نبعثہ** کا حال ہو۔ بنی اسرائیل فرمانے میں یہ سود کا رو ہے کہ عام یہودی ان کی نبوت کے منکر تھے اور ان میں کا فرقہ عنانیہ ان کی نبوت کا معتقد تو تھا مگر ایک خاص قبیلہ کی طرف۔ اس میں اختلاف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کب ملی۔ بعض نے فرمایا کہ آپ مادر زاد نبی تھے کیونکہ آپ نے پیدا ہوتے ہی فرمایا **واتنی الکتب وجعلنی نبیا** " بعض کے نزدیک تین سال کی عمر میں بعض روایتوں میں ہے کہ بالغ ہو کر آپ پر وحی آئی۔ بعض نے فرمایا کہ آپ کو نبوت تیس سال کی عمر میں ملی اور تین سال تین مہینے تین دن تبلیغ فرما کر آسمان پر تشریف لے گئے یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ (روح المعانی)

لطیفہ : انسان میں پہلے نبی آدم علیہ السلام اور آخری نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بنی اسرائیل میں پہلے نبی یوسف علیہ السلام اور آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

خلاصہ تفسیر : حضرت مریم نے جب فرزند کی بشارت اور ان کے اوصاف سے تو از راہ تعجب یا نوعیت دریافت کرنے کے لئے بولیں کہ اے مولیٰ میرے بچہ کیونکر ہو گا۔ مجھے تو مرد نے ہاتھ بھی نہ لگایا۔ یا اے مولیٰ ابھی تو مجھے مرد نے چھوا نہیں۔ فرزند کہاں سے ہو گا۔ ایسے ہی یا نکاح سے اگر نکاح سے ہو تو نکاح کس سے ہو گا۔ جواب ملا کہ اے مریم! تمہارے فرزند ایسے ہی بغیر نکاح اور بغیر شوہر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے یا جیسے چاہے پیدا کرے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ جس کسی چیز کی پیدائش کا ارادہ فرما لیتا ہے تو نہ مادہ کی ضرورت نہ اسباب اور اوزار کی حاجت، نہ مشقت و محنت کی ضرورت بس صرف کن فرما دیتا ہے کہ ہو جاتی ہے اس نے تمہیں بے موسم پھل دیئے۔ مٹی کے ڈھیلوں سے چوہے، سڑے گلے بالوں سے سانپ، گلے ہوئے پانی سے مکھی۔ سر کے میل سے جوں، چارپائی کے میل سے کھٹمل بارش سے صدہا کیڑے مکوڑے پیدا فرما دیتا ہے، نہ وہاں نطفہ ہے نہ نر مادہ کا اختلاط۔ تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ تمہیں بغیر شوہر فرزند بخشے۔ اے مریم اور تعجب کی بات سنو رب تعالیٰ تمہارے فرزند کو بغیر استاد علم تحریر، علم اسرار عطا فرمائے گا اور توریت و انجیل کا انہیں پورا عالم کرے گا یا ان کی آخری زندگی میں اعلیٰ کتاب یعنی قرآن و حدیث کا علم انہیں دیگا اور اول زندگی میں توریت و انجیل کا انہیں ماہر کرے گا اس کے سوا وہ سارے بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر ہوں گے۔ خیال رہے کہ حضرت مریم کی فرشتوں سے یہ گفتگو تیرہ سال کی عمر میں ہوئی اس گفتگو کے بعد حضرت

جبریل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری۔ آپ فوراً حاملہ ہو گئیں ہمگر بدنامی کے خوف سے اس حمل کو چھپایا سب سے پہلے یوسف نجار کو جو ان کا ماموں زاد بھائی تھا اور بیت المقدس کی خدمت کرتے تھا پتہ چلا کہ وہ آپ کے تقویٰ اور زہد کا بڑا معتقد تھا' یہ معلوم کر کے حیران رہ گیا۔ حمل کو دیکھ کر اس کے دماغ میں برے خیالات آتے مگر آپ کے تقویٰ کو دیکھ کر وہ تہمت لگانے کی جرات نہ کرتا تھا۔ ایک دن حضرت مریم سے بولا کہ اے مریم کیا بغیر تخم کھیتی ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ پہلی کھیتی بغیر تخم ہی ہوئی تھی۔ پھر بولا کیا بغیر بارش درخت اگ سکتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر بولا کیا بغیر نطفہ بچہ بن سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں پہلا انسان بغیر نطفہ کے پیدا ہوا' حوا بغیر نطفہ کے بنیں۔ اے یوسف میں تیرا مطلب سمجھ گئی تو اس پر حیرت نہ کر یہ عطیہ پروردگار ہے اور جس نے مجھے یہ حمل دیا وہی میری عزت رکھے گا یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ آپ کو دردزہ شروع ہو گیا اور غیبی آواز آئی کہ اے مریم یہاں سے نکل چلو۔ چنانچہ آپ جنگل میں ایک کھجور کے نیچے پہنچیں۔ وہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے فقیر نے اس جگہ اور کھجور کے مقام کی بیت اللحم میں زیارت کی ہے۔ انشاء اللہ اس کا پورا واقعہ سورۂ مریم میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے اور حضرت مریم کا کسی سے نکاح نہ ہوا نہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے نہ اس کے بعد۔ کیونکہ انہوں نے یہی تو سوال کیا تھا کہ **انی یکون لی ولد** میرے فرزند کیسے پیدا ہو گا اسی طرح یا نکاح سے۔ جس کا جواب دیا گیا **کذلک** اسی طرح۔ نیز اگر حضرت مریم یوسف نجار کے نکاح میں آتیں اور ان سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوتے تو رب تعالیٰ ان کی ولادت پاک کا واقعہ اس شد و مد سے بیان نہ فرماتا اور ان کے متعلق **فنفخنا فیها من روحنا** وغیرہ نہ فرماتا۔ نیز انہیں ابن مریم نہ فرماتا۔ ابن یوسف فرمایا جاتا۔ دوسرا فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام کو علم کتابت دیا گیا جیسا کہ الکتاب کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ آپ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس تھے۔ تیسرا فائدہ: ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کتابت کا علم دیا گیا۔ کیونکہ حضور کمالات انبیاء کے جامع ہیں اور رب تعالیٰ فرماتا ہے **اقتده** اور خط و کتابت کمالات انبیاء میں سے ہے کہ عیسیٰ وا؟ دریس علیہما السلام اس کے ماہر تھے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمان میں دیکھو۔ اسی تفسیر میں بھی انشاء اللہ اس آیت کے ماتحت آئے گا۔ **ولا تخطه بیمینک اذا لارتاب المبطلون** چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ کی ابتداء میں محمد رسول اللہ کاٹ کر محمد ابن عبد اللہ خود لکھا تھا۔ کفار مکہ بضد تھے کہ آپ اپنا نام شریف یوں لکھیں۔ آپ نے یوں ہی لکھا۔ تخریج شریف میں حضرت امیر معاویہ کی روایت سے بیان فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قلم پکڑنا' دوات رکھنا' بسم اللہ کی سین دراز کر کے لکھنا سکھایا تاکہ میں وحی لکھا کروں۔ چوتھا فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام کو علم لدنی عطا ہوا کہ بغیر استاد سے پڑھے آسمانی کتابوں کے پورے واقف تھے جیسا کہ **والتورة والانجیل** سے معلوم ہوا اور علم کسبی خواہ کتنا ہی ہو علم لدنی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بجلی و گیس خواہ کتنی ہی پاور کے ہوں سورج و چاند کا مقابلہ نہیں کر سکتے کہ بجلی کا نور کسبی ہے اور سورج چاند کا نور لدنی۔ نیز بڑے استاد کے شاگرد بھی بڑے ہوتے ہیں تو یقیناً رب تعالیٰ کے شاگرد حضرات انبیاء کرام تمام خلق سے بڑے عالم ہیں۔ پانچواں فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام قرآن شریف و حدیث شریف سے واقف ہو کر آسمان سے تشریف لائیں گے کیونکہ بغیر کسی سے پڑھے اسلام کے بڑے مجتہد ہوں گے اور اجتہاد قرآن و حدیث کے علم کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ

فائدہ الکتاب کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا اور علم کتاب تمام علوم سے اعلیٰ ہے۔ علم ابدان سے علم ادیان اعلیٰ کہ علم ابدان کا تعلق جسم سے ہے اور علم ادیان کا تعلق روح و دل سے۔ چونکہ جسم سے روح اعلیٰ ہے لہٰذا علم ادیان اعلیٰ اور تمام علوم ادیان میں علم کتاب اعلیٰ کہ کتاب خود اعلیٰ چیز ہے تو اس کا علم بھی اعلیٰ ہے۔ **چھٹا فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے نبی ہیں جیساکہ **ورسولا الی بنی اسرائیل** سے معلوم ہوا لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین عیسائی نہ تھے کیونکہ وہ بنی اسمٰعیل ہیں۔ اس کی تحقیق پہلے پارہ میں ہو چکی۔ سارے عالم کا نبی ہونا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیکون للعالمین نذیرا**۔ کسی عیسائی کو حق نہیں کہ ہم لوگوں کو عیسائی ہونے کی دعوت دے کیونکہ ہم لوگ اسرائیلی نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے نبی ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** اب جب بھی عیسیٰ علیہ السلام زمین پر آئیں گے تو نبی نہ ہوں گے بلکہ اسلام کے مجتہد، مجدد و ولی ہوں گے۔ خیال رہے کہ تمام نبیوں کی نبوتیں وقت اور قوم سے محدود تھیں مگر حضور کی نبوت کسی چیز سے محدود نہیں۔

پہلا اعتراض: جب مسلمان خدا کے سوا دوسروں کی پہلے سے ہستی نہیں مانتے تو کن کس سے کہا گیا اور کس نے سنا اور کون ہو گیا۔ اس کا جواب مسلمان سات جنم میں بھی نہیں دے سکتے۔ (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب پہلے پارہ میں اسی آیت کی تفسیر میں گزر گیا۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ عبارت قدرت الٰہی کے اظہار کے لئے ہے یعنی وہ آریوں کے پرمیشور کی طرح کسی کو بنانے میں روح و مادہ کا حاجتمند نہیں بلکہ غنی بے نیاز ہے۔ صرف اس طرف توجہ اور ارادہ کر دیتا ہے کہ وہ چیز ہو جاتی ہے۔ وہ روح و مادہ کا بھی خالق ہے اور کن کا بھی۔ یہ لفظ عربی میں مستقل اختیار کے لئے بولا جاتا ہے کاف و نون فرمانا مراد نہیں۔ یا یہ کہو کہ اس سے کلام نفسی مراد ہے جو لفظ سے بے نیاز ہے اور جو چیزیں علم الٰہی میں موجود تھیں کن سے خطاب۔ بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ مکان بنانے سے پہلے اس کا نقشہ ہمارے ذہن میں ہوتا ہے پھر کاغذ پر کھینچا جاتا ہے۔ پھر اس طرح مکان بنایا جاتا ہے تو ہمارا خیالی نقشہ اور کاغذی نقشہ خارجی تعمیر سے پہلے ہمارے خیال میں ہے جب اس کی تعمیر کرانا چاہتے ہیں تو اینٹ، گارا، چونا اور معمار وغیرہ کی حاجت درپیش ہوتی ہے مگر رب تعالیٰ کے نزدیک یہ نہیں۔ اسے تمام عالم کا علم تھا پھر لوح محفوظ میں عالم اور سارے واقعات کا نقشہ تیار کیا گیا پھر جب بنانا چاہا تو جس معلوم سے کن فرمایا وہ وجود میں آگیا نہ اسے معمار کی حاجت پڑی نہ اسباب کی۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہر چیز کن سے پیدا فرماتا ہے مادہ و روح وغیرہ کی حاجت نہیں رکھتا مگر دوسری آیت میں فرماتا ہے **خلقکم من تراب ثم من نطفۃ** الخ کہ تم کو مٹی سے پھر نطفہ وغیرہ سے پیدا کیا۔ معلوم ہوا کہ مادہ سے بناتا ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے **انا خلقنا من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلنہ سمیعا بصیرا** ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ پھر اسے سمیع و بصیر بنایا، جس سے معلوم ہوا کہ انسان کی پیدائش ماں باپ کے نطفہ سے ہوتی ہے کہ باپ کے نطفہ سے ہڈی اور ماں کے نطفہ سے گوشت پوست پیدا ہوتا ہے ان میں مطابقت کیونکر ہو (آریہ) **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ رب کی عادت اور ہے اور قدرت کچھ اور۔ اس آیت میں قدرت کا ذکر ہے اور اس میں عادت کا یعنی وہ تمہاری پیدائش میں مٹی وغیرہ کا محتاج نہیں۔ ہر طرح بنا سکتا ہے مگر اسکا قانون یہ ہے کہ انسان کو مٹی سے جن کو آگ سے پیدا فرماتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مرکبات چار عناصر سے بنے اور عناصر کن سے۔ لہٰذا سب کی انتہا کن پر ہے اور سب کن سے بنے جیسے آدمی منی اور منی غذا سے اور غذا گھاس پھوس سے اور وہ مٹی سے تو کہا جاتا ہے کہ آدمی مٹی سے

بنایا وہ خاک کا پتلا ہے کیونکہ انتہا خاک پر ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ وہ کن سے پیدا فرماتا ہے' دوسری آیت میں ارشاد ہوا **فی ستتہ ایام** چھ دن میں عالم بنایا۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو (آریہ) **جواب:** یہاں طریقہ پیدائش کا ذکر ہے اور وہاں مدت پیدائش کا یعنی چھ دن میں عالم پیدا کیا مگر کن سے آج کن سے پہلا آسمان' کل کن سے دوسرا آسمان وغیرہ۔ **چوتھا اعتراض:** عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد پیدا نہیں ہوئے بلکہ مریم یوسف نجار کے نکاح میں آئیں۔ آپ ان کے بیٹے ہیں کیونکہ قرآن کریم نے پیدائش انسان کا قانون یہ بنایا **انا خلقنا الانسان من نطفتہ امشاج** کہ وہ نطفہ سے ہے اور فرماتا ہے **ثم جعل نسلہ من سللتہ من ماء مھین** اور قانون قدرت کی مخالفت ناممکن ہے۔ نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے **التی احصنت فرجھا** وہ مریم جس سے اپنی شرمگاہ محصن کرلی اور عربی میں محصن شادی شدہ کو کہتے ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ محصن زانی کو رجم کرو یعنی شادی شدہ کو نیز متی رسول آیت 42'25 میں ہے کہ پس یوسف اپنی بیوی کو اپنے ہاں لے آیا اور اس کو نہ جانا جب تک وہ بیٹا نہ جنی۔ دیکھو اس میں مریم کو یوسف کی بیوی کہا گیا۔ غرضیکہ قرآن و انجیل سے ان کا انسان کی اولاد ہونا معلوم ہوتا ہے (مرزائی)۔ **جواب:** قرآن کریم نے عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ پیدا ہونے کی بے شمار گواہیاں دیں۔ (1) انہیں آدم علیہ السلام سے مشابہت دی۔ **ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم** (2) انہیں عیسیٰ ابن مریم کہا حالانکہ قرآن کریم نے سواء مریم کے کسی عورت کا نام نہ لیا اگر وہ کسی مرد کے فرزند ہوتے تو اس کی طرف ہی نسبت کی جاتی۔ (3) یہود نے حضرت مریم کو تہمت زنا لگائی تو عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں قوت گویائی دے کر ان سے ماں کی عصمت بیان کرائی اگر مریم شادی شدہ تھی تو یہود تہمت کیوں لگاتے اور اس تہمت کے دفعیہ کے لئے اتنا بڑا واقعہ کیوں ہوتا۔ صرف یوسف کہہ دیتے کہ یہ میرا بچہ ہے۔ (4) عیسیٰ علیہ السلام کا لقب روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہوا کیونکہ وہ کلمہ کن سے پیدا ہوئے۔ (5) قرآن کریم نے ان کی ماں کا یہ قول بار بار نقل فرمایا **ولم یمسسنی بشر** مجھے مرد نے چھوا بھی نہیں۔ اگر نکاح ہو چکا تھا تو اس کہنے کے کیا معنی۔ (6) حضرت مریم جنگل میں جا کر وضع حمل سے فارغ ہوئیں۔ اگر یوسف کی بیوی ہوتیں تو اس قدر مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت تھی وغیرہ وغیرہ۔ رہے تمہارے اعتراضات وہ لغو ہیں کہ معجزہ تو کہتے ہی اسے ہیں جو قانون قدرت کے خلاف اور عجیب ہو۔ پتھروں کا کلام کرنا' انگلیوں سے پانی بہنا وغیرہ' عصاء موسیٰ کا سانپ بن جانا خلاف عادت الٰہی ہی تو ہیں۔ دیکھو آدم علیہ السلام اس قانون کے خلاف ہی پیدا ہوئے۔ رہا احصنت فرمانا جناب احصنت احصان سے بنا بمعنی حفاظت۔ اسی سے حصن بمعنی قلعہ ہے اور حصین بمعنی مضبوط۔ ہر پاک دامن پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ شادی شادہ کو بھی محصن اس لئے کہتے ہیں کہ وہ پاکدامن ہو جاتا ہے' پوری آیت یوں ہے **والتی احصنت فرجھا فنفخنا فیھا من روحنا** وہ مریم جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی (یعنی پاک دامن رہیں) پس ہم نے ان میں اپنی روح پھونکی۔ مگر وہ شادی شدہ ہوتیں تو چاہئے کہ یہ عبارت ہر حلالی انسان پر صادق آجاتی۔ حضرت مریم کی خصوصیت نہ ہوتی۔ انجیل محرف کتاب ہے۔ اس سے حوالہ پیش کرنا جہالت ہی ہے۔ نیز عیسائیوں کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ ہوئی بعد میں مریم کا یوسف نجار سے نکاح ہوا۔

لطیفہ: مرزائیوں کو ان تمام تحریفوں کی ضرورت پڑی کہ ان کے ولایتی نبی اور بناسپتی رسول مرزا قادیانی کو مثیل مسیح بننے کا شوق ہوا مگر ان میں عیسیٰ علیہ السلام کی صفات ندارد تھیں۔ اس لئے انہوں نے اس جناب کی صفات کا انکار کرنا شروع کر دیا اگر مرزاجی مثیل مسیح ہوتے یا مسیح موعود ہوتے تو عیسیٰ علیہ السلام کی صفات ان میں ہوتیں۔ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے'

عیسیٰ علیہ السلام نے لڑکپن میں کلام کیا۔ آپ مردوں کو زندہ' پیدائشی اندھوں کو بینا کوڑھوں کو اچھا کردیتے تھے گھروں میں چھپ کر کھانے والوں کو ان کے کھائے ہوئے بچائے ہوئے کھانوں کی خبر دے دیتے تھے۔ بتاؤ مرزاجی میں یہ کونسی صفت ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں آکر دجال کو قتل کریں گے۔ دمشق میں آسمان سے اتریں گے۔ شرک و کفر کو دنیا سے مٹائیں گے تمام عالم میں اسلام پھیلائیں گے۔ بتاؤ مرزاجی میں یہ کون سا وصف ہے مرزا اور مرزائیوں کے پاس سوا باتوں کے اور کیا تھا اور کیا ہے۔ مثل ہونا کام سے ہوتا ہے نہ کے محض کلام سے۔ اگلی آیتوں میں انشاء اللہ انکی تحریوں کی اور بھی پرزور تردید کی جائے گی افسوس ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے قانون کا بہانہ کرتے ہیں۔ مگر آدم و حواء علیہ السلام کو بلاچون وچرا بغیر ماں باپ پیدا مانتے ہیں۔ دن رات جانور بغیر ماں باپ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ حالانکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے وجعلنا من الماء کل شیء حی ہم نے ہر زندہ کو پانی سے بنایا۔ وہاں پانی کا نام بھی نہیں۔ سمندل کیڑا آگ میں پیدا ہو کر آگ ہی میں رہتا ہے وہاں پانی نہیں۔

پانچواں اعتراض: عیسیٰ علیہ السلام کے چار بھائی تھے یوسف' شمعون' یہودا' یعقوب اور تین بہنیں تھیں (انجیل متی رسول) اور بھائی بہن یا حقیقی ہوتے ہیں یا سوتیلے یا ماں شریکے۔ جیسے بھی ہوں حضرت مریم کا یوسف کے ساتھ نکاح ثابت ہوا۔ انجیل و تواریخ کی کتب اس پر شاہد ہیں۔ (مرزائی) **جواب:** یہ بالکل بے اصل ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کا کہیں ثبوت نہیں۔ خلاف قرآن نہ تواریخ کا اعتبار ہے نہ انجیل کا اور اگر درست بھی ہو تب بھی ہم جنس۔ ہم پیشہ' برادری والے اور قرابت داروں کو بھائی ہی کہہ دیا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں یحییٰ علیہ السلام کو عیسیٰ علیہ السلام کا خالہ زاد بھائی فرمایا گیا۔ حالانکہ وہ آپ کے ماموں تھے۔ حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی۔ رب تعالیٰ نے حضرت مریم کو اخت ہارون فرمایا حالانکہ حنہ کے کوئی بیٹا پیدا نہ ہوا۔ صرف مریم ہی پیدا ہوئیں جو توجیہ اس اخت ہارون وغیرہ میں کی جائے گی۔ وہی یہاں کرنا ضروری ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جب مریم نے عیسیٰ قلب کی بشارت سنی تو تعجب سے عرض کیا کہ مولیٰ مجھے ابھی بشر یعنی شیخ کامل کی نظر نے مس بھی نہیں کیا مجھ سے ایسا ستھرا فرزند کیوں کر ہو گا جو قلب مرشد یہ سفر طے کرے وہ گمراہ ہو جاتا ہے خود رو درخت پھل نہیں دیتا پھر وہ خود رو قلب کیسے کامیاب ہو گا۔ جواب ملا کہ اے نفس اسی طرح جسے رب تعالیٰ چاہے' جذب و کشف کے ذریعہ اپنے تک پہنچائے۔ سلوک میں رہبر کی ضرورت ہے مگر جذب سب سے بے نیاز۔ کیونکہ سالک مرید ہے اور مجذوب مراد۔ اکثر مجذوبین اور بعض محبین کا یہی حال ہوا۔ رب تعالیٰ اس عیسیٰ قلب کو تعلیم زبانی سے علوم معقولہ کی کتاب اور احکام مشروعہ اور ظاہری توریت و باطنی انجیل سکھائے گا اور وہ قلب یعقوب روح کی اولاد یعنی روحانیین کی طرف رب تعالیٰ کا قاصد ہو گا کہ ان سب کی اصلاح کرے گا۔

خلاصہ: یہ کہ قلب عارف کی مختلف نوعیات ہیں۔ سالک مرید ہے وہ بغیر رہبر اس راہ کو طے نہیں کر سکتا۔ مگر مجذوب مراد کہ عشق اس کا رہبر ہے جیسا کہ بعض لوگ دنیاوی نعمتیں بغیر واسطہ پالیتے ہیں ایسے ہی بعض خوش نصیب اخروی نعمتیں بے حاجت مرشد حاصل کرلیتے ہیں (ابن عربی و روح المعانی) کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

رب شخص تقوده الاقدار للمعالی وما لذاک اختیار

غافل والسعادة النعته وهو منه مستوحش نفار

کیمیا گر مرد بمرد غصہ و رنج ابلہ اندر خرابہ یافتہ گنج

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جانے اور بلائے جانے میں بڑا فرق ہے پھر اپنے پہنچنے اور ادھر سے کشش ہونے میں بڑا فرق ہے سواری واسباب سفر جانے کے لئے ضروری ہیں۔ کشش کی صورت میں ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ انسان اوپر جاتا ہے سیڑھی وغیرہ سے مگر نیچے گرتا ہے بغیر سیڑھی کے کہ یہ حرکت زمین کی کشش سے ہے۔ رہا مقناطیس کی طرف بغیر سواری ہی کے دوڑا جاتا ہے کیونکہ مقناطیس کی کشش سے۔ جب دنیاوی مادی چیزوں کی کشش کلیہ عالم ہے تو ربانی کشش کا کیا پوچھنا ہے۔

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ
تحقیق میں بے شک لایا تمہارے پاس نشانی طرف سے رب تمہارے کے تحقیق میں بناتا ہوں واسطے تمہارے گارے سے
یہ فرماتا ہوا کہ میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندہ کی صورت
الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ
شکل صورت پرندہ کی پس پھونکتا ہوں بیچ اس کے پس ہو جاتا ہے وہ پرندہ ساتھ حکم اللہ کے اور اچھا کرتا ہوں پیدائشی
بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے
وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ
اندھے اور کوڑھے کو اور زندہ کرتا ہوں مردہ کو ساتھ حکم اللہ کے اور خبر دیتا ہوں تم کو اس کی جو کھاتے ہو تم اور جو جمع کرتے ہو
کو اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۴۹﴾
تم بیچ گھروں اپنے کے تحقیق بیچ اس کے البتہ نشانی ہے واسطے تمہارے اگر ہو تم ایمان والے ○
کر رکھتے ہو بے شک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو ○

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری کا ذکر تھا۔ اب ان کے پیغام کا ذکر ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو پہلا پیغام کیا دیا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا ذکر تھا۔ اب ان کے معجزات بتائے جارہے ہیں جو نبوت کی دلیل ہیں۔ گویا پہلے دعویٰ تھا۔ اب دلیل کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے تقریب اور ان کے مقبول بارگاہ ہونے کا ذکر تھا۔ اب ان کے ان خصوصی اختیارات کا ذکر ہے جو انہیں رب تعالیٰ کی طرف سے ملے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے علم کتاب و حکمت وغیرہ کا ذکر فرمایا تھا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ لوگو تم یہ نہ سمجھنا کہ مولویوں کی طرح انہیں صرف شرعی مسئلے ہی معلوم تھے نہیں بلکہ انہیں قدرتیں اور غیبی علوم بھی بخشے گئے تھے جن کے باعث وہ تمام انسانوں سے ممتاز شان کے

مالک تھے۔ غرضیکہ آپ کے دینی علوم و معرفت کا ذکر پچھلی آیت میں تھا۔ اور آپ کی قدرتوں عطائی اور علم غیب کا ذکر اس آیت میں ہے۔

تفسیر: **انی قد جئتکم بایۃ من ربکم** درحقیقت یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت بلکہ معجزہ ہی ہے۔ آپ فرما رہے ہیں کہ تم سب دنیا میں پیدا ہوئے ہو گھر میں پیدا ابھی ہوا ہوں اور تمہارے پاس آیا بھی ہوں۔ تمہاری پیدائش خود اپنے لئے ہے اور میری تشریف آوری تمہارے نفع کے لئے تم دنیا میں آنے سے پہلے کچھ نہ تھے میں سب کچھ تھا۔ میرا یہاں آنا ایسا ہے جیسے حاکم تبدیل ہو کر کہیں آتا ہے۔ یہ جملہ یا رسول کا مفعول ہے کیونکہ اس کے معنی تھے پیغام پہنچانے والا تو مطلب یہ ہوا کہ یہ پیغام لے کر بھیجا کہ میں بتاتا ہوں الخ یا ناطقا" پوشیدہ کا مفعول اور رسول کی صفت یا رسول کا بدل یا پوشیدہ مبتداء کی خبر ہے غرضیکہ یا منصوب ہے یا مرفوع۔ اس میں تو علماء کا اختلاف تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کب ملی بچپن میں ماں کی گود میں یا ہوش سنبھال کر یا جوانی میں۔ مگر اس پر سب متفق ہیں کہ آپ کا یہ اعلان جوانی میں ہے کیونکہ یہ اعلان تبلیغی ہے اور بہت دفعہ عطائے نبوت کے عرصہ بعد شروع ہوئی ہے دیکھو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء نبوت تو اسی وقت ہوئی جب کہ سورۂ علق کی پہلی آیت اقراء باسم ربک نازل ہوئی مگر آپ نے تبلیغ جب شروع کی جب کہ یہ آیت کریمہ اتری **وانذر عشیرتک الاقربین** اس کے درمیان کئی روز کا فاصلہ ہے۔ چونکہ اس حکم کے منکر بہت تھے اس لئے آپ نے یہ کلام ان سے شروع فرمایا جئتکم میں ان بنی اسرائیل سے خطاب ہے جو اس وقت حاضر تھے آیت بمعنی نشانی ہے اگرچہ یہاں چار معجزات کا ذکر ہے مگر چونکہ ان سب کا منشاء ایک ہی تھا یعنی آپ کی نبوت کا ثبوت۔ اس لئے ان سب کو آیت فرمایا گیا یعنی ایک نشانی اس کی تنوین تعظیمی ہے بعض قرات میں بینات بھی آیا ہے۔ من ربکم یا جئت کے متعلق ہے یا ثابت پوشیدہ کے اور وہ آیت کی صفت دونوں صورتوں میں من ابتدائیہ ہے چونکہ نبی کا بھیجنا حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی روحانی پرورش ہے اس لئے یہاں رب فرمایا یعنی حق تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے بھیجے گا کہ اے اسرائیلیو! میں تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی نشانی لے کر آیا ہوں یا میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لایا ہوں وہ یہ کہ **انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر** یہ کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہلی تبلیغ ہے جس میں آپ نے توحید' قیامت' جنت' دوزخ' فرشتوں' حساب کتاب کی تبلیغ نہیں فرمائی بلکہ اپنے فضائل کا ذکر فرمایا کہ میں رب کی طرف سے ایسی قدرتیں' ایسا علم غیب لے کر آیا ہوں کیونکہ اعتقادات میں نبی کی معرفت سب پر مقدم ہے۔ نبی کے آئینہ میں توحید کا جمال دیکھنا ضروری ہے۔ آئینہ پہلے سامنے آتا ہے' جمال بعد میں۔ جس نے نبی کو مان لیا۔ اس نے سب کچھ مان لیا دیکھو جب لوگوں نے آپ کی والدہ ماجدہ کو تہمت لگائی تو آپ نے بجائے اپنی ماں کی پاکدامنی بیان کرنے کے اپنے فضائل بیان فرمائے کہ **انی عبداللہ** مقصد یہ تھا کہ میری عظمت پہچانو اور میری ماں کی پاک دامنی و عظمت تمہیں خود معلوم ہو جائے گی کہ ایسا موتی کیسی شاندار سیپ میں رکھنے کے لائق۔ غرضیکہ سارے اعتقادات جمع کے اعداد ہیں اور نبوت جمع حاصل۔ کہ اس میں سارے اعداد جمع موجود ہیں یہ جملہ یا تو **انی قد جئتکم** کا بدل ہے یا پوشیدہ مبتداء کی خبر ہے۔ اخلق خلق سے بنا خلق کے چند معنی ہیں۔ ہستی بخشنا' خالق کل شیء۔ اندازہ لگانا جیسے **فتبرک اللہ احسن الخلقین** گھڑنا اور بنانا۔ جیسے **و تخلقون افکا** " تم جھوٹ گھڑتے ہو یا جیسے **ان ھذا الا اختلاق** جھوٹے کو اسی لئے خالق کہتے ہیں کہ وہ کلام کو گھڑتا اور بناتا ہے برابر کرنا کہا جاتا ہے۔ **خلق النعل بالنعل**

جوتے کو جوتے کے برابر کر دیا۔ اس لئے برابر حصہ کو خلاق کہتے ہیں۔ **ما لہ فی الاخرة من خلاق** لائق اور مستحق کو خلیق کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے **فلان خلیق بکذا** فلاں اس کام کے لائق ہے۔ چکنے پتھر کو **صخرة " خلقا "** غرضیکہ اس کے بہت سے معنی ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔

ولانت تفری ما خلقت وبعض القوم یخلق ثم لا تفری

دوسرا کہتا ہے۔

ولا یعطی بایدی الخلقین ولا ایدی الخوالق الاجید الادم

یہاں بمعنی بنانا یا گھڑنا ہے۔ (تفسیر کبیر و معانی) **لکم** میں لام نفع کا ہے۔ **من الطین اخلق** کے متعلق ہے **کھیئة** کا کاف اسمیہ ہے۔ بمعنی مثل۔ اخلق کا مفعول بہ یا حرف ہے تشبیہ کے لئے ثابت کے متعلق ہو کر صورۃ" پوشیدہ کی صفت۔ ہیئت باب تفعیل کا اسم مصدر ہے بمعنی اسم مفعول اس کے لفظی معنی ہیں تیاری۔ اس سے **تھیو** ہے۔ کہا جاتا ہے۔ **تھیا** کل کھانے کی تیاری کی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وھی لنا من امرنا رشدا** " نیز ارشاد فرماتا ہے **ویھئی لکم من امر کم مرفقا** مگر اصطلاح میں بمعنی شکل صورت آتا ہے یہاں یہی مراد ہے **طیر** طائر کی جمع ہے بمعنی اڑنے والا۔ اس کا مصدر طیران ہے اس کی جمع طیور بھی ہے۔ قرآن کریم میں عمل اور تقدیر کو طائر کہا گیا۔ فرماتا ہے **وکل انسان الزمنہ طائرہ فی عنقہ** نیز ہر حرکت والی چیز کو بھی طائر کہہ دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں خواب کے بارے میں کہا گیا **وھی علی رجل طائر** یہاں طیر حقیقی معنی میں ہے بمعنی چڑیا اور اس سے جنس مراد جو اسے بلاوجہ مجازی معنی میں لے وہ گمراہ ہے کہ ایک پیغمبر کے معجزے کا منکر ہے **فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ۔ انفخ** نفخ سے بنا بمعنی پھونکنا ہر پھونکنے کو نفخ کہا جاتا ہے۔ خواہ منہ سے پھونکنا ہو یا کسی آلہ سے یا روح پھونکنا **ونفخت فیہ من روحی** اور جیسے و نفخ فی الصور۔ بگل میں پھونکا گیا اور جیسے **قال انفخو حتی اذا جعلہ نارا** یہاں دھونکنی سے آگ پھونکنا مراد ہے۔ شیطان کے دم کرنے کو بھی نفخ کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے **اعوذ باللہ من نفخہ۔ فیہ** کا مرجع **ھیئتہ** ہے یا کاف اسمیہ۔ اذن سے مراد ارادہ یا رب تعالیٰ کا حکم ہے۔ یعنی اے لوگو میں تمہیں سمجھانے کے لئے تمہارے سامنے گارے سے چڑیا کی شکل بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے سچ مچ پرندہ بن جاتا ہے جسے تم اڑتے ہوئے دیکھتے ہو۔ بظاہر یہ ایک معجزہ ہے مگر در حقیقت بہت سے معجزوں کا مجموعہ ہے کیونکہ پرندے میں پر' چونچ' پنجے' کھال' خون' گوشت' دل' کلیجی' پھیپھڑا' غرضیکہ ان گنت چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک مٹی سے ان سب چیزوں کا بن جانا اس میں روح پڑ جانا بہت سے معجزات ہوئے جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے حضرت طلحہ و جابر کے گھر گوشت و آٹے میں ایسی برکت ہوئی کہ چار سیر آٹے کی روٹیاں اور تھوڑا گوشت قریبا" دو ہزار آدمیوں نے کھایا اور ویسا ہی رہا۔ شوربے میں نمک' مرچ' گھی' مصالحے پھر جلنے والی لکڑی پکانے والی کے ہاتھ میں طاقت یہ سب چیزیں ہی عالم غیب سے آ گئیں۔ پھر یہاں طیر سے مراد جنس پرندہ ہے۔ جس پرندہ کی فرمائش کرو مجھ سے بنوالو۔ ایک ہی مٹی ابھی چمگادڑ ابھی اس مٹی کا بقیہ کوا' چیل' کبوتر بنا سکتا ہوں' میرا دوسرا معجزہ یہ ہے کہ **ابرء الاکمہ والابرص** یہ جملہ اخلق پر معطوف ہے۔ ابرء ابراء سے بنا۔ جس کا مادہ برء ہے بمعنی دور کرنا اسی سے براءۃ ہے۔ **براءۃ من اللہ ورسولہ** شفاء کو براءت اسی لئے کہتے

ہیں کہ اس میں مرض دور ہو جاتا ہے۔ یہاں بمعنی شفاء اور تندرستی ہے اکمہ کمہ سے بنا۔ اس کے چند معنی ہیں۔ (1) ممسوح العین کہ جس کی آنکھ کی جگہ چری ہوئی نہ ہو۔ اس امت میں ایسا آدمی سوا قتادہ بن دعامہ سدوسی مفسر کوئی نہ گزرے۔ (2) رتوندو الا یعنی جسے رات میں نہ سوجھے۔ (3) مادر زاد اندھا عطا نے پہلے معنی مراد لئے۔ مجاہد نے دوسرے عبداللہ ابن عباس نے تیسرے رضی اللہ عنہم۔ ممسوح العین کو شفا دینے میں بہت سے معجزے ہیں بغیر آپریشن۔ شگاف دے دینا' پلک پوٹے' سفیدہ تیلی' تل' مجمع النور بنا دینا' آنکھ کے سات پردے پیدا فرما دینا۔ پھر آنکھ میں نور پیدا کر دینا۔ یہ سب معجزات ہی ہیں۔ غرضیکہ مٹی سے 'پرندہ بنانے کی طرح یہ بھی بہت سے معجزات کا مجموعہ ہے۔ ابرص' برص سے بنا بمعنی سفید دھبے یہ بھی کوڑھ کی ایک قسم ہے یہاں ابرص سے وہ مراد ہے۔ جس کے سوئی چبھونے سے خون نہ نکلے۔ چونکہ طبیبوں کے نزدیک یہ دونوں بیماریاں لا علاج ہیں۔ اس لئے آپ نے انہیں کا ذکر فرمایا۔ ورنہ آپ اور بیماریوں کو بھی شفا بخشتے تھے۔ (روح المعانی)۔ یعنی میں پیدائشی اندھے اور دائمی کوڑھی کو ایک دم میں شفا دیتا ہوں۔ تیسرے یہ کہ **واحی الموتی باذن اللہ** یہ جملہ ابری پر معطوف ہے اور احی احیاء سے بنا بمعنی حیات بخشنا' زندہ کرنا' موتی میت کی جمع ہے۔ خلاف قیاس باذن اللہ احی کے متعلق ہے یعنی میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔ اس معجزے میں عالم اجسام و عالم امر پر قبضہ کا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ روح جسم میں رہ کر بھی کسی کے قبضہ میں نہیں ہوتی۔ نہ بادشاہ کے نہ وزیر کے نہ امیر کے تو جسم سے نکلنے' عالم امر میں پہنچنے کے بعد کسی کے قبضے میں کیسے آ سکتی ہے؟ یوں ہی اجزاء جسم جب مٹی بن کر اس کے ذرے۔ بحر و بر مشرق و مغرب میں بکھر گئے وہ کسی کے حکم سے جمع نہیں ہو سکتے۔ مگر میرا تصرف یہ ہے کہ ایک قم باذن اللہ فرماتا ہوں تو تمام بکھرے ہوئے ذرے میری اطاعت کر کے جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ تو اس عالم میں میری حکومت ہوئی اور ادھر عالم امر میں وہ گئی ہوئی روح لوٹ کر جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ یہ عالم امر میں میری حکومت ہے۔ چنانچہ آپ نے چار مردے زندہ کئے۔ جس کا ذکر انشاء اللہ خلاصہ و تفسیر میں آئے گا۔ چوتھے یہ کہ **و انبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم** یہ جملہ احی الموتی پر معطوف ہے اور انبیء **بناء** سے بنا بمعنی عظیم الشان خبر موصولہ ہے اور اس سے مراد عام کھانے ہیں غذائیں یا میوے۔ **تدخرون** **دخر** سے بنا۔ باب افتعال کا مضارع ہے اصل میں **تذتخرون** تھا تا اور ذال کو دال سے بدل کر ادغام کیا گیا۔ اس کا مصدر ادخار ہے بمعنی ذخیرہ کرنا' ڈھیر لگانا اور جمع کرنا۔ یعنی میں تمہیں خبر دیتا ہوں۔ ان تمام کھانوں کی جو تم مجھ سے پوشیدہ اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو اپنے بچوں کے لئے بچا کر رکھتے ہو۔ جس سے پتہ لگے کہ مجھے رب تعالیٰ نے علم غیب بھی دیا اگر **تاکلون** اور **تدخرون** بمعنی حال ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ میری نگاہ کے لئے دور نزدیک' کھلی چھپی پس پردہ چیزیں یکساں ہیں۔ تم کسی دور سے دور مقام پر ہو رات کی اندھیریوں میں کوٹھڑیوں کے اندر کچھ کھاؤ کچھ بچاؤ مجھے سب کی خبر ہے۔ میری سب پر نظر ہے۔ جیسے جنت کی حور کو دنیا کی کوٹھڑی کی زوجین کی لڑائی کی خبر ہے یا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کی کوٹھڑی والے زر ہم و کھ لئے جو انہوں نے بدر کو جاتے وقت اپنی زوجہ کو دیئے تھے۔ اور اگر بمعنی مستقبل ہو تو مطلب یہ ہے کہ ہر دانہ کو جانتا ہوں اس کے کھانے والے اور وقت کھانے کو جانتا ہوں **ان فی ذلک لایۃ لکم** یہ مستقل جملہ ہے اور ذالک سے چاروں مذکورہ معجزوں کی طرف اشارہ ہے آیت سے مراد جنس نشانی ہے یعنی ان میرے معجزات میں تمہارے لئے میری نبوت پر کھلی ہوئی نشانی ہے۔ **ان کنتم مومنین** یہ علیحدہ جملہ ہے اس کی جزا پوشیدہ ہے۔ مومنین سے مراد ایمان کی توفیق والے ہیں یا ایمان قبول کرنے والے۔ پہلی

صورت میں امنو پوشیدہ ہے اور دوسری صورت میں اطمئنو یعنی اگر تمہیں رب نے ایمان کی توفیق دی ہے تو مجھ پر ایمان لے آؤ یا اگر تم ایمان لاچکے ہو تو ان معجزات کو دیکھ کر اور زیادہ مطمئن ہو جاؤ۔

خلاصہ تفسیر : اے مریم! تمہارے فرزند عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے رسول ہوں گے اور انہیں یہ تبلیغ کریں گے کہ اے اسرائیلیو! میں سچا نبی ہوں رب کی طرف سے میری صداقت پر کھلی نشانی میرے پاس موجود ہے وہ یہ کہ میں تمہارے سامنے گارے سے چڑیا کی شکل بناتا ہوں۔ علیحدگی یا اکیلے میں نہیں بناتا تاکہ تم میں کچھ شک و شبہ ہو یا یہ تمام تمہارے نفع کیلئے ہے تاکہ تم کو اس معجزے کے ذریعے ایمان میسر ہو۔ محض کھیل تماشا کے لئے نہیں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ پرندہ بن جاتی ہے یہ معجزہ میری نبوت کی دلیل ہے۔ یہ دیکھ کر تم مجھے خدا نہ کہنا۔ کیونکہ یہ جو کچھ ہوتا ہے۔ خدا کے حکم سے ہے نیز مجھے رب تعالیٰ نے یہ معجزہ دیا کہ میں مادر زاد اندھے اور کوڑھوں کو پھونک مار کر شفا بخشتا ہوں جو کہ طبیبوں کے نزدیک ناممکن بات ہے۔ میری قدرت کی تو یہ کیفیت ہے اور میرے علم کا یہ حال ہے کہ جو کچھ تم میری غیر موجودگی میں اپنی کوٹھڑیوں میں بیٹھ کر کھاتے اور بچاتے ہو۔ اس کی میں تمہیں خبر دے سکتا ہوں کہ تم نے اتنا کھایا اور اتنا بچایا۔ ان معجزات میں میری حقانیت کی کھلی ہوئی نشانی ہے اگر توفیق ہو تو مجھ پر ایمان لے آؤ۔ خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے یہ مراتب شکریہ کے طور پر بیان فرمائے نہ کہ فخر و تکبر کے لئے تاکہ لوگ آپ کے ان مراتب کو مان کر عارف بنیں۔ نبی کے مراتب جاننے ہی کا نام تو ایمان ہے لہٰذا آپ کا یہ فرمان مالی شکر بھی ہے اور تبلیغ بھی۔ نیز آپ نے اس وقت اپنی عمومی صفات بیان فرمائیں۔ انبیاء کرام کی عمومی صفات بیان نہ کیں کہ میں تم جیسا بشر ہوں بندہ مجبور ہوں مجھے تو دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں بلکہ خصوصی صفات بیان فرمائیں کیونکہ انبیاء کرام کے عمومی اوصاف بشریت وغیرہ ماننے کا نام ایمان نہیں۔ یہ صفت تو شیطان و ابوجہل بھی مانتا تھا۔ ایمان اس کا نام ہے کہ حضرات انبیاء کے خصوصی اوصاف مانے جائیں اس لئے کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ پڑھا جاتا ہے۔ محمد بشر اللہ نہیں کہا جاتا۔

واقعات : روایات میں ان واقعات کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ نے یہ دعوے کئے تو لوگوں نے کہا کہ اچھا ہمیں مٹی سے چمگادڑ بنا کے دکھاؤ۔ اس انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ چمگادڑ میں چند خصوصیتیں ہیں جو دوسرے پرندوں میں نہیں۔ (1) اس میں ہڈی نہیں ہوتی صرف گوشت و خون ہے۔ (2) اس کے پر نہیں ہوتے یہ گوشت سے اڑتی ہے۔ (3) یہ انڈے نہیں دیتی بلکہ بچے دیتی ہے حالانکہ چڑیاں انڈے ہی دیا کرتی ہیں۔ (4) اس کی چھاتی پر پستان ہوتے ہیں جس سے اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ (5) اس کی چونچ نہیں بلکہ منہ ہوتا ہے۔ (6) اس کے منہ میں دانت بھی ہوتے ہیں جس سے وہ چباتی بھی ہے اور ہنستی بھی ہے۔ (7) اسے حیض بھی آتا ہے۔ (8) یہ دن کی روشنی میں نہیں دیکھ سکتی۔ (9) بلکہ رات کے اندھیرے میں بھی اس کی آنکھیں بے کار ہوتی ہیں۔ صرف طلوع سے ایک گھنٹہ پہلے اور غروب کے ایک گھنٹہ بعد تک دیکھ سکتی ہے۔ (روح المعانی و خازن و خزائن وغیرہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے صرف چمگادڑ ہی بنایا۔ حضرت وہب فرماتے ہیں کہ آپ کے بنائے ہوئے چمگادڑ لوگوں کے سامنے اڑتے تھے۔ اور ان کی نگاہ سے غائب ہوتے ہی مر کے گر جاتے تھے۔ بعض نے فرمایا کہ آپ نے کئی قسم کے جانور بنائے۔ (روح المعانی وغیرہ) مگر حق یہ ہے کہ وہ جانور زندہ رہتے تھے۔ کیونکہ

آپ نعوذ باللہ نہ تو جادوگروں کی طرح نظر بندی کرتے تھے کہ وہ چیز مٹی ہی رہتی تھی مگر لوگوں کو پرندہ معلوم ہوتی تھی۔ جیسے بازی گر مسی کو روپیہ بنا کر دکھا دیتا ہے مگر وہ ہوتی مٹی ہی ہے اور نہ عارضی طور پر اسے پرندہ بناتے تھے بلکہ واقعی وہ پرندہ بن جاتی تھی۔ کھاتی پیتی زندہ رہتی تھی۔ کیونکہ رب فرما رہا ہے فیکون طیرا "باذن اللہ کہ وہ مٹی پرندہ ہو جاتی ہے۔ جب بعینہ وہ پرندہ ہو جاتی ہے تو پرندے کے تمام اوصاف بھی اس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے عصائے موسیٰ جب سانپ بن جاتا تھا تو اس میں سانپ کے تمام اوصاف بھی پائے جاتے تھے حتیٰ کہ وہ کھاتا پیتا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے بغیر قرآنی ثبوت کے یہ قیدیں نہیں لگائی جاسکتیں۔ طیرا سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مٹی سے ہر قسم کا پرندہ بنانے اور اس میں روح ڈالنے پر قادر تھے۔ کیونکہ طیرا نکرہ ہے اور بغیر کسی قید کے بیان ہوا ہے۔ حضرت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک ایک دن میں پچاس پچاس ہزار مریض جمع ہو جاتے تھے۔ جنہیں آپ دم کر کے اچھا کر دیتے تھے جو چل سکتا تھا وہ خود حاضر ہو جاتا تھا اور جس میں چلنے کی طاقت نہ ہوتی اس کے پاس حضرت خود تشریف لے جاتے تھے اور ایمان لانے کی شرط پر انہیں اچھا کرتے تھے۔ (خزائن و معانی وغیرہ) عیسیٰ علیہ السلام نے چار مردے زندہ کئے۔ (1) عازر جو آپ کا دوست تھا۔ (2) ایک بڑھیا کا بیٹا۔ (3) محرر چونگی کی بیٹی۔ (4) حضرت سام نوح علیہ السلام کے بیٹے جو 4600 برس پہلے وفات پا چکے تھے۔ حضرت سام کے سوا باقی تین بہت بہت روز تک زندہ رہے ان کی اولاد بھی ہوئی ان کے واقعات یہ ہیں کہ عازر آپ کا دوست تھا جب وہ بیمار ہوا تو اس کی بہن نے آپ کو خبر بھیجی کہ تمہارے دوست قریب موت کے ہیں مگر وہ آپ سے تین دن کی مسافت پر تھا جب آپ تین دن کے بعد وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ آج اسے مرا ہوا تیسرا دن ہے آپ نے ان کی بہن سے فرمایا کہ ہمیں اس کی قبر پر لے چل وہ لے گئے۔ آپ نے رب تعالیٰ سے دعا کی وہ خدا کے حکم اور آپ کے فرمانے سے زندہ ہو کر ایک مدت تک جیتا رہا اور اس کے اولاد بھی ہوئی۔ بڑھیا کے بیٹے کا یہ واقعہ ہے کہ اس کا جنازہ جا رہا تھا بڑھیا بے قرار ہو کر رو رہی تھی۔ آپ کو رحم آیا اور رب تعالیٰ سے دعا کی۔ وہ اپنے تختہ پر ہی اٹھ کر بیٹھ گیا اور اٹھانے والوں کی گردنوں سے اترا۔ عرصہ تک زندہ رہا۔ صاحب اولاد ہوا محرر چونگی کی لڑکی کا واقعہ یہ ہے کہ یہ محرر حاکم کی طرف سے لوگوں سے ٹیکس لیا کرتا تھا اس کی بیٹی مر گئی۔ ایک دن بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ زندہ ہوئی۔ عرصہ تک زندہ رہی اور صاحب اولاد ہوئی۔ سام ابن نوح کا واقعہ یہ ہوا کہ بعض لوگوں نے شبہ کیا کہ شاید یہ مردے جو زندہ کئے گئے مردے نہ ہوں گے بلکہ انہیں سکتہ ہو گیا ہو گا اس پر آپ بہت پرانی قبر پر تشریف لے گئے۔ رب تعالیٰ نے آپ کی دعا سے حضرت سام کو زندہ کیا۔ حالانکہ انہیں وفات پائے ہوئے چار ہزار چھ سو سال ہو چکے تھے۔ جب آپ نے ان کے لئے دعا کی تو انہوں نے اپنی قبر میں سنا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ اجب روح اللہ یعنی روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام کا حکم مانو۔ یہ سنتے ہی وہ خوف زدہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سمجھے کہ قیامت آگئی۔ اس دہشت سے ان کا آدھا سر سفید ہو گیا۔ حالانکہ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں لوگ بڈھے نہیں ہوا کرتے تھے۔ (روح المعانی) اٹھ کر پوچھنے لگے کہ قیامت آگئی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں نے تمہیں اسم اعظم سے زندہ کیا۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ مجھے پھر واپس بھیج دیا جائے اور اب دوبارہ سکرات کی شدت نہ ہو۔ چنانچہ اس وقت ان کا انتقال ہو گیا۔ (روح المعانی و خازن و خزائن) نیز آپ لوگوں کو بتاتے تھے کہ تم نے کل کیا کھایا ہے اور آج کیا کھاؤ گے اور اگلے وقت کے لئے تم نے کیا کھانا تیار کر رکھا ہے کیونکہ آپ کی نگاہ نزدیک، دور، کھلی، چھپی، اندھیرے، اجالے، پس پردہ وغیرہ تمام کو دیکھتی تھی۔ کوئی چیز آپ کے لئے حجاب نہ تھی۔ اس واقعہ میں

آپ کے چند معجزے ظاہر ہوتے ہیں۔ نزدیک و دور سے آپ کی آنکھ کا دیکھنا یک وقت سب پر نظر کہ کون کیا کھا رہا ہے اور بچا رہا ہے پس پردہ اور نگاہ کا کام کرنا۔ دل کے ارادوں پر مطلع ہونا چنانچہ آپ کے پاس بچے بہت جمع رہتے آپ انہیں بتاتے کہ تمہارے گھر فلاں چیز تیار ہوئی ہے اور تمہارے گھر والوں نے تمہارے لئے فلاں فلاں چیز اٹھا رکھی ہے۔ بچے گھر جاتے تو رو کر گھر والوں سے وہ چیز مانگتے وہ پوچھتے کہ تمہیں کس نے بتایا۔ بچے کہتے عیسیٰ علیہ السلام نے آخر ان لوگوں نے مشورہ کیا کہ اگر ہمارے بچے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہے تو بگڑ جائیں گے اور ان پر ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ ان سب نے ان بچوں کو ایک گھر میں بند کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے جب محسوس کیا کہ بچے نہ آئے تو آپ ان کی تلاش میں یہاں پہنچے اور ان لوگوں سے پوچھا کہ بچے کہاں گئے تو لوگوں نے کہا وہ یہاں نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر اس گھر میں کون ہے انہوں نے کہا کہ اس گھر میں ہمارے سور ہیں۔ فرمایا اچھا وہ سب سور ہو گئے۔ چنانچہ وہ سب سور بن گئے۔ (خزائن و روح المعانی) ابن عساکر عن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص مگر عبدالرزاق نے عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مسخ کا واقعہ خوان اترنے کے بعد ہوا۔ جس کا قصہ سورۂ مائدہ میں آ رہا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں دفعہ ہوا ہو نیز یا تو آپ یہی دونوں خبریں دیا کرتے تھے یا غیب کی ساری خبریں سناتے تھے مگر خصوصیت سے ان ہی دو کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ انسان کو اکثر کھانے کا خیال رہتا ہے۔ (روح المعانی)۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضرات انبیاء کرام باذن پروردگار دافع ابلاء و دافع وبا ہوتے ہیں۔ دیکھو پیدائشی اندھا ہونا یوں ہی کوڑھی ہونا عظیم بلاء اور وباء ہے۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اسے دفع کرتا ہوں۔ لہٰذا قحط دور کرنے کے لئے ان محبوبوں کو **دافع البلاء و الوباء والقحط والمرض والالم** کہنا بالکل درست ہے جب بارش کے قطرے دافع قحط ہوتے ہیں بعض جڑی بوٹیاں دافع نزلہ، دافع جریان، دافع بخار ہوتی ہیں۔ ایک شربت کا نام شربت فریاد رس ہے ایک دوا کا نام شافی ہے تو کیا حضرات انبیاء کرام کی برکات و فیوض ان جڑی بوٹیوں سے بھی کم ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا میری یہ قمیص لے جاؤ۔ اے میرے والد کی نابینا آنکھوں کی شفا کے لئے ان کے چہرے پر ڈال دو۔ ان کی آنکھیں اچھی ہو جائیں گی یہ ہے دافع البلاء والوباء کی جلوہ گری۔ دوسرا فائدہ: نبی کی شان پہچاننا ایمانیات میں سب سے مقدم ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے لوگوں کو اپنی پہچان کرائی کہ مجھ میں یہ صفات ہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں کیونکہ جس نے نبی کو مانا اسے ان کے سارے فرمان ماننے پڑیں گے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سب سے پہلے لوگوں کو اپنی پہچان کرائی کہ بتاؤ مجھے کیا سمجھتے ہو۔ سب نے عرض کیا کہ ہم آپ کو سچا اور امین جانتے ہیں۔ تیسرا فائدہ: انبیاء کرام رب تعالیٰ کے بعض کاموں کو اپنی طرف نسبت دے سکتے ہیں کیونکہ وہ اس کے مظہر ہیں۔ دیکھو بیماریوں کو شفا دینا مردوں کو زندہ کرنا رب کا کام ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں شفا دیتا ہوں میں زندہ کرتا ہوں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا تھا **لاھب لک غلاما** " **زکیا** " میں تمہیں ستھرا بیٹا دوں گا لہٰذا یہ کہنا کہ رسول اللہ سب کو عزت دیتے ہیں اولاد دیتے ہیں جائز ہے کہ دینے والا رب تعالیٰ ہے مگر تقسیم فرمانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ کام کو قاسم کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ چوتھا فائدہ: اکثر معجزات انبیائے کرام کے قبضہ میں ہوتے ہیں کہ جب چاہیں دکھا دیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کے قبضہ میں لاٹھی کو سانپ بنانا اور عیسیٰ علیہ السلام کے قبضہ میں بیماروں کو شفا دینا وغیرہ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں بہت سے معجزات۔ پانچواں فائدہ: اصل کا اثر فرع میں ہوتا ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام چونکہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی پھونک سے پیدا ہوئے۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام محض روح ہیں اور ان کا لقب روح الامین ہے۔ ان کے گھوڑے کے سم کی خاک نے سامری کے بچھڑے کو زندہ کر دیا۔ لہذا عیسیٰ علیہ السلام کی سانس میں بھی یہ تاثیر ہوئی۔ (تفسیر کبیر) **چھٹا فائدہ:** انبیاء کرام کو معجزات زمانہ کے مطابق بھی عطا ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا تو انہیں عصا اور ید بیضا دیا گیا۔ جس سے جادو شکست کھائے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کو زور تھا آپ جالینوس کے ہم زمانہ تھے۔ انہیں معجزہ اس قسم کا دیا گیا۔ جس سے طب عاجز ہو جائے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا شور تھا۔ لہذا آپ کو خصوصی معجزہ قرآن کریم دیا گیا ہے۔ جس سے سارے فصحاء بلغاء شکست کھائی۔ اگر مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہوتا تو اسے اس زمانہ کے مطابق معجزات دیئے جاتے۔ اب سائنس کا زور ہے اور ایجادات کا شور اس کا معجزہ اس قسم کا چاہئے تھا۔ **ساتواں فائدہ:** پیغمبروں کو علوم غیب دیئے جاتے ہیں۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے کھانے پینے کو جانتا ہوں یہ علم غیب ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** دم درود جھاڑ پھونک کے ذریعہ فیض رسانی سنت انبیاء ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام دم کرکے مردے زندہ کرتے تھے۔ حضرت جبریل نے بی بی مریم کو بذریعہ دم کے ہی فرزند بخشا۔ اب بھی حضرات اولیاء اللہ بیماروں پر دم فرماتے ہیں۔ حضرت اسرافیل صور میں پھونک کر ہی قیامت قائم کریں گے مردے جلائیں گے۔ **نواں فائدہ:** بزرگوں کی دعا سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ عمریں بڑھ جاتی ہیں۔ گئی ہوئی عمریں دوبارہ مل جاتی ہیں۔ مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔ نصیب کھل جاتے ہیں۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اندھوں' کوڑھیوں کی مصیبتیں ٹل جاتی تھیں۔ اور جو لوگ اپنی عمریں پوری کرکے مر چکے تھے۔ انہیں دوبارہ نئی عمریں دے دی جاتی تھیں۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کو عالم اجسام اور عالم امکان بلکہ عالم امر کی حکومت دیتا ہے۔ ان کے احکام باذن پروردگار ہر جگہ چلتے ہیں۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کا حکم اس عالم میں بھی چلتا تھا کہ آپ کے فرمان پر مردے کے ذرے جمع ہو جاتے تھے اور عالم امر پر بھی کہ آپ کے حکم پر گئی روح لوٹ آتی تھی۔

عملیات: عیسیٰ علیہ السلام اس طرح مردہ زندہ فرماتے تھے کہ اولاً دو رکعت نماز پڑھتے پہلی رکعت میں سورۂ ملک دوسری میں سورۂ تنزیل السجدہ پڑھتے۔ پھر خدا کی حمد و ثنا کے بعد عرض کرتے یا قدیم یا خفی یا دائم یا فرد یا وتر' یا احد' یا صمد' یا حی' یا قیوم (روح المعانی عن بیہقی و قال لیس بقوی) اور اس دعا سے بیماروں کو اچھا فرماتے تھے۔ **اللھم انت الہ من فی السماء والہ من فی الارض لا الہ فیھما غیرک وانت جبار من فی السماء وجبار من فی الارض من لا جبار فیھما غیرک وانت ملک من فی السماء و ملک من فی الارض لا ملک فیھما غیرک قدرتک فی الارض قدرتک فی السماء وسلطنک فی الارض کسلطناء فی السماء اسئلک باسمک الکریم وجھک المنیر وملک القدیم انک علی کل شئی قدیر** وہب فرماتے ہیں کہ اگر یہ دعا مجنون اور پریشان حال پر پڑھ کر دم کی جائے اور اس کا تعویذ بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے نیز اسے گھول کر پلایا جائے تو انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ اگر کسی کو سانپ کاٹے اور وہ بغیر کچھ بولے ہوئے زخم پر ہاتھ رکھ کر یہ کہے۔ یا محمد مجھے سانپ نے کاٹا (صلی اللہ علیہ وسلم) تین دفعہ یہ عمل کرے اور ہر بار میں تین تین دفعہ یہ پڑھے۔ انشاء اللہ سانپ کا اثر نہ ہوگا۔ نہایت مجرب ہے۔ سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام شریف میں نفخ مسیح کی تاثیر ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

چوں نام ایں است نام آورچہ باشد گرامی ترود . ازہرچہ باشد

جو کوئی آم کے موسم میں آم کے اس بور کو اپنے ہاتھ میں مل لے۔ جس پر اس کی پہلی نگاہ پڑے تو سال بھر تک اس کے ہاتھ میں یہ تاثیر رہے گی کہ بچھو کے کاٹے پر یہ ہاتھ لگادے تو آرام ہو جائے مگر شرط یہ ہے کہ پہلا دیکھا ہوا بور ملے۔ جب آم کے بور میں یہ تاثیر ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی تاثیر کا کس طرح انکار کیا جاسکتا ہے۔ خیال رہے کہ اس زندہ کرنے یا بیماروں کو شفا دینے کی یہ صورت نہ تھی کہ آپ صرف دعا کرتے تھے اور رب تعالیٰ زندگی یا شفا بخش دیتا تھا بلکہ باذن پروردگار دعا کے ساتھ اپنا تصرف بھی کرتے تھے۔ مردہ کو زندہ ہو جانے بیمار کو اچھا ہو جانے کا حکم بھی دیتے تھے ورنہ اگر صرف دعا سے اللہ تعالیٰ زندگی یا شفا دیتا تو آپ احی اور ابرء متکلم کے صیغے نہ فرماتے کہ میں یہ کرتا ہوں۔ اگر میری دعا سے بارش آجائے تو میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے بارش فرمائی نیز یہ انبیائے کرام کی دعا سے مردے زندہ ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ستر اسرائیلی زندہ ہوئے۔ ثم بعثنا کم من بعد موتکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے چار پرندے۔ حضرت عزیر کی دعا سے ان کا گدھا حضرت حزقیل کی دعا سے والے ستر اسی ہزار مردے، ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے آپ کے والدین زندہ ہوئے۔ انہوں نے نہ فرمایا کہ ہم مردے زندہ کرتے ہیں۔ غرضیکہ ماننا پڑے گا کہ آپ اپنے اختیار خداداد سے یہ کام کرتے تھے۔

اعتراضات و جوابات

نوٹ : ان تمام معجزات کا مرزائیوں نے انکار کیا اور اس آیت میں بیہودانہ تحریفات کیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے گھرنی اور خود ساختہ مثیل مسیح یعنی مرزا غلام احمد قادیانی میں کوئی کمال نہ تھا لہٰذا انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ان تمام کمالات کا انکار کردیا۔ ہم ان کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض : پیدا کرنا خدا کی صفت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل اللہ خالق کل شیء نیز فرماتا ہے ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ خالق صرف رب تعالیٰ ہی ہے۔ غیر خدا میں یہ صفت ماننا شرک ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ام جعلوا اللہ شرکاء خلقوا کخلقہ نیز بتوں کے بارے میں فرماتا ہے لا یخلقون شیئا وھم یخلقون نیز فرماتا ہے افمن یخلق کمن لا یخلق لہٰذا اگر عیسیٰ علیہ السلام مٹی میں پھونک کر پرندے بناتے ہوں تو انہیں خدا ماننا پڑے گا۔ مشرکین بتوں کو خالق مان کر مشرک ہوئے اور مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کو خالق مان کر مرتد۔ اس آیت کے معنی صرف یہ ہیں کہ تمہارے دلوں کو نور ایمانی سے منور کرتا ہوں۔ جس سے وہ پرندہ بن کر راہ الٰہی طے کرتا ہے۔ نہ کہ کوئی مٹی کا کھلونا۔ حدیث شریف میں شہداء کے متعلق ہے کہ شہیدوں کی روح سبز چڑیوں کے پیٹ میں رہ کر جنت کی سیر کرتی ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے (بیان القرآن مصنفہ محمد علی لاہوری)۔ جواب: ہم نے تفسیر میں عرض کیا کہ خلق بمعنی پیدا کرنا ہستی بخشنا خدا کی صفت ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام یہ نہ کرتے تھے مگر خلق بمعنی بنانا گھڑنا صورت دینا انسان کے لئے بھی بولا

جاتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **وتخلقون افکا** " اور فرماتا ہے **فتبرک اللہ احسن الخلقین** یہاں خالقین کو جمع فرمانا اسی لئے ہے کہ یہ خلق بمعنی پیدا کرنا نہیں ورنہ صریح شرک ہوگا بلکہ خلق بمعنی بنانا یا اندازہ لگانا ہے جیسے ان آیات میں **تخلقون** اور خالقین میں خلق بمعنی پیدا فرمانا نہیں۔ ایسے ہی یہاں ہے۔ یہاں اخلق اسی معنی میں ہے اسی لئے فرمایا گیا **کھیئۃ الطیر** یعنی شکل فرمانے سے پتہ لگا کہ یہ خلق بمعنی پیدائش نہیں بلکہ بمعنی صورت گری ہے پیدائش اصل شیء کی ہوتی ہے نہ کہ صرف ہیئت کی ماں کے پیٹ میں فرشتہ ہی نطفے کو انسانی شکل دیتا ہے ان پرندوں کو رب تعالیٰ ہی زندگی بخشتا تھا۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام کی مدح کے موقعہ پر خصوصیت سے اس کا ذکر کیوں ہوا۔ دوسرے پیغمبروں کے لئے کیوں نہیں ہوا۔ ماں کے پیٹ میں بچہ کو فرشتہ زندگی دیتا ہے۔ قیامت کے دن سب صور کی آواز سے زندہ ہوں گے۔ جب نفخ صور میں یہ تاثیر ہو سکتی ہے تو نفخ مسیح کی تاثیر کا کیوں انکار کرتے ہو۔ تمہاری یہ تحریف ان روایات کے خلاف ہے جو ہم تفسیر میں عرض کر چکے لہٰذا یہ تحریف ہے بعض جانوروں کی پھونک سے انسان مرجاتا ہے جیسے خاص سانپ ' جب جانور کی سانس میں موت کی تاثیر ہے تو اگر نبی اللہ کی سانس میں زندگی کی تاثیر ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ دوسرا اعتراض: مر کر دنیا میں لوٹنا قانون قدرت کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شہید شہادت کے بعد دنیا میں آنے کی تمنا کرتے ہیں مگر ان کی یہ تمنا پوری نہیں کی جاتی کیونکہ قانون قدرت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی مردوں کو زندہ نہیں کر سکتے کیونکہ اگر وہ مردے اپنی عمر پوری کر کے مرے تھے تو انہیں دوبارہ عمر کیسے ملی۔ اور اگر ان کی عمر باقی تھی تو پہلے موت کیوں آگئی۔ رب فرماتا ہے **و حرام علی قریۃ اھلکنھا انھم لا یرجعون** جو بستی ہلاک ہو چکی وہ پھر لوٹ کر نہیں آسکتی نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے **قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا** یعنی کفار بعد موت تمنا کریں گے کہ ہمیں دنیا میں پھر لوٹایا جائے تاکہ ہم نیک اعمال کر لیں مگر ایسا نہیں ہو سکتا۔ ان آیتوں نے مر کر جینے کا راستہ ہی بند کر دیا لہٰذا یہاں **احی الموتی** کا مطلب یہ ہے کہ میں مردہ دلوں یعنی جہلاء کو علم سے زندہ کرتا ہوں یعنی انہیں حکم دیتا ہوں۔ رب تعالیٰ نے خشک زمین کو میت اور بارش سے تر ہو جانے کو زندگی فرمایا ہے ایسے ہی یہاں ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **او من کان میتا فاحیینہ و جعلنا لہ نورا** نیز فرماتا ہے **وما یستوی الاحیاء ولا الاموات** ان آیتوں میں حیات سے مراد علم ہے اور موت سے جہالت وہی یہاں مراد ہے (بیان القرآن محمد علی لاہوری) جواب: اس کا بھی وہی جواب ہے جو پہلے گزر گیا کہ وہ حیات ہر پیغمبر بلکہ اولیاء و علماء بخشتے ہیں پھر اس کا ذکر خصوصیت سے عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کیوں کیا گیا۔ دیگر پیغمبروں کے لئے یہ معجزہ کیوں نہ ثابت ہوا۔ نیز معجزہ کہتے ہی اس کو ہیں جو خلاف عادت ایسا ہو۔ عادی کام دن رات ہر شخص کرتا رہتا ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیتوں میں اس قانون کا ذکر ہے کہ ہلاک شدہ بستیوں کو زندہ کرنا ہمارا قانون نہیں۔ رہی خصوصیات وہ اس کے علاوہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔ قرآن کریم نے حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ یوں بیان فرمایا کہ **فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ**۔ اللہ نے انہیں سو سال مردہ رکھ کر پھر زندہ کیا پھر فرمایا **وانظر الی العظام کیف ننشزھا ثم نکسوھا لحما** اے عزیر اپنے مرے گدھے کی خشک ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم انہیں کس طرح جمع کر کے گوشت پہناتے ہیں۔ حضرت حزقیل کی قوم کا واقعہ یوں بیان فرمایا **فقال لھم اللہ موتو اثم احیاھم** یعنی رب تعالیٰ نے دو لوران والوں کو اولاً موت دے دی۔ پھر اس سب کو زندہ فرمایا۔ نیز قرآن کریم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم نے ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت سے منہ موڑا تو **فاخذتکم الصعقۃ وانتم تنظرون**

ثم بعثکم من بعد موتکم یعنی تمہیں دیکھتے ہوئے کڑک نے پکڑلیا۔ پھر تمہیں ہم نے مرے بعد زندہ کیا۔ غرض مردے زندہ کرنے کے بے شمار واقعات قرآن کریم نے بیان فرمائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قریب قیامت دجال مار کر زندہ کرے گا۔ اگر ان سب آیتوں میں مجازی معنی مراد لئے جائیں تو پھر قرآن ایک تماشا بن جائے اور کسی آیت پر اعتماد نہ رہے۔ صلوۃ سے رات کو سونا مراد لے لو زکوۃ سے کھیت کاٹنا روزہ سے باتیں کرنا لیجئے جناب روزہ، نماز، زکوۃ سب ختم۔ رہا تمہارا یہ کہنا کہ جب وہ اپنی عمر ختم کر کے مرے تھے انہیں دوبارہ زندگی کیونکر مل گئی۔ یہ اعتراض تم نے آریوں سے سیکھا ہے۔ جس کے جواب ہم بارہا دے چکے ہیں جو رب تعالیٰ انہیں ایک دفعہ عمر دینے پر قادر ہے وہ دوبارہ بھی دے سکتے ہیں۔ جب ہم اپنے بجھے ہوئے چراغ میں دوبارہ تیل ڈال کر اسے روشن کر سکتے ہیں تو رب تعالیٰ بھی ان چراغوں میں دوبارہ عمر کا روغن ڈال کر روشن فرما سکتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یشاق کے دن آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ مولیٰ داؤد علیہ السلام کی عمر کتنی ہے فرمایا ساٹھ سال، عرض کیا کہ میری عمر میں سے انہیں چالیس سال اور عطا فرما ان کی یہ گزارش منظور ہوئی۔ دیکھو مشکوۃ شریف باب ایمان بالقدر بروایت ترمذی خیال رہے کہ تقدیر چند قسم کی ہے۔ جن میں سے بعض کی تبدیلی ہو سکتی ہے بعض کی نہیں۔ انشاء اللہ اس کی تحقیق اس آیت میں کی جائے گی۔ **یمحو اللہ ما یشاء و یثبت** تیسرا اعتراض: باذن اللہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ کام کرنے کا مطلقاً اختیار نہ تھا۔ جب رب تعالیٰ چاہتا تھا تو آپ کے ہاتھ پر یہ معجزات ظاہر فرما جاتا تھا۔ معجزات نبی کے اختیار سے باہر ہوتے ہیں۔ وہ محض بندۂ مجبور اور بے اختیار ہوتے ہیں (بعض وہابی) جواب: یہ غلط ہے اگر وہ حضرات محض بے اختیار ہوتے **اخلق انفخ ابرئی احی** متکلم کے صیغے ارشاد نہ ہوتے کہ میں بناتا ہوں میں زندہ کرتا ہوں میں شفا دیتا ہوں۔ بلکہ یوں ارشاد ہوتا کہ رب تعالیٰ زندہ کرتا ہے شفاء دیتا ہے یہ متکلم کے صیغے ان کا اختیار بتا رہے ہیں۔ رہا باذن اللہ فرمانا۔ یہ بالکل برحق ہے ہم بولتے سنتے دیکھتے چلتے پھرتے ہیں۔ اللہ کے حکم و اذن سے اگر اس کا ارادہ نہ ہو تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان کاموں میں بالکل بے اختیار ہیں یہ فرمانا باذن اللہ اس لئے ہے کہ لوگ آپ کو رب یا رب کا بیٹا مان لیں، اس لئے ارشاد ہوا باذن اللہ۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرگی والے کو فرمایا **اخرج عدو اللہ فانی رسول اللہ**۔ اللہ کے دشمن نکل۔ میں رسول اللہ ہوں فوراً اسے قے ہوئی جس میں ایک کیڑا نکلا اور شفا ہو گئی۔ یہ ہیں ان کے خداداد اختیارات۔ ان کے حکم سے ہوائیں چلتی ہیں۔ رب فرماتا ہے **وسخرنا لہ الریح تجری بامرہ** حضرت سلیمان کے حکم سے ہوا چلتی تھی۔ چوتھا اعتراض: اندھے اور کوڑھوں کو اچھا کرنا عیسیٰ علیہ السلام کی شان کے خلاف ہے۔ وہ نبوت کرنے آئے تھے نہ کہ طبابت لہٰذا یہاں سے دل کے اندھے مراد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور** ایسے ہی ابرص یعنی کوڑھی سے وہ بدی مراد ہے جو بظاہر بھلی معلوم ہو اور حضرت مسیح یہ فرما رہے ہیں کہ میں دل کے اندھوں اور بدکاری کے کوڑھیوں کو ایمان و تقویٰ کا راستہ بتا کر انہیں اچھا کر سکتا ہوں (بیان القرآن لاہوری) جواب: جی ہاں جب رائے سے تفسیر ٹھہری تو جو چاہو معنی کر لو کوئی قید ہی نہیں۔ بتاؤ تو یہ کس نے معنی کئے ہیں۔ بے شک نبوت میں احکام کی تبلیغ ہے مگر نبوت منوانے کے لئے معجزات کی ضرورت اور معجزہ میں عاجز کرنا شرط ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ایسا معجزہ دکھایا جائے جس سے اس کام کے ماہر عاجز رہ جائیں تاکہ یہ خداداد اختیار نبوت کی دلیل بنے۔ چونکہ آپ کے زمانہ میں طب کا بہت زور تھا تو طبیبوں کو عاجز کرنے کے لئے یہ معجزات عطا فرمائے گئے جس کی صدہا روائتیں ملتی ہیں۔

پانچواں اعتراض: اگر یہاں الخلق سے مراد ہے پرندے کا فوٹو بنانا تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان ہے فوٹو یا مجسمہ بنانا حرام ہے آپ حرام کام کیسے کر سکتے ہیں۔ جواب: فوٹو مجسمہ بنانا اسلام میں حرام ہے ان کے دین کے احکام جداگانہ تھے ان کے دین میں یہ حلال تھے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یعملون له ما یشاء من محاریب و تماثیل و جفان کالجواب** وہ جنات حضرت سلیمان کے لئے عمارات و مجسمہ تصویریں بناتے تھے۔ چنانچہ بیت المقدس میں وہ فوٹو و مجسمہ عرصہ تک موجود رہے۔ عہد فاروقی میں فلسطین فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی وہ مجسمے وہاں سے علیحدہ نہ کرائے کہ وہ حضرت سلیمان کے زمانے کے تھے۔ نیز فوٹو بنانا ہمارے ہاں بھی اس لئے حرام ہے کہ ہم اس میں جان نہیں ڈال سکتے۔ حضور فرماتے ہیں کہ فوٹو گرافروں سے قیامت میں فرمایا جاوے گا ان خود ساختہ فوٹوؤں میں جان ڈالو۔ جب جناب مسیح ان میں جان ڈالتے تھے تو آپ کے لئے کیوں حرام ہوئے۔ آج فرشتہ ماں کے پیٹ میں دن رات مجسمہ بنا کر ان میں جان ڈالتا ہے۔ کیا اس فرشتہ پر بھی فتویٰ لگاؤ گے۔ چھٹا اعتراض: **انبئکم بما تاکلون** کے یہ معنی نہیں کہ میں تمہیں کھائے ہوئے اور بچائے ہوئے کھانے کی خبر دیتا ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں کھانے اور نہ کھانے کی چیزیں بتاتا ہوں کہ کون سے کھانے کھاؤ اور کون سے نہ کھاؤ۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے نہ کہ نجومی پنڈت (معاذ اللہ) انہیں احکام بتانے چاہئیں نہ کہ یہ باتیں (مرزائی)۔

نوٹ: یہ اعتراض مرزائیوں نے دیوبندیوں سے سیکھا کہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی کے لئے ایسی ہی واہیات باتیں کرتے ہیں۔ جواب: جناب اس میں اپنے علم غیب کا اظہار ہے۔ نبی کے معنی ہیں خبر دینے والا' کہاں کی؟ آخرت کی۔ جس کو یہاں کی خبر نہ ہو اسے وہاں کی خبر کیا ہو گی۔ ابو جہل نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا تھا۔

گر رسولی چیست در دستم نہاں   تو خبرداری زر از آسمان

آپ کا مقصد یہ تھا کہ جب میری آنکھ سے یہاں کی باتیں پوشیدہ نہیں تو میں سچا نبی ہوں اور اس ملک کی بھی خبر دے رہا ہوں۔ قادیانی جی! یہ ہیں سچے مسیح کے سچے معجزات ہیں۔ جھوٹے مسیح کے واقعات نہیں جو محمدی بیگم کے آسمانی نکاح کی خبر بھی دے اور حاصل کرنے کی کوشش کرے اور ناکام رہے۔ پانچواں اعتراض: چھپی باتیں بھی نجومی بھی بتا دیتے ہیں کیا انہیں بھی علم غیب ہوتا ہے۔ جواب: علم غیب وہ ہے جو بلا دلائل اور بلا مقدمات حاصل ہو۔ کاہن رمال یا تو شیطانی اطلاع سے یا علم جفر کے حساب سے معلوم کر کے بتاتے ہیں۔ ایسے ہی آج کل آلہ کے ذریعہ حمل کا معلوم کر لیتے ہیں کہ لڑکی ہے یا لڑکا۔ پھر بھی نجومی اور رمال اکثر غلطی کرتے ہیں۔ انبیاء کرام کا علم آسمانی وحی سے ہوتا ہے نہ کہ حساب وغیرہ سے اور ہمیشہ صحیح۔ (تفسیر خازن)۔

تفسیر صوفیانہ: مسیح روح نے کفار نفسانیات سے کہا کہ میں تمہارے پاس عالم غیب سے کھلی نشانی لایا ہوں وہ یہ کہ ناقصین کے نفوس کے گارے کو تربیت اور تزکیہ اور حکمت عملی کے ذریعہ شکل پرندہ کے بناتا ہوں پھر اس میں حیات حقیقی اور علم الٰہی کی پھونک مارتا ہوں۔ جس سے اس میں امید و خوف کے دو بازو پیدا ہوتے ہیں اور پھر وہ پرندہ یعنی نفس زندہ ہو کر فضائے جلال و جمال میں اڑتا ہوا بارگاہ الٰہی کے باغ تک باذن الٰہی پہنچ جاتا ہے۔ نیز میں ان اندھوں کو جو اغیار میں پھنس کر انوار کو دیکھنے سے محروم ہیں اور ان کوڑھیوں کو جو فاسد عقیدوں اور کمینی بیماریوں میں مبتلا ہیں جس کی وجہ سے ان کا فطری رنگ بگڑ گیا شفا بخشتا ہوں کہ اندھوں کے حجاب کو پھاڑ کر بارگاہ رب الارباب دکھاتا ہوں اور ان بد عملوں کی بد عملی دور کر کے انہیں ایمان فطری کی طرف متوجہ کرتا ہوں نیز میں جہالت کے مردوں کو بحکم الٰہی علم حقیقت کی حیات سے زندگی بخشتا ہوں اور اے نفسانی جماعت!

میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ تم کون کون سے گناہ و شہوات و لذات کھاتے یعنی استعمال کرتے ہو اور کون کون سے امیدیں اپنی نیتوں کے گھروں میں چھپا کر رکھتے ہو مجھ پر سب روشن ہے۔ میرے ان معجزات میں اے نفس! تیرے لئے کھلی دلیل ہے۔ اگر تو میری مخالفت چھوڑ دے اور میری اطاعت کرے تو کامیاب ہو جائے (از ابن عربی و روح المعانی)۔ خیال رہے کہ یہ صوفیانہ اشارات ہیں نہ کہ قادیانی بکواس۔ ان حضرات نے عیسیٰ سے مراد قلب لیا ہے نہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام۔ صوفیاء کرام اس آیت کے ظاہر کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کھانے اور بچانے کا ذکر مثالاً فرمایا ورنہ آپ ہر شخص کے ہر حال سے ہر گھر کے کام سے باخبر تھے۔ جو کھانا اور بچانا دیکھ سکتا ہے بشریت کے سلسلہ میں ان سے پردہ ہے نورانیت سے پردہ نہیں۔ فرشتے بلکہ رب تعالیٰ ہم کو ہر طرح دیکھتے ہیں ان سے حجاب نہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ جناب مسیح نے انبئکم میں دو باتیں فرمائیں ایک یہ کہ ان میں ان معلومات میں حضرت جبریل سے پوچھنے کا حاجتمند نہیں کہ ان سے پوچھ کر بتاؤں۔ دوسرے یہ کہ میرے یہ علوم غیبیہ تو وہ ہیں جن کی خبر تم کو دے سکتا ہوں باقی علوم اسرار جو بتانے کے لائق نہیں وہ تو بے شمار ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا تھا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو علم ملے ایک علم تو میں نے تم میں پھیلا دیا۔ دوسرا علم بیان کروں تو میں قتل کر دیا جاؤں۔ لآیۃ لکم میں چند باتیں ہیں ایک یہ کہ میرے معجزات حصولی و استدلالی نبوت یا رب کی توحید کی دلیلیں ہیں تو جو میرے خداداد اختیارات و علم غیب کا انکار کرے وہ نہ تو میری نبوت مانتا ہے نہ رب کی توحید کو۔ دوسرے یہ کہ یہ معجزات تمہارے لئے ہیں نہ کہ میرے لئے میرا علم تو حضوری و کشفی ہے تمہارا ایمان حصولی و استدلالی۔ قرآن ہمارے لئے ہدایت ہے نہ کہ حضور کے لئے۔ تیسرے یہ کہ معجزات مومنوں کو مفید ہیں۔ کافروں کو نہیں ظاہر چیز بصارت سے معلوم ہوتی ہے باطنی چیز بصیرت سے۔ بصارت۔ سرمے سے تیز ہوتی ہے۔ بصیرت قوت ایمان سے۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ

اور تصدیق کرنے والا واسطے اس کے جو درمیان ہاتھوں میرے کے ہے توریت سے تاکہ حلال کروں واسطے تمہارے

میں تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی اور اس لئے کہ حلال کر دوں تمہارے لئے کچھ وہ چیزیں جو

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ

بعض وہ جو حرام کیا گیا اوپر تمہارے اور لایا میں تمہارے پاس نشانی طرف سے رب تمہارے کے پس ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو

تم پر حرام تھیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو بے شک میرا

فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

میری ؛ تحقیق اللہ رب ہے میرا اور رب ہے تمہارا پس پوجو اس کو یہ راستہ سیدھا ہے ؛

تمہارا سب کا رب اللہ ہے تو اسی کو پوجو یہ ہے سیدھا راستہ ؛

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے دلائل کا ذکر تھا۔ اب ان کی تبلیغ احکام کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنی نبوت کا ثبوت دے کر قوم کو پیغام دیا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے ظاہری معجزات کا ذکر تھا' مردوں کو زندہ کرنا' بیماروں کو شفا دینا وغیرہ۔ اب ان کے باطنی معجزات کا ذکر ہے یعنی بغیر پڑھے توریت سے واقف ہونا اور اس کی تصدیق کرنا اور بغیر دنیوی قانون سیکھے ہوئے ربانی قانون کو جاری کرنا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کا ظاہری شفا بخشنے اور جسمانی بیماریوں کو دور کرنے کا ذکر تھا۔ اب ان کا باطنی شفا بخشنے اور روحانی حیات دینے کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام قلب و قالب روح و بدن کے طبیب ہیں۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تکوینی قوانین میں خداداد اختیارات کا ذکر تھا کہ میں اندھے کوڑھوں کو اچھا' مردوں کو زندہ کر سکتا ہوں۔ اب آپ کے تشریعی اختیارات کا ذکر ہے کہ میں محرمات کو حلال کر سکتا ہوں۔ تکوینی اختیارات کے بعد تشریعی اختیارات کا ذکر ہے۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علوم غیبیہ کا ذکر تھا جن کا تعلق دنیا سے ہے اب آپ کے ان علوم غیبیہ کا ذکر ہے۔ جن کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہے یعنی تحریف شدہ توریت کو جاننا پہچاننا۔

تفسیر : **ومصدقا** " **لما بین یدی من التورۃ** یا تو مضمون رسولا " پر معطوف ہے اور بعلمہ کا حال یا جئتکم پوشیدہ فعل کی ضمیر کا حال ہے۔ **مصدق تصدیق** سے بنا' معنی سچا کرنا اور سچا کہنا' سچا کہلوانا' سچا جاننا' سچا منوانا' یہاں سارے معنی درست ہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے توریت کو سچا مانا بھی اور آپ کی تشریف آوری سے توریت کی وہ آیتیں سچی ہو گئیں۔ جن میں آپ کی بشارت تھی نیز آپ نے لوگوں سے توریت منوائی اسے سچا کہلوایا۔ مقصد یہ ہے کہ اے یہودیو! میں تم پر احسان کرنے آیا ہوں کہ میرے ذریعہ تمہاری کتاب کی تصدیق ہوئی۔ لما کا لام صلہ کا ہے۔ **بین یدی** کے لفظی معنی ہیں ہاتھوں کے درمیان یہاں مراد سامنے ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ زمانی لحاظ سے سامنا ہونا مراد ہے۔ یعنی پہلے اور ممکن ہے کہ مکانی لحاظ سے سامنے ہونا مراد ہو۔ معنی پاس و نزدیک یعنی تمہاری تحریف کردہ توریت جو تقریباً ۱۰۰٪ اصلی رنگ میں دنیا سے غائب ہو چکی۔ وہ میرے سامنے ہے میں اسے دیکھ رہا ہوں آپ نے فرمایا کہ اے اسرائیلیو میں تو اپنے سے پہلی یا اپنے پاس والی توریت کی تصدیق کرنے آیا ہوں نہ کہ جھٹلانے **ولا حل لکم بعض الذی حرم علیکم** یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے اور لا حل جئت فعل پوشیدہ کا متعلق۔ احل احلال سے بنا معنی حلال و جائز کرنا بعض سے۔ معلوم ہوا کہ سارے محرمات حلال نہ ہوں گے بلکہ بعض۔ **حرم علیکم** سے یا تو توریت کی بعض حرام کردہ چیزیں مراد ہیں جو بنی اسرائیل پر سزا کے طور پر حرام کر دی گئیں تھیں جیسے اونٹ کا گوشت' مچھلی' آنتوں کی چربی اس صورت میں انجیل شریف توریت کے احکام کی ناسخ ہے یا حرام سے مراد وہ چیزیں ہیں۔ جو علمائے یہود نے اپنی طرف سے لوگوں پر حرام کر کے توریت کی طرف انہیں منسوب کر دیا تھا (کبیر و روح المعانی وغیرہ) اس صورت میں انجیل توریت کی ناسخ نہیں اس میں صرف مثالیں اور نصیحتیں ہیں۔ عیسائیوں پر توریت ہی کے احکام جاری تھے مگر ان کے پادریوں نے ہفتے کا دن چھوڑ کر اتوار کر اختیار کیا۔ بیت المقدس سے منہ موڑ کر مشرق یا مغرب کو اپنا قبلہ بنا لیا ختنہ چھوڑ دیا۔ سور کھانے لگے وغیرہ۔ مگر تفسیر اول قوی ہے (روح المعانی) نے اس جگہ فرمایا کہ یہ حرکتیں پادری پطرس نے کیں۔ یعنی نیز

میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کردوں جو تم پر توریت میں یا یہودی رہبوں کی طرف سے حرام کردی گئی تھیں۔ خیال رہے کہ جیسے یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا سمجھتے تھے ایسے ہی اپنے پوپ پادریوں کو حرام حلال کا مالک سمجھتے تھے۔ اپنے گناہوں کی معافی بھی پوپ پادریوں سے ہی مانگتے تھے اس لئے پادریوں نے بہت سی حلال چیزیں ان پر حرام کردی تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وہ حلال کیں یعنی دین کی خرابیوں کو دور فرمایا۔ پہلے زمانوں میں حضرات انبیاء کرام ہی دینی خرابیوں کو دور کرتے تھے۔ اب اسلام میں یہ کام حضرات علماء ربانیین اور مجددین کے سپرد ہوا کہ قرآن و حدیث و احکام شرعیہ میں بھی کتر بیونت کرنے والے پیدا ہوتے رہے۔ مگر علماء ربانیین نے دین کو محفوظ رکھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے اللہ ہر سو برس پر مجدد بھیجے گا۔ **وجئتکم بایۃ من ربکم** یہاں یا تو آیت سے پچھلے مذکور معجزات مراد ہیں اور یہ کلام اس کی نقل ہے یا اس آیت سے آپ کے باطنی معجزات مراد یعنی بغیر کسی کے پڑھے عالم ہونا توریت کا حافظ و ماہر ہونا وغیرہ یعنی میں اپنی نبوت اور انجیل کی حقانیت پر تمہارے پاس نشانی بھی لایا ہوں۔ لہذا **فاتقوا اللہ واطیعون** رب سے ڈرو اور ہر طرح میری اطاعت کرو کہ میری اطاعت بغیر تقویٰ کامل نہیں ہو سکتی پھر فرمایا **ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ** چونکہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو خبر تھی کہ مجھے بعض لوگ خدا کا بیٹا کہنے لگیں گے۔ اس لئے آپ نے یہ کلام ان تاکیدی سے شروع فرمایا نیز چونکہ عمومی ربوبیت تو ہر بندے کے لئے ہے مگر رب کی خصوصی ربوبیت 'نبوت' 'ولایت' خاص خاص بندوں کے لئے۔ اس لئے **ربی** الگ فرمایا اور **ربکم** الگ جیسے جسمانیات میں دھوپ ہوا تو سب کو ملتی ہے مگر سلطنت و دولت وغیرہ خصوصی نعمتیں کسی کسی کو' ایسے ہی روحانی ربوبیت کا حال ہے یعنی اللہ میرا بھی پالنے والا ہے اور تمہارا بھی۔ لہذا تم نہ تو مجھے خدا کہو نہ خدا کا بیٹا اور نہ اپنے جیسا بشر بلکہ اللہ کا بندہ کہو اور اس کا رسول **ھذا صراط مستقیم۔ ھذا** سے پچھلے سارے احکام کی طرف اشارہ ہے۔ **صراط** اور **مستقیم** کی مکمل تفسیر سورۂ فاتحہ میں گزر چکی ہے یعنی رب سے ڈرنا' میری اطاعت کرنا مجھے اس کا بندہ' رسول جاننا یہی وہ سیدھا راستہ ہے جو رب تک پہنچائے گا۔ اسی راستہ کی سارے پیغمبروں نے ہدایت کی۔

خلاصہ تفسیر : عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ظاہری معجزات دکھاتے ہوئے اور اپنی نبوت کا ثبوت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ اے اسرائیلیو! تم ڈرو نہیں میں اپنے سے پہلی کتاب توریت کو جھٹلانے نہیں بلکہ اسے سچا کرنے کے لئے آیا ہوں کہ اگر میں نہ آتا تو میری پیشین گوئی کی آیتیں جو توریت شریف میں ہیں کیونکر سچی ہوتیں۔ نیز میرا آنا تمہارے واسطے روحانی نعمت ہے کہ تمہاری بدکرداریوں کی وجہ سے تم پر جو سختی کی گئی تھی' اسے اٹھادوں گا اور جو طیب و طاہر چیزیں تم پر حرام کردی گئی تھیں۔ ان کو حلال کردوں گا۔ خیال رہے کہ چیزوں کی حرمت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ خود چیز ہی بری ہو' یہ حرمت تو اللہ کی رحمت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویحرم علیھم الخبٰئث** وہ نبی آخر الزمان لوگوں پر خبیث و گندی چیزیں حرام فرمائیں گے۔ دوسری یہ کہ چیز تو اچھی ہو مگر قوم سرکش ہو۔ اسے سزا دینے کے لئے ان پر پابندی لگانے کے لئے حرام کردی گئیں جیسے حکومتیں سرکش لوگوں پر کرفیو لگا کر انہیں گھروں میں قید کردیتی ہیں۔ سڑک پر نکلنا جرم نہیں تھا مگر ان کی سرکشی سے جرم قرار دیا گیا۔ یہود پر حلال چیزوں کی تحریم دوسری وجہ سے تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تشریف لاکر اٹھادیں یہ حرمت عذاب تھی۔ اس کا اٹھانا

رحمت۔ میں اپنے اس دعویٰ پر دلائل اور نشان بھی لایا ہوں کہ بغیر کسی سے پڑھے توریت شریف کا حافظ و ماہر ہوں اور بچپن میں میں نے کلام کیا جس سے میری نبوت بخوبی ثابت ہو گئی لہٰذا تم میری مخالفت نہ کرو بلکہ اطاعت کرو اور خدا سے ڈرو پھر یہ بھی یاد رکھو کہ میں نہ خدا ہوں نہ اس کا بیٹا بلکہ تمہاری طرح اس کا مربوب بندہ ہوں وہ میرا رب ہے اور تمہارا بھی۔ لہٰذا تم اس کی عبادت کرو نہ کہ میری۔ یہی عقائد و اعمال رب تک پہنچانے والا سیدھا راستہ ہیں۔ جس کے سارے پیغمبروں نے تبلیغ کی اور میں بھی اس کی تبلیغ کرتا ہوں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کوئی پیغمبر کسی آسمانی کتاب کو جھٹلاتے نہیں۔ اس کی تصدیق ہی کرتے ہیں جیسا کہ **مصدقا** " **لما بین یدی** سے معلوم ہوا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے کچھ احکام ضرورت زمانہ کے لحاظ سے منسوخ کر دیں۔ **دوسرا فائدہ:** پیغمبروں کو کسی قدر شرعی احکام کا اختیار ہوتا ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **ولا حل لکم** میں حلال کر دوں۔ معلوم ہوا کہ حلال و حرام کرنے کا انہیں اختیار ہے ایک دفعہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج کرو۔ کسی نے پوچھا کہ کیا ہر سال۔ فرمایا کہ اگر ابھی ہم ہاں کہہ دیتے تو ہر سال ہی حج فرض ہو جاتا۔ نہیں عمر میں ایک بار معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہاں اور نہ میں تاثیر ہے۔ نیز ایک صحابی نے روزہ میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا۔ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اپنے اس قصور کی بابت عرض کیا' فرمایا غلام آزاد کرو عرض کیا نہیں کر سکتا اور کھانا دینے اور ساٹھ روزے رکھنے سے بھی مجبوری ظاہر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک ٹوکری کھجور دے کر فرمایا اس سے اپنا کفارہ ادا کرو۔ عرض کیا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ میں سب سے بڑا مسکین تو میں ہی ہوں۔ فرمایا خود ہی کھا لو۔ یہ حضور علیہ السلام کا اختیار تھا کہ خود خطا کار کو اس کا کفارہ کھلا دیا۔ اس کی صدہا مثالیں مل سکتی ہیں۔ اس مسئلہ کے لئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطالعہ کرو۔ **تیسرا فائدہ:** پیغمبر کی اطاعت کے بغیر تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا جیسا کہ **فاتقوا اللہ و اطیعون** سے معلوم۔ **چوتھا فائدہ:** پیغمبر اپنی نبوت کے ساتھ اپنی بندگی کا بھی اعلان فرماتے ہیں تاکہ کوئی معجزات دیکھ کر انہیں خدا نہ کہہ دے۔ اسی لئے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **ربی و ربکم** **پانچواں فائدہ:** قرآن کا نسخ حدیث سے جائز ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بعض وہ چیزیں جو توریت میں تم پر حرام کر دی گئی تھیں۔ انہیں میں حلال کر دوں۔ توریت کتاب اللہ تھی اور اس کے بعض احکام کو فرمانے والے عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ دیکھو والدین اور قرابت داروں کے لئے وصیت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ **الوصیۃ للوالدین والاقربین** مگر اسے حدیث نے منسوخ فرمایا کہ **لا وصیۃ للوارث** اور غیر وارث کے لئے بھی تہائی سے زیادہ کی وصیت حدیث شریف نے منسوخ فرمائی۔ **چھٹا فائدہ:** سیدھا راستہ وہی ہے۔ جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں اور منزل سے لوٹنے والے اس کے سیدھا ہونے کی خبر دیں۔ جو مذہب یا دین نبی یا ولی سے خالی ہو وہ سیدھا نہیں شرک مجوسیت وغیرہ نبوت سے خالی ہیں لہٰذا ٹیڑھے راستے ہیں۔ دیوبندیت' قادیانیت' نیچریت' رفض' وہابیت اولیاء اللہ سے خالی لہٰذا یہ بھی ٹیڑھے راستے ہیں۔ مذہب اہل سنت ہی سیدھا راستہ ہے کہ اس کو علماء اولیاء کی سرپرستی حاصل ہے شاہی سڑک عام گزرگاہ ہوتی ہے کہ اس پر پل اور سرکاری چوکیاں ہوتی ہیں۔ اجمیر شریف اور بغداد شریف اس کی سرکاری چوکیاں ہیں۔ سورۂ فاتحہ میں صراط مستقیم کی پہچان یہ بتائی گئی **صراط الذین انعمت علیھم** اس کی مکمل تحقیق

اسی جگہ دیکھو۔ ساتواں فائدہ: انجیل شریف توریت کی ناسخ ہے جیساکہ حرم علیکم کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں اجتماع ضدین معلوم ہو رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے مصدقاً بھی فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ توریت کو منسوخ نہ کریں گے، صرف تصدیق کریں گے اور ولاحل بھی فرمایا جس سے پتہ لگا کہ آپ نے توریت کو منسوخ کیا۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب** اس کے دو جواب تفسیر میں گزر گئے کہ نسخ تصدیق کے خلاف نہیں اور اس کی تحقیق بارہا ہو چکی یا حرام سے علماء یہود کی حرام کی ہوئی چیزیں مراد ہیں۔ یعنی جن چیزوں کو تمہارے علماء نے حرام کرا دیا۔ ان کی حلت ظاہر کروں گا۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت میں زبور کا ذکر کیوں نہیں ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تو توریت و زبور دونوں ہی کی تصدیق فرمائی۔ **جواب**: یا اس لئے کہ توریت کی تصدیق زبور کی تصدیق ہے کہ توریت اصل ہے اور زبور اس کی شرح یا فرع یا اس لئے کہ اس وقت خطاب توریت ماننے والے یہودیوں ہی سے تھا۔ **تیسرا اعتراض**: وجئتکم باٰیۃ دوبارہ کیوں فرمایا گیا اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا تھا؟ **جواب**: یا تو یہ کلام اسی پہلے کلام کی تاکید ہے اہتمام کیلئے۔ یا اس آیت سے ظاہری معجزات مراد تھے اور اس سے باطنی معجزات علم حکمت وغیرہ مراد جیساکہ ہم پہلے تفسیر میں عرض کر چکے۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بعض توریت کی حرام کردہ چیزیں حلال کیں تو وہ چیزیں اچھی تھیں یا بری۔ اگر اچھی تھیں تو توریت میں چربی حرام کیوں کی گئی تھی اور اگر بری تھیں تو آپ نے حلال کیوں کر دی؟ **جواب**: وہ چیزیں اچھی تھیں جیسے مچھلی یا جانوروں کی چربی وغیرہ۔ مگر رب تعالیٰ نے یہود کی سرکشی کی وجہ سے سزاءً حرام کر دی تھیں تاکہ ان پر سختی پڑ جائے۔ جیسے حکومتیں کرفیو لگا کر لوگوں پر سختی کر دیتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے وہ سختی دور کی گئی۔ **پانچواں اعتراض**: اگر رب تعالیٰ کے احکام نبی منسوخ کر دیں تو نبی رب سے زیادہ قوی ہوئے کہ اس کے احکام کو توڑ دیا قرآن کا نسخ حدیث سے ہرگز نہ ہونا چاہئے۔ **جواب**: نسخ میں نہ توڑ پھوڑ ہوتی ہے نہ گزشتہ کو جھٹلانا بلکہ نسخ مخلوق کے لئے تبدیلی حکم ہے اور خالق کے ہاں ختم حکم۔ یعنی گزشتہ حکم کو انتہاء پر پہنچا دینا۔ نبی کا حکم کتاب منسوخ فرمانا در حقیقت رب تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ جیسے رب کے حکم سے بخار آیا۔ دوا سے اتر گیا۔ یہ ہوا بخار کا نسخ۔ دوا نے بحکم پروردگار ہی بخار اتارا ہے مگر دوا کا واسطہ درمیان میں ضرور ہے ایسے ہی پیغمبر کا درمیان میں واسطہ ہوتا ہے۔ در حقیقت رب منسوخ فرماتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: عیسیٰ قلب نے نفسانی بنی اسرائیل سے کہا کہ میں علم ظاہر یعنی توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں کیونکہ وہ بھی رب تعالیٰ کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور اے نفس جو باطنی انوار تجھ پر تیرے گناہوں کے وجہ سے حرام ہو گئے تھے اور وہ باطنی علوم کہ جس سے تو یکسر محروم ہو چکا ہے۔ اس کے بعض حصہ کو تیری استعداد کے مطابق تجھ پر کھولوں گا۔ میں اپنی اس قدرت پر رب تعالیٰ کی طرف سے دلیل لے کر آیا ہوں کہ میرے اس وصف کی کسی نبی نے مخالفت نہ کی۔ لہٰذا اے نفسانی خواہشات تم میری مخالفت میں رب تعالیٰ سے ڈرو۔ چونکہ میں حق پر ہوں۔ لہٰذا مجھ سے جھگڑا کرنا گویا رب تعالیٰ سے جنگ ہے۔ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ تمہیں میرے ذریعہ کمال تک پہنچائے گا۔ لہٰذا تم اس کی بارگاہ میں ذلت اور انکسار ظاہر کر کے اور اس کے دروازے پر ٹھہر کر اس کی عبادت کرو اور میری دعوت توحید میں اطاعت کرو۔ یہ وہ سیدھا راستہ ہے جو تمہیں تمہارے رب تک پہنچائے گا۔ (ابن عربی و روح المعانی) نفس میں دو طاقتیں ہیں نظری اور عملی۔ ان دونوں کو کامل کرنا نفس کا کمال ہے۔

ربی و ربکم میں قوت نظری کی طرف اشارہ ہے۔ اور فاعبدوہ میں کمال قوت عملی کی طرف۔ جو ان دو کمالوں کو جمع کرے گا وہ سیدھے راستے پر چل سکتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک علم و عمل استقامت کے مقدمات ہیں۔ کسی نے جنید بغدادی سے پوچھا کہ ہم رب تک کیسے پہنچیں۔ فرمایا توبہ کرتے رہو۔ رب سے ڈرتے رہو۔ اس کی رحمت کے امیدوار رہو۔ ہر حال میں ذکر اللہ کرو۔ نفس کو ہمیشہ ذلیل رکھو کہ موت کو قریب اور اپنی امیدوں کو دور جانو۔ پوچھا گیا کہ بندہ میں یہ صفتیں کیونکر پیدا ہوں۔ فرمایا' قلب مفرد سے جس میں توحید مجرد ہو۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ استقامت بہت دشوار چیز ہے۔ یہ محض فضل رب سے حاصل ہوتی ہے۔ سچے بندے کی یہ پہچان ہے کہ ہمیشہ اطاعت میں مشغول رہے۔ رب تعالیٰ کے سواء کسی کو نہ دیکھے نہ جنت کو نہ دوزخ کو۔ جس کا عقیدہ' عمل غرض سے خالی ہو گیا۔ اسے استقامت حاصل ہو گئی۔ اس کے لئے ازلی قابلیت اور شیخ کامل کی تربیت ضروری ہے۔ اچھوں کی نگاہ اور صحبت پتھر کو جوہر اور قطرہ کو گوہر کر دیتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

سالہا باید کہ اندر آفتاب   لعل یابد رنگ درخشانی و تاب

اسی لئے یہاں فاتقوا اللہ کے ساتھ واطیعون فرمایا گیا (روح البیان) مگر یہ اوصاف ایک دم حاصل نہیں ہوتے۔ اس کے لئے مدت درکار ہے۔ نہ قطرہ ایک دم موتی بن جاتا ہے نہ پتھر ایک دم لعل۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخر میں فرمانا۔ فاتقوا اللہ اس تمام گفتگو شریف کا مقصد بیان کرنے کے لئے ہے یعنی میں نے اپنے فضائل بڑائی شیخی کے لئے بیان نہ کئے بلکہ اس لئے تاکہ تم رب سے ڈرو' ایمان لاؤ' رب سے ڈرو محرمات سے بچو' رب سے ڈرو مشتبہات سے بچو' غافل کرنے والی دنیا سے بچو' تقویٰ کے چاروں درجے ایک فاتقوا اللہ میں بیان کر دیئے۔ اپنی اطاعت کا ذکر فرما کر یہ بتایا کہ تم تقویٰ کے کسی درجہ پر پہنچ کر میری اطاعت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے کوئی شخص گیس کی روشنی حاصل کر کے گیس سے بے نیاز نہیں۔ اطاعت رب کی بھی ضروری ہے مگر جب کہ ان کے حکم خلاف شروع نہ ہوں۔ نبی کی اطاعت بہر حال لازم ہے اگرچہ وہ کسی کو کسی کا حکم دیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوسرے نکاح سے روک دیا۔ حضرت خزیمہ کی گواہی دو کے برابر فرما دی۔ سب کی اطاعت ضروری ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ

پس جب محسوس کیا عیسیٰ نے طرف سے ان کے کفر کو تو فرمایا کون ہیں مددگار میرے طرف اللہ کے کہا

پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر پایا بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف حواریوں نے کہا ہم دین

الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

ساتھیوں نے کہ ہیں مددگار اللہ کے ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور گواہ رہیے اس کے کہ ہم مسلمان ہیں

خدا کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا

اے رب ہمارے ایمان لائے ہم ساتھ اس کے جو اتارا تو نے اور پیروی کی ہم نے اس رسول کی پس لکھ لو ہم

اے رب ہمارے ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے اتارا اور رسول کے تابع ہوئے تو ہمیں حق کی گواہی دینے والوں میں لکھ لے

وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

کو ساتھ گواہوں کے ÷ اور فریب کیا انہوں نے اور خفیہ تدبیر کی اللہ نے اور اللہ تدبیر کرنیوالا ہے بہتر ہے

کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر کرنیوالا ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کے معجزات کا ذکر فرمایا۔ اب ان کی قوم کے اس معاملہ کا ذکر ہے جو انہوں نے آپ کے ساتھ کیا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں آنے کا ذکر تھا جو کہ رحمت الٰہی ہے اب اس قوم کی ناقدری کا ذکر ہے کہ انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ جو ان کے لئے سراپا رحمت تھی اس ذکر سے مقصود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ اگر آپ کے زمانہ کے ناقدرے کفار آپ کی تبلیغ کا اثر نہیں لیتے تو آپ مغموم نہ ہوں یہ ناقدری تو ہوتی چلی آئی ہے۔ دیکھئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا کچھ نہ فرمایا مگر قوم نے کیا الٹا اثر لیا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر آنے کا ذکر تھا اب زمین سے آسمان کی طرف جانے کی تمہید ہے۔ آپ کا یہاں آنا بھی معجزہ تھا اور یہاں رہنا بھی معجزہ اور یہاں سے جانا بھی معجزہ۔ ان کے دو معجزات کے بعد اب تیسرے کا ذکر ہے۔

تفسیر : **فلما احس عیسی منھم الکفر** یہ نیا جملہ ہے اور ف فصیحہ۔ اس سے پہلے ایک دراز عبارت پوشیدہ ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام ان میں تشریف بھی لے آئے۔ ان سے یہ گفتگو بھی فرمائی۔ پھر جب ان سے کفر کا احساس کیا **احس** احساس سے بنا جس کا مادہ حس ہے۔ اس کی جمع حواس آتی ہے۔ احساس کے معنی ہیں حواس سے معلوم کر لینا۔ یعنی آنکھ یا ناک یا کان یا چھونے سے معلوم کرنا مگر کبھی علم یقین کو بھی احساس کہہ دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہاں یہی مراد ہو کیونکہ کفر و ایمان احساسی چیزیں نہیں اور ہو سکتا ہے کہ احس ظاہری معنی میں ہو اور کفر سے علامات کفر یا کفر پر ضد مراد ہو مگر قوی تر یہ ہے کہ احس بالکل ظاہری معنی میں ہو۔ اگرچہ کفر و ایمان محبت و بغض محسوس چیزیں نہیں مگر نگاہ ان تمام چیزوں کو دیکھ لیتی ہے جیسے ہم خواب و خیال میں ان عوارض کو شکلوں سے دیکھ لیتے ہیں اور قیامت میں تو ہر شخص اپنے اعمال کو مختلف شکلوں میں دیکھے گا۔ یہی عمل تولے بھی جائیں گے **منھم** کا مرجع وہ منکر یہودی ہیں۔ جنہوں نے آپ کی مخالفت پر کمر باندھی یا منافق لوگ جو بظاہر آپ کے ساتھ تھے اور در حقیقت یہودیوں کے ساتھی۔ یا مرتدین جو پہلے مخلص مومن تھے اور پھر روپیہ کے لالچ میں ایمان سے پھر گئے۔ جس کا ذکر ان شاء اللہ خلاصہ ء تفسیر میں آئے گا۔ کفر سے یا ان کا ظاہر کفر مراد ہے یا علامات کفر یا منافقت یا ارتداد یا آپ کے قتل کا ارادہ۔ لہٰذا اس جملہ کے پانچ چھ معنی ہو سکتے ہیں مگر ظاہر یہ ہے کہ کفر سے مراد ارادۂ قتل یا تدبیر قتل ہے۔ نبی کے قتل کا ارادہ بھی کفر ہے اگرچہ آپ کو قتل کرنے کا بیڑا طیطانوس نے اٹھایا تھا مگر چونکہ دوسرے یہود نے اس کی مدد کی مشورے دیئے انعام کا

لالچ دیا۔ اس لئے ان سب کا ذکر ہوا کہ گناہ کرنا کرانا' رغبت دینا' بلکہ گناہ سے راضی ہونا' سب ہی گناہ ہے۔ بہر حال منہم فرمانا بالکل حق ہے۔ یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام۔ نے ان یہود سے علامات کفر دیکھ لیں یا ان کا کفر یقین سے معلوم فرمالیا وقال من انصاری الی اللہ۔ یہ کلام یا تو ہر مومن سے فرمایا جیسا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے فامنت طائفۃ من بنی اسرائیل وکفرت طائفۃ۔ یا اپنے خاص دوستوں اور حواریوں سے جیسا کہ سورۂ صف میں فرمایا گیا قال عیسیٰ ابن مریم للحواریین من انصاری۔ من استفہامیہ ہے اور انصار نصیر کی جمع ہے۔ جیسے شریف کی جمع اشراف۔ بعض نے فرمایا کہ جمع نصر کی ہے الی یا تو اپنے معنی میں ہے اور یہ جار مجرور پوشیدہ سے متعلق ہو کر انصاری ی کا حال ہے۔ جو کہ در حقیقت انصار کا مفعول ہے اصل عبارت یوں ہے۔ من انصاری ملتجاء" اور ذاھبا الی اللہ یعنی میں جب رب کی طرف جانے لگوں تو اس وقت میرا مددگار کون ہوگا جو یہودیوں سے بچائے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ الی بمعنی مع ہے یعنی رب کے ساتھ میری مدد کون کرے گا۔ بعض کے خیال میں الی بمعنی لام یا بمعنی فی ہے یعنی اللہ کی راہ میں یا خدا کے واسطے میرا مددگار کون ہے کہ جس کی نیت رضاء الٰہی ہو نہ کہ دنیا حاصل کرنا (کبیر و روح المعانی وغیرہ) قال الحواریون نحن انصار اللہ۔ یہ اس جملہ کا جواب ہے حواریون حواری کی جمع ہے بمعنی خاص دوست۔ اسی واسطے خالص آٹے کو دقیق کہتے ہیں اور خاص رنگ والی عورتوں کو نساء حواریات' بعض نے فرمایا حوار ایک شہر کا نام تھا چونکہ یہ لوگ وہاں کے رہنے والے تھے۔ اس لئے ان کا لقب حواری ہوا ی نسبتی ہے۔ بعض کے نزدیک یہ لفظ حور سے بنا بمعنی لوٹنا' رب تعالیٰ فرماتا ہے انہ ظن ان لن یحور اس لئے مشورہ کو تحاور کہتے ہیں کہ اس میں ایک دوسرے کی طرف کلام لوٹایا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے واللہ یسمع تحاورکما چونکہ خالص دوست کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اس لئے اسے حواری کہا جاتا ہے۔ بعض کے خیال میں حواری حور بمعنی سفیدی سے بنا۔ جس کی آنکھ کی سفیدی خوب تیز ہو۔ اسے حورہ کہتے ہیں۔ اس لئے جنت کی عورتوں کا نام حور ہے۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے یہ ساتھی یا تو دھوبی تھے کہ لوگوں کے کپڑے سفید کیا کرتے تھے یا خود سفید کپڑے پہنتے تھے یا ان کے چہرے سفید تھے یا ان کے دل منور تھے اور اخلاق پاکیزہ۔ اس لئے انہیں حواری کہا گیا۔ قتادہ اور مقاتل وغیرہ نے یہی فرمایا۔ یہ کل بارہ حضرات تھے جن میں یعقوب' شمعون اور یوحنا بھی داخل ہیں۔ رہی یہ تحقیق کہ یہ کون لوگ تھے۔ انشاء اللہ اس کا ذکر خلاصہ ء تفسیر میں آئے گا۔ بعض نے کہا کہ یہ انتیس آدمی تھے مگر پہلی بات صحیح ہے۔ انصار اللہ میں یا دین پوشیدہ ہے یا کچھ پوشیدہ نہیں عیسیٰ علیہ السلام کے خالص دوستوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے دین کے یا اللہ کے نبی کے یا اللہ کے مددگار ہیں۔ امنا باللہ یہ نیا جملہ ہے گویا پہلے جملہ کی دلیل ہے اس جملہ کے دو مقصد ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم کو ایمان جیسی دولت آپ کے ذریعہ سے ملی تو اس کا شکریہ ضرور ادا کریں گے کہ آپ پر پروانہ وار فدا ہو جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ ہم نے ایمان کا دعویٰ کیا ہے اس کے ثبوت کے لئے ہم آپ قربان ہوں گے۔ جڑ کی دلیل شاخیں ہوتی ہیں۔ ایمان کی دلیل اعمال۔ اور سب سے بڑا عمل نبی پر صدقے ہو جانا ہے۔ قیامت میں وضو کی چمک' سجدہ گاہ کی نورانیت دلیل ایمان ہوگی۔ بہر حال امنا باللہ یا نحن انصار اللہ کی دلیل ہے یا اس کا عکس۔ اس میں مسلمانوں کو تعلیم ہے کہ اپنے ایمان کا ثبوت دنیا میں قائم کریں اور بوقت ضرورت دین پر نثار ہو جایا کریں۔ ایمان باللہ کے معنی بارہا بیان ہو چکے' یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے اور مومن کی شان ہے کہ وہ اللہ کے دین کی مدد کرے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کا جاننا ماننا اور ہے' اور مگر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کچھ اور۔ اللہ کو جاننا ماننا ذریعہ ء نجات نہیں۔ اللہ کو جاننا ماننا تو

شیطان بھی ہے اور بہت سے کفار بھی مگر وہ سب ہیں دوزخی ' اللہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ اس کی ذات و صفات کو مانا جائے اس کے رسولوں ' کتابوں ' فرشتوں ' جنت ' دوزخ قیامت وغیرہ تمام ایمانیات کو مانا جائے لہٰذا امنا فرمانے میں ان تمام کے ماننے کا ذکر ہو گیا۔ **واشھد بانا مسلمون** یہ جملہ امنا پر معطوف ہے یا تو وہ بھی جملہ انشائیہ تھا یا جملہ انشائیہ کی خبریہ عطف جائز ہے۔ **واشھد** میں عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہے۔ **مسلمون** یا لغوی معنی میں ہے یعنی اطاعت کرنے والے اور پیروکار یا اصطلاحی معنی میں کہ ان کا دین بھی اسلام تھا (خازن وغیرہ) یعنی اے عیسیٰ علیہ السلام آپ اس پر گواہ رہیں کہ ہم آپ کے مطیع یا مسلمان ہیں۔ خیال رہے کہ دنیا میں تو ہم رسول کے گواہ ہیں مگر آخرت میں رسول ہمارے ایمان و اسلام کے گواہ ہوں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویکون الرسول علیکم شھیدا** قیامت میں مومن کے ایمان کے گواہ بہت ہوں گے۔ کاتب اعمال فرشتے ' جہاں مومن نماز پڑھتا تھا وہ جگہ ' جہاں تک مومن کی اذان کی آواز پہنچتی تھی وہاں تک کے کنکر پتھر ذرے ' قطرے سب ایمان کے گواہ ہیں۔ پھر نبی کی گواہی سب سے اعلیٰ گواہی ہوگی **ربنا امنا بما انزلت واتبعنا الرسول** یہ بھی حواریوں کا کلام ہے اور رب سے عرض و معروض۔ اگلی دعا کی تمہید کے لئے اپنی وفاداری کا اظہار ہے **ما انزلت** سے یا انجیل شریف مراد ہے یا اس سے پچھلی ساری کتابیں یا اگلی یا پچھلی ساری آسمانی کتابیں اور صحیفے یا ساری کتابیں اور انبیائے کرام کے معجزات **اتبعنا** اتباع سے بنا۔ جس سے مراد عقائد و اعمال میں پیروی کرنا ہے الرسول میں الف لام عہدی ہے اور اس سے عیسیٰ علیہ السلام مراد۔ یعنی اے مولیٰ ہم انجیل شریف یا تیری ساری کتابوں پر ایمان لاچکے یا ایمان لاتے ہیں اور اس رسول یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی ہر طرح پیروی کرتے ہیں لہٰذا **فاکتبنا مع الشھدین** : **امنا** اور **واتبعنا** تمہید دعا تھی۔ یہ جملہ اصل دعا ہے چونکہ ان حواریوں کو اب اپنی موت کا گمان غالب ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے یہ دعا کی تھی اور چونکہ اس وقت وہ حضرات اپنی زندگی سے قریباً" مایوس تھے۔ اس لئے آخرت کے متعلق ہی دعا مانگی۔ نیز آخرت کی نعمتوں میں سے سب سے اعلیٰ نعمت اچھوں کا ساتھ ہے اس لئے اس کی التجا کی کہ اگر وہ نعمت نصیب ہو گئی تو سب کچھ مل گیا اس میں ہم لوگوں کو دعا کی تعلیم ہے **اکتب۔ کتابۃ** سے بنا بمعنی لکھنا اور ثابت کرنا ' اور داخل کرنا۔ لفظ کتابت قرآن پاک میں بہت معنی میں استعمال ہوا۔ اگر اس سے لکھنا مراد ہے تو نامہ اسماء نامراد ہوں گے اور اس سے نیکیوں کی کتاب میں نام لکھنا مراد ہو گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان کتاب الابرار لفی علیین** اور اگر کتابت سے ثابت کرنا اور داخل کرنا مراد ہو تو اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ **شاھدین شاھد** کی جمع ہے بمعنی گواہ اور حاضر اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت ہے کیونکہ قیامت میں مسلمان نبیوں کے گواہ ہوں گے اور حضور علیہ السلام مسلمانوں کے **ویکون الرسول علیکم شھیدا** حضرت عکرمہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول ہے۔ (خازن و کبیر و روح المعانی و بیان وغیرہ) خیال رہے کہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں تو نبیوں کی گواہ ہے اور دنیا میں مسلمانوں کی بھی گواہ اور دوسری چیزوں کی بھی گواہ ' چنانچہ جس شخص کو عام مسلمان جنتی کہیں وہ واقعی جنتی ہے اور جسے عام مسلمان دوزخی کہیں وہ دوزخی ہے۔ حضور فرماتے ہیں **انتم شھداء اللہ فی الارض** ایسے ہی جس چیز کو عام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی ایسی ہے۔ حضور فرماتے ہیں **ماراہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن** چونکہ مسلمانوں کے یہ فضائل حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے سنے تھے اس لئے انہوں نے یہ دعا کی۔ ابو صالح نے کہا کہ شاھدین سے مراد انبیاء کرام ہیں کیونکہ ہر نبی اپنی امت کا یا اپنی امت پر گواہ ہے۔ مقاتل نے فرمایا کہ اس سے سچے لوگ مراد ہیں۔ زجاج

نے فرمایا کہ اس سے تمام انبیاء کی مومن امتیں مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے فرشتے مراد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة** بعض کا خیال ہے کہ شاہدین سے مراد شہود جمال میں مستغرق ہونے والے ہیں جنہیں مشاہدہ جمال کی وجہ سے سختیوں اور تکالیف محسوس ہی نہ ہوں مگر پہلا قول نہایت صحیح ہے۔ یعنی اے مولیٰ چونکہ ہم تیرے رسول کے ہر طرح پیرو کار بن چکے ہیں لہذا ہمارے نام گواہوں کے رجسٹر میں انہیں کے ساتھ درج فرما ہمیں حق پر گواہی دینے والوں کے زمرہ میں داخل کر۔ یا ہمیں آخرت میں انبیاء کرام کی ہمراہی و معیت نصیب فرما تاکہ اگر ان کی ہمراہی نصیب ہو گئی تو سب کچھ مل گیا اور ہم ہر آفت سے بچ گئے۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانہ والے
گر محمد کا ساتھ ہو جائے پھر تو سمجھو نجات ہو جائے

برات کی دھوم دھام اگرچہ دولہا کے دم قدم سے ہوتی ہے مگر دولہا کے طفیل اس کے ساتھی بھی کھانے وغیرہ سے نوازے جاتے ہیں اور دولہا کے دائمی خدمتگار کھانے کے علاوہ انعامات بھی پا جاتے ہیں یا ہمیں مشاہدہ کرنے والوں میں سے بنا کہ بوقت موت و قتل جنت وغیرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ جس سے نہ ہمیں قتل کا احساس ہو نہ شدت نزع کا جیسے حضرت آسیہ کو چومکا کرتے وقت جنت دکھائی گئی۔ شاہد محبوب کو بھی کہہ دیتے ہیں اگر یہ معنی ہوں تو مطلب یہ ہو گا کہ ہمیں اپنے محبوبوں کے ساتھ رکھ اکیلا نہ رکھ۔ کیونکہ شیطان اکیلے کو جلدی شکار کرتا ہے نہ مردودوں کے ساتھ رکھ۔ **ومكروا ومكر الله** مکر کے لغوی معنی پوشیدگی ہیں اس لئے اندھیرے کو مکر کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے **مكر الليل** رات کا اندھیرا (کبیر) اصطلاح میں خفیہ تدبیر کو مکر کہنے لگے۔ جس کی دوسرے کو خبر نہ ہونے دی جائے۔ یہ دو قسم کا ہے اچھا اور برا فسادی کی تدبیر بری ہے اور فسادیوں کو پکڑنے کی خفیہ تدبیر اچھی ڈاکوؤں نے ڈکیتی کی چھپی تدبیریں کیں وہ ملزم ہیں۔ پولیس نے انہیں گرفتار کرنے کی خفیہ تدبیر کی یہ نہایت اچھا۔ اسی لئے عربی میں بھی بری تدبیر کو مکر السیئی کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا يحيق المكر السيئ الا باهله** اچھی تدبیر کو مکر خیر جیسے **والله خير الماكرين** بعض نے فرمایا کہ مکر کے لغوی معنی اجتماع و مضبوطی اور پختگی ہیں اس لئے حسین عورت کو امرۃ ممکورۃ کہتے ہیں۔ یعنی جس میں اسباب حسن جمع ہوں لہذا مضبوط فساد بھی مکر ہے اور مضبوط پکڑ بھی مکر۔ بعض نے کہا کہ مکر کے معنی خفیہ فساد ہی ہیں مگر کبھی جرم کے بدلے کو بھی جرم کا نام دے دیتے ہیں۔ جیسے **جزاء سيئة سيئة** غرض ان دو مکروں میں بڑا فرق ہے اس لئے یہ صیغہ دو جگہ استعمال فرمایا یہاں پہلے **مكروا** کا فاعل وہ یہود ہیں۔ جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش کی یعنی ان یہودیوں نے حضرت مسیح کے قتل کی بڑی مضبوط خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے انہیں بچانے کی اہم خفیہ تدبیر فرمائی کہ انہیں زندہ آسمان پر بلا لیا اور انہیں کے ایک آدمی کو قتل کرا دیا۔ اس کا واقعہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں آئے گا مگر خیال رہے کہ مکر مخالف تدبیر کو کہتے ہیں اور وہ مخالف ہی سے چھپائی جاتی ہے۔ جس کے حق میں ہو اس پر ظاہر کر دی جاتی ہے چنانچہ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی اس تدبیر پر مطلع فرما دیا جیسا کہ آگے ارشاد ہو رہا ہے **واذ قال الله يعيسى** آیت کے معنی یہ ہوئے کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے یہود کے خلاف خفیہ تدبیر کی۔ چونکہ رب تعالیٰ اپنے بندوں کا بدلہ ان کے دشمنوں سے خود لیتا ہے اس لئے یہ ارشاد نہ ہوا کہ یہود کے جواب میں عیسیٰ علیہ السلام نے خفیہ تدبیر کی بلکہ فرمایا کہ رب نے تدبیر کی۔ مقبولوں کا دشمن رب کا دشمن ہے اور ان کا دوست رب کا

دوست **واللہ خیر المٰکرین** یہاں خیر سے مراد یا مضبوط ہے یا بہتر یعنی اللہ تمام تدبیر کرنے والوں میں بہتر اور اچھی تدبیر والا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ حکیمانہ کلام اور اپنے معجزات اس قوم کے سامنے پیش کیے تو انہوں نے بجائے اطاعت کے ان کے قتل کی تدبیر کی۔ لہٰذا جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس ارادہ اور پختہ کفر کو علامات سے محسوس فرمایا تو اپنے متبعین سے خطاب کیا کہ فی سبیل اللہ میرا مددگار کون ہے۔ ان کے خاص دوستوں نے کہا کہ ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔ اے عیسیٰ علیہ السلام ہم آپ کی ضرور مدد کریں گے۔ اس مدد پر نہ کوئی دنیوی اجرت مانگتے ہیں نہ کوئی اور چیز۔ صرف خواہش یہ ہے کہ آپ قیامت کے دن ہماری اطاعت اور فرماں برداری اور مسلمان ہونے کی گواہی دیں۔ پھر رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگے کہ اے مولیٰ ہم تیری تمام اتاری ہوئی کتابوں اور معجزات پر ایمان لائے اور سچے دل سے ظاہر و باطن میں تیرے اس رسول کے پیروکار بنے لہٰذا تو ہمیں نبی آخر الزمان کے زمرے میں داخل فرمالے جو قیامت میں انبیاء کرام کے گواہ ہوں گے یا ہمارا نام ان کے رجسٹر میں درج فرما۔ اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی خفیہ تدبیریں بہت کچھ کیں اور رب تعالیٰ نے انہیں بچانے کی ایسی پختہ اور قوی تدبیر فرمائی جس سے یہود بے خبر ہے اور اللہ تعالیٰ تمام تدبیر کرنے والوں میں بہتر اور قوی تدبیر فرمانے والا ہے کہ اس نے خفیہ طور پر عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر بلا لیا اور جو قتل کے ارادہ سے آپ کے پاس آیا تھا۔ اسے عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل کر کے تختۂ دار پر لٹکوا دیا۔ یہود اب تک حیران ہیں کہ اگر ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور اگر اپنے آدمی کو سولی دی تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے۔ یقیناً ہماری تدبیر ان کی تدبیر سے قوی ہے اور ہم اعلیٰ تدبیر فرمانے والے ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا واقعہ

عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے واقعہ میں مفسرین کا قدرے اختلاف ہے۔ ہم ان میں سے قوی روایت تفسیر خازن و روح المعانی و بیان وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو تبلیغ فرمائی تو انہوں نے آپ کے مقابلہ سے عاجز ہو کر آپکی شان میں بکواس کرنا' آپ کی والدہ ماجدہ کو تہمت لگانا اور آپ کو ایذا دینا شروع کر دی۔ ایک دن آپ شہر میں گشت لگا رہے تھے کہ شہر کے لوگوں نے آپ کو بہت پریشان کیا تب آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ مولیٰ اب صبر کا پیالہ بھر چکا۔ اب سب کو سور بنادے آپ کے منہ سے یہ نکلنا تھا کہ وہ سب سور ہو گئے۔ لوگوں پر اس واقعہ سے ہیبت طاری ہو گئی۔ کسی نے بادشاہ وقت یہود کو خبر دی کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسے مقبول الدعاء ہیں کہ انہوں نے اتنی جماعت کو سور بنا دیا۔ تو بھی ان کا مخالف ہے "اپنی خیر منا۔ کبھی ان کی بددعا سے تیرا بھی یہی حال ہوتا ہے اس نے کہا کیا کیا جائے۔ ایسے مقبول بارگاہ کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ وہ بولا کہ انہیں کسی حیلہ سے شہید کر دیا جائے تاکہ ان کی بددعا کا اندیشہ جاتا رہے۔ چنانچہ ایک شخص طیطانوس کو اس کام کے لئے منتخب کیا گیا۔ طیطانوس ایک منافق آدمی تھا جو بظاہر عیسیٰ علیہ السلام کی محبت کا دم بھرتا تھا اور در پردہ یہود سے ملا ہوا تھا۔ جب یہ واقعہ ہونے والا تھا' تب

ہی عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی حواریوں سے فرمایا تھا کہ آج صبح سے پہلے ایک شخص مجھے چند درہم کے عوض فروخت کردے گا۔ ہمیشہ ہی سے پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی رہتے ہیں اور مخاصین کے ساتھ منافقین بھی رہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی ایسے ہی مار آستین دوست نما دشمن تھے۔ وہ حضرات ان منافقوں کو پہچانتے تھے مگر چشم پوشی سے کام لیتے جیساکہ عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان سے معلوم ہو رہا ہے۔ چنانچہ طیطانوس کو یہود کی طرف سے تیس درہم یعنی ساڑھے سات روپے دینے کا وعدہ کیا گیا۔ اس شرط پر کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اچانک شہید کردے یا کرادے۔ چنانچہ طیطانوس جماعت یہود کو اپنے ساتھ لے کر اندھیری رات میں آپ کے قیام گاہ پر گیا ان سب کو اس گھر کے آس پاس کھڑا کر کے خود اندر داخل ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اچانک کھڑکی کے ذریعہ اس حجرہ میں سے نکل کر آسمان پر تشریف لے گئے۔ یہ حیران رہ گیا۔ باہر کے یہودی سمجھے کہ شاید طیطانوس عیسیٰ علیہ السلام سے جنگ کر رہا ہے۔ اس لئے واپسی میں دیر ہوئی۔ رب تعالیٰ نے طیطانوس کو عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا۔ اب یہ باہر آیا۔ اس کے نکلتے ہی ان یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے شبہ میں اسے پکڑ لیا۔ یہ لاکھ چیخا چلایا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں۔ حضرت مسیح کو قتل کرنے گیا تھا مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ بولے کہ اے عیسیٰ تو نے ہمارے آدمی کو قتل کر دیا۔ اب ہمیں دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر اسے سولی پر چڑھا دیا۔ آج تک عیسائی بھی اس وہم میں مبتلا ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر سولی دے دی گئی اور پھر انہیں دوبارہ زندہ کر کے آسمان پر پہنچایا گیا۔ اس لئے سارے عیسائی صلیب کو پوجتے ہیں اور اس سولی کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ طیطانوس کو سولی دی گئی نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو۔ فقیر نے اس سولی گاہ اور تمام مقامات کی بیت المقدس میں زیارت کی۔ حضرت مریم کو خبر پہنچی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی۔ آپ ایک عورت کے ساتھ صلیب پر پہنچیں اور اس لٹکی ہوئی لاش کے سامنے بیٹھ کر زار و زار رونے لگیں۔ کئی روز تک برابر سال آتی تھیں اور روتی تھیں۔ ساتویں روز عیسیٰ علیہ السلام کو حکم الٰہی ہوا کہ جاؤ اپنی ماں کو تسکین دو۔ لہٰذا آپ ایک پہاڑ پر رات کے وقت اترے۔ سارا پہاڑ نور سے منور ہو گیا اپنی والدہ اور حواریوں کو بلایا۔ آپ کی والدہ آپ سے لپٹ کر رونے لگیں اور بولیں اے عیسیٰ تم کہاں۔ فرمایا والدہ محترمہ میں بخیریت ہوں۔ جس کو سولی دی گئی ہے وہ اور شخص ہے۔ تم صبر کرو اپنے حواریوں کو تبلیغ احکام کی ہدایت فرمائی اور سب کے لئے علاقے مقرر کئے کہ فلاں فلاں علاقے میں دین کی خدمت انجام دو۔ یہ سارا کام تقسیم کر کے آپ پھر اوپر چلنے لگے۔ حضرت مریم نے کہا کہ کہاں جاتے ہو فرمایا رب تعالیٰ کے پاس۔ بولیں کب ملو گے فرمایا تم سے قیامت کے دن اور پھر نگاہوں سے غائب ہو گئے۔

نوٹ : حضرت مریم تیرہ سال کی عمر میں حاملہ ہوئیں اور بیت المقدس میں بیت اللحم کے علاقہ میں ایک جنگل میں درخت کھجور کے نیچے جو پہلے خشک تھا' آپ کے ہاتھ لگنے سے سرسبز اور پھل دار ہو گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش سکندر کے فتح بابل کے پینسٹھ سال بعد ہوئی اور تیس سال کی عمر میں آپ پر وحی آئی اور تینتیس سال کی عمر میں رمضان کی ستائیسویں شب یعنی شب قدر میں آپ آسمان پر تشریف لے گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کے بعد چھ سال زندہ رہیں۔ اس حساب سے حضرت مریم کی عمر شریف باون سال ہوئی۔ (تفسیر خازن) فقیر نے اس جگہ کی زیارت کی ہے۔ اب آپ قریب قیامت تشریف لائیں گے۔ دنیا میں چالیس سال قیام فرما کر وفات پائیں گے۔ اس حساب سے عیسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف کل بہتر سال ہو گی۔ مدینہ منورہ میں حضور علیہ السلام کے برابر روضہ مطہرہ میں دفن ہوں گے اس لئے روضہ پاک میں چار قبروں کی

جگہ تھی۔ تین بن چکیں اب چوتھی قبر شریف آپ کی ہوگی اور قیامت کے روز یہ چار حضرات ایک ساتھ اٹھیں گے۔ دو نبی اور صدیق و فاروق (حدیث شریف) انشاء اللہ اس کا پورا واقعہ چھٹے پارہ سورۂ نساء میں آئے گا۔

حواری : اس لفظ کی مکمل تحقیق تفسیر میں ہو چکی۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ لوگ کون اور کتنے تھے، بعض نے فرمایا کہ بارہ تھے بعض کے نزدیک انتیس مگر پہلی روایت صحیح ہے۔ ان بارہ حواریوں کے نام لوقا اور مرقس انجیل میں یہ بتاتے ہیں۔ شمعون یعنی پطرس، اندریاس، یعقوب ابن زیدی، یوحنا، فلپس، برتلمائی، توما، متی، یعقوب ابن حلفی، تدی، شمعون، قانی، یہودا اسکریوتی۔ بعض نے فرمایا کہ یہ لوگ مچھیرے تھے (مچھلی کے شکاری) ایک دن حضرت عیسٰی علیہ السلام ان پر گزرے یہ مچھلی کے شکار میں مشغول تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم میری پیروی کرو تو تم آدمیوں کا شکار کرنے لگو وہ بولے آپ کون ہیں فرمایا عیسٰی ابن مریم اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔ انہوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا۔ اتفاقاً" شمعون کے ہاتھ اس دن کوئی شکار نہ آیا تھا۔ آپ نے اسے جال پھینکنے کا حکم دیا آپ کی دعا سے اتنی مچھلیاں پھنسیں کہ دو کشتیاں بھر گئیں یہ بارہ کے بارہ سب کچھ چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گئے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ لوگ رنگریز تھے۔ ان کے ایمان لانے کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت مریم نے عیسٰی علیہ السلام کو ایک رنگریز کے پاس یہ ہنر سیکھنے کے لئے بھیجا۔ سکھانے والے نے آپ کو اپنے سے بڑھ کر پایا۔ ایک دن وہ کسی کام کے لئے چلا تو آپ سے کہہ گیا کہ دوکان میں لوگوں کے کپڑے پڑے ہوئے ہیں جو رنگنے کے لئے آئے ہیں۔ ان پر میں نے مختلف نشانیاں لگا دی ہیں۔ جس پر جس رنگ کی نشانی ہو ویسا ہی اسے رنگ دینا اور دیکھو یہ برتنوں میں رنگ گھلے ہوئے رکھے ہیں آپ نے وہ سب کپڑے ایک ہی برتن میں ڈال دیئے۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو بولا کہ کپڑے کیا کئے آپ نے فرمایا اس مٹ میں ہیں۔ وہ بولا سب؟ فرمایا ہاں، اس نے اپنا سر پیٹ لیا اور کہا اب میں کپڑے والوں کو جرمانہ کہاں سے بھروں گا۔ تم نے سب کپڑے یکساں رنگ دیئے۔ فرمایا جا اللہ کا نام لے کر نکال۔ وہ گیا، جب گیا تو ہر کپڑے کا رنگ مختلف تھا۔ آپ نے فرمایا یہ تو کپڑے ہیں۔ مجھے تو رب نے انسانوں کو رنگنے کی قدرت بخشی ہے یہ دیکھ کر وہ اور اس کے ساتھی ایمان لے آئے اور یہی لوگ آپ کے حواری بنے۔ قفال فرماتے ہیں کہ ان روایات میں مطابقت یوں ہے کہ حواری ایک ہی قسم کے لوگ نہ تھے بلکہ ان میں کوئی دھوبی تھا۔ کوئی رنگریز تھا۔ اور کوئی مچھیرا اور کوئی بادشاہ۔ جیسے ہمارے حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام (روح المعانی و خازن وغیرہ)۔

لگایا تھا مالی نے ایک باغ ایسا　　نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

بعض علماء فرماتے ہیں کہ کل قیامت میں ان حواریوں کا حشر امت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گا کیونکہ انہوں نے دعا مانگی تھی **فاکتبنا مع الشھدین** خداوندا ہمیں امت مصطفٰی کے ساتھ لکھ لے جو کہ نبیوں کے گواہ ہیں۔ جیسا کہ بعض کلمہ گو مسلمانوں کا حشر عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ ہو گا جنہیں دنیا میں ان سے محبت ہے۔ قیامت میں ہر شخص اسی کے ساتھ ہو گا، جس سے دنیا میں محبت کرتا رہا ہے۔ حواری تو پھر انسان ہیں۔ اصحاب کہف کا کتا انسانی شکل میں اصحاب کہف کے ساتھ جنت میں جائے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ اگرچہ کتا ہے مگر رب کے پیاروں سے محبت کرنے والا ہے اللہ تعالٰی اچھوں کی صحبت نصیب کرے۔

حواریوں کی تبلیغ : محمد ابن اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد یہود نے حواریوں کو بہت ستایا اور انہیں بہت دکھ دیئے۔ یہ خبر کسی طرح بادشاہ روم داؤد ابن نوذہ کو پہنچی کہ شام میں ایک بزرگ پیدا ہوئے تھے جنہوں نے دعویٰ نبوت فرمایا۔ انہیں تو یہود نے سولی دے دیا اور اب ان کے جانشین یہود کے ہاتھوں سخت مصیبت میں ہیں اس نے شاہ یہود سے سفارش کر کے ان حضرات کو اپنے ملک روم میں بلالیا اور ان سے عیسیٰ علیہ السلام کے حالات سن کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی پھر بنی اسرائیل پر حملہ کر کے ان کا قتل عام کیا۔ اس وجہ سے روم میں نصرانیت خوب پھیلی۔ پھر چالیس سال کے بعد شاہ طیطوس داؤد کا جانشین ہوا اور اس نے بیت المقدس پر حملہ کر کے وہاں کے تمام یہود کو غارت کیا۔ شہر کو بالکل ویران کر دیا کچھ یہود طیطوس کے ہاتھوں مارے گئے اور کچھ جان بچا کر بھاگ گئے جن میں سے دو قبیلے بنی قریظہ اور بنی نضیر حجاز میں آباد ہو گئے جو مسلمانوں کے ہاتھوں مدینہ منورہ سے کچھ نکالے گئے۔ کچھ مارے گئے (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) مکر اللہ کے یہ معنی ہوئے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز بلکہ سنت انبیاء ہے بلکہ سنت الٰہیہ ہے کہ رب نے فرمایا۔ **ان تنصروا اللہ ینصرکم** یہ استمداد **ایاک نستعین** کے خلاف نہیں۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **من انصاری الی اللہ** حضرت سکندر ذوالقرنین نے فرمایا تھا **فاعینونی بقوۃ** بلکہ عیسائیوں کو نصاریٰ اسی لئے کہتے ہیں کہ ان کے بزرگوں نے کہا تھا **نحن انصار اللہ** صحابہ کرام کی ایک جماعت کا نام انصار ہے کیونکہ انہوں نے دین کی مدد کی تھی۔ **دوسرا فائدہ:** مقبولان خدا کی خدمت رب کی اطاعت ہے کہ حواریوں نے اپنے آپ کو اس لئے انصار اللہ کہا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار تھے۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا میں تو امتی نبی کی گواہی دیتے ہیں مگر قیامت میں نبی انشاء اللہ امت کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویکون الرسول علیکم شھیدا** ہم کو چاہئے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مقبولان بارگاہ الٰہی کو اپنے ایمان کا گواہ بنالیں۔ زائرین مدینہ سلام الوداع میں الوداعیہ کلمات کے ساتھ یہ بھی عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ حضور گواہ رہیں کہ میں آپ کا امتی ہوں پڑھتا ہو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ان کلمات کی اصل یہ آیت کریمہ ہے۔ دیکھو حواریوں نے عرض کیا کہ آپ ہمارے اسلام کے گواہ بن جائیں۔ **چوتھا فائدہ:** اسلام اور ایمان ایک ہے کیونکہ حواریوں نے ایمان لا کر اپنے کو مسلم کہا (خزائن و عرفان) **پانچواں فائدہ:** پچھلے پیغمبروں کا دین اسلام تھا نہ کہ یہودیت و نصرانیت جیسا کہ **مسلمون** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ (خزائن عرفان) **چھٹا فائدہ:** کبھی کام کی جزا کو اصلی کام کا نام دے دیا جاتا ہے جیسا کہ **مکر اللہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔

مسئلہ : اصل لغت میں مکر کے معنی برے نہیں تھے مگر اب دھوکے اور فریب کو مکر کہنے لگے اور اردو میں تو یہ لفظ بہت ہی برا ہے لہٰذا اب نہ تو عربی میں مکر کو رب کی طرف نسبت کر سکتے ہیں نہ اردو میں۔ اختلاف زمانہ اور وجہ بدل جانے سے احکام بدل جاتے ہیں (خزائن عرفان) قرآن پاک میں یہ لفظ جہاں کہیں اللہ کے لئے آیا ہے۔ اس کے معنی خفیہ تدبیر کئے جائیں۔ **ساتواں فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام نہ تو سولی پر شہید ہوئے اور نہ تختہ دار سے چھٹکارا پا کر کشمیر وغیرہ میں چھپے پھرے جیسا کہ فی زمانہ مرزائیوں کا عقیدہ ہے وہ یہ سمجھے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کشمیر میں تشریف لا کر نہایت گمنامی کی حالت میں وفات پائی۔

کیونکہ پھر مکر اللہ کے کوئی معنی نہیں بلکہ اس صورت میں یہودیوں کا مدعا پورا ہو گیا کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی دانست میں ذلیل کر کے سولی بھی دے دی اور ان سے اپنے ملک کو خالی کرا لیا۔ انشاء اللہ اس کی پوری تحقیق اگلی آیت میں آئے گی۔ **آٹھواں فائدہ:** حضرات انبیاء کی مدد کرنا تقاضائے ایمان ہے۔ دیکھو حواریوں نے نحن انصار اللہ فرما کر امنا باللہ کہا۔ ان کی خدمت سے منہ موڑنا کفر کی علامت ہے۔ استاذ شیخ کی خدمت کی اصل یہ آیت ہے۔ **نواں فائدہ:** موقعہ سے فائدہ اٹھانا خوش نصیبوں کا طریقہ ہے ہر تجارت کا کوئی سیزن ہوتا ہے۔ تجارت آخرت کا بھی سیزن مقرر ہے۔ دیکھو ان حواریوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ **دسواں فائدہ:** ایسے موقعہ پر خادم مخدوم سے کچھ مانگ لے۔ دیکھو ان حواریوں نے اپنی خدمت کا وعدہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ **واشهد بانا مسلمون** حضرت ربیعہ نے ایک موقعہ پر عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہنا مانگتا ہوں۔ حضرت سراقہ ابن مالک نے ہجرت کے سفر میں حضور سے اپنے لئے امان مانگ لی۔ موسیٰ علیہ السلام کی بڑھیا نے ایک خدمت کے عوض اپنے لئے جنت مانگ لی۔ غرضیکہ ایسے موقعہ پر مانگنے سے نہ چوکے۔ **گیارھواں فائدہ:** تقیہ کرنا ہمیشہ سے ایمان کے خلاف رہا۔ دیکھو ان حواریوں نے اپنے ایمان کا اعلان فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام نے ایسے نازک و خطرناک موقعہ پر اپنا انتظام تو کیا مگر تقیہ کر کے اپنا دین نہ چھپایا۔

پہلا اعتراض: عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں جہاد نہ تھا۔ پھر آپکے حواریوں سے مدد لینے کی کیا ضرورت تھی کہ آپ نے فرمایا **من انصاری الی اللہ** **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس سے یہود کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنا اور ان کے شر سے بچانا مراد ہے یا اس راز کو چھپانا مقصود۔ بعض لوگوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کیا کہ تم میں سے کوئی میری جگہ شہید ہونا منظور کرے کہ اس کو میرا ہمشکل کر دیا جائے اور وہ سولی کھائے میں آسمان پر چلا جاؤں۔ ان سب نے منظور کیا۔ مگر یہودا نے سولی کھائی۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں۔ کیونکہ ہم پہلے عرض کر چکے کہ سولی کھانے والا طیطانوس منافق تھا۔ (روح المعانی وغیرہ) **دوسرا اعتراض:** کفر ایک باطنی چیز ہے۔ جس کا احساس ناممکن پھر **فلما احس** کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** اس کے جوابات تفسیر میں گزر چکے کہ یا تو احساس بمعنی یقین ہے اور یا کفر سے علامات کفر مراد ہیں اور یا نگاہ انبیاء کرام غیر محسوس چیزوں کو بھی دیکھ لیتی ہے جیسے ہمارے خواب و خیال۔ **تیسرا اعتراض:** جو دھوکا کھاتا ہے یا مکر و فریب کرتا ہے وہ نیک آدمی ہی نہیں کہلایا جا سکتا چہ جائیکہ اسے خدا کہا جائے۔ بھلا خدا بھی کہیں فریب کر سکتا ہے (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** پنڈت جی عجیب دماغ کے آدمی ہیں اردو کا لفظ لے کر عربی قرآن پاک پر اعتراض کر رہے ہیں۔ عربی میں مکر کے معنی وہ ہیں جو ہم نے تفسیر میں بتائے اردو میں فریب کو مکر کہتے ہیں اور قرآن اردو میں نہیں ہے۔ عربی میں ہے۔ انگریزی میں بک (Book) کے معنی ہیں کتاب۔ اردو میں اس کے معنی ہیں گھونسا (مکا) اگر کسی انگریزی کتاب میں لکھا ہو کہ سپاہی نے بادشاہ کو بک دی تو اس کے معنی یہ نہیں کہ گھونسہ مار دیا۔ فارسی میں مہتر کے معنی سردار ہیں۔ اردو میں بھنگی کو مہتر کہتے ہیں اگر کسی فارسی کتاب میں بادشاہ کو مہتر لکھا ہو تو شاید آپ جیسے عقلمند اس کے معنی بھنگی کریں گے۔ سنسکرت میں سور کو سورج کو بھی کہتے ہیں اور بہادر کو بھی۔ مگر اردو میں سور کہتے ہیں۔ اب شاید پنڈت جی اس شعر کے معنی کہ۔

برہن کو دکھ بہت ہے اور چھوٹن سے دکھ دور — تارے سب نیارے ہیں گھن چاند اور سور

یہ کریں گے کہ چاند اور سور کو گھن لگتا ہے۔ یہ اعتراض زبان سے نادانی پر مبنی ہے۔

تفسیر صوفیانہ : جب عیسیٰ ء قلب نے قویٰ ء نفسانیہ کے کفر یعنی محجوبیت اور انکار اور مخالفت ربانی کا یقین کر لیا تو قویٰ ء روحانیہ سے خطاب کر کے کہا میں اب نفسانی شیاطین سے منہ موڑ کر رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہتا ہوں۔ اس کام میں میری کون مدد کرے گا۔ قویٰ ء روحانیہ کے حواری جو قلب مومن کے خالص دوست ہیں کہنے لگے کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے کہ نور روح سے منور اور دلائل عقلیہ سے پختہ ہو چکے ہیں۔ اے عیسیٰ ء قلب تو گواہ رہ کہ ہم تیرے مددگار ہیں اے مولیٰ ہم تیرے اتارے ہوئے علم توحید اور فیض نور پر ایمان لا چکے۔ لہٰذا ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جو تیری بارگاہ میں حاضر تیرے حکم کے منتظر اور تیری وحدانیت کے گواہ ہیں۔ پھر وہم اور خیالات نے قلب کو دھوکا دینے اور اسے مختلف شبہات میں پھنسانے کی بہت تدبیر کی مگر اللہ نے دلائل عقلیہ اور براہین مقنعہ سے قلب کی مدد کی جو اس کے خیالات و شکوک کو دور کریں اور عیسیٰ ء قلب کو آسمان روح کی طرف پہنچا دیا۔ اور نفس کو قلب کا ہم رنگ بنا کر ان شبہات میں چھوڑ دیا کہ وہ ان میں گرفتار رہے اللہ کی تدبیر نہایت غالب ہے (ابن عربی) خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی تدبیر سے صوفی بہت ڈرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بندہ کا ہر وقت نافرمانی کرنا اور رب تعالیٰ کا ہمیشہ کرم فرمانا یہ بھی غضب الٰہی کی نشانی ہے اس انعام پر خوش نہ ہونا چاہیے۔ اس نے خود خبر دی کہ **سنستدرجهم من حيث لا يعلمون**۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ مکر اللہ کے معنی ہیں انہیں نعمتوں سے امداد دی اور شکر کی توفیق نہ دی۔ جب وہ نعمتوں میں پھنس کر نعمت والے کو بھول گئے تو فوراً پکڑ لئے گئے۔ ابو العباس نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی خطاؤں پر ہم نے عطائیں کیں اور استغفار کی طرف ان کا دھیان نہ گیا۔ اس لئے وہ رب تعالیٰ کا حق بھول بیٹھے۔ اس کے ہاں امہال ہے۔ اہمال نہیں یعنی دیر ہے اندھیر نہیں۔ امام احمد ابن حنبل نے اپنے ساتھیوں کو وصیت فرمائی کہ عدل سے ڈر کر فضل میں ترقی کرو اور رب تعالیٰ کے مکر سے بے خوف نہ ہو۔ یہاں کی آسائش سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اپنے باپ آدم علیہ السلام کا واقعہ یاد رکھو کہ وہ جنت جیسی محفوظ جگہ میں رہ کر مصیبت میں پھنس گئے صوفیاء کرام کے نزدیک زیادتی نہ ہونا نقصان ہے (روح البیان) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جو بندہ فنافی اللہ ہو جاتا ہے اس کے حواس میں ربانی طاقتیں آجاتی ہیں وہ رب کی قوت سے دیکھتا' سنتا' چھوتا' بولتا اور چلتا ہے۔ جیسے بجلی کی فٹنگ میں پاور کام کرتا ہے۔ ایسے ہی جس کا کنکشن رب تعالیٰ سے ہو جائے وہ ربانی طاقتوں سے کام کرتا ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے مصر سے پیراہن یوسفی کی خوشبو پالی۔ **انی لاجد ريح يوسف** حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل دور سے چیونٹی کی بولی سن لی اور سمجھ لی۔ **فتبسم ضاحكا من قولها** حالانکہ سائنسدان کہتے ہیں کہ چیونٹی کی آواز سننا طاقت بشری سے باہر ہے حضرت آصف برخیا پل میں فلسطین سے یمن پہنچ کر تخت بلقیس لے آئے **انا اتيك به قبل ان يرتد اليك طرفك** ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے بحالت نماز ہاتھ بڑھایا تو جنت کا خوشہ پکڑ لیا۔ یہ ہے ان بزرگوں کی قوت سامعہ ناطقہ لامسہ وغیرہ۔ جب آج سائنس نے ٹیلی فون کے ذریعہ ہماری قوت سامعہ' دوربین کے ذریعہ قوت باصرہ' ریڈیو کے ذریعہ قوت ناطقہ کو اتنا تیز کر دیا ہے تو خدائی سائنس کا کیا پوچھنا۔ غرضیکہ ان حضرات کی یہ قوت نہایت قوی۔ پھر جیسے ظاہر کھانوں پھولوں پھلوں میں مختلف خوشبوئیں بدبوئیں ہیں۔ ایسے ہی ایمان و کفر نیکیوں اور بدکاریوں میں مختلف خوشبوئیں بدبوئیں ہیں جسے اللہ والے محسوس کر لیتے ہیں۔ جب یہ سمجھ لیا تو یہ بھی سمجھ لو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی خداداد سونگھنے کی قوت سے ان یہود کے کفر کی بدبو سونگھ لی جو

آپ کے قتل کے درپے تھے یہ معنی ہیں فلما احس عیسی منھم الکفر کے۔ نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ خوف ایذا کا بھی ہوتا ہے۔ یہ خوف نفرت پیدا کرتا ہے جیسے سانپ کا خوف اور خوف اطاعت کا بھی ہوتا ہے۔ جیسے حاکم سے خوف۔ حضرات انبیاء اولیاء کو مخلوق سے خوف ایذا ہوتا ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کو ان یہود سے خوف ہوا تو اپنا مددگار ڈھونڈا۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے خوف ہوا تو اپنے بھائی حضرت ہارون کی نبوت کی درخواست کی مگر انہیں خوف اطاعت بجز پروردگار کسی کا نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ آیت لا خوف علیہم کے خلاف نہیں۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ

جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ تحقیق میں پورا کرنے والا ہوں تم کو اور اٹھانیوالا ہوں تمہیں طرف اپنے اور پاک کرنیوالا ہوں

اور یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تجھے کافروں سے پاک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ

تم کو ان سے جنہوں نے کفر کیا اور کرنے والا ہوں ان کو جنہوں نے پیروی کی تمہارے اوپر ان کے جنہوں نے کفر کیا دن

کرونگا اور تیرے پیروؤں کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دونگا پھر تم سب میری طرف پلٹ کر

الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

قیامت تک پھر طرف میرے رجوع ہے تمہارا پس فیصلہ کروں گا میں درمیان تمہارے بیچ اس کے کہ تھے تم اس میں اختلاف کرتے

آؤ گے تو میں تم میں فیصلہ فرماؤں گا جس بات میں جھگڑتے ہو۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کا اجمالی ذکر تھا۔ اب اس تدبیر کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ رب تعالیٰ نے کیا تدبیر فرمائی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بچانے کی خفیہ تدبیر کی جس میں شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید اس تدبیر کی عیسیٰ علیہ السلام کو بھی پہلے سے خبر نہ دی گئی ہو۔ اب اس شبہ کو دور کیا جا رہا ہے کہ نہیں انہیں تو پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔ یہ راز صرف یہود سے چھپایا گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ فضائل بیان فرمائے گئے اب بھی ان کے بقیہ فضائل ہی ارشاد ہو رہے ہیں کہ رب تعالیٰ نے انہیں خاص طور پر بغیر موت آسمان پر اٹھا لیا۔ **چوتھا تعلق:** ہم پہلے عرض کر چکے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں آنا بھی معجزہ ہے۔ یہاں رہنا بھی معجزہ اور ان کا یہاں سے تشریف لے جانا بھی معجزہ۔ پچھلی آیتوں میں ان کے یہاں آنے اور رہنے کا ذکر کیا گیا تھا۔ اب ان کے یہاں سے تشریف لے جانے کا ذکر ہے۔ گویا دو قسم کے معجزات کے بعد اب ان کے تیسرے معجزے کا بیان ہے۔

تفسیر: اذ قال اللہ یعیسی انی متوفیک ورافعک الی یہ اذ یا مکر اللہ کا ظرف ہے۔ یا پوشیدہ فعل۔

وقع فلک کایا **اذکر** کا۔ پہلی صورت میں یہ جملہ مکر کا ظرف ہے اور اخیری دو صورتوں میں نیا جملہ ہے۔ یعنی یہ تدبیر اللہ نے جب فرمائی تھی جب عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔ یا یہ واقعہ جب ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہ فرمایا یا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت بھی یاد کرو۔ جب رب تعالیٰ نے فرمایا (روح المعانی وغیرہ) اور ہو سکتا ہے کہ اذ تعلیلیہ ہو۔ اور یہ جملہ **خیر الماکرین** کی دلیل ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمام تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس نے ایسے نازک موقعہ پر اس طرح بچالیا۔ اس صورت میں پتہ لگا کہ حضرات انبیاء کرام اور ان کے واقعات رب تعالیٰ کی ذات و صفات کے دلائل ہیں اور دعویٰ توحید کے گواہ۔ ہمیشہ دوست دشمن کا سارا زور دلائل و گواہوں پر ہی ہوتا ہے۔ مدعی کے دوست گواہوں کے حامی ہوتے ہیں۔ اور مخالف دھڑے والے گواہوں پر چوٹ کرتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کے منکر رب کے حزب مخالف ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ خبر عیسیٰ علیہ السلام کو جب دی گئی۔ جب انہیں یہود سے خطرۂ قتل ہو چکا تھا۔ جس کا ذکر **فلما احس منہم** سے اخیر تک قال کا مقولہ ہے۔ حق یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے جناب مسیح کو اپنی اس امداد کی خبر پہلے ہی دے دی تھی۔ مگر اس خبر کے باوجود آپ نے اپنے حواریوں سے مدد طلب کی۔ حضرات انبیائے کرام کا امداد طلب فرمانا یا کبھی بظاہر پریشان ہونا یا اپنے بچاؤ کی تدبیریں کرنا یا سامان جنگ جمع کرنا بے خبری کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ وہ سب کچھ جان کر سب کچھ کرتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ مجھے بخیریت آسمان پر اٹھالیا جائے گا۔ رب نے انہیں پہلے ہی خبر دے دی تھی مگر پھر بھی حواریوں کو امداد کے لئے پکارا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی بدر میں مارے جانے والے کفار کے نام بتائے بلکہ ان کی جائے قتل پر نشان لگادیے اور یہ بھی بتادیا کہ کفار مکہ کا لایا ہوا جنگی سامان کل مسلمانوں کو غنیمت میں ملے گا اس کے باوجود رو رو کے مسلمانوں کی فتح کی دعائیں بھی مانگ رہے ہیں اور جنگی تدبیریں بھی فرمارہے ہیں اور احتیاطیں بھی۔ یہ تمام کام امت کی تعلیم کے لئے ہیں۔ عائشہ صدیقہ کو تہمت لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ وہ پاک دامن ہیں مگر پھر بھی وہ تحقیقات کر رہے ہیں۔ رب تعالیٰ بھی قیامت میں تحقیقات کرکے فیصلہ فرمائے گا۔ متوفی کا مادہ وفاء ہے۔ بمعنی پورا کرنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وابراھیم الذی وفّی** اور **لیوفیھم اجورھم** اسی سے **استیفاء**، **توفیہ** اور **توفی** بنا۔ بمعنی پورا دینا یا پورا لینا۔ موت کو وفات اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے عمر پوری ہو جاتی ہے۔ اصطلاح میں اکثر موت اور نیند پر بولا جاتا ہے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں تینوں معنی میں استعمال ہوا **وابراھیم الذی وفّی** یہاں وفات سے حقیقی معنی مراد ہیں۔ پورا کرنا **ھو الذی یتوفکم باللیل** یہاں بمعنی نیند ہے **والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا** میں بمعنی موت۔ جیسا قرینہ ویسے معنی مراد ہوتے ہیں۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی اے عیسیٰ میں تمہیں پورا پورا مع جسم اور روح لینے والا ہوں اس طرح کہ **ورافعک الی** کہ اپنی طرف مع جسم کے اٹھانے والا ہوں۔ اس صورت میں **رافعک** عطف تفسیری ہے یا اے عیسیٰ میں تمہیں پوری پوری عمر دوں گا یہ تمہیں قتل نہیں کرسکتے اور تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ اس صورت میں واؤ عاطفہ ہے اے عیسیٰ تمہیں موت میں دوں گا بلا واسطہ قتل اور ابھی تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ ان دونوں صورتوں میں واؤ عاطفہ ہے۔ اگرچہ یہ عبارت خلاف ترتیب ہے آپ کی موت اٹھانے کے بعد ہوگی جیسے **واسجدی وارکعی** جیسے **خلقکم والذین من قبلکم** یا جیسے **ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک** یا جیسے **خلق الموت والحیوۃ** یا جیسے **نموت ونحیا** یا **خلق الارض والسموات العلی** ان سب آیتوں میں عبارت واقعی ترتیب کے خلاف ہے یا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اے عیسیٰ میں

تمہیں سلانے والا اور پھر اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اس صورت میں یہ واؤ عاطفہ ہے اور عبارت ترتیب کے مطابق ہے کیونکہ آپ کو سلا کر اٹھایا گیا' تاکہ آپ کو اتنے دراز سفر میں وحشت نہ ہو **ورافعک الی** یہ عبارت بظاہر **متوفیک** پر معطوف ہے۔ **رافع رفع** سے بنا جس کے معنی ہیں اٹھانا اور بلند کرنا یہ بلندی مکانی کے لئے بھی آتا ہے اور بلندی ء مراتب کے لئے بھی۔ اگر اس کا مفعول کوئی جسم ہو گا تو اس سے مکانی بلندی مراد ہو گی۔ جیسے **ورفع بعضہم درجت یا و رفعنا لک ذکرک** یا جیسے **ان ترفع فیھا اسمہ** ان میں رفع ذکر یا نام یا درجے ہیں اور یہ جسم نہیں۔ لہذا یہاں بلندی روحانی مراد ہے۔ چونکہ اس آیت میں **و رافعک** فرمایا گیا۔ جس سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں جو جسم ہیں۔ اس لئے یہاں مکانی بلندی مراد ہو گی نہ کہ درجات کی۔ نیز اگر یہاں بلندی ء درجات مراد ہوتی تو وہ شہادت سے نصیب ہوتی ہے نہ کہ اپنی طبعی موت سے۔ تو یہ جز **متوفیک** کے موافق نہ ہوتا۔ پھر تو یوں فرمایا جاتا کہ ہم تمہیں یہود کے ہاتھوں شہید کرائیں گے اور شہادت کے ذریعہ تمہارا درجہ بلند کریں گے **الی رافعک** کے متعلق ہے اور الی انتہائے غیب کے لئے۔ یہاں الی سے آسمان کی طرف اٹھانا مراد ہے۔ اگرچہ ہر جگہ خدا کی ہے مگر چونکہ آسمان خصوصیت سے تجلی گاہ الہی ہے کہ نہ وہاں کسی کی ظاہری سلطنت ہے نہ وہاں کفر' شرک' گناہ۔ اس لئے اس طرف اٹھانے کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھانا قرار دیا۔ فرماتا ہے **ء امنتم من فی السماء** یا فرماتا ہے **ارجعی الی ربک** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف جاتے وقت فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ کیوں؟! اس لئے کہ مجھے سر زمین شام میں عبادت الٰہی کی آزادی ہو گی۔ آج بھی خانہ کعبہ میں یا مدینہ منورہ کی طرف جانے والا کہتا ہے کہ میں رب کے گھر جا رہا ہوں۔ حالانکہ ساری زمین اور سارے مکانات اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں۔ ایسے ہی یہاں فرمایا گیا **ورافعک الی** تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس سے مراد ہے **رافعک الی محل کرامتی** نیز تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ وفات ایک جنس ہے۔ جس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ بہت موت سے ہوتی ہیں اور بعض آسمان پر اٹھانے سے **رافعک الی** نے وفات کو مقرر کر دیا کہ وہ موت سے نہ ہو گی بلکہ اٹھانے سے ہو گی۔ لہذا آیت میں تکرار نہیں ہے **و مطہرک من الذین کفروا** یہ لفظ تطہیر سے بنا۔ جس کا مادہ طہر ہے بمعنی پاک اور صفائی۔ خباثت سے دور کرنا' تطہیر روحانی ہے۔ نجاست سے دور کرنا پاکی جسمانی۔ لیکن خبیثوں سے نجات دینا۔ اور ان سے الگ کر دینا ذاتی پاکی۔ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں کیونکہ یہاں خبیثوں کا ذکر ہے نہ کہ خباثتوں کا۔ یعنی میں تمہیں کافروں سے نکال لوں گا کہ آسمان پر بلاؤں گا یا ان سے نجات دوں گا۔ یہ تمہیں قتل نہ کر سکیں گے (خازن و مدارک وغیرہ) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہاں بجائے خلیص کے تطہیر فرمانے میں عیسیٰ علیہ السلام کی انتہائی عظمت شان ہے اور اس سے کفار میں اور عیسیٰ علیہ السلام میں مکانی فاصلہ کر دینا مراد ہے کہ کفار زمین پر رہ جائیں اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر بلا لئے جائیں۔ ایک جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وثیابک فطھر** اپنے کپڑے پاک رکھو۔ یہاں نجاستوں سے پاکی مراد ہے اور دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا** " یعنی اے اہل بیت رسول اللہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگیاں دور کرے اور تمہیں خوب پاک کر دے یہاں خباثتوں سے پاکی مراد ہے۔ حضرات انبیاء کرام اس گندگی سے تو پہلے ہی پاک ہوتے ہیں۔ اس لئے یہاں یہ پاکی مراد نہیں ہو سکتی۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو کفار سے نجات پہلے تو اس طرح دی کہ کفار زمین پر رہے اور آپ کو آسمان پر اٹھا لیا اور قریب قیامت اس طرح نجات دے گا کہ جب آپ زمین پر آئیں گے تو زمین سے تمام کفار ختم کر دیئے جائیں گے کہ یا تو وہ ایمان لے آئیں گے یا قتل کر دیئے جائیں

گے اور آپ کے زمانہ میں روئے زمین پر کوئی کافر نہ رہے گا یہ جملہ دونوں قسم کی پاکیوں کو شامل ہے **وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا** یہ عبارت مطہرک پر معطوف ہے اور جاعل تعدی بیک مفعول ہے یا تو متبعین سے عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مراد ہیں اور **کفروا** سے یہودی اور فوقیت سے مطلق غلبہ مراد خواہ دینی ہو یا دنیاوی۔ خیال رہے کہ یہاں **اتبعوا** سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال اور بعض اعمال کی اتباع ہے کیونکہ ان کے سارے اعمال کی اتباع ناممکن ہے۔ ان سرکار نے نہ شادی کی نہ بچوں کی پرورش نہ مکان بنایا نہ حکمرانی کی۔ مگر حواریوں نے یہ سارے کام کئے۔ سارے احکام و فرمان کی مکمل اتباع صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ہو سکتی ہے یا **اتبعوا** سے قیامت تک کے مومنین مراد ہیں اور **کفروا** سے آپ کے منکر اور فوق سے غلبہ ء دلائل یا غلبہ ء تلوار مراد۔ یہی حسن اور ابن جریر وغیرہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان عیسیٰ علیہ السلام بلکہ سارے نبیوں کے فرمانوں کا متبع ہے کہ سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا تھا یا متبعین سے عیسائی مراد ہیں اور کفار سے یہودی یعنی آپ کے مدعیان محبت کو آپ کے منکروں پر غلبہ دوں گا خواہ بلحاظ تلوار سے خواہ بحکومت دیگر خواہ اس طرح کہ آپ کا دین یہودیت کا ناسخ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ہر جگہ عیسائی یہودیوں پر غالب ہیں (روح المعانی) وغیرہ۔ **الی یوم القیامۃ** یہ جار مجرور کے متعلق ہے یا ثابت پوشیدہ کے۔ اور قیامت کا دن مومنین کے دنیوی غلبہ کی انتہا ہے نہ کہ کفار کی مغلوبیت کی۔ یا یہ کلام ہمیشگی بتانے کے لئے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ میں قیامت تک یہاں ہی رہوں گا یعنی ہمیشہ رہوں گا۔ یعنی اے عیسیٰ علیہ السلام آپ کی اتباع کرنیوالوں کو آپ کے منکرین پر قیامت تک یا ہمیشہ غلبہ دوں گا **ثم الی مرجعکم** ثم تاخیر کے لئے ہے اور مرجع مصدر میمی ہے۔ بمعنی لوٹنا۔ کم میں عیسیٰ علیہ السلام اور کفار سے خطاب ہے مگر **تغلیباً** سب کو کم فرمایا گیا الی کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی پھر قیامت کے بعد اے مسلمانو اور کافرو تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے۔ **فاحکم بینکم** یہ ف عاطفہ اور احکم کا تعلق مرجعک سے ہے حکم بمعنی قضا اور فیصلہ یعنی اس رجوع کے بعد فوراً ہی میں تم مسلمانوں اور کفار کے درمیان فیصلہ فرماؤں گا۔ **فیما کنتم فیہ تختلفون** : ما سے مراد یا تو ساری دینی چیزیں ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور **فیہ تختلفون** کے متعلق ہے۔ اسے **تختلفون** پر اس لئے مقدم کیا کہ عبارت ہم وزن رہے۔ یعنی ان تمام باتوں کا میں فیصلہ فرماؤں گا جس میں اے مسلمانوں اور کافرو تم دنیا میں اختلاف کرتے تھے اس طرح کہ مومنوں کو جنت میں اور کافروں کو جہنم میں بھیجوں گا۔ ورنہ کلامی فیصلہ تو آسمانی کتابوں سے بھی ہو چکا۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت بھی یاد کرو جب عیسیٰ علیہ السلام کو دشمن یہودیوں کی طرف سے سخت خطرہ محسوس ہوا تو ہم نے فوراً ان پر وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ آپ بالکل خوف نہ کریں۔ ہم آپ کو آپ کی پوری عمر تک پہنچا کر خود وفات دیں گے۔ ان کی کیا طاقت جو آپ کا بال بیکا کر سکیں۔ اور ہم آپ کو اپنی طرف یعنی آسمان پر بلالیں گے۔ جہاں یہود کیا کسی کی حکومت نہیں اور جہاں نہ کوئی آپ کی مخالفت کرے گا نہ کوئی مقابلہ۔ آپ ہماری حفظ و امن میں ہوں گے اور ہم آپ کو ان کفار سے نجات دیں گے اور ان سے دور کریں گے کہ یہ زمین پر رہیں گے اور آپ آسمان پر اور یہ کرم آپ کی ذات کیلئے خاص نہ ہو گا بلکہ آپ کی پیروی کرنے والوں کو آپ کے منکروں پر قیامت تک دینی حیثیت سے فوقیت اور غلبہ دیں گے کہ ان کا دین ان کے دلائل یہود پر غالب رہیں گے یا اس طرح کہ آپ کے خدمت گار حواریوں کو تاقیامت آپ کے دشمن یہودیوں پر عزت و عظمت دیں گے کہ ان کے چرچے ہمیشہ بھلائی کے ساتھ ہوتے رہیں گے اور آپ کے دشمنوں پر دنیا لعنت کرتی رہے گی۔ پھر

اے مسلمانوں اور کافرو تم سب کا ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔ پھر ہم تمہارے درمیان ہر اس دینی چیز میں فیصلہ کردیں گے۔ جس میں تم دنیا میں جھگڑتے تھے کہ مومن کو جنت میں اور کافر کو جہنم میں بھیجیں گے۔ اگرچہ دنیا میں بھی انبیائے کرام کے ذریعے قولی فیصلہ تو کردیا گیا ہے مگر وہاں عملی فیصلہ ہو گا جس سے جھوٹوں کو اپنے جھوٹ کا اقرار کرنا ہو گا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تین خوشخبریاں دیں۔ انہیں آسمان پر بلا کر فرشتوں کے ساتھ رکھنا کیونکہ اچھی صحبت اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اس سے صوفیائے کرام کا مسئلہ ء صحبت حل ہو جاتا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کا فرشتوں کے ساتھ رہنا اتنی بڑی نعمت ہے تو حضرات صحابہ ء کرام کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا اور حضرت صدیق اور فاروق کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہونا یقیناً اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اسی لئے کوئی شخص صحابہؓ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ تیسرے حضرت مسیح کے متبعین کا کفار پر غالب رہنا کیونکہ غلاموں پر کرم آقا پر کرم ہوتا ہے۔ نوکروں کی تکلیف سے آقا کو تکلیف۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **عزیز علیہ ما عنتم**

حیات عیسیٰ علیہ السلام

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود کا عقیدہ تو یہ ہے کہ ہم نے انہیں سولی دے دی اور جان نکل جانے پر دفن بھی کردیا اگرچہ وہ اس شبہ میں گرفتار ہیں کہ ہمارا طیطیانوس کہاں گیا۔ عیسائی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ واقعی عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر سولی دے دی گئی اور آپ کی وہاں جان بھی نکل گئی مگر پھر رب نے آپ کو دوبارہ زندگی بخشی اور آسمان پر اٹھالیا۔ اسی لئے وہ صلیب کو پوجتے ہیں اور اس سولی کو سارے عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ کفارہ کا مسئلہ سولی پر ہی مبنی ہے مگر مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ آپ کو سولی دی گئی اور نہ آپ کی وفات واقع ہوئی بلکہ آپ کو اسی طرح مع جسم شریف زندہ اٹھالیا گیا۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اٹھالیا جانا قطعی یقینی اجماعی مسئلہ ہے اس پر ساری امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق ہے۔ البتہ وہب نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تین ساعت کے لئے موت دی۔ پھر انہیں زندہ کرکے آسمان پر اٹھالیا۔ بہر حال وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کے اس وقت زندہ ہونے اور آسمان پر زندہ اٹھنے کے قائل ہیں۔ غرضیکہ اس مسئلہ میں آج تک کسی کو اختلاف نہیں ہوا اب چودھویں صدی میں مرزائیوں نے نبوت مرزا کے شوق میں اس مسئلہ ء یقینی قطعی کا انکار کیا۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے تختہ دار پر لٹکایا۔ اور انہیں بہت ذلیل بھی کیا۔ مگر رب تعالیٰ نے ان کی جان صلیب پر نہ نکلنے دی بلکہ یہود انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ آپ غشی کی حالت سے بیدار ہو کر نصیبین وہاں سے افغانستان ہوتے ہوئے کوہ نعمان میں پہنچے اور وہاں سے پنجاب کی طرف آئے اور یہاں سے کشمیر میں گئے۔ آخر سری نگری میں ایک سو پچیس سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی اور وہاں ہی محلہ خانیار کے پاس آپ کا مزار ہے۔ دیکھو تبلیغ رسالت جلد آٹھ صفحہ ساٹھ نیز تحفہ گولڑویہ صفحہ بیس اور نیز دیکھو ایام الصلح تیسری طبع صفحہ ایک سو سولہ مصنفات مرزا غلام احمد قادیانی۔ مرزا جی نے اس واقعہ کے ثبوت میں نہ کوئی آیت پیش کی نہ حدیث نہ تاریخی حوالہ۔ لہٰذا ان کی بات قابل اعتبار نہیں۔ ہم نہایت منصفانہ تحقیقات کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔ اس مضمون کی دو بحثیں کریں گے۔ پہلی بحث میں اپنے دلائل۔ دوسری بحث میں

مرزائیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی بحث

حیات مسیح کا ثبوت : عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ ' اقوال صحابہ ء کرام و جمیع مفسرین و محدثین سے ثابت ہے۔ آیات قرآنیہ ملاحظہ ہوں۔(1) **ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین** اس آیت کی تفسیر امام رازی جلال الدین سیوطی اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی خازن و مدارک وغیرہ سب نے یہ کی ہے کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کی خفیہ تدبیر کی۔ مگر رب تعالیٰ نے انہیں خفیہ طریقے سے بچایا کہ انہیں آسمان پر زندہ اٹھالیا اور جو آپ کو پکڑوانے آیا تھا اسے عیسیٰ علیہ السلام کی شکل دے کر سولی چڑھوا دیا۔(2) **اذ قال اللہ یعیسی انی متوفیک ورافعک الی ومطھرک من الذین کفروا** اس کی تفسیر بھی امام رازی امام سیوطی و دیگر عام مفسرین نے یہی کی ہے کہ اے عیسیٰ ہم تمہیں پورا لینے والے ہیں۔ اس طرح کہ تمہیں آسمان پر اٹھالیں گے۔(3) **وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم الی قولہ وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ** الایۃ قرآن کریم نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور ان کے سولی پر چڑھائے جانے کا صاف صاف انکار کیا اور ان کے امن ' جسم کے ساتھ اٹھائے جانے کا اقرار جیسا کہ **بل رفعہ اللہ** سے معلوم ہوا۔ امام رازی اور دیگر مفسرین نے اس کی یہی تفسیر کی۔(4) **وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا** عام محدثین و مفسرین اور صحابہ ء کرام نے اس آیت کا ترجمہ یہی فرمایا کہ سارے اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن کفار پر گواہ ہوں گے۔ بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی یہی تفسیر نقل کی۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ ابھی عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی۔ کیونکہ ابھی سارے اہل کتاب ان پر ایمان نہ لائے۔ لاکھوں یہودی ان کے خلاف ہیں۔ **موتہ** کی ضمیر کا اہل کتاب کی طرف لوٹا دینا اور یہ معنی کرنا کہ ہر اہل کتاب اپنی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے ضعیف ہے۔ کیونکہ موت کے وقت کا ایمان معتبر نہیں۔(5) **وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بھا** صحابہ ء کرام اور عام محدثین و مفسرین نے اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا قیامت کی پہچان اور نشانی ہے ' اس میں شک نہ کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ دوبارہ زمین پر آئیں گے اور آپ کا یہ آنا علامت قیامت ہو گی۔ چنانچہ تفسیر در منثور نے حضرت عبد اللہ ابن عباس و ابو ہریرہ و مجاہد و حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ **انہ ای خروج عیسی قبل یوم القیامۃ** نیز تفسیر ابن کثیر نے حضرت مجاہد و ابو ہریرہ و ابن عباس ابو العالیہ ابن مالک عکرمہ حسن قتادہ ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی تفسیر نقل کی اور فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ زمین پر آنے کی احادیث متواتر ہیں۔ نیز تفسیر کبیر وغیرہ نے اس آیت کے یہی معنی کئے۔(6) **تکلم الناس فی المھد وکھلا** اے عیسیٰ علیہ السلام! آپ گہوارے اور بڑھاپے میں لوگوں سے کلام کریں گے۔ قرآن کریم نے عیسیٰ علیہ السلام کا بڑھاپے میں کلام کرنا بطور معجزہ بیان فرمایا یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ عجیب بات ہو اور وہ یہی ہے کہ آپ آسمان سے اتریں اور کلام فرمائیں۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی اور امام رازی وغیرہم نے اس سے یہ نتیجہ نکالا۔

احادیث : عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے کے متعلق بے شمار احادیث وارد ہیں۔ چنانچہ (1) مسلم' بخاری' مشکوٰۃ شریف نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم خدا کی عیسیٰ ابن مریم حاکم عادل ہو کر تم میں اتریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو فنا کریں گے۔ جزیہ کا حکم ساقط کریں گے اور اس زمانہ میں ایک سجدہ دنیا بھر سے افضل ہو گا اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو پڑھ لو۔ **وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ** ۔ (2) نیز مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ عیسیٰ ابن مریم حاکم' عادل ہو کر تم میں تشریف لائیں گے۔ ان کے زمانہ میں لوٹ بیکار ہو جائیں گے۔ حسد و بغض دلوں سے نکل جائیں گے۔ مال کی اتنی کثرت ہو گی کہ کوئی زکوٰۃ نہ لے گا۔ (3) انہیں مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر جنگ کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام تم میں آجائیں۔ (4) ابن جوزی نے کتاب الوفا میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے نکاح کریں گے صاحب اولاد ہوں گے پینتالیس سال قیام فرمائیں گے۔ پھر وفات پائیں گے۔ پس میرے ساتھ میرے مقبرہ میں دفن ہوں گے قیامت کے دن ہم اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی مقبرہ سے اٹھیں گے۔ (مشکوٰۃ باب علامات القیامت)

لطیفہ : مرزا غلام احمد قادیانی کہتے ہیں کہ ان احادیث میں عیسیٰ ابن مریم سے میں مراد ہوں مگر خیال رہے کہ نہ مرزا جی کا نام عیسیٰ ہے اور ان کی ماں کا نام مریم۔ بلکہ ان کا نام غلام احمد اور ان کی ماں کا نام چراغ بی بی ہے اور نہ مرزا جی مدینہ پاک میں مرے نہ ان کے زمانہ میں مال کی کثرت ہوئی۔ خود چندوں پر گزارہ کیا۔ اب بھی ان کی اولاد قبریں بیچ کر پیٹ پال رہی ہے نہ لوٹ بیکار ہوئے۔ نہ معلوم کہ وہ ان احادیث کے مصداق کیسے بن گئے۔ (5) ابو داؤد و احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام آکر دعوت اسلام فرمائیں گے۔ ان کے زمانہ پاک میں اسلام کے سوا تمام دین مٹ جائیں گے اور شیر اونٹ کے ساتھ اور چیتا گائے کے ساتھ اور بھیڑیا بکری کے ساتھ چریں گے اور بچے سانپ سے کھیلیں گے اور وہ انہیں نقصان نہ دے گا۔ (6) بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور تمہارے امام تمہیں میں سے ہوں گے۔ یعنی امام مہدی۔ (7) ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ عیسیٰ ابن مریم آسمان سے اتریں گے۔ امام ہادی' حاکم' عادل ہوں گے۔ (8) احمد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا مجھے آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کے برابر دفن کی جاؤں فرمایا یہ کیونکر ممکن ہے وہاں صرف میری اور ابو بکر و عمرو عیسیٰ ابن مریم کی قبر کی جگہ ہے۔ مسند احمد جلد سات از توضیح المرام۔ (9) ابن ماجہ نے حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر دجال بھاگے گا۔ اور اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام اسے باب لد کے پاس پائیں گے اور قتل کریں گے۔ (10) مسلم نے نواس ابن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں سفید منارے کے پاس اپنے ہاتھ فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوئے اتریں گے ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپکیں گے۔ تاحد نظر ان کی سانس جائے گی۔ اور انکی سانس

سے کافر مریں گے باب لد کے پاس دجال کو قتل کریں گے۔ اس قسم کی صدہا حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں صرف اتنے پر ہی کفایت ہے۔

حیات عیسیٰ علیہ السلام کا ثبوت ائمہ و امت اسلامیہ سے : تمام صحابہ کرام ائمہ و امام کا اس پر اتفاق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور قریب قیامت تشریف لائیں گے۔ ہم امام احمد بن حنبل کی حدیث پیش کرچکے نیز انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی بیسیوں حدیثیں جمع فرمائی ہیں۔ دیکھو مسند احمد ' امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں دجال کا نکلنا' یاجوج ماجوج کا خروج' آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا اور سارے علامات قیامت حق ہے۔ امام مالک عتبیہ میں ہے کہ امام مالک نے فرمایا۔ اس حال میں کہ لوگ کھڑے ہوئے نماز کی تکبیر کہہ رہے ہوں گے کہ بادل چھائے گا اور اچانک عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔ علامہ زرقانی مالکی اپنی کتاب قسطلانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اتر کر ہمارے نبی کی شریعت پر فیصلہ فرمائیں گے اور اگرچہ امت محمدیہ کے خلیفہ ہوں گے لیکن ساتھ ہی نبی بھی ہوں گے کیونکہ نسخ سے نبوت نہیں زائل ہوتی۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں بالکل مخالفت نہ فرمائی اور ان کے تمام متبعین جلال الدین سیوطی امام رازی وغیرھم نے عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری تسلیم کی۔ اسی طرح امام بخاری' امام مسلم' ترمذی' ابو داؤد وغیرہ محدثین نیز امام غزالی' امام رازی' امام جوزی حضور غوث پاک وغیرھم تمام ائمہ کا یہی عقیدہ تھا چنانچہ حضور غوث پاک غنیتہ الطالبین جلد دوم صفحہ 48 میں فرماتے ہیں کہ نواں عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔ غرض کہاں تک بیان کیا جائے۔ بہت دراز مضمون ہے۔

عقلی دلائل : عقل کا بھی تقاضا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھالئے گئے ہوں اور اخیر زمانہ میں تشریف لائیں۔ (1) موسیٰ علیہ السلام کا لقب کلیم اللہ ہے۔ آپ کو طور کی معراج عطا ہوئی۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب کلمات اللہ ہے۔ (مدارج النبوت) حضور علیہ السلام کو عرش کی معراج دی گئی۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا لقب کلمتہ اللہ ہے۔ ضروری تھا کہ آپ کو بھی کسی قسم کی معراج ملے۔ لہذا آپ کو چوتھے آسمان کی معراج ملی۔ گویا کلیم میں عروج ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **الیہ یصعد الکلم الطیب** رب تعالیٰ کی طرف پاک کلمے اور اچھی باتیں چڑھتی ہیں جو مقبول اور قابل قبول کلام رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوا سے بھی یہاں کلیم فرمایا گیا۔ (2) میثاق کے دن گروہ انبیاء سے عہد لیا گیا تھا کہ جب تم نبی آخر الزمان کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لانا اور ان کے دین کی مدد کرنا۔ ضروری تھا کہ اس جماعت میں کوئی پیغمبر وہ بھی ہو تاجو اس عہد پر عمل کرتا۔ اس کیلئے عیسیٰ علیہ السلام منتخب کئے گئے تاکہ یہ عہد فقط قولی نہ رہ جائے۔ (3) پچھلے آسمانی دینوں کو یہ فخر حاصل تھا کہ انبیائے کرام ان کی حمایت کرتے تھے۔ دین موسوی کی حمایت کیلئے حضرت ہارون و دیگر انبیاء بھیجے گئے۔ ضروری تھا کہ دین محمدی کو بھی یہ فخر حاصل ہو۔ کہ اس کی حمایت کوئی نبی کرے مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد نیا نبی نہیں آسکتا۔ اس لئے عیسیٰ علیہ السلام منتخب ہوئے۔ (4) حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے سونے کے بچھڑے میں آواز پیدا کردی تو جب حضرت جبریل علیہ السلام کی سانس سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان میں اگر بچپن میں طاقت گویائی ہو اور آسمان سے اتر کے بھی اس گویائی سے کام لیں تو کیا بعید ہے۔

دوسری بحث

حیات مسیح پر سوال و جواب : اس مسئلہ میں قادیانیوں کے بے شمار اعتراضات ہیں ہم ان کے چوٹی کے اعتراضات نقل کرکے جوابات دیتے ہیں۔ (۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے **قد خلت من قبلہ الرسل** حضور علیہ السلام سے پہلے سارے رسول وفات پاچکے۔ اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص نہیں۔ سارے انبیاء کے بارے میں خلت فرمایا گیا معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی وفات یافتہ ہیں۔ **جواب:** **خلت خلو یا خلاء** سے بنا جس کے معنی موت نہیں۔ بلکہ خالی ہونا۔ اور گزر جانا ہے۔ اسی لئے فضائے آسمانی کو خلا کہتے ہیں اور پاخانہ کو بیت الخلاء تنہائی کو خلوت۔ اہل عرب کہتے ہیں **خلت الدیار من الانیس** دوست سے شہر خالی ہوگئے اور مادہ کے معنی ہر مشتق میں ضرور رہتے ہیں لہٰذا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اس سے پہلے نبی گزر گئے۔ خواہ وفات پاکر یا آسمان پر جاکر اسی لئے یہاں مات نہ فرمایا گیا۔ شاید مرزا جی کے ہاں بیت الخلاء پھانسی گھر کو کہتے ہوں گے۔ جلالین شریف میں خلت کے معنی نے مضت کہا جاتا ہے کہ ریل گزر گئی۔ قافلہ گزر گیا دن گزر گیا آفتاب کنارے سے گزر گیا یہ سب چیزیں کسی جگہ سے گزر جاتی ہیں۔ فنا نہیں ہو جاتیں ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام اس طرح گزر گئے کہ فنا نہ ہوئے۔ یہاں سے سب گئے پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گزشتہ قومیں گزر گئیں۔ یعنی فنا ہوگئیں غرضیکہ گزرنے کی کئی نوعیتیں ہیں عیسیٰ علیہ السلام اور نوعیت سے گزر گئے اور دوسرے انبیاء کرام دوسری نوعیت سے **قد خلت** دونوں کو شامل ہے۔ **دوسرا اعتراض:** رب تعالیٰ بتوں کے بارے میں فرماتا ہے **اموات غیر احیاء** کہ وہ مردے ہیں زندہ نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی معبود مانا۔ اس قاعدے سے وہ بھی اس آیت میں داخل ہوئے۔ ان کا وفات یافتہ ہونا ثابت ہوا۔ **جواب:** اس آیت کا عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں یہ بے جان بتوں کے بارے میں آئی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی تو بڑی شان ہے۔ رب تعالیٰ شہداء کے لئے فرماتا ہے **ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون** شہداء کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں اگر عیسیٰ علیہ السلام کو اس آیت میں داخل مانا جائے تو آیتوں میں تعارض ہو گا۔ **تیسرا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ اگر موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام آج زندہ ہوتے تو انہیں ہماری پیروی کرنی پڑتی۔ جس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح وفات پاچکے۔ **جواب:** اس حدیث میں زندگی سے مراد زمین کی ظاہری زندگی ہے۔ جس پر شرعی احکام عائد ہوتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اس طرح زندہ ہیں جس پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے نہ روزہ نہ نماز وغیرہ۔ **چوتھا اعتراض:** **یعیسیٰ انی متوفیک و رافعک الی** اس آیت میں رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو دو چیزوں کی خبر دی۔ **توفی** اور **رفع**۔ توفی کے معنی ہیں موت۔ اور رفع کے معنی ہیں بلندی مراتب۔ چونکہ توفی پہلے ہے اور رفع بعد میں اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی وفات پہلے ہوگئی اور بلندی مراتب بعد میں۔ **جواب:** اس کا نہایت مکمل جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا۔ **پانچواں اعتراض:** امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ **رافعک الی** میں رفع سے مراد درجہ اور منزلت کی بلندی ہے نہ کہ مکان اور جہت کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ آسمان پر جانے

کے قائل ہیں۔ جواب: سبحان اللہ کیسا کھلا ہوا جھوٹ ہے امام رازی نے اس جگہ بار بار اعلان فرمایا ہے کہ **اکرمہ بان رفعہ الی السماء** خدا نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اس عبارت کا مطلب صرف یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بلندی صرف مکانی نہیں بلکہ درجہ کی بھی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا۔ نیتیں دیکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اپنی صورت بھگوان داس کی سی بنالو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری صرف صورتوں کو نہیں دیکھتا نیتوں کو بھی دیکھتا ہے۔ چھٹا اعتراض: امام مالک کا یہی عقیدہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے دیکھو مجمع البحار میں ہے **قال ملک مات لعلہ اراد رفعہ الی السماء وبحی اخر الزمان لتواتر خبر النزول** امام مالک نے فرمایا مات یہاں موت کے معنی آسمان پر جانا ہیں۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ آسمان سے اترنا حدیث متواتر سے ثابت ہے۔ لطیفہ: مرزائی نے موت کے معنی نیند بھی کئے ہیں۔ چنانچہ ازالہ اوہام طبع پنجم صفحہ 623 میں ہے مات کے معنی لغت میں نوم بھی ہیں۔ دیکھو قاموس نیز اسی ازالہ میں ہے کہ مات کے حقیقی معنی صرف مارنا اور موت دینا نہیں بلکہ سلانا اور بے ہوش کرنا بھی ہیں۔ نیز اسی ازالہ میں ہے لغت میں موت بمعنی نوم اور غشی بھی آتا ہے۔ تعجب ہے کہ مرزائی امام مالک کے اس قول میں معنی مرنا کیسے کرتے ہیں۔ ساتواں اعتراض: اگر عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہوں تو لازم آتا ہے کہ درجہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ جائیں کہ حضور زمین پر ہیں۔ جواب: صدر جہاں بیٹھے صدر ہی ہے۔ اونچے نیچے ہونے پر درجہ کا مدار نہیں ' ورنہ تارے ' چاند سورج اور ملائکہ آسمان پر ہی ہیں۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ گئے ہیں۔ موتی پانی میں نیچے ہوتا ہے اور بلبلہ اوپر۔ کیا بلبلہ افضل ہے۔ آٹھواں اعتراض: اگر عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو وہاں ان کے کھانے پینے کا کیا انتظام ہے اور پیشاب پاخانہ کہاں جاتے ہیں؟ جواب: جب آپ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے تو وہاں باورچی خانہ کہاں تھا اور سنڈاس کس جگہ بنا تھا۔ جو رب آپ کو ماں کے پیٹ میں بغیر باورچی خانہ اور پاخانہ کے نو ماہ زندہ رکھ سکتا ہے۔ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر بغیر ان ضرورتوں کے زندہ رکھ سکتا ہے۔ ان کی زندگی فرشتوں کی سی ہے دجال کی آمد پر مسلمان ذکر الٰہی سے زندگی گزاریں گے۔ بعض اولیاء اللہ نے برسوں غذا نہ کھائی۔ ذکر خدا سے زندہ رہے ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام ذکر اللہ سے زندہ ہیں۔ جناب مرزا غلام احمد کی طرح مشک وغیرہ سے زندگی نہیں گزارتے کچھ اللہ والے بھی ہوتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام بلکہ بعض خاص اولیاء اللہ نورانی بشر ہوتے ہیں۔ ظہور بشریت کے وقت وہ کھاتے پیتے بھی ہیں اور دنیا سے تعلقات بھی قائم رکھتے ہیں۔ مگر جب نورانیت کا ظہور ہوتا ہے تو انہیں کھانے پینے کی مطلقاً ضرورت نہیں رہتی۔ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر بشری حیثیت سے رہے۔ اس لئے انہیں کھانے پینے سانس لینے وغیرہ بشری عوارضات کی ضرورت رہی آسمان پر نورانیت کے ساتھ ہیں وہاں نہ وہ ہوا کے محتاج نہ کھانے کے نہ پینے کے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو دو وقت کھانا نہ کھانے پر پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے اور کبھی روزہ وصال کے موقع پر مسلسل نہ کھاتے نہ پیتے اور کچھ احساس نہ ہوتا۔ وہ بشریت کا ظہور تھا یہ نورانیت کی جلوہ گری ہے۔ حضرت زید ابن ثابت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عبرانی زبان سیکھو تاکہ دوسرے بادشاہوں کے خطوط کا ترجمہ مجھے سناؤ یہ بشریت کا ظہور ہے پھر جانوروں کی بولی سمجھ رہے ہیں۔ پتھروں کی فریاد سن رہے ہیں لکڑیوں کی آہ و زاری پر توجہ فرما رہے ہیں۔ پتھروں کے کلام کا جواب دے رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انسان تو کیا لکڑیوں پتھر کی بولی بھی جانتے ہیں یہ نورانیت کا ظہور ہے بلکہ یہ تبدیلی احوالات تو فرشتوں اور دیگر مخلوقات کی بھی ہوتی رہتی ہے۔ دیکھو ہاروت ماروت نورانی فرشتہ ہیں جو نہ کھائیں نہ

پئیں۔ مگر جب شکل بشری میں بھیجے گئے تو کھانے پینے بھی لگے اور عورتوں سے اختلاط کے قابل بھی ہو گئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام جب شکل انسانی میں آتے تو کپڑے بھی پہنتے ان کے بال سیاہ ہوتے تھے اور سواری بھی کرتے تھے یہ بشریت کا ظہور تھا ورنہ فرشتوں کو لباس کی کیا ضرورت اور ان کے بال کالے کیسے۔ عصائے موسوی لکڑی کا تھا۔ مگر جب سانپ بن جاتا تھا کھاتا پیتا بھی تھا اور سانس لے کر پھنکاریں بھی مارتا تھا۔ رب فرماتا ہے **تلقف ما یا فکون** جب حالات کی تبدیلی کا یہ عالم ہے تو عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر رہ کر نہ کھائیں پئیں تو کیا اعتراض ہے۔ **نواں اعتراض:** اگر عیسیٰ علیہ السلام اخیر زمانہ میں تشریف لائیں تو اس وقت نبی ہوں گے یا نہیں؟ نبی نہ رہنا خلاف عقل ہے اور نبی ہونے کی صورت میں احکام کس کے جاری ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یا عیسیٰ علیہ السلام کے۔ **جواب:** نبی کو رب تعالیٰ سے بھی تعلق ہے اور مخلوق سے بھی۔ ربانی تعلق کبھی نہیں ٹوٹتا ان کو ہمیشہ عظمت و وقار حاصل رہتا ہے مگر نسخ کے بعد ان کا تعلق مخلوق سے ٹوٹ جاتا ہے اس طرح کہ ان کے احکام جاری نہیں رہتے یہی حال عیسیٰ علیہ السلام کا ہو گا اگر کوئی جج کسی عدالت میں گواہ بن کر پیش ہو تو وہ اپنے وقت اور اپنی جگہ میں جج ہے مگر اس عدالت میں اس کی ججی کا ظہور نہیں۔ اس کی حیثیت گواہی کی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام عدالت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس حیثیت سے تشریف لائیں گے کہ اللہ کے نزدیک نبی ہوں گے مگر مخلوق پر حضور علیہ السلام کے احکام جاری کریں گے۔ **دسواں اعتراض:** کسی شخص کا دوسرے کے ہم شکل ہو جانا غیر ممکن ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ طیطانوس عیسیٰ علیہ السلام کا ہمشکل ہو کر پھانسی پا جائے۔ **جواب:** شکلیں بدلنا اور کسی کا دوسرے کا ہمشکل ہو جانا ممکن ہی نہیں واقع ہے۔ گورے آدمی بیماری سے کالے ہو جاتے ہیں۔ کالے گورے بن جاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بن جاتا ہے۔ دنیا میں بہت لوگ آپس میں ہم شکل ہوتے ہیں۔ ہاں حضور علیہ السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ کوئی آپ کا ہم شکل نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ شیطان بھی خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل بن کر نہیں آسکتا۔ حضرت جبریل علیہ السلام صحابہ کرام کا ہمشکل بن کر آتے ہیں۔ جناب مختلف جانوروں کی شکل بن سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت لوگوں کی شکلیں بدل دیں۔ دیکھو مثنوی شریف وغیرہ۔ **گیارہواں اعتراض:** اس سے معلوم ہوا کہ عیسائی حق پر ہیں اور مسلمان کافر۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ میں نے تمہارے متبعین کو قیامت تک کفار پر غالب رکھوں گا۔ اور اب بھی ہر جگہ عیسائی ہی غالب ہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں؟ (عیسائی)۔ **جواب:** عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار صرف مسلمان ہیں کیونکہ وہ حضور علیہ السلام کے فرمانبردار ہیں اور حضور علیہ السلام کی فرمانبرداری سارے پیغمبروں کی اطاعت ہے کیونکہ سارے نبیوں نے خصوصاً "حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا ہے اب حضور کی اتباع ان سب کی اتباع ہے اگر باپ اپنے بیٹوں کو وصیت کر جائے کہ میرے بعد فلاں شخص کا کہنا ماننا کرنا تو یقینی بات ہے کہ بیٹے کا اس فلاں کا کہنا ماننا باپ کی وصیت پر ہی عمل ہے۔ جس سے باپ کی روح خوش ہو گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں سارے نبیوں کا فیضان ہے۔ جس کے پاس سو ہیں اس کے پاس ساری اکائیاں اور دہائیاں ہیں۔ سارے انبیاء جمع کے عدد ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاصل جمع۔ جیسے حاصل جمع میں سارے اعداد آجاتے ہیں ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں تمام نبیوں کی غلامی آجاتی ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی** اور یہاں فوقیت سے دینی غلبہ مراد ہے نہ کہ دنیوی سلطنت کیونکہ اس

ہے پہلے سینکڑوں برس مسلمانوں کی بادشاہت رہی اور اب بھی خدا کے فضل سے مسلمانوں کی بہت سلطنتیں ہیں تو کیا کہا جاسکتا ہے کہ پہلے مسلمان سچے تھے اب عیسائی۔ یا ہندوستان میں عیسائی سچے ہیں اور افغانستان میں مسلمان۔ نیز ہندوستان میں چوہڑے' چمار بھی عیسائی ہیں ان کی ذلت کا یہ حال کہ سر پر پاخانہ کا ٹوکرا کپڑے' جوتے پھٹے ہوئے امریکہ اور سکاٹ لینڈ کی خیرات پر ان کا گزارا' انگریز عیسائیوں کے ساتھ نہ اٹھ بیٹھ سکیں نہ ان کے ساتھ گرجے میں عبادت کرسکیں نہ ان کے قبرستان میں دفن ہو سکیں تو کیا انگریز عیسائی حق پر ہیں۔ اور دیسی عیسائی کافر۔ ماننا پڑے گا کہ فوقیت سے دینی فوقیت مراد ہے اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کو ہی حاصل ہے۔ حج مسلمانوں ہی کے کعبہ کا ہوتا ہے نہ کہ بیت المقدس کا۔ دھوم دھام سے تلاوت قرآن پاک کی ہوتی ہے نہ کہ توریت وانجیل کی۔ بیت المقدس میں ہزاروں پیغمبر آرام فرما ہیں اور مدینہ پاک میں صرف سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مگر جو دھوم دھام مدینہ پاک کی ہے وہ بیت المقدس کی نہیں معلوم ہوا کہ شہنشاہ یہاں رہتے ہیں اور حکام وہاں۔ اس کی صدہا مثالیں مل سکتی ہیں۔ ہندوستان میں ہندو دھرم دیسی ہے کہ یہیں پیدا ہوا۔ اور عیسائیت واسلام پردیسی۔ وہ دو پرانے اسلام نیا ہے۔ مگر اسلام نے ان تمام دینوں کو دبالیا۔ یہاں قرآن کی اشاعت زیادہ مسجدیں بے شمار' اذانیں تعداد سے باہر' غرض جس پر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ رکھ دیا وہ چیز جگمگا گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ دینی فوقیت ہمیشہ مسلمانوں کو ہی حاصل ہے اور حاصل رہے گی۔ رہی قومی فوقیت تو وہ اکثر مسلمان کو حاصل رہی اب اگر مسلمان قومی لحاظ سے گر جائیں تو اس میں ان کا اپنا قصور ہے بلکہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی مسلمانوں کی دنیا میں کم و بیش بیس سلطنتیں ہیں اتنی سلطنتیں کسی قوم کی نہیں۔ میں 1954ء میں براستہ خشکی حج کو گیا۔ گجرات سے لے کر مکہ مکرمہ تک ایک انچ زمین کسی کافر کی نہیں آئی۔ سارا سفر اسلامی سلطنتوں میں ہی گزرا۔ چنانچہ پاکستان سے نکل کر ایران میں داخل ہوئے۔ ایران سے عراق میں۔ عراق سے کویت میں۔ کویت سے نجد میں۔ وہاں سے حجاز میں اور یہ سب ممالک اسلامی ہیں اگر آج بھی اسلامی سلطنتیں سر جوڑلیں تو دنیا میں بڑی طاقت بن جائیں افسوس کہ ان کے نصیب میں اتفاق نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان کبھی بھی کفار سے نہ مرے آپس کی نااتفاقی کا شکار ہوئے۔ ہمیشہ اپنوں ہی نے اپنوں کو کچلا۔ **بارھواں اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں کچھ دیر عرش پر بلا کر واپس بھیج دیا گیا مگر عیسیٰ علیہ السلام کو صدیوں تک چوتھے آسمان پر رکھا گیا۔ معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں کیونکہ رب تعالیٰ سے جو قرب انہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کو نہیں (عیسائی)۔ **جواب:** اس کے بہت جواب ہیں نہایت آسان جواب اس مثال سے سمجھ میں آسکتا ہے کسی بادشاہ نے کسی افسر کو امن قائم کرنے کے لئے کہیں بھیجا مگر اس سے رعایا نہ دبی۔ باغیوں نے افسر کو قتل کرنا چاہا سلطان نے فوراً اس افسر کو اپنے پاس بلالیا تاکہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچاسکے اس کے بعد دوسرا افسر بھیجا گیا جس نے تمام باغیوں اور سرکشوں کو اپنا تابعدار بنالیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ چونکہ تم سے نظام سلطنت خوب قائم ہوا۔ لہٰذا تم وہاں ہی رہو اور حکومت کئے جاؤ۔ پھر کبھی اس افسر کو مہمان بنا کر اپنے ہاں بلایا۔ اس کا جلوس نکلا۔ خلعت اور تحفے عنایت فرمائے یقیناً اس افسر کا یہاں رہنا پہلے افسر کے بادشاہ کے پاس رہنے سے افضل ہے حضرت مسیح کا آسمان پر جا کر پھر عہد مصطفیٰ میں حضور کی امت میں زمین پر تشریف لانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرشی مہمان بن کر جانا اور کونین میں دھوم دھام کا ہونا۔ پھر سرکشوں کی سرکوبی کے لئے دنیا میں تشریف لانا اور فرش پر جلوہ گر رہنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حضور علیہ السلام زمین پر اسی واسطے رکھے گئے کہ حضور علیہ السلام سے یہاں کا انتظام قائم ہے۔ مرکز دائرہ میں ہی رہنا چاہئے۔ کیونکہ اس کے ہٹنے سے سارا

دائرہ بگڑجائے گا۔

تفسیر صوفیانہ : رب تعالیٰ نے عیسیٰ ء قلب سے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تجھے نفس و نفسیات سے نکال کر آسمان روح کی طرف پہنچانے والا ہوں۔ جہاں میرا انتہائی قرب ہوگا۔ اور تجھے خبیث قوتوں اور نفسانی خواہشوں کی خبیث صحبتوں کی پلیدی سے نکالنے والا ہوں اور تیرے متبعین روحانی طاقتوں کو ان نفسانی کفار پر بڑی قیامت یعنی مقام وحدت کے پہنچنے تک غالب رکھوں گا۔ پھر تم سب کا رجوع میری طرف ہوگا۔ اور وہاں تمہارا حقیقی فیصلہ جذب اور عنایت سے پہلے جو تم میں اختلاف تھا اس کا فیصلہ یوں ہوگا کہ ہر ایک کو اس کے لائق ٹھکانہ دیا جائے گا۔ (ابن عربی)

دوسری تفسیر : معرفت الٰہی گویا آسمان ہے اور نفس اور نفسانیات گویا زمین ہے شیاطین یہاں کے کفار۔ سالک کو چاہئے کہ ماسوی اللہ سے بچتا ہوا مقام معرفت اللہ تک پہنچے۔ تب اس کا حال فرشتوں کا سا ہوگا کہ اس سے شہوتیں، غضب، برے اخلاق سب دور ہو جائیں گے۔ تختیء قلب کو نقش غیر سے صاف کرو تاکہ تمہیں مثل عیسیٰ علیہ السلام وصال کی بلندی حاصل ہو۔

حکایت: مثنوی شریف میں ہے کہ ایک نحوی کشتی میں بیٹھا۔ اور کشتی بان سے بولا کہ کیا تجھے نحو آتی ہے اس نے کہا نہیں کہنے لگا تیری آدھی عمر برباد ہوئی کچھ دور جاکر کشتی بھنور میں پھنس گئی کشتی بان نے نحوی سے کہا کہ بولو کیا تمہیں پھنسی کشتی نکالنی بھی آتی ہے۔ نحوی نے کہا نہیں۔ کشتی بان نے کہا کہ تو تمہاری ساری عمر برباد۔ مولانا فرماتے ہیں۔

محوے باید نہ نحو این جابداں ۔ گر تو محوی بے خطر در آب رواں

آب دریا مردہ رابر سر نہد ودود زندہ ز دریا کے رہد

چوں بمردی توزاو صاف بشر بحر اسرارت نہد بر فرق سر

دریائے معرفت میں نحو لے کر نہ آؤ۔ محو یعنی فنا لے کر آؤ۔ زندہ کو دریا نیچے لے جاتا ہے اور مردے کو اپنے اوپر۔ اگر تم اوصاف بشریت سے مردے ہو کر اپنے کو دریا کے حوالے کرو گے تو کامیاب رہو گے۔ اہل اللہ باقی مشاغل اور دنیوی تفکرات سے آزاد ہو کر انوار کے بازوؤں سے فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ولادت دو قسم کی ہے۔ اختیاری اور غیر اختیاری۔ غیر اختیاری وہ ہے۔ جس میں ہمارے کسب کو دخل نہ تھا۔ جو بذریعہ والدین ہوئی۔ اختیاری وہ جس میں ہمارے کسب کو دخل ہے اور جو شیخ کامل کی نگاہ سے حاصل ہوئی تھی۔ اپنے بیمار نفوس کا شیخ کامل کے مشورہ سے دوائے تقویٰ سے علاج کرو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ مرکز کی چیز فنا نہیں اور جو مرکز سے ہٹ جائے اسے بقا نہیں۔ گھڑے کا پانی ختم ہو جاتا ہے مگر نلکے کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا کیوں؟ اس لئے کہ گھڑے کا پانی مرکز سے الگ ہے اور نلکا مرکز سے وابستہ ' آفتاب کے نور کو زوال نہیں۔ ایسے ہی حضرات انبیاء کرام عزت کے مرکز ہیں جو ان سے وابستہ ہوا وہ ہمیشہ کی عزت پا گیا ان سے الگ رہ کر اگرچہ حکومت دولت وغیرہ کی وجہ سے عارضی عزت مل جاتی ہے مگر اس عزت کو فنا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا۔ اے عیسیٰ (علیہ السلام) تمہارے متبعین کو تاقیامت نہ مٹنے والی عزت دوں گا۔ کیونکہ تم مرکز عزت ہو۔ تمہارے دامن سے وابستہ کبھی بھی ذلیل نہیں ہوتے جب عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کا یہ حال ہے تو جنہیں خدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نصیب کرے ان کی عزت کا کیا پوچھنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین فرماتے ہیں کہ ایک نبی کا منکر سارے

نبیوں' فرشتوں کا بلکہ خدا منکر ہے رب تعالیٰ نے یہود کو یہاں الذین کفروا مطلق فرمایا یعنی یہ یہود میری ذات و صفات' فرشتے' کتابوں سبھی کے منکر ہیں۔ یہی حال اولیاء اللہ کا ہے ایک کا مقبول سب کا مقبول۔ ایک پھندہ کھلا جال بیکار ہوا۔ معرفت الٰہی اور تقویٰ طہارت کا شکار وہی کر سکتا ہے۔ جس کے عقائد کے سارے پھندے درست ہوں۔ نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ وہی نیک عمل قبول ہے جو نبی کی اتباع میں ہو۔ اس لئے یہاں اتبعوک فرمایا۔ چنانچہ مسلمان کے ایک پیسہ کی خیرات کا ثواب جو ہے وہ مشرک و کافر کے ایک لاکھ روپیہ کی خیرات کا ثواب نہیں کیونکہ مسلمان نبی کی اتباع ہی میں سب کچھ کرتا ہے اور مشرک و کافر اتباع سے آزاد ہو کر۔ اعمال ڈھانچہ ہیں اتباع پاور اعمال قالب ہیں اتباع روح شیطان کے سارے اعمال نیک' سجدہ سجود اسی لئے بیکار ہوئے کہ اس میں اتباع نبوی نہ تھی۔ جو حضرات ایمان لاتے ہی شہید ہو گئے' وہ مقبول ہیں اگرچہ انہیں عمل کا وقت نہ ملا کہ وہاں اتباع موجود تھی۔ مگر وہ منافقین جو بغیر اتباع نبوی نمازیں وغیرہ پڑھتے تھے وہ مردود رہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ٘

پس لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا پس عذاب دونگا میں ان کو عذاب سخت بیچ دنیا اور آخرت کے اور

تو وہ جو کافر ہوئے ہیں انہیں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا

وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

نہیں ہے واسطے ان کے کوئی مددگار اور لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے اچھے

کوئی مددگار نہ ہوگا اور وہ جو ایمان لائے اچھے کام کئے اللہ ان کا

فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ

پس پورا دے گا وہ ان کو اجر ان کے اور اللہ نہیں محبت فرماتا ظالموں سے یہ تلاوت کرتے ہیں ہم اس کو اوپر

نیک انہیں بھرپور دے گا اور ظالم اللہ کو نہیں بھاتے یہ ہم تم پر پڑھتے ہیں

مِنَ الْاٰیٰتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ﴿۵۸﴾

تمہارے آیتوں سے اور ذکر حکمت والا

کچھ آیتیں اور حکمت والی نصیحت

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے فیصلے کا اجمالی ذکر تھا۔ فرمایا گیا تھا کہ ہم تمہارے اختلافات کا فیصلہ کریں گے اب اس فیصلے کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت سے شبہ پیدا ہوتا تھا کہ جب کفار و مومنین کا فیصلہ قیامت ہی میں ہو گا تو انبیائے کرام اور آسمانی کتابوں کے دنیا میں

تشریف لانے سے کیا فائدہ۔ وہ حضرات اس فیصلہ ہی کے لئے تو آتے ہیں اب اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اس فیصلہ سے وہ عملی فیصلہ مراد ہے۔ جس سے ہر مجرم کو اپنے مجرم ہونے کا اقرار کرنا پڑے۔

تفسیر: **فاما الذین کفروا** ف تفصیلیہ ہے اور اما شرطیہ اور کفر سے یا تو عام کفر مراد ہے یا یہود کا کفر یعنی مسیح علیہ السلام کی توہین یا عیسائیوں کا کفر یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں حد سے آگے بڑھنا۔ پہلے معانی عام ہیں اور آخری دو معنی موقعہ کے مناسب۔ یعنی لیکن جنہوں نے کسی قوم کا کفر کیا۔ یا عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا یا جو ان کی شان میں حد سے بڑھ کر کافر ہوئے۔ **فاعذبھم عذابا شدیدا** **فی الدنیا والاخرۃ** یہ جملہ اما کی جزاء ہے اور کفر کا نتیجہ ہے **عذاب عذب** سے بنا بمعنی روکنا اسی لئے میٹھے پانی کو عذب کہتے ہیں کہ وہ پیاس کو روکتا ہے۔ سزا کو عذاب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے جرم رکتا ہے **فی الدنیا عذاب** کی صفت ہے۔ یا اعذب کا ظرف اور دنیا سے یہ ظاہر زندگی مراد ہے اور آخرت سے قبر اور قیامت کی زندگی۔ مقصود دنیا میں سخت عذاب قتل قید اور جزیہ مقرر کرنا اور سلطنت چھن جانا ہے' جو یہود کو دیا گیا کہ پہلے یہود کو رب نے عزت' سلطنت سب کچھ دی تھی مگر ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے وہ ان دونوں نعمتوں سے محروم کر دیئے گئے اور اگر تمام کفار مراد ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ کفار کے لئے دنیا کی تکالیف بھی عذاب شدید ہے اور یہاں کی راحتیں بھی عذاب شدید ہیں کہ کفار یہاں کی مصیبت سے گھبرا کر کفر میں اور اضافہ کر لیتے ہیں بلکہ کبھی خودکشی بھی کر لیتے ہیں مگر مومن کے لئے یہاں کے رنج و راحت صبر و شکر کا ذریعہ بن جاتے ہیں لہٰذا آیت واضح ہے نیز غفلت کی زندگی بھی رب تعالیٰ کا عذاب ہے جو کافر کے لئے ہے۔ قبر کا عذاب وہاں کی تنگی اندھیرا اور موذی جانوروں کی تکلیف اور وحشت ہے۔ اگرچہ بعض مسلمانوں کو بھی اپنی بدعملیوں کی وجہ سے عذاب قبر ہو گا مگر کفار اور گناہ گار مسلمانوں کے عذاب قبر میں دو طرح فرق ہو گا۔ ایک یہ کہ کفار کو قبر میں دوزخ کا عذاب ہے کہ وہاں کی گرمی اور موذی جانور وغیرہ اس پر مسلط ہوتے ہیں۔ مگر مومن کو خود قبر کی تنگی اندھیرے اور وحشت وغیرہ کا عذاب ہو گا۔ دوسرے یہ کہ کافر کا عذاب قبر' قیامت تک ہو گا جو کسی صورت میں کم یا موقوف نہیں ہو سکتا۔ مگر مومن کا عذاب قبر جمعہ یا کسی بزرگ کی گزر' زندوں کی تسبیح' تہلیل کی برکت سے موقوف بھی ہو سکتا ہے اور آخرت کا عذاب جہنم کی آگ ہے یعنی وہ کفار کو دنیا میں بھی سخت عذاب دوں گا اور آخرت میں بھی۔ اور اس کے ساتھ ہی **وما لھم من نصرین** ناصرین جمع ناصر کی ہے بمعنی مددگار نہ ہو گا۔ یا یہ جمع اقسام کے لحاظ سے ہے کہ مددگار بہت قسم کے ہوتے ہیں۔ مال سے جان سے اپنی عزت و آبرو کے ذریعہ مدد کرنے والے۔ یہاں ان سب کی نفی کرنا مقصود ہے۔ یعنی کفار کے لئے کسی قسم کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔ کیونکہ کفار میں اللہ کے مقرر کردہ مددگاروں سے مدد لینے کی قابلیت نہیں۔ جیسے اندھے یا چمگادڑ کی آنکھ میں سورج سے نور لینے کی قابلیت نہیں یا بنجر زمین میں بارش سے فیض لینے کی لیاقت نہیں۔ فیض کے لئے دینے والے میں زور' لینے والے میں قابلیت چاہئے۔ خیال رہے کہ کفار کے لئے نہ دنیا میں کوئی مددگار ہے جو انہیں راہ راست پر لگا کر عذاب سے بچالے نہ قبر میں کوئی مددگار جو وہاں ان کی شفاعت کرے۔ لہٰذا یہ آیت کریمہ بہت جامع ہے اور مالھم فرما کر مسلمانوں کو بچالیا۔ **واما الذین امنوا وعملوا الصلحت** چونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اس لئے کفار کے مقابل مسلمانوں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو ساری ایمانیات پر ایمان لائے خصوصاً عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کمی بیشی سے محفوظ رہے اور انہوں نے ہر ممکن نیکی بھی کی۔ ہماری اس تفسیر سے بہت سے اعتراضات اٹھ گئے **فیوفیھم اجورھم** یوفی توفیہ سے بنا بمعنی پورا دینا۔ ھم کا مرجع

مومنین ہیں اجور جمع اجر کی۔ ہے معنی اجرت و ثواب۔ یہاں دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں یعنی انہیں رب تعالیٰ ان کی نیکیوں کے بدلے یا ان کے ثواب پورے پورے دے گا چونکہ ہر نیکی کا ثواب جداگانہ ہے روزہ کا ثواب اور ہے نماز کا اجر اور یا ہر مسلمان کو علیحدہ ثواب ملے گا یا اس لئے کہ مومن کو نیکیوں کا اجر دنیا میں بھی ملتا ہے یعنی حیات طیبہ اور مرتے وقت بھی حسن خاتمہ 'قبر' حشر میں بھی عذاب سے نجات۔ یا ہر عمل کے بیسیوں اجر ملیں گے مثلاً نماز پنجگانہ سے وضو کا ثواب الگ مسجد جانے کا الگ' اس لئے اجور جمع فرمایا **واللہ لا یحب الظلمین** یہ گزشتہ کلام کا خاتمہ ہے یا اس کی وجہ اور محبت نہ کرنے سے یا ناراض ہونا مراد ہے یا ارادۂ تعظیم نہ کرنا۔ **ظلمین** ظلم سے بنا معنی چیز کا بے موقع خرچ کرنا۔ یہاں کفار مراد ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی عبادت کو بے موقعہ صرف کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کفار کو ناپسند کرتا ہے۔ **ذلک نتلوہ علیک ذالک** سے عیسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ واقعات کی طرف اشارہ ہے چونکہ وہ عظیم الشان تھے۔ اس لئے ذالک فرمایا۔ **نتلوا** تلاوت سے بنا۔ اس کی لغوی تحقیق بارہا ہو چکی۔ یہاں خبر دینا یا ذکر کرنا یا پڑھنا مراد ہے۔ اگرچہ یہ کام جبریل علیہ السلام کے تھے مگر چونکہ رب تعالیٰ کے حکم سے تھے اس لئے اسے رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔ **من الایت والذکر الحکیم** یہ عبارت نتلوا کی ضمیر سے حال ہے۔ آیات سے مراد یا قرآن پاک کی آیتیں ہیں۔ یا حضور علیہ السلام کی نبوت کی نشانیاں۔ ذکر سے مراد قرآن شریف ہے اور حکیم یا حکم بمعنی مضبوطی سے بنا' یا حکمت سے (خازن) بعض لوگوں نے کہا کہ ذکر حکیم سے مراد لوح محفوظ ہے جہاں سے آسمانی کتابیں آتی ہیں یعنی یہ واقعات اور مضبوط قرآن کی آیات آپ کو ہم ہی بتاتے ہیں نہ آپ نے کسی سے پڑھیں۔ نہ کہیں سنیں۔ یہ آپ کی نبوت کی نشانیاں ہیں۔ قرآن مضبوط یا حکمت والا کہ نہ اس کی کوئی آیت لغو اور نہ اسے کوئی مٹا سکے۔ آپ پر ان چیزوں کا آنا آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آیات سے مراد قرآن کی عام آیتیں ہوں اور ذکر حکیم سے مراد نعت انبیائے کرام کی آیات۔

خلاصہ تفسیر: مسلمانوں اور کفار میں اس طرح فیصلہ ہو گا۔ کہ کفار کو تو دنیا میں بھی ہم سخت عذاب دیں گے کہ ان پر جزیہ مقرر کریں گے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرائیں گے۔ دنیا میں انہیں ذلیل و خوار رکھیں گے اور آخرت میں بھی آگ و تکالیف کی سخت سزا دیں گے۔ اور ان کے لئے کوئی کسی قسم کا مددگار نہ ہو گا کہ انہیں مال و دولت یا اپنی عزت و آبرو کے ذریعہ ہمارے عذاب سے بچالے۔ ہاں جو ایماندار ہیں اور ہر قسم کی نیکیاں بقدر طاقت کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں ان کا اجر پورا پورا دے گا۔ کسی قسم کی کمی نہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ظالموں یعنی کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔ خیال رہے کہ قرآن کریم میں چار قسم کی آیتیں ہیں۔ بعض وہ جن میں فرمایا گیا کہ کافروں کا مددگار کوئی نہیں' جیسے یہاں۔ بعض وہ جن میں ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو تمہارا مددگار کوئی نہیں جیسے **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** بعض وہ جن میں فرمایا گیا کہ مومنوں کے مددگار بہت ہیں **انما ولیکم اللہ ورسولہ** یا جیسے **والذین کفروا اولیائهم الطاغوت** ان اثبات و نفی کی مختلف آیات میں مختلف امدادوں کا ذکر ہے مثلاً کفار کا آخرت میں مددگار کوئی نہیں۔ یا دنیا میں ان کا رکھوالا کوئی نہیں اور مسلمانوں کا اللہ کا مقابل مددگار کوئی نہیں۔ اس لئے وہاں من دون اللہ ارشاد ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ** یا **وما یمسک فلا مرسل لہ** اور اللہ کے بنانے سے مسلمانوں کے مددگار بہت ہیں۔ اور بعض کافر بعض کے کفر و طغیان میں مددگار ہیں کہ جو انہیں اور زیادہ کافر و طاغی بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا ان چاروں قسم کی آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ خیال

رہے کہ جب الذین کفر کے ساتھ آئے گا تو اس سے جنات اور انسان سب ہی مراد ہوں گے اور جب الذین کے بعد ایمان کا ذکر ہو گا تو اس سے صرف مومن انسان مراد ہوں گے کیونکہ دوزخ سارے کافروں کے لئے ہے۔ جنات ہوں یا انسان۔ مگر جنت صرف انسان مومنوں کے لئے' جنات کے لئے ہے نہ فرشتوں کے لئے جیسا کہ سورۂ جن اور سورۂ احقاف میں ہے۔ لہذا ان آیات میں پہلے الذین میں جن وانس سب داخل ہیں اور دوسرے الذین میں صرف انسان داخل ہیں۔ ایمان کے معنی ہیں امن دینا۔ یہ رب تعالیٰ کی بھی صفت ہے اور انسانوں کی بھی اللہ تعالیٰ خوش عقیدہ لوگوں کو عذاب سے امن دیتا ہے اور مومن ایمان کے ذریعہ اپنے کو امن دیتا ہے ایمان اور نیک اعمال کا اجمالی ذکر قرآن شریف میں ہے اس کی تفصیل حدیث شریف میں ہے۔ کیونکہ حدیث قرآن ہی کی تفسیر ہے حدیث کا منکر تو امنوا وعملوا الصلحت کے معنی بھی نہیں کر سکتا۔ یہ بھی خیال رہے کہ قرآن کریم میں ظالم کافر کو بھی کہا گیا ہے۔ گناہ گار کو بھی اور خطاکار کو بھی اور کسی کا حق مارنے والوں کو بھی۔ اندھیری مچانے والے ظلم بمعنی تاریکی۔ یہاں ظالم بمعنی کافر ہے اور یا بمعنی حق مارنے والا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اعمال ایمان سے خارج ہیں اس لئے عمل کو ایمان پر معطوف کیا گیا۔ **دوسرا فائدہ:** مومن کے ثواب میں زیادتی ہو گی مگر کمی نہ ہو گی جیسا کہ یوفیھم اجورھم سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** کافر کا کوئی مددگار نہیں اور نہ انہیں کوئی عذاب الٰہی سے بچائے گا' مسلمانوں کے لئے ان شاء اللہ انبیائے کرام' علماء اور اولیاء دنیا و آخرت میں مددگار ہیں اور ان شاء اللہ نیکیاں و شفاعت انہیں عذاب سے بچائیں گے۔ جیسا کہ لھم کی تقدیم سے معلوم ہوا۔ یعنی صرف کافروں کیلئے کوئی مددگار نہیں۔ **چوتھا فائدہ:** انبیاء کرام کا علم غیب ان کی نبوت کی دلیل ہے ان کا منکر گویا درپردہ ان کی نبوت میں شک کرنے والا ہے جیسا کہ نتلوہ علیک سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** ایمان کے ساتھ نیک اعمال کی بھی ضرورت ہے۔ اور نیکی کے لئے ایمان شرط جیسا کہ امنوا وعملوا الصلحت سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** نجات کے لئے بقدر طاقت ہر قسم کی نیکی کرے صرف ایک دو عمل پر ہی قناعت نہ کرے جیسا کہ الصلحت سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض : اس کی کیا وجہ ہے کہ ثواب کو ایمان اور نیک عمل پر موقوف کیا گیا۔ مگر عذاب کو صرف کفر پر موقوف رکھا وہاں بدعملی کا ذکر نہ فرمایا۔ کیا کفر ایمان سے قوی تر ہے؟ **جواب:** عذاب کے لئے صرف کفر ہی کافی ہے خواہ بدعملی کرے یا نہ کرے مگر پورے ثواب کے لئے ایمان اور عمل دونوں ضروری۔ گناہ گار مسلمان ثواب کا مستحق ہے مگر پورے ثواب کا مستحق نہیں۔ نفس ثواب اور ہے اور پورا ثواب کچھ اور۔ پورا ثواب تو یہ ہے کہ عذاب بالکل نہ ہو۔ اور کوئی نیکی برباد نہ ہو۔ گنہگار بدعملی سے اپنی بعض نیکیاں برباد کر لیتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافروں کو دنیا میں بھی عذاب ہو گا اور آخرت میں بھی حالانکہ بعض کفار دنیا میں بڑے مزے میں ہیں۔ اور مسلمان تکلیف میں تو آیت کا مطلب کیا؟ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں کفار سے صرف یہود مراد ہیں۔ اور دنیوی عذاب سے ان کا سلطنت سے محروم ہونا۔ ہمیشہ دوسروں کا غلام' دنیا میں ذلیل رہنا مراد ہے اور ظاہر ہے کہ یہودی ہمیشہ اس ذلت میں مبتلا رہے اور رہیں گے دوسرے یہ کہ کفروا سے عام کفار مراد ہیں اور دنیوی عذاب سے یہاں کی بیماریاں تنگ زندگی مراد ہے کیونکہ بیماری مسلمان کے واسطے رحمت اور کافر کے لئے عذاب' نیز مسلمان غربت میں بھی خوش رہتا ہے اور کافر غنی ہو کر بھی پریشان۔ راحت مال پر موقوف نہیں۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک مسلمان کو پورا ثواب ملے گا۔ مگر احادیث سے ثابت ہے کہ بعض اعمال کا ثواب ایک گنا تک ملے گا۔ ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں پورے سے مراد کمی نہ ہونا ہے زیادتی اس کے خلاف نہیں۔ دوسرے یہ کہ پورے سے مراد قانون کے مطابق ہے نہ کہ عمل کے مطابق۔ جس نیکی کا ثواب ایک لاکھ ملتا ہے وہی اس کا پورا ثواب ہے کیونکہ قانون کے ماتحت ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو پورا ثواب ملے گا مگر بعض آیتوں اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہ نیکیاں برباد کر دیتے ہیں حالانکہ گنہگار مومن ہوتا ہے۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کا جواب فوائد میں گزر گیا کہ پورا اجر ملنا تقویٰ میں داخل ہے۔ لہٰذا گناہگار اس آیت سے خارج ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اجر و ثواب کا ملنا ایمان و اعمال دونوں پر موقوف ہے۔ تو جن لوگوں کو ان کا وقت ہی نہ ملا۔ تو وہ کہاں جائیں گے۔ جنت میں یا دوزخ میں اگر دوزخ میں گئے تو رب کے کرم کے خلاف ہے اگر جنت میں گئے تو اس آیت کے خلاف۔ یہ سوال مسلمانوں کے چھوٹے بچوں پاگلوں دیوانوں ' ایمان لاتے ہی مرجانے والوں کے متعلق بھی ہے اور ان کے متعلق بھی جو ابتدائے اسلام میں فوت ہو گئے جب کہ اعمال آئے ہی نہ تھے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک عالمانہ ' دوسرا عاشقانہ۔ علماء فرماتے ہیں کہ ان جیسی آیتوں میں بقدر طاقت کی قید ہے رب فرماتا ہے **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** لہٰذا ایسے لوگ بغیر اعمال ہی جنت میں جائیں گے۔ عشاق فرماتے ہیں کہ جنت کسبی بھی ہے اور عطائی بھی۔ ان جیسی آیتوں میں جنت کسبی کا ذکر ہے۔ دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو دوسروں کے طفیل جنت ملے گی اور بعض آیات سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کو محض اللہ کے کرم سے جنت عطا ہو گی۔ قانون اور ہے ' رب کا فضل کچھ اور۔ لہٰذا آیت واضح ہے نہ تو کوئی شخص عمل سے بے پرواہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اپنے عمل پر اعتماد کر سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا مثل کھیتی ہے۔ جیسے کھیت میں بھوسہ اور دانہ ایک ہی کھاد و پانی پاتے ہیں مگر کٹنے کے بعد دانے کی جگہ اور ہے اور بھوسے کی جگہ دوسری۔ ایسے ہی دنیا میں کفار و مومن یہاں کی نعمتوں سے عام فائدہ حاصل کر رہے ہیں مگر قیامت کا دن گویا اس کھیت کے کٹنے کا دن ہو گا۔ جس کے بعد مسلمانوں کی جگہ جنت ہو گی اور کفار کی جگہ دوزخ۔ صوفیاء کرام کے نزدیک کفار کا مقام قلب سے محروم رہنا اور اپنی بد عملی میں پھنسا رہنا۔ حق تعالیٰ سے محجوب رہنا سخت عذاب ہے۔ لیکن وہ لوگ جو ایمان شہودی رکھیں اور ہر طرح نفس کا تزکیہ اور تصفیہ کریں۔ اور نیک اعمال سے اسے آراستہ کریں اور نفس کے مقابلہ میں قلب کو توجہ الی اللہ میں امداد دیں۔ حق تعالیٰ انہیں قدسی انوار اور روحانی اشراق سے پورا پورا حصہ دیگا۔ رب تعالیٰ ظالم یعنی اعمال میں کوتاہی کر کے اجر میں کمی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یہاں کامل مومن وہ ہے۔ جس کے لئے دنیا رب تعالیٰ سے حجاب نہ بن جائے۔ ہر شخص کو رب سے قدرتی عشق ہے اور عاشق کیلئے محبوب کا وصل انتہائی کامیابی ہے اور محبوب سے محجوبی انتہائی ناکامی۔ دنیاوی الجھنوں میں پھنس کر اس عشق کا ظہور نہیں ہوتا قیامت کے دن آتش عشق انتہائی جوش پر ہو گی اور پھر وہ رب تعالیٰ سے محجوب رہے گا اس وقت کی تکلیف ناقابل برداشت ہو گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا ینظر الیھم** خدا کفار کو دیکھے گا نہیں۔ یہ نہ دیکھنا جہنم کے عذاب سے سخت تر ہو گا کفار کے لئے دنیوی عذاب یہاں کی الجھنیں ہیں اور اخروی عذاب دیدار یار سے محرومی۔ مومن کے لئے پورا اجر یہ ہے کہ دنیا میں یار کی یاد سے محروم نہ رہے اور آخرت میں یار کے دیدار سے

محجوب نہ ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایمان شہودی بھی ہوتا ہے۔ بالغیب بھی۔ ہم دنیا میں آنے سے پہلے ایمان شہودی رکھتے تھے۔ عالم ارواح میں کوئی کافر نہ تھا اور مرنے کے بعد بھی سب کو ایمان شہودی نصیب ہو جائے گا ہر شخص مرتے وقت ہی ایمان لے آتا ہے۔ یہ دونوں ایمان نجات کے لئے کافی نہیں۔ ایمان بالغیب چاہئے اسی پر نجات کا مدار ہے یوں ہی صالح عمل وہ ہے جس میں عامل بالغیب بھی صالح ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

ہرچہ گیرد علتی علت شود ۔ کفر گیرد ملتی ملت شود

اس آیت میں امنوا اور عملوا الصلحت سے یہی مراد ہے۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن

تحقیق کہاوت عیسیٰ کی نزدیک اللہ کے مثل کہاوت آدم کے ہے کہ بنایا ان کو مٹی سے پھر فرمایا واسطے ان

عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے اُسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو

فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ

کے ہو جاؤ پس ہو جاتا ہے وہ سچ ہے طرف سے رب آپ کے پس نہ ہو تم شک کرنے والوں میں سے پس جو کوئی جھگڑا کرے

جاؤ وہ فوراً ہو جاتا ہے اے سننے والے یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تو شک کرنے والوں میں

فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ

تم سے بیچ اس کے پیچھے سے اس کے کہ آیا تمہارے پاس علم پس کہہ دو کہ آؤ بلائیں ہم بیٹوں اپنوں کو اور بیٹوں تمہارے

نہ ہو پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ کے بارے حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان

وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ

کو اور عورتوں اپنی کو اور عورتوں تمہاری کو اور جانوں اپنی کو اور جانوں تمہاری کو پھر دعائے لعنت کریں پس کریں

سے فرما دو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں

اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾

لعنت اللہ کی اوپر جھوٹوں کے ٭

پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں ٭

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** دعویٰ کو چند طرح ثابت کیا جاتا ہے' دلائل سے' واقعات سے اور معترض کے شبہات دور کر کے۔ پچھلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت دلائل اور واقعات کی روشنی میں دکھائی گئی کہ پیدا ہونا۔ رزق کھانا بندگی کی علامتیں ہیں۔ اب عیسائیوں کے اعتراض کا الزامی جواب دیا جا رہا ہے اور ان کے

شبہات دور کئے جارہے ہیں۔ دوسرا تعلق: منصف مقابل سے مناظرہ کیا جاتا ہے اور ہٹ دھرم سے مباہلہ۔ یعنی جھوٹے کے لئے بددعا۔ اب تک عیسائیوں سے مناظرانہ گفتگو تھی جس سے منصف فائدہ اٹھاسکتے ہیں اور اب ضدی عیسائیوں کے مقابلہ میں فیصلہ کن مباہلہ کی تعلیم تھی۔ گویا مناظرے کے بعد مباہلے کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے حیران کن واقعات بیان کئے گئے۔ جن سے شاید معترض انکی الوہیت ثابت کرنے کی کوشش کرتا۔ اب اس غلط فہمی کو دور کیا جارہا ہے اور آدم علیہ السلام کا واقعہ پیش کرکے بتایا جارہا ہے کہ معجزات الوہیت کی علامت نہیں۔

شانِ نزول: وفد نجران جس کا ذکر شروع آل عمران میں ہوچکا۔ جب حضور علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ تو ان کے سردار عاقب اور عبدالمسیح نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں۔ فرمایا ہاں اس کے بندے اس کے رسول اس کے کلمے جو کنواری بتول مریم کی طرف القاء کئے گئے۔ وہ لوگ غصے ہوگئے اور کہنے لگے کہ کیا آپ نے کوئی ایسا بندہ بھی دیکھا ہے جو بغیر باپ پیدا ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام کا اس طرح پیدا ہونا ان کے ابن اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ اسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر آئے جس میں بتایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام سے عجیب تر اور بہت انوکھی آدم علیہ السلام کی پیدائش ہے کہ وہ بغیر ماں باپ خشک مٹی سے پیدا ہوئے۔ جب تم انہیں خدا کا بیٹا نہیں مانتے اللہ کا بندہ مانتے ہو تو عیسیٰ علیہ السلام کو عبداللہ ماننے میں کیا تعجب ہے۔ (خازن و خزائن)

تفسیر: ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم چونکہ اس مضمون کے عیسائی منکر تھے اس لئے ان سے شروع فرمایا گیا۔ نیز یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی والدہ کو اس لئے برا کہتے تھے کہ آپ بغیر والد پیدا ہوئے اور اسی وجہ سے جناب مریم کو تہمت لگاتے تھے اور کہتے تھے کہ نعوذ باللہ چونکہ آپ ثابت النسل نہیں ہیں۔ اس لئے آپ نبی تو کیا ولی بھی نہیں ہوسکتے۔ ان کی تردید کے لئے بھی ان فرمایا گیا کہ اگر بغیر باپ پیدا ہونا نبوت کے خلاف ہے تو بے وقوف یہودیو! تم حضرت آدم علیہ السلام کو نبی کیسے مانتے ہو۔ ان کا نسب تو نہ باپ کی طرف سے ہے نہ ماں کی طرف سے۔ جناب مسیح کا نسب یوسف نجار سے ثابت کریں گے اور بغیر والد ہونے کا انکار کریں گے۔ ان کی تردید کے لئے بھی ان ارشاد ہوا۔ غرض کہ ایک ان سے یہود عیسائی مرزائی تینوں فرقوں کی بلیغ تردید فرمادی گئی۔ مثل کی تحقیق اور مثل و مثل میں فرق ہم پہلے پارے میں عرض کرچکے۔ یہاں یا بمعنی کہاوت ہے یا بمعنی حالت اور صفت کمثل میں اگر مثل تشبیہ کے لئے ہے تو کاف زائدہ ہے۔ اگر بمعنی حالت و صفت ہے تو کاف تشبیہ کا (روح المعانی کبیر) عند اللہ بمعنی فی حکم اللہ یا فی تقدیر اللہ ہے اور ظرف اسی کا ہے جو کمثل ادم کا متعلق ہے اور یہ مضمون ان کی خبر یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی کہاوت یا ان کی حالت عجیبہ یا ان کی صفت آدم علیہ السلام کی صفت کی طرح ہے۔ خیال رہے کہ یہاں عجیب کی عجیب تر سے تشبیہ ہے۔ وجہ مشابہت صرف خلاف عادت بلا باپ پیدا ہونا ہے۔ ایک اعتبار سے آدم علیہ السلام کی پیدائش زیادہ عجیب ہے کہ بغیر ماں باپ کے ہیں اور ایک اعتبار سے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش زیادہ عجیب ہے کہ آدم علیہ السلام میں مٹی پانی وغیرہ تو ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں یہ کچھ نہیں۔ بلکہ ماں باپ کا نطفہ بھی نہیں کیونکہ آپ کے باپ تو ہیں ہی نہیں۔ نطفہ ماں کا بھی نہیں۔ کیونکہ حضرت مریم کو حضرت جبریل امین کے دیکھتے ہی پہلے ہیبت طاری ہوئی پھر فرزند کی بشارت پاکر حیرت پھر اپنی آبرو کی فکر لاحق ہوئی۔ نطفہ شہوت سے ہوتا ہے نہ کہ حیرت و ہیبت سے۔ آپ کا ابن

مریم ہونا اس لئے ہے کہ بی بی مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ان کے ہم شکل تھے نہ اس لئے کہ آپ کی پیدائش ان کے نطفہ سے ہے اور نہ اس لئے کہ آپ کے پیٹ میں پرورش ان کے ماہواری خون سے ہے کیونکہ جناب مریم کو خون کبھی نہیں آیا جیساکہ **وطھرک علی نساء العلمین** کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔ **خلقہ من تراب** یہ اس تمثیل کا بیان ہے اور خلق بمعنی صور ہے'ہ کا مرجع آدم علیہ السلام ہیں۔ تراب خشک مٹی کو کہتے ہیں اور یہ پیدائش آدم کی ابتداء کا ذکر ہے کہ اولاً" خشک مٹی لی گئی۔ پھر اسے پانی سے گوندھ کر طین یعنی گارا بنایا پھر اسے سڑا کر طین لازب یعنی لیس دار مٹی بنایا گیا۔ پھر اس کا سلالہ یعنی اصل حاصل کیا گیا۔ پھر اسے خشک کر کے **صلصال** یعنی آواز دینے والی مٹی بنایا گیا پھر اس میں جلد بازی اور مشقت وغیرہ شامل کی گئیں۔ اس لئے آیتوں میں مختلف چیزوں کا ذکر ہے۔ یہاں فرمایا **من تراب** کہیں فرمایا **خلق من الماء بشرا** کہیں فرمایا **خلقنا الانسان من سللۃ من طین** کہیں فرمایا **انی خالق بشرا" من صلصال من حماء مسنون** کہیں فرمایا۔ **خلق الانسان من عجل** کہیں فرمایا **لقد خلقنا الانسان فی کبد** چونکہ پیدائش انسان میں یہ تمام چیزیں تھیں اس لئے مختلف آیتوں میں مختلف چیزوں کا ذکر ہوا۔ لہٰذا آیتوں میں مخالفت نہیں (تفسیر کبیر) اگرچہ آدم علیہ السلام کے خمیر میں پانی بھی شامل ہے اور ہوا و گرمی کا بھی خلط ہے۔ مگر چونکہ اصل مٹی تھی اور یہ چیزیں مٹی کا خمیر کرنے کے لئے اس لئے رب تعالیٰ نے من تراب فرمایا اور آپ کا نام آدم ہوا یعنی ادومت والے۔ آدم مٹی کو کہتے ہیں جیسے روٹی میں پانی آٹا دونوں شامل ہیں اور آگ کی امداد بھی مگر پانی اور آگ آٹے کی روٹی بنانے کے لئے ہیں اس لئے آٹے کی روٹی کہا جاتا ہے پانی یا آگ کی روٹی نہیں کہا جاتا۔ **ثم قال لہ کن فیکون** چونکہ آدم علیہ السلام کے جسم بنانے اور روح پھونکنے کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے اس لئے ثم فرمایا گیا۔ جس سے تاخیر معلوم ہوئی۔ قال کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور لہ کا مرجع جسم آدم علیہ السلام۔ کن کی پوری تحقیق ہم پہلے کر چکے۔ یہاں مراد ہے کہ کن بشرا یا انسانا یکون یا بمعنی کان ہے کیونکہ یہ گزشتہ کی حکایت ہے یا اس کا مضارع ہونا اس وقت کے لحاظ سے ہے۔ جب کن فرمایا تھا۔ (روح المعانی) یعنی رب تعالیٰ نے مٹی سے ایک جسم بنایا۔ پھر اس جسم سے فرمایا کہ تو مکمل انسان ہو جا۔ یہ فرماتے ہی فوراً ایسا ہو گیا (روح المعانی) اس طرح کہ وہی مٹی جسم انسان بن گئی۔ جس میں پاؤں ناخن سے لیکر سر کے بالوں تک کے سارے اعضاء بن گئے جیسے صابن کا خمیر' میدہ' تیل' ریٹھے وغیرہ سے ہوتا ہے مگر سوڈا کاسٹک کے پڑتے ہی یہ سب چیزیں اپنی حقیقت چھوڑ کر صابن بن جاتی ہیں۔ یا نطفہ ماں کے پیٹ میں گوشت پوست' ہڈی سب کچھ بن جاتا ہے نیز اس کن سے آپ کے جسم شریف میں روح بھی پڑ گئی۔ اور آپ اس کن سے عالم اسماء بھی ہو گئے یعنی ہم نے کہا اب کچھ ہو جاؤ۔ وہ سب کچھ ہو گئے۔ غرضیکہ اس کن میں تین احتمال ہیں۔ (1) اے مٹی کے جسم' جسم انسانی ہو جا۔ (2) اے بے جان جسم جاندار ہو جا۔ (3) اے آدم تم بشر زندہ خلیفہ عالم' عارف' نبی ساری خلق سے افضل سب کچھ ہو جاؤ۔ ایسے ہی فیکون میں یہ تینوں احتمال ہیں **الحق من ربک** یا تو الحق مبتداء ہے اور من ربک خبر یعنی حق وہ ہے۔ جو رب تعالیٰ کی طرف سے ہو یا **الحق ھذا** پوشیدہ کی خبر ہے اور من ربک حق کی صفت یا دوسری خبر۔ حق مقابل باطل کا ہے جیسے کذب مقابل صدق کا یعنی یہ سارے واقعات حق ہیں۔ آپ کے رب کی طرف سے ہیں۔ لہٰذا **فلا تکن من الممترین** اس میں بظاہر خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر مقصود ہر قرآن پڑھنے والا ہے ممترین **امتراء** سے بنا جس کا مادہ مری یا مریۃ ہے بمعنی جذب کرنا اور کھینچنا۔ اسی لئے بولتے ہیں مر یتہ الناقت میں نے اونٹنی کا دودھ دوہ لیا چونکہ شک انسان کے قلب کو

کھینچے پھرتا ہے ایک جگہ جمنے نہیں دیتا اسی لئے اسے مرتبہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اے مسلمان تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو یعنی شک کرنا تو کیا شک کرنیوالوں کی جماعت سے بھی نہ ہو۔ **فمن حاجک فیہ** یہاں دلائل اور دفع شبہات کے بعد آخر فیصلہ کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ یہاں من سے مراد نجران کے عیسائی ہیں کیونکہ اس وقت انہیں سے مقابلہ تھا اور فیہ کی ضمیر سے مراد شان عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی عبدیت ہے حاج محاجت سے بنا بمعنی ایک دوسرے کے مقابل حجت کرنا۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنے دلائل کے بعد بھی جو کوئی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے۔ **من بعد ما جاءک من العلم** من بعد حاج کے متعلق ہے علم سے مراد یقینی آیتیں اور مضبوط دلائل ہیں۔ کیونکہ وہ علم کا ذریعہ ہیں اور من بیانیہ ہے۔ ما کا بیان نہ کہ تبعیضیہ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پورا علم عطا فرمایا گیا تھا نہ کہ بعض چونکہ مناظرہ تو ہر قطعی و ظنی مسئلہ پر ہو سکتا ہے مگر مباہلہ صرف عقائد قطعی پر ہی ہو سکتا ہے اس لئے یہ جملہ ارشاد ہوا۔ یعنی جب کہ آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت و نبوت کا آیات قرآنیہ کے ذریعہ قطعی و یقینی علم دے دیا گیا لہٰذا اب جو آپ کے مقابل اس پر ضد کرے تو مباہلہ کرو۔ اس عبارت میں رب تعالیٰ نے ہم کو مباہلہ کے متعلق بہت سے مسائل بتا دیئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کو اس کے سوا اور چیزوں کا علم نہیں۔ **فقل تعالوا** یہ جملہ **من حاجک** کی جزا ہے۔ تعالوا کا مصدر تعالی ہے بمعنی اوپر چڑھنا۔ اس کا مادہ علو بمعنی بلندی ہے اس کے معنی ہیں اوپر آؤ۔ مگر اب مطلقاً آنے کے لئے استعمال ہے۔ یعنی فرمادو کہ خوب پختہ ارادہ کر کے آؤ۔ **ندع ابناء نا وابناء کم** ندع دعوے سے بنا بمعنی بلانا۔ ابناء کے معنی ہیں بیٹے مگر یہاں بیٹے پوتے نواسے سب ہی مراد ہیں۔ یعنی مذکر اولاد اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر اپنے ساتھ امام حسن و حسین کو لے گئے تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جو کہ حضور علیہ السلام کے نواسے ہیں بعض نے فرمایا کہ یہاں ابناء سے مجاز الولاد اور داماد مراد ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام سیدنا علی کو بھی ساتھ لے گئے تھے جن کا شمار داماد کی وجہ سے حضور علیہ السلام کی اولاد میں تھا۔ (روح المعانی) **ونساء نا ونساء کم** نساء خلاف قیاس امراۃ کی جمع ہے بمعنی عورت یہاں اس سے بیویاں مراد نہیں بلکہ بیٹیاں ہیں۔ جیسا کہ ابناء سے معلوم ہوا۔ کیونکہ فقط نساء سے مطلق عورتیں مراد ہوتی ہیں اور جب نساء کسی کی طرف مضاف ہو تو بیویاں۔ جیسے یا نساء النبی اور اگر ابناء سے ساتھ مل کر آوے تو مراد بیٹیاں ہیں۔ جیسے یہاں خیال ہے کہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ اس وقت نہ ان کی بیویاں تھیں نہ بیٹیاں نہ کوئی اور۔ انہوں نے صرف دعا میں انہیں شریک کرنا تھا۔ نیز اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ الزہرا کو اپنے ساتھ لے گئے تھے نہ کہ ازواج مطہرات کو۔ **وانفسنا وانفسکم**: انفس جمع نفس کی ہے بمعنی جان اور ذات۔ ظاہر یہی ہے کہ اس سے خود اپنی ذات کے بلانے کا مطلب ہے۔ موقعہ پر اپنے آپ حاضر ہو جانا۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں۔ جیسا کہ ان شاء اللہ سوال و جواب میں معلوم ہو گا یعنی فرمادو کہ اے عیسائیو۔ آؤ ہم اور تم اپنی بیٹی بیٹوں اور اپنی جانوں کو ایک جگہ جمع کریں۔ **ثم نبتہل فنجعل لعنت اللہ علی الکذبین** ثم فقط ذکری سے تاخیر کے لئے ہے۔ نبتہل۔ ابتہال سے بنا جس کا مادہ بہل ہے بمعنی دعا و عاجزی اور دعا کے بعد اس کی قبولیت کا انتظار اور لعنت بھی آیا ہے اس لئے دعا میں عاجزی کرنے کو ابتہال فی الدعا کہتے ہیں مگر یہاں دعاء لعنت مراد ہے۔ یعنی ایک دوسرے کو بددعا جیسا کہ اگلا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے۔ فنجعل کی ف یا تعقیبیہ ہے یا تفسیریہ۔ نجعل جعل سے بنا بمعنی کرنا یہاں مراد دعا کرنا ہے لعنت کے لغوی معنی ہیں۔ دور کرنا' رحمت سے دور کرنا اللہ کی لعنت اور اس دوری کی دعا کرنا بندہ کی لعنت۔

الکذبین میں الف لام عہدی ہے۔ اور اس سے عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں جھوٹ بولنے والے مراد ہیں۔ یعنی ہم تم اپنے اہل قرابت کے ساتھ جمع ہو کر آپس میں مباہلہ کریں کہ جھوٹے پر رب کی لعنت بھیجیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی بیٹی و نواسوں کو ساتھ لے گئے۔ لیکن وہ نجرانی عیسائی صرف خود ہی موجود تھے۔ انکے ساتھ انکی اولاد وغیرہ کوئی نہ تھی۔ وہ صرف بد دعا میں ہی انہیں شریک کرتے۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ پیدا ہونے سے ان کی الوہیت ثابت کرنے والے سخت غلطی پر ہیں۔ اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی حالت آدم علیہ السلام کی طرح ہے کہ رب تعالیٰ نے بغیر نطفے اور بغیر ماں باپ خشک مٹی سے ان کی صورت بنائی اور پھر ان سے کن فرمایا تو وہ اچھے خاصے قوی اور توانا انسان بن گئے اگر بغیر باپ پیدا ہونا خدا ہونے کی دلیل ہے تو کیا عیسائی آدم علیہ السلام کو بھی خدا مانیں گے۔ جب انہیں خدا نہیں مانتے تو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کیوں مانتے ہیں۔ اے مسلمان! یہ سارے دلائل اور عقائد حق ہیں۔ تیرے رب کی طرف سے ہیں لہذا تو شک کرنا تو کیا شک کرنے والوں میں سے بھی نہ ہو۔ یا حق وہ ہوتا ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہو اور جو ان کی بناوٹی باتیں ہوں وہ سب باطل ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام حق ہیں کہ ان کی ذات صفات حالات سب حق ہیں اور آپ کی پیدائش رب کی طرف سے ہے نہ کہ انسان کی کوشش کا نتیجہ یا لائق قبول وہ عقیدہ ہے جو رب تعالیٰ کی طرف سے ہو اور جو یہود و نصاریٰ کے گھڑے ہوئے وہ لازم الترک ہیں۔ خیال رہے کہ حق یا مقابل باطل کا ہے۔ بمعنی درست یا مقابل زائل کے بمعنی باقی و ناقابل زوال یا بمعنی لائق قبول۔ اسی سے ہے حقیق۔ رب فرماتا ہے۔ **حقیق علی ان لا اقول علی اللہ الا الحق** اور اس کی حقانیت پر یقین کر اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان یقینی دلائل اور منہ توڑ جواب سننے کے بعد جو عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ سے جھگڑا کریں اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا ہی کہیں تو آپ ان سے اب مناظرہ نہ کرو بلکہ انہیں مباہلہ کی دعوت دو اور فرما دو کہ میدان میں آؤ۔ ہم تم اپنی اولاد یعنی بیٹی بیٹے اور اپنے آپ کو ایک جگہ جمع کریں۔ پھر خدا کی بارگاہ میں عاجزی سے دعا کریں کہ مولیٰ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہو اس پر لعنت کر یہ آپ کا اور ان کا آخری فیصلہ ہے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام کو تین نوعیتوں سے علم عطا ہوئے ہیں پیدائشی علم جیسے معرفت الٰہی ایمانیات وغیرہ کے علوم۔ دوسرے وہ جو حسب موقعہ الہام کے ذریعہ عطا ہوتے ہیں۔ تیسرے وہ جو بذریعہ وحی عطا ہوتے ہیں۔ ان تینوں علوم کی آیات قرآنی موجود ہیں۔ یہاں **من بعد ما جاءک من العلم** میں علم سے مراد یہ تیسرا علم ہے اور اس عبارت میں ہم کو بتانا مقصود ہے کہ اے مسلمانو! صرف قطعی یقینی مسئلہ پر مباہلہ کرنا۔ ظنی اجتہادی مسئلہ پر کبھی مباہلہ نہ کرنا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بار ہی مباہلہ کی تیاری فرمائی۔ مناظرے بارہا کئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء کرام نے مناظرے کئے ہیں۔ حضرت ابراہیم کا مناظرہ نمرود سے تو قرآن کریم میں مذکور ہے مگر مباہلہ کسی رسول نے نہ کیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجرانی عیسائیوں کو اس مباہلے کی دعوت دی اور یہ آیت انہیں سنائی وہ بولے کہ ہمیں تین دن کی مہلت دی جائے۔ ہم اس معاملہ میں غور کرلیں۔ ان کی یہ گزارش منظور کی گئی۔ چنانچہ وہ تنہائی میں جمع ہوئے اور بنی نضیر اور بنی قریظہ کو بھی بلایا۔ عاقب نے عبد المسیح سے کہا کہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے وہ بولا عیسائیو! تم پہچان چکے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر اپنا دین قائم رکھنا ہے تو مباہلہ نہ کرو گھر

لوٹ چلو یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی خبر توریت میں ہے۔ یہ مشورہ ہونے کے بعد یہ لوگ وقت مقرر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ اُدھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح تشریف لائے کہ حضور علیہ السلام کی گود میں امام حسین ہیں اور دست مبارک میں امام حسن کا ہاتھ ہے اور فاطمہ زہرہ و علی مرتضی حضور علیہ السلام کے پیچھے ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور حضور علیہ السلام ان سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعاء کروں تو تم سب آمین کہنا۔ گویا پنجتن پاک تھے۔ اور اُدھر عیسائیوں کے چودہ سرداران کے ساتھ بہت مخلوق۔ عیسائیوں کے سردار نے ان حضرات کو دیکھ کر کہا کہ اے عیسائیو! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ سے پہاڑ ہٹانے کو کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے پہاڑ کو اپنی جگہ ہٹا دے خدا کے لئے ان سے مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ آخرکار انہوں نے عرض کیا کہ مباہلے کی ہماری رائے نہیں اور ہم آپ سے جزیہ پر صلح کرتے ہیں کہ ہر سال آپ کو دو ہزار جوڑے تینتیس زرہ تینتیس اونٹ اور چونتیس گھوڑے دیا کریں گے۔ حضور علیہ السلام نے قبول فرمایا اور فرمایا کہ قسم رب کی نجران والوں پر عذاب قریب ہی آگیا تھا۔ اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندر' سور بن جاتے اور ان کا جنگل آگ سے بھڑک اٹھتا۔ اور نجران کے چرند پرند تک نیست و نابود ہو جاتے بلکہ ایک سال کے اندر روئے زمین کے عیسائی ہلاک ہو جاتے۔ (خزائن و عرفان و روح المعانی و کبیر وغیرہ) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمبل شریف میں حضرات حسنین و فاطمہ زہرا و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کو داخل فرما کر دعا کی کہ مولیٰ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ انہیں خوب پاک فرما انشاء اللہ اس کا پورا واقعہ سورہ احزاب میں آئے گا۔

لطیفہ : کسی عالم کا عیسائی پادری سے مناظرہ ہوا۔ عالم نے عیسائی سے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی کیا دلیل ہے۔ وہ بولا بغیر باپ پیدا ہونا۔ عالم نے کہا کہ پھر چاہیے کہ آدم علیہ السلام بھی خدا ہوں کہ وہ بغیر ماں باپ پیدا ہوئے عیسائی بولا کہ نہیں بلکہ مردوں کو زندہ کرنا عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی دلیل ہے۔ عالم نے جواب دیا کہ پھر چاہیے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام خدا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے تو چار مردے زندہ کئے مگر ان کی دعا سے چار ہزار مردے زندہ ہوئے۔ عیسائی بولا کہ نہیں بلکہ ان کا پرندے بنانا اور اس میں جان ڈالنا ان کے خدا ہونے کی دلیل ہے۔ عالم نے کہا پھر چاہیے کہ رحم میں بچہ بنانے والا فرشتہ خدا ہو کہ وہ دن رات یہی کام کرتا ہے۔ آخرکار عیسائی خاموش ہو گیا۔

نوٹ : ابن عساکر نے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس مباہلہ میں ابوبکر صدیق' عمر فاروق' عثمان اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کی اولاد کو بھی ساتھ لے کر گئے تھے۔ مگر یہ روایت جمہور کے خلاف ہے۔ (روح المعانی)۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام میں حضرت مریم کا نطفہ شامل نہیں۔ آپ صرف حضرت جبریل کی سانس سے پیدا ہوئے۔ اس لئے آپ کو آدم علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی کہ جیسے ان کی ولادت صرف کن سے تھی۔ ایسے ہی آپ کی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فنفخنا فیہ من روحنا ہاں فرق یہ ہے کہ آدم علیہ السلام میں کوئی واسطہ نہ تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں حضرت مریم کا واسطہ ہے انہیں ابن مریم صرف اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت مریم کے شکم سے تشریف لائے اور ان کے ہم جنس نہ اس لئے کہ وہ ان کے نطفہ سے پیدا ہوئے۔ دوسرا فائدہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی اور پیغمبر برحق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دہشت سے نجران کے عیسائی مباہلہ پر تیار نہ ہوئے۔ **تیسرا فائدہ:** حضرات حسنین و فاطمہ زہرہ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے درجے والے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا پر آمین کہنے کے لئے انہیں منتخب فرمایا۔ **چوتھا فائدہ:** مناظرہ میں جانبین کا علم میں برابر ہونا ضروری نہیں۔ اعلیٰ درجہ کا عالم معمولی شخص سے مناظرہ کر سکتا ہے۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعلم الخلق ہیں۔ نجران کے پادریوں نے مناظرہ کیا مگر کج بحث اور ہٹ دھرم سے مناظرہ نہ کرنا چاہیئے کہ اسمیں بیکار وقت ضائع کرنا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واعرض عن الجھلین** خود رب نے ابلیس کے دلائل کا جواب نہ دیا۔ بلکہ فرمایا **فاخرج منھا فانک رجیم** **پانچواں فائدہ:** حضور علیہ السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کا نسب شریف دختر سے چلا اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور علیہ السلام کے بیٹے قرار پائے۔ حضور علیہ السلام کے سوا اور کسی کو یہ فخر حاصل نہیں۔ **مسئلہ:** اگر سید غیر سیدانی نکاح کرلے تو اس کی اولاد سید ہے کہ انہیں زکوٰۃ لینا حرام اور اگر غیر سید سیدانی سے نکاح کرے تو اولاد سید نہ ہوگی انہیں زکوٰۃ حلال غرضیکہ سید کی اولاد بہرحال سید ہے خواہ لونڈی سے ہو یا غیر سیدانی بیوی سے (احکام القرآن) **مسئلہ:** اگر کسی نے کسی کی اولاد کے لئے وصیت کی۔ اور اس کے پوتے بھی ہوں اور نواسے بھی تو وصیت میں صرف پوتے داخل ہوں گے نہ کہ نواسے (احکام القرآن) **چھٹا فائدہ:** کفار سے ضرورت کے وقت مباہلہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے مگر مباہلہ صرف کفار سے کیا جائے اور یقینی عقائد کے بارے میں ہو۔ ظنی مسائل پر نہیں ہو سکتا۔ (ماخوذ از روح المعانی) دنیاوی جھگڑوں اور ظنی مسائل پر مباہلہ نہیں کرسکتے۔

پہلا اعتراض: جب کہ ابھی جسم آدم میں سننے سمجھنے کی طاقت نہ تھی کو کن کس سے کہا گیا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں کن فرمانے سے مراد آدم علیہ السلام کی ہستی چاہتا ہے اور آپ کی پیدائش کا ارادہ کرتا ہے دوسرے یہ کہ یہاں کن فرمانا ہی مراد ہے اور رب تعالیٰ اپنی ساری مخلوق پر احکام نافذ فرماتا ہے۔ اور سب اس کے فرمان پر عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ طوفان نوح کے موقعہ پر آسمان سے فرمایا تھا۔ **یاسماء اقلعی** اور زمین سے فرمایا تھا **یا ارض ابلعی ماءک** اور پہاڑوں سے فرمایا تھا **یا جبال اوبی** غرضیکہ یہاں بھی رب نے آدم علیہ السلام کی مٹی سے یہ فرمایا۔ رب تعالیٰ کی عطا سے اس کے بعض بندے بھی عالم کی چیزوں کو حکم دیتے ہیں۔ اور وہ چیزیں ان کی اطاعت کرتی ہیں رب تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے۔ **تجری بامرہ** یعنی آپ کے حکم سے ہوا چلتی تھی۔ ایک بار حضور غوث پاک نے دجلہ کی طغیانی کے موقع پر فرمایا کہ اے دجلہ میرے اس قائم کردہ مقام سے آگے نہ بڑھنا چنانچہ وہ آگے نہ بڑھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرگی کی بیماری سے خطاب فرمایا اے اللہ کے دشمن نکل جا میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس فرمان سے بیمار کو قے ہوئی اور ایک کالا کیڑا منہ سے نکلا۔ بیمار کو شفا ہوگئی۔ غرضیکہ ساری چیزوں میں حواس ہیں جن سے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے مقبولوں کی بات سنتی ہیں اور اطاعت کرتی ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مباہلہ میں اپنی اولاد علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو داخل کیوں فرمایا۔ **جواب:** تاکہ اس سے آپ کا پورا یقین ظاہر ہو جائے اور جرم ثابت ہو کیونکہ انسان اپنے اور اپنی اولاد کے لئے اس وقت بددعا کرتا ہے جب اسے کسی شئی کا پورا یقین ہو۔ کہا جاتا ہے اگر میری بات صحیح نہ ہو تو میں میرے بال بچے ہلاک ہو جائیں۔ **تیسرا اعتراض:** مباہلہ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر عیسائی مباہلہ کرلیتے تو ہلاک ہو جاتے حالانکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وما**

کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم آپ کی موجودگی میں اللہ انہیں عذاب نہ بھیجے گا۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: اس آیت میں عام ظاہری عذاب مراد ہے جیسا کہ پچھلی امتوں پر آیا جس سے سارے کفار تباہ ہو گئے ورنہ خاص اب بھی آسکتا ہے اور قریب قیامت آئے گا بھی (تفسیر کبیر)۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰ تمام صحابہ سے افضل ہیں اور وہی حضور علیہ السلام کے بعد خلافت کے مستحق کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا نفس فرمایا کہ انفسنا سے حضور علیہ السلام کی ذات مراد تو ہو سکتی نہیں کہ کوئی بھی اپنے آپ کو نہیں بلاتا۔ تو لامحالہ سیدنا علی ہی مراد ہوں گے اور یقینی بات ہے کہ اس نفس کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ اس سے مثل اور مساوی مراد ہے اور جو نبی کا مساوی ہو وہی خلافت کا مستحق ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی خلافت کا حق دار نہیں ایسے ہی مثل حضور علیہ السلام کی موجودگی میں کوئی خلافت کا مستحق نہیں (شیعہ)۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں نفس سے مراد سیدنا علی نہیں بلکہ خود حضور علیہ السلام کی ذات کریم ہے اور ذات کو بلانے کا مطلب ہے۔ اپنے آپ کو وہاں پہنچا دینا۔ کہا جاتا ہے دعوت نفسی الی کذا یا امرت نفسی اور شاورت نفسی وغیرہ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ بلکہ حضرت علی بیٹوں میں داخل ہیں۔ کیونکہ عرف میں داماد کو بیٹا کہا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر حضرت مولیٰ علی انفس میں داخل بھی ہوں تو اس سے آپ کا حضور علیہ السلام کی مثل ہونا لازم نہیں۔ قرابتدار اور دینی بھائیوں کو انفس کہہ دیتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ولا تخرجون انفسکم من دیارکم نیز فرماتا ہے۔ ولا تلمزوا انفسکم یا ربنا ظلمنا انفسنا وغیرہ کہ ان میں فاعل و مفعول ایک ہی ہے۔ چونکہ سیدنا علی نسب میں بھی حضور علیہ السلام سے قریب تھے اور دین میں بھی اس لئے انہیں انفس میں داخل فرمایا گیا۔ اگر علی مرتضیٰ حضور علیہ السلام کی مثل ہوں تو لازم آتا ہے کہ آپ میں نبوت اور خاتمیت بھی پائی جائے اور آپ کا نکاح حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ سے جائز نہ ہو۔ لہٰذا آپ کا ہر طرح حضور کی مثل ہونا ناممکن ہے اور بعض صفات میں مثل ہونے سے خلافت کا استحقاق ثابت نہیں ہو سکتا۔ تیسرے یہ کہ اگر نفس میں داخل ہونے کی وجہ سے حضرت علی امامت کے مستحق ہیں۔ تو چاہئے کہ آپ حضور علیہ السلام کی موجودگی میں امام ہوں اور اگر بعض وقت میں آپ سے امامت جدا ہو سکتی ہے تو ہمارا مقصد حاصل ہے کہ بیشک وہ خلفائے ثلثہ کے بعد امام برحق ہوئے۔ چوتھے یہ کہ اگر حضور علیہ السلام کا نفس مولیٰ علی تھا۔ تو بتاؤ ادھر کفار کا نفس کون تھا۔ کیونکہ آیت میں فرمایا گیا۔ انفسنا وانفسکم لہٰذا چاہئے کہ انفس کے معنی ایسے کئے جائیں۔ جو دو طرفہ بن سکیں۔ نوٹ: عام شیعہ اس دلیل پر بہت پھولتے ہیں مگر اس جواب سے ان کی دلیل پاش پاش ہو گئی۔ اس لئے محققین شیعہ یہ آیت پیش نہیں کرتے دیکھو کتاب اظہار الحق مصنفہ عبداللہ مشہدی (روح المعانی) پانچواں اعتراض: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خلفائے راشدین سے محبت تھی۔ تو آپ انہیں مباہلہ میں کیوں نہ لے گئے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو صرف سیدنا علی سے محبت تھی۔ جواب: اس وقت عیسائیوں سے مقابلہ تھا اور ایسے موقعوں پر انسان اپنے عزیز اہل قرابت کو ہی پیش کرتا ہے اگر بجائے ان حضرات کے خلفائے راشدین کو لے جاتے تو عیسائی کہہ سکتے تھے کہ شاید حضور علیہ السلام کو عذاب الٰہی کا خوف ہے اس لئے اپنے بچوں کو بچالیا۔ چھٹا اعتراض: حق یہ ہے کہ سوائے جناب علیؓ کے سارے صحابہ منافق تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد خلافت کے غاصب بھی بن گئے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ کے موقعہ پر انہیں شریک نہ کیا کہ مباہلہ میں مومنین شریک کئے جاتے ہیں نہ کہ منافقین و کفار (شیعہ)۔

جواب: تعجب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو مباہلہ میں تو شریک نہ کیا اور بیعت رضوان جیسی اہم نعمت میں شریک کر لیا۔ جس کے بارے میں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے بلکہ بیعت رضوان کا واقعہ حضرت عثمان کی شہادت کی خبر اڑنے پر ہوا۔ گویا بیعت رضوان کی بناء حضرت عثمان ہیں یہ بیعت مباہلہ سے کہیں بڑھ کر ہے اگر یہ حضرات منافق تھے تو حضرت فاطمہ کا نکاح ان کی گواہی سے کیسے جائز ہوا۔ اس مقام پر گواہ تو یہی لوگ تھے نیز حضرت علی نے ہجرت کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ کیوں جانے دیا کیوں نہ خود ساتھ گئے کیوں نہ عرض کیا کہ ان کے ساتھ جانے میں خطرہ ہے۔ نیز اگر یہ حضرات غاصب تھے جناب علی نے ان کی خلافت کے زمانہ میں ان سے نذرانہ و ہدیہ کیوں قبول کئے۔ مال غصب تو حرام ہوتا ہے حضرت شہربانو کا نکاح جناب حسین سے کیسے درست ہوا وہ بھی تو اس غصب کا نتیجہ تھیں۔ ذرا ہوش کرو۔ بغض صحابہ میں اہل بیت پر کیوں تبرے کرتے ہو۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرہ ہی تھیں چار بیٹیوں والی روایات غلط ہیں۔ ورنہ آپ چار بیٹیوں کو مباہلہ میں لے جاتے' صرف فاطمہ زہرہ کو کیوں لے گئے۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں چار ہیں۔ زینب" رقیہ" کلثوم" فاطمہ زہرہ" رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ **یا یہا النبی قل لا زواجک و بنتک و نساء المومنین** بنات جمع فرمانے سے معلوم ہوا کہ حضور کی لڑکیاں چند ہیں کیونکہ مسلمان عورتوں کا ذکر تو آگے آ رہا ہے یہاں صرف فاطمہ زہرہ کو لے جانے کی تین وجہ ہو سکتی ہیں یا تو مباہلہ کے وقت دوسری لڑکیاں وفات پا چکی تھیں۔ یا ابھی مکہ معظمہ سے آئی نہ تھیں یا اس لئے کہ فاطمہ زہرا زیادہ پیاری تھیں کہ سب سے چھوٹی تھیں۔ نیز انہی کے بچپن میں حضرت خدیجہ نے وفات پائی تھی۔ **ساتواں اعتراض:** بعض دفعہ کفار نے حضور علیہ السلام کے مقابل مباہلہ کیا مگر ان پر عذاب نہ آیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **قالوا اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء** اے اللہ اگر قرآن سچا ہو تو ہم پر پتھر برسادے۔ پتھر نہ برسے' ممکن تھا کہ یہاں بھی مباہلہ ہوتا اور عذاب نہ آتا۔ **جواب:** وہ مباہلہ نہ تھا مباہلے کے معنی وہ ہیں۔ جو تفسیر میں عرض کیے گئے۔ سرداران قریش قوم پر اپنی پختگی ظاہر کرنے کے لئے صرف منہ سے یہ دعائیں کر لیتے تھے۔ دل ان کے کانپتے تھے اور حضور علیہ السلام کے مقابل نہ کہتے تھے۔ اس کے باوجود جب کبھی ان پر مصیبت آتی تو حضور علیہ السلام سے دعا کراتے۔ اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں غرضیکہ اس دعا کو مباہلے سے کوئی تعلق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : انسان کو مٹی سے بنانے میں چند حکمتیں ہیں۔ (1) مٹی میں تواضع اور انکسار ہے چاہئے کہ انسان بھی متواضع اور منکسر ہو۔ (2) مٹی میں عیب پوشی ہے کہ وہ ہر چیز کے لئے آڑ بن جاتی ہے چاہئے کہ انسان بھی عیب پوش ہو۔ (3) انسان کو زمین کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا۔ **انی جاعل فی الارض خلیفۃ** لہٰذا اسے مٹی سے بنایا تاکہ اس کو زمین سے قوی تعلق رہے۔ (4) اس میں رب کی قدرت کا اظہار ہے کہ شیاطین کو آگ سے بنایا جس میں روشنی اور نور ہے مگر انہیں گمراہی کی اندھیریوں میں مبتلا کر دیا فرشتوں کو ہوا سے بنایا۔ جو تمام جسموں سے زیادہ لطیف ہے مگر انہیں پوری قوت عطا فرمائی۔ ورنہ لطافت میں قوت کیسی؟ آدم علیہ السلام کو کثیف اور تاریک مٹی سے بنایا مگر انہیں محبت معرفت اور ہدایت کا نور بخشا۔ آسمان کو رقیق پانی کی موج سے بنایا اور پھر انہیں معلق لٹکا دیا تاکہ پتہ لگے کہ عطائے الٰہی اسباب پر موقوف نہیں۔ نور میں ظلمت اور ظلمت میں نور کو جلوہ گر کر دیتا ہے۔ (5) مٹی آگ کو بجھا دیتی ہے چونکہ انسان میں حرص' غصہ اور شہوت کی آگ تھی لہٰذا اسے

مٹی سے بنایا۔ تاکہ اس آگ کو بجھایا جائے۔ نیز مٹی پانی سے مل کر مختلف صورتیں قبول کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ لہذا رب تعالیٰ نے کثیف مٹی کو لطیف پانی سے ملا کر گارا بنایا۔ تاکہ قابل صورت ہو۔ اور سیرتاً" فرشتہ۔ اس لئے فرمایا۔ خلقه من تراب یہ اس کی صورت کا بیان ہے اور ثم قال له کن فیکون اس کی سیرت کا تذکرہ۔ انبیائے کرام چونکہ بشریت کے اعلیٰ طبقہ میں ہوتے ہیں۔ لہذا ان کی طاقت و قوت ملکیت سے بالا ہوتی ہے ان کو عالم اجسام کے ساتھ وہی تعلق ہے جو آسمان کو زمین کے ساتھ ہے یا روح کو بدن کے ساتھ جیسے روح جسم پر سلطنت کرتی ہے اور زمین کو سارے فیض آسمان سے ملتے ہیں۔ ایسے ہی یہ حضرات دنیا پر حکومت کرتے ہیں اور فیوض ربانی سب کو انہیں کے ذریعے ملتے ہیں۔ ان کے نفوس کو روح القدس سے خاص اتصال ہوتا ہے۔ اور تائید الٰہی سے خصوصی قرب۔ یہ راز نجران کے عیسائی سمجھ گئے اور حضور علیہ السلام کے مقابل مباہلے کے لئے تیار نہ ہوئے ان کا خیال تھا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور ربانی حضرات کی آمین قبول سے قریب ہے۔ ان سے مباہلہ میں ہماری خیر نہیں۔ اسی کا یہاں بیان ہے۔ چونکہ اولیاء اللہ مظہر انبیاء ہیں۔ اس لئے ان کی بد دعا سے بھی عالم میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے (از کبیر و معانی و بیان و ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم بہت سی قسم کے ہیں۔ سفلی 'علوی' عالم اجسام' عالم انوار اور عالم امر وغیرہ جو چیزیں کن سے بنیں انہیں عالم خلق کہتے ہیں اور جو بلا واسطہ محض رب تعالیٰ کے حکم سے بنیں وہ عالم امر کہلاتی ہیں۔ حضرات انبیاء کرام خلق و امر کا مجموعہ ہوئے ہیں ان کی جسمانیت عالم خلق سے ہے اور نورانیت عالم امر سے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے خلقه من تراب کے بعد کن فیکون کا ذکر کیا۔ اور خلق کے ساتھ مٹی کا ذکر فرمایا مگر کن کے ساتھ کسی واسطے کا ذکر نہ کیا۔ خلق میں آدم علیہ السلام کے جسم کی پیدائش کا ذکر ہے کن فیکون میں ان کی نورانیت شامل فرمانے کا تذکرہ۔ سو پیدائش آدم کے رب تعالیٰ نے خلق اور کن کا اجتماع کہیں نہ فرمایا۔ خیال رہے کہ روح کی حقیقت ہمارے فہم سے وراء ہے۔ کیونکہ ہم عالم اجسام سے ہیں اور روح عالم امر سے اس دیس کی چیز اس دیس والوں کو کیسے پہچانے۔ جب عربی کو عجمی نہیں پہچانتا حالانکہ دونوں زمینی پیدائش ہیں تو ہم سفلی لوگ علوی روح کو کیا جانیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا قل الروح من امر ربی اسی طرح ہم لوگ حقیقت انبیاء کو نہیں پہچان سکتے کہ وہ عالم امر کی صفت ہیں۔ سورج سے ہر چیز کو دیکھو سورج کو نہ دیکھو۔ ورنہ آنکھیں پھوٹ جائیں گی۔ یونہی نبی کے ذریعے تمام ایمانیات کو پہچانو۔ مگر نبی کی حقیقت میں غور و بحث نہ کرو۔ ورنہ ایمانی آنکھیں پھوٹ جائیں گی ہم جس قدر حالات انبیاء بیان کرتے ہیں وہ سب ان کی بشریت کے حالات ہیں ان کی حقیقت کا کرشمہ ہم تو کیا فرشتے بھی نہیں جان سکتے۔ ان حضرات پر کبھی بشریت کا ظہور ہوتا ہے تو کھاتے پیتے اور سب سے ملاقاتیں کرتے ہیں اور کبھی ملکیت کا ظہور ہوتا ہے تو کھانے پینے سے بے نیاز ہوتے ہیں اور فرشتوں تک کو ان کی بارگاہ میں پہنچ نہیں ہوتی۔ معراج میں سدرۃ المنتہیٰ سے آگے کوئی فرشتہ حضور کے ساتھ نہ رہ سکا۔ عیسیٰ علیہ السلام ہزاروں سال سے بغیر کھائے پئے آسمان میں جلوہ گر ہیں اس لئے رب نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد کن فیکون کا ذکر کیا۔ اگر وہ ہر طرح ہم جیسے ہوں تو وہ ہمارے لئے وسیلہ کیسے بن سکیں۔

حکایت : ایک ملحد شاعر نے کسی مشاعرے میں حضرت خواجہ شیخ کمال الدین خجندی رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا۔

از کجائی از کجائی اے لوند

آپ نے فوراً جواب دیا۔

از جنم از جنجم از جنند

وہ ملحد شاعر اس سلطان الاولیاء کے بگڑے ہوئے تیور نہ پہچان سکا۔ اور بولا

اے ملحد خجندی ریش بزرگ داری　　کز غایت بزرگی وہ ریش می تواں گفت!

اس شعر کا شیخ کے قلب پر اثر پڑا۔ کچھ لبوں کو جنبش دی۔ لب ہلنا تھے کہ شاعر وہیں گر کر مرگیا۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ عاقل وہ جو بزرگوں کو ایذا نہ دے کیونکہ اس کا الٹا اثر اس پر پڑتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا یحق المکر السیئ الا باھلہ** کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

نائے کند نالہ بدیں قول راست　　از نفس پیر ترس اے جواں　(روح البیان)

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عذاب الٰہی بندگان خدا کی ہی بے ادبی سے آتا ہے۔ فرعون نے صدیوں دعویٰ خدائی کیا۔ مگر جب تک موسیٰ علیہ السلام کی بد دعا نہ لی ہلاک نہ ہوا۔ دیکھو نجران کے عیسائیوں نے رب تعالیٰ کو عیب لگایا مگر عذاب نہ آیا۔ اگر حضور علیہ السلام کی بد دعا لے لیتے تو عذاب میں گرفتار ہو جائے۔ رب غنی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ راز کس درد　　میلش اندر طعنۂ پاکاں دہد

صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار　　حلیم کے غضب سے اللہ کی پناہ

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ
تحقیق یہ البتہ وہ بیان سچا ہے اور نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے اور تحقیق اللہ البتہ وہ غالب حکمت والا
یہی بے شک سچا بیان ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی غالب
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾
ہے　پس اگر منہ پھیریں وہ پس تحقیق اللہ جاننے والا ہے فساد پھیلانے والوں کو
ہے حکمت والا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ فسادیوں کو جانتا ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں مناظرے کی انتہائی منزل بیان کی گئی یعنی مباہلہ جس سے ضدی انسان بھی ضد چھوڑ دے۔ اب مباہلہ نہ کرنے کا انجام بیان ہو رہا ہے۔ یعنی ترک اور ضدیوں سے علیحدگی۔ اور انہیں خدا کے سپرد کر دینا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں الوہیت مسیح کے مسئلہ کے متعلق چند شبہات کا جواب دیا گیا تھا اس آیت میں بھی بقیہ شبہات کا جواب دیا جارہا ہے کہ خدا وہ جو عزیز و حکیم یعنی کامل غلبہ اور کامل علم والا ہو۔ اور چونکہ یہ وصف عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں۔ لہٰذا وہ خدا کیسے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں نجرانی عیسائیوں سے مناظرہ و مباہلہ کا ذکر تھا۔ اب اس مناظرہ و مباہلہ کا بہترین نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ مباہلہ کریں یا نہ کریں

آپ کا مقصد تو حاصل ہو گیا یعنی حق کا ظہور اور باطل کا بطلان۔ خود یہ عیسائی اور اس انکار مباہلہ کو دیکھنے، سننے والے آپ کی حقانیت اور کفار نصاریٰ نجران کی ہٹ دھرمی جان گئے۔ مناظرہ کا مقصد یہی ہوتا ہے نہ کہ سامنے والے کو جبراً منالینا۔

تفسیر : ان هذا لهو القصص الحق : هذا سے یا تو قرآن کریم کی طرف اشارہ ہے یا عیسیٰ علیہ السلام کے ان واقعات کی طرف جو پہلے مذکور ہوئے تھے۔ یا ان کی بندگی کی جانب لهو میں لام تاکید کا ہے اور هو ضمیر فصل جو صفت اور خبر میں فرق کرتی ہے۔ **قصص** قصہ کی جمع بھی آتی ہے۔ اسی لئے ایک سورۃ کا نام سورۂ قصص ہے اور قصص یقص کا مصدر بھی بمعنی کسی کے نقش قدم پر چلنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وقالت لاخته قصيه** موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے ان کی بہن سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے جاؤ۔ کہا جاتا ہے اقتص اثره فلاں اس کے نقش قدم پر گیا۔ **فارتدا على اثارهما قصصا** بدلہ کو قصاص اسلئے کہتے ہیں کہ وہ جرم کے پیچھے اور اس کی مثل ہوتا ہے۔ حکایت کو بھی قصہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ واقعہ کے بعد اور اس کے تابع ہوتی ہے۔ کبھی ہر بیان کو قصص کہہ دیتے ہیں۔ یہاں یہی مراد ہے۔ **الحق** قصص کی صفت ہے۔ بعض نے فرمایا کہ مصدر بمعنی حاصل مصدر ہے (روح المعانی) بعض کے خیال میں یہ بمعنی اسم مفعول ہے (روح المعانی) یعنی تحقیق یہ قرآن کریم ہی سچا بیان ہے نہ کہ موجودہ توریت و انجیل وغیرہ اور نہ ان لوگوں کے یہ خیالات۔ کیونکہ اگرچہ توریت و انجیل بلکہ تمام آسمانی کتب حق و صحیح ہیں۔ مگر ان میں یہود و عیسائیوں نے بہت رد و بدل کر دیا۔ اس لئے وہ حق رہیں نہیں یا یہ قرآن مجید ہی حق ثابت و ناقابل تغیر بیان ہے۔ جس میں نہ ترمیم و تبدیل ہو سکے نہ نسخ وغیرہ۔ اسی معنی سے وہ کتب آسمانی حق یعنی غیر منسوخ نہیں یا عیسیٰ علیہ السلام کے یہ واقعات یا ان کا عبداللہ ہونا سچا بیان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ هو سے حصر کا فائدہ ہے۔ اور اس سے حصر اضافی مقصود ہو۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا یہی قصہ (ان کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اور یہود کا اپنی تدبیر میں ناکام رہنا) سچا ہے نہ وہ جو عیسائی یا ان کے پیروکار مرزائی کہتے ہیں۔ **وما من اله الا الله** یہ عقیدہ نصاریٰ یعنی تثلیث کا رد ہے۔ اور ما کے بعد الا فرمانے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ یعنی خدا کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ حضرت مریم نہ کوئی اور کیونکہ **وان الله لهو العزيز الحكيم** یہ جملہ بظاہر معطوف ہے۔ مگر اس میں پہلے کلام کی علت کی جانب اشارہ ہے۔ **عزيز** عزت بمعنی غلبہ سے بنا اور یہاں کامل غالب مراد ہے۔ جس پر کوئی کسی طرح غالب نہ آسکے اور جو کسی کا حاجت مند نہ ہو۔ **الحكيم** حکمت سے بنا۔ بمعنی احاطہ معلومات (روح المعانی) یعنی سب پر ہر طرح غالب اور سارے عیوب کا ہر طرح جاننے والا صرف رب تعالیٰ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا یہودیوں پر غالب آجانا رب تعالیٰ کے فضل سے ہوا۔ ایسے ہی اس جناب کا علم غیب رب تعالیٰ کے علم کے مقابل ایسا ہے جیسے سمندر کے مقابل قطرہ، بلکہ اس سے بھی کم۔ **فان تولوا فان الله عليم بالمفسدين۔** تولوا کے معنی بارہا بیان ہو چکے۔ اس کا فاعل یا تو نجران کے عیسائی ہیں۔ یا عام عیسائی یا سارے کفار اور جملہ فان الله اس شرط کی جزا نہیں بلکہ علت جزا ہے۔ یعنی اگر یہ عیسائی اب بھی آپ کی بات سے منہ پھیریں اور آپ پر ایمان نہ لائیں۔ تو آپ انہیں خدا کے حوالے کیجئے۔ یہ فسادی ہیں۔ رب فسادیوں کو خوب جانتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن کریم یا عیسیٰ علیہ السلام کا عبداللہ ہونا یا یہ سارے واقعات بالکل صحیح اور سچا بیان ہے۔ جس کا ثبوت اس سے ملا کہ نجران کے عیسائی اس کے خلاف مباہلہ کرنے پر تیار نہ ہوئے اللہ کے سوا کوئی لائق

عبادت نہیں کیونکہ کامل غلبہ اور محیط علم اس کی صفت ہے اور جس میں یہ صفتیں ہوں۔ وہی لائق عبادت ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام بلکہ سارے انبیاء کے علم و قدرت رب تعالیٰ کے مقابل کالعدم ہیں۔ لہٰذا وہ خدا کیسے۔ اس بیان سے عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت آفتاب کی طرح ظاہر ہو گئی۔ اگر اب بھی یہ عیسائی قبول حق سے منہ پھریں اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہے جائیں۔ تو آپ انہیں رب تعالیٰ کے حوالے کرو۔ یہ فسادی ہیں۔ رب تعالیٰ فسادیوں کو خوب جانتا ہے وہ انہیں سخت سزا دے گا آپ کیوں غم کرتے ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ضد کا کوئی علاج نہیں اس کا علاج صرف جوتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** دلائل میں نظر نہ کرنا ضد ہے اور ضد فساد اور ضدی اول درجہ کا فسادی ہے دیکھو رب تعالیٰ نے **فان تولوا** کہہ کر انہیں مفسد قرار دیا۔ **تیسرا فائدہ:** دلائل اور رد شبہات اظہار حق کا ذریعہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے دلائل وغیرہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا۔ **ان هذا لهو القصص الحق** **چوتھا فائدہ:** کوئی مخلوق کسی صفت میں رب تعالیٰ کی مثل نہیں۔ کیونکہ صفات سے ذات کا پتہ لگتا ہے اسی لئے عزیز و حکیم سے رب تعالیٰ کی توحید ثابت کی گئی۔ **پانچواں فائدہ:** ہمیشہ بد دعا سے بچنا چاہئے۔ خصوصاً تین شخصوں کی بد دعا خطرناک ہے۔ (1) اپنے محسن کی جیسے ماں باپ استاذ شیخ وغیرہ (2) مظلوم کی۔ (3) نبی کی۔ دیکھو نجران کے عیسائی جب حضور علیہ السلام کی بد دعا سے محفوظ رہے تو ان پر عتاب تو آیا مگر دنیوی عذاب نہ آیا۔ **چھٹا فائدہ:** مقبول بندوں کا سیف زبان ہونا اور جو ان کے منہ سے نکلے رب وہ کردے' یہ ایسا مسئلہ ہے۔ جس کے کفار بھی قائل تھے۔ دیکھو نجرانی عیسائی نے ان پنج تن پاک کے چہروں کو دیکھ کر ہی کہہ دیا کہ ان کی بد دعا سے بچو۔ یوسف علیہ السلام نے قیدی باورچی و ساقی سے فرمایا تھا۔ **قضی الامر الذی فیه تستفتین** موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے سامری **فاذهب فان لک فی الحیوة ان تقول لا مساس** چنانچہ سامری دیوانہ کتے کی طرح خطرناک ہو گیا کہ جو اسے چھو جائے تو وہ بھی اور سامری بھی بیمار پڑ جائے۔ اب جو کلمہ گو مسلمان بزرگوں کی سیف زبانی میں شک کرے۔ وہ ان عیسائی کفار سے بدتر ہے۔ **ساتواں فائدہ:** حضرت فاطمہ زہرا حضرات حسنین کریمین و علی مرتضیٰ کا توسل قبول دعا کے لئے اکسیر اعظم ہے۔ ان شاء اللہ ان کے وسیلہ سے مانگی ہوئی دعا رد نہیں ہوتی۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مباہلہ والی دعا پر آمین کہنے کے لئے ان حضرات کو ہی منتخب فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انتخاب میں ہم امتیوں کو ان سے توسل کی تعلیم ہے۔ حضرت عمر نے جناب عباس کے توسط سے بارش کی دعا فرمائی۔

پہلا اعتراض : حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں اور آپ نے کبھی کسی کے لئے بد دعا نہ فرمائی۔ حتی کہ طائف والوں کے لئے بھی جنہوں نے آپ پر بہت ظلم کئے۔ پھر یہاں نجرانیوں کے مقابل بد دعا کی کیوں تیاری فرمائی۔ **جواب:** حضور علیہ السلام نے اپنے ذاتی معاملات میں کسی پر بد دعا نہ کی۔ ظلم سے کچھ نہ فرمایا۔ مگر دینی معاملات میں کسی کی رعایت بھی نہ کی وہ چونکہ دین کے دشمن تھے اس لئے بد دعا کی تیاری فرمائی۔ کفار سے تو حضور علیہ السلام نے جہاد بھی فرمایا اور موذی کو ہلاک کرنا عین رحمت ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اگر **ان هذا لهو القصص الحق** میں **هو** سے حصر کا فائدہ ہو تو مطلب یہ ہوا کہ سارے قرآن میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہی حق ہے تو کیا قرآن پاک کی دوسری باتیں حق نہیں؟ **جواب:** یہ حصر اضافی ہے اور

عیسائیوں کے بکواس کے مقابلہ میں ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہی سچی بات ہے جو قرآن نے بتائی نہ کہ عیسائیوں اور یہودیوں کی باتیں۔ تیسرا اعتراض: فان تولوا شرط ہے اور فان اللہ اس کی جزا مطلب یہ ہوا کہ اگر عیسائی آپ سے منہ پھیریں تب تو خدا مفسدوں کو جانتا ہے ورنہ نہیں۔ تو کیا خدا کا علم ان کے منہ پھیرنے پر موقوف ہے (آریہ)۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا ہے فان اللہ اس شرط کی جزا نہیں۔ بلکہ جزا کی علت ہے یعنی اگر وہ منہ پھیریں تو آپ غم نہ کریں۔ بلکہ انہیں رب تعالیٰ کے حوالہ کیجئے کیونکہ رب تعالیٰ مفسدوں کو خوب جانتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ تو نے حکومت کی بغاوت کی تو سمجھ لو حکومت بہت قوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بارگاہ انبیاء رحمت الٰہی کا سمندر ہے۔ جیسے سمندر میں جانے والوں میں سے کوئی تو موتی لاتا ہے کوئی عنبر، کوئی محروم لوٹتا ہے اور کوئی اپنی جان بھی گنوا دیتا ہے۔ ایسے ہی بارگاہ انبیاء میں عقیدت سے جانے والے بے شمار فائدے حاصل کرتے ہیں۔ جیسی عقیدت ویسا فیض، لیکن بے عقیدہ محروم رہتا ہے اور بری نیت سے جانے والا تباہ ہو جاتا ہے۔ حضرت صدیق و فاروق بھی اسی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور نجران کے عیسائی بھی لیکن انہوں نے بے شمار فیض لئے۔ اور یہ لوگ مفسد کا خطاب لے کر پھرے۔ مجلس ایک ہی ہے۔ مگر حاضرین کے نصیب مختلف۔ جب تک رب تعالیٰ کا فضل نہ ہو۔ دلائل بھی کام نہیں دیتے۔ بلکہ دماغ اوندھا چلتا ہے۔ نجران کے عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ پیدا ہونا دیکھ کر انہیں معبود مان لیا۔ اور انہیں شیطان نے یوں سبق پڑھایا کہ جو بغیر باپ پیدا ہو وہ ایک لحاظ سے مجرد ہے اور ہم لوگ مادی اور تجرد خدا ہونے کی دلیل ہے انہیں یہ نہ سوجھا کہ ہماری روح ملائکہ عالم جبروت و ملکوت کی ساری چیزیں بالکل مجرد ہیں اور ان میں سے کوئی بھی خدا نہیں۔ تو عیسیٰ علیہ السلام کیونکر خدا ہو سکتے ہیں۔ مگر ہدایت فضل رب سے ملتی ہے نہ کہ عقلی دلیل سے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا

فرمادو اے والو آؤ طرف ایسی بات کے جو برابر ہے درمیان ہمارے اور درمیان تمہارے یہ کہ نہ عبادت کریں ہم سوا

تم فرماؤ اے کتابیو ایسے کلمے کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے یہ کہ نہ عبادت کریں مگر خدا کی

اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

اللہ کے اور نہ شریک کریں ساتھ اس کے کسی چیز کو اور نہ بنائے بعض ہمارا بعض کو شرکاء سوا اللہ کے پس اگر منہ پھیریں وہ

اور اس کا شریک کسی کو نہ کریں اور ہم میں کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنالے اللہ کے سوا پھر اگر وہ نہ

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۞ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ

تو کہہ دو گواہ رہو اس کے کہ ہم مسلمان ہیں اے کتاب والو کیوں جھگڑتے ہو تم بیچ ابراہیم کے

مانیں تو کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں اے کتاب والو ابراہیم کے بارے میں کیوں

فِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَمَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰىۃُ وَالۡاِنۡجِیۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۵﴾

اور نہ اتاری گئی	توریت	اور انجیل مگر پیچھے ان کے کیا پس نہیں عقل رکھتے تم ۔
جھگڑتے ہو	توریت و انجیل تو نہ اتری	مگر ان کے بعد تو کیا تمہیں عقل نہیں ۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں مناظرہ کے رنگ میں اہل کتاب سے خطاب تھا۔ اب تبلیغی رنگ میں انہیں دعوت اسلام دی جارہی ہے۔ کیونکہ بعض مناظرے سے ہدایت پر آتے ہیں اور بعض نرمی سے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں صراحتاً عیسائیت کی تردید تھی۔ اب نہایت لطیف پیرایہ میں عیسائیت کے بطلان اور اسلام کی حقانیت کا بیان ہے کہ عیسائیت کا کلمہ یکساں نہیں اور عیسائیوں کے نزدیک سب بندے ایک حال میں نہیں۔ کوئی معبود ہے کوئی عابد' اسلام میں بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں بندوں کے احکام بندگی یکساں ہیں۔ گویا صریحی تردید کے بعد اب لطیف تردید ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں اہل کتاب کے سارے شبہات کے نفیس جواب دیئے گئے۔ اب ان کے اس شبہ کا جواب دیا جارہا ہے جسے وہ مجبور ہو کر اپنے بچاؤ کے لئے پیش کرتے تھے وہ یہ کہ عیسائیت بری ہو یا بھلی مگر چونکہ ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے لہذا عیسائی ہونا سنت ابراہیمی ہے۔ غرضیکہ پچھلی آیتوں میں بھی ان کے شبہات کا جواب ہی تھا اور اس میں بھی۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں دین عیسوی و موسوی کی بدتری بیان کی گئی تھی کہ عیسائیوں' یہودیوں نے موجودہ عیسائیت و یہودیت میں ایسے برے عقیدے و اعمال داخل کر لئے ہیں۔ اب دین اسلام کی برتری کا ذکر ہے کہ اس دین میں عقائد و اعمال میں ایسی بے مثل برابری ہے کہ سبحان اللہ تاکہ اہل کتاب عیسائیت و یہودیت سے متنفر ہو کر اسلام قبول کریں۔ گویا تبلیغ اسلام کے ایک رکن کا ذکر پہلے تھا۔ اور دوسرے رکن کا ذکر اب ہے۔ **پانچواں تعلق**: اس سے پہلی آیت میں اسلام کی حقانیت کا ثبوت اس کے اعمال و عقائد دکھا کر کیا گیا ہے۔ اور دوسری آیت میں اسلام ہی کی حقانیت اس طرح بیان ہو رہی ہے کہ یہ دین مطابق ابراہیمی کے ہے۔ یہ مطابقت ملت ابراہیمی' اسلام کی حقانیت کی پوری پوری دلیل ہے۔

شان نزول : نجران کے عیسائی جن کا واقعہ پہلے معلوم ہو چکا ان کا یہود مدینہ سے مناظرہ ہوا ان عیسائیوں کا یہ دعویٰ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے اور مدینہ کے یہودی کہتے تھے کہ نہیں آپ یہودی تھے۔ جب یہ جھگڑا بہت بڑھا تو ان دونوں فریق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم مانا اور آپ سے فیصلہ چاہا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم دونوں جھوٹے ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی' بلکہ وہ تو حنیف مسلم تھے اور ہم ان کے دین پر ہیں۔ اگر تم ان کی پیروی پسند کرتے ہو تو اسلام قبول کر لو۔ جس پر یہودی بولے کہ آپ تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو رب مان لیں۔ جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو رب مانا۔ اور عیسائی بولے کہ آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے متعلق وہ عقیدہ رکھیں جو یہود نے عزیر علیہ السلام کے بارے میں رکھا۔ تب یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر خازن)

تفسیر : قل یا اھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم : قل میں خطاب یا تو ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہے۔ جیسا کہ آئندہ تو لوا جمع فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے۔ تب تو اشارۃً فرمایا گیا کہ ہر مسلمان کو مبلغ ہونا چاہئے۔

کفار کو اپنی طرف لاؤ خود تم ان کی طرف نہ چلے جاؤ مگر افسوس ہے کہ مسلمان رنگ چڑھانا بھول گئے۔ خود رنگ جانا سیکھ گئے اور یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ پہلے قل تعالوا ندع ابناء نا ہونے میں بھی قل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب تھا چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم داعی الی اللہ ہیں اور یہ آیت دعوت الی اللہ کی ہے۔ اس لئے اسے قل سے شروع فرمایا نیز گواہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور گواہ رسالت الی اللہ چونکہ یہاں دعوت الی التوحید تھی اس لئے قل فرمایا گیا۔ دیکھو اپنی توحید پر رب تعالیٰ نے فرمایا قل ھو اللہ احد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر قل نہ فرمایا بلکہ فرمایا محمد رسول اللہ عیسائیوں یہودیوں کو نہ تو الذین امنوا سے خطاب فرمایا کہ یہ خطاب امت محمدی سے خاص ہے۔ نیز کوئی شخص اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر مانے نہ مومن ہو نہ اس خطاب کا مستحق اور نہ انہیں کافرون یا مشرکون کہہ کر پکارا کہ اگرچہ وہ کافر بھی ہوں اور مشرک بھی مگر اپنے کو سچے نبیوں اور آسمانی کتب کی طرف نسبت تو کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے نام بھی کفار سے جداگانہ ہوئے۔ اور احکام بھی کہ ان کا ذبیحہ حلال ان کی عورتوں سے نکاح درست۔ معلوم ہوا کہ اچھوں سے نسبت بھی اچھی ہے۔ قرآن شریف کا جزدان بھی چوما جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں اہل کتاب سے فقط عیسائی مراد ہیں اور بعض کے نزدیک صرف یہودی مگر ظاہر یہ ہے کہ دونوں مراد ہیں۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ تعالوا اگرچہ مکانی نقل و حرکت کے لئے آتا ہے۔ مگر یہاں حالت کی نقل کے لئے استعمال ہوا۔ یعنی عیسائیت سے اسلام میں آجانا۔ چونکہ تعالوا میں لغوی معنی کے لحاظ سے بلندی ہے یعنی چڑھنا اس لئے یہاں کلمہ خوب چسپاں ہے یعنی عیسائیت کی پستی سے اسلام کی بلندی میں چڑھ آؤ۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مضبوط رسی ہیں کہ رب نے فرمایا واعتصموا بحبل اللہ جمیعا اور کنوئیں میں گیا ہوا ڈول رسی ہی کے ذریعہ اوپر بھی آتا ہے اور تازہ پانی بھی بھر کر لاتا ہے جو رسی سے کھل جائے تو کنوئیں کی کیچڑ میں پھنستا ہے۔ دنیا گہرا کنواں ہے۔ جس میں ایمان و نیک اعمال کا تازہ پانی بھی ہے اور کفر و شرک بدکاریوں کی کیچڑ بھی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لیا تو اس کیچڑ سے بچے رہے۔ نیز ان علماء یہود و نصرانیوں کا خیال تھا کہ اسلام لا کر ہماری سرداری اور عزت جاتی رہے گی ہم تو مسلم ہو کر ذلیل ہوں گے۔ اسی لئے فرمایا گیا تعالوا یعنی تم نیچے تو اب ہو اسلام کے قلعہ میں چڑھ آؤ عزت و بلندی پاؤ گے۔ کلمۃ اگرچہ لغت میں ایک لفظ کو کلمہ کہتے ہیں۔ مگر عرف میں قصیدے قصہ شرح اور پورے کلام کو کلمہ کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے اردو میں بات۔ سواء کلمۃ کی صفت ہے۔ یہ مصدر بمعنی اسم فاعل اس کے معنی وسط عدل اور برابر ہیں۔ یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ کے عقائد ظلم تھے کہ ان کے ہاں بعض نبیوں کو تو خدا مان لیا گیا تھا۔ جیسے حضرت عزیر علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ اور بعض نبیوں کی نبوت کا انکار کیا گیا تھا۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور اسلامی عقیدہ عدل نیز اہل کتاب کے عقائد میں افراط تفریط تھی کہ یہود کے ہاں چوتھائی زکوٰۃ فرض تھی۔ عیسائیوں کے ہاں زکوٰۃ تھی ہی نہیں یا یہود کے ہاں حلال چیزیں بھی حرام تھیں۔ عیسائیوں کے ہاں سو ر و شراب بھی حلال۔ اسلام میں میانہ روی ہے۔ نیز اہل کتاب میں تفریق تھی کہ ان کے ہاں قوم ملک زبان کی بنا پر اونچ نیچ تھی اسلام میں یہ کچھ نہیں یہاں عزت و عظمت اعمال تقویٰ سے ہے۔ اسلام میں برابری۔ لہٰذا جو چاہو اس کے معنی کر لو۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ سواء کے معنی ہیں انصاف جس کا مادہ نصف ہے بمعنی آدھا۔ انصاف آدھا کرنا۔ چونکہ عدل میں برابری ہوتی ہے اور ہر ایک کو کل میں سے آدھا دیا جاتا ہے۔ اس لئے اسے انصاف بھی کہتے ہیں اور سواء بھی۔ بینناو معطوف ہے سواء کا ظرف ہے۔ خیال رہے کہ یہاں کلمۃ سواء سے عقائد اسلامیہ

اور عام اسلامی اعمال مراد ہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ سارے اہل کتاب سے فرمادو کہ اے کتابیو ان عقائد یا اس دین کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان مشترک ہے یعنی جس میں نہ توریت کا اختلاف ہے نہ انجیل کا یا جس میں سارے بندے برابر ہیں یا جو بالکل عدل و انصاف کی بات ہے کہ اگر تم کلمہ پڑھ لو تو ہم پر اور تم پر یکساں احکام جاری ہوں۔ یا وہ جس میں رسولوں اور کتابوں کا اختلاف نہیں۔ اور کسی کو کسی پر فوقیت خصوصی نہیں۔ وہ کلمہ یہ ہے کہ **ولا نعبد الا اللہ** یہ جملہ کلمۃ سواء کی تفصیل کا پہلا جزو ہے یا تو مبی پوشیدہ کی خبر ہے اور رفعی حالت میں یا کلمۃ کا بدل ہے اور جری حالت میں یعنی وہ کلمہ مساوات یہ ہے کہ ہم رب تعالیٰ کے سواء نہ کسی نبی کی عبادت کریں نہ ولی کی' نہ بتوں کی' نہ چاند کی نہ سورج کی۔ اس میں عیسائیوں پر چوٹ ہے کہ انہوں نے بعض بندوں کی عبادت شروع کردی۔ اور **نشرک بہ شیئا** " عملی شرک کی نفی کے بعد اعتقادی شرک کی نفی کی **نشرک** **اشراک** سے بنا بمعنی شرک کرنا یا شریک جاننا۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ **شیئا** سے ہر غیر خدا مراد ہے۔ انسان ہو یا کچھ اور۔ بعض نے کہا کہ یہ جملہ لانعبد کی تاکید ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ تاسیس ہے۔ یعنی ہم رب تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ جانیں اور نہ کسی کو عبادت کا حقدار سمجھیں۔ اس میں بھی عیسائیت اور یہودیت کی تردید ہے' جنہوں نے حضرت عیسیٰ و مریم یا عزیر علیہم السلام کو رب تعالیٰ کا شریک جانا اور صلیب وغیرہ کو عبادت کے لائق ٹھہرایا۔ **ولا یتخذ بعضنا بعضا " اربابا من دون اللہ**۔ یہ تیسرا جملہ ہے اور کلمہ سواء کی تفصیل کا تیسرا جزو **و یتخذ** **اتخاذ** سے بنا بمعنی اختیار کرنا' پکڑنا' بنانا' یہاں بنانا مراد ہے۔ مگر عقیدے کے لحاظ سے **بعضنا** سے عام لوگ مراد ہیں۔ اور **بعض** خاص لوگ۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد انبیائے کرام ہیں اور یہ جملہ بھی لانعبد کی تاکید ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہودیوں اور عیسائیوں کے وہ علماء ہیں جنہیں عوام نے حرام و حلال کا اختیار دے رکھا تھا۔ اور جن سے اپنے گناہ معاف کرایا کرتے تھے یہی قول صحیح ہے۔ ان کو بعض فرما کر اس جانب اشارہ کیا گیا کہ جب وہ ہمارے ہی ہم جنس ہیں تو ان میں یہ خصوصی شان یا الوہیت کہاں سے آئی۔ **ارباب**' رب کی جمع ہے بمعنی پالنے والا اور مالک یہاں یا معبود مراد ہیں۔ یا حرام و حلال کے مالک یعنی وہ کلمہ سواء یہ بھی ہے کہ ہمارے بعض یعنی متبعین ،بعضوں یعنی اپنے پیشواؤں کو اللہ کے سواء معبود یا مستقل مالک احکام نہ سمجھیں۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام باذن پروردگار احکام شرعیہ کے بھی مالک بنائے گئے ہیں۔ اور احکام تکوینیہ کے بھی۔ عیسیٰ علیہ السلام کا مردے زندہ کرنا' اندھے' کوڑھے اچھے کرنا۔ یوسف علیہ السلام کی قمیص سے نابینا آنکھ منور ہونا' حضرت ایوب علیہ السلام کے دھوون سے شفاء ہونا۔ صراحتا" قرآن شریف سے ثابت ہے یہ ہے تکوینی احکام میں ان کے اختیارات۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ولا حل لکم بعض الذی حرم علیکم** اور فرمایا **ویحرم علیہم الخبائث** اور فرمایا **ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے متعلق فرمایا کہ اگر ہم ابھی ہاں کردیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ اور ایک شخص کو اسکا کفارہ کھلادیا۔ حضرت خزیمہ کی گواہی دو کے برابر فرمادی۔ یہ ہے ان حضرات کا شرعی احکام میں اختیار۔ یہ خداداد اختیارات اس آیت کے خلاف نہیں۔ **فان تولوا فقولوا اشہدوا بانا مسلمون** تولوا کی تحقیق بارہا ہو چکی۔ اس کا فاعل سارے اہل کتاب ہیں۔ **فقولوا** میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے خطاب ہے۔ **اشہدو** شہادت سے بنا بمعنی گواہ بننا' گواہ رہنا' اور گواہی دینا یعنی پس اگر اہل کتاب تمہاری موافقت سے منہ موڑیں تو اے مسلمانو! ان سے کہہ دو کہ ابھی گواہ بن جاؤ۔ یا قیامت میں گواہی دینا۔ یا گواہ رہو کہ ہم رب تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار بندے ہیں۔ **یا ھل الکتب لم**

تحاجون فی ابراھیم چونکہ اگلا مضمون نہایت اہم تھا۔ اس لئے دوبارہ اہل کتاب سے خطاب کیا گیا۔ یہاں عیسائی یہودی دونوں مراد ہیں۔ **تحاجون** سے ان کا آپس کا جھگڑا مراد ہے نہ کہ مسلمانوں سے کیونکہ وہ اس وقت آپس میں ہی لڑ جھگڑ رہے تھے۔ فی ابراہیم میں ملت یا دین یا شان پوشیدہ ہے۔ یعنی اے یہود و نصاریٰ تم ابراہیم علیہ السلام کے دین یا ان کی شان میں آپس میں ایک دوسرے سے کیوں جھگڑتے ہو اور ان کے یہودی یا عیسائی ہونے کا کیوں دعویٰ کرتے ہو یہودیت تو توریت کے بعد بنی۔ اور عیسائیت انجیل کے بعد۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کا حال یہ ہے۔ **وما انزلت التورٰتہ والانجیل الا من بعدہ** چونکہ توریت و انجیل کا نزول ایک بارگی ہوا۔ اس لئے انزلت فرمایا گیا نہ کہ نزلت۔ اور توریت کے بعد علیٰ موسیٰ پوشیدہ ہے۔ یعنی توریت موسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر ابراہیم السلام کے بہت بعد اتریں۔ پھر وہ عیسائی یا یہودی کیسے ہوئے۔ **افلا تعقلون** یہ کلام کا خاتمہ ہے۔ جس سے اہل کتاب کی جہالت و حماقت ظاہر کرنا مقصود ہے۔ یعنی تمہیں اتنی بھی عقل نہیں کہ ایسی موٹی بات سمجھ لو۔

خلاصہ تفسیر : اہل کتاب بمقابلہ مشرکین و دیگر کفار کے اسلام سے قریب تھے کہ اللہ کے رسولوں اس کی کتابوں وغیرہ کو مانتے تھے۔ نیز مدینہ منورہ و اطراف مدینہ میں ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کہ یہ لوگ اہل علم بھی تھے اور اولاد انبیاء بھی۔ ان کے اسلام قبول کرلینے سے دوسروں کے ایمان لے آنے کی قوی امید تھی۔ اس لئے اس آیت میں خصوصی طور پر اہل کتاب ہی کو دعوت اسلام دی گئی کہ یہ ذریعہ اشاعت اسلام ہے لہٰذا ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ سارے اہل کتاب سے تبلیغی رنگ میں یوں خطاب کریں کہ اے کتابیو! ایسے دین کی طرف آجاؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے۔ جس میں نو مسلم اور پرانے مسلمان امیر وزیر بادشاہ فقیر' چھوٹے بڑے' کالے گورے' آقا غلام کا کوئی فرق نہیں اور جو افراط و تفریط سے خالی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم رب کے سواء کسی کو نہ پوجیں۔ انبیاء و اولیاء اللہ سب کو اللہ کا بندہ سمجھیں۔ ان میں سے کسی کو معبود نہ بنالیں۔ اور کسی کو خدا کا شریک نہ سمجھیں' نہ بتوں کو نہ چاند سورج کو نہ صلیب کو نہ کسی اور شی کو۔ نیز کوئی کسی کو خدا کے سواء اپنا رب اور احکام کا مالک نہ بنائے۔ علماء صلحاء سب کو دین کا پیروکار سمجھیں۔ خیال رہے کہ انسان کے سوا تمام جاندار چیزیں رنگ' شکل' بولی' غذا میں برابر ہیں۔ ہر جگہ کے کوے بکری مینڈک کی غذائیں بولی شکل و صورت میں کوئی فرق نہیں۔ انسان ہی وہ مخلوق ہے جو نہ زبان میں متفق ہے نہ غذا میں۔ نہ شکل و شباہت میں نہ لباس میں ان بکھرے ہوئے لوگوں کو ایک کرنے والا اور ان سب کو ایک جگہ جمع کردینے والا اگر کوئی ہے تو وہ اسلام ہے۔ اس لئے فرمایا گیا۔ **سواء بیننا و بینکم** اگر وہ لوگ اس سے بھی منہ موڑیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ماننے اور صلیب کی پرستش کرنے اور اپنے پادریوں کو احکام کا مالک ماننے پر ضد کریں تو آپ ان سے کہہ دو کہ تم یہاں بھی گواہ بن جاؤ اور آخرت میں بھی گواہی دینا کہ ہم مخلص مسلمان ہیں چونکہ اہل کتاب میں یہ تینوں حرکات تھیں کہ وہ صلیب کی پرستش بھی کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ و مریم کو خدا کا شریک بھی ٹھہراتے تھے کہ انہیں رب کا بیٹا بیوی مانتے تھے اور اپنے پادریوں کو مالک احکام بھی سمجھتے تھے۔ اس لئے یہاں تبلیغ میں ان تین چیزوں کا ذکر ہوا۔ قیامت و فرشتوں وغیرہ کا ذکر نہ ہوا کہ یہ چیزیں تو وہ مانتے ہی تھے۔ کسی کافر کو مسلمان کرتے وقت اس کے کفریات سے توبہ کرانا ضروری ہے۔ دھریہ سے یہ کہلوایا جائے گا کہ خالق ہے' مشرک سے کہلوایا جائے گا کہ خالق ایک ہے۔ مرزائی سے کہلوایا جائے گا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ عیسائی سے کہلوایا جائے گا کہ حضرت عیسیٰ و

مریم اللہ کے بندے ہیں۔ اے اہل کتاب تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آپس میں کیوں جھگڑتے ہو کہ یہودی کہتے ہیں وہ یہودی تھے اور عیسائی کہتے ہیں وہ عیسائی تھے۔ ذرا اتنا تو سوچو کہ یہودیت توریت آنے کے بعد بنی۔ اور نصرانیت نزول انجیل کے بعد ظہور میں آئی۔ اور ابراہیم علیہ السلام ان دونوں سے بہت پہلے گزرے کہ آپ کا زمانہ موسیٰ علیہ السلام سے ایک ہزار سال اور عیسیٰ علیہ السلام سے تین ہزار سال پہلے ہے۔ (روح المعانی و بیان وغیرہ) پھر وہ یہودی یا عیسائی کیونکر ہو سکتے ہیں کیا کوئی شخص کتاب آنے سے پہلے اس کی پیروی کر سکتا ہے تم میں اتنی بھی عقل نہیں کہ اتنی موٹی بات سمجھ سکو۔ نہ وہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ حنیف و مسلم تھے۔ اسلام ان کی ملت کے موافق ہے۔ اگر تم ان کی پیروی چاہتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ اس آیت میں وہ پیغام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلاطین روم و شام و فارس وغیرہ کو بھیجے اور اس کے ذریعہ انہیں دعوت اسلام دیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے قیصر شاہ روم کو جو فرمان نامہ بھیجا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ یہ فرمان محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے شاہ روم ہرقل کی طرف ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت قبول کرلے۔ اے شاہ روم میں تجھے دعوت اسلام دیتا ہوں۔ اسلام لے آ۔ سلامت رہے گا۔ اسلام لے آ۔ تجھے اللہ دو گنا اجر دیگا۔ اور اگر منہ پھیرے گا تو تجھ پر پیشواؤں کا گناہ ہو گا۔ پھر یا اهل الکتاب سے مسلمون تک آیت تحریر فرمائی۔ جب یہ فرمان شاہ روم ہرقل کے پاس پہنچا۔ تو اس نے حضور علیہ السلام کے حالات دریافت کئے۔ اور بولا کہ اگر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ان کے پیر دھوتا بعض روایات میں ہے کہ ان کے قدم چومتا۔ مگر سلطنت کے خوف سے ایمان نہ لایا۔ اسی عظمت کی برکت سے اس کی سلطنت باقی رہی۔ مگر کسریٰ شاہ فارس نے فرمان نامہ کو چاک کر دیا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ اسی رات وہ قتل کیا گیا۔ اور آتش پرستوں کی سلطنت کا قیامت تک کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اور ان کی جماعت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ایمان احکام سب کے لئے یکساں ہیں کسی کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں۔ جیسا کہ **سواء بیننا وبینکم** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اسلام کے سواء کسی دین میں برابری و مساوات نہیں۔ عیسائیوں میں رسول کو معبود اور امت کو عابد مانا گیا۔ اسی طرح ان کے علماء اور رہبان احکام حلال و حرام کے مالک سمجھے گئے کہ جس کے لئے جو چاہیں حلال کردیں اور جو چاہیں حرام۔ بلکہ عیسائیوں کے گناہ پادری صاحب معاف کریں۔ ان کے ہاں کالے گورے ولایتی دیسی آقا و غلام کا اب تک فرق ہے کہ انگریزوں کے گرجے میں دیسی عیسائیوں کو عبادت کرنے کا حق حاصل نہیں۔ زندگی میں تو کیا مرے بعد بھی یہ متفق نہ ہو سکے۔ انگریزوں کا قبرستان علیحدہ اینگلو انڈین کا گورستان جدا اور چوہڑے چمار عیسائیوں کا قبرستان دوسرا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز ۔۔۔ نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز
مالک و بندہ و محتاج و غنی ایک ہوئے ۔۔۔ اس کی سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

دہلی کے لال قلعہ میں کوئی چپڑاسی تھا۔ کوئی وزیر کوئی شہنشاہ کوئی فقیر وہاں سب کے نام بھی الگ تھے اور کام بھی جدا مگر جامع مسجد میں آکر یہ سب فرق اٹھ جاتے تھے نہ نام میں فرق نہ کام میں۔ نام سب کا مسلمان۔ کام سب کے عبادت رحمان و تلاوت قرآن۔ اسلام میں مولوی صاحب و پیر صاحب کسی کے گناہ معاف نہیں کر سکتے۔ بلکہ اپنے گناہوں پر سب شرمندہ ہیں جب حضرت ابوبکر صدیق یہ عرض کرتے ہیں۔

حیف عالی یا الٰہی لیس لی خیر عمل سوء اعمال کثیر زاد طاعاتی قلیل

اور جناب حیدر کرار فرماتے ہیں۔

الٰہی عبدک العاصی اتاک مقرا بالذنوب و قد دعا کا

اور غوث الثقلین سرکار بغداد کعبہ معظمہ کی بجری پر منہ مل مل کر کہتے ہیں کہ خدایا مجھے بخش دے اور اگر بخشش کے لائق نہیں ہوں تو مجھے قیامت کے دن اندھا اٹھانا تاکہ نیکوں کے روبرو میں شرمندہ نہ ہوں تو ماوشما کس شمار میں ہیں۔ یہ ہے سلام کی تعلیم اور اس پر بڑے بڑوں کا عمل۔ ترمذی نے عدی ابن حاتم سے روایت کی کہ جب یہ آیت کریمہ اتری۔ تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ علیہ وسلم ہم عیسائیت میں علماء کی پوجا تو نہ کرتے تھے۔ تو فرمایا کہ کیا وہ تمہارے حرام و حلال کے مالک نہ تھے اور تم ان کے احکام پر عمل نہ کرتے تھے۔ عرض کیا کہ ہاں۔ فرمایا۔ ربابا من دون اللہ۔ کا یہی مطلب ہے۔ (روح المعانی) اس کی تفسیر دوسری جگہ یوں کی گئی۔ اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ تیسرا فائدہ: بزرگان دین سے الزام اٹھانا۔ اور ان کے اوصاف ظاہر کرنا سنت قرآنی ہے۔ دیکھو اہل کتاب نے ابراہیم علیہ السلام پر یہودیت یا عیسائیت کا الزام لگایا۔ رب تعالیٰ نے ان کی صفائی بیان فرما کر انہیں اس الزام سے بری کردیا ایسے ہی یہود نے سلیمان علیہ السلام کو جادوگری کا الزام لگایا۔ رب تعالیٰ نے ان پر سے یہ الزام دور کر کے ان کی نبوت کا اعلان کیا۔ فرمایا وما کفر سلیمن ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر چوتھا فائدہ: دینی مناظرے اور حقانیت اسلام پر دلائل قائم کرنا کفار کے شبہات کا جواب دینا واجب ہے۔ پانچواں فائدہ: علم تاریخ اعلیٰ علم ہے۔ جس کا جاننا ضروری ہے کہ اس پر بہت سے دینی احکام مرتب ہوئے۔ دیکھو یہاں اہل کتاب کو تاریخی لحاظ سے جواب دیا گیا کہ چونکہ ابراہیم علیہ السلام توریت و انجیل کے نزول سے پہلے گزرے اس لئے وہ یہودی یا عیسائی نہیں ہو سکتے۔ چھٹا فائدہ: اپنے ایمان و نیک اعمال کا لوگوں کو گواہ بنانا چاہیے تاکہ ان کی گواہی قیامت میں کام آئے جب کفار کو اپنے ایمان کا گواہ بنایا گیا تو مسلمانوں خصوصاً حضرات انبیاء و اولیاء اللہ کو ضرور گواہ بنایا جائے۔ حتیٰ کہ پانی کے قطروں ریت کے ذروں کو اپنا گواہ ایمان بنالے کہ دریا اور جنگلوں میں بھی کبھی بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھے۔ گواہ بنانے کی تین صورتیں ہیں۔ لوگوں پر اپنا ایمان ظاہر کرے' اپنے کچھ نیک اعمال علانیہ بھی کرے۔ اپنی شکل مسلمانوں کی سی رکھے۔ تاکہ لوگ اس کے ایمان کے گواہ ہوں۔ ساتواں فائدہ: اپنی کچھ نیکیاں علانیہ بھی کرے۔ ہر نیکی چھپا کر ہی نہ کرے تہجد خفیہ پڑھے مگر نماز پنجگانہ نماز عید علانیہ پڑھے۔ آٹھواں فائدہ: اسلام و ایمان کبھی ہم معنی ہوتے ہیں کبھی الگ الگ معنی میں یہاں بمعنی ایمان ہے۔

پہلا اعتراض: ان آیتوں میں تین چیزوں کی نفی کی گئی۔ غیر خدا کی عبادت۔ غیر خدا کو شریک جاننا۔ غیر خدا کو رب ماننا۔ ان تینوں میں فرق کیا ہے۔ تینوں ایک ہی معلوم ہوتے ہیں؟ جواب: کسی کو خدا کی ذات یا صفات میں شریک سمجھنا یہ تو ہے شرک اور غیر خدا کی پرستش کرنا اس کے سامنے جھک جانا۔ یہ ہے عبادت غیر اللہ۔ اور کسی کو خدا کی مثل احکام شرعیہ کا مالک بالذات سمجھنا۔ یہ ارباباً من دون اللہ کا اختیار کرنا۔ لہٰذا شرک اور اربابا من دون اللہ کا تعلق عقیدہ سے ہے اور عبادت کا تعلق عمل سے۔ جیسے عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا اس کی مثل سمجھتے ہیں۔ یہ شرک ہوا۔ پھر ان کا صلیب کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہونا اسے سجدے کرنا یہ ہے غیر خدا کی عبادت۔ پھر پادری صاحب کو شرعی احکام کا مالک سمجھنا ان سے اپنے گناہ

معاف کرانا کہ چھ دن خوب گناہ کئے اور اتوار کے اتوار پادری صاحب کے سامنے ان سب کا اقرار کر لیا انہوں نے کہا جاؤ بیٹا معاف ہیں سب کی معافی ہو گئی یہ اربابا" من دون اللہ کا اختیار کرنا ہے۔ اسلام ان عیوب سے پاک ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کو چھوڑ کر اوروں کو رب ماننا جرم ہے کیونکہ فرمایا گیا ہے۔ اربابا" من دون اللہ تو چاہئے کہ خدا کے ساتھ اوروں کو معبود ماننا جائز ہو کیونکہ وہ ارباب مع اللہ ہوگا۔ نہ کہ من دون اللہ۔ جواب: آیت کا مطلب یہ ہے۔ اربابا" من دون اللہ وحدہ ایک خدا کے ساتھ کسی کو مالک نہ مانو۔ لہذا دوئی توحید کے مخالف ہے اور من دون اللہ میں داخل۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام کے احکام سب کے لئے یکساں ہیں۔ حالانکہ اسلام میں بھی بڑا فرق ہے۔ غریب پر زکوٰۃ و حج اور حائضہ عورت پر نماز۔ دیوانے پر ساری عبادات فرض نہیں۔ ایسے ہی صحابہ کی معمولی نیکی پر ثواب زیادہ۔ سادات کرام کو زکوٰۃ کھانا حرام۔ حضرت علی کو فاطمہ زہرہ کی موجودگی میں دوسرا نکاح حرام اور صدیق اکبر کو جنابت کی حالت میں مسجد میں آنا جائز۔ حضرت ابو خزیمہ انصاری کی ایک گواہی دو کی مثل' یہ تمام چیزیں احادیث سے ثابت ہیں۔ پھر احکام اسلام میں برابری کہاں رہی۔ جواب: اسلام میں چار چیزیں ہیں۔ (1) عقائد۔ (2) عبادات۔ (3) معاملات۔ (4) درجات و مقبولیت۔ عقائد میں کوئی فرق نہیں۔ سب پر یکساں واجب ہیں۔ عبادات و معاملات میں ایک حد تک مساوات ہے۔ مگر کہیں کہیں فرق بھی نظر آتا ہے لیکن درجات و مقبولیت میں بہت فرق ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے لا یستوی من انفق من قبل الفتح و قاتل یا فرمایا ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ صحابی کا تھوڑے جو خیرات کرنا تمہارے سونے کے پہاڑ کی خیرات سے افضل ہے یہاں اس آیت میں عقائد مراد ہیں نہ کہ احکام۔ اسی لئے یہاں کلمۃ سواء فرمایا گیا نہ کہ الی احکام سواء یا اسلام میں احکام کا فرق بھی دنیوی لحاظ سے نہیں۔ کالے گورے' امیر فقیر' شاہ و گدا یکساں قرار دیئے گئے۔ ہاں دینی لحاظ سے ضرور فرق ہے کہ متقی فاسق سے افضل صحابی غیر صحابی سے بڑھ کر' عالم غیر عالم سے بہتر' بخلاف عیسائیوں کے کہ ان میں دنیوی لحاظ سے فرق مراتب تھا۔ غرضیکہ اسلام میں فرق قانون کے ماتحت ہے جو بھی اس قانون کے تحت آئے' درجات حاصل کرے۔ سب سے بڑا درجہ صحابیت ہے جو بھی اسلام قبول کر کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہو گیا۔ وہ صحابی بن گیا۔ خواہ جناب ابو بکر صدیق ہوں یا حضرت بلال حبشی یا حضرت سلمان فارسی اور صہیب رومی۔ ولایت ایمان و تقویٰ سے نصیب ہوتی ہے جو ایرانی تورانی ان دونوں صفتوں سے اپنے کو آراستہ کرے وہ ولایت حاصل کر سکتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ الذین امنوا و کانو یتقون تیسرے یہ کہ سواء بیننا و بینکم سے مراد یہ ہے کہ نو مسلم و پرانے مسلم یکساں ہیں چوتھے یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان احکام میں توریت و انجیل و قرآن کا اختلاف نہیں۔ توحید میں سب مشترک ہیں۔ پانچویں یہ کہ اس سے عبدیت میں مساوات بیان کرنا مقصود ہے کہ عیسائیوں کے نزدیک بعض بندے معبود اور بعض عابد ہیں' مگر اسلام میں سارے بندے بندے ہیں۔ معبود کوئی نہیں' جس کی شرح خود اگلے مضمون نے کر دی۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقلید شرک ہے کیونکہ مقلد عیسائیوں کی طرح اپنے امام کو مالک احکام سمجھتے ہیں کہ حنفی احکام کی نسبت امام ابو حنیفہ کی طرف اور دیگر مذاہب والے اپنے اماموں کی طرف کرتے ہیں کہ فلاں چیز اس لئے فرض ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا یہی اربابا" من دون اللہ کے معنی ہیں؟ (غیر مقلد) جواب: معاذ اللہ تقلید کو اس سے کیا تعلق۔ کوئی مقلد کسی امام کو مالک نہیں سمجھتا صرف احکام کا عارف سمجھتا ہے اس کا خیال صرف یہ ہے کہ چونکہ امام اللہ و

رسول کے فرمان سے واقف ہے ان کے اشاروں سے احکام نکال سکتا ہے۔ اس لئے وہ جو کچھ کہہ رہا ہے قرآن و حدیث سے نکال کر کہہ رہا ہے تم بھی صحابہ کرام کے فرمان پر عمل کرتے ہی ہو تو کیا تم بھی اس میں داخل ہو۔ حنفی یہ نہیں کہتا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فلاں چیز کو فرض کیا بلکہ کہتا ہے 'فرض بتایا۔ فرض کرنے اور فرض بتانے میں بڑا فرق ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم** جاہل غیر مقلد بھی اپنے عالموں کی ہر بات مانتے ہیں۔ کیا وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے صرف ابراہیم علیہ السلام کی براءت کیوں بیان فرمائی۔ دوسرے نبیوں کی براءت کیوں نہ بیان کی۔ **جواب** اس لئے کہ یہود مدینہ اور نجرانی عیسائیوں نے ان ہی کی ذات کریم پر یہودیت' یا عیسائیت کا الزام لگایا تھا۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرکین عرب یہود و نصاریٰ کے مانے ہوئے رسول تھے۔ ہر دین میں ان کی تعظیم و احترام تھا اس لئے ہر دین والا یہی کہتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر تھے تاکہ ان کی نسبت سے ہمارے دین کو قوت پہنچے۔ حتیٰ کہ مشرکین عرب نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے نام کے بت 'خانہ کعبہ میں رکھے تھے۔ جن کے ہاتھوں میں فال والے تیر دیئے تھے۔ اس لئے یہ یہود و نصاریٰ بھی ان کو اپنے دین کی طرف نسبت دیتے تھے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو مالک احکام سمجھنا شرک اور "اربابا" **من دون اللہ** میں داخل ہے اور عیسائیت کی پیروی۔ (دیوبندی) **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے شک مالک احکام ہیں۔ جس پر بہت سی آیات قرآنیہ 'احادیث صحیحہ اور علماء کرام کے اقوال گواہ ہیں۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھو کیونکہ ان کا فرمان وحی الٰہی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** اگر وہ بالکل غیر مختار ہوں تو ان میں اور علماء مجتہدین میں کیا فرق ہے۔ عیسائیوں نے اپنے عالموں کو مالک احکام مانا۔ جنہوں نے کتاب الٰہی کے خلاف حکم دیئے۔ عیسائیوں نے کتاب کو چھوڑا اور علماء کی بات مانی یہ ہوا "اربابا" **من دون اللہ** بنانا اور نبی رب کی طرف سے مالک احکام بنائے گئے۔ فرماتا ہے **ویحرم علیھم الخبائث۔** نبی گندی چیزیں حرام کرتے ہیں۔ جیسے تم بادشاہوں اور حکام کو دنیوی احکام کا مالک مانتے ہو۔ بتاؤ یہ بھی شرک ہے یا نہیں لہٰذا اس آیت کو اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جسے رب تعالیٰ نے اپنے فضل سے مالک و مختار بنایا ہو اسے بہ عطاء الٰہی مالک و مختار ماننا عین ایمان۔ پہلی قسم کے لوگ من دون اللہ ہیں اور یہ حضرات من جانب اللہ ہیں۔ دیکھو کعبہ کی طرف سجدہ کرنا عین ایمان ہے اور گنگا و صلیب کی طرف سجدہ کرنا سراسر شرک۔ کیوں اس لئے کہ کعبہ معظمہ کو رب نے مسجود الیہ بنایا ہے اور صلیب گنگا کو رب نے مسجود الیہ نہ بنایا سچے نبیوں کو نبی ماننا عین ایمان ہے کہ یہ حضرات نبی اللہ ہیں۔ اور غیر نبی کو نبی مان لینا عین کفر ہے۔ **ساتواں اعتراض:** سنیوں کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے پاک و صاف فرما سکتے ہیں۔ مسلمانوں کی ظاہری و باطنی گندگیوں کو دور کر سکتے ہیں۔ یہ بھی شرک و کفر ہے عیسائی اپنے گناہ پادریوں سے معاف کراتے ہیں اور مسلمان نبیوں سے۔ یہ عقیدہ بھی "اربابا" **من دون اللہ** میں داخل ہے۔ (دیوبندی) **جواب:** بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو گناہوں سے پاک کرتے ہیں اور رب تعالیٰ کے عذاب سے بچاتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا** اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے کر اس کے ذریعہ انہیں پاک و صاف کر دو نیز فرماتا ہے **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک** فرماتا ہے **ویزکیھم** حضرت ماعز نے ایک گناہ کر کے عرض کیا **طھرنی یا رسول اللہ** حضرت عائشہ

صدیقہ نے عرض کیا **اتوب الی اللہ و رسولہ** میں اللہ و رسول اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں۔ اگر اس کی تفصیل دیکھنا ہے تو ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ کا مطالعہ کرو۔ میں اپنے حقوق معاف کرکے دوسرے کو اس سے پاک و صاف کر سکتا ہوں۔ اس آیت کو اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ عیسائی رب تعالیٰ کے گناہ اپنے علماء سے معاف کراتے تھے۔ زنا چوری شراب خوری کو پادری صاحب معاف کرتے تھے یہ یقیناً کفر ہوا۔ لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے رب تعالیٰ کے حقوق معاف ہو جائیں۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنبش لب سے رب تعالیٰ خود معاف فرمادے تو یہ شرک نہیں۔ نیز حضور علیہ السلام کو اس معافی کا اختیار رب تعالیٰ ہی نے دیا ہے تو حضور علیہ السلام کی معافی رب تعالیٰ کی معافی ہے۔ علماء پر نبیوں کو اور احکام دنیوی پر حقوق اللہ کو قیاس کرنا غلط ہے۔ انہوں نے غیر مختار گنہگار بندوں کو مستقل مختار مانا' بے ایمان ہوئے۔ مسلمانوں نے حبیب کردگار کو جن کا نام ہی ہے احمد مختار (صلی اللہ علیہ وسلم) باذن الٰہی اور بہ عطائے رب مختار مانا' یہ خلاف توحید نہ ہوا بلکہ توحید کی جان ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام اس لئے یہودی یا عیسائی نہیں ہو سکتے کہ وہ توریت و انجیل سے پہلے گزرے۔ اسی طرح وہ مسلمان بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ نزول قرآن سے پہلے گزرے۔ پھر انہیں قرآن نے حنیف مسلم کیوں فرمایا اگر کہا جائے کہ دین اسلام کے اصول ان کے مطابق ہیں تو عیسائی و یہودی بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اصول دین ملت ابراہیمی کے موافق ہیں۔ ان کا جواب کیا ہوگا۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ توریت و انجیل نے کہیں دعویٰ نہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے اصول دین یہی ہیں۔ یا وہ یہودی یا نصرانی تھے مگر قرآن کریم نے اعلان فرمایا۔ **قل بل ملۃ ابراھیم حنیفا** اور فرمایا **ان ابراھیم کان حنیفا" مسلما"** لہٰذا اہل کتاب یہ دعویٰ نہیں کر سکتے "مسلمان کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ عیسائیت ہرگز ملت ابراہیمی کے موافق نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی اصل اول الوہیت مسیح اور عبادت مسیح ہے اور ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں نہ مسیح علیہ السلام تشریف لائے تھے۔ نہ ان کی الوہیت کا کوئی معتقد تھا نہ ان کی پوجا ہوتی تھی۔ جب معبود میں فرق ہو گیا تو دین میں اتحاد کیسا۔ ایک عیسائی سے کسی مسلمان نے پوچھا کہ تمہارا دین کامل ہے یا ابراہیم علیہ السلام کا۔ وہ بولا کہ ابراہیم علیہ السلام کا مسلمان نے کہا غلط ہے ان کا ایمان تمہارے ایمان کا تہائی حصہ ہے کہ مومن وہ تھے اور پورے مومن تم کہ وہ تو ایک خدا کو مانتے تھے اور تم تین خدا کو باپ بیٹا روح القدس اس پر عیسائی خاموش ہو گیا۔ نیز یہود پر ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے وہ تکالیف لازم کی گئیں جو اس سے پہلے نہ تھیں۔ نیز نہ اس وقت حضرت عزیر علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ نہ ان کی پوجا ہوتی تھی اور نہ کسی نے انہیں ابن اللہ کہا تھا۔ یہودیت اور ملت ابراہیمی عقیدہ الوہیت میں مختلف ہیں بخلاف اسلام کے کہ اس طرح کے یہ اصولی اختلاف نہیں۔ نیز عیسائیوں یہودیوں کا قبلہ بیت المقدس کی تعمیر کرنے والے حضرت سلیمان پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ حضرت سلیمان جناب خلیل سے قریباً" تین ہزار سال بعد پیدا ہوئے۔ نیز حج جناب خلیل کی ملت کی اعلیٰ عبادت تھی جو نہ یہود کے دین میں ہے نہ عیسائیوں کی ملت میں۔ تیسرے یہ کہ جڑ کا پتہ پھل سے لگتا ہے اور اصول دین کا پتہ اعمال سے۔ اسلام کے اعمال ملت ابراہیمی کے موافق ہیں اور دیگر ادیان اس کے خلاف۔ حج' ختنہ' داڑھی' موئے زیر ناف کا لینا یہ سب ملت ابراہیمی کے مسائل ہیں جو اسلام میں رائج ہیں تمہارے ادیان ان سب چیزوں سے خالی ہیں۔ معلوم ہوا کہ صرف دین اسلام ملت ابراہیمی کے موافق ہے نہ کہ یہودیت و نصرانیت۔ چوتھے یہ کہ سارے پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و اذا اخذ اللہ میثاق النبیین** لہٰذا صرف ابراہیم علیہ السلام ہی نہیں بلکہ

اس معنی میں سارے پیغمبروں کو مسلم کہا جاسکتا ہے نہ کہ یہودی و عیسائی- پانچویں یہ کہ حنیف کے معنی ہیں، جھوٹے دینوں سے منہ پھیرنے والا- اور مسلم کے معنی ہیں اطاعت شعار نہ کہ اصطلاحی مسلمان- رب تعالیٰ فرماتا ہے- **قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العلمین** نصرانی کے لغوی معنی ہیں "عیسیٰ علیہ السلام کی امداد کرنے والا یا ناصرہ کا رہنے والا- لہذا ابراہیم علیہ السلام لغوی معنی میں مسلم ہیں مگر یہودی یا عیسائی کسی طرح نہیں- نواں اعتراض: اس آیت میں یہود و نصاریٰ کو ہمارے اسلام پر گواہ بنایا گیا کہ ارشاد ہوا **فقولوا اشہدوا بانا مسلمون** حالانکہ وہ کفار ہیں اور کفار کی گواہی مسلمانوں پر شرعاً معتبر نہیں- پھر اس آیت کا مطلب کیا- جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ گواہی قیامت سے متعلق ہے- یعنی اے اہل کتاب تم قیامت میں ہمارے اسلام کی گواہی دینا جیسا کہ ہم تمہارے کفر کی گواہی دیں گے- وہاں کفار کی گواہی مسلمان کے موافق قبول ہوگی- حدیث شریف میں ہے کہ جہاں تک موذن کی اذان کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک کی ہر چیز اس کے ایمان کی گواہی دے گی- ہر چیز میں اس علاقہ کے کفار بھی داخل ہیں- یہ بھی مسلمانوں کے ایمان کی گواہی دیں گے "قیامت میں کفار تو اپنا کفر چھپائیں گے بلکہ اس سے انکاری ہو جائیں گے- کہ کہیں گے **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** اور مسلمان ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ یہ کفار تھے ان کا کفر ہم نے دیکھا تھا- مگر مسلمان اپنے اسلام کے اقراری ہوں گے- قبر میں بھی قیامت میں بھی اور کفار سے ان کے ایمان کی گواہی لی جائے گی تو مسلمانوں کی گواہی کفار کے خلاف ہوگی- اور کفار کی گواہی مسلمانوں کے حق میں لہذا **اشہدوا** نہایت ہی درست و صحیح ہے- اگر مسلمان ان سے یہ نہ بھی کہیں- تب بھی انہیں گواہی دینا پڑے گی- یہ کہنا اہمیت کے لئے ہے- دوسرے یہ کہ کفار کی گواہی کفار کے مقابل اور مسلمانوں کے موافق قبول ہوتی ہے اگر مسلمان مدعی اور کافر مدعی علیہ ہو اور اس مدعی علیہ کا ہم مذہب مسلمان کے حق میں گواہی دے تو مانی جائے گی- یہاں بھی ایسا ہی ہے- تیسرے یہ کہ یہاں شہادت سے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اچھا تم اقرار کرلو کہ ہم دین حق پر ہیں- مسلم ہیں اور تم کافر ہو- گویا ان سے اپنی بے ایمانی کا اقرار کرانا منظور ہے- چوتھے یہ کہنا اس سے اپنی پختگی اور اہل کتاب کی کمزوری کا اظہار مقصود ہے- چوتھے یہ کہ اس سے اپنی پختگی اور اہل کتاب کی کمزوری کا اظہار مقصود ہے- شہادت بمعنی معائنہ ہے یعنی دیکھ لو ہم مسلمان ہیں- تمہاری طرح اپنے دین کو چھپاتے نہیں- تم میں صدہا منافق ہیں جو اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں- ہم میں ایسا کوئی نہیں- جو اپنے کو یہودی ظاہر کرے- تمہارا اپنے دین کو چھپانا اپنی کمزوری کا اقرار ہے- اور ہمارا اسلام کو ظاہر کرنا اپنی قوت کا اعتراف مسلم بمعنی کھلا مومن-

تفسیر صوفیانہ: تمام آسمانی ادیان طریقہء عبادت میں مختلف ہیں مگر عبودیت سب کی ایک گویا شریعتیں جدا گانہ ہیں اور طریقے متحد اسی لئے ارشاد ہوا- **تعالوا الی کلمۃ سواء** طریقہء تقرب میں اختلاف ہے اور قرب میں اتحاد اور مشترک چیز یہ ہے کہ ہم عبادت میں سواء رضاالٰہی کے اور کچھ طلب نہ کریں- رب سے رب ہی مانگیں نہ کہ غیر رب- نیز طلب رزق میں اسباب و وسائل پر توجہ نہ کریں اور کسی کو اپنا رب نہ مانیں- اگر کفار اس قاعدہ سے منہ پھریں تو تم انہیں اپنی اطاعت فرمانبرداری توحید "اخلاص اور شرک جلی و خفی سے براءت سے گواہ بنالو تاکہ قیامت کے دن وہ تمہارے اسلام و توحید پر گواہ ہوں- اور تم ان کے کفر و شرک پر- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب تم جنگل میں ہو اور نماز کا وقت آجائے تو بلند آواز سے اذان کہو- کیونکہ جہاں تک تمہاری آواز پہنچے گی- وہاں تک کے جن و انس شجر و حجر

اور ساری چیزیں قیامت میں تمہارے ایمان کی گواہی دیں گی۔ انس کے عموم سے معلوم ہوا کہ کفار بھی مسلمانوں کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ توحید اصل اصول ہے اور مضبوط رسی۔ یہ عالم غیب سے اس کو ملتی ہے۔ جس پر رب تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے۔ وہ ابراہیم علیہ السلام جو انبیاء کرام کے والد ماجد ہیں۔ اور جن کے گھر کی یہ ساری بہار ہے۔ کیونکر ممکن ہے کہ وہ توحید کو چھوڑ کر یہودی یا نصرانی رہے ہوں۔ یہودیت اور نصرانیت جہالت اور گمراہی کا نتیجہ ہیں۔

حکایت : مولانا جامی قدس سرہ نے بہت پر لطف واقعہ بیان فرمایا۔

پیش کسریٰ ز خردمند حکیماں می رفت　　سخن از سخت ترین موج رزیں لجہء غم
آں یکے گفت کہ بیماری و اندوہ دراز　　واں دگر گفت کہ ناداری و پیری بہم
سیوے گفت کہ قرب اجل و سوئے عمل　　عاقبت رفت بترجیح سوم حکم حکم

یعنی نوشیرواں بادشاہ کی مجلس میں تین حکیم جمع تھے۔ رومی، ہندی اور بزر جمہر۔ مسئلہ یہ چھڑا کہ دنیا میں سب سے بڑی مصیبت کونسی ہے۔ حکیم رومی بولا کہ بڑھاپے او، فقیری کا اجتماع۔ حکیم ہندی نے کہا کہ نہیں بلکہ بیماری، ناداری اور رنج و غم میں گرفتاری۔ بزر جمہر بولا نہیں بلکہ سخت مصیبت قرب اجل اور سوء عمل ہے۔ یعنی موت کا قریب اور بد عملی۔ آخر سب نے بزر جمہر کی رائے سے اتفاق کیا۔ عاقل کو چاہئے کہ مٹی میں جانے سے پہلے عمل کا راستہ اختیار کرے۔ (روح المعانی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ دین کی حقانیت کی دلیل یہ ہے کہ اس دین میں اللہ کے مقبول رہے ہوں۔ اور موجود ہوں۔ مقبولین بارگاہ حقانیت ملت کی زندہ دلیلیں ہیں اور بے دینوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب اس طرح اپنی حقانیت ثابت نہیں کر سکتے تو خواہ مخواہ بزرگوں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ ہمارے دین میں تھے۔ آج بھی وہابی، شیعہ وغیرہ کبھی کہہ دیتے ہیں کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی اور غوث پاک وہابی تھے، وغیرہ وغیرہ۔ جب یہ لوگ اس قسم کی رکیک حرکت کریں تو ان بزرگوں کی تعلیم ان بے دینوں پر پیش کرو۔ پھر کہو کہ تم اس تعلیم پر نہیں۔ تو وہ تم میں سے کیسے ہوئے مثلاً حضور غوث پاک فرماتے ہیں کہ تمام عالم پر ہماری نظر ہے یا فرماتے ہیں کہ ہر زمانہ اور وقت ہم سے اجازت لے کر گزرتا ہے۔ یا فرماتے ہیں مصیبت کے وقت نماز اسرار یعنی نماز پڑھو۔ جس میں سرکار بغداد سے استعانت ہے۔ یہ چیزیں وہابیوں کے ہاں شرک ہیں، پھر اے وہابیو! تم غوث پاک کے طریقہ پر کب ہوئے۔ جیسے یہود و عیسائی طریقہ ابراہیمی پر نہیں کہ ان کے عقائد و عبادات جناب خلیل سے جدا ہیں۔

هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجۡتُمۡ فِيۡمَا لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِيۡمَا لَيۡسَ لَـكُمۡ بِهٖ

خبردار تم وہ ہو کر جھگڑا کرتے ہو بیچ اس کے کہ واسطے تمہارے اس کا علم ہے پس کس لئے جھگڑتے ہو تم

سنتے ہو یہ جو تم ہو اس میں جھگڑے جس کا تمہیں علم تھا تو اس میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں

عِلۡمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا

بیچ اس کے کہ نہیں ہے واسطے تمہارے اس کا علم اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ عیسائی

علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ ہر باطل سے جدا مسلمان

وَلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ

اور لیکن تھے وہ باطل سے مائل مسلمان اور نہ تھے وہ مشرکوں میں سے

تھے اور مشرکوں سے نہ تھے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود و نصاریٰ کی بے علمی بتائی گئی کہ یہ تاریخ سے ناواقف ہیں۔ اب ان کی ضد اور ہٹ دھری کا بیان ہے کہ انہیں ہر بات میں اڑنے کی عادت ہے خواہ خبر ہو یا شرہو۔ گویا ایک عیب کے بعد ان کا دوسرا عیب بیان کیا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان کے جھگڑے کی ایک وجہ بیان کی گئی تھی یعنی لاعلمی۔ اب دوسری وجہ بیان ہو رہی ہے۔ یعنی عناد اور ہٹ دھری گویا ان کی ضد نامعلوم باتوں پر ہی موقوف نہیں۔ بلکہ جو جانتے ہیں اس کا بھی بلاوجہ انکار ہی کئے جاتے ہیں۔ اے مسلمانو! یہ مت سمجھنا کہ تم سے یہ محققانہ جواب سن کر خاموش ہو جائیں گے۔ نہیں بلکہ یہی کہے جائیں گے کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ **تیسرا تعلق:** کسی بزرگ سے فیض نہ لینے کی دو وجہیں ہوتی ہیں جہالت اور ضد۔ جاہل اور ضدی ہر جگہ سے محروم لوٹتا ہے۔ وہی ڈول کنویں سے پانی لاتا ہے۔ جو خالی جائے جو پہلے ہی پیشاب سے بھرا ہو وہ کنویں کو ہی گندہ کرے گا پانی نہ لائے گا۔ پچھلی آیت میں علماء یہود کی جہالت کا ذکر تھا۔ اب ان کی ضد و عناد کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمانوں کو سمجھایا جائے کہ اگر ان بد نصیبوں پر تمہارے پانی کا اثر نہ ہو تو تم ملول نہ ہو۔ اس کی وجہ تمہاری تبلیغ کی کمی نہیں بلکہ وجہ ان کی اپنی عدم قابلیت ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ابراہیم علیہ السلام سے یہودیت اور نصرانیت کا الزام نفیس طریقہ سے دور کیا گیا۔ اب بتایا جارہا ہے کہ وہ کون تھے اور ان کا دین کیا تھا۔ گویا پہلے عیوب کی نفی تھی۔ اب صفات کا ثبوت۔

تفسیر: **ھا انتم ھولاء حاججتم فیما لکم بہ علم** ھا حرف تنبیہ ہے اور انتم مبتدا ھولاء خبر اول حاججتم خبر دوم۔ بعض نے فرمایا کہ انتم سے پہلے یا پوشیدہ ہے اور انتم اس کا منادا (خازن)۔ اخفش نے کہا کہ یہ اصل میں انتم تھا ہمزہ استفہامیہ جو ہ سے بدل گئی جیسے ارقت سے حرقت اور الف زائدہ ہے ھولاء اسم اشارہ ہے اور بعض کے نزدیک اصل میں اولاء بمعنی اللذی اور ھا زائدہ ہے اور حاججتم اس کا صلہ لہٰذا اس جملہ کے چند معنی ہوں گے انتم میں یہود و نصاریٰ دونوں سے ہی خطاب ہے یعنی خبردار تم ایسے بے وقوف ہو کہ اب تک اس میں تو جھگڑتے رہے جس کا تمہیں علم تھا یا کیا تم وہ لوگ ہو کہ اب تک تم نے اپنی معلومات کے بارے میں جھگڑا کیا۔ یا کیا تم وہ جھگڑالو ہو کہ تم اپنی جانی ہوئی باتوں پر جھگڑے۔ خیال رہے کہ یہاں ما سے مراد یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور علم سے مراد توریت و انجیل کا علم یا ما سے مراد حضرات موسیٰ علیہ السلام کے حالات ہیں۔ اور علم سے یہود کا دعائی علم مراد۔ یعنی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جن کی حقانیت کا علم تمہیں توریت و انجیل سے دیا گیا۔ تم نے اسے بھی کہاں مانا۔ جھگڑتے ہی رہے۔ یا موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام جن کے حالات جاننے کے تم مدعی ہو تم نے ان کے بارے میں جھگڑا ہی کیا۔ **فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم** یہاں ما سے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے حالات مراد ہیں اور لیس لکم بہ علم سے ان کے ادعائی علم کی نفی ہے یا توریت و انجیل میں مذکور ہونے کی

نفی یعنی تو تم ان کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جن کے علم کا تمہیں دعویٰ بھی نہیں یا جن کا ذکر توریت و انجیل میں نہیں ہے۔ بے خبر آدمی کا جھگڑا کرنا اس کی انتہائی حماقت کی دلیل ہے۔ **واللہ یعلم وانتم لا تعلمون**' یعلم اور تعلمون کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی اللہ ابراہیم علیہ السلام کے حالات ان کے دین ان کی عبادات کو جانتا ہے کہ ان کا خالق ہے۔ تمہیں ان چیزوں کی کوئی خبر نہیں کیونکہ توریت و انجیل میں ان کا ذکر ہی نہیں۔ تو تمہارے واسطے ذریعہ علم کیا رہا۔ ان کی جہالت ظاہر فرما کر اب اس کا فیصلہ کیا جارہا ہے کہ **ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا** ۔ خیال رہے کہ اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام سے یہودیت اور نصرانیت کی نام کے لحاظ سے بھی نفی کی گئی اور کام کے لحاظ سے بھی۔ یعنی نہ وہ عقائد میں یہودی و عیسائی تھے اور نہ اعمال میں۔ نہ کام میں اس لئے کہ یہ عقائد یہ اعمال یہ نام ان کے بعد کی پیداوار ہیں۔ کیونکہ یہودی یا تو یہودا کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے یہودی کہلاتے ہیں یا گائے کی پوجا سے توبہ کرنے کی وجہ سے اور ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں نہ یہودا پیدا ہوئے تھے نہ توبہ کا یہ واقعہ ہوا تھا۔ ایسے ہی نصرانی یا نصران میں رہنے کی وجہ سے نصرانی کہلائے یا عیسیٰ علیہ السلام کی امداد کرنے کی وجہ سے اور ابراہیم علیہ السلام نہ نصران کے باشندے تھے نہ عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار پھر وہ نصرانی کیسے ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا فیصلہ یہ ہے کہ **ولکن کان حنیفا مسلما** حنیف کی تفسیر سورہ بقرہ میں **قل بل ملتہ ابراھیم حنیفا** کی تفسیر میں گزر گئی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ عربی میں حنیف کے معنی ہیں جھکنا اور جنف کے معنی ہیں ہٹنا۔ دور رہنا۔ حنیف کے معنی ہیں ہر برائی سے دور اور ہر برے سے دور۔ حضرت ابراہیم برے عقائد' برے خیالات' برے اعمال برے حالات غرضیکہ ہر اندرونی بیرونی' چھوٹی بڑی ذاتی عارضی برائیوں سے دور رہے اور ہر برائی ان سے دور تھی۔ اس طرح وہ جناب ہر قسم کے برے لوگوں سے دور رہے۔ حتیٰ کہ برون کے ملک سے بھی ہجرت کر گئے۔ چونکہ عیبوں سے صفائی پہلے ہے۔ خوبیوں سے متصف ہونا بعد میں اسی لئے رب تعالیٰ نے پہلے انہیں حنیف فرمایا۔ پھر مسلم۔ مسلم یا بمعنی مسلمان ہے۔ یا بمعنی مطیع فرمانبردار۔ اطاعت و فرمانبرداری چند قسم کی ہوتی ہے جانی اطاعت' مالی اطاعت' حضرت ابراہیم نے یہ ہر اطاعت کامل طور پر کی۔ جان نمرودی آگ میں ڈالی' بیٹے کو پہلے خشک جنگل میں چھوڑا پھر ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ رب کے لئے وطن چھوڑا۔ سارا مال اس کے نام پر قربان کر دیا۔ اس لئے آپ کو مسلم فرمایا گیا یعنی ابراہیم علیہ السلام ہر بے دینی سے دور اور بے عقیدے سے نفور اور رب تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ یہاں کام فرما کر بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بچپن میں جوانی میں بڑھاپے میں وحی سے پہلے اور نزول وحی کے بعد غرضیکہ زندگی کے ہر حصہ میں حنیف بھی تھے مسلم بھی اور زندگی کے کسی حصہ میں یہودی عیسائی مشرک نہ رہے وہ پیدائشی صاف ستھرے طیب و طاہر تھے حالانکہ ان کا ماحول گندہ تھا مگر خود ستھرے تھے۔ جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت گندے ماحول میں رہ کر صاف ستھرے رہے اور اس کے ساتھ ہی **وما کان من المشرکین** یا تو یہ عطف تفسیری ہے اور حنیف و مسلم کا بیان۔ اس صورت میں مشرکین سے مراد عیسائی یہودی ہوں گے کیونکہ یہ صلیب وغیرہ کے پجاری ہیں اور عیسیٰ و عزیر علیہما السلام کو خدا کا شریک مانتے ہیں یا علیحدہ مضمون ہے۔ اس صورت میں مشرکین سے کفار عرب مراد ہوں گے یعنی نہ وہ یہودی تھے نہ عیسائی نہ بت پرست مشرک۔ کیونکہ یہ چیزیں اسلام اور اطاعت کے خلاف ہیں وہ ان سب سے جدا پکے مسلمان تھے لہٰذا تم دونوں جھوٹے ہو۔

خلاصہ تفسیر : اے اہل کتاب اسلام کی حقانیت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت جس کا تمہیں پورا یقین ہے۔ اور جس کی گواہی توریت و انجیل دے رہی ہیں۔ تم نے اس کا اقرار کیا توریت و انجیل میں رب کی وحدانیت کا اعلان ہے مگر تم نے دو تین خدا مان لئے اور موحدین سے جھگڑتے رہے۔ توریت و انجیل میں اعلان ہے کہ حضرت عیسیٰ و مریم رب کے بندے ہیں تم نے انہیں رب کی بیوی بچے کہا اور مسلمانوں سے جھگڑے۔ بلکہ تم نے خود موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑے کئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مخالفتیں کیں۔ ہمیشہ جھگڑتے ہی رہے۔ تو اب ابراہیم علیہ السلام کے دین اور ان کی ملت کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو نہ اس کا تمہیں علم ہے اور نہ توریت و انجیل میں ان کا ذکر۔ اس کی خبر اللہ ہی کو ہے جو ان کا خالق و مالک ہے۔ تمہیں کیا پتہ تمہارے علم کا ذریعہ صرف توریت و انجیل تھیں جو وہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خاموش ہیں تو تم کیوں لڑتے مرتے ہو۔ ہم سے سنو کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی نہ بت پرست وہ ان تمام دینوں سے دور اور ان تمام بیہودگیوں سے نفور اللہ کے سچے فرمانبردار بندے تھے۔ اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ ان میں سے ہوتے کیونکہ تیہ عقیدے یہ کام ان کے بعد کی پیداوار ہیں الوہیت مسیح و عزیر کا عقیدہ ان کے زمانہ میں کہاں سے آیا صلیب کی پوجا بیت المقدس کی طرف نماز ان کے زمانہ میں کہاں تھی۔ بیت المقدس کی یہ عمارت ان سے بہت بعد تعمیر ہوئی صلیب وغیرہ جب کہاں تھی۔ ایسے ہی یہودی اور نصرانی نام اس زمانہ میں تھے ہی نہیں۔ یہوذا کے بعد یہودی بنے اور عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار نصرانی کہلائے۔ جب ان کے زمانہ پاک میں نہ یہودا تھے نہ عیسیٰ علیہ السلام تو ان کا یہ نام کہاں سے آیا۔ نیز وہ شرک و بت پرستی مٹانے کے لئے آئے تھے اسی پر نمرود سے مقابلہ کیا۔ اسی بنا پر آگ میں ڈالے گئے پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ خود ہی شرک کرتے۔ لہٰذا تمہارا یہ قول عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ خیال رہے کہ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تین چیزوں کی نفی کی گئی۔ یہودیت' نصرانیت' شرک اور دو چیزیں آپ کے لئے ثابت کی گئیں۔ حنیف ہونا' مسلم ہونا' نفی کی تین چیزوں کے لئے دو جگہ ما کان ارشاد ہوا۔ اور ما کان من المشرکین میں یا تو مشرکین مکہ کی تردید ہے جو حضرت ابراہیم کو مشرک کہہ کر اپنے دین ابراہیمی پر کہتے تھے اور یا خود یہود و نصاریٰ کی تردید ہے یعنی نہ تو ابراہیم اصلی یہودی و عیسائی تھے جن میں توحید تھی اور نہ موجودہ یہودیت و عیسائیت پر تھے جس میں شرک و بت پرستی ہے کہ تم لوگ مشرک ہو چکے وہ جناب مشرکین میں سے نہ تھے۔

لطیفہ : حضرت قبلہ شاہ سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی دام ظلہم کی ایک شیعہ سے اس پر گفتگو ہوئی کہ سنی اور شیعہ میں کون مذہب پرانا ہے۔ محدث صاحب نے فرمایا کہ پرانا مذہب سنی ہی ہے۔ اس لئے کہ اس کا نام ہے اہل سنت والجماعت جس سے سنت رسول اللہ اور جماعت مسلمین دنیا میں قائم ہوئی تب ہی سے یہ مذہب آیا تمہارا نام ہے اثنا عشریہ یعنی بارہ امام والے جب بارہ امام ہوئے تو تم بنے اور یقینی بات ہے کہ یہ بارہ امام عرصہ بعد پیدا ہوئے لہٰذا تمہارا دین بھی پیچھے ہی ہے۔ تمہارا نام تمہاری تاریخ کا پتہ دے رہا ہے۔ اس طرح ہر دین کے نام سے اس کی تاریخ کا پتہ چلالو۔ عبدالوہاب سے وہابی بنے یعنی ان کی پیداوار بارھویں صدی میں ہے۔ عبداللہ چکڑالوی سے چکڑالوی فرقہ بنا یعنی ان کی پیداوار گیارھویں صدی میں ہے۔ مرزا قادیانی سے قادیانی بنے۔ یعنی ان کی پیداوار تیرھویں صدی میں ہے۔ دیوبندی تو وہابیوں کی ہی دم ہیں۔ انہیں کے ساتھی۔ غرضیکہ ہر مذہب کی تاریخ اس کے نام سے معلوم کرو البتہ سنی وہ فرقہ ہے جو سنت رسول اللہ سے بنا۔ خیال رہے کہ حنفی'

شافعی، مالکی، عقائد کا نام نہیں فروعی اعمال کا نام ہے۔ یہ سب عقائد میں سنی ہیں۔ فروعی اور اجتہادی اعمال میں حنفی اور شافعی ہیں۔ ایسے ہی چشتی اور قادری وغیرہ عقائد میں سب سنی ہیں روحانی اعمال کے لحاظ سے یہ چشتی اور قادری ہیں۔ خیال رہے کہ سنت کی دستگیری فرائض سے پہلے ہے۔ پیدا ہوتے ہی بال کٹوانا سنت، عقیقہ سنت، ختنہ سنت، تعلیم و تربیت سنت اور بالغ ہونے کے بعد نماز فرض۔ اس لئے ہمارا نام اہل سنت ہے نہ کہ اہل فرض، نیز مرتے ہی فرائض علیحدہ ہو جاتے ہیں مگر سنت مصطفیٰ قبر میں ساتھ جاتی ہے۔ قبر کی گہرائی سنت کفن کی مقدار سنت بعد دفن فاتحہ سنت و ایصال ثواب سنت۔ لہٰذا ہم پیدائشی سنی ہیں اور مرے بعد بھی سنی۔ اللہ تعالیٰ اس سنت والے کے زیر سایہ رکھے (صلی اللہ علیہ وسلم) غرضیکہ ہمارا نام بھی ہماری تاریخ بتا رہا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: رب کی بارگاہ میں وہ بندہ مقبول ہے جو خالص مخلص ہو۔ جس میں برائی کا گھول میل نہ ہو جیسے خالص دودھ، خالص گھی، خالص سونا اچھا۔ ایسے ہی خالص مومن اچھا جس کے دل میں ہر برائی سے دوری اور ہر برے سے نفرت ہو۔ آج ہم مسلمانوں میں بد دینوں سے نفرت نہ رہی، ہر ایک کو اپنا بھائی سمجھنے لگے۔ یہ حنیف کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ حنیف و مسلم بنائے۔ دوسرا فائدہ: پچھلوں کا اثر اگلوں میں نہیں پڑتا ہاں اگلوں کا پچھلوں پر پڑ جاتا ہے۔ ہم لوگ ابراہیمی ہیں۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام ہم سے پہلے گزرے مگر ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی یا نصرانی نہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں ان کے بعد کی ہیں۔ تیسرا فائدہ: حنفیوں کی احادیث بہت کم ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ احادیث میں ضعف اسناد سے پیدا ہوتا ہے۔ اور جس راوی کی شرکت سے وہ حدیث ضعیف ہوئی وہ امام اعظم ابو حنیفہ سے کہیں بعد میں گزرا۔ لہٰذا امام صاحب کے زمانہ میں یہ حدیث صحیح تھی۔ ہمیں ضعیف ہو کر ملی۔

لطیفہ: ایک سنی کا کسی وہابی سے قراءت خلف الامام پر مناظرہ ہوا سنی نے کہا کہ حدیث شریف میں ہے **قراءۃ الامام لہ قراءۃ**۔ یعنی امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے وہابی بولا یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی اسناد میں جابر جعفی ہیں، جو ناقابل اعتبار شخص تھا سنی نے پوچھا کہ جابر جعفی کب پیدا ہوا 250ھ میں۔ سنی نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے وقت میں جابر اپنے والد کی پشت میں بھی نہ آیا ہو گا کیونکہ امام صاحب کی وفات 150ھ میں ہے اس وقت یہ حدیث صحیح تھی ہمیں ضعیف ہو کر ملی۔ ہو سکتا ہے کہ جس حدیث کو امام بخاری یا ترمذی ضعیف فرمادیں، وہ حضرت امام کے وقت میں صحیح ہو۔ لہٰذا اس کا امام صاحب پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ وہابی خاموش ہو گیا۔ نوٹ ضروری: اہل سنت کو یہ قاعدہ خوب یاد رکھنا چاہئے، بہت فائدہ مند ہے۔ چوتھا فائدہ: دینی مسائل پر علمی و عقلی دلائل قائم کرنا اور مخالفین کے شبہات کا رد کرنا اشد ضروری ہے اور باعث ثواب ہے جیسا کہ ان آیات میں کیا گیا۔ پانچواں فائدہ: بغیر علم مناظرہ و مجادلہ کرنا سخت برا ہے۔ جاہل اگر اتفاقاً حق بات بھی کہہ جائے تب بھی خطا کار ہے۔ کیونکہ اگر اسے بغیر علم مسائل بیان کرنے کی ہمت ہو گئی تو بارہا غلطی کر کے لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہود کو بغیر علم مناظرہ کرنے پر ملامت فرمائی۔ مناظرے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اور اپنے مقابل کے مذہب سے بخوبی واقف ہو۔ (از احکام القرآن)۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب صاحب علم تھے اور ان کے علمی مناظرے درست و جائز تھے کیونکہ

رب تعالیٰ نے ان کے متعلق دو باتیں فرمائیں ایک اپنی معلومات پر مناظرہ کرنا۔ اس پر کوئی ملامت نہ کی۔ دوسرے بغیر علم کج بحثی کرنا۔ اس پر ملامت کرتے ہوئے فرمایا۔ **فلم تحاجون** کیا یہ درست ہے؟ **جواب:** اس کے نفیس جوابات تفسیر میں گزر گئے کہ علم سے ان کے لوعائی علم مراد ہے یا وہ چیزیں جو توریت و انجیل میں جن کا ذکر ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ یا حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام کے حالات۔ لہٰذا اس سے ان کی تعریف مقصود نہیں بلکہ ان پر ملامت منظور ہے۔ یعنی جن چیزوں کا تمہیں علم دیا گیا۔ تم نے انہیں بھی قبول نہ کیا ان میں کج بحثی کی۔ اس لئے حاججتم فرمایا گیا۔ کیونکہ جانی پہچانی بات کو نہ مان کر اس پر کج بحثی کرنا اور بھی زیادہ برا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام مسلم تھے اور ان کا دین اسلام تھا۔ آیا ان کا دین صرف اصول عقائد میں اسلام کے مطابق تھا یا اصول و فروع سب میں۔ اگر صرف اصول میں تھا تو وہ یہودی و نصرانی بھی تھے۔ کیونکہ اصول عقائد میں سارے پیغمبر یکساں ہیں اور اگر فروع میں بھی اسلام کے موافق تھے تو ظاہر ہے کہ اسلامی نماز میں تلاوت قرآن فرض ہے ان کی نماز میں یہ نہ تھا کیونکہ اس وقت قرآن اترا ہی نہ تھا۔ اسی طرح اسلام میں حدیث پاک کا درس، تلاوت قرآن کی مجالس عبادت میں اس زمانہ میں نہ تھے۔ پھر ان کے مسلم ہونے کے کیا معنی؟ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب سورۂ بقرہ **قل بل ملتہ ابراھیم حنیفا** کی تفسیر میں گزر گیا یہاں اتنا سمجھ لو کہ موجودہ یہودیت و عیسائیت اصولاً بھی دین ابراہیمی کے خلاف ہے نہ کہ اصلی دین موسوی و عیسوی۔ لہٰذا ابراہیم علیہ السلام اصولاً "مسلمین تھے۔ نہ یہودی و عیسائی۔ کیونکہ وہ نہ الوہیت مسیح کے معتقد تھے نہ صلیب کے پجاری۔ یا یہ کہ ابراہیم علیہ السلام سارے اصول اور اکثر فروع میں اسلام کے موافق تھے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں تفصیل وار بیان ہو چکا۔

تفسیر صوفیانہ: علم مفید بھی ہے۔ مضر بھی۔ جس علم سے ہدایت ملے۔ دل میں اطاعت کا جذبہ پیدا ہو۔ عبادت کا شوق اس میں تصوف کی چاشنی ہو وہ مفید ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا۔

کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

جس علم سے کج بحثی، ضد، ہٹ دھرمی پیدا ہو اور جس میں تصوف کی چاشنی نہ ہو۔ وہ سخت نقصان دہ اسی کے بارے میں فرمایا گیا۔ **العلم حجاب اکبر** علم بڑا پردہ ہے۔ فرشتوں اور آدم علیہ السلام کا علم مفید تھا۔ اور ابلیس کا علم مضر۔ علم و عقل گویا جنگی ہتھیار کافر کے ہاتھ میں آجائیں تو مومن و ایمان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ ہتھیار ایک ہے مگر استعمال کرنے والے دو۔ یونہی علم و عقل اگر دل و روح کے قبضہ میں رہیں تو ان سے نفس و نفسانیات شکار کئے جاتے ہیں اور اگر خدا نہ کرے نفس و شیطان کے قبضہ میں آجائیں تو یہ ایمان کا صفایا کر دیتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے علم و عقل ان کے نفس کے قبضہ میں تھے۔ اس لئے ان سے ایسی حرکات سرزد ہوئیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عقل زیر حکم دل یزدانی است چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

بلکہ جہالت بھی دو طرح کی ہے۔ مفید اور مضر۔ جو جہالت علماء و صلحاء اولیاء اللہ سے تعلق پیدا کر دے وہ مفید ہے ناواقف علم حاصل کرنے علماء کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کی صحبت سے فیض لیا۔ گویا اسے یہاں تک لانے والی چیز اس کی جہالت ہے۔ یہ اس علم سے بہتر ہے جو عالم میں تکبر پیدا کر کے اسے صالحین کی مجلس سے دور رکھے۔

اے روشنیء طبع تو برمن بلا شدی

اور جس جہالت کے ساتھ ہٹ دھرمی، کج بحثی ہو وہ سخت خطرناک ہے۔ غرضیکہ جس پر رب تعالیٰ کا فضل ہو اس کے لئے علم بھی فائدہ مند ہے اور بے علمی بھی۔ مگر جس پر غضب ہو اس کے لئے دونوں چیزیں بلا۔ اس آیت میں انہیں مردود دین بارگاہ اہل کتاب کا ذکر ہے۔ جن کے لئے علم وبال اور جہالت باعث نکال تھی۔ فرمایا حاججتم فیما لکم به علم یہ ان کے علم کے نقصان کا بیان ہوا۔ اور فلم تحاجون فیما لیس لکم به علم میں ان کی جہالت کے عذاب ہونے کا تذکرہ ہے کہ وہ عشق الٰہی کی چاشنی اور تصوف کی لذت سے بے خبر تھے۔ کبھی بے خبری خبرداری سے بہتر ہے۔ نیز اتباع نفس گویا یہودیت ہے اور اتباع رسم و رواج شرک خفی اور مطابقت شیطان گویا نصرانیت ہے۔ ان سب سے علیحدہ ہو کر اطاعت خالق دو جہان گویا اسلام ہے تو فرمایا جارہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ نفسانی راستہ میں تھے نہ شیطانی و طغیانی خیالات پر۔ نہ مراسم کے پابند۔ بلکہ وہ خاص رب تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ اسی لئے انہوں نے کوئی کام نفس کے لئے کیا ہی نہیں۔ جو کچھ کیا رب تعالیٰ کے لئے۔ صوفیاء کے نزدیک جنت و حور و قصور کے لئے عبادت کرنا بھی اتباع نفس کا شائبہ ہے۔ اگر حق تعالیٰ دوزخ و جنت نہ بناتا تو کیا اس کی عبادت نہ ہوتی ضرور ہوتی لہذا اکامل وہی ہے جو خاص رب کے لئے عبادت کرکے حنیفاً مسلماً کا مصداق ہو۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ
تحقیق زیادہ قریب لوگوں میں ساتھ ابراہیم کے البتہ وہ ہیں جنہوں نے پیروی کی ان کی اور یہ نبی اور وہ جو ایمان لائے
بے شک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حقدار وہ تھے جو ان کے پیرو ہوئے اور یہ نبی اور ایمان والے اور
وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا
اور اللہ مددگار ہے مسلمانوں کا تمنا کی ایک گروہ نے کتاب والوں میں سے کاش گمراہ کردیں وہ تم کو اور
ایمان والوں کا والی اللہ ہے کتابیوں کا ایک گروہ دل سے چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کردیں اور
يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾
نہیں گمراہ کرتے وہ مگر جانوں اپنی کو اور نہیں شعور رکھتے
وہ اپنے ہی آپ کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں شعور نہیں

تعلق: ان آیتوں کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا تعین کیا گیا کہ ان کا دین کیا تھا۔ اب ان کے متبعین کا تقرر فرمایا جارہا ہے کہ ان کے دین پر کون ہے۔ **دوسرا تعلق:** یہود کے دو دعویٰ تھے ایک یہ کہ ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے۔ دوسرے یہ کہ ہم لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہیں۔ پچھلی آیتوں میں ان کے پہلے دعویٰ کی تردید تھی اور اب ان کے دوسرے دعوے کا رد فرمایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** آیتوں میں بتایا گیا کہ یہودی ضدی اور ہٹ دھرم ہیں۔ حق قبول کرنے والے نہیں اب بتایا جارہا ہے کہ خود تو ایمان کیا لاتے تمہیں ایمان سے پھیرنے کی کوشش میں ہیں۔ گویا پہلے ان کی گمراہی کا ذکر تھا۔ اب گمراہ گری کا کہ ان کی بیماری متعدی ہے۔ **چوتھا تعلق:**

پچھلی آیتوں میں یہودیت و نصرانیت کے نام اور ان کے عقائد سے ثابت فرمایا گیا کہ ابراہیم اس دین پر نہیں ہو سکتے کہ ان کے زمانہ میں نہ یہ نام تھے نہ یہ عقائد۔ اب اس کا ثبوت کلام سے دیا جا رہا ہے۔ جس کے یہ کلام ہوں وہ ابراہیمی ہے ورنہ نہیں چونکہ اہل کتاب کے یہ کلام نہیں اس لئے وہ ابراہیمی نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہود و عیسائیوں کا کبھی تو یہ کہنا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر تھے اور کبھی کہتے تھے کہ ہم لوگ حضرت ابراہیم کے دین پر ہیں۔ ان کی اولاد ہیں' ہماری جماعت بنی اسرائیل میں ہزارہا انبیاء کرام ہوئے۔ تم بنی اسمٰعیل میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ سوائے اسمٰعیل علیہ السلام کے۔ زیادہ نبیوں والا دین بھی افضل اور زیادہ نبیوں والی قوم بھی بہتر' پہلے کلام کا جواب تو پچھلی آیات میں دیا گیا تھا دوسری گفتگو کا جواب دیا جا رہا ہے۔ بہرحال یہ آیات کریمہ پچھلی آیات سے پورا پورا تعلق رکھتی ہیں۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں اشارۃً "اہل کتاب کی ضد اور ہٹ دھری کا ذکر تھا کہ یہ اپنی گمراہی میں بڑے پکے ہیں۔ اب ان کی گمراہ گری کا ذکر ہے کہ خود تو ایمان کیا قبول کرتے یہ تو اُلٹے جماعت صحابہ تمہیں بہکانے کی کوشش کر رہے ہیں ایسے گمراہ گروں کی اصلاح کی امید کیا ہو سکتی ہے۔

شان نزول : (۱) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار سرداران یہود نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جانتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم علیہ السلام سے نہایت قرب ہے۔ کیونکہ وہ بھی یہودی تھے۔ ہم بھی یہودی۔ آپ محض حسد سے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس پر پہلی آیت **ان اولی الناس با براھیم** نازل ہوئی (روح المعانی)۔ (2) کلبی نے عبداللہ ابن عباس اور محمد ابن اسحاق نے ابن شہاب سے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) روایت کی کہ جب بعض مسلمان کفار مکہ کی تکالیف سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے جن میں حضرت جعفر ابن ابی طالب بھی تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پاک کی طرف ہجرت فرمائی تو کفار قریش کو سخت صدمہ ہوا کہ مسلمانوں کو دنیا میں امن و سکون کیوں مل گیا چنانچہ انہوں نے اجلاس بلایا جس میں پاس ہوا کہ بادشاہ حبشہ نجاشی کو مہاجر مسلمانوں کی طرف سے بھڑکایا جائے چنانچہ انہوں نے عمرو ابن عاص اور عمارہ ابن ابی معیط کو بہت تحفے تحائف دے کر شاہ حبشہ کی خدمت میں بھیجا۔ ان دونوں نے وہ تحائف شاہی دربار میں پیش کر کے کہا کہ ہماری قوم آپ کی خیر خواہ ہے۔ از راہ خیر خواہی آپ کو خبر دیتی ہے کہ کچھ فسادی لوگ ہمارے ملک میں فتنہ پھیلا کر حبشہ میں آ بسے ہیں۔ اگر یہ حبشہ میں رہے تو اپنا فتنہ پھیلائیں گے کہ آپ کو انتظام کرنا مشکل ہو گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ آپ پیش بندی کرتے ہوئے انہیں ہمارے حوالہ کر دیں تاکہ ہم انہیں قتل کر کے دنیا کو ان کے فتنہ سے محفوظ کر دیں یہ لوگ بڑے متکبر سخت فسادی ہیں۔ اگر آپ کو ہمارا یقین نہ ہو تو انہیں بلا کر دیکھ لیں یہ کبھی بھی آپ کو سجدہ نہ کریں گے اگر یہ آپ کو سجدہ کر لیں تو ہم جھوٹے ورنہ سچے ہیں۔ نجاشی نے ان بے یار و مددگار مہاجرین کو اپنے دربار میں بلایا۔ یہ حضرات حاضر ہوئے۔ دروازے پر آکر حضرت جعفر نے آواز دی کہ حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت آ رہی ہے کیا اجازت ہے۔ نجاشی کے منہ سے نکلا' ہاں اللہ کی امن میں آ جائے۔ جب یہ لوگ آئے تو نجاشی نے ان سے پہلا سوال یہ کیا کہ تم نے مجھے سجدہ کیوں نہ کیا۔ اور میرے دربار کی توہین کیوں کی۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے سر خالق کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتے۔ ہم اس کو سجدہ کرتے ہیں جس نے تجھے صاحب تخت و تاج کیا اور تجھے یہ دربار دیا۔ نجاشی نے پوچھا تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے حضرت جعفر کی طرف اشارہ کیا۔ نجاشی نے کہا کہ قریش مکہ نے آپ کی یہ شکایات بھیجی ہیں" آپ کے پاس کیا جواب ہے آپ نے فرمایا اے بادشاہ ان مکہ والوں سے پوچھئے کہ ہم غلام ہیں یا آزاد۔ اگر ہم بھگوڑے غلام ہوں تو واقعی مجرم ہیں۔ مکہ والے

بولے کہ یہ لوگ آزاد ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا ہم خون کر کے بھاگے ہیں۔ وہ بولے نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر ہمارا جرم کیا ہے۔ اے بادشاہ ہم مجرم عشق ہیں۔ ہمارا قصور صرف یہ ہے کہ اللہ واحد قہار کے عابد ہیں' شرک و بت پرستی سے نفرت کرتے ہیں۔ نجاشی نے پوچھا تمہارا دین کیا ہے۔ آپ نے اسلام کے ارکان اور حضور صلی اللہ علیہ السلام کی تعلیمات کا ذکر فرمایا نجاشی نے کہا کہ ہمیں اپنا قرآن سناؤ۔ آپ نے سورۂ عنکبوت' سورۂ روم اور سورۂ کہف سنائی۔ نجاشی کے آنسو جاری ہو گئے۔ عمرو ابن عاص نے جب یہ رنگ دیکھا تو نجاشی کو بھڑکانے کے لئے کہا کہ اے بادشاہ یہ لوگ تمہارے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام اور مریم کو گالیاں دیتے ہیں۔ نجاشی نے حضرت جعفر سے پوچھا آپ نے اس کے جواب میں سورۂ مریم شروع کر دی جب حضرت مریم و عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر آیا تو مجلس پر وجد کا عالم طاری ہو گیا۔ سبحان اللہ خدا کا کلام اور صحابی ء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان۔ نجاشی بہت روئے اور کہا کہ رب کی قسم حضرت مسیح علیہ السلام کی بھی یہی تعلیم تھی۔ پھر کہا کہ تم لوگوں کو میرے ملک میں امن ہے۔ تم لوگ ابراہیمی ہو۔ تمہارے ساتھ برکت و یمن ہے یہ کہہ کر عمرو بن عاص کے ہدیے واپس کر دیئے اور مسلمانوں کے لئے عام امن کا اعلان کر دیا۔ ادھر حبشہ میں یہ ماجرا ہوا ادھر مدینہ منورہ میں یہ آیت اتری جس میں حضرت جعفر کی تصدیق کی گئی۔ (تفسیر خازن' و روح البیان) اللہ تعالیٰ نے نجاشی بادشاہ کو ایسی عزت دی کہ یہ مسلمان ہوئے اور انہوں نے اسلام کی بڑی خدمات کیں اور بعد وفات رب تعالیٰ نے ان کی ایسی عزت افزائی کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی کہ حضرت جبرئیل امین نے ان کی نعش شریف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی اور آپ نے نماز جنازہ ادا کی اور ان کے سواء حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا نہ فرمائی اور نہ کسی صحابی نے کسی کا جنازہ غائبانہ پڑھا حتیٰ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی نماز جنازہ غائبانہ کسی صحابی نے ادا نہ کی حالانکہ اس وقت بہت صحابہ کرام مدینہ منورہ سے دور تھے۔ اس لئے مولانا خسرو نے فرمایا۔

کشتے کہ عشق دارد نہ گزاردت بدیں سان به جنازه گر نه آئی به مزار خواهی آمد

س دوسری آیت: **ودت طائفة من اهل الكتب** کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار سرداران یہود نے حضرت عمار و حذیفہ و معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر ڈورے ڈالے۔ اور انہیں یہودی بن جانے کی رغبت دی۔ تب آیت **ودت طائفة** نازل ہوئی جس میں اہل کتاب کو مایوس کیا گیا۔ (تفسیر کبیر و معانی وغیرہ)

تفسیر : **ان اولى الناس بابراهيم للذين اتبعوه** چونکہ اس مضمون کے سارے اہل کتاب سخت منکر تھے' اس لئے اسے ان اور لام تاکید سے موکد کیا اولی ولی سے مشتق ہے بمعنی قرب اور استحقاق۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ یہ باب ضرب کا اسم تفضیل ہے لہذا اس کے معنی ہوئے' قریب ترین یا زیادہ حقدار۔ کہا جاتا ہے۔ **فلان اولى بكذا** یعنی احد (روح المعانی) بعض نے اس کے معنی اخص بھی کئے ہیں اگر اولی بمعنی اقرب ہو تو قرب سے مراد یا تو قرب مکانی ہے یا قرب روحانی و دلی یعنی قیامت میں حضرت ابراہیم سے قریب ترین یہ لوگ ہوں گے کیونکہ قیامت میں ہر شخص اسی کے ساتھ ہو گا جس کی محبت دنیا میں رکھتا تھا یا دنیا میں حضرت ابراہیم سے قرب جانی و ایمانی رکھنے والے یہ لوگ ہیں نہ کہ یہود و عیسائی و مشرکین کہ یہ تینوں دین ہیں ان سے علیحدہ ہو گئے یا حضرت ابراہیم کے دعوے دار مستحق یہ لوگ ہیں نہ کہ یہود و عیسائی وغیرہ۔ **الذين اتبعوا** سے ابراہیم علیہ السلام کے ہم زمانہ متبعین مراد ہیں اس کلمہ میں عجیب راز ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ کوفے والے جو کہ

حضرت ابراہیم کے ہم وطن ہم قوم بلکہ عزیز و اہل قرابت بھی تھے۔ مگر وہ آپ کے اقرب نہ ہوں کیونکہ آپ کے تبع نہ تھے اور اہل شام جو نہ آپ کے ہم وطن تھے نہ ہم قوم نہ عزیز مگر تبع تھے وہ آپ سے اقرب ہوئے تو اے یہود و نصاریٰ تم صرف اولاد ابراہیم ہو کر ان سے اقرب کیسے ہو سکتے ہو۔ جب کہ تم دین و اعمال سب ہی میں ان کے خلاف ہو۔ **و ھذا النبی والذین امنوا۔ الذین** پر معطوف ہے اور تخصیص کے بعد تعمیم۔ **ھذا** سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ **امنوا** کا متعلق پوشیدہ ہے یعنی **امنوا** بالله یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ابراہیم علیہ السلام سے بہت قرب رکھنے والے یا ان کے زیادہ حقدار یا ان کے خاص لوگ وہ ہیں جو ان کے زمانہ میں ان کے دین پر تھے اور اب یہ پیغمبر اور ان کے متبعین ہیں۔ خیال رہے کہ **ھذا النبی** کو **اتبعوا** سے علیحدہ کرنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ پیغمبر حقیقی معنی میں ابراہیم علیہ السلام کے تابعدار نہیں۔ موافقت اور اتباع میں فرق ہے نیز آئندہ **والذین امنوا** فرما کر اشارۃً بتایا گیا کہ نبی عام مومنین میں داخل نہیں۔ وہ خصوصی شان کے مالک ہیں کہ عام مومنوں کا ایمان سنا ہوا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان دیکھا ہوا۔ عام مومن ایمان لینے والے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ السلام ایمان دینے والے لہٰذا **یایھا الذین امنوا** کے خطاب میں حضور داخل نہیں ہوا کرتے۔ **واللہ ولی المومنین۔ ولی ولایۃ** سے بنا ضرب' یضرب کا صفت مشبہ ہے۔ بمعنی والی و مددگار محافظ یہاں **ولیھم** نہ فرمایا بلکہ **مومنین** کہا تاکہ معلوم ہو کہ سبب ولایت ایمان ہے یعنی اللہ مسلمانوں کا والی ناصر و محافظ ہے۔ ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا ابھی ارشاد ہوا کہ اللہ مومنوں کا والی وارث اور مددگار ہے اب اس کی تائید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تمام اہل کتاب تمہیں گمراہ کرنا چاہیں گے مگر نہ کر سکیں گے کیونکہ اللہ تمہارا والی وارث ہے چنانچہ ارشاد ہے **ودت طائفۃ من اھل الکتب لو یضلونکم۔ ودت ود** سے بنا بمعنی دلی خواہش محبت اور مودت قریباً ہم معنی ہیں مگر اکثر محبت مودت سے عام ہوتی ہے کہ محبت کو مطلقاً دل کے میلان و خواہش کو کہتے ہیں مگر مودت وہ خواہش ہے جس کے حاصل کرنے کی کوشش بھی کی جائے تو مودت میں دلی میلان کے ساتھ بدنی کوشش بھی ہوتی ہے۔ چونکہ اہل کتاب کی یہ خواہش ہی نہیں کہ مسلمان گمراہ ہوں بلکہ کوشش بھی ہے اس لئے مودت کا ذکر فرمایا۔ **طائفۃ طوف** سے بنا بمعنی گھومنا۔ اسی سے طواف ہے۔ جب یہ لفظ انسانوں پر بولا جائے تو اس سے ایک جماعت مراد ہوتی ہے اور کسی چیز کے ٹکڑے اور حصے کو بھی اس کا طائفہ کہہ دیا جاتا ہے جیسے **طائفۃ اللیل۔ من اھل الکتاب** میں **من** تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ یہ بہکانا ان کے ضدی احبار اور علماء کا کام تھا نہ کہ سب کا۔ ظاہر یہ ہے کہ اہل کتاب سے صرف یہودی مراد ہیں۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ اور ممکن ہے کہ عیسائی بھی اس میں داخل ہوں **لو ان** مصدریہ کے معنی میں ہے اور **یضلون** مصدر بن کر **ودت** کا مفعول بعض نے کہا کہ **لو** شرطیہ ہی ہے مگر **ودت** کا مفعول اور **لو** کی جزا پوشیدہ ہے اصل عبارت یہ تھی **ودت اضلا لکم لو یضلونکم سروا بذلک** (روح المعانی) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہ **لو** تمنا کا ہے بمعنی کاش کہ **لو ودت** کا مفعول جیسے **یود احدھم لو یعمر الف سنۃ**۔ یہی قوی ہے **کم** سے مراد یا سارے صحابہ کرام ہیں یا صرف حضرت معاذ و عمار و حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنہیں یہود نے بہکانا چاہا تھا یعنی اہل کتاب کی ایک جماعت دلی خواہش رکھتی ہے کہ وہ تمہیں کسی طرح گمراہ کر دیں اور ہو سکتا ہے کہ **کم** میں خطاب تاقیامت کے مسلمانوں سے ہو۔ جیسے **اقیموا الصلوۃ** اور **واتوا الزکوۃ** میں ہے اس صورت میں **یضلون** یعنی بہکانے سے مراد ہے دنیا سے قرآن و اسلامی تعلیم کو غائب و ضائع کر دیں۔ جس سے تمہارے پاس ہدایت کا سامان نہ رہے یا تم کو قرآن و اسلام سے بیگانہ کر دیں

کہ تم مسلمان کہلا کر بھی مسلمان نہ رہو یا تمہارے دلوں میں اسلام کی طرف سے شکوک پیدا کردیں کہ تم اسلام سے متنفر ہو جاؤ پھر کسی کو نوکری کا لالچ دے کر کسی کو زوئی٬ عورت کے جال میں پھانس کر عیسائی بنالیں ۔ یہ تینوں قسم کی کوششیں عیسائی ہمیشہ سے کر رہے ہیں ۔ کالج سکول ہسپتال اسی مقصد کے لئے ہیں ۔ چونکہ یہ کوششیں چھپی ہیں اس لئے ود تمنی ارشاد ہوا ۔ گمراہ کرنے سے مراد یا تو عیسائی بنانا ہے یا کم از کم اسلام سے بیگانہ کردینا مگر انہیں اطمینان رکھنا چاہیے کہ **وما یضلون الا انفسہم** ظاہر یہ ہے کہ واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ طائفہ کا حال یضلونؔ اضلال سے بنا بمعنی گمراہ کرنا یا ہلاک کرنا مراد ہے یا اپنی گمراہی بڑھانا ۔ یا اپنے عذاب میں ترقی کرنا کہ اب تک فقط گمراہ تھے اب گمراہ گر ہوئے ۔ جسکا نتیجہ یہ ہو گا کہ **ولیحملن اثقالہم واثقالا مع اثقالہم** یا یہ سزا ان کی **ولیحملوا اوزارہم کاملۃ یوم القیامۃ ومن اوزار الذین یضلونہم بغیر علم** یعنی قیامت میں اپنا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان کا بھی جنہیں انہوں نے گمراہ کیا یہ تو نہیں اس لئے کی گئیں کہ وہ گمراہ تو پہلے ہی سے تھے یا اپنے کو دھوکا دینا مراد ہے کہ یہ بیوقوف اپنے کو دھوکا دے رہے ہیں نہ ان کے مٹائے قرآن شریف مٹے ۔ نہ سارے مسلمان بہکیں نہ اسلام ختم ہو ۔ یعنی یہ بیہودہ اپنی حرکتوں سے اپنی گمراہی میں ترقی دے رہے اور اپنی ہی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں لیکن بے وقوف ہیں ۔ **وما یشعرون** یہ شعور سے بنا ۔ جس کی نفیس تحقیق پارہ سیقول میں ہو چکی یعنی انہیں اس کا شعور نہیں ۔

خلاصہ تفسیر : اے اہل کتاب تم اتباع ابراہیمی کا غلط دعویٰ کیوں کرتے ہو ۔ ان سے قرب رکھنے والے یہ لوگ تھے جو اس سے پہلے ان کے مطیع و فرمانبردار رہے اور اب یہ نبی اور ان کے امتی ہیں کہ ان کے عقائد بعینہ عقائد ابراہیمی ہیں اور ان کے مخصوص عمل جیسے ناخن کٹانا٬ مونچھیں کتروانا اور داڑھی کا حد اعتدال میں رکھنا ۔ مشت سے زیادہ نہ اس سے کم٬ حج کرنا خانہ کعبہ کا طواف ختنہ قربانی٬ روزے وغیرہ انہیں کے دین میں ہیں تمہارے دین میں نہیں ۔ لہذا ان کے کلام سے ان کے حال کا پتہ لگاؤ ۔ پھر بڑی بات یہ ہے کہ اللہ ان کا والی وارث ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کفار میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود آخر کار ان پر غالب رہے ۔ ایسے ہی یہ بھی صدہا دشمنوں میں گھر کر بھی غالب رہیں گے ۔ اے مسلمانو! تم ان اہل کتاب کے ایمان کی امید نہ رکھو ۔ ان کی گمراہی یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ ان میں ایک گروہ تمہیں بہکا کر گمراہ کر دینے کا خواہش مند ہے جو فرقہ گمراہ اور گمراہ گر ہو اس کے ایمان کی کیا امید ۔ مگر اہل کتاب اطمینان رکھیں ۔ وہ تم میں کسی کو نہیں بہکا سکتے اپنی ہی گمراہی میں اضافہ کر رہے ہیں اور اپنی ہی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں مگر ایسے اندھے ہیں کہ انہیں اس کا شعور نہیں ۔

ضروری نوٹ : ہرقل بادشاہ نے دعوت اسلام پہنچنے سے پہلے خواب اور نجومی حساب سے پتہ لگایا تھا کہ میرے ملک پر ایک ختنہ کرانے والی جماعت قبضہ کرے گی اس نے اپنے وزیر ناطور کو بلا کر یہ ماجرا سنایا اور کہا کہ بتاؤ اس زمانہ میں ختنہ والی قوم کون ہے؟ وہ بولا کہ صرف یہودی ختنہ کرتے ہیں ۔ ان سے ہمیں کوئی کھٹکا نہیں اپنے مملکت کے حکام کو لکھ بھیجو ۔ جہاں کہیں یہود ہوں قتل کر دیئے جائیں ۔ یہ مشورے ہو رہے تھے کہ شاہ غسان نے ہرقل کے پاس ایک قاصد کے ذریعہ حضور علیہ السلام کی خبر بھیجی ۔ ہرقل نے فوراً حکم دیا کہ تحقیقات کرو وہ ختنہ بھی کرتے ہیں یا نہیں ۔ اس کے محققین نے خبر دی کہ ہاں ختنہ کرتے ہیں ۔ ہرقل بولا ۔ بس میرے ملک میں انہیں کا قبضہ ہو گا ۔ پھر ہرقل نے اپنے دوست کو خط لکھا جو رومیہ میں تھا کہ میرا یہ خیال

بے تمیزی کیا رائے ہے اور خود حمص چلا گیا۔ اسے حمص پہنچ کر جواب ملا کہ تیرا خیال صحیح ہے وہ سچے نبی ہیں۔ تب ہرقل نے رومیوں کو جمع کرکے کہا کہ اگر تم اپنے ملک کی بقا چاہتے ہو۔ تو اس نبی سے بیعت کرلو اور مسلمان ہو جاؤ۔ جس پر وہ سب بھڑک گئے۔ ہرقل سلطنت کے خوف سے ایمان قبول نہ کرسکا (بخاری شریف) اس روایت سے پتہ چلا کہ مسلمانوں کے اعمال ان کے عمال کانپتے ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: پیغمبر کا قرب ان کی اتباع سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ محض ان کی اولاد ہونے سے۔ دیکھو بعض اہل کتاب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور بعض مومن ان کی اولاد میں نہیں مگر قرآن کریم نے ان کے متبعین اور اہل ایمان کو ان کا قریبی قرار دیا لہٰذا کفار، روافض سید نہیں۔ اگرچہ سیدنا علی مرتضیٰ کی نسل میں ہوں۔ دوسرا فائدہ: مسلمانوں کے لئے ان کا امکن کامیابی کا ذریعہ ہے نہ کہ دنیوی ساز و سامان جیساکہ اللہ ولی المومنین سے ثابت ہوا لہٰذا چاہیئے کہ ہم ترقی حاصل کرنے کیلئے اپنے عقائد کی درستی اور اعمال کی اصلاح کریں۔ تیسرا فائدہ : صحابہ کرام گمراہ نہ تھے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان کے ورغلانے والوں کو ان کی گمراہی سے مایوس کردیا۔ چوتھا فائدہ: جو صحابہ کرام کو گمراہ کرنا چاہے یا انہیں گمراہ کہے وہ خود گمراہ ہے جیساکہ **وما یضلون الا انفسھم** سے معلوم ہوا۔ اور کیوں نہ ہو۔ جس تھیلے پر سرکاری مہر لگ جائے وہ چوری سے محفوظ ہوتا ہے۔ جس قلب پر نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر لگ جائے اس میں سے دولت ایمان کون نکالے؟۔

دل پہ کندہ ہو تیرا نام کہ وہ دزد رجیم الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کر طغرا تیرا

پانچواں فائدہ: جسمانی قرب تو مکانی، زمانی، یا رشتہ داری قرب سے حاصل ہوتا ہے مگر روحانی قرب ان تمام سے بے نیاز ہے وہ صرف اتباع سے میسر ہوتا ہے۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام کے ہم زمانہ اور ہم وطن ان سے قریب نہ ہوئے مگر تاقیامت مومنین ان سے قریب ہیں۔ اگرچہ زمان و مکان میں ان سے بہت دور۔ چھٹا فائدہ: اعمال براہ راست نجات کا ذریعہ نہیں ورنہ شیطان نجات پاتا کہ وہ بڑا عابد تھا بلکہ اعمال صالحہ قرب پیغمبر کا ذریعہ ہیں اور قرب پیغمبر قرب خدا تعالیٰ کا وسیلہ اور قرب خدا رحمت و مغفرت کا ذریعہ ہے۔ دیکھو آیت میں اتبعوا کی اولی الناس ہونے کا ذریعہ بتایا گیا اور اولی الناس کے بعد فرمایا واللہ ولی المومنین۔ قرب رسول رب کی بڑی نعمت ہے۔ جسے میسر ہو۔ ساتواں فائدہ: کفار ہمیشہ مسلمانوں کی تاک میں رہتے ہیں اور انہیں گمراہ کرنے کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں۔ جیساکہ ودت طائفۃ سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں تین ہستیوں کو ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر بتایا گیا ایک ان کے متبعین دوسرے یہ پیغمبر تیسرے مومنین یہ تین جماعتیں اتبعوا یا امنوا میں آجاتیں صرف امنوا کہنا کافی تھا۔ جواب: اتبعوا سے وہ لوگ مراد ہیں جو بلاواسطہ ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے موافق ہیں نہ کہ ان کے مطیع اور مسلمان بواسطہ حضور علیہ السلام کے دین ابراہیمی کے متبع۔ چونکہ اتباع کی تین قسمیں تھیں۔ اس لئے تین عبارتیں فرمائی گئیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اتباع سے عام معنی مراد ہوں اور نبی و مومن کا ذکر خصوصیت کیلئے ہو جیساکہ ہم نے تفسیر میں اشارہ کردیا۔ دوسرا اعتراض: **الذین امنوا** میں نبی داخل ہیں اس لئے عام احکام انبیاء پر بھی جاری ہوتے ہیں۔ جیسے **امنوا**

الصلوۃ واتوا الزکوۃ میں پیغمبر داخل ہیں پھر نبی کا ذکر علیحدہ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** لفظ مومن میں نبی داخل ہیں اور لفظ ایمان دونوں پر صادق مگر حقیقت ایمان میں بڑا فرق ہے۔ حضور علیہ السلام کے ایمان کی حقیقت ہی اور ہے۔ ہمارے ایمان کی حقیقت کچھ اور جس کی پوری تحقیق ہم شروع پارہ الم میں کرچکے اس لئے نبی کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ودت طائفۃ کیوں کہا گیا۔ سارے ہی اہل کتاب مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ **جواب:** اس لئے کہ اہل کتاب کے تین گروہ تھے ایک علماء حقانی جو حضور علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ دوسرے جاہل اہل کتاب جن میں گمراہ کرنے کی لیاقت نہ تھی تیسرے ان کے علماء سوء جو حسد و بغض کے باعث ان تمام شرارتوں پر تلے رہتے تھے یہاں انہیں کا ذکر ہے وہی یہ حرکتیں کرتے تھے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ اہل کتاب نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے نفسوں کو وہ تو پہلے ہی سے گمراہ تھے پھر گمراہ ہونے کے کیا معنی؟ تحصیل حاصل ناممکن ہے۔ **جواب:** اس کے چند جواب تفسیر میں گزر گئے کہ یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود ہی گمراہ رہیں گے یا یہ کہ وہ اس کوشش میں اپنی جانیں ہلاک کریں گے مگر صحابہ کرام کو بہکا نہ سکیں گے۔ یا یہ کہ اپنے آپ کو گمراہ گر بنالیں گے۔ یا یہ کہ موجودہ گمراہی سے بڑھ کر گمراہی اختیار کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ : جسمانی قرب یا مکانی ہوتا ہے یا زمانی مگر روحانی قرب مکان و زماں سے آزاد ہے۔ وہاں اتباع و اطاعت کا لحاظ ہے۔ مسلمان اگرچہ ابراہیم علیہ السلام سے زمانہ میں بھی دور ہیں اور جگہ میں بھی مگر چونکہ ان کے متبع ہیں لہذا قریب ہیں۔ نمرود و دیگر کفار اگرچہ زمانہ اور جگہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قریب تھے مگر ان سے بہت دور تھے اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام سے قرب رکھنے والے ان کے پیروکار ہیں۔ خواہ اس زمانہ کے مومنین ہوں یا اس وقت کے۔ نیز وراثت مال جسمانی رشتہ سے ملتی ہے مگر وراثت کمال روحانی رشتہ سے۔ ناخلف اولاد اگرچہ مال کی وارث ہو جائے مگر کمال کی وارث نہیں۔ لائق شاگرد اگرچہ مال کی میراث نہ پائے گا مگر کمال میں شیخ کا جانشین ہوگا۔ اسی لئے یہاں ارشاد ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ حقدار مومنین نہ کہ ان کی ناخلف اولاد جیسا کہ کفر وغیرہ مالی میراث سے محروم کرنے والے اسباب ہیں ایسے ہی روحانی دوری کمالی میراث کا مانع۔ نیز کفر تاریکی ہے اور ایمان روشنی جیسا کہ تاریکی ہمیشہ نور کو بجھانے کی فکر میں ہے ایسے ہی کفار ہمیشہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی فکر میں۔ لیکن اگر مسلمانوں کو شمع جمال مصطفوی سے تعلق رہا تو یہودیت نصرانیت شرک و بت پرستی کی تمام تاریکیاں ناکام رہیں گے اور وہ خود گم ہو کر رہ جائیں گی مگر ہاں اس آفتاب نبوت سے وابستگی چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دولت خانہ میں جمع فرمایا۔ پھر ہم کو دیکھ کر حضور علیہ السلام کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا کہ فراق کی گھڑی سر پر کھڑی ہے اور اب ہمیں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونا ہے اللہ تمہیں خوش و خرم رکھے اور تم پر رحمت فرمائے میں تم سب کو تقویٰ و پرہیزگاری کی وصیت کرتا ہوں۔ بعد وفات ہم کو ہمارے اہل بیت غسل دیں اور یمانی حلہ میں کفن دیا جائے تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر ایک ساعت کیلئے ہمارے پاس سے سب علیحدہ ہو جانا ہم پر اولاً جبرائیل پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت نماز پڑھیں گے۔ پھر مسلمان فوج در فوج نماز ادا کریں گے۔ یہ سن کر سب لوگ رو کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور ہمارے رب کے رسول اور ہماری انجمن کی شمع اور ہمارے دین کے سلطان ہیں اب ہم کس کی طرف رجوع کیا کریں گے۔ فرمایا کہ ہم نے تم میں دو واعظ چھوڑے ہیں ایک خاموش دوسرا بولتا ہوا۔ خاموش واعظ موت ہے۔ ناطق

واعظ قرآن۔ اپنی ہر مشکل میں قرآن کی طرف رجوع کرو اور جب تمہارے قلب میں سختی پیدا ہو تو موت کو یاد کرو۔ یہ چیزیں تمہیں راہ حق پر قائم رکھیں گی۔ (روح البیان) اعتقاد و عمل میں انسان تین قسم کے ہیں۔ ایک کامل جو مضبوط ہیں جنہیں دنیا کے مصائب و آلام راحت و آرام جنبش نہیں دے سکتے۔ دوسرے ناقص جنہیں ہلکے پتہ کی طرح ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کی دستگیری رحمت الٰہی نے نہ کی۔ تیسرے درمیانی لوگ۔ اس دوسری آیت میں پہلی جماعت کی استقامت کا ذکر ہے۔ حق تعالیٰ ہم گناہ گاروں کو استقامت بخشے۔ مگر اس کے لئے محنت و ہمت درکار ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

بقدر الکد تکتسب المعالی　　ومن طلب العلی سھر اللیالی

تروم العز ثم تنام لیلا　　یغوص البحر من طلب اللآلی

یعنی محنت و مشقت کی بقدر تم بلندی حاصل کرو گے۔ جو بلندی و سرفرازی چاہتا ہے وہ راتیں سو کر نہیں گزارتا۔ تعجب ہے کہ تو دائمی عزت کا طالب ہے اور پھر رات بھر سوتا ہے اے اللہ کے بندے موتی کا متلاشی سمندر میں غوطہ لگانے کی مشقتیں جھیلتا ہے۔ اس میں ابدال و اولیاء کی مدد اور اپنی کوشش درکار ہے تاکہ یہ دشوار گزار راستہ آسانی سے طے ہو۔

چراغ زندہ می خواہی درشب زندہ داراں زن　　کہ بیداری بخت از بخت بیداراں شود حاصل

یعنی اگر تو اپنا چراغ روشن رکھنا چاہتا ہے تو ان کا دروازہ کھٹکا جن کی راتیں زندہ و روشن رہتی ہیں کیونکہ نصیبے کی بیداری بیدار نصیبوں والوں سے میسر ہوتی ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ
اے کتاب والو کیوں کفر کرتے ہو ساتھ آیتوں اللہ کے حالانکہ تم گواہی دیتے ہو　اے کتاب والو کیوں
اے کتابیو اللہ کی آیتوں سے کیوں کفر کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو　اے کتابیو حق میں
الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
ملاوٹ کرتے ہو حق کو ساتھ باطل کے اور چھپاتے ہو تم حق کو حالانکہ تم جانتے ہو
باطل کیوں ملاتے ہو اور حق کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تمہیں خبر ہے　اور کتابیوں کا ایک گروہ بولا
وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
اور کہا ایک گروہ نے کتاب والوں میں سے ایمان لاؤ ساتھ اس کے جو اتارا گیا اوپر ان لوگوں کے جو ایمان لائے
وہ جو ایمان پر اتارا گیا　صبح کو اس پر ایمان لاؤ　اور شام　کو منکر ہو جاؤ
وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝
شروع دن میں اور انکار کرو آخر میں اس کے شاید کہ وہ لوگ پھر جائیں
شاید وہ پھر جائیں

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل کتاب کی اس جماعت کا ذکر تھا جسے توریت و انجیل کی آیتوں کی خبر نہ تھی اور بے خبری میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا انکار کرتے تھے۔ اب اہل کتاب کے اس گروہ کا ذکر ہے۔ جو دیدہ و دانستہ توریت و انجیل سے خبردار ہوتے ہوئے اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل کتاب کے مکر و فریب کا اجمالی ذکر تھا کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے۔ اب ان کے فریب کی کچھ تفصیل بتائی جارہی ہے کہ وہ دیدہ و دانستہ آیات الٰہی کا انکار کرتے اور حق کو باطل سے ملاتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو بہکانے کی زبردست تدبیریں کرتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ مسلمانوں کو بہکانے والے اہل کتاب مسلمانوں کو تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے اپنی ہی گمراہی میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اب ان آیتوں میں اسی کا ثبوت دیا جارہا ہے گویا پہلے دعویٰ تھا اب دلیل۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اہل کتاب صحابہ کرام یا تمام مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اس کوشش سے خود پہلے ہی اپنی کتاب توریت و انجیل کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ توریت و انجیل میں یہ مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس کچی کھیتی کی طرح ہوں گے جن کی حفاظت مالک ہمیشہ کرتا ہے پھر یہ حضرات کیسے گمراہ ہو سکتے ہیں نیز فرمایا ہے۔ **کزرع اخرج شطئه فازره** نیز توریت و انجیل میں ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین نہ منسوخ ہوگا نہ منسوخ سے کوئی مٹا سکے گا۔ اب ان اہل کتاب کی یہ کوششیں اپنی آیات کا انکار کرکے کفر کرنے کے مترادف ہے۔

شان نزول : اس آیت کے شان نزول میں دو روائتیں ہیں۔ ایک یہ کہ خیبر کے علماء یہود میں سے بارہ شخصوں نے آپس میں مشورہ کرکے مسلمانوں کو بہکانے کا یہ مکر سوچا کہ یہود کی ایک جماعت صبح کو اسلام لے آئے اور شام کو مرتد ہو جائے اور لوگوں سے کہے کہ ہم ضدی اور ہٹ دھرم نہیں بلکہ طالب حق ہیں۔ اس لئے ہم لوگ مسلمان ہو گئے تھے مگر کریں کیا جب ہم نے اپنی کتابوں میں دیکھا تو ثابت ہوا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ پیغمبر نہیں ہیں۔ جن کی ہماری کتابوں نے خبر دی تھی۔ اور نہ اسلام میں کوئی خوبی ہے اس لئے ہم اسلام سے پھر گئے۔ یہ سب تدبیر اس لئے تھی کہ اس حرکت سے مسلمانوں کو حقانیت اسلام میں شبہ پیدا ہو جائے اور وہ سمجھیں کہ واقعی یہ لوگ حق کے طلبگار ہیں ضدی نہیں۔ اسی لئے تو ایمان لے آئے تھے اور چونکہ یہ اہل کتاب اور اہل علم ہیں واقعی انہوں نے اسلام میں کوئی خرابی ہی دیکھی ہوگی ورنہ یہ مسلمان ہو کر مرتد نہ ہوتے۔ اس موقعہ پر آیت کریمہ **وقالت طائفة من اهل الكتب** نازل ہوئی (تفسیر خازن و خزائن عرفان وغیرہ) دوسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ تبدیلی قبلہ کے موقعہ پر نازل ہوئی کہ جب کعبہ معظمہ کو قبلہ اسلام مقرر کیا گیا تو یہود کو بہت گراں گزرا۔ ان کے سردار کعب ابن اشرف اور مالک ابن سلف نے اپنے دوستوں سے کہا کہ مسلمانوں کو بہکانے کی بہتر تدبیر یہ ہے کہ صبح کی نماز مسلمانوں کے ساتھ کعبہ کی طرف پڑھ لو اور دن کے آخری حصے میں اپنے قبلہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھو اور مسلمانوں سے کہو کہ چونکہ ہمیں تبدیلی قبلہ کا پتہ اپنی کتابوں سے نہیں ملا۔ اس لئے ہم نہیں مانتے تاکہ مسلمان شک میں پڑ جائیں۔ حالانکہ توریت و انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات خصوصیہ میں یہ مذکور ہے وہ نبی الحرمین ہوں گے۔ یعنی پیدا ہوں گے ایک حرم میں رہیں گے دوسرے حرم میں اور یہ کہ آپ امام القبلتین ہوں گے کہ دو قبلوں کی طرف نماز پڑھیں

گے۔ پڑھائیں گے اور انکے مقبول سجدوں سے دونوں قبلوں یعنی کعبہ اور بیت المقدس کو شرف میسر ہو گا۔ مگر یہ جانتے ہوئے ان بد نصیبوں نے یہ حرکت کیں۔ تب یہ آیت کریمہ **وقالت طائفۃ من اھل الکتب** نازل ہوئی۔ یہی مجاہد اور مقاتل اور امام کلبی کا قول ہے۔ (تفسیر روح المعانی و خازن و کبیر وغیرہ)۔

تفسیر : **یا ھل الکتب لم تکفرون بایت اللہ** یہاں اہل کتاب سے علماء یہود یا علمائے نصاریٰ یا دونوں مراد ہیں نہ کہ عام کتابی جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں اہل کتاب کہنا اظہار غضب کے لئے ہے کیونکہ آگے ان کے کفریات کا ذکر ہے اور اہل کتاب کے معنی ہیں کتاب آسمانی کو ماننے والے یا ان کتابوں کے عالم۔ یہود و نصاریٰ کے پادری۔ کیونکہ وہ پوپ پادری ہی کتاب اللہ کی آیات چھپاتے یا ان کا انکار کرتے تھے۔ رہے ان کے عوام وہ یہ حرکتیں کر سکتے ہی نہ تھے۔ چونکہ اہل علم کا گناہ جاہل کے گناہ سے سخت تر ہے کہ اس کی پیروی میں عام جہلا عمل کرتے ہیں اس لئے خصوصیت سے ان پر عتاب ہوا۔ لم اصل میں لما تھا لام تعلیلیہ اور ما استفہامیہ کا مجموعہ۔ تخفیف کے لئے الف گرا دیا گیا۔ کیونکہ لام الف کے قائم مقام ہو گیا نیز چونکہ الف کنارہ پر تھا۔ اور میم کا فتح اس پر دلالت کرتا تھا۔ اس لئے الف کی چنداں ضرورت نہ تھی لہذا گرا دیا گیا جیسے **عما یتساء لون** یا جیسے **فبم تبشرون** کہ اصل میں عما اور بما تھے۔ کبھی حالت وقف میں ان کے اخیر میں ہ بھی لگا دی جاتی ہے۔ جیسے لمہ یا لِمَہ (تفسیر کبیر) عربی میں لم وجہ پوچھنے کے لئے آتا ہے۔ جیسے اردو میں کیوں اور انگریزی میں وائی فارسی میں چرا رب تعالیٰ کا کیوں فرمانا اظہار غضب اور آئندہ عذاب کی تمہید کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں ہے کہ جس سے حساب میں مناقشہ ہوا۔ وہ ہلاک ہو گیا **تکفرون** کفر سے بنا کفر کے معنی ہیں انکار کرنا چھپانا ناشکری کرنا یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں آیات کا انکار اعتقادی بھی ہوتا ہے۔ قولی بھی عملی بھی قولی یا اعتقادی انکار یا تو الفاظ آیات کا انکار ہو گا یا اس کے معنی کا انکار جو کہے کہ **اقیموا الصلوۃ** قرآن شریف کی آیت نہیں وہ بھی انکاری ہے۔ اور جو کہے کہ یہ آیت تو ہے مگر اس صلوۃ سے مراد نماز نہیں بلکہ کوئی اور عمل ہے وہ بھی انکاری ہے۔ اہل کتاب یہ تمام کفر کرتے تھے آیات اللہ سے یا قرآنی آیتیں مراد ہیں تو **تکفرون** سے ان کا انکار اور نہ ماننا مراد ہو گا یا آیات اللہ سے توریت و انجیل کی وہ آیتیں مراد ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی اور حضور علیہ السلام کے اوصاف کا ذکر تھا۔ **تکفرون** سے ان آیتوں کا چھپانا یا ان کا بدلنا مراد ہو گا۔ یا آیات اللہ سے حضور علیہ السلام کے سارے معجزات مراد ہیں۔ جن سے آپ کی نبوت کا ثبوت ہوتا تھا۔ اس صورت میں **تکفرون** سے ان کا انکار یا انہیں جادو کہنا مراد ہو گا۔ **وانتم تشھدون** واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ **تکفرون** کے فاعل سے حال ہے۔ **تشھدون** شہادت سے بنا بمعنی گواہی یا تو اس سے ان کی دلی شہادت اور قلبی اعتراف مراد ہے جو انہیں توریت دیکھ کر حاصل ہوا تھا یا ان کی زبانی گواہی و اقرار مراد ہے جو وہ تنہائی میں کر لیا کرتے تھے۔ یا اس سے حاضری مراد ہے یعنی اے علماء اہل کتاب تم آیات قرآنیہ کا کیوں انکار کرتے ہو۔ حالانکہ تمہارے دل اس کی حقانیت کے گواہ ہیں۔ یا اے علماء اہل کتاب تم توریت و انجیل کی ان آیتوں کو کیوں چھپاتے ہو جن میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے حالانکہ تم اپنی خاص مجلسوں میں اس کا اقرار بھی کر لیتے ہو اگرچہ مسلمانوں کے سامنے انکار کر دیا تم حضور علیہ السلام کے معجزات کو کیوں نہیں مانتے۔ حالانکہ تم خود اقرار کرتے ہو کہ گزشتہ انبیائے کرام کے معجزات ان کی نبوت کے دلائل تھے اور تم حضور علیہ السلام کے معجزات پر حاضر ہوتے ہو۔ **یا ھل الکتب لم تلبسون الحق بالباطل** چونکہ علمائے اہل کتاب کے دو گروہ تھے ایک وہ

جو جان بوجھ کر حضور علیہ السلام کا انکار کرتے تھے دوسرے وہ جو صرف انکاری پر قناعت نہ کرتے بلکہ مسلمانوں کے دلوں میں شبہات ڈال کر انہیں اسلام سے پھسلانے کی کوشش کرتے تھے۔ پہلی آیت میں پہلے گروہ سے خطاب تھا دوسری آیت میں دوسرے گروہ سے خطاب ہے لہٰذا یہاں اہل کتاب سے ان کے وہ علماء مراد ہیں جو توریت و انجیل میں تحریفیں کرتے تھے۔ **تلبسون** لبس سے بنا بمعنی خلط کرنا ملاوٹ کرنا اور چھپانا کپڑے کو اسی لئے لباس کہتے ہیں کہ وہ بدن کو چھپاتا ہے۔ مشابہت کو ملابست اور دھوکے کو التباس اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے اصل شے چھپ جاتی ہے۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ چھپانا بھی خلط کرنا بھی۔ اگر چھپانا مراد ہو تو بالباطل کی ب استعانت کی ہے یعنی حق کو باطل کے ذریعہ کیوں چھپاتے ہو۔ اور اگر خلط مراد ہو تو ب بمعنی مع ہوگی یعنی حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو۔ یا تو حق سے مراد ان کا اقراری اسلام ہے اور باطل سے مراد دلی کفر۔ یہ ابن عباس اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ یا حق سے مراد موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لانا اور باطل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے۔ یا حق سے مراد ان کا دلی اعتراف ہے اور باطل سے مراد ان کا زبانی انکار ہے یہ ابو علی اور ابو مسلم کا قول ہے یا حق سے مراد مشرکین کی سی بدعملیاں رشوت خوری شراب نوشی۔ جوا زنا وغیرہ جو ان پوپ پادریوں میں مروج تھے یا حق سے مراد توریت کی واضح صاف آیتیں ہیں اور باطل سے مراد توریت کے متشابہات کی غلط تاویلیں۔ (روح المعانی و کبیر) یعنی اے علمائے اہل کتاب تم توریت و انجیل کی اصل آیتوں کو اپنی بناوٹی آیتوں سے کیوں خلط ملط کرتے ہو۔ یا اپنے دلی اعتراف کو اپنے زبانی انکار کے ساتھ کیوں ملاتے ہو۔ یا اپنے ایمان کو کفر بالقرآن کے ساتھ کیوں مخلوط کرتے ہو وغیرہ **وتکتمون الحق وانتم تعلمون** حق کا چھپانے والا دو جرم کرتا ہے ایک شبہات پیدا کرنا۔ دوسرے حق کے دلائل کو لوگوں تک نہ پہنچنے دینا۔ پہلے جرم کا نام تلبیس ہے۔ جس کا ذکر **تلبسون** میں ذکر فرمایا گیا۔ دوسرے قصور کا نام کتمان حق ہے جس کا ذکر اب ہو رہا ہے یہ واؤ عاطفہ ہے اور **تکتمون** **تلبسون** پر معطوف اور **وانتم تعلمون** کا واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ **تلبسون** اور **تکتمون** کے فاعل سے حال ہے یہاں حق سے مراد یا حضور علیہ السلام کی نبوت ہے یا اسلام کی حقانیت یا توریت شریف کی آیات نعت جن کے چھپانے کی علمائے یہود انتہائی کوشش کرتے تھے۔ **تعلمون** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی تم اپنا جھوٹ اپنا حسد عناداً جانتے ہو۔ یا تمہیں خبر ہے کہ حاسد سخت گنہگار ہے۔ مگر پھر تم اس جرم کی جرأت کرتے ہو یا مطلب یہ ہے کہ تم جاہل نادان اور بے وقوف نہیں۔ اصحاب علم میں سے ہو اس صورت میں **تعلمون** کو مفعول کی ضرورت نہیں یعنی اے علمائے اہل کتاب تم حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تمہیں خبر ہے کہ تم حاسد ہو اور حاسد کی سزا جہنم ہے۔ **وقالت طائفۃ من اھل الکتب** علمائے یہود کے چند فریب بیان فرمانے کے بعد انکا ایک انتہائی مکر بتایا جا رہا ہے جو انہوں نے مسلمانوں کو بہکانے کے لئے کیا۔ **طائفۃ** بمعنی جماعت ہے۔ جماعت کو طائفہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے حلقہ بن سکتا ہے جسکے ارد گرد گردش کی جا سکے۔ (طواف بمعنی گردش، روح المعانی) کعبہ کے ارد گرد گھومنے کو طواف کہتے ہیں۔ ایک شہر کا نام طائف ہے کہ وہاں کی زمین کو کعبہ کا طواف کرایا گیا۔ نیز وہاں جانے والا گھومتا ہوا جاتا ہے کہ وہاں کا راستہ پیچیدار خمدار ہے۔ یہاں اہل کتاب سے عام کتابی مراد ہیں۔ اور طائفہ سے انکے خاص علماء اور قال کا متعلق پوشیدہ ہے یعنی علماء اہل کتاب سے عام کتابی مراد ہیں اور طائفہ سے انکے خاص علماء اور قال کا متعلق پوشیدہ ہے یعنی علمائے اہل کتاب نے اپنے بعض لوگوں سے کہا کہ **امنوا بالذی انزل علی الذین امنوا وجہ النھار**۔ **امنوا** سے یا اظہار ایمان مراد ہے یا کعبہ کی طرف نماز پڑھنا مراد جیسا کہ شان نزول

سے معلوم ہوچکا۔ الذی انزل سے یا سارے اسلامی احکام مراد ہیں یا بعض احکام یا تبدیلی و قبلہ اور الذین امنوا سے یا صحابہ کرام مراد ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا ساری امت (روح المعانی و کبیر)۔ وجہ کے لفظی معنی ہیں سامنے اس سے مواجہت اور توجہ ہے۔ چیز کا وہ حصہ جو سب سے پہلے نظر آئے اس چیز کا وجہ کہلاتا ہے۔ جسم انسانی میں منہ کو اسی لئے وجہ کہتے ہیں کہ پہلے وہی نظر آتا ہے لہٰذا وجہ النھار کے معنی ہوئے دن کا شروع حصہ یعنی وقت صبح۔ ربیع ابن زیاد کہتا ہے۔

من کان مسرورا بمقتل مالک فلیات نسوتنا بوجہ النھار

بعض نے فرمایا کہ کسی چیز کے اعلیٰ و اشرف حصہ کو اس کا وجہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا وجہ النھار سے مراد وقت صبح ہے۔ جو دن کا افضل حصہ ہے کہ اس وقت تمام مخلوق رب کی عبادت کرتی ہے اور اسی وقت رات و دن کے محافظ فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وقران الفجر** نیز صحابہ کرام کی خواہش تھی کہ صبح کو پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں۔ ابن اعرابی نے فرمایا کہ **وجہ النھار** صدر نہار' شباب نہار' اول نہار ان سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ یعنی اہل کتاب کے ایک گروہ نے اپنے بعض خاص دوستوں سے کہا کہ مسلمانوں کو اس طرح بہکاؤ کہ تم صبح کے وقت اسلام لاکر مصنوعی مسلمان بن جاؤ اور **واکفروا اخرہ لعلھم یرجعون** او عاطفہ ہے اور یہ جملہ امنوا پر معطوف اور اکفروا سے اظہار کفر مراد ہے۔ ورنہ وہ پہلے کافر تھے آخر دن سے مراد یا وقت ظہر یا شام کا وقت لعلھم کی ضمیر صحابہ کرام یا عام مسلمانوں کی طرف لوٹتی ہے اور یرجعون سے مسلمانوں کا اسلام سے پھر جانا اور مرتد ہو جانا مراد ہے یعنی صبح کو مسلمان بن کے شام کو اپنا کفر ظاہر کرو تاکہ سیدھے سادے مسلمان تمہیں پھرتے ہوئے دیکھ کر اسلام سے پھر جائیں یا کم از کم شبہات میں پڑ جائیں چونکہ اس وقت تک مرتد کو قتل کرنے کے احکام اسلام میں نہ آئے تھے اس لئے ان کتابیوں کی یہ ہمت و جرات ہوئی۔ جب قتل مرتد کے احکام آگئے تو پھر کس میں ہمت تھی کہ اسلام لا کر پھر کافر ہو جاتا وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص اسلام لا کر کچھ روز بعد بولا کہ میری بیعت فسخ کر دیجئے۔ حضور نے بہت سمجھایا وہ نہ مانا اور کافر ہو کر چلا گیا۔ تو فرمایا ہمارا مدینہ بھٹی ہے گندے کو نکال دیتا ہے۔ یہ اس وقت کی حدیث ہے جبکہ مرتد قتل نہ کئے جاتے تھے۔ خیال رہے کہ مرتد کا قتل قرآن شریف سے بھی ثابت اور عقل سے بھی۔ قرآن کریم فرماتا ہے **توبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم** احادیث اس بارے میں بہت ہیں۔ آج حکومتیں ملکی قانون کے باغیوں کو گولی سے اڑا دیتی ہیں۔ پھانسی دے دیتی ہیں۔ ایسے ہی مرتد اسلام کا باغی ہے قتل کا مستحق ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے علمائے اہل کتاب تم توریت و انجیل کے ماننے کا دعویٰ کرتے ہو۔ تو اس کی ان آیتوں کے منکر کیوں ہو جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ہیں۔ حالانکہ تمہارے دل گواہی دے رہے ہیں کہ تم اپنے اس کام میں بڑے مجرم ہو اور ظاہر ہے کہ اقراری مجرم سخت سزا کا مستحق ہے۔ اے اہل کتاب غور کرو کہ تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ حق کو باطل کے ساتھ توریت و انجیل کی اصلی آیتوں کو اپنی بناوٹی آیتوں کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور اپنے لوگوں تک حق کیوں نہیں پہنچنے دیتے۔ حالانکہ تم جانتے بھی ہو کہ ایسی حرکتیں کرنے والا کس سزا کا مستحق ہے تم جان بوجھ کر عذاب کے حقدار اور مستحق نار کیوں بنتے ہو۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کتابیوں کے مکر و فریب اس حد تک بڑھے ہوئے ہیں کہ ان کی ایک جماعت نے مسلمانوں کو بہکانے کی تدبیر یہ سوچی کہ اپنے خاص لوگوں سے کہا کہ تم صبح کے وقت بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام لے آؤ اور مشرف باسلام ہو کر مسلمان بن جاؤ اور شام کو پوری جماعت کی جماعت اسلام سے پھر کر مرتد ہو جائے۔ تاکہ تمہاری جماعت کا

لوٹنا سیدھے سادے مسلمانوں پر برا اثر ڈالے اور وہ یہ سمجھیں کہ یہ لوگ ضدی بلکہ تلاش حق میں اسلام لائے تھے اور چونکہ یہ اہل علم ہیں' اب ان کا لوٹنا اس کی دلیل ہے کہ واقعی انہوں نے اسلام میں کچھ کمی پائی اس لئے پھر گئے۔ لہذا تمہارے ساتھ وہ بھی اسلام سے پھر جائیں۔ رب کی قدرت کے قربان کہ ادھر تو انہوں نے یہ خفیہ تدبیر کی' ادھر اس سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا۔ اور ان کا راز فاش کر دیا گیا۔ جس سے ان کا یہ وار بھی خالی گیا۔ اور کیا تعجب تھا کہ جو لوگ مصنوعی مسلمان بنتے وہ حضور علیہ السلام کی محبت سے حقیقی مومن ہو کر اس شعر کے مصداق بنتے۔

شدد غلامے کہ آب جو آرد　　　آب جو آمد وغلام ببرد

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: علم بے عمل وبال اور باعث عذاب الہی ہے۔ دیکھو علمائے یہود نے جان بوجھ کر حضور علیہ السلام کا انکار کیا۔ لہذا وہ سخت عذاب وعتاب کے مستحق ہوئے۔ اسی لئے صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ العلم حجاب اکبر۔ خیال رہے کہ علم ایک تلوار ہے۔ جس کا صحیح استعمال مفید اور غلط استعمال خود عالم کے لئے مضر ہے۔ دوسرا فائدہ: تمام گواہیوں میں صرف قول کافی ہے۔ مگر ایمانیات کی گواہی میں عقیدہ بھی ضروری ہے۔ یہاں بغیر عقیدت کلمہ پڑھنا اور توحید و رسالت کی گواہی دینا کفر ہے۔ اس گواہی میں لطف یہ ہے کہ بسا اوقات کلام سچا ہے مگر بولنے والا جھوٹا ہوتا ہے جیسا کہ وانتم تشھدون سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: کفار نے اسلام کے مٹانے میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ اسلام کی بقا محض رب تعالیٰ کے کرم سے ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: تقیہ کرنا تمام عیبوں کی جڑ اور انتہا درجہ کی برائی ہے۔ علماء یہود نے اپنے ان لوگوں کو تقیہ کی تعلیم دیکر اسلام کو برباد کرنا چاہا۔ سب سے پہلا تقیہ ابلیس نے کیا کہ حضرت آدم سے عرض کیا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں حالانکہ بد خواہ تھا جس دین میں تقیہ ہو وہ یہودیت سے نکلا ہے۔ پانچواں فائدہ: کفار کی چاپلوسی پر اعتماد نہ کرنا چاہئے۔ بسا اوقات ان کی نمازیں روزے بلکہ ان کا کلمہ طیبہ پڑھنا سیاسی ہوتا ہے نہ کہ دینی۔ غضب تو دیکھو کہ یہود نے مسلمانوں کو بہکانے کے لئے ایمان قبول کر کے نمازیں پڑھ کر مرتد ہونے کی ٹھان لی۔ خیال رہے کہ کفار کی یہ تدبیریں اب بھی باقی ہیں۔ ہر سال بعض یہودی فرمان مصطفوی کے نام سے اشتہار چھاپتے ہیں جس میں لکھتے ہیں کہ شیخ احمد خادم روضہء رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضور علیہ السلام کی خواب میں زیارت کی کہ ان سے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس ہفتہ میں اتنے مسلمان مرے جن میں سے پچانوے فی صدی کافر ہو کر مرے اور پانچ فیصدی مسلمان۔ میں خدا کے سامنے اپنی امت کی بد عملیوں سے سخت شرمندہ ہوں فلاں سنہ میں سورج مغرب سے نکلے گا اور فلاں سنہ میں یاجوج ماجوج ظاہر ہوں گے اور فلاں سنہ میں لوگوں کی صورتیں مسخ ہوں گی۔ اور جو اس مضمون کو نہ مانے کافر ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب یہود کی حرکتیں ہیں تاکہ مسلمان ان حالات کو سن کر اسلام سے بددل ہوں اور ان پیشین گوئیوں کی غلطی معلوم کر کے بانیء اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر جائیں اور سوچیں کہ بارہا ایسی پیشین گوئیاں ہوئیں' مگر ظاہر کچھ بھی نہ ہوا۔ حالانکہ روضہء مطہرہ کے خدام میں کسی کا نام شیخ احمد نہیں۔ سیدھے سادے مسلمان اسے وحی الہی سمجھ کر چھاپتے اور شائع کرتے ہیں یہ یہودیوں کی وہی پرانی چال ہے۔ بعض مسلمان ووٹ کے بھوکے انتخاب کے زمانہ میں مشہور پیروں کے مرید ہو جاتے ہیں تاکہ ان کے مریدین کے ووٹ حاصل کر سکیں۔ ووٹوں کی خاطر نمازیں' خیرات چندے دینے شروع کر دیتے ہیں۔ بعد

انتخاب نہ مریدی رہتی ہے نہ نماز۔ یہ موسمی متقی پرہیزگار اس آیت سے عبرت پکڑیں۔ نفسانی یا شیطانی متقی نہ بنیں۔ بلکہ ایمانی روحانی متقی بنیں۔ سیاسی نماز خراب کرے گی۔ چھٹا فائدہ: اہل کتاب کو بھی مسلمانوں کی پختگی کا پتہ تھا۔ اس لئے وہ مسلمانوں کے مرتد ہونے پر یقین نہ رکھتے تھے۔ بلکہ اتنی تدبیر سوچ کر بھی یہی کہتے تھے۔ لعلھم یرجعون مسلمان شاید ہی ایمان سے پھریں۔ جو روافض کہ حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم و دیگر صحابہ کرام کو دنیوی لالچ سے مرتد مانتے وہ یہود سے بدتر ہے کہ یہود کو صحابہ کی پختگی پر اعتماد تھا انہیں نہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ میں اپنا کلام ملانا طریقہ یہود ہے اور خدا کے غضب کا باعث، تو مسلمان قرآن میں سورتوں کے نام رکوع و آیات کی تعداد کیوں لکھتے ہیں۔ نیز مفسرین قرآن کی آیات کے ساتھ اپنی تفسیری عبارتیں کیوں تحریر کرتے ہیں۔ جواب: کتاب اللہ میں اپنی عبارتیں بڑھانا اس طرح کہ اصلی اور اپنی عبارتوں میں فرق نہ رہے یہ حق و باطل کا مخلوط کرنا ہے اور اپنی عبارتوں کا کلام الٰہی بنانا یہ بھی حق و باطل کی تلبیس ہے۔ کوئی مسلمان قرآن شریف میں ایسی حرکت نہیں کرتا۔ حضرت عثمان نے مصحف ابن مسعود وغیرہ اس لئے جلا دیئے کہ ان میں کچھ تفسیری نوٹ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر کے طور پر فرمائے تھے، وہ شامل تھے۔ خالص اصل قرآن باقی رکھا۔ مسلمان تو ان چیزوں کو الگ شکل میں لکھتے ہیں یا حاشیہ پر تحریر کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن کو اردو، انگریزی و ہندی خط میں لکھنا منع کرتے ہیں۔ بلکہ اس کی تلاوت بھی ایسی کرتے ہیں۔ جس سے دوسرے کلاموں سے قرآن ممتاز رہے۔ مسلمانوں کی سی حفاظت قرآن کسی قوم نے نہ کی۔ عیسائیوں نے تو حضرت عیسیٰ کی ہسٹری اور ان کے ملفوظات کو جسے ان کے حواریوں نے جمع کیا تھا انجیل کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس میں ایک لفظ بھی کلام الٰہی نہیں معلوم ہوتا۔ دوسرا اعتراض: یہاں **امنوا بالذی انزل** کیوں فرمایا گیا۔ **اسلموا** کیوں نہ فرمایا گیا کیونکہ وہاں محض اظہار ایمان تھا جسے اسلام کہہ سکتے ہیں نہ کہ ایمان؟ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ یہود کا کلام ہے۔ انہوں نے اظہار ایمان کو ایمان ہی کہا۔ رب تعالیٰ نے وہی نقل فرما دیا۔ اگر غلطی ہے تو ان کی۔ دوسرے یہ کہ ان کا مقصود یہ تھا کہ اس عمدگی سے اظہار ایمان کرو کہ مسلمان تمہیں سچا مومن سمجھ جائیں انہیں تمہارے نفاق کا شبہ بھی نہ ہو۔ اس مبالغہ کے لئے امنوا کہا نہ کہ **اسلموا**۔ تیسرا اعتراض: یہود قرآن کے کتاب اللہ ہونے کے منکر تھے۔ پھر انہوں نے **انزل علی الذین امنوا** کیوں کہا وہ تو اسکے نزول کے معتقد تھے ہی نہیں۔ جواب: اس کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کے عقیدہ کے لحاظ سے انزل کہا گیا نہ کہ خود یہود کے عقیدہ کے لحاظ سے یعنی جس کے نزول کے مسلمان مدعی ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ دل سے قرآن کو کلام اللہ جانتے تھے اگرچہ زبان سے منکر تھے۔ چونکہ یہ گفتگو خلوت میں کر رہے تھے لہذا انہوں نے دل کی بات کہہ دی۔ چوتھا اعتراض: یہود نے ایمان کے لئے شروع دن اور کفر کے لئے آخر دن کو کیوں منتخب کیا کہ کہا صبح ایمان لے آؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ۔ جواب: اس کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ شروع دن سے نماز صبح مراد ہے اور آخر دن سے نماز مغرب اور **امنوا بالذی** سے کعبہ کی طرف نماز پڑھنا مراد ہے۔ مطلب یہ تھا کہ فجر کی نماز کعبہ کی طرف باقاعدہ اسلامی پڑھ لو۔ اور مغرب کی نماز یہود کے طریقہ پر بیت المقدس کی طرف چونکہ ان دونوں وقتوں میں نمازی زیادہ ہوتے ہیں اس لئے تمہارا ایمان و کفر سب پر ظاہر ہو گا اور تدبیر کارگر رہے گی۔ دوسرے یہ کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ صبح کے وقت جب بارگاہ نبوی میں صحابہ کرام کا مجمع کافی ہوتا ہے، تب سب کے سامنے ایمان قبول کرو۔ پھر شام کو بھی صبح کی سی رونق ہوتی

ہے۔ تب سب کے سامنے مرتد ہو۔ اور وجہ ارتداد بھی بیان کرو۔ تیسرے یہ کہ صبح شام سے مراد تھوڑی مدت ہے۔ مطلب یہ تھا کہ ایمان لا کر بہت جلد مرتد ہو جاؤ۔ مسلمانوں میں زیادہ نہ ٹھہرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہیں رہ جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ : انسان کا دل زرخیز زمین کی طرح ہے۔ زرخیز زمین میں اگر پھل پھول کا تخم ڈالا جائے تو وہاں پھلوں پھولوں کے باغ لگ جاتے ہیں۔ اور اگر کانٹوں کا بیج بویا جائے تو وہ تمام خطہ خارستان بن جاتا ہے۔ نیز بارش کا پانی بویا ہوا تخم ہی اگاتا ہے۔ تخم کو بدلتا نہیں۔ اگر انسان کے دل میں سعادت کا بیج ہے تو قرآن و توریت و انجیل کی آیتیں جو کہ رحمت کا پانی ہیں اس سعادت کو ظاہر کر دیں گی۔ اور اس میں بدبختی کا تخم ہے تو ان ہی آیات سے بدبختی اور زیادہ ظاہر ہو جائے گی۔ یہاں رب نے فرمایا اے کتاب والو! آیات اللہ کے ذریعہ کافر کیوں ہوئے جاتے ہو۔ حالانکہ تم اپنا کفر خود مشاہدہ کر رہے ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے کہ من زشت و خصالم جملہ زشت	کے شوم گل چوں یمن آں خار کشت
نو بہار احسن گل دہ خار را	زینت طاؤس دہ ایں مار را
اے عظیم از ما گناہان عظیم	ی توانی عفو کردن اے کریم
دستگیرم درچنیں بے چارگی	شاگرد دانم دریں غم خوارگی
حرمت آنکہ دعا آموختی	درچنیں ظلمت چراغ افروختی
دستگیر و رہنما توفیق دے	جرم بخش و عفو کن بکتا گرہ

صوفیاء فرماتے ہیں کہ دین حق ہے' دنیا باطل۔ اور دین کو دنیا سے مخلوط کرنا کہ نماز ریا کے لئے پڑھے' علم دین' دولت شہرت کے لئے سیکھے یہ حق کو باطل سے ملانا ہے۔ اسی طرح مسلمان ہو کر کافروں کے سے اخلاق ان کی سی صورتیں اختیار کرے یہ بھی حق کو باطل سے ملانا۔ جیسے دودھ گائے بھینس کے گوبر و خون میں سے آتا ہے مگر صاف ستھرا ہوا ہوتا ہے کہ ان میں گوبر و خون کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ایسے ہی مومن کے اعمال صالحہ ایسے خالص صاف اور ستھرے' نکھرے ہوئے ہونے چاہئیں کہ ان میں نفس امارہ اور دنیا کا شائبہ بھی نہ ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ تکتمون الحق میں حق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے معنی لازوال چیز یا صحیح درست یا حکمت و اسرار والی چیز۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت لازوال ہے آپ کا ہر قول و فعل درست ہے آپ کی ہر ادا میں حکمت و راز ہے اس لئے آپ کا نام حق ہوا۔ اس آستانہ تک باطل کی رسائی نہیں۔ کفار اندھے چور کی طرح ہیں۔ اندھا اگرچہ مجمع میں کھڑا ہو مگر اپنے کو تنہا سمجھ کر سب کے سامنے خوش ہو کر چوری کرتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ مجھے کوئی نہیں دیکھتا۔ حالانکہ سب دیکھتے اور اس کی حماقت پر ہنستے ہوتے ہیں۔ کافر بھی خلوت میں اپنے کو اکیلا سمجھ کر اسلام کے خلاف تدبیریں سوچتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت وہ ملائکہ کے مجمع اور رب تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہیں۔ دیکھو یہود نے اپنے کو تنہا سمجھ کر یہ تدبیر سوچی مگر چونکہ وہ حقیقتاً تنہا نہ تھے۔ اس لئے ان کا راز فاش ہو گیا۔ کفر و بے دینی بلکہ گناہ کی وجہ رب تعالیٰ سے غفلت ہے تو جو کوئی گناہ کرتے وقت سمجھ لے کہ مجھے رب تعالیٰ دیکھ رہا ہے وہ انشاء اللہ گناہ کر سکتا ہی نہیں۔ مسلمانوں کی دولت ایمان کا رب تعالیٰ حافظ ہے۔ دیکھو یہود نے ڈکیتی کی انتہائی تدبیر سوچی تھی۔ مگر حق تعالیٰ نے ان کا راز فاش کر کے اس تدبیر کو بیکار کر دیا۔ اور مسلمانوں کے ایمان کو ان چوروں سے بچا لیا۔ لہذا امید ہے کہ وہی مولیٰ آئندہ بھی ہمارے ایمان کو محفوظ رکھے گا۔ اس کے بہت دشمن ہیں۔ نفس امارہ و شیطان برے ساتھی سب اسکے پیچھے پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کے

فضل و کرم سے یہ محفوظ رہ سکتا ہے۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰۤى

اور نہ تصدیق کرو مگر واسطے اس کے جو اتباع کرے دین تمہارے کی فرما دو کہ تحقیق ہدایت اللہ کی ہدایت ہے

اور یقین نہ لاؤ مگر اس کا جو تمہارے دین کا پیرو ہے۔ تم فرما دو کہ اللہ ہی کی ہدایت، ہدایت ہے یقین کاہے کا نہ لاؤ

اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ

یہ کہ دیا جائے کوئی مثل اس کے جو دیئے گئے تم یا جھگڑا کریں وہ تم سے نزدیک رب تمہارے کے فرما دو تحقیق

اس کا کسی کو ملے جیسا تمہیں ملا یا کوئی تم پر حجت لاسکے تمہارے رب کے پاس تم فرما دو کہ فضل تو اللہ ہی کے

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

فضل قبضہ میں اللہ کے ہے دیتا ہے اس کو جسے چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے خاص فرماتا ہے ساتھ

کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

رحمت اپنی کے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** یہ مضمون گزشتہ ان ہدایتوں کا تتمہ ہے جو علمائے یہود اپنے پیروکاروں کو کرتے تھے۔ یعنی انہوں نے اپنے خاص لوگوں سے کہا تھا کہ صبح کو بظاہر ایمان لے آؤ۔ اور شام کو مرتد ہو جاؤ مگر ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی تھی کہ تم سوا اپنے علماء کے کسی کی بات نہ ماننا۔ ایسا نہ ہو کہ تم صحابہ کرام کی باتوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلکش ہدایتوں کو سن کر انہیں کے ہو جاؤ۔ گویا انہیں دو ہدایتیں کی تھیں ایک کا ذکر پچھلی آیت میں ہو چکا۔ اور دوسری کا اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں علماء یہود کا کلام نقل فرمایا گیا۔ اب رب تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت فرما رہا ہے کہ تم ہر نو مسلم کی چکنی چپڑی باتوں پر اعتماد نہ کر لیا کرو بلکہ پختہ مسلمانوں کی بات پر اعتماد کرو جیسا کہ اس کی ایک تفسیر سے معلوم ہوگا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ علماء یہود نے اپنے جن ساتھیوں کو ظاہری مسلمان ہو جانے پر آمادہ کیا ان سے یہ بھی کہا تھا کہ لعلھم یرجعون مسلمان شاید ہی اسلام سے ہٹیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ تم یہ کوشش اپنے دینی بھائیوں کی پختگی کے لئے کرو نہ کہ مسلمانوں کو ہٹانے کے لئے ان کا ہٹانا بہت مشکل ہے۔ تمہاری اس حرکت سے خود تمہارے بھائی یہودیت پر پختہ ہو جائیں گے۔ گویا اس فریب کی ایک وجہ پچھلی آیت میں بیان ہوئی تھی اور

دوسری وجہ اب بیان ہو رہی ہے۔ خیال رہے کہ علماء یہود کی ان تمام تقریروں کا تعلق شان نبوت سے تھا کہ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکاری تھے۔ مگر چونکہ نبوت کا انکار در پردہ رب کی شان کا انکار ہے' اس لئے رب تعالیٰ نے انہیں اپنا انکاری قرار دیا۔ اور انکی تردید میں اپنی صفات عالیہ کا ذکر فرمایا۔ صفات الٰہی کا آئینہ ذات پیغمبر ہے۔ لہٰذا آیت پر یہ سوال نہیں کہ اس آیت کو ان کی تقریر سے کوئی تعلق نہیں۔

تفسیر : خیال رہے کہ یہ آیت کریمہ ترکیب و ترجمہ کے لحاظ سے نہایت دشوار ہے' اسی لئے مفسرین کرام نے اس کی چند تفسیریں اور مختلف ترکیبیں کی ہیں۔ نہایت آسان اور قوی اور واضح تر تفسیر یہ ہے کہ **ولا تومنوا** سے **عندربکم** تک سارا کلام یہود کا ہے سوا اس جملہ کے **قل ان الھدی ھدی اللہ** اور یہ آیت **امنوا** اور **واکفروا** پر معطوف ہے اور **ولا تومنوا** میں ایمان یا بمعنی تصدیق ہے تو **لمن تبع** کا لام زائدہ ہے جیسے **ردف لکم** کا لام اور یا بمعنی اقرار ہے تو لام صلہ کا ہے اور **ان یوتی احداً** لاتومنوا کا مفعول ہے اور او عاطفہ ہے۔ **یحاجوکم** **یوتی** پر معطوف اور **عند ربکم** **یحاجوکم** کا ظرف ہے اب معنی بالکل واضح ہو گئے۔ یعنی علمائے یہود نے جنہیں ظاہری مسلمان ہونے پر آمادہ کیا انہیں یہ ہدایت کی کہ تم اپنے دین والے یعنی یہودیوں کے سوا کسی کے متعلق نہ یہ اقرار کرنا کہ کسی کو تم جیسے درجات تم جیسی ہدایت اور تم جیسی کتاب مل سکتی ہے۔ اور نہ یہ خیال کرنا کہ کوئی قیامت میں رب کے نزدیک تم سے مناظرہ کر سکے۔ کیونکہ حق پر تم ہو اور باقی سب باطل پر۔ خلاصہ یہ ہے کہ بظاہر مسلمان تو بن جاؤ لیکن درپردہ اپنے ایمان پر قائم رہنا۔ درمیان میں جملہ معترضہ کے طریقہ پر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ بے وقوفو! ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے جسے چاہے ہدایت بنا دے اور جس ذہن کو چاہے گمراہی قرار دے تم ہدایت کو اپنے دین میں محدود کیوں مانتے ہو ایک وقت یہودیت ہدایت تھی۔ اب اسلام ہدایت ہے اس پر تفسیر کبیر و روح المعانی و خازن وغیرہ نے اعتماد کیا اور اسی تفسیر کی جانب اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اشارہ کر رہا ہے چونکہ **امنوا** ایمان سے بنا ایمان کے لغوی معنی ہیں ماننا' قبول کرنا' اصطلاحی معنی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی چیزوں کو قبول کرنا۔ اس جگہ دونوں معنی درست ہیں۔ اس لئے اس کے علاوہ کچھ تفسیریں اور بھی ہیں۔ ایک یہ کہ ساری آیت رب تعالیٰ کا کلام ہے اور **لاتومنوا** میں مسلمانوں سے خطاب یعنی اے مسلمانو! تم علمائے اسلام کے سوا کسی اور کی بات نہ مانو۔ نہ تم جیسے فضائل کسی کو دیئے گئے کیونکہ تم نبی آخر الزمان کی امت ہو (صلی اللہ علیہ وسلم) اور نہ کوئی تم سے قیامت میں جھگڑا کر سکے کیونکہ حق پر تم ہو۔ اور باقی باطل پر (خازن و روح المعانی) دوسرے یہ کہ یہ کلام یہود کا ہے مگر **لاتومنوا** ایمان سے بنا۔ اور **لمن تبع** کلام نفع کا ہے اور باقی ترکیب وہی ہے جو پہلے عرض کی جا چکی۔ یعنی علمائے یہود نے کہا اے دوستو تم یہ حرکت مسلمانوں کو بہکانے کی نیت سے نہ کرو وہ اپنے دین سے ہٹنے والے نہیں۔ تم یہ سب کچھ اپنے دینی بھائیوں کے لئے کرو تاکہ وہ تمہارے اس فعل کو دیکھ کر یہودیت پر پختہ ہو جائیں تیسرے یہ کہ **لا تومنوا** ایمان سے بنا۔ اور **لمن تبع** کلام نفع کا ہے اور باقی ترکیب وہی ہے جو پہلے عرض کی جا چکی۔ یعنی علمائے یہود نے کہا اے دوستو تم یہ حرکت مسلمانوں کو بہکانے کی نیت سے نہ کرو وہ اپنے دین سے ہٹنے والے نہیں۔ تم یہ سب کچھ اپنے دینی بھائیوں کے لئے کرو تاکہ وہ تمہارے اس فعل کو دیکھ کر یہودیت پر پختہ ہو جائیں تیسرے یہ کہ **لا تومنوا** امن سے بنا بمعنی مطمئن ہونا اور مطلب یہ ہوا کہ اے دوستو اپنے دین والوں کے سوا کسی پر اعتماد نہ کرو چوتھے یہ کہ **قل ان الھدی** سے اخیر تک رب تعالیٰ کا کلام ہے اور علمائے یہود

کاکلام دینکم پر ختم ہو چکا وہ اس طرح کہ **الھدی** مبتدا ہے اور **ھدی اللہ** اس کا بدل اور **ان یوتی** میں لا پوشیدہ ہے اور یہ جملہ اس کی خبر یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمادو کہ حقیقی ہدایت یعنی اللہ کی ہدایت یہی ہے کہ کسی کو مسلمان جیسے فضائل نہیں دیئے جاسکتے جو کوئی کسی قوم کو مسلمانوں کی طرح ہدایت پر مانے وہ گمراہ ہے۔ اور بھی تفسیریں کی گئی ہیں۔ ہم طوالت کے خوف سے چھوڑتے ہیں اگر دیکھنا ہو تو تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ کا مطالعہ کرو۔ **قل ان الفضل بید اللہ** یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور اس سے مراد یا نبوت ہے یا ہدایت۔ اور اس میں یہود کے اس قول کی تردید ہے کہ نبوت و ہدایت ہمارے ساتھ خاص ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرمادو کہ فضل اللہ کے قبضے میں ہے۔ خیال رہے کہ فضل کے معنی ہیں مہربانی جو چیز کسی کو اس کے استحقاق کے بغیر دی جائے وہ فضل ہے۔ رب نے دنیا و آخرت کی نعمت جو بھی جسے دی اپنی مہربانی سے دی ہمارا استحقاق نہ تھا۔ ید کے معنی ہیں ہاتھ مگر رب تعالیٰ جسمانی ہاتھ پاؤں سے پاک ہے کہ جسمانیت ہزارہا چیزوں کی محتاج ہے لہذا اس کی جناب میں ہاتھ سے مراد قبضہ ہوتا ہے۔ بندوں کو کوئی چیز دینے سے پہلے بھی وہ چیز اللہ کے قبضہ میں تھی اور دے دینے کے بعد بھی اس کے قبضہ میں ہے کہ جسے چاہے دے اور جس سے چاہے دے کر لے لے۔ یہ بہرحال مالک بھی وہ ہے قابض بھی وہ لہذا **یوتیہ من یشاء** جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اس طرح کہ اب تک نبوت بنی اسرائیل میں رہی اب منتقل ہو کر بنی اسمٰعیل میں آگئی۔ **واللہ واسع علیم** اللہ وسعت والا بھی ہے کہ اس کا فضل کسی قوم پر محدود نہیں۔ اور علم والا بھی ہے کہ اہل و نااہل کو جانتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ تو وسعت والا ہے۔ اس کے ہاں کسی چیز میں تنگی نہیں مگر وہ اپنے بندوں کی حیثیت و لیاقت کو جانتا ہے جو بندہ جس حیثیت کا ہوتا ہے اسے اتنا ہی فضل و کرم دیتا ہے۔ سمندر کی دین میں کمی نہیں مگر ہر شخص اپنے برتن کے موافق اس سے پانی لیتا ہے۔ کنوئیں میں پانی بہت ہے مگر بھرنے والوں کے ڈول مختلف ہیں لہذا وسعت کو علم کے ساتھ جمع فرمانا اور وسعت کو علم سے پہلے ارشاد فرمانا بہت ہی موزوں ہے اور پھر ان دونوں سے پہلے مشیت کا ذکر فرمانا سبحان اللہ۔ بہت بہتر ہے کہ مخلوق کی حیثیت رب کی عطا سے ہے۔ **یختص برحمتہ من یشاء۔ یختص** اختصاص سے بنا۔ رحمت مخصوص بہ ہے اور **من یشاء** مخصوص کیونکہ ر مخصوص بہ پر آتی ہے۔ یہاں رحمت یا تو فضل سے عام ہے یا خاص اس طرح کہ فضل سے مراد نبوت ہو اور رحمت سے مراد ہدایت ہو۔ یا اس کے برعکس کوئی دوسرا شخص خدا کی رحمت کو کسی قوم سے خاص نہیں کر سکتا لیکن اگر وہی کسی کو خاص کردے تو وہ مالک ہے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس رحمت سے مراد اللہ کا ذکر ہے۔ ابن جریج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے اسلام اور قرآن مراد ہے۔ کسی تفسیر کا قول ہے کہ اس سے نبوت مراد ہے۔ (روح المعانی) اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ رب جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص فرماتا ہے کہ اسے مخصوص رحمت فرماتا ہے یا رب جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ذریعہ اپنی نعمتوں سے خاص کرتا ہے۔ یا برحمتہ کی ب یا صلہ کی یا سببیہ۔ **واللہ ذوالفضل العظیم** فضل اور عظیم کی تفسیر بارہا ہو چکی۔ یہاں ذو یا تو بمعنی مالک ہے۔ جیسے زید ذو مال یا بمعنی موصوف جیسے زید ذو علم یعنی اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ یا اللہ بڑے فضل والا ہے مگر مالک کے معنی زیادہ قوی ہیں کیونکہ بعض لوگوں نے فضل عظیم سے دین اسلام مراد لیا ہے اور بعض نے توفیق خیر۔ اور ظاہر ہے کہ خدا پاک اس کا مالک ہے نہ کہ اس سے موصوف (از خازن)۔ خیال رہے کہ فضل بمعنی فضیلت بھی ہوتا ہے اور بمعنی فاضل بھی۔ یعنی اصل پر زائد اور بمعنی **تلفضل** بھی (مہربانی کرنا) یہاں ہر معنی بن سکتے ہیں۔ (خازن)۔

خلاصہ تفسیر : علمائے یہود نے جب بعض لوگوں کو دھوکے کیلئے اسلام لانے پر آمادہ کیا تو انہیں یہ تعلیم دی کہ اے دوستو اپنے دین والوں کے سوا کسی کے متعلق یہ بات نہ ماننا کہ اس کو تمہاری طرح درجات و بزرگیاں دی جائیں۔ تم موسیٰ علیہ السلام کی امت صاحب توریت اور صاحب درجات ہو۔ تمہارے سوا اور کسی کو یہ بزرگیاں حاصل نہیں ہو سکتیں اور یہ بھی نہ خیال کرنا کہ کوئی قیامت میں رب تعالیٰ کے سامنے تم سے حجت بازی کر سکے کیونکہ تم ہی سچے ہو اور سب جھوٹے۔ اور جھوٹوں کی کیا طاقت کہ سچوں کے منہ لگیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس جا کر انکی صحبت میں رہ کر انہیں سچا نہ جان لینا۔ بلکہ اپنے دین پر قائم رہنا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان بیوقوفوں سے فرما دو کہ حقیقی ہدایت وہ ہے۔ جو اللہ کی طرف سے ملے۔ رب تعالیٰ جب چاہے۔ جس دین کو چاہے ہدایت بنادے اور جس کو چاہے منسوخ کر کے اس کو گمراہی قرار دے۔ اس سے پہلے یہودیت ہدایت تھی۔ اب اسلام رات میں چراغ نور کا ذریعہ تھا۔ مگر دن میں سورج' دن میں چراغ سے نور نہ لو ورنہ پاگل کہلاؤ گے۔ اب آفتاب ہدایت طلوع ہو چکا توریت و انجیل کی شمعیں گل ہو چکیں اب ان سے ہدایت لینا حماقت ہے۔ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرما دو کہ فضل و کرم اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جسے چاہے دے۔ جس پر خدا فضل کرے وہ تمہاری ان فریب کاریوں سے پھسل نہیں سکتا۔ تم لاکھ کوشش کرو۔ مسلمان اسلام سے نہیں ہٹیں گے۔ اللہ وسعت والا بھی ہے اور علم والا بھی۔ جس شخص کو جس نعمت کا اہل جانتا ہے اسے وہی عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اپنی خاص رحمت سے مخصوص فرمادیتا بھی اس کی مہربانی ہے۔ کسی زمین کو زعفران کی پیداوار کے لئے مخصوص فرماتا ہے کسی کو تیل و کوئلہ سونے' چاندی کے لئے۔ ایسے ہی کسی انسان کو نبوت کے لئے مخصوص فرمادیتا ہے۔ کسی کو ولایت کے لئے۔ کسی کو خاص ہدایت کیلئے یا اللہ تعالیٰ بڑی فضیلت سے موصوف ہے اس کی شان مخلوق کے وہم و گمان سے برتر ہے۔

تول میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا پہچان گیا میں تیری پہچان یہ ہی ہے

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ہر شخص اپنے دین کو اعلیٰ اور اپنی قوم کو افضل سمجھتا ہے خواہ کتنا ہی گمراہ ہو۔ دیکھو علمائے یہود نے ہدایت کو اپنے میں منحصر سمجھا حالانکہ بدترین گمراہ تھے۔

لطیفہ : کسی نے ایک چمار سے پوچھا کہ دنیا میں اتنی قومیں ہیں کیا تمہارے سوا کسی کو نجات بھی ہے۔ وہ بولا ہرگز نہیں۔ کہا ذرا غور تو کر کسی کی بھی نجات ہے۔ وہ بولا نجات تو کسی کی نہیں۔ ہاں مسلمان شاید عذاب سے بچ جائیں۔ کیونکہ جب وہ کہتے ہیں **لا الہ الا اللہ** تو اس میں ہمارے لال گرو کا نام آجاتا ہے۔

پیر ما خس است مارا ہمیں بس است

دوسرا فائدہ : ہدایت پر وہی ہے جسے اللہ ہدایت دے۔ رب تعالیٰ جس کی تعریف کرے خواہ اسے سارا جہان برا کہے مگر وہ اچھا ہے اور جو رب تعالیٰ کے نزدیک برا ہے خواہ تمام دنیا اسے اچھا کہے برا ہے جیسا کہ ھدی اللہ سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: نبوت جس کسی کو ملتی ہے' محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے۔ اس میں استحقاق کا دخل نہیں۔ جیسا کہ **ان الفضل بید اللہ** سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: اللہ کی رحمت تنگ نہیں بہت وسیع ہے اس کو تنگ سمجھنے والا خود تنگ نظر ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت کو کسی قوم سے خاص ماننا طریقہ یہود ہے کہ وہ اسے بنی اسرائیل سے

خاص مانتے تھے اور حضور علیہ السلام کی نبوت کا صرف اس لئے انکار کرتے تھے کہ آپ بنی اسماعیل میں سے ہیں۔ لہٰذا جو کوئی نبوت کو اولاد ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ خاص مان کر مرزا قادیانی کو محض اس لئے نبی نہیں مانتا کہ وہ اولاد ابراہیم سے نہیں 'وہ در حقیقت یہود کا پیرو کار ہے۔ رب تعالیٰ کی رحمت عام ہے۔ جسے چاہے نبوت سے نوازے۔ اسے خاص کون کر سکتا ہے۔ (مرزائی) جواب: اس کا جواب خود اس آیت میں موجود ہے کہ **یختص برحمتہ من یشاء** بے شک اس کی رحمت عام ہے مگر جب وہ خود ہی کسی رحمت کو کسی قوم کیلئے خاص کر دے تو اس کا ہاتھ پکڑنے والا کون۔ نبوت 'امامت 'قضا صرف مردوں کے لئے خاص کر دی 'عورتوں کو اس سے محروم رکھا زمین مکہ کو حج کیلئے خاص کر دیا دوسرے خطوں کو اس سے محروم رکھا کہ سوا مکہ معظمہ کے حج کہیں نہیں ہوتا یہ تو روحانیات کا حال ہے۔ جسمانیت میں دیکھو تو یہی رنگ نظر آئے گا۔ زمین کشمیر کو سرسبزی و شادابی 'پھل پھول کے لئے خاص فرما دیا زمین حجاز کو خشک ریتلا بنایا۔ ایسے ہی ابراہیم علیہ السلام کے بعد سارے پیغمبر اولاد ابراہیم علیہ السلام ہی سے ہوئے۔ خود انہوں نے دعا فرمائی تھی **ومن ذریتی** خدایا میری ذریت میں نبی پیدا فرمانا۔ خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ **وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ والکتب** ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت اور کتاب خاص فرما دی۔ آپ کے بعد کوئی نبی ایسا نہ آیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے نہ ہو۔ یہود کا بنی اسرائیل کے لئے نبوت کو خاص ماننا توریت کے خلاف تھا مگر مسلمانوں کا اولاد ابراہیم علیہ السلام کے لئے نبوت خاص ماننا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ رب کی رحمت کو خود رب خاص فرما سکتا ہے نہ کہ کوئی اور۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ بڑے فضل والا ہے اور اس کا فضل ہمیشہ جاری اور نبوت بھی ایک فضل ہے پھر وہ ختم کیوں ہو گئی۔ چاہئے کہ دیگر نعمتوں کی طرح اس کا سلسلہ بھی باقی رہے۔ ختم نبوت کا عقیدہ یہودیانہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر نبوت ختم مان کر عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ (مرزائی)۔ جواب: نبوت ختم نہیں ہوئی بلکہ نئے نبی کا آنا بند ہو گیا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیامت تک ہے آپ کی موجودگی میں کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔ فرمایا گیا۔ **الیوم اکملت لکم دینکم** یہود کا موسیٰ علیہ السلام کو خاتم النبیین ماننا توریت کے خلاف ہے کہ توریت میں حضور علیہ السلام کی آمد کی خبر دی تھی۔ مسلمانوں کا حضور علیہ السلام کو خاتم النبیین ماننا قرآن کریم سے ثابت۔ قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو خاتم النبیین کا لقب دیا اور کسی پیغمبر کو یہ لقب عطا نہ فرمایا۔ ہر چیز اپنے وقت میں نعمت ہے۔ بے وقت ہو تو زحمت و عذاب ہے۔ بارش اس وقت تک رحمت ہے جب تک کہ کھیتی کچی ہو۔ کھیت کے پک جانے پر عذاب۔ دین کی کھیتی پک چکی **الیوم اکملت لکم دینکم** کا اعلان ہو چکا۔ اب نئی نبوت آنا کھیت کو خراب ہی کرے گا۔ تیسرا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ بنی اسرائیل میں صدہا پیغمبر آئے مگر بنی اسماعیل میں صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی لئے تو یہود گھبراتے تھے کہ بنی اسماعیل کا خاندان 'خاندان نبوت ہی نہیں پھر اس میں نبی کیسے۔ اگر اس خاندان میں بھی نبی آتے رہتے تو اہل کتاب کو اس اعتراض کا موقعہ نہ ملتا۔ جواب: سارے پیغمبر تاروں کی مثل ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں۔ آٹھویں آسمان پر ہزاروں تارے مگر چوتھے آسمان پر صرف سورج ہی ہے ایک ملک میں حکام بہت سے رہ سکتے ہیں۔ مگر بادشاہ ایک ہی رہے گا۔ یہود اس راز کو نہ سمجھے۔

تفسیر صوفیانہ : جیسا کہ ایمان صدہا اوصاف کی جڑ ہے کہ مومن کے جسم میں روح پر اعمال صالح کا باغ لگاتا ہے ایسے ہی حسد بد عملیوں کی اصل ہے۔ یہود کی یہ ساری حرکتیں محض حسد سے تھیں۔ اگرچہ حسد جبلت انسانی میں داخل ہے۔ جسے خدا

بچائے وہی اس سے محفوظ رہتا ہے مگر علمائے سوء کو یہ بیماری خاص طور پر ہوتی ہے کہ وہ جس عالم کو اپنے سے افضل پاتے ہیں جل جاتے ہیں۔ علمائے یہود حاسد ہی تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ چند لوگ حساب سے پہلے جہنم میں جائیں گے ' ظالم حکام ' خائن ' تاجر ' حاسد عالم۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ تین چیزیں گناہوں کی جڑ ہیں ' تکبر ' حرص ' اور حسد تکبر نے عزازئیل کو ابلیس بنا دیا۔ حرص نے قابیل کو تباہ کیا اور حسد نے بہت سے گھر برباد کر دیئے۔ حاسد کی علامت یہ ہے کہ محسود کے سامنے اس کی چاپلوسی کرتا ہے اور پیٹھ پیچھے غیبت اور مصیبت پر طعن۔ رب تعالیٰ حاسد نہ بنائے ' محسود بنائے ' حاسدوں کے حسد سے محسود کے فضائل ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے آگ سے عود کی خوشبو پھیلتی ہے۔ ہم نے حسد کے اسباب اور اس کے علاج دوسرے پارے میں تفصیل سے بیان کئے۔ جسے یہ بیماری ہو اسے چاہئے کہ ذکر اللہ کثرت سے کیا کرے اور آثار قدرت پر نظر رکھے کہ یہ اس کا بڑا علاج ہے۔ حق تعالیٰ ہمیں برے عیوب سے بچائے۔ اور مسلمانوں کی صفات عطا فرمائے۔ (از تفسیر روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رب تعالیٰ نے اپنے تین نام بیان فرمائے۔ **واسع ' علیم ' ذوالفضل العظیم۔ واسع** وسعت سے بنا۔ بمعنی گنجائش یعنی ضیق و تنگی کا مقابل۔ واسع کے معنی ہیں ' وسعت والا یا وسعت دینے والا۔ پہلے معنی میں یہ حمد الٰہی ہے دوسرے معنی میں حمد کے ساتھ نعت مصطفوی بھی۔ پہلے معنی کی دو توجیہیں ہیں ایک تردیدی دوسری تبلیغی۔ تردیدی کے معنی یہ ہیں کہ اے اسرائیلیو! کیا تم سمجھتے ہو کہ بنی اسرائیل کو کتاب نبوت یہ ہدایت دے کہ ہمارے ہاں اسٹاک ختم ہو گیا۔ اب کسی کو یہ چیزیں دینے کی گنجائش نہ رہی۔ غلط ہے۔ ہم واسع ہیں ہمارے خزانے ہر نعمت سے بھرے ہیں۔ مگر دیتے ہیں جان کر۔ تبلیغی معنی یہ ہیں کہ اے پوپ پادریو! اگرچہ تم گناہوں ' بدکاریوں ' رشوت ستانیوں میں ڈوبے ہوئے ہو مگر اب بھی توبہ کر لو ہم بڑی وسعت والے ہیں۔ ہر مجرم و بدکار کے لئے ہمارا دروازہ کھلا ہے۔ ہماری جنت بہت بڑی ہے۔ اگر اس کے معنی ہوں وسعت دینے والا تو مطلب یہ ہے کہ تمام بنی اسرائیل انبیاء کی نبوتیں محدود تھیں۔ جیسے چراغ وغیرہ کی روشنی۔ مگر ہم وسعت دینے والے ہیں ' ہماری مخلوق میں کوئی ہستی وسعت لینے والی بھی چاہئے۔ وہی وسعت لینے والے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اللہ نے انہیں وسعت دی۔ انہوں نے وسعتیں قبول کیں وہ سورج ہیں تمام نبی تارے ' مگر رب تعالیٰ یہ وسعتیں دیتا اس کو ہے۔ جس میں لینے کی قابلیت ہو۔ کیونکہ وہ علیم ہے۔ اس مخلوق میں ایسی وسعتیں لینے والا صرف یہی بندہ ہے۔ رب دینے میں وحدہ ' لا شریک لہ ہے تو یہ رب سے لینے میں وحدہ لا شریک لہ۔ رب فرماتا ہے **واما السائل فلا تنھر** بھکاری کو مت جھڑکو ' محروم نہ پھیرو۔ دیکر بھیجو۔ سائل میں عموم ہے دنیا آخرت ' جنت ' حتی کہ رب کو بھی تم سے مانگے تو اسے دیدو۔ یہ اس سے کہا جائے گا جس کے پاس سب کچھ ہو گا۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اور کتاب والوں میں سے وہ ہیں کہ اگر امین سمجھو تم انہیں ساتھ ڈھیر مال کے ادا کر دیگا وہ اسے طرف تمہارے اور

اور کتابیوں میں کوئی وہ ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک ڈھیر امانت رکھے تو وہ تجھے ادا کر دے گا اور ان میں سے کوئی وہ ہے

إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا
ان میں سے وہ ہیں کہ اگر امین بناؤ اشرفی کا تو نہ ادا کرے اسے طرف تمہارے مگر جب ہمیشہ رہو تم اوپر اس کے کھڑے
کہ اگر ایک اشرفی اس کے پاس امانت رکھے تو وہ تجھے پھیر کر نہ دے گا مگر جب تک اس کے سر پر
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ
یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے کہا کہ نہیں ہے اوپر ہمارے بیچ بے پڑھوں کے کوئی راہ اور کہتے ہیں
کھڑا رہے یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں ان پڑھوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں اور
عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ
اوپر اللہ کے جھوٹ حالانکہ وہ جانتے ہیں ہاں وہ جو پورا کرے عہد اپنا اور پرہیزگار ہو
اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیں ہاں کیوں نہیں جس نے اپنا عہد پورا کیا اور پرہیزگاری
فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝
پس تحقیق اللہ محبت فرماتا ہے پرہیزگاروں سے
کی تو بیشک پرہیزگار اللہ کو خوش آتے ہیں

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ یہود خود کو دینی مراتب کا مالک کہتے ہیں۔ اور اپنے سوا سب کو گنہگار جانتے ہیں اب ان کے اعمال قبیحہ دکھا کر ان کے اس دعوی کی تردید کی جارہی ہے کہ خیانت' بد عہدی ان کے دن رات کے اعمال ہیں پھر کس منہ سے یہ اپنے کو بڑا کہتے ہیں۔ گویا پہلے ان کا دعوی نقل کیا گیا تھا۔ اور اب اس کی تردید ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کی دینی خیانت کا ذکر تھا کہ انہوں نے توریت کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا کہ لا تومنوا الا لمن تبع دینکم اب ان کے معاملات کی خیانت کا ذکر ہے گویا دو خیانتوں میں سے ایک کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا اور دوسری خیانت کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہود ہمیشہ مسلمانوں کے نقصان کے خواہاں ہیں کہ ان کے ایمان چھیننے کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مالی دشمن بھی ہیں انہیں جب موقعہ مل جائے' مسلمانوں کو مالی نقصان پہنچانے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں یہود کی علمی خیانت کا ذکر تھا کہ یہ توریت کی ان آیتوں کو چھپاتے ہیں' جن میں نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعت ہے اب ان کی مالی خیانت کا ذکر ہے تاکہ مسلمان سمجھ جائیں کہ یہ ہمارے دینی دشمن بھی ہیں اور دنیوی بھی۔ کیونکہ دنیادار لوگ دنیوی دشمن سے بہت بچتے ہیں دینی دشمن سے چنداں پرہیز نہیں کرتے۔

شان نزول : ایک قریشی نے عبداللہ ابن سلام کے پاس بارہ سو اوقیہ یعنی اڑتالیس ہزار دینار امانت رکھے جب اس نے مانگے تب آپ نے بلا حیل و حجت اس کے حوالے کر دیئے۔ دوسرے شخص نے فنحاص ابن عازورا یہودی کے پاس ایک اشرفی امانت

رکھی۔ مگر جب مانگنے گیا تو فنحاص انکار کر گیا کہ مجھے نہ دی تھی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں عبداللہ ابن سلام کی تعریف اور فنحاص کی مذمت کی گئی۔ (تفسیر کبیر و خازن) ایک روایت یہ ہے کہ کسی شخص نے کچھ یہود سے زمانہء کفر میں لین دین کیا تھا پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ اور اسلام لانے کے بعد اس یہودی سے اپنا قرضہ مانگا۔ یہودی بولا کہ تم بے دین ہو گئے۔ اس لئے میں تمہارا قرض نہیں ادا کروں گا۔ اگر اپنا قرض چاہتے ہو تو اسلام چھوڑ دو۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ (تفسیر کبیر)۔

تفسیر : **ومن اهل الكتاب من ان تامنه بقنطار يوده اليك** اہل کتاب کے معنی پہلے ذکر ہو چکے ہیں کہ اس کے معنی ہیں آسمانی کتاب ماننے کا دعویٰ کرنے والا عام یہودی' عیسائی' یا ان کتابوں کی اہلیت رکھنے والے۔ یعنی علمائے یہود و نصاریٰ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اہل کتاب سے سارے کتابی مراد ہیں خواہ عیسائی ہوں یا یہودی۔ کیونکہ خیانت کی بیماری سب ہی میں تھی۔ لیکن حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ اس سے عیسائی مراد ہیں۔ اور اگلے منہم سے یہودی کیونکہ عیسائیوں میں امانت داری غالب تھی اور یہود میں خیانت غالب مگر شان نزول اس قول کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ جملہ حضرت عبداللہ ابن سلام کی تعریف میں نازل ہوا اور وہ یہودی تھے نہ کہ عیسائی۔ غالب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سلام کی امانت داری کلیہ واقعہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے کیونکہ اگر اسلام کے بعد کا ہوتا تو انہیں اہل کتاب نہ فرمایا جاتا۔ بلکہ من المومنین یا من الذین امنوا سے تذکرہ ہوتا۔ بلکہ اس جناب کی اسی امانت داری کی برکت سے انہیں ایمان' عرفان' تقویٰ صحابیت جیسے مرتبے حق تعالیٰ نے دیئے۔ غیر مسلم کی نیکیاں بھی انہیں دنیا و آخرت میں مفید ہو جاتی ہیں۔ تامنہ امانت سے بنا۔ باب فتح یفتح کا مضارع ہے مگر باب افتعال کے معنی میں ہے۔ کیونکہ کسی کے اس امانت رکھنے کے لئے ائتمان آتا ہے امین وہ جو امانت لے۔ موتمن وہ جو کسی کے پاس امانت رکھے (کبیر و روح المعانی) امانت اصل میں امان تھا۔ چونکہ امین امانت کے مال کو اپنے حفظ و امن میں لے لیتا ہے نیز امانت داری کی برکت سے امین اللہ تعالیٰ کی امان میں آجاتا ہے۔ نیز خود امین پر امانت ضائع ہو جانے پر تاوان لازم نہیں ہوتا۔ وہ تاوان سے امان میں ہوتا ہے۔ ان وجوہ سے اسے امانت کہتے ہیں۔ امانت کی بہت سی صورتیں ہیں ودیعت بھی امانت کی ایک صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ امانت دار بندے کو بھی ایمان نصیب کر دیتا ہے۔ امانت داری بڑی اہم و اعلیٰ صفت ہے بعض نے فرمایا دس لاکھ درہم اور بعض کے خیال میں بارہ سو اوقیہ یعنی اڑتالیس ہزار دینار قنطار ہے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بیل کی کھال بھر کر مال قنطار کہلاتا ہے (تفسیر کبیر) مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ **يوده** میں ہ کا مرجع قنطار ہے اور **اليك** میں ہر مسلمان سے خطاب یعنی اہل کتاب میں بعض ایسے امانتدار بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک ڈھیر مال امانت رکھ دو تو طلب کے وقت بلا حیل و حجت ادا کر دیتے ہیں۔ **ومنهم من ان تامنه بدينار لا يوده اليك** منھم کا مرجع اہل کتاب ہیں حق یہ ہے کہ دینار عجمی لفظ ہے اصل میں دنار تھا۔ پہلے نون کو تخفیف کے لئے ی سے بدل دیا مگر ابن ابی حاتم نے مالک ابن دینار سے نقل کیا کہ یہ لفظ عربی ہے اصل میں دین نار تھا۔ ایک نون گرا دیا گیا۔ دین معنی دین اور معنی آگ۔ اسے دینار اس واسطے کہتے ہیں کہ جو اسے حلال طریقہ سے لے۔ تو اس کے حق میں دین ہے اور جو حرام ذریعہ سے حاصل کرے اس کے حق میں آگ (روح المعانی) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **يا كلون في بطونهم نارا** مال و دولت اگر اچھی راہ سے آئے اور اچھی راہ جائے کہ حلال ذریعہ سے حاصل کیا جائے اور رضاء الٰہی میں خرچ ہو تو وہ مال دین ہے کہ دین کے بہت سے کام مال سے ہوتے ہیں۔

زکوۃ' حج' جہاد' صدقات' قربانی' خدمت والدین مسجدوں خانقاہوں کی تعمیر مال ہی سے ہوتی ہے۔ دین و دنیا کے بہت سے کام مال پر موقوف ہیں۔ رب فرماتا ہے جعل لکم فیہا قیاما اور اگر حرام ذریعہ سے آئے اور حرام جگہ خرچ ہو۔ تو دوزخ کی آگ ہے۔ دین اور آگ کا ایسا اجتماع دینار و درہم کے سوا اور جگہ نہیں۔ دینار کا وزن چوبیس قیراط ہے ایک قیراط تین جو کے برابر ہے گویا بہتر (72) جو اس کا وزن ہے۔ یہ پہلے دس درہم یعنی اڑھائی روپے کا ہوتا ہے۔ مگر اب سونے کی گرانی کی وجہ سے زیادہ قیمتی ہے اس کا ترجمہ ہے اشرفی۔ شاید اس کے موجد کا نام اشرف ہوگا۔ اس لئے اسے اشرفی کہا جانے لگا۔ یعنی بعض اہل کتاب وہ ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک اشرفی بھی امانت رکھ دو تو بھی خیانت کر جائیں ادا نہ کریں۔ الا ما دمت علیہ قائما یہ عام حالات یا عام اوقات سے استثناء ہے۔ اس سے پہلے لا یؤدہ الیک کا حال یا ظرف پوشیدہ ہے۔ ما مصدریہ ہے۔ اور یہ جملہ بمعنی مصدریہ ہو کر ظرف یا حال ہے۔ قائم قیام سے بنا۔ جس کے لغوی معنی ہیشگی اور ثبوت میں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ یقیمون الصلوۃ اور فرماتا ہے دینا قیما بمعنی دائم ثابت غیر منسوخ (کبیر) اصطلاح میں قیام کھڑے ہونے کو کہتے ہیں۔ یا تو یہاں یہی مراد ہیں یا مجازی معنی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں قیام سے تقاضا مطالبہ یا مقدمہ مراد ہے۔ (کبیر) امام حسن فرماتے ہیں کہ قیام سے مراد پکڑ لینا اور اس کے ساتھ ساتھ پھرنا یا تقاضا کرنا ہے۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ اس آیت کی اصل عبارت یوں ہے۔ لا یؤدہ الیک فی حال من الاحوال یا فی وقت من الاوقات الا حال دوام قیامک یا وقت دوام قیامک۔ یعنی بعض اہل کتاب ایسے نادہند ہیں کہ وہ کسی صورت میں امانت کی ایک اشرفی بھی ادا نہ کریں۔ سواء اس کے کہ تم ان کے سر پر سوار ہو۔ یا ان سے تقاضا کرتے رہو یا ان پر مقدمہ کر دو یا اسے پکڑ لو کہ بغیر لئے نہ چھوڑو۔ ذالک بانہم قالوا ذالک سے نادہندگی کی طرف اشارہ ہے جو لا یؤدہ سے معلوم ہوا یہ مبتدا ہے اور بانہم خبر ہم کا مرجع من ہے چونکہ اس سے جماعت مراد تھی اس لئے ضمیر جمع لائی گئی۔ لیس علینا فی الامیین سبیل یہ جملہ قالوا کا مقولہ ہے۔ علینا سے سارے اہل کتاب مراد ہیں۔ امیین امی کی جمع ہے۔ جس کی تحقیق دوسرے پارہ میں ہو چکی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس سے ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ کے رہنے والے لوگ مراد ہیں یا بے پڑھے لوگ جو تحریر اور حساب کتاب سے ناواقف ہوں یا بے دین۔ سبیل کے معنی ہیں راستہ یہاں اس سے ذریعہ یا وسیلہ مراد ہے۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہاں سبیل بمعنی گناہ اور حرج ہے۔ یعنی یہود کی یہ خیانت اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر مکہ والوں یا بے دینوں کے مال کھا لینے میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ ہم خدا کے بیٹے اور پیارے ہیں یا یہ لوگ بے دین ہیں اور بے دین کا مال ہر طرح حلال یا یہ مطلب کہ ہم پر بے پڑھوں کا مال ہضم کر لینے میں کوئی دشواری نہیں کیونکہ ان کے پاس نہ کوئی تحریر ہے نہ گواہ۔ کسی طرح ہم سے مال وصول نہیں کر سکتے۔ غرضیکہ یہود اپنے اس جرم کو جائز قرار دیتے تھے۔ رب تعالیٰ نے ان کی تردید اس طرح فرمائی کہ یقولون علی اللہ الکذب یہ لوگ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ توریت شریف میں اس گناہ کی کہیں اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ اس کی مخالفت ہے ہرگز اجازت نہیں۔ بلکہ وہم یعلمون وہ اپنا فریب خود جانتے ہیں۔ بلی من اوفی بعہدہ واتقی بلی نعم اور ای وجیر سب جواب کے حروف ہیں۔ بمعنی ہاں۔ مگر فرق یہ ہے کہ نعم نفی کے اثبات کے لئے آتا ہے۔ بلی منفی کے اثبات کے لئے یہود نے کہا تھا لیس علینا فی الامیین سبیل ہم پر مسلمانوں کا مال کھانے میں گناہ نہیں۔ رب تعالیٰ نے بلی فرما کر اس منفی کا ثبوت کر دیا یعنی ہاں ضرور گناہ ہے۔ من اوفی نیا جملہ ہے جو بلی کے مضمون کو ثابت کر رہا ہے من یا موصولہ ہے یا

شرطیہ۔ اس سے مراد سارے انسان ہیں خواہ کسی خاندان کے ہوں کسی نسل کسی ملک کے اور کسی زمانہ کے من فرما کر یہود کی تردید فرمائی کہ نسل موسوی کا آدمی رب کا پیارا ہے **اوفی ایفاء** سے بنا بمعنی خوب پورا کرنا عہدہ کی ضمیر من کی طرف لوٹتی ہے جو کہ عہد کا فاعل ہے یا رب کی طرف جو عہد کا فاعل ہے یا مفعول ہے اس عہد سے سارے وعدے مراد ہیں۔ خواہ بندوں سے کئے جائیں یا رب تعالیٰ سے۔ لہذا یہ جملہ ساری عبادات اور معاملات کو شامل ہے۔ وعدہ عام ہے۔ عہد خاص کہ عہد وہ وعدہ ہے جو معہود و معلوم ہو اس کے معلوم رہنے کا اہتمام کر لیا گیا ہو' تحریر گواہی وغیرہ۔ یہاں عہد فرما کر اشارۃً" فرمایا گیا کہ اگر وعدہ بھول جائے اور بھول کی وجہ سے پورا نہ ہو سکے تو وعدہ والا مجرم نہیں۔ علماء یہود توریت میں پڑھتے تھے کہ امانت ادا کرنا بہت ضروری ہے پھر نہ کرتے تھے۔ لہذا وہ عہد کی مخالفت کرتے تھے۔ **اتقی اوفی** پر معطوف ہے۔ وقی سے بنا بمعنی ڈرنا اور بچنا یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی جو رب تعالیٰ سے ڈرے یا گناہوں سے بچے۔ **فان اللہ یحب المتقین** یہ جملہ من اوفی کی جزا نہیں۔ بلکہ دلیل جزا ہے۔ جزا پوشیدہ ہے۔ بجائے ضمیر کے متقین فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ تقویٰ ذریعہ محبوبیت ہے۔ یعنی ہاں غیر کا مال کھانے میں ضرور گناہ ہے جو کوئی اپنے مالی جانی یا عام وعدے یا رب تعالیٰ کے یا نفس کے عہد پورے کرے اور خدا سے ڈرے گناہوں سے بچے وہ خدا کا پیارا ہے کیونکہ اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے نہ کہ گناہگاروں کو۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! یہود اپنے کو خدا کا پیارا اور باقی سب کو بے دین سمجھتے ہیں لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ ان میں بعض تو ایسے دیانت دار ہیں کہ اگر تم ان کے پاس بہت سا مال امانت رکھ دو تو وہ طلب کے وقت بلا حیل و حجت تمہیں ادا کر دیں گے نہ ان سے جھگڑا کی ضرورت نہ مقدمہ بازی کی حاجت اور ان میں بعض ایسے خائن ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک اشرفی بھی امانت رکھ دو تو کسی صورت میں یہ ادا نہ کریں ہاں اگر تم ان کے سر پر سوار رہو اور تقاضا کئے جاؤ انہیں پکڑ لو اور ان پر مقدمہ چلاؤ تو مجبوراً ادا کر دیں ورنہ خوشی سے دینے والے نہیں۔ ان کی یہ جرات اس لئے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم پر ان بے پڑھے مکہ والوں کے مال کھا جانے میں کوئی دشواری نہیں۔ کیونکہ یہ بے پڑھے لوگ ہیں۔ لکھنا پڑھنا جانتے نہیں۔ گواہی شہادت اور مقدمے کے طریقوں سے واقف نہیں۔ کسی طرح ہم سے مال نہیں لے سکتے یا ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا مال کھا جانے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ ہم خدا کے پیارے ہیں۔ دنیا کی ساری چیزیں ہماری ہیں۔ ساری قومیں ہماری غلام ہیں۔ ہم ان کے مولیٰ۔ جیسے مولیٰ اپنے غلام کا مال ہر طرح کھا سکتا ہے۔ ایسے ہی مسلمانوں کا مال جس طرح چاہیں شیر مادر کی طرح ہضم کر جائیں۔ ہم پر کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے جان و مال سب حلال ہیں جس طرح ہو سکے انہیں قتل کر دو اور جیسے ممکن ہو ان کا مال کھا لو۔ خیال رہے کہ یہ لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں رب تعالیٰ نے توریت میں خیانت کی کہیں اجازت نہ دی۔ یہ جانتے بھی ہیں اور پھر جھوٹ بولتے ہیں۔ ہاں یقیناً غیر کا مال کھا جانے میں سخت گناہ ہے۔ اللہ کا پیارا تو وہ جو اپنے سارے معاہدے پورے کرے۔ خواہ نفس کا ہو یا بندوں کا یا رب تعالیٰ کا اور رب تعالیٰ سے خوف کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے نہ گناہگار و فجار کو۔ یہ لوگ فاسق فاجر ہوتے ہوئے خدا کے دوست کیسے بن سکتے ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: امانتداری انسان کی بہت اعلیٰ صفت ہے اگرچہ کافر میں ہی یہ صفت موجود ہو۔ رب تعالیٰ امانتداری کی برکت سے کبھی امین کو مومن بنا دیتا ہے اور اس کی دنیاوی آفات بھی

دفع فرماتا ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صفت ایسی کامل عطا ہوئی تھی کہ ظہور نبوت سے پہلے کفار آپ کو محمد امین کہتے تھے اب بھی روضہ مطہرہ کی جالی میں یہ عبارت ہے۔ **لا الہ الا اللہ الملک الحق المبین محمد رسول اللہ صادق الوعد الامین**۔ حضرت عبداللہ ابن سلام کو امانتداری کی برکت سے ایمان وغیرہ ملا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل ایک غار میں پھنس گئے تو انہوں نے اپنے نیک اعمال کے توسل سے دعائیں کیں۔ ایک شخص نے اپنی امانت و دیانت کے صدقہ سے دعا کی کہ مولیٰ میرے کھیت کا مزدور اپنی مزدوری کے دانے چھوڑ گیا تھا۔ بارہ برس کے بعد لینے آیا جب کہ میں نے اس کے دانے بو کر غلہ کے ڈھیر' جانوروں کے گلے 'لونڈی و غلام جمع کر لئے تھے میں نے وہ سب اس کے حوالہ کر دیئے میرے مولیٰ اس امانتداری کے طفیل نجات دے' انہیں نجات ملی۔ غرضیکہ امانتداری بہت اعلیٰ صفت ہے۔ **دوسرا فائدہ:** بعض کفار مسلمانوں کا مال کھانا' انہیں ایذا دینا ثواب سمجھتے ہیں۔ ہندوستان کے ہندوؤں کا یہی حال ہے اس کا تجربہ ان لوگوں کو خوب ہے جنہیں نبیوں سے لین دین کا اتفاق رہتا ہے۔ یہ ہزار بہانے سے مسلمان سے پیسہ نکلوانا چاہتے ہیں۔ جو کفار اپنا معاملہ صاف بھی رکھتے ہیں وہ فقط اپنی تجارت کے فروغ کے لئے نہ مسلمان کی خاطر۔ **تیسرا فائدہ:** معاملات کا اثر عبادات و عقائد پر پڑتا ہے۔ خراب معاملے والا عبادات مکمل نہیں کر سکتا اور عبادات میں سستی کرنے والے کے عقائد بھی خطرہ میں ہیں۔ بے نمازی قرض سے نہیں ڈرتا اور خائن نماز چھوڑنے سے خوف نہیں کرتا۔ کیونکہ نماز بھی رب کا قرض ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہود کی بددیانتی ان کا مردود ہونا ثابت فرمایا۔ **چوتھا فائدہ:** کفار کو امانت دینا ان کی امانتیں لینا ان کے ساتھ قرض وغیرہ مالی معاملات کرنا جائز ہیں۔ جیسا کہ ان تامنہ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** ادائے امانت بہت ضروری ہے۔ خواہ مسلمان کی امانت ہو۔ خواہ کافر حربی کی یا ذمی کی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جاہلیت کی ساری چیزیں میرے قدم کے نیچے ہیں۔ سوا امانت کے کہ وہ ضرور ادا کی جائے گی۔ خواہ نیک کی ہو یا بد کی (معانی) نیز ہجرت کے وقت حضور علیہ السلام کے پاس ان خون خوار کفار کی امانتیں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا کہ تم ان کی امانتیں ادا کر کے مدینہ پاک پہنچ جانا۔ **چھٹا فائدہ:** کفار کی گواہی ایک دوسرے پر صحیح ہے کیونکہ گواہی بھی امانت ہے۔ جب مالی امانت جائز تو یہ بھی جائز۔ نیز رب تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو امین فرمایا۔ لہٰذا وہ گواہی کے قابل بھی ہوئے۔ (احکام القرآن) **ساتواں فائدہ:** وعدہ پورا کرنا بہت ضروری ہے جیسا کہ اوفی بعهدہ سے معلوم ہوا۔

مسئلہ : ناجائز وعدے کا پورا کرنا حرام 'ناجائز' مال کی امانت رکھنا سخت جرم ہے۔ مثلاً کسی نے کسی سے شراب پینے کا یا چوری و کفر کرنے کا وعدہ کیا ہو تو ہرگز پورا نہ کرے یا چوری کے مال کی ہرگز امانت نہ رکھے۔ بلکہ اس مالک کے یا حاکم کے پاس پہنچا دے۔ **مسئلہ:** کسی کا راز اور دینی علم بھی امانت ہے جو عالم ضرورت کے وقت مسئلہ بیان نہ کرے یا جو کسی کا راز ظاہر کر دے وہ خائن ہے۔ **مسئلہ:** غیر ضروری مسائل و خطرناک راز امانت نہیں۔ جس مسئلہ کی ضرورت نہ ہو اس کے بیان کرنے سے فتنہ پھیلتا ہو وہ بیان نہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر بنیاد ابراہیمی پر مکمل نہیں۔ مگر درست نہ فرمایا۔ کیونکہ موجودہ کعبہ میں حرج تھا نہیں اور درست کرنے میں فتنہ کا اندیشہ تھا اسی طرح اگر کسی نے مسلمانوں کے خلاف خطرناک سازش کی اور ہم کو پتہ لگ جائے تو ہم پر اس کا اظہار کر دینا ضروری ہے تاکہ مسلمان نقصان سے بچیں خود قرآن کریم نے جابجا کفار اور منافقین کی خفیہ سازشوں کو ظاہر فرمایا۔ **مسئلہ:** مسلمان کا خفیہ عیب بیان کرنا بھی خیانت ہے۔ مگر جس عیب کے

چھپانے میں دینی نقصان۔ اس کا اظہار ضروری۔ اس لئے محدثین راویوں کے عیوب بیان کردیتے ہیں۔ ایسے ہی جس لڑکی سے شادی کرنا ہو اس کے اوصاف یا عیوب شوہر سے بیان کردینا نہ جرم ہے نہ خیانت تاکہ ان سے زوجین کی اگلی زندگی اچھی گزرے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے لازم آتا ہے کہ کفار کی گواہی مسلمان پر جائز ہو کیونکہ گواہی بھی ایک امانت ہے اور کفار کی امانت تو جائز لہذا گواہی جائز ہونی چاہئے۔ جواب: بے شک کفار کی گواہی مسلمان کے حق میں کافر کے خلاف جائز ہے۔ کیونکہ یہ اولائے امانت ہے لیکن مسلمان کے خلاف گواہی کا جواز اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی ممانعت دوسری آیات اور احادیث سے ثابت ہے۔ (احکام القرآن) دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر وعدہ پورا کرنے والا پرہیزگار اور رب تعالیٰ کو پیارا ہے تو چاہئے کہ اس قسم کے مشرکین و کفار بھی خدا کو پیارے ہوں جو عہد پورے کریں۔ پرہیزگار ہوں۔ جواب: کوئی کافر پرہیزگار نہیں ہو سکتا کہ پرہیزگاری میں ایمان شرط ہے۔ پرہیزگار وہ مومن ہے۔ جو نیک اعمال کرے برائیوں سے بچے۔ ہاں وعدہ پورا کرنے والا کافر بد عہد کافر سے ہلکا ہوگا۔ کفر کے درجات مختلف ہیں بلکہ کفار کا اپنے وعدے پورے کرنا، معاملات صاف رکھنا، رضائے الٰہی کے لئے نہیں بلکہ اپنے مفاد کی خاطر ہے۔ جب کوئی وعدہ ان کے مفاد کے خلاف ہو تو اسے توڑ دیتے ہیں انہیں کوئی خوف نہیں ہوتا۔ جیسا کہ آج پاکستان میں تجربے ہو رہے ہیں اگر خدا توفیق دے تو صحیح معنی میں خوف خدا کی بنا پر مسلمان ہی ایفاء وعدہ کرتا ہے۔ رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے متعلق فرمایا **وابراھیم الذی وفی** اور جو اچھا کام اپنے مفاد کی خاطر کیا جائے نہ کہ رضاء الٰہی کے لئے وہ رب کی محبوبیت کا ذریعہ نہیں۔ تیسرا اعتراض: رب تعالیٰ نے عہد پورا کرنے کی تعریف فرمائی نہ کہ وعدہ پورا کرنے کی تو کیا وعدہ خلافی بری نہیں؟ جواب: اس کا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا کہ بھولے ہوئے وعدے پورے نہ کرنا گناہ نہیں۔ عہد وہی وعدہ ہے جو معہود و معلوم ہو اس لئے یہاں عہد فرمایا۔ وعدہ، عہد، میثاق کا فرق ہم نے **واذ اخذ اللہ میثاق النبین** کی تفسیر میں عرض کیا ہے۔ چوتھا اعتراض: مسلمان بھی حربی کفار اور مرتدین کا مال حلال سمجھتے ہیں تو اگر یہودنے بھی مسلمانوں کے مال کو اس لئے حلال جانا ہو کہ یہ ہمارے دین کے مرتدین ہیں اور ہماری ان سے جنگ ہے تو کیا مضائقہ۔ کیا ایک ہی چیز مسلمانوں کے لئے حلال ہے اور یہودی کے لئے حرام (آریہ) جواب: معاذ اللہ یہ اسلام پر کھلا بہتان ہے اسلام نے خیانت کی کبھی اجازت نہ دی۔ ہم ابھی فوائد میں عرض کر چکے کہ حضور علیہ السلام نے ان کفار مکہ کی امانتیں ادا فرمائیں جو خون کے پیاسے تھے۔ اسی لئے کافر بھی آپ کو محمد امین کہتے تھے۔ بحالت جنگ کفار کے مال بطور غنیمت لینا جائز ہے۔ آج بھی سلاطین دشمن کے مال پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ برطانیہ نے جرمنی کے ہتھیار زمین وغیرہ پر قبضہ کیا یہ کوئی عیب نہیں۔ ایسے ہی مرتد چونکہ حکومت ربانی کا باغی ہے اس لئے اس کا زمانہ ء کفر کا کمایا ہوا مال بادشاہ اسلام ضبط کر سکتا ہے آج بھی حکومتیں باغیوں کے مال ضبط کر لیتی ہیں۔ کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ کفار کی امانتیں مار لے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کی تعریف اور ان کی مدحت و ثنا کرنا جائز ہے دیکھو رب تعالیٰ نے بعض اہل کتاب کی امانتداری کی تعریف فرمائی۔ مگر مسلمان سمجھتے ہیں کہ کافر کو اچھا کہنا کفر ہے۔ (آریہ) جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ امانت دار وہی تھے جو پہلے یہودی تھے اور اب مسلمان ہو چکے تھے لہذا اس میں مسلمانوں کی تعریف ہے نہ کہ کفار کی۔ دوسرے یہ کہ کفار کی واقعی نیکیوں کا ذکر کرنا منع نہیں یہ تو عین انصاف ہے۔ ہم دن رات انگریزوں کے انتظام ان کی پابندی

وقت وغیرہ کا ذکر کیا ہی کرتے ہیں۔ کفار کے کفر کی تعریف کرنا کفر ہے اور بلاوجہ نو شلدیں ان کی جھوٹی بچی تعریفیں کرنا ناجائز۔ یہ تو قرآن پاک کی حقانیت ہے کہ وہ دشمن کی واقعی نیکی کا بھی اعتراف فرمالیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : قلب کا قلب پر صورت کا سیرت پر اثر پڑتا ہے۔ عبادات کی درستی کے لئے اپنے معاملات ٹھیک رکھو اور عقائد کی اصلاح کے لئے اپنے اعمال کی اصلاح کرو۔ دل ایک آئینہ ہے کفر اس کی زنگ ہے اور معاملات و عبادات کی خرابی اس کے گرد و غبار۔ کوئی شخص اعمال خراب رکھ کر رب تعالیٰ کا پیارا نہیں بن سکتا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہود کی مردودیت ان کی خرابی معاملات و عبادات سے ثابت کی۔ ولی وہ ہے جس کی قوت نظری و عملی دونوں درست ہوں۔ اس طرح عہد پورا کرنا ولایت کے لئے بہت ضروری ہے۔ کیونکہ عبادت کا مدار دو چیزوں پر ہے۔ رب تعالیٰ کے حکم کی تعظیم اور خلق پر مہربانی اور وفائے عہد میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں لہٰذا اس کے بغیر کوئی عابد ہو سکتا ہی نہیں۔ اسی لئے حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ خیانت جھوٹ اور بدعہدی منافق کی علامت ہے۔ خیال رہے کہ عہد رب تعالیٰ سے بھی ہے۔ نفس سے بھی اور مخلوق سے بھی وہی شخص وفادار ہے جو سارے عہدوں کو پورا کرے۔ یعنی شریعت پاک کی پوری اتباع کرے (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ امین دو قسم کے ہیں ایک وہ جسے صرف امانت کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا ہو کہ ضائع نہ ہونے دے۔ دوسرے وہ جسے امانت میں تصرف کرنے کا حکم دیا گیا ہو کہ مالک کے ماتحت اس میں عمل درآمد کرے اور مطالبہ پر بخوشی اس کی امانت واپس کردے۔ دل پر میل نہ لائے۔ جو اس میں کھرا نکلا وہ امین ہے جو غلط رو ہوا وہ خائن ہے۔ تمام انسان اللہ تعالیٰ کے امین ہیں اور انسان کے اعضاء' مال' اور اولاد وغیرہ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ جن کے متعلق رب تعالیٰ نے احکام نافذ فرمائے ہیں کہ اس طرح ان میں تصرف کرتے رہو اور جب ہم اپنی امانت واپس مانگیں تو بلا عذر ہمارے حوالہ کرو۔ جو ان ہدایات پر کاربند رہا وہ امین ہے اور جو رب کے فرمان کے خلاف' عمل کرتا رہا اور مال یا اولاد یا جان جانے پر بے صبری کرتا رہا وہی خائن ہے۔ امین پر اللہ کی رحمتیں ہیں خائن پر قہر۔ حضرت طلحہ کا پیارا بچہ ان کے پیچھے فوت ہو گیا سفر سے واپس آنے پر ان کی زوجہ نے صبح کے وقت خبر دی کہ اے ابو طلحہ اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی ہے ملول نہ ہو۔ اس خبر پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی۔ حضرت طلحہ کا اولاد اور اولاد کی اولاد سے اللہ نے گھر بھر دیا۔ سو بچوں کا خاندان دیکھ کر آپ کی وفات ہوئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ
تحقیق وہ لوگ جو خریدتے ہیں بدلے عہد اللہ کے اور قسموں اپنی کے قیمت تھوڑی یہ لوگ نہیں ہے
وہ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں آخرت میں ان کا کچھ حصہ
لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا
حصہ واسطے ان کے بیچ آخرت کے اور نہ کلام کرے گا ان سے اللہ اور نہ دیکھے گا طرف انکے
نہیں اور اللہ نہ ان سے بات کرے نہ ان کی طرف نظر فرمائے قیامت کے دن اور نہ

يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷۷﴾

دن قیامت کے اور نہ پاک فرمائے گا ان کو اور واسطے ان کے عذاب ہے دردناک ۞

نہ انہیں پاک کرے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ۞

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کی مالی خیانت کا ذکر تھا اور ظاہر ہے کہ خائن جھوٹی قسمیں ضرور کھاتا ہے۔ اس لئے اب جھوٹی قسم کے عذاب کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہود جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا پر جھوٹ نہ باندھنا اور دین میں خیانت نہ کرنا ہر مجتہد پر لازم ہے۔ لہٰذا اب جھوٹ اور خیانت کی سزا بیان ہو رہی ہے۔ گویا پہلے جرم کا ذکر تھا اب اس کی سزا کا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کی مالی خیانت کا ذکر تھا اب ان کی اس خیانت کا ذکر ہے جو انہوں نے عہد الٰہی میں کی۔ گویا امانتیں چند قسم کی ہیں۔ مال کی امانت، علم کی امانت، وعدہ اور عہد کی امانت، کتاب اللہ کی امانت، لہٰذا اس کے مقابل خیانتیں بھی چند قسم کی ہوں گی۔ پچھلی آیت میں ان کی ایک خیانت کا ذکر تھا۔ اب دوسری خیانتوں کا ذکر ہے۔

شان نزول: اس آیت کے شان نزول میں چند روایتیں ہیں۔ (1) یہ آیت علمائے یہود اور رؤسائے یہود یعنی ابو رافع کنانہ ابن ابی حقیق اور کعب ابن اشرف اور حیی ابن اخطب کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے توریت کے اس عہد کو چھپایا۔ اور ان آیتوں کو بدلا جو حضور علیہ السلام کے بارے میں تھیں اور قسم کھا گئے کہ یہ آیتیں رب کی ہیں۔ محض اس لئے کہ ہماری آمدنی کم نہ ہو جائے۔ (تفسیر خازن و خزائن) (2) یہود جو کہتے تھے کہ مسلمانوں کا مال مارنے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں۔ جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہو چکا اور اس پر قسم بھی کھاتے تھے کہ یہ حکم الٰہی ہے اس کی تردید میں یہ آیت اتری۔ (خازن) (3) اشعث ابن قیس کندی فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں اتری کہ میرا ایک شخص سے زمین میں جھگڑا تھا۔ وہ مدعی تھا میں مدعی علیہ۔ مقدمہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں گیا۔ حضور علیہ السلام نے اس مدعی سے فرمایا کہ گواہ لاؤ۔ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس گواہ نہیں۔ پھر مجھ سے فرمایا قسم کھا۔ میں قسم کے لئے تیار ہوا۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس سے میں قسم سے باز رہا اور زمین مدعی کو دے دی اور یہی قول ترجیح کا ہے۔ (4) مجاہد نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ اس تاجر کے بارے میں اتری، جو اپنا مال فروخت کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتا ہے۔ (5) ابن ابن اوفیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بازار میں سامان رکھا ایک گاہک نے کچھ قیمت لگائی۔ وہ بولا قسم رب کی تجھ سے پہلے ایک گاہک اس سے زائد دے رہا تھا میں نے نہ دیا۔ تب یہ آیت اتری۔ (احکام القرآن)۔ (6) احمد اور ابن جریر نے عدی ابن ابن عمیرہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ امری ءالقیس اور حضر موت کے کسی آدمی کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ مقدمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آیا۔ حضور علیہ السلام نے حضرمی سے فرمایا کوئی گواہ لاؤ۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی نہیں۔ فرمایا تو امری ءالقیس کی قسم پر فیصلہ ہو گا حضرمی نے عرض کیا کہ پھر تو امری ءالقیس میری زمین لے لیں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی اپنے بھائی کا مال مارنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے وہ حق تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہو گا۔ امری ءالقیس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کوئی سچی قسم بھی

نہ کھائے اور اپنا مال چھوڑ دے؟ فرمایا اس کے لئے جنت ہے۔ عرض کیا حضور گواہ رہیں میں نے زمین کو چھوڑ دیا۔ تب یہ آیت اتری (روح المعانی و کبیر و خازن وغیرہ)۔

تفسیر: **ان الذین یشترون بعھد اللہ و ایمانھم ثمنا قلیلا** ۔ **ان** اس جگہ بولا جاتا ہے جہاں کسی کو کچھ تردد ہو۔ چونکہ بڑے گناہوں کو تو اکثر لوگ گناہ سمجھتے ہیں۔ گناہ گار کو برا جانتے ہیں ہمیشہ نہیں کرتے' زنا چوری شراب خوری کا یہی حال ہے۔ مگر چھوٹے گناہ جھوٹی قسمیں جھوٹے وعدے وغیرہ ایسے ہیں کہ انہیں عموماً" لوگ کم برا جانتے ہیں۔ ان کی پرواہ نہیں کرتے۔ دن رات کرتے رہتے ہیں حالانکہ چھوٹے گناہ اس چھوٹی چنگاری کی طرح ہیں جو کبھی گھر جلا دیتی ہے۔ اس لئے رب نے یہ آیت کریمہ ان سے شروع فرمائی۔ حق یہ ہے کہ **الذین** سے مراد سارے انسان ہیں۔ مومن ہوں یا کافر لوچے خاندان کے دل یا نیچے کے اور اگر اس میں جنات بھی داخل ہوں تو تعجب نہیں۔ ہر وعدہ خلاف جھوٹی قسمیں کھانے والا ان پانچوں سزاؤں کا مستحق ہو گا۔ **یشترون اشتراء** سے بنا بمعنی خریدنا یہاں بدلنا مراد ہے۔ بلا عوض مال دینا ہبہ ہے اگر رضاء الٰہی کے لئے دیا جائے تو صدقہ ہے۔ اور رضائے انسان کے لئے دیا جائے تو ہدیہ۔ اگر چھوٹا بڑے کو دے تو اس ہدیہ کو نذرانہ کہتے ہیں اور بڑا چھوٹے کو دے تو عطیہ اور با عوض مال دینے کی دو صورتیں ہیں اگر منافع کے عوض دیا ہے تو اجارہ یا کرایہ ہے اور اگر مال کے عوض دیا ہے تو بیع و شرا یعنی خرید و فروخت۔ ایمان متاع روحانی ہے اس کے عوض مال بنا بیع و شرا قرار دیا گیا۔ ایک جگہ رب تعالیٰ نے اسے تجارت فرمایا ہے کہ فرمایا **فما ربحت تجارتھم**۔ **بعھد اللہ** کی ب عوض کی ہے۔ عہد کی اضافت اپنے مفعول کی طرف ہے اور اس سے یا تو وہ عہد مراد ہے جو میثاق کے دن رب تعالیٰ نے سب سے لیا یا وہ عہد مراد ہے جو اسلام لاتے وقت بندہ اللہ سے کرتا ہے یا وہ عہد مراد ہے جو یہود سے توریت میں لیا گیا تھا۔ یعنی حضور علیہ السلام پر ایمان لانا اور آپ کی اطاعت کرنا۔ بعض نے فرمایا کہ عہد سے مراد عقل کی ہدایت ہے کہ ہر شخص کی عقل اسے برائی سے روکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ **عھد اللہ** سے مراد وہ وعدے ہوں جو اللہ کو ضامن دیکر لوگوں سے کئے گئے۔ اس میں جھوٹ بھی ہے اور اللہ کے نام کی توہین بھی۔ ایمان یمین کی جمع ہے اس کی لفظی تحقیق پہلے ہو چکی یا تو اس سے وہ جھوٹی قسمیں مراد ہیں۔ جو تجارت وغیرہ میں کھائی جاتی تھیں۔ یا وہ قسمیں مراد ہیں۔ جو یہود نے حضور علیہ السلام پر ایمان لانے کی کھائیں۔ **ثمن قلیل** سے رشوت یا تجارت کا نفع مراد ہے (روح البیان و معانی) اس مال کو ثمن فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ دنیا غیر مقصود اور آخرت مقصود ہے کیونکہ تجارت میں قیمت غیر مقصود ہوتی ہے۔ قلیل فرما کر یہ بتایا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی دولت آخرت کے مقابل تھوڑی ہے کیونکہ یہ فانی ہے اور وہ باقی۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خرید لیتے ہیں کہ تھوڑے مال کے لالچ میں رب تعالیٰ کا عہد بھی توڑ دیتے ہیں اور جھوٹی قسم بھی کھا لیتے ہیں۔ خیال رہے کہ اگر سکے کا چلن ہو تو وہ پیارا ہے لیکن اگر اس کا چلن بند ہو جائے کہ اس کے عوض سامان نہ ملے تو یہ محض بوجھ ہے کہ نہ کھانے پینے میں آئے اور نہ اوڑھنے بچھانے میں' جیسے موجودہ نوٹ وغیرہ دنیا اور آخرت کا ذریعہ ہے تو قدر والا ہے اگر اس سے آخرت نہ خریدی جائے تو محض بوجھ ہے۔ اس کے لئے پانچ سزائیں ہیں یہ کہ **اولئک لا خلاق لھم فی الاخرۃ** ۔ **اولئک** عہد توڑنے والوں اور جھوٹی قسمیں کھانے والوں کی طرف اشارہ ہے۔ **خلاق** بمعنی حصہ اگرچہ نصیب اور کفل کے معنی بھی حصہ ہیں۔ اور خلاق کے معنی بھی حصہ مگر اکثر نصیب اور کفل عام حصہ کو کہتے ہیں۔ رحمت کا حصہ ہو یا عذاب کا اور خلاق رحمت کے حصہ کو بولا جاتا ہے لہٰذا اس کا

مطلب یہ نہیں کہ ان کا عذاب میں بھی حصہ نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ رب کی رحمت میں حصہ نہیں۔ آخرت سے مراد دنیا کے بعد کی زندگی ہے خواہ برزخ کی ہو یا قیامت کی یا اس کے بعد۔ یعنی ان لوگوں کے لئے قبر کی راحت، قیامت کی راحت، جنت و حوض کوثر وغیرہ سے کچھ حصہ نہیں۔ سب سے محروم ہیں۔ فی الاخرۃ فرما کہ یہ بتایا گیا کہ ایسوں کی محرومی آخرت میں ظاہر ہوگی دنیا میں تو ہر مومن و کافر متقی و مجرم سب ہی اس کی رزاقیت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ہی وہ اخروی حصوں سے محروم ہیں کہ ان کے اعمال آخرت کا توشہ نہیں بنتے یا اس لئے کہ انہیں دنیا میں آخرت کی تیاری کی توفیق ہی نہیں ملتی۔ دنیاوی کام خوب رغبت سے کرتے ہیں اخروی کام سے جی چراتے ہیں اور یا اس طرح کے نیک کاموں میں اخلاق نصیب نہیں ہوتا۔ جس سے ان کی نیکیاں آخرت کا توشہ نہیں بنتیں۔ اگر یہ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں تو لوگوں کو خوش کرنے کو۔ دوسرے یہ کہ **ولا یکلمھم اللہ** سے رب تعالیٰ کلام بھی نہ فرمائے گا۔ یا تو کلام محبت کی نفی ہے یعنی ان سے دل خوش کن کلام نہ فرمائے گا۔ یا مطلق کلام کی نفی یعنی بلاواسطہ کلام نہ کرے گا، حساب و عتاب فرشتوں کے ذریعہ ہوگا۔ اس صورت میں **لا یکلم** بمعنی مستقبل ہے اور یہی ظاہر ہے کہ اس سے قیامت کی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ جملہ بمعنی حال ہے۔ یعنی رب تعالیٰ ان سے دنیا میں کلام نہیں فرماتا کیونکہ وہ قرآنی آیات سے نفع حاصل نہیں کرتے بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ اس سے بہت سے منافع پاتے ہیں تو گویا رب تعالیٰ ان سے کلام ہی فرما رہا ہے مگر یہ بعید ہے (روح المعانی) اللہ تعالیٰ دنیا میں بندوں سے کئی طرح کلام کرتا ہے کبھی خواب میں دیدار دے کر، کبھی بذریعہ الہام و القاء، کبھی نماز و تلاوت قرآن کی حالت میں کہ اچانک بندے کے دل میں درد و سوز و گداز ایسی پیدا ہوتی ہے کہ سبحان اللہ! یہ رب کے کلام فرمانے کا اثر ہوتا ہے کہ اس کا کلام یہاں کے کان نہیں سنتے۔ بلکہ دل سنتا ہے یہ کلام مومن کو نصیب ہوتا ہے۔ کافر اس سے محروم ہیں وہ تڑپ و پھڑک سے بے خبر ہیں۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلمان نہیں خاک کا ڈھیر ہے

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

ولا ینظر الیھم یوم القیامۃ۔ ینظر نظر سے بنا بمعنی آنکھ پھیر کر دیکھنا۔ رب تعالیٰ کے لئے یہ معنی ناممکن ہیں کیونکہ وہ آنکھ وغیرہ سے پاک ہے۔ اس لئے بعض نے فرمایا کہ نظر نہ کرنے سے ان کی اہانت کرنا ان پر ناراضی کا اظہار مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں نظر بمعنی رحمت ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ **انظر الی** اس سے مطلب ہوتا ہے۔ ارحمی مجھ پر رحم کر۔ بعض نے فرمایا کہ اس نظر سے مراد مطلقاً دیکھنا ہے نہ کہ آنکھ سے دیکھنا۔ قیامت میں مسلمان رب تعالیٰ کو دیکھیں گے اور رب تعالیٰ ان پر نظر رحمت فرمائے گا۔ کفار رب تعالیٰ کے دیدار سے بھی محروم اور اس کی نظر رحمت سے بھی۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں نظر سے مراد احسان کرنا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ **فلان لا ینظر الی فلان** مجھ پر احسان نہیں کرتا (کبیر و روح المعانی وغیرہ) بہر حال نظر کے معنی ہیں دیکھنا، رحم فرمانا، احسان کرنا، مہلت دینا۔ ان سب معنی سے مسلمانوں پر رحمت کی نظر ہوگی۔ کفار ان سے محروم رہیں گے۔ چوتھے یہ کہ **ولا یزکیھم۔ یزکی** تزکیہ سے بنا۔ بمعنی پاک کرنا یا پاک کہنا۔ (صفائی بیان کرنا) یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی رب تعالیٰ قیامت میں نہ ان کے گناہ معاف کرکے انہیں اس میل سے پاک کرے گا بلکہ سزا دے گا یا رب تعالیٰ ان کا تزکیہ یعنی تعریف نہ فرمائے گا۔ مسلمانوں کی تعریفیں بہت ہوں گی کہ فرمایا جائے گا۔ **سلام علیکم بما صبرتم** وغیرہ اور ہو سکتا ہے کہ یہ بمعنی حال ہو۔ یعنی رب تعالیٰ دنیا میں ایسوں کی تعریف نہیں کرتا۔ پرہیزگار مسلمانوں کی تعریف سے

قرآن پاک اور دیگر آسمانی کتابوں پر ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون** اور فرماتا ہے **نحن اولیاء کم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ** وغیرہ (کبیر و خازن وغیرہ) نیز مسلمان دنیا میں بہت طریقوں سے پاک و صاف ہوتا رہتا ہے۔ بیماریاں' تکالیف' پریشانیاں بھی اسے پاک کرتی رہتی ہیں۔ اور عبادات' ریاضات کے پانی سے بھی وہ دھلتا رہتا ہے۔ کفار مصیبتوں میں اور زیادہ کفر کرتے ہیں۔ اور عبادات سے محروم۔ پانچویں یہ کہ **ولھم عذاب الیم** گزشتہ چار چیزوں میں فضائل کی نفی تھی۔ اب رذائل کا ثبوت ہے **لھم** کا مرجع وہی **الذین** اس کے مقدم ہونے سے حصر کا پتہ لگا۔ عذاب عذب سے بنا بمعنی روکنا' سزا کو اسی لئے عذاب کہتے ہیں کہ وہ جرم کو روکتی ہے۔ اسی سے ہے عذب یعنی میٹھا پانی کہ وہ پیاس کو روکتا ہے **الیم** الم سے بنا بمعنی تکلیف اور درد یعنی ان لوگوں کے لئے تکلیف دہ یا دردناک عذاب ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے عذاب آخرت مراد ہے اور ممکن ہے کہ دنیوی عذاب مراد ہو۔ جیسے رسوائی' بدنامی یا جیسے یہود پر جزیہ مقرر ہونا' لڑائیوں میں قتل ہونا وغیرہ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا اور آخرت کے دونوں عذاب مراد ہوں۔ (روح المعانی)۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو ذلیل مال کی خاطر اور حقیر دنیا کے لئے اللہ سے کئے ہوئے عہد توڑ دیتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھا لیتے ہیں گویا اعلیٰ کے عوض ادنیٰ چیز خرید لیتے ہیں ان کے لئے پانچ سخت سزائیں ہیں۔ ایک یہ کہ دوسری زندگی میں انہیں رحمت الٰہی سے کوئی حصہ نہیں۔ نہ قبر میں آرام پائیں نہ حشر میں راحت نہ جنت نہ حور و قصور نہ رضائے رب غفور۔ دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ کے شرف و کلام سے محروم رہیں گے کہ پروردگار پرہیزگاروں سے کلام رحمت فرمائیگا اور ان سے نہیں یا تو بلاواسطہ کوئی کلام نہ فرمائے گا جو کچھ ہو گا فرشتوں کے ذریعہ سے یا عتاب اور عذاب کا کلام فرمائے گا۔ تیسرے یہ کہ قیامت کے دن ان پر نظر رحمت بھی نہ فرمائے گا یہ خدا تعالیٰ کے دیدار سے بھی محروم ہوں گے اور اس کی نظر رحمت سے بھی اور نہ ان کے گناہ معاف کرکے انہیں پاک کرے اور نہ ان کی تعریف فرمائے اتنی محرومیوں کے باوجود ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ جس کی عظمت بیان سے باہر ہے۔ خیال رہے کہ اگر یہ آیت یہود وغیرہ کفار کے بارے میں ہے جیسا کہ ایک روایت سے معلوم ہوا تو اس میں کسی قسم کی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں' ظاہری معنی پر ہے۔ اور اگر گناہگار مسلمانوں کے حق میں ہے تو ان سب سزاؤں میں اول اور بخشش نہ ہونے کی قید لگے گی یعنی اگر ان کی شفاعت و بخشش نہ ہو تو اولاً" وہ لوگ ان فضائل سے محروم رہیں گے۔ پھر سزا پاکر جنت' دیدار الٰہی اور ثناء رب اور نظر رحمت کے مستحق ہوں گے کیونکہ ہر مسلمان کا انجام جنت ہے جہنم میں ہمیشگی کفار کیلئے خاص ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تین شخص وہ ہیں کہ قیامت میں حق تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے نہ ان کی طرف نظر رحمت کرے اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے اور انہیں دردناک عذاب ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اور احسان جتانے والا اور اپنی تجارت کو جھوٹی قسم سے رواج دینے والا۔ حضرت ابو امامہ کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کسی مسلمان کا حق مارنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے اللہ اس پر جنت حرام اور دوزخ لازم کرتا ہے۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ تھوڑی ہی چیز ہو۔ فرمایا اگرچہ ببول کی شاخ ہی کیوں نہ ہو (تفسیر خزائن عرفان) مسلمانوں کو اس

آیت اور ان احادیث سے عبرت پکڑنی چاہئے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جھوٹی قسم بڑا گناہ ہے خصوصاً جب کہ اس سے بندہ کا حق مارا جائے کہ پھر وہ حق العباد ہے۔ جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا۔ دوسرا فائدہ: قسم سے انسان اس مال کا مالک نہیں ہو سکتا جو بظاہر غیر کا ہو لہذا اگر مال کسی کے قبضہ میں ہے اور دوسرا آدمی اس کا مدعی ہے تو چونکہ قبضہ قبضے والے کی ملکیت کی دلیل ہے لہذا دوسرا آدمی گواہی پیش کرے۔ قسم نہیں کھا سکتا جیسا کہ آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: قسم سے حق ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ خصومت دفعہ ہو سکتی ہے (احکام القرآن)۔ چوتھا فائدہ: جو تاجر جھوٹی قسمیں کھا کر کھوٹے مال کو گاہک کی نظر میں کھرا کر دکھائیں یا اپنے غیر مقبول کو مقبول ثابت کر کے بیچیں وہ سخت گناہ گار ہیں اور اس آیت میں داخل۔ پانچواں فائدہ: مومنوں خصوصاً پرہیز گاروں کو یہ چاروں نعمتیں ملیں گی۔ ان کا آخرت میں حصہ بھی ہو گا۔ ان سے اللہ تعالیٰ کلام رحمت بھی کرے گا۔ ان پر نظر رحمت بھی فرمائے گا۔ انہیں پاک وصاف بھی فرمائے گا اور انہیں دردناک عذاب بھی نہ دیگا۔ کیونکہ یہ پانچوں چیزیں کفار کے لئے بطور عذاب ہیں۔ تو انشاء اللہ مسلمان اس سے محفوظ ہیں۔ چھٹا فائدہ: سزاو جزا کی جگہ دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے۔ دنیا میں رب کے دسترخوان پر دوست دشمن سب ہی کھا رہے ہیں۔ یہاں اس کی رحمانیت کا ظہور ہے اور وہاں اس کی رحیمیت کی جلوہ گری ہو گی جیسا کہ **لا خلاق لهم فى الاخرة** فرمانے سے معلوم ہوا کہ ارشاد ہوا کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں یعنی دنیا میں حصہ ہے۔

پہلا اعتراض : اگر یہ آیت مسلمانوں کے حق میں ہو تو دوسری آیتوں میں صدہا حدیثوں سے اس کا تعارض ہو گا کیونکہ مسلمان کے لئے آخرت میں حصہ بھی ہے رب کے کلام سے سرفرازی بھی۔ پھر اس آیت کا مطلب کیا؟ جواب: ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ اس صورت میں اس آیت میں دو قیدیں لگائی ہوں گی۔ ایک اولاً کی دوسرے عدم مغفرت کی یعنی اگر ان کی مغفرت نہ ہو تو اول ہی سے انہیں یہ درجات نہ ملیں گے۔ بلکہ سزا پا کر دوسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ ایسے مجرموں سے نہ رب تعالیٰ بات کرے گا اور نہ انہیں دیکھے گا اور دوسری آیت میں ہے کفار سے فرمایا جائے گا۔ **اخسئوا فيها ولا تكلمون** یا **ذق انك انت العزيز الكريم**! اور کیا خداوند تعالیٰ صرف نیک کاروں کو دیکھے گا بدکاروں سے غافل رہے گا؟ (آریہ) جواب: ہم تفسیر میں اس کے دو جواب دے چکے ایک یہ کہ یہاں کلام سے رحمت کا کلام مراد ہے اور کفار سے کلام غضب ہو گا دوسرے یہ کہ یہاں کلام سے بلاواسطہ کلام مراد ہے۔ کفار سے جو کچھ گفتگو ہو گی فرشتوں کے واسطے سے۔ ایسے ہی نظر محض دیکھنا مراد نہیں۔ جس کا مقابل بے خبری اور لاعلمی ہے بلکہ نظر رحمت مراد ہے۔ اسی لئے **لا ينظر اليهم لا ينظرهم**۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جھوٹی قسمیں کھانے والے کی معافی نہ ہو گی کہ فرمایا گیا **ولا يزكيهم** اور دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **ويغفر ما دون ذالك لمن يشاء** شرک کے سواء سارے گناہ جس کو چاہے گا بخش دیگا۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: اگر یہ آیت کفار کے حق میں ہے اور ایمان سے ان کی وہ جھوٹی قسمیں مراد ہیں۔ جو اسلام کے خلاف کھایا کرتے تھے تب تو آیتوں میں تعارض کا احتمال ہی نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ قسمیں کفر ہیں اور کفر کی بخشش کیسی اور اگر یہ آیت گناہ گار مسلمانوں کے حق میں ہے اور ایمان سے مراد وہ جھوٹی قسمیں ہیں جو دنیوی معاملات میں لوگ کھا لیتے ہیں تب جواب یہ ہے کہ یہاں عدل کا ذکر ہے اور اس آیت میں فضل کا ذکر۔ یعنی تقاضائے انصاف یہ ہے کہ ایسوں کی خطا

معاف نہ کی جائے کیونکہ انہوں نے جھوٹی قسموں سے بندوں کے حق مارے ہیں اور یعنی گناہوں کی ہوتی ہے نہ کہ حقوق العباد کی اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ فضل کرے گا تو کفر کے سوا ہر جرم معاف کردیگا اس طرح کہ اپنے حقوق خود معاف فرمادیگا۔ اور حقوق العباد صاحب حقوق سے معاف کرادیگا یا یہ کہا جائے کہ تزکیہ اور مغفرت میں فرق ہے۔ مغفرت صرف گناہ کی معافی ہے اور تزکیہ میں گناہ سے معافی بھی ہے اور رفع درجات بھی۔ یہاں تزکیہ کی نفی ہے اور وہاں مغفرت کا ثبوت۔ مطلب یہ ہوا کہ حقوق العباد مارنے والے مجرموں کو ابتداء" بلند درجے نہ ملیں گے اگر ملیں گے تو مغفرت کے بعد **واللہ اعلم** یا کہا جائے گا یہ سب سزائیں بخشش نہ ہونے کی صورت میں ہیں۔ تو گویا آیت **ویغفر ما دون ذالک** نے ان تمام آیتوں کو نہ چاہنے سے مقید کردیا۔ چوتھا اعتراض: **لھم عذاب الیم** میں لھم کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا کہ دردناک عذاب صرف عہد کے توڑنے والوں اور جھوٹی قسمیں کھانے والوں کے لئے ہے تو کیا یہ لوگ کفار سے بدتر ہیں کہ صرف ان کے لئے دردناک عذاب ہو نہ کہ کفار کے لئے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ عہد توڑنے والوں میں کفار بھی داخل ہیں۔ بلکہ سب کو عذاب عہد توڑنے ہی کا ہوگا۔ کسی نے ایمان کا عہد توڑا کسی نے نیک کاری اور فرمانبرداری کا۔ دوسرے یہ کہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی یعنی بمقابلہ بعض گناہ گاروں کے عہد توڑنے والوں کا عذاب سخت ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جو لوگ میثاق والے عہد کو توڑ کر اور توحید سے منہ موڑ کر اور اپنی کھائی ہوئی قسموں سے دل پھیر کر نفسانی صفات اور نفع حواس کو خرید لیتے ہیں ان کے لئے تسیم روحانی اور اخلاق ربانی میں سے کوئی حصہ نہیں کیونکہ نفس اور روح اور دنیا و آخرت ایک دوسرے کے دشمن ہیں ایک کا سنبھالنا دوسرے کا بگاڑنا ہے۔ دنیا سنبھالنے والا اپنی آخرت تباہ کرلیتا ہے اور نفس کو قوی کرنے والا اپنی روح کو کمزور کرلیتا ہے نہ ایسوں سے حق تعالیٰ قیامت میں کلام فرمائے اور نہ دنیا میں اپنا کلام سمجھائے۔ نفس کا پیرو کار قرآن سمجھ سکتا ہی نہیں۔ نیز قیامت میں ان پر توجہ اور رحمت کی نظر نہ فرمائے گا تاکہ ان کے گناہ معاف ہوں اور وہ جنت کے مستحق ہوں۔ اور نہ انہیں نفسانی صفات سے پاک کرے جو جہنم کے ایندھن بننے کا باعث ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ برے اخلاق میں پھنسے رہیں گے۔ اس کے علاوہ انہیں دنیا کی گرفتاری اور مرتے وقت کی بے قراری، قبر کی تنگی، قیامت کی وحشت اور دوزخ کی تپش کا دردناک عذاب ہے۔ (روح البیان)۔ خیال رہے کہ ہر روح کو اپنے خالق سے عشق حقیقی ہے۔ دنیا میں نفس کی وجہ سے اس عشق کا احساس نہیں۔ قیامت میں یہ حجاب اٹھادیا جائے گا۔ **ونزعنا ما فی صدورھم من غل** حسد اور کینہ کا حجاب نہ رہے گا۔ تب آتش عشق انتہائی جوش پر ہوگی اس وقت محبوب حقیقی کا حجاب بڑا عذاب ہوگا۔ **لا ینظر الیھم** اور **ولا یکلمھم** اس کا بیان ہے کہ ہم ان سے بولیں گے نہیں ہم انہیں دیکھیں گے نہیں۔ آتش فراق میں تڑپائیں گے۔ رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں محجوبین میں سے نہ کرے۔ محبوبین میں سے کرے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیا میں انسان تین قسم کے ہیں ایک وہ جن کا ہر کام آخرت کے لئے ہے۔ حتیٰ کہ کھانا پینا سونا جاگنا چلنا پھرنا بھی کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں رب کے لئے کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کا ہر کام دنیا کے لئے ہے۔ حتیٰ کہ نماز روزہ بھی کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں نفس و شیطان کے لئے کرتے ہیں۔ یا دکھاوے اور نام و نمود کے لئے۔ تیسرے وہ جن کے بعض کام آخرت کے لئے ہیں بعض دنیا کے لئے۔ پہلی قسم کے لوگ اول درجہ کامیاب ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ اول درجے کے ناکام اور تیسری قسم کے لوگ درمیانے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں دوسرے قسم کے بد نصیبوں کا ذکر ہے کہ ان پر دنیا میں بھی عتاب ہے۔ آخرت میں بھی۔ صوفیاء کرام کے نزدیک

رب تعالیٰ کے کرم کی علامت یہ ہے کہ بندے کو گناہوں سے بچنے نیک اعمال کرنے کی توفیق ملے۔ مال ملنا کمال نہیں۔ نیک اعمال ملنا کمال ہے یہ خاص عطاء ذوالجلال ہے۔ میدان کربلا میں مظلوم دشت کربلا و جتلائے کرب و بلا کے پاس مال نہ تھا اور پلید یزید کے پاس مال و منال سب کچھ تھا مگر اللہ کا فضل اس مظلوم جناب حسین پر تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ

اور تحقیق ان میں سے البتہ ایک گروہ ہے جو مروڑتے ہیں زبانوں اپنی کو ساتھ کتاب کے تاکہ سمجھو تم اس کو کتاب سے

اور ان میں کچھ وہ ہیں جو زبان پھیر کر کتاب میں میل کرتے ہیں کہ تم سمجھو یہ بھی کتاب میں ہے

وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ

حالانکہ نہیں ہے وہ کتاب سے اور کہتے ہیں وہ پاس سے اللہ کے ہے حالانکہ نہیں ہے۔

اور وہ کتاب میں نہیں اور کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے اور وہ اللہ کے

عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

وہ پاس سے اللہ کے اور کہتے ہیں وہ اوپر اللہ کے جھوٹ حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

پاس سے نہیں ہے اور اللہ پر وہ دیدہ دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں خیانت کی برائیوں کا ذکر تھا۔ اب یہود کی خاص خیانت یعنی تحریف کتاب کا تذکرہ ہے جو کہ تمام خیانتوں سے بدتر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں خیانت کا ذکر تھا اور خیانت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مالک کے مال کا انکار کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس کی چیز کو اپنی ملکیت سے اس طرح خلط کر دیا جائے کہ ان میں کچھ فرق نہ رہے۔ یہ سخت تر خیانت ہے۔ کیونکہ یہ خیانت بھی ہے اور دھوکہ بھی۔ اس آیت میں اسی کا تذکرہ ہے کہ اہل کتاب نے کتاب اللہ میں اپنی طرف سے ایسی زیادتی کی کہ ان دونوں میں فرق نہ رہا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں خیانت کی برائی اور خائن کے عذاب کا ذکر تھا۔ اور بدتر خائن وہ ہے جو متقی اور پرہیزگار کی شکل میں ہو اور لوگوں پر اپنی امانت داری کے خطبے پڑھتا پھرے۔ لہٰذا اب فرمایا جا رہا ہے۔ علمائے اہل کتاب اس قسم کے خائن ہیں کہ کلام الٰہی کو بگاڑیں۔ اور رب تعالیٰ کے احکام بدلیں اور پھر بھی عالم ہی کہلائیں۔

شان نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں کے حق میں نازل ہوئی کہ انہوں نے توریت و انجیل کو بدل دیا۔ اور کتاب اللہ میں اپنی طرف سے جو چاہا ملا دیا جیسے کعب ابن اشرف مالک ابن صیف اور حیی ابن اخطب اور ابو یاسر اور شعبہ ابن عمرو شاعر۔ (تفسیر خزائن عرفان و روح المعانی)

تفسیر: **وان منهم لفریقا** چونکہ اہل کتاب تحریف سے انکاری تھے کہ ان کے علماء تو کہتے تھے ہم نے توریت و انجیل میں کوئی تحریف نہ کی اور ان کے عوام کہتے تھے کہ ہمارے علماء کے پاس نری کھری خالص توریت و انجیل موجود تھی اور ممکن تھا کہ

بعض سادہ لوح مسلمان بھی کہنے لگتے کہ قرآن مجید کی طرح یہ آسمانی کتب بھی محفوظ رہیں۔ اس لئے اس کو ان اور لام تاکید سے مؤکد کیا گیا۔ منھم کا مرجع سارے اہل کتاب ہیں۔ یہودی یا عیسائی۔ فریق فرق سے بنا۔ بمعنی جدائی و علیحدگی۔ اصطلاح میں جماعت اور گروہ کے معنی میں آتا ہے کیونکہ وہ بھی دوسری جماعتوں سے علیحدہ ہوتا ہے۔ یعنی یقیناً اہل کتاب میں ایک جماعت وہ بھی ہے۔ یلون السنتھم بالکتب یہ جملہ فریقاً کی صفت ہے۔ یلون لوی یالی سے بنا بمعنی بٹنا موڑنا۔ پھیرنا۔ کہا جاتا ہے لویت یدہ میں نے اس کا ہاتھ موڑ دیا اور التوی فلان آدمی بل کھا گیا اور پھر گیا۔ اسی لئے ٹالنے کو لی کہا جاتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ لی الواجد ظلم۔ غنی مقروض کا ٹالنا ظلم ہے۔ السنہ لسان کی جمع ہے لسان مذکر بھی ہے۔ مونث بھی ابی عمرو ابن علاء کہتے ہیں کہ جس نے اسے مونث مانا اس نے اس کی جمع السن قرار دی اور جس نے مذکر مانا اس نے السنہ کہا قرآن پاک سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ بالکتب کی ب یا صلہ کی ہے یا ظرفیت کی یا ملابست کی اور جار مجرور السنہ کا حال ہے۔ (روح المعانی)۔ خیال رہے کہ زبان موڑنے میں چند احتمال ہیں ایک یہ کہ کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں کہ جو آیت اتری تھی۔ اسے نہیں پڑھتے اور جو خود شامل کر دی اسے پڑھتے ہیں۔ اہل عرب جھوٹ بولنے کو لی اللسان کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے لویت عند الخبر یعنی لخبرتہ بہ علی غیر وجھہ (معانی) (2) دوسرے یہ کہ آیتوں کی حرکت اور اعراب کو بدلتے ہیں۔ جس سے معنی فاسد ہو جاتے ہیں جیسا کہ عربی جاننے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ زبان عبرانی بھی عربی کی طرح ایسی نازک تھی کہ اعراب بدلنے سے اس کے معنی بدل جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ راعنا لینا بالسنتھم کو راعنا پڑھو تو اور معنی اور عین کو ذرا کھینچ کر راعینا پڑھو تو دوسرے معنی (کبیر)۔ (3) اپنی ملاوٹی عبارت کو توریت کی طرح تجوید اور ترتیل کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ جس سے دھوکہ پڑ ... کتاب اللہ پڑھ رہے ہیں۔ یعنی کتاب اللہ میں اپنی زبانوں کو موڑتے ہیں کہ اس کی اصل عبارت یا اعراب بدل دیتے ہیں یا اپنی مخلوط عبارتوں کو توریت کی طرح لہجہ اور ترتیل سے پڑھتے ہیں کیوں لتحسبوہ من الکتب یہ جار مجرور یلون کے متعلق ہے۔ تحسبوا میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ ضمیر محرف اور تبدیل کردہ آیت کی طرف لوٹتی ہے۔ جو یلون سے معلوم ہوئی تھی۔ بعض قراءتوں میں لیحسبوا ی کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں اس کا فاعل یا مسلمان ہیں یہ جہلاء اہل کتاب یعنی یہ حرکتیں اس لئے کرتے ہیں کہ تم ان کی شامل کردہ عبارتوں کو کتاب اللہ کی آیت سمجھو۔ وما ھو من الکتاب واؤ حالیہ ہے اور جملہ لتحسبواہ کی ضمیر سے حال ھو کا مرجع وہی تبدیل شدہ عبارت ہے۔ یعنی حقیقت یہ ہے کہ عبارت کتاب اللہ کی نہیں۔ بلکہ وہ خود ان کی اپنی ہے وہ خبثاء اس فریب پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ ویقولون ھو من عند اللہ لوگوں صراحتاً کہتے پھرتے ہیں کہ ہم نے یہ جو کچھ پڑھا۔ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی عبارت ہے لہٰذا اس پر ایمان لاؤ۔ وما ھو من عند اللہ یہ واؤ بھی حالیہ ہے اور یہ جملہ ھو ضمیر سے حال یعنی حال یہ ہے کہ وہ عبارتیں اللہ کی طرف سے نہیں۔ خیال رہے کہ یہ نفی یا واقع کے لحاظ سے ہے یا ان کے عقیدے کے اعتبار سے یعنی حقیقتاً وہ رب کی طرف سے نہیں۔ یا خود ان کے عقیدہ میں بھی رب کی طرف سے نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ ہماری گھڑی ہوئی عبارتیں ہیں یہ بھی خیال رہے کہ ان کے فریب دو تھے ایک گھڑی عبارتوں کو اصلی کتاب سے ملا کر پڑھنا۔ دوسرے اسکو آیات ربانی کہنا لہٰذا یہ ان کی تردید کی ہے اور ما ھو من عند اللہ دوسرے کا رد لہٰذا عبارت میں تکرار نہیں۔ ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون یہ پہلے جملہ کی گویا تفسیر ہے یعنی وہ دھوکے سے نہیں غلطی سے نہیں۔ بلکہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر جھوٹ بولنے کے

یہ معنی ہیں کہ جھوٹ بول کر اسے رب کی طرف نسبت دے دیتے ہیں کہ یہ رب کا فرمان ہے یہ سخت جرم ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب میں تین گروہ ہیں۔ ایک امانت دار۔ دوسرے خائن جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔ تیسرے وہ ہیں جو کتاب الٰہی میں خلط کرکے مخلوط عبارت کو زبان موڑ کر اس طرح پڑھتے ہیں کہ سننے والا یہ سمجھے کہ یہ عبارت بھی کلام اللہ ہے اور کتاب الٰہی کی آیت۔ حالانکہ نہ وہ اللہ کا کلام ہے نہ کتاب کی آیت بلکہ ان کی گھڑی ہوئی عبارت ہے پھر اس فریب پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ صاف صاف کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی آیتیں ہیں۔ حالانکہ وہ رب کی آیتیں نہیں بلکہ ان کی اپنی گھڑی ہوئی عبارتیں ہیں یہ لوگ ایسے دلیر ہیں کہ مخلوق پر ہی نہیں بلکہ خالق پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ پھر خطاء یا غلطی سے نہیں بلکہ دیدہ دانستہ سمجھتے ہیں کہ یہ عبارتیں ہماری ہیں اور کہتے ہیں اللہ کی۔ خیال رہے کہ تفسیر روح المعانی نے اس جگہ فرمایا کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ خود توریت میں تحریف نہ ہوئی۔ اس کی آیتیں اپنے حال پر رہیں۔ یہود نے ان کے پڑھنے میں تبدیلی کی یا آیتوں کی باطل تاویلیں کیں جیسا کہ **یلون السنتھم** سے معلوم ہوا۔ ہاں کچھ کتابیں ان کی اپنی بنی ہوئی تھیں۔ جسے وہ کتاب اللہ کہتے تھے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویکتبون الکتب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ** اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ مستقل کتابیں لکھ کر انہیں کتاب اللہ بتایا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بارہا یہود سے الزاما فرماتے تھے **ایتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صدقین** اگر سچے ہو تو توریت لاؤ پڑھو۔ اگر توریت بدل چکی ہوتی تو انہیں توریت سے الزام کیوں دیا جاتا مگر حق یہ ہے کہ اصل توریت و انجیل میں ہی تحریفیں ہوئیں۔ اور ان میں خلط ملط کیا گیا۔ ہاں کچھ آیتیں اصل بھی تھیں اور اکثر بدلی ہوئی۔ اصل آیات سے یہود کو الزام دیا جاتا تھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ جب تم پر یہود توریت پڑھیں تو نہ ان کی تصدیق کرو نہ انہیں جھٹلاؤ۔ اس کا ثبوت بہت سی آیتوں سے صدہا حدیث سے ہے۔ نیز آج موجودہ انجیلوں کا اختلاف بتا رہا ہے کہ یہ انجیلیں تحریف شدہ ہیں چنانچہ آج کل چار انجیلیں زیادہ مشہور ہیں۔ (1) انجیل متی جو عیسیٰ علیہ السلام کے آٹھ سال بعد سریانی زبان میں لکھی گئی جسے بارہ حواریوں نے لکھا۔ (2) انجیل مرقس جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ سال بعد مقام رومیہ میں افرنجی زبان میں لکھی گئی۔ (3) انجیل لوقا جو یونانی زبان میں مقام اسکندریہ میں لکھی گئی۔ (4) انجیل یوحنا جو عیسیٰ علیہ السلام کے پیارے دوست یوحنا نے عیسیٰ علیہ السلام کے تیس سال بعد ملک روم کے شہر افسس میں لکھی۔ اب اگر ان انجیلوں کا مقابلہ کیا جائے تو ان میں سخت اختلاف ملتا ہے۔

انجیلوں کا اختلاف

چنانچہ متی رسول میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دو چوروں کو بھی سولی دی گئی۔ جن میں سے ایک حضرت مسیح علیہ السلام کے داہنی طرف اور دوسرا بائیں طرف تھا اور وہ دونوں یہود کے ساتھ مسیح علیہ السلام سے مذاق کرتے تھے مگر انجیل لوقا میں ہے کہ ان میں سے ایک عیسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑا رہا تھا اور دوسرا آپ کی تعریفیں کر رہا تھا اور اس نے کہا کہ اے مسیح (علیہ السلام) مجھے اپنی ملکوت میں یاد رکھنا۔ آپ نے فرمایا اے دوست تو جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ خیال تو کرو کہ متی رسول کے لحاظ سے یہ دونوں کافر ہیں اور لوقا کے لحاظ سے ایک کافر اور ایک مومن اور مرقس اور یوحنا میں یہ قصہ ہی ندارد ہے۔ نیز لوقا میں

ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انسان کا بچہ انسان کو ہلاک کرنے نہیں آیا بلکہ انہیں زندگی بخشنے آیا ہے مگر ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ انسان کا بچہ زمین پر سلامتی پھیلانے نہیں آیا بلکہ تلوار چلانے اور آگ بھڑکانے آیا ہے۔ خیال تو کرو کہ ایک کہتا ہے کہ انسان رحمت ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ انسان عذاب۔ نیز متی رسول میں ایک جگہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارہ شاگردوں سے فرمایا کہ تم آئندہ زمانہ میں بارہ کرسیوں پر بیٹھو گے۔ اور یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کی طرح ہر ایک دیندار ہو گے پھر اس متی میں ہے کہ ان بارہ شاگردوں میں سے ایک شاگرد یہودا نے تیس روپیہ کے عوض دشمنوں کو عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ دے دیا۔ بلکہ پکڑوانے کے لئے پولیس کو ساتھ لے آیا۔ آپ نے فرمایا کہ افسوس یہ شخص بدترین مخلوق ہے۔ ذرا اختلاف دیکھو ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ حق پرست اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک کافر ہو گیا۔ نیز متی رسول باب پندرہ آیت چوبیس میں ہے کہ جناب مسیح نے فرمایا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی بھیڑوں کے سواء کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف بنی اسرائیل کے ہی رسول ہیں مگر بعض آیات میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میری بھیڑیں ان کے علاوہ اور بھی ہیں معلوم ہوا کہ آپ بنی اسرائیل کے سواء اوروں کے بھی رسول ہیں۔ اس قسم کی باتیں دیکھنے کے لئے ہماری کتاب قرآن اور انجیل۔ نیز ہمارے رسول اور انجیل کا مطالعہ فرماؤ۔ غرضیکہ انجیلوں کے اختلاف بے شمار ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ خود ان کتابوں میں تحریف ہوئی۔ اور **یلون السنتھم** کے یہی معنی ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کتاب اللہ میں انسانی کلام اس طرح ملانا جس سے فرق نہ رہے، سخت جرم ہے۔ لکھنے پڑھنے بولنے غرضیکہ ہر طرح کلام الٰہی اور کلام انسان میں فرق کرنا ضروری ہے۔ **مسئلہ:** قرآن پاک خط نستعلیق یعنی اردو خط میں لکھنا منع ہے بلکہ عربی خط میں لکھے اور اس میں بھی مصحف عثمانی کی پیروی کرے تاکہ انسانی اور ربانی کلام میں فرق رہے (شامی)۔ **مسئلہ:** قرآن پاک میں سورتوں کے نام، آیتوں کی تعداد اس طرح فرق کرکے رکھے، جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن شریف کی عبارت نہیں۔ **مسئلہ:** چونکہ اس میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کے ساتھ اتری ہے یا ایک جگہ لہٰذا سورتوں کے اول کی بسم اللہ علیحدہ سطر میں کچھ کشش کے ساتھ لکھے تاکہ بقیہ آیات سے ممتاز رہے اور سورۂ نمل کی بسم اللہ عبارت کے ساتھ بلا فرق لکھ دے۔ **انہ من سلیمن وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم** کیونکہ یہ وہاں ہی کی آیت ہے۔ **مسئلہ:** تفسیر کو آیت سے امتیاز دے یا تو آیتوں پر خطوط کھینچے یا تفسیر کی عبارت میں اعراب نہ ہوں اور آیت پر اعراب ہوں یا تفسیر کی عبارت فارسی خط میں ہو اور قرآنی آیت عربی خط میں۔ بالکل بغیر فرق کے لکھنا درست نہیں۔ یہ سب مسائل **لتحسبوہ من الکتب وما ھو من الکتب** سے مستنبط ہوئے۔ یہ تو کلام اللہ ہے۔ محدثین تو حدیث میں بھی بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ امام مسلم نے باب کے عنوان حاشیہ پر لکھے۔ اصل کتاب میں لکھیں گے مگر فرق کے ساتھ جس سے دیکھنے والا معلوم کر لیتا ہے کہ یہ محدث کی عبارت ہے اور یہ سرکار دو جہاں کا فرمان (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

لطیفہ: موجودہ دور میں بھی بہت لوگ یہود سے پیچھے نہ رہے۔ بلکہ انہوں نے ان سے چار قدم آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی الہامات اس پر گواہ ہیں کہ کچھ عبارتیں اپنی کچھ قرآن کی آیتیں ملا کر کہتے ہیں کہ یہ مجھے الہام ہوا۔ یا

ابتها لمرة توبی توبی ان رادوه الیک وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیمۃ یہ مرزاجی کاالہام ہے۔ ماشاء اللہ مخمل کے کپڑے میں ٹاٹ کا پیوند۔ اب ذرا ترجمہ سنئے اے محمدی بیگم (مرزا کی عرشی منکوحہ) توبہ کر توبہ کر (تو دوسرے کے نکاح میں کیوں چلی گئی) اے مرزاجی ہم اس عورت کو تم پر لوٹائیں گے اور تمہارے متبعین کو قیامت تک کفار پر غالب رکھیں گے۔ (حالانکہ مرتے وقت تک محمدی بیگم مرزاجی کے ہاتھ نہ آئیں) یہ ہے یلوون السنتھم کی کھلی مثال مگر چونکہ قرآن پاک کا رب تعالیٰ محافظ ہے۔ اس لئے یہ تحریفیں مٹ گئیں۔ قرآن اپنے اصلی نور سے جگمگاتا رہا۔ دوسرا فائدہ: گناہ رب کی طرف سے نہیں اور نہ رب تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ اس لئے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ ما ھو من عند اللہ (احکام القرآن) ہاں گناہ رب کی مخلوق ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندہ اپنے اعمال کا خود خالق ہے۔ اعمال کا خالق رب نہیں۔ چونکہ تحریف شدہ عبارتیں یہود کی تحریر تھیں۔ رب نے فرمایا وما ھو من عند اللہ اگر بندوں کے فعل کا رب خالق ہوتا تو یہاں فرمایا جاتا کہ یہ رب کی طرف سے ہے کیونکہ میرے بندوں کا فعل ہے جس کا میں خالق ہوں (معتزلہ) جواب: یہاں فعل کی نفی نہیں بلکہ مفعول کی نفی ہے یعنی یہ بناوٹی عبارت رب کی طرف سے نازل نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہود کا یہ کام رب کی خلق نہیں (معانی وکبیر) دوسرا اعتراض: یہ آیت حنفیوں پر چسپاں ہے کیونکہ وہ امام ابو حنیفہ کے قیاسی مسائل کو دینی احکام اور ربانی فرمان سمجھتے ہیں لہٰذا تقلید یہودیت ہے۔ (غیر مقلد) جواب: استغفراللہ! نہ کسی مقلد نے امام کے کلام کو رب کا کلام کہا نہ ان کے فرمان کو رب کا فرمان مانا نہ ان کی عبارتوں کو قرآن شریف سے ملایا۔ اس فن کا نام ہی کچھ اور رکھا۔ قرآن کا نام کتاب اللہ' اس فن کا نام فقہ' فعل یہود سے انہیں کیا تعلق۔ جیسے بے علم آدمی عالم سے کوئی مسئلہ سن کر یہ سمجھتا ہے کہ اس نے کتاب سے دیکھ کر بتایا ہوگا۔ اور پھر اسے دینی حکم سمجھ کر اس پر عمل کرتا ہے نہ عالم کو خدا سمجھتا ہے نہ اس کے کلام کو قرآن۔ ایسے ہی مقلد اپنے امام کے بارے میں یہ نیک گمان کرتے ہیں کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں قرآن وحدیث سے کہتے ہیں۔ ان کے بتائے ہوئے مسائل درخت قرآن اور شاخ حدیث کے پھل ہیں۔ بتاؤ اس میں کیا قباحت ہے۔ اگر مقلد یہودی ہیں تو ہر جاہل غیر مقلد یہودی ہے۔ خواہ ثنائی ہو یا غزنوی۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیائے کرام کے کلمات گویا کتاب الٰہی ہیں اور ان کا علم در حقیقت علم لدنی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان مقبولوں کا زمین و آسمان ہی دو سرا ہے۔ سب کہتے ہیں کہ لوح محفوظ ساتویں آسمان کے بھی اوپر ہے۔ جس میں سب حالات موجود ہیں مگر یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یار کی پیشانی لوح محفوظ ہے جس میں سارے کمالات موجود۔ مولانا فرماتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیشانیء یار راز پنہاں می شود زاں آشکار

یہ لوگ فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی زبان رب کا قلم ہے ان کے فرمان رب کی کتاب جیسے اللہ کی کتاب میں تبدیلی ناممکن ہے۔ ایسے ہی ان کے منہ سے نکلے ہوئے فرامین ناممکن تبدیل ہیں۔ بعض مدعیان معرفت میں سے ایسے بیہودہ لوگ بھی ہیں جو عارفین کے کلمات کو زبان پھیر کر منہ بھر کر بولتے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ یہ وہی علم لدنی ہے جو رب تعالیٰ نے عارفین کو دیا اور وہ مدعیان تصوف دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ہمارا یہ کلام اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ اور علوم لدنیہ میں سے ہے حالانکہ وہ رب تعالیٰ کی

طرف سے نہیں۔ یہ لوگ خدا پر جھوٹی تہمت باندھتے ہیں ان کے پاس بے معنی الفاظ اور بے مغز پوست ہے۔ اس پر ناز کرتے ہیں اور انہیں پتہ بھی ہے کہ ہم نام کے صوفی اور کام کے دھوکہ باز۔ نام کے عالم اور کام کے جاہل ہیں۔ ایسے جاہل صوفی انہیں محرفین توریت کی طرح ہیں۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

کرا جامہ پاک است و سیرت پلید   در دوزخش را نباید کلید

جس کی صورت اچھی اور سیرت گندی ہو۔ اسے دوزخ کے لئے چابی کی ضرورت نہیں وہ بلا حساب جہنمی ہے۔ ہر عابد جنتی نہیں۔ اور ہر گنہگار جہنمی نہیں۔ خاتمہ کا اعتبار ہے۔ بہت سے صالحین بدبخت ہو کر مرتے ہیں۔ اور بہت بدبخت صالح ہو کر۔ لہٰذا دعویدار معافی حاصل کرو۔ اے معرفت والو محبت سے حاصل کرو اور محبت والو اطاعت کے میدان میں سبقت کرو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو معرفت سے خالی اور حقیقت سے دور ہو۔ مگر دنیا کمانے کے لئے تصوف کا لباس پہن کر اپنے کو صوفی مشہور کرے اس کا عذاب زانیہ عورت سے زیادہ سخت ہو گا کہ رنڈی حرامی بچے جنتی ہے اور ایسے پیر حرامی اور نالائق مرید پیدا کر کے دنیائے تصوف کو بدنام کرتے ہیں۔ ایک شخص طنبورہ پر چڑھ کر طاق میں سے روٹی اتار تا ہے۔ دوسرا قرآن پر پاؤں رکھ کر اتار تا ہے یقیناً یہ اس سے بدتر ہے۔ اس زمانہ کے عام جھوٹے مشائخ کا یہی دستور ہے کہ وہ اپنی ظاہر شکل اور بے معنی الفاظ سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ عاقل پر لازم ہے کہ ان کے ظاہر سے نہ دھوکہ نہ کھائے۔ دنیا سے دین خریدو۔ دین کو دنیا طلبی کا ذریعہ نہ بناؤ۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

دین فروشی مایہ کردن ہست خسران   سود مند آں کس کہ دنیا صرف کردہ دین خرید

اللہ تعالیٰ ہماری دنیا کو ذریعہ دین بنائے نہ کہ دین کو ذریعہ دنیا۔ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور عبادات کو ریا وغیرہ سے پاک فرمائے۔ یہ آیت صرف سننے کی نہیں بلکہ عبرت حاصل کرنے کی ہے۔ یہ مت سمجھو کہ ان کا تعلق صرف علماء یہود سے ہے ہم میں سینکڑوں یہودیانہ عیوب موجود ہیں۔ ہم سب کو رب تعالیٰ کا خوف چاہئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے اگر کتاب اللہ میں دوسری عبارت شامل کر دی جائے تو وہ کتاب اللہ ہی نہیں رہتی اور اگر اسے غلط طریقہ سے پڑھا جائے تو کتاب اللہ نہیں رہتی۔ رب نے یہاں فرمایا۔ **ما ھو من عند اللہ** ایسے ہی اگر تلاوت میں غلط نیت اور برا ارادہ شامل کر دیا جائے تو وہ کتاب اللہ نہیں دیکھو۔ منافقین نے کہا تھا۔ **نشھد انک لرسول اللہ** ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس عبارت کے الفاظ طریقہ ادا سب درست تھا۔ مگر رب نے اعلان فرمایا **انھم لکذبون** یہ لوگ جھوٹے ہیں کیوں ہوئے اس لئے کہ انہوں نے فریب دہی کے لئے کلمہ پڑھا نہ کہ مسلمان بننے کے لئے۔ اس لئے جو کوئی قرآن شریف پڑھے لوگوں میں فساد پھیلانے انہیں گمراہ کرنے کیلئے وہ اس آیت میں داخل ہے۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب فرمایا۔

حافظا می خورد رندی کن و خوش باش دلے   دام تزویر مکن چوں دگراں قرآن را!

جیسے نماز میں ظاہر ارکان ضروری ہیں۔ ایسے ہی نیت بھی شرط ہے۔ یوں ہی قرآن و ایمان میں درستی نیت ضروری ناپاک کاغذ، ناپاک قلم قرآن لکھنے کے قابل نہیں۔ ناپاک زبان جنبی وغیرہ کی قرآن پڑھنے کے لائق نہیں۔ یونہی ناپاک ذہن ناپاک دل قرآن سمجھنے کے لائق نہیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ

نہیں ہے واسطے بشر کے یہ کہ دے اس کو اللہ کتاب اور حکم اور پیغمبری پھر کہے وہ

کسی آدمی کا یہ حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم اور پیغمبری دے پھر وہ

لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ

واسطے لوگوں کے کہ ہو جاؤ پجاری واسطے میرے سوائے اللہ کے اور لیکن کہے کہ ہو جاؤ اللہ والے

لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ ہاں یہ کہے گا کہ اللہ والے

تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا

اس لئے کہ تھے تم پڑھتے کتاب کو اور اس لئے کہ تھے تم سبق دیتے۔ اور نہ حکم دے گا تم کو

ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس لئے کہ تم درس کرتے ہو اور نہ تمہیں حکم

الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ

اس کو کہ بناؤ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب کیا حکم کرے گا وہ تم کو ساتھ کفر کے بعد اس کے

دے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا ٹھہرا لو کیا تمہیں کفر کا حکم

مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

کہ تم مسلمان ہو

دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو لیے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ علمائے اہل کتاب رب تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ اپنا گھڑا ہوا مضمون اس کی طرف نسبت دیتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں پر بھی جھوٹ بولنے سے دریغ نہیں کرتے کہ کہتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو معبود ماننے کا حکم دیا۔ گویا پہلے ان کی تحریف کتاب کا ذکر تھا اب تحریف کلام انبیاء کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ وہ اپنی کتابوں یعنی توریت و انجیل میں تحریف کرتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ آپ پر جھوٹ باندھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کہتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوجا کرانا چاہتے ہیں (جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوگا)۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں اہل کتاب کی تحریف کا ذکر تھا اور اب اس کی مذمت فرمائی جا رہی ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں کتاب، علم اور نبوت کا فیض دیا اور پھر انہوں نے لوگوں کو خدا کی راہ سے ہٹا کر اپنا بندہ بنا لیا۔ گویا ان کی یہ حرکت خلاف انسانیت ہے۔

شان نزول: نجران کے عیسائیوں نے کہا تھا کہ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ ہم انہیں رب مانیں۔ تب ان کی تردید

میں یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خزائن عرفان و خازن) ایک روایت یہ ہے کہ ابو رافع یہودی اور سید عیسائی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں اور آپ کو رب مان لیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا خدا کی پناہ۔ نہ میں غیر اللہ کی عبادت کا حکم کرتا ہوں نہ مجھے اس کا حکم دیا گیا اور نہ مجھے اس لئے بھیجا گیا (کبیر و خزائن)۔ خیال رہے کہ ان عیسائیوں نے یہ دیکھا کہ مسلمان کلمہ طیبہ سے لے کر نماز جنازہ بلکہ دفن میت تک ہر عبادت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیتے ہیں ان کی کوئی عبادت اذان تکبیر نماز وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے خالی نہیں۔ نیز ان عیسائیوں نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ ہر جگہ رب کے نام کے ساتھ ملا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہیں۔ کچھ فرق نہیں کرتے۔ نیز دیکھا کہ حضرات صحابہ کرام اٹھتے بیٹھتے بولتے چالتے میں حضور علیہ السلام کا انتہائی ادب کرتے ہیں کہ التحیات کی طرح حضور علیہ السلام کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ آپ کی آواز سے اپنی آوازیں اونچی نہیں کرتے۔ نگاہیں آپ سے نہیں ملاتے ان چیزوں کو دیکھ کر وہ چیخ اٹھے کہ یہ لوگ حضور علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔ ہم حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا ہی مانتے ہیں یہ تو حضور علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں۔ ان کم بختوں نے تعظیم و عبادت میں فرق نہ کیا جو آج لوگ کہتے ہیں کہ بریلوی حضور علیہ السلام کو خدا سے ملا دیتے ہیں حد سے بڑھا دیتے ہیں۔ انہوں نے یہ سبق انہی عیسائیوں سے پڑھا ہے یہ آج کی گفتگو نہیں پرانی گفتگو ہے۔ حسن سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ ہم آپ کو سلام ایسا ہی کرتے ہیں جیسے ایک دوسرے کو کیا کرتے ہیں ہم آپ کو سجدہ کیوں نہ کیا کریں جس سے آپ کی شان خصوصی ظاہر ہو۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کو جائز نہیں کہ غیر خدا کو سجدہ کرے ہاں اپنے نبی کی تعظیم کرو۔ اور حقدار کا حق پہچانو۔ تب یہ آیت کریمہ اتری (کبیر و معانی)۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہود کا دعویٰ تھا کہ کوئی شخص بزرگی اور درجہ میں ہمارے برابر نہیں ہو سکتا اس پر یہ آیت کریمہ اتری جس میں فرمایا گیا کہ اگر یہ سچ ہے تو تم پر رب کی اطاعت زیادہ واجب کہ اطاعت بقدر احسان چاہئے۔ پھر تم لوگوں کو راہ راست سے پھیر کر اپنا بندہ کیوں بناتے ہو۔ اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے **اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ** (کبیر)۔

تفسیر: **ما کان لبشر۔ ما** نافیہ ہے اور لبشر کسی پوشیدہ کا متعلق ہو کر کان کی خبر اور کان استمراریہ ہے بشر جمع ہے اس کا کوئی واحد نہیں۔ جیسے قوم اور رہط مگر واحد و جمع سب کے لئے استعمال ہو جاتا ہے (تفسیر خازن) اس میں اختلاف ہے کہ بشر کا متعلق کیا ہے۔ بعض نے کہا۔ لائقا" ہے بعض نے کہا ممکنا"۔ حق یہ ہے کہ اگر بشر سے مراد یا جناب عیسیٰ علیہ السلام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو ممکنا" پوشیدہ ہے اور اگر عام لوگ مراد ہیں تو لائقا" پوشیدہ کیونکہ نبی کا کفر و معصیت کرنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ خدا کا شریک۔ کیونکہ ان کے نفس امارہ نہیں بلکہ مطمئنہ ہیں اور شیطان کی وہاں تک پہنچ نہیں پھر ان سے گناہ کون کرائے اور عوام کو لائق نہیں کہ وہ بندہ ہو کر مالک بن بیٹھیں ورنہ وہ کتے سے زیادہ ناشکرے ہیں اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ بشر سے مراد کون ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ یہود نے ان پر تہمت لگائی تھی۔ بعض کے خیال میں کچھ بشر سے ہر انسان مراد ہے۔ جیسا کہ شان نزول کی ایک روایت سے معلوم ہوا کہ بعض کے خیال میں بشر سے ہر انسان مراد ہے۔ خیال رہے کہ بشر سے اس جانب اشارہ ہے کہ ایسی بکواس انسانیت کے خلاف ہے چہ جائیکہ نبوت و رسالت نبی اور رسول تو بڑے درجے والے ہیں کسی عام انسان کو دعویٰ خدائی زیبا نہیں یعنی کسی انسان کے لئے لائق نہیں یا عیسیٰ علیہ

السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ممکن نہیں جیسا کہ فرمایا گیا۔ **ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین** یا نفوس انبیاء اور ان کے ارواح طیبہ ایسے پاک و صاف ہوتے ہیں کہ ان سے یہ دعویٰ ناممکن ہے اس تفسیر سے بہت اعتراضات اٹھ گئے جو ہم اعتراض و جواب میں عرض کریں گے۔ چونکہ نبوت اور کتاب و حکمت صرف انسان ہی کو ملی ہے اس لئے یہاں بشر فرمایا۔ فرشتے جنات وغیرہ کا ذکر نہ کیا۔ اگر بشر سے مراد حضرات انبیاء ہوں تو تنوین تعظیمی ہے یعنی ایسے عظیم الشان انسانوں سے یہ بات ناممکن ہے اور اگر اس سے مراد عام لوگ ہیں تو تنوین تحقیری یعنی کسی معمولی بشر کو یہ زیبا لائق نہیں۔ **ان یوتیہ اللہ الکتب والحکم والنبوۃ** یہ جملہ اپنے معطوف سے مل کر کان کا اسم مؤخر ہے الکتب سے آسمانی کتاب اور حکم سے حکومت فیصلہ یا فہم یا علم مراد ہے جو عطائے کتاب کے لئے لازم ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واتینہ الحکم صبیا** اور نبوت سے پیغمبری مقصود۔ چونکہ پہلے کتاب اترتی ہے۔ پھر عقل نبی میں داخل ہوتی ہے پھر وہ لوگوں تک اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اس لئے پہلے کتاب کا ذکر ہوا پھر حکم یعنی فہم کتاب کا پھر نبوت کا۔ یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے کہ بشر سے مراد انبیائے کرام ہوں اور اگر بشر سے مراد سارے انسان خصوصاً علماء اہل کتاب ہوں تو یہاں کتاب سے مراد علم کتاب مراد ہو گا اور حکم سے حکومت اور نبوت سے نبوت کی روشنی اور اس کا فیضان۔ خیال رہے کہ بشر لفظ تو ایک ہے مگر حسب موقعہ اس کے معنی و مقصد مختلف ہوتے ہیں۔ اگر یہ حضرات انبیاء کرام کے لئے بولا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں اللہ کی ہاتھ کی بنائی ہوئی صنعت۔ معاشرت بلید سے ماخوذ ہے رب فرماتا ہے۔ **انی خالق بشرا**" اور فرماتا ہے **ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی** یعنی اے شیطان تو نے اسے سجدہ کیوں نہ کیا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اگر بشر عام لوگوں کے لئے بولا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں بشرے والا۔ یعنی ظاہری کھال والا جن کے جسم پر زیادہ بال نہ ہوں اور اگر خبیث لوگوں کے لئے بولا جائے تو اس کے معنی ہوں گے شرارت والا بمعنی مع اور شر بمعنی شرارت تو یہ لفظ حضرات انبیاء کے لئے تعظیم کا ہے کفار کے لئے تحقیر کا۔ اس لئے عام محاورہ میں ان حضرات کو ہم بشر نہ کہیں کہ یہ لفظ اچھے برے دونوں معنی رکھتا ہے۔ اگرچہ قرآن کریم سے ثابت ہے جیسے ظالم نبی کو نہیں کہہ سکتے اگرچہ قرآن کریم سے ثابت ہے جیسے آدم و یونس علیہما السلام نے عرض کیا تھا۔ **ربنا ظلمنا انفسنا یا ان کنت من الظلمین۔** **ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ** یہ جملہ یوتیہ پر معطوف ہے اور ان سے منصوب۔ عباد عبد بمعنی عابد کی جمع ہے جو عبادت سے بنا جو عبد عبودیت بمعنی خدمت و اطاعت سے مشتق ہو اس کی جمع اکثر عبید آتی ہے اسی لئے زید کے غلاموں کو عرف میں عبید زید کہیں گے نہ کہ عباد زید (روح المعانی) مگر کبھی عابد بمعنی خادم کی جمع بھی عباد آجاتی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **من عبادکم و امائکم** اور فرماتا ہے **قل یعبادی الذین اسرفوا** بہر حال یہاں عباد بمعنی پجاری ہے نہ کہ بمعنی خادم جیسا کہ من دون اللہ سے معلوم ہو رہا ہے لی پوشیدہ کے متعلق ہو کر عباد کی صفت ہے اور من دون اللہ یا عباد کے متعلق ہے کیونکہ اس میں فعل کے معنی ہیں یا اسکی دوسری صفت اور ممکن ہے کہ متجاوزین کے متعلق ہو کر عباد کا حال ہو یعنی اللہ سے تجاوز کرتے ہوئے بطور شرکت یا خالص میرے پجاری بندے بن جاؤ۔ یعنی کسی بشر کے لائق یہ نہیں کہ رب تو اسے اپنے فضل و کرم سے کتاب اور علم اور نبوت عطا فرمائے اور لوگوں کو اس کا امتی بنائے اور اسے عالم کا ہادی اور پھر بجائے ہدایت دینے کے لوگوں سے یہ کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے پجاری بن جاؤ۔ حکومت کا افسر لوگوں کو حکومت کا مطیع بناتا ہے نہ کہ باغی یا عاصی **ولکن کونوا ربانین** یہ جملہ پہلے پر

معطوف ہے اگر بشر سے مراد علماء یہود تھے تو لکن کے بعد قولو اپوشیدہ ہے یعنی ان علماء کو یہ مناسب نہ تھا کہ لوگوں سے کہیں کہ ہمارے بندے بن جاؤ۔ بلکہ اے عالمو تم اپنے متبعین سے یہ کہو کہ اللہ والے بن جاؤ اس صورت میں یہ تاقیامت علماء کو تعلیم ہے کہ کتاب اللہ سے محض دنیا کمانے کی نیت نہ کریں نہ محض ترجمے سکھانے پر کفایت کریں بلکہ لوگوں کو اللہ والا اور دیندار بنائیں اور اگر بشر سے مراد حضرات انبیاء کرام ہیں تو لکن کے بعد یقول پوشیدہ ہے ربانی یا تو ربان کی طرف منسوب ہے جیسے عطشان اور سکران یا رب تعالیٰ کی طرف اور رب سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور ربانی بمعنی اللہ والا یا رب بمعنی پرورش کرنے والا تو ربانی وہ جو اپنے نفس اور لوگوں کی پرورش کرے۔ ربانی عالم وہ ہے جو رب تعالیٰ کی ذات و صفات کو جاننے والا اور اس کی اطاعت و عبادت کا پابند ہو اور مبالغہ کے لئے الف نون زائد کیا گیا۔ جیسے بڑی داڑھی والے کو لحیانی اور موٹی گردن والے کو رقبانی اور زیادہ بال والے کو شعرانی کہا جاتا ہے اور معمولی کو شعری اور رقبی کہتے ہیں۔ جرد نے کہا کہ ربانی وہ علمائے کرام ہیں جو لوگوں کی روحانی پرورش کریں۔ ابن زید کہتے ہیں کہ ربانی امت ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لولا ینھھم الربانیون والاحبار** قفال نے فرمایا کہ ربانی بمعنی والی اور حاکم کیونکہ رب کی طرح اس کی بھی اطاعت کی جاتی ہے۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ عربی نہیں سریانی یا عبرانی ہے بمعنی علم و عمل کا جامع (کبیر و معانی و خازن وغیرہ) یعنی لیکن انبیائے کرام تو یہ فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے بندے اللہ والے علم و عمل کے جامع بن جاؤ۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام کی تعلیمیں فروعاً قدرے مختلف تھیں کہ ان کے دینوں کے فروعی مسائل جداگانہ تھے مگر اصولاً تمام کی تعلیم یکساں تھی اس لئے یہاں یقولون پوشیدہ ہے۔ سارے انبیاء کرام کا قول مراد ہے سب نے مخلوق کو اللہ والے بننے کی ہدایت کی۔ اس لئے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علاتی بھائی ہیں ماں سب کی جداگانہ والد ایک۔ یعنی فروعی مسائل میں مختلف اصول عقائد میں سب ایک۔ کسی نبی نے شرک و کفر کی تعلیم نہ دی۔ **بما کنتم تعلمون الکتب وبما کنتم تدرسون** یہ جار مجرور کونوا ربانین کے متعلق ہے۔ ب سببیہ اور ما مصدریہ ہے ایک قراءت میں **تعلمون الکتب** باب سمع یسمع سے ہے بمعنی جاننا مگر ہماری قراءت میں **تعلمون** تعلیم سے ہے بمعنی سکھانا کتاب سے مراد کتاب الٰہی ہے۔ **تدرسون** درس یا دراست سے بنا۔ بمعنی تکرار اور بار بار کرنا اسی لئے مٹنے کو اندراس کہا جاتا ہے کہ اس پر دن رات بار بار گزر کر اسے فنا کر دیتے ہیں چونکہ سبق بار بار پڑھا جاتا ہے اس لئے درس کہتے ہیں یعنی تم عالم ربانی اس لئے بنو کہ تم لوگوں کو کتاب الٰہی پڑھاتے ہو اور اس کا درس دیتے ہو۔ خیال رہے کہ یا تو تعلیم کتاب سے مراد کتاب کی عبارت پڑھانا ہے اور درس کتاب سے مراد اس کے مضامین کی تعلیم دینا یا تعلیم کتاب سے مراد سبقاً کتاب پڑھانا اور درس کتاب سے مراد بطور وعظ لوگوں تک احکام پہنچانا اور ممکن ہے کہ **تدرسون** سے مراد درس کتاب نہ ہو بلکہ دوسرے احکام کی تعلیم مراد ہو۔ اور ممکن ہے کہ تعلیم کتاب سے مراد کتاب پڑھانا ہو اور درس کتاب سے مراد سبق لینا ہو۔ کیونکہ درس سبق دینے کو بھی کہتے ہیں۔ اور سبق لینے کو بھی۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں درس بمعنی دراست ہے بمعنی فہم و سمجھ۔ بہر حال **تعلمون** اور **تدرسون** میں تکرار نہیں یعنی اے اہل کتاب چونکہ تم کو رب تعالیٰ نے خصوصی نعمت بخشی ہے کہ تم لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہو۔ انہیں کتاب کا درس بھی دیتے ہو۔ سبق بھی پڑھاتے ہو لہٰذا تم ربانی بن کر رہو۔ ربانی بننا اس نعمت کا شکریہ ہے نیز تمہارا ربانی بننا تمہارے ماتحتوں کو ربانی بنادے گا۔ تمہارا عمل بھی تبلیغ ہونا چاہئے **ولا یامرکم ان تتخذوا الملئکۃ والنبین اربابا**۔ ہماری قراءت میں **لا یامر** رے کی فتح سے ہے۔ ثم یقول پر معطوف اور ما

کان لبشر کے ماتحت میں داخل لایا تو زائدہ نفی کی تاکید کے لئے یا غیر زائدہ (معانی و کبیر)۔ بعض قرأتوں میں **لایامرکم** رے کے پیش سے ہے۔ اس صورت میں یہ نیا جملہ ہے۔ ارباب جمع رب کی ہے بمعنی پالنے والا یعنی خدا۔ چونکہ مشرکین فرشتوں کا اور اہل کتاب بعض پیغمبروں کا خدائی میں دخل مانتے تھے کہ مشرکین تو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور بعض اہل کتاب پیغمبروں کو خدا کا بیٹا اس جملہ میں ان سب کی تردید کی گئی یعنی نہ یہ ممکن ہے کہ پیغمبر تمہیں اس کا حکم دیں کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا کا شریک مان لو وہ تو ان باتوں سے روکنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ **ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون** یہ استفہام تعجب یا انکار کا ہے۔ کفر سے مراد غیر خدا کی عبادت ہے جن کا ذکر پہلی عبارت میں ہو چکا اگر اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہے اور ان کے بارے میں آئی ہو تب تو **مسلمون** بمعنی مسلمان ہے جیسا کہ خطیب کا قول ہے اور اگر خطاب اہل کتاب سے ہو اور ان کے بارے میں آیت اتری ہو تو مسلم بمعنی مطیع تابع فرمان اور دین کا مستحق ہے۔ (کبیر و معانی) یعنی کیا یہ ممکن ہے کہ تم تو رب کی اطاعت کے ارادے سے ان کے پاس حق کی تلاش کے لئے حاضر ہو اور وہ تمہیں بجائے ایمان کے کفر کی تعلیم کرے۔ وہ حضرات تو انبیاء ہیں یہ حرکت تو عام انسان بھی نہیں کر سکتے۔

خلاصہ تفسیر: تمام مخلوق سے زیادہ انسان کو اللہ نے نعمتیں بخشی ہیں کہ غذائیں، لباس، رہائش کی بے شمار چیزیں انسان ہی کو دیں نیز نبوت، ولایت، معرفت سے اسی کو نوازا، آخرت میں جنت اسی کے لئے رکھی۔ پھر نوع انسان میں سے مومنوں پر بہت احسان کئے اور پھر مومنوں میں سے حضرات اولیاء اللہ پر بہت سے خصوصی احسانات فرمائے پھر ایسی پاک جماعت میں حضرات انبیاء کرام پر تو بے حد احسانات فرمائے اور قاعدہ ہے کہ شکر بقدر نعمت چاہئے جس قدر رب کی نعمتیں زیادہ ہوں۔ اس قدر اس کا شکریہ ضروری ہے تو سب سے زیادہ شکر حضرات انبیاء کرام کرتے ہیں چونکہ یہود و نصاریٰ نے ان اعلیٰ درجہ کے شاگردوں کو بدترین کفر کا بہتان لگایا کہ بولے کہ ہم کو انبیاء کرام فرما گئے ہیں کہ ہمیں خدا کا بیٹا مانو لہٰذا ان کی پرزور تردید رب تعالیٰ نے فرماتے ہوئے ارشاد کیا کہ یہ ممکن ہی نہیں اور کسی انسان کی شان ہی نہیں کہ رب تعالیٰ تو اس پر فضل فرما کر اسے اپنی کتاب، علم ظاہری و باطنی اور نبوت عطا فرمائے اور اسے لوگوں کا ہادی بنا کر بھیجے۔ پھر وہ بندہ بجائے ہدایت دینے کے لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف دعوت دے اور یہ کہے کہ خدا کو چھوڑ کر یا خدا کے ساتھ میرے پجاری بن جاؤ۔ یہ ناممکن ہے دنیوی بادشاہ اسی کو حاکم بناتے ہیں جس پر انہیں اعتماد ہو کہ وہ لوگوں کو حکومت کا وفادار بنائیں گے تو کیونکر ممکن ہے کہ حق تعالیٰ ایسوں کو نبوت دیدے جو لوگوں کو اس سے باغی کر دیں۔ ہاں حضرات انبیاء تو یہی تعلیم دیتے ہیں کہ اے لوگو اللہ والے اور علم و عمل کے جامع اور رب تعالیٰ کے تابع فرمان بندے بن جاؤ۔ کیونکہ تم دوسروں کو کتاب الٰہی سکھاتے ہو اور اس کا درس دیتے ہو اور معلم خیر کو چاہئے کہ پہلے خود خیر پر عمل کرے تاکہ اس کی تعلیم فائدہ مند ہو اور نہ یہ ممکن ہے کہ پیغمبر لوگوں کو یہ تعلیم دے کر فرشتوں اور پیغمبروں کو رب تعالیٰ کا شریک مان لو۔ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ تم راہ الٰہی حاصل کرنے کے لئے اطاعت کرتے ہوئے انبیاء کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ اور وہ تمہیں بجائے ایمان کے کفر کی تعلیم دے کر رب تعالیٰ سے اور بھی دور کر دیں۔ وہ حضرات تو بندوں کو رب تعالیٰ سے قریب کرنے کے لئے آتے ہیں نہ دور کرنے کے لئے۔ یہ چیزیں جب ایمان کے ساتھ مجتمع نہیں ہو سکتیں۔ تو نبوت کے ساتھ کیونکر جمع ہو سکتی ہیں لہٰذا تم جھوٹے ہو انبیاء کرام پر جھوٹی تہمت لگاتے ہو۔ اس زمانہ کے بعض مفسرین یہ آیات کریمہ مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ نبی ولی کو غیب دان، حاجت روا، مشکل کشا جاننا انہیں **اربابا من دون اللہ** بنانا ہے۔

حضرات انبیاء کی تعلیم یہ نہیں ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ اربابا" من دون اللہ بنانا وہ ہے جو مشرکین عرب فرشتوں کو رب کی بیٹیاں مانتے تھے۔ کعبہ معظمہ میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے بت بنا کر پوجتے تھے یا یہود و نصاریٰ حضرت عزیر و مسیح علیہما السلام کو رب کا بیٹا کہتے تھے۔ ورنہ خود منکرین بوقت ضرورت اپنی حاجتیں امیروں سے مانگتے ہیں۔ شیطان تمام جہان کو بہ یک وقت دیکھتا ہے حضرت ملک الموت ہر جگہ تصرف کرتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض۔ جناب ایوب علیہ السلام کا غسالہ دافع بلا شافی الامراض ہے۔ حضرت آصف برخیا پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس یمن سے شام میں لے آئے کیا یہ سب رب بن گئے نعوذ باللہ! رب تعالیٰ قرآن کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: انبیاء کرام کی بارگاہ الٰہی میں بڑی عزت ہے اسی لئے حق تعالیٰ ان سے اہل کتاب کے الزامات دور فرماتا ہے۔ دیکھو علمائے یہود نے حضرات انبیاء پر تہمت لگائی' رب تعالیٰ نے ان کی صفائی بیان فرماتے ہوئے ان علماء کو جھٹلا دیا اور ظاہر ہے کہ اپنے پیارے کی صفائی بیان کی جاتی ہے نہ دشمن کی اور نہ اجنبی کی۔ دوسرا فائدہ: کفر سے راضی ہونا اور اس کا حکم دینا کفر ہے جیسا کہ ایامرکم بالکفر سے معلوم ہوا۔ یعنی اگر وہ تمہیں کفر کا حکم دیتے تو خود مومن نہ رہتے چہ جائیکہ نبی۔ تیسرا فائدہ: عالم کیلئے سخت ضروری ہے کہ اس کی تعلیم و تدریس تبلیغ و ہدایت کے لئے ہو نہ کہ محض دنیا کے لئے۔ جو عالم محض دنیا کی خاطر تعلیم کا کام کرے وہ اس باغبان کی طرح ہے جو ہرا بھرا باغ لگائے مگر اس کا پھل نہ کھا سکے جیسا کہ بما کنتم تعلمون الکتب سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: علماء و پیشوایان قوم کو متقی پرہیزگار ہونا لازمی ہے کہ عالم کے بگڑنے سے عالم بگڑ جاتا ہے۔ عالم کے عمل کے ساتھ بہت لوگوں کے عمل وابستہ ہوتے ہیں یہ بھی بما کنتم تعلمون سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: انبیاء پر اعتراض در حقیقت رب تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ رب کا انتخاب غلط ہے اس نے باغی و مجرم کو نبوت جیسا اعلیٰ عہدہ عطا فرمایا یہی اس آیت کا مقصود ہے کہ ناممکن ہے کہ جس کو رب تعالیٰ نبی بنائے اور وہ لوگوں کو گمراہ کرے۔ اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ چھٹا فائدہ: انبیائے کرام کا کافر یا گمراہ ہونا غیر ممکن ہے جیسا کہ ما کان لبشر کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: کوئی پیغمبر شرک و کفر کی تعلیم نہیں دے سکتا جو چیز کسی نبی کے دین میں کبھی رہی ہو وہ شرک نہیں جیسا کہ ایامرکم بالکفر سے معلوم ہوا لہٰذا غیر اللہ کو سجدہ تحیہ کہ اسلام میں حرام ہے مگر شرک نہیں۔ کیونکہ دیگر انبیائے کرام کے دین میں جائز تھا۔ آٹھواں فائدہ: غلط تعلیم کو انبیائے کرام کی طرف نسبت دینے والا عملاً یہودی ہے کہ انہوں نے اپنے تراشے ہوئے عقیدے پیغمبر کی طرف نسبت کر دیئے۔ مشرکین عرب بھی بت پرستی کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت دیتے تھے۔ نواں فائدہ: غیر خدا کو سجدہ عبادت کرنا شرک ہے۔ جیسا کہ شان نزول کی ایک روایت سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کو سجدہ کرنا چاہا اس پر یہ آیت کریمہ اتری اور اسی سجدہ کو کفر فرمایا گیا۔ دسواں فائدہ: کتاب اللہ پڑھانے والے علماء کو چاہئے کہ ربانی عالم بنیں تب ان کی تعلیم سے لوگ ربانی بنیں گے۔ نفسانی و شیطانی عالم لوگوں کو نفسانی و شیطانی ہی بنائے گا۔ علم کی تاثیر کے لئے زبان کا فیض بھی ضروری ہے۔ سامری نے حضرت جبریل کی گھوڑی کی خاک فرعونی سونے کے بچھڑے کے منہ میں ڈالی اس مٹی نے اپنا اثر تو دکھایا کہ اسے زندگی بخش دی اس میں آواز پیدا کی۔ مگر اس آواز سے لوگ گمراہ ہوئے۔ ہدایت پر نہ آئے۔ ایسے ہی گمراہ عالم کے وعظ سے لوگ گمراہ ہوں گے ہدایت پر نہ آئیں گے۔ ایسے ہی کتاب اللہ پڑھنے والوں کو چاہئے کہ ربانی عالم سے قرآن سیکھیں ورنہ گمراہ

ہوں گے۔ یہ فائدہ بما کنتم کی ب سے حاصل ہوا۔ نماز کے لئے اچھا امام علاج کے لئے اچھا قابل طبیب، مشین کے لئے
لائق مستری تلاش کرو۔ ایسے ہی اصلاح نفس کیلئے ربانی عالم، متعلم واعظ اور وعظ سننے والوں سب ہی کے لئے مشعل راہ ہے۔
پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جسے خدا نبوت دے اس کو شرک کی تعلیم دینا لائق نہیں۔ باقی دیگر لوگ شرک یا
کفر پھیلائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ جسے خدا نبوت دے اسے تعلیم شرک کا حق نہیں۔ (بعض بے
دین)۔ جواب: اس کا نہایت نفیس جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو لبشر سے پہلے "ممکنا" پوشیدہ ہے۔ یعنی پیغمبر کے لئے تعلیم
شرک ناممکن ہے کیونکہ ان کے معجزات ان کی حقانیت کے دلائل ہیں۔ نیز وہ حضرات علم و عمل کے جامع ہیں۔ نیز ان کے
نفوس برے اخلاق سے بھی پاک ہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ جنہیں رب تعالیٰ نے ہدایت کے لئے منتخب کیا ہو اس سے ایسا جرم
صادر ہو۔ یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم شرک بشریت کے منافی ہے کہ محسن کا احسان ماننا فطرت انسانی ہے اور انبیائے کرام
افضل البشر ہیں پھر ان سے یہ حرکت کیونکر صادر ہو سکتی ہے یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شرک و کفر کی تعلیم دے اسے نبی بنانا
رب تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے یہاں جواز اور عدم جواز کا ذکر نہیں بلکہ امکان اور استحقاق کی نفی ہے۔ دوسرا اعتراض: اس
آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ کسی بشر کو یہ تعلیم شرک لائق نہیں تو کیا جن و فرشتہ کو یہ تعلیم حق درست ہے۔ جواب: چونکہ
نبوت، کتاب، حکمت وغیرہ انسان ہی کو بخشی گئیں اور جسے نعمتیں زیادہ ملیں اسے رب کی اطاعت زیادہ چاہئے اس لئے یہاں بشر کا
خصوصیت سے ذکر ہوا۔ نیز فرشتے اور دیگر حیوانات سے اس کا احتمال ہی نہیں۔ انسان ہی میں مدعی خدائی گزرے اور دجال بھی
دعویٰ خدائی کرے گا۔ یہ انسان ہی ہو گا ان وجوہ سے بشر فرمایا گیا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عبدالنبی یا
عبدالرسول نام رکھنا شرک ہے اور جو لوگ قل یا عبادی الذین اسرفوا کے معنی یہ کرتے ہیں کہ اے محبوب صلی اللہ
علیہ وسلم آپ فرمادو اے میرے بندو وہ کھلے ہوئے مشرک ہیں کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کو یہ ممکن نہیں کہ کسی
کو اپنا بندہ بننے کی دعوت دے۔ لہٰذا عبدالنبی عبدالرسول نبی بخش و پیر بخش نام رکھنا صریح شرک ہے اور اس آیت کے خلاف
ہے۔ (دیوبندی) جواب: ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ عبد کے دو معنی ہیں عابد اور خادم۔ عبد بمعنی عابد کی نسبت صرف
رب کی طرف ہی ہو سکتی ہے اور عبد بمعنی خادم کی نسبت غیر خدا کی طرف بھی جائز ہے۔ شرح جامی میں ہے۔

الواهب المائة الهجان و عبدها

دیکھو یہاں عبد کی نسبت اونٹنیوں کی طرف ہے۔ فقہاء عام طور پر فرمایا کرتے ہیں۔ عبدی حر رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ من
عبادکم واماتکم یہاں عباد کی نسبت انسانوں کی طرف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کنت انا عبدہ
وخادمہ میں حضور علیہ السلام کا عبد اور آپ کا خادم تھا۔ صاحب در مختار کے شیخ کا نام عبدالنبی ہے۔ دیکھو دیباچہ در مختار۔ قل
یا عبادی کے بہت سے مفسرین نے یہی معنی فرمائے کہ یا حبیب اللہ فرمادو اے میرے بندو۔ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

بندۂ خود خواند احمد در رشاد جملہ عالم را بخواں قل یا عباد

مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے مرثیہ رشید احمد میں لکھا ہے۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

اس کی زیادہ تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ یہاں عبادلی میں عباد بمعنی پجاری ہے۔ چوتھا اعتراض: من

دون اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کو چھوڑ کو دوسرے کا بندہ بننا شرک ہے لیکن رب کے ساتھ اور کا بندہ بن جانے میں حرج نہیں کیونکہ وہ من دون اللہ نہیں؟ جواب: ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ من دون اللہ میں تجاوز پوشیدہ ہے یعنی رب تعالیٰ سے تجاوز کرتے ہوئے اس کی دو صورتیں ہیں۔ خالص غیر کا بندہ ہونا یا رب تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کا بھی بندہ بننا یہی لا نعبد من دون اللہ کے معنی ہیں۔ پانچواں اعتراض: اسلام نے حضور انور کے نام کو ساری عبادات میں داخل ہی کیوں کیا۔ اور ان کے نام کو رب کے نام سے ملایا ہی کیوں اور صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تعظیم کیوں کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کو اس اعتراض کا موقعہ ملتا تھا کہ مسلمان نبی کو خدا مانتے ہیں۔ جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان مسلمانوں پر نائب خدا اقدس ہیں کہ اسلامی قانون بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور چلانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے قانون بنانے والے کیساتھ قانون چلانے والے کا نام فطرت کے مطابق ہے۔ خیال رکھو کہ قانون چلانے والا اگر کمزور نہ ہو تو قانون طاق کی زینت بنا رہتا ہے۔ لوگوں کی اصلاح نہیں کرتا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے تو قرآن نہ تو کعبہ سے بت نکالتا نہ عرب کے مشرکوں کو مومن و عارف بناتا۔ قرآن کے ذریعہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ دیکھو آج قرآن' حدیث' فقہ سب کچھ موجود ہے مگر عہد فاروقی جیسے مسلمان نظر نہیں آتے کیوں اس لئے کہ اگرچہ قانون بنانے والا رب وہی ہے۔ قرآن وہی ہے مگر قانون چلانے والے فاروق دنیا میں نہیں۔ پھر جب حضرت مسیح و مہدی آئیں گے اور اس قانون کو چلائیں گے تو لوگ پھر عہد فاروقی جیسے ہو جائیں گے۔ ہمارے پاکستان میں ہر سال شب برات پر قانون کا اعلان ہوتا ہے کہ آتشبازی نہ چلائی جائے مگر چلتی ہے لوگ اور مکان جلتے ہیں۔ دو سال سے یعنی 1961ء اور 1962ء سے گجرات میں ہر طرح امن ہے کیونکہ ایک دیندار حاکم رب نے بھیج دیا ہے اے ڈی ایم صاحب خان۔ جس نے آتش بازی سے ہر طرح روک دیا یہ ہے قانون چلانا۔

تفسیر صوفیانہ: اہل حقیقت پر فرض ہے کہ اپنے متبعین اور مریدین کو ربانی بنائیں یعنی حق تعالیٰ کے اخلاق سے موصوف کریں کیونکہ یہ حضرات کتاب اللہ یعنی قرآن شریف کی ظاہری تعلیم بھی دیتے ہیں اور حقیقی درس بھی۔ شیخ کامل وہی ہے جو مرید کے ظاہر و باطن کی اصلاح کرے۔ صرف الفاظ سکھانے پر قناعت نہ کرے۔ کیونکہ علم درخت ہے اور عمل اس کے پھل۔ علم بے عمل اور عمل بغیر علم بے کار ہیں۔ جس علم کو رب تعالیٰ سے تعلق نہ ہو وہ جہل سے بدتر۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دو شخصوں نے میری پیٹھ توڑ دی۔ عالم بے عمل نے اور جاہل باعمل نے۔ کیونکہ بے عمل عالم لوگوں کو علم و علماء سے نفرت دلاتا ہے اور جاہل عامل غلط عمل کے ذریعہ لوگوں کو جہالت کی طرف رغبت دیتا ہے۔ عالم ربانی وہ ہے۔ جو اپنے عمل کے ذریعہ رب تک پہنچ جائے۔ جس کے قلب میں علم کا تخم بویا جائے اور اس کی شاخیں قلب و قالب کی طرف پہنچیں کہ اس کے ہر عضو پر تقویٰ کے آثار نمودار ہو جائیں۔ اور جنہیں دیکھ کر رب یاد آ جائے۔ انہیں کو راسخین فی العلم بھی کہتے ہیں۔ انہیں کے حق میں فرمایا گیا۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا اس زمانہ میں بعض مدعیان ولایت جاہل پیر اور بدعمل عالم وہ ہیں۔ جن کی خواہش نفسانی ان پر غالب ہے اور وقت سے پہلے شیخوخت کے سجادہ اور علم کی پگڑی پر قبضہ کرتے ہیں۔ علماء اور صوفیاء کی کچھ باتیں یاد کر کے لوگوں کو پھانستے پھرتے ہیں۔ گویا انہوں نے تصوف و علم کو انسانی شکار کا جال بنایا۔ ہمیشہ اپنے مریدوں کو پیری کی خدمت کے آداب ہی سکھاتے ہیں کہ پیر کی یوں خدمت کرو اس طرح اس کی دعوت کرو یوں نذرانہ پیش کرو۔ یہ نہیں بتاتے کہ رب تعالیٰ کی عبادت کس طرح کرو۔ اپنے معاملات اس طرح صاف رکھو اپنے میں سے حرام رسمیں اس طرح

دور کرو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے انہیں کے لئے فرمایا۔

طمع کردہ درصید موشاں کوئے　　　ولوم بشوئند چوں گربہ رو
کہ طبل تہی راروو بانگ دور　　　ریاضت کش ازبہر نام و غرور

ایسے لوگ خالی ڈھول ہیں۔ جس کی آواز دور جاتی ہے مگر اندر سے خالی۔ طالبان حق اور اصلان رب گوشہ نشینی کو پسند کرتے ہیں اور خلق سے متنفر رہتے ہیں۔ ماسواء اللہ سے پرہیز اور اللہ کی طلب ان کا شیوہ ہے نہ شہرت کے طالب ہیں نہ مال کے۔ طالب وہ جو خلقت سے بھاگتے ہیں مگر خلقت ان کے پیچھے بھاگتی ہے۔ گویا وہ مرغوب ہیں۔ اور خلق راغب۔ اور جعلی پیر خلقت کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ گویا وہ راغب ہیں اور خلق مرغوب۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

چہ دانی کہ صاحب ولایت خود اوست　　　کسے راکہ نزدیک نفت بداوست
کہ درہا است بہ روئے ایشاں فراز　　　درمعرفت برکسان است باز

(از روح البیان)

حضرات اولیاء مظہر ذات انبیاء ہیں۔ جیسے نبی شرک و کفر کی تعلیم نہیں دے سکتے۔ ایسے ہی ولی ماسواللہ کی تعلیم نہیں دے سکتے۔

دوسری تفسیر: نبوت ولایت سے اعلیٰ ہے۔ اور حضرات انبیاء فنافی التوحید ہیں۔ رب تعالیٰ نے ان کی بشریت کو فنافی الذات کرکے مٹا دیا۔ اور انہیں وجود نورانی حقانی عطا فرمایا جو قابل کتاب و حکمت ہے پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ خلق کو اپنے نفس کی طرف دعوت دیں۔ دعوت نفس تو وہ دے گا۔ جو نفس کے حجاب میں ہو۔ جیسے فرعون اور نمرود وغیرہ۔ جو شخص توحید کے الفاظ یاد کرے اور اس کے ذوق سے بے خبر ہو وہ نبی تو کیا ولی بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ بیان سے عیاں کی طرف منتقل نہیں ہوا۔ اس نے فنا کی لذت چکھی نہیں وہ خود بھی حجاب میں ہے اور اس کا مرید بھی آڑ میں۔ اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ لوگوں میں بد ترین وہ ہے جس پر قیامت قائم ہو۔ حالانکہ وہ زندہ ہو۔ صوفیائے کرام کے نزدیک ربانی وہ ہے جس پر ربوبیت کا غلبہ ہو اس کی بشریت مٹ چکی ہو عالم ہو، عامل ہو، معلم ہو، کتاب اللہ کا تلاوت کرنے والا ہو، عابد ہو، علم و عمل میں ریاضت کرے، اطاعت پر ہیشگی کرے۔ یہاں تک کہ اس کی ظلمت پر نور غالب آجائے وہ اپنے متبعین کو حجاب سے نکال کر نور کی طرف لائے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کی صحبت نصیب فرمائے۔ اس کی صحبت کیمیا ہے جیسے تانبہ کو آگ پر رکھ کر بوٹی کا عرق ڈال کر سونا بنایا جاتا ہے ایسے ہی ان کی بارگاہ کیمیا ہے اور ریاضتیں آگ (از ابن عربی)۔ خیال رہے کہ ربانی عوام کی بھی صفت ہے اور علماء مشائخ کی بھی اگر عوام کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوں گے اللہ والے بننے والے اس طرح کہ ان کی زندگی نفسانی نہ ہو، شیطانی نہ ہو ربانی و رحمانی ہو۔ نفسانی زندگی وہ ہے جو غفلت اور دنیا طلبی میں گزرے ایسا شخص جانور سے بد تر ہے کہ جانور تو زندگی میں بھی اپنے دودھ یا خدمت سے لوگوں کو نفع دیتا ہے اور بعد موت بھی اس کا گوشت پوست ہڈی سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں۔ مگر یہ زندگی میں بھی اللہ کی زمین پلید کرتا رہا بعد موت دو گز زمین گھیر بیٹھا۔ اور شیطانی زندگی وہ ہے جو گناہ و فساد وغیرہ میں گزرے۔ یہ شخص بد ترین مخلوق ہے کہ اشرف الخلق ہو کر ارذل کے کام کر گیا۔ ربانی زندگی وہ ہے جو یار کے منانے اور رب کی رضا میں گزرے۔ یہ زندگی ملائکہ کی زندگی سے افضل ہے اس زندگی کو فنا نہیں وہ ابد تک باقی ہے۔ رب فرماتا ہے بل احیاء ولکن لا تشعرون اور اگر ربانی

علماء و مشائخ کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوں گے لوگوں کو اللہ والا بنانے والے۔ یہ وہ علماء و مشائخ ہیں جن کا علم ان کے دل میں اتر گیا۔ کیونکہ ان کے دلوں میں خوف خدا اور عشق جناب مصطفیٰ کی نرمی تھی۔ نرم زمین میں بویا ہوا بیج ہی پھل پھول لاتا ہے۔ سخت مٹی سے برتن اور ٹھنڈے لوہے سے ہتھیار، سخت و ٹھنڈے سونے سے زیور نہیں۔ مٹی کو پانی سے اور لوہے سونے کو آگ سے نرم کر کے ان سے چیزیں بناتے ہیں۔ ایسے ہی سخت اور ٹھنڈے دل کا کچھ نہیں بنتا۔ جب دل عشق کی آگ سے نرم ہو جائے۔ تو سبحان اللہ عارف و متقی وغیرہ سب کچھ بن جاتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ

اور جب لیا اللہ نے عہد پیغمبروں کا کہ جب دوں میں تم کو کتاب اور حکمت پھر آئے

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا۔ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف

جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ

تمہارے پاس رسول سچا کرنے والا واسطے اس کے جو ساتھ ہے تمہارے البتہ ضرور ایمان لاؤ گے

لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور

ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ

اس پے اور ضرور مدد کرو گے اس کی فرمایا کیا اقرار کیا تم نے اور لیا تم نے اوپر اس کے ذمہ میرا کہا

اس کی مدد کرنا فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے

فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

انہوں نے اقرار کیا ہم نے فرمایا پس گواہ ہو جاؤ اور میں ساتھ تمہارے گواہوں میں سے ہوں پس جو اعراض

عرض کیا ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

کرے بعد اس کے پس یہ لوگ اطاعت سے خارج ہیں ۞

تو جو کوئی اس کے بعد پھرے تو وہی فاسق ہیں ۞

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی توحید اور اس کے دلائل کا ذکر تھا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ارشاد ہو رہے ہیں جو عقیدۂ توحید کے لئے شرط ہے گویا اسلام کے ایک رکن توحید کا پہلے ذکر ہوا۔ اور دوسرا رکن یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ کا اب ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:**

پچھلی آیت میں اہل کتاب کے اس اتہام کی تردید تھی جو انہوں نے پچھلے انبیاء پر لگایا یعنی تعلیم کفر۔ اب بھی اس کی تردید ہے مگر دوسری طرح۔ گویا پہلے فرمایا گیا تھا کہ وہ حضرات نبی تھے اور نبی کفر و شرک کی تعلیم دے سکتے ہی نہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ وہ حضرات میثاق کے دن ہم سے نبی۔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا وعدہ کر گئے ہیں وہ تو ان پیغمبر کی بھی مخالفت نہیں کر سکتے چہ جائیکہ رب تعالیٰ کی مخالفت کریں۔ نیز انبیائے کرام لوگوں کو وہ وعدہ یاد دلانے آتے ہیں۔ تو ناممکن ہے کہ اسے خود بھول جائیں گویا ایک اعتراض کے دو جواب دیئے گئے۔ ایک پچھلی آیت میں اور دوسرا اس آیت میں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ انبیائے کرام لوگوں کو اللہ والا بننے کی تعلیم دیتے تھے اب اس کی دلیل دی جارہی ہے کہ نبیء آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کی تصدیق فرمانے والے ہیں ان کی تعلیم کو دیکھ کر ان حضرات کی تعلیم کا پتہ لگالو اگر وہ حضرات آج بظاہر زندہ ہوتے تو ان رسول کی اسی تعلیم پر ایمان لاتے اور ان کی امداد کرتے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ گزشتہ انبیاء کرام نے لوگوں کو ربانی بننے کا حکم دیا تھا۔ اب ربانی بننے کے طریقہ کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ ربانی بننا ہے تو اس نبی آخر الزمان پر ایمان لاؤ جن پر حضرات انبیاء کرام میثاق کے دن ایمان لاچکے ہیں اور ان کی مدد و نصرت کرو جس کا وعدہ حضرات انبیاء کرام کرچکے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت گزشتہ آیت کی تفصیل ہے۔

تفسیر: **واذا خذ اللہ میثاق النبین۔** **اذ** یا تو اذکر پوشیدہ کا ظرف ہے۔ اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ یا اذکرو پوشیدہ کا اور سب سے خطاب یعنی اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں یاد دلاؤ یا اے اہل کتاب یاد کرو۔ چونکہ توریت و انجیل میں اس عہد کا تفصیلی ذکر تھا۔ اس لئے اہل کتاب کو وہ پڑھا ہوا عہد یاد دلایا گیا۔ یاد کرنا قولی بھی ہوتا ہے عملی بھی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں قولی یاد کرانا مراد ہے۔ بقر عید کے دن قربانی و حج جناب خلیل کی عملی یادگار ہے۔ **میثاق وثوق** سے بنا جو **وثق یثق** کا مصدر ہے بمعنی پختگی اور مضبوط۔ میثاق مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت مضبوط عہد۔ چھ لفظوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ اقرار' دعویٰ' وعدہ' عہد' میثاق' اصر۔ گزشتہ زمانہ کی کسی چیز کو اپنے ذمہ لینے کا نام اقرار ہے اور گزشتہ بات کو دوسرے کے ذمہ لگانا دعویٰ۔ آئندہ زمانہ کے متعلق کسی بات کو اپنے ذمہ لینے کا نام وعدہ ہے۔ پھر اگر یہ معمولی طور پر زبانی کر لیا جائے تو محض وعدہ کہلاتا ہے اور اگر تحریر میں آجائے اور اس پر کچھ پختگی کرلی جائے تو عہد بن جاتا ہے۔ یعنی محفوظ وعدہ اور اگر گواہی و رجسٹری وغیرہ سے اس سے اور زیادہ پختگی کردی جائے جس سے انکار ناممکن ہو جائے تب میثاق ہے اور اگر اس کے خلاف کرنے پر کوئی سزا بھی مقرر کردی جائے کہ اگر میں اس کے خلاف کروں تو فلاں سزا کا مستحق ہوں تب اصر کہا جائے گا۔ یعنی بوجھل وعدہ۔ غرضیکہ وعدہ میں بھول کا احتمال ہے اور عہد میں انکار کی گنجائش کہ معاہد کہہ دے کہ یہ میری تحریر نہیں۔ لیکن میثاق اور اصر میں نہ بھول کا احتمال نہ انکار کی گنجائش یہاں میثاق فرمایا۔ کیونکہ انبیاء کے اس عہد پر سارے فرشتے اور خود پیغمبر ایک دوسرے پر گواہ تھے رب تعالیٰ کی شاہی گواہی بھی اس میں شامل تھی۔ پھر آسمانی کتابوں لوح محفوظ اور قرآن کریم میں اس کی تحریر بھی ہوئی۔ لہٰذا یہ میثاق ہوا نہ کہ محض وعدہ و عہد اور چونکہ اس کی خلاف ورزی کرنے پر سزا بھی تجویز ہو چکی۔ **فمن تولی** لہٰذا یہ اصر بھی ہوا اسی لئے رب تعالیٰ نے اسے میثاق اور اصر فرمایا۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں اس وعدے کو میثاق بھی فرمایا گیا ہے اور اقرار بھی اصر بھی کہ ارشاد ہوا۔ **ءاقررتم** اور فرمایا **واخذتم علی ذلکم اصری** یا تو اقرار بمعنی وعدہ ہے اور یا اپنے ہی معنی میں ہے۔ چونکہ اس کا ذکر رب نے فرمایا۔ اور اس مذکور و معہود کو حضرات انبیاء نے اپنے ذمہ لیا۔

اس لحاظ سے اسے اقرار فرمایا تحقیق یہ ہے کہ النبین سے سارے پیغمبر مراد ہیں نہ کہ بعض پیغمبر اور نہ صرف ان کی امتیں۔ گویا رب تعالیٰ نے سارے پیغمبروں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد و میثاق لیا اور ان سب پیغمبروں کی امتیں بھی تبعاً اس میں داخل ہوگئیں کہ وہ پیغمبر اس عہد میں اپنے اصیل اور امتوں کے نمائندے تھے جیسے نماز کا امام یہی قول حضرت علی و ابن عباس، قتادہ، سدی رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے۔ (خازن کبیر و معانی وغیرہ) اس لئے النبیین جمع اور معرف باللام ارشاد ہوا۔ نبی رسول اور مرسل دونوں سے عام ہے۔ نبیوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ مرسلین کی تعداد چار۔ نبی میں رسول و مرسل بھی شامل ہیں لہٰذا میثاق کی اضافت اپنے مفعول کی طرف ہے اس صورت میں آیت بلا تاویل و توجیہ درست ہے اور اس پر جو سوال و جواب کئے گئے۔ انشاء اللہ العزیز ہم اعتراض و جواب میں عرض کریں گے۔ اس کے علاوہ اس کی دیگر تفاسیر بھی ہیں۔ چنانچہ سعید ابن جبیر، حسن اور طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ یہ میثاق سارے پیغمبروں کا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں۔ یعنی ہر ایک سے کہا گیا کہ اگر تم کسی کا زمانہ پاؤ تو ایمان لانا۔ اس قول کی بنا پر آیت میں بہت تاویلیں کرنی پڑیں گی۔ بعض نے فرمایا کہ میثاق کی اضافت فاعل کی طرف ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے امتوں سے پیغمبروں کا عہد لیا۔ یعنی ان کے بارے میں عہد لیا گیا کہ اے لوگو تم ان پر ایمان لانا۔ یہ تفسیر بھی نہایت بعید ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں نبین سے پہلے امم یا اولاد پوشیدہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے نبیوں کی امت اور ان کی اولاد یعنی بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ یہ بھی بہت بعید تفسیر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں نبین سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ چونکہ وہ اپنے آپ کو نبوت کا مستحق سمجھتے تھے اس لئے بطور طعن انہیں نبی فرمادیا گیا۔ یہ اور زیادہ بعید تفسیر ہے (معانی و خازن و کبیر) مگر تفسیر اول نہایت قوی ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں کوئی نبی نہ آیا۔ مگر رب تعالیٰ نے ان سے حضور علیہ السلام پر ایمان لانے کا عہد لیا۔ پھر ان پیغمبر نے اپنی قوم سے عہد لیا کہ اگر تم ان کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لانا اور ان کی خدمت کرنا (خازن و معانی) جمہور مفسرین اسی طرف گئے ہیں۔ **لما اتیتکم من کتب و حکمۃ** یہ میثاق کی تفصیل ہے ہماری قراءت میں لما لام اور میم کی فتح سے ہے لام توطیہ کا ہے اور ما یا موصولہ کا ہے اور اتیتکم اس کا صلہ۔ سب مل کر مبتداء اور لتؤمنن یہ خبر یا ما شرطیہ ہے اور اتیتکم شرط اور لتؤمنن بہ جزا یا لما بمعنی لما ہے اس کا نہایت نفیس ترجمہ وہ ہے جو اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ ایک قراءت میں لما ہے لام کے فتح اور میم کے تشدید سے۔ اس صورت میں یہ جملہ لتؤمنن کی علت ہے کتاب سے آسمانی کتاب اور سارے صحیفے مراد ہیں۔ خواہ بالواسطہ ملے ہوں یا بلاواسطہ کیونکہ سارے پیغمبروں کو بلاواسطہ کتاب نہیں ملی۔ اور حکمت سے یا کتاب کا علم مراد ہے یا دیگر وحی یا حرام و حلال کے مسائل من کتاب میں یا من تبعیضیہ ہے یا بیانیہ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یاد دلاؤ یا اہل کتاب تم توریت و انجیل میں پڑھے ہوئے اس واقعہ کو بھی یاد کرلو کہ جب رب تعالیٰ نے پیغمبروں سے ایک پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں اپنی کتاب اور اپنا علم خاص عطا فرماؤں۔ **ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم** ثم عاطفہ اور یہ جملہ اتیتکم پر معطوف ہے۔ جاء کم سے مراد جاء بمعنی زمانکم ہے رسول کی تنوین عظمت کی ہے اور اس سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ عظیم الشان نبی اور ساری خلقت کے مطلق رسول حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ نیز قرآن کریم میں جہاں رسول بغیر قید کے ارشاد ہوتا ہے۔ وہاں حضور علیہ السلام ہی مراد ہوتے ہیں۔ جیسے **لقد جاء کم رسول** یا **اطیعوا اللہ واطیعو الرسول** یا **فامنو باللہ ورسولہ** نیز وہ حضرات انبیاء کرام مختلف ملکوں

مختلف خاندانوں میں آئے ان سب پر اسی رسول کی اعانت و مدد لازم ہے جو سب انسانوں کا نبی و رسول ہو' وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دیگر انبیاء کرام خاص ملکوں خاص قوموں کے رسول ہوتے تھے۔ سارے نبیوں پر ان کی اطاعت کیونکر لازم ہو سکتی ہے۔ نیز تمام کتابوں نبیوں کی تصدیق کرنا کسی نبی کی بشارت نہ دینا صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔ دیگر انبیاء مصدق بھی تھے مبشر بھی ان چار پانچ وجہوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے یہ عہد و پیمان لیا۔ کم میں خطاب بلاواسطہ پیغمبروں سے ہے اور بالواسطہ ان کی امتوں سے۔ مصدق رسول کی صفت ہے یہ تصدیق سے بنا بمعنی سچا کہنا اور سچا کہلوانا۔ یہاں تینوں معنی درست ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری کتابوں کو سچا فرمایا۔ یہاں تک کہ ان سب پر ایمان لانا لازم کر دیا اور سب کو سچا کر بھی دیا کیونکہ سب کتابوں نے حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی کی تھی۔ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے وہ سب سچی ہو گئیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی تمام کتابوں کو مخلوق سے سچا کہلوایا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کتب کا ذکر نہ کرتے تو کوئی آج جاننا پہچاننا بھی نہیں۔ **لما معکم** کلام صلہ کا ہے اور ما موصولہ اور معکم اس کا صلہ ہے ما سے مراد انبیائے کرام کی کتابیں ہیں۔ یعنی پھر اے پیغمبرو تمہارے زمانہ میں وہ رسول مطلق حبیب مختار جناب مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں جن کی نبوت نہ زمانہ سے مقید ہے نہ جگہ سے نہ کسی قوم سے۔ ساری خلقت کے رسول فرش و عرش پر ان کا سکہ جاری جنکی صفت یہ ہے کہ وہ تمہاری تمام کتابوں کو سچا کر دکھائیں گے کیونکہ وہ سب کے بعد ہوں گے سب کی تصدیق وہی کر سکتا ہے جو سب کے بعد ہو۔ خیال رہے کہ اگلا پیغمبر پچھلوں کی بشارت دیگا اور پچھلا نبی اگلوں کی تصدیق کریگا۔ آدم علیہ السلام سب کے مبشر ہیں کسی نبی کے مصدق نہیں کیونکہ ان سے پہلے کوئی نبی گزرا ہی نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے مصدق ہیں۔ مبشر کسی کے نہیں اور درمیان کے پیغمبر اگلوں کے مصدق اور پچھلوں کے مبشر ہوئے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** سب کی تصدیق حضور علیہ السلام ہی کی صفت ہے۔ اس جملہ نے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کی تائید کی۔ **لما معکم** سے مراد ان حضرات کی کتابیں اور معجزات و صفات وغیرہ سب ہی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب ہی کی تصدیق فرمائی اس لئے **لما معکم** ارشاد ہوا کتبکم نہ فرمایا۔ **لتومنن بہ و لتنصرنہ** لام قسم کا ہے یہاں واللہ پوشیدہ ہے اور ایمان سے اصطلاحی ایمان مراد ہے جو امت کا نبی پر ہوتا ہے۔ (کبیر) اور جو دنیا میں آکر اختیار کیا جاتا ہے جو مدار نجات ہے ورنہ میثاق ایمان جسے فطری ایمان بھی کہتے ہیں یہ تو ان حضرات کو وہاں ہی میسر ہو گیا تھا بلکہ سارے انسانوں کو رب کی توحید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر وہاں ایمان دے دیا گیا تھا اسی میثاق ایمان پر بچہ پیدا ہوتا ہے **لتنصرنہ** سے ان کی خدمت' اطاعت اور مدد مراد ہے یعنی تم تمام حضرات باوجود پیغمبر ہونے کے ان کا کلمہ پڑھنا ان پر ایمان لے آنا۔ اور ان کو اپنا پیغمبر تسلیم کر کے اپنے کو ان کا امتی مان لینا اور ہر طرح ان کی اطاعت اور ان کی مدد کرنا۔ اب انبیائے کرام کے جواب کا موقعہ تھا۔ مگر انہیں موقعہ نہ دیتے ہوئے خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ **قال ء اقررتم و اخذتم علی ذالکم اصری۔ اقرار قر** سے بنا بمعنی ثبوت اور لزوم۔ اسی لئے ٹھہر جانے کو قرار کہا جاتا ہے اور اپنی جگہ دوسرے کو ٹھہرانے کو اقرار۔ چونکہ اس سے کسی چیز کو اپنے پر لازم کیا جاتا ہے۔ اس لئے اسے اقرار کہتے ہیں (کبیر) حقیقتاً گزشتہ کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی آئندہ کے لئے بھی بمعنی معاہدہ یہاں دوسرے معنی میں ہے۔ **اخذتم** بمعنی قبلتم ہے قرآن کریم میں بہت جگہ اخذ بمعنی قبول آیا ہے۔ **لا یوخذ منھا عدل**

یعنی لا یقبل اور فرمایا ویاخذ الصدقات یعنی رب تعالیٰ صدقے قبول فرماتا ہے۔ ذالکم سے اسی عہد کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ یہ ہر نبی کے حق میں مستقل عہد تھا اس لئے ذالکم بطریقہ جمع فرمایا گیا۔ اصری تحقیق پہلے تو البقرہ کے آخر میں ولا تحمل علینا اصرا کی تفسیر میں ہو چکی کہ اس کے معنی بوجھ اور ثقل ہیں تاکیدی عہد کو اس لئے اصر کہتے ہیں کہ وہ معاہد پر ایک بوجھ ہوتا ہے کہ اس کے توڑنے پر سزا مرتب ہوتی ہے۔ یعنی رب تعالیٰ نے فرمایا۔ اے گروہ انبیاء فرماؤ کیا تم نے اس کا اقرار کیا اور میرے اس بوجھل عہد کو قبول کیا۔ قالوا اقررنا حضرات انبیاء کرام نے اس عہد کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے صرف بلیٰ نہ کہا بلکہ اقررنا کہا۔ یعنی ان سب نے عرض کیا اے مولیٰ ہم نے اقرار کرلیا ہم اس معاہدہ کی ضرور پابندی کریں گے۔ معمولی چیزوں کا اقرار بلکہ ایجاب و قبول صرف ہاں کہہ دینے بلکہ کبھی خاموش رہ جانے سے بھی ہو جاتا ہے مگر بہت اہم و ضروری چیز کا اعتراف ان چیزوں سے نہیں ہوتا وہاں اقرار یا قبول کے صریحی الفاظ بولنا پڑتے ہیں۔ خرید و فروخت میں ہاں کہہ دینا کافی ہے۔ بلکہ فقط لین دین سے بھی ہو جاتی ہے جسے بیع تعاطی کہتے ہیں مگر نکاح کے قبول کے لئے قبلت کہنا لازم ہے۔ توحید کے اقرار سے نبوت کا اقرار زیادہ اہم تھا۔ اس لئے توحید کے لئے بلیٰ کہنا کافی ہو۔ مگر یہاں اقررنا کہلوایا گیا۔ نیز قالوا جمع فرما کر بتایا گیا کہ صرف ایک دو نبی نے دوسروں کا نمائندہ بن کر سب کی طرف سے یہ نہ کہا بلکہ سب نے صراحۃً خود کہا وکالۃً نہ کہا اور سجدہ ملائکہ کی طرح سب انبیاء نے بیک وقت یہ عرض کیا غرضیکہ قالوا جمع فرمانے میں عجیب راز ہیں۔ صرف اسی پر کفایت نہ فرمائی۔ بلکہ ارشاد ہوا قال فاشھدوا ظاہر یہ ہے کہ یہ پیغمبروں سے خطاب ہے۔ اور اشھدوا سے بعض کا بعض پر گواہ بن جانا مراد ہے کہ آدم علیہ السلام نوح علیہ السلام پر گواہ بنیں اور نوح علیہ السلام آدم علیہ السلام کے وغیرہ وغیرہ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اشھدوا میں سارے فرشتوں سے خطاب ہے۔ یعنی اے فرشتو تم اس اقرار پر گواہ رہو۔ بعض نے فرمایا کہ اس میں خطاب تو پیغمبروں سے ہی ہے۔ مگر شہادت سے مراد گواہی دینا ہے۔ نہ کہ گواہ بننا یعنی اے پیغمبرو تم دنیا میں اپنی امتوں کے سامنے اس عہد کی گواہی دو اور انہیں خبر پہنچاؤ تاکہ کسی کو بے خبری کا عذر نہ رہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے ہر نبی کا اپنے نفس پر گواہ بننا مراد ہے۔ یعنی ہر ایک اپنے پر گواہ رہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ واشھدھم علی انفسھم اور فرماتا ہے قالوا بلی شھدنا علی انفسنا یہ ایک قسم کا مبالغہ ہے بعض نے فرمایا کہ اشھدوا شہود سے بنا بمعنی یقین یعنی اس پر یقین کرلو جیسے معائنہ اور مشاہدہ کی ہوئی چیز پر یقین ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر) پھر اس پر بھی بس نہیں بلکہ وانا معکم من الشھدین میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ایک گواہ ہوں۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کی گواہی اس واقعہ پر ہوئی اور رب تعالیٰ کی گواہی اس گواہی پر۔ یعنی میں تمہاری گواہی پر گواہ ہوں یہ گواہی ایسی تھی جیسے شہنشاہ ایک واقعہ کو دیکھے اس پر گواہ بن جائے کہ وہ حاکم بھی ہے اور گواہ بھی فمن تولی بعد ذالک یہ میثاق کا نتیجہ ہے ظاہر یہ ہے کہ من سے مراد عہد و پیمان کرنے والے انبیاء کرام ہیں۔ تب یہ مطلب ہے کہ حضرات انبیاء عبدیت کی اعلیٰ منزل پر ہیں۔ جس کے بعد الوہیت ہی ہے۔ پھر ان میں بعض کو خصوصی صفات بخشی گئیں کسی کو خلت کسی کو کلیمی وغیرہ اور کفار انتہائی پستی میں کہ جانوروں سے بدتر ہیں اگر بفرض محال ان اعلیٰ درجہ والوں میں سے کوئی اس نبی آخر الزمان کی اطاعت سے منہ موڑے گا تو انتہائی پستی میں پہنچے گا۔ نبوت 'ولایت 'صحابیت 'تقویٰ 'ایمان 'سب سے نیچے ہو گا۔ یہ فرضی گفتگو ہے اور ہم کو بتانا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے نہ کوئی سید رہ سکتا ہے نہ عالم نہ پیر نہ صوفی نہ مسلمان۔ جب حضرات انبیاء اس مخالفت سے کچھ نہیں رہتے تو تم کس شمار میں ہو اور ہو سکتا ہے کہ من سے مراد ساری مخلوق

ہو۔ انسان ہوں' یا جن' یا فرشتے۔ تو یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کی نبوت ایسی عام ہو گی کہ کوئی ان کی اطاعت سے باہر نہیں ہو سکتا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد لیا گیا۔ کیونکہ حضور ہی کی نبوت عام ہے۔ **تولی** کے معنی بارہا بیان ہو چکے۔ **ذالک** سے اسی میثاق کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ عہد دینے کے بعد یا یہ عہد سننے کے بعد۔ پہلی صورت میں روئے سخن حضرات انبیاء سے ہے۔ دوسری صورت میں سارے بندوں سے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے اس میثاق کو تین تاکیدوں سے مضبوط کیا۔ (1) تمام کو گواہ بنانا۔ (2) پھر خود اپنی گواہی قائم فرمانا۔ (3) پھر اس کی مخالفت پر سزا مقرر کرنا تو گویا یہ میثاق کی تیسری تاکید ہے۔ **فاولئک هم الفاسقون** یہ **من تولی** کی جزا ہے چونکہ من سے جماعت مراد تھی۔ لہٰذا **اولئک** جمع سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا **هم** سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ **فاسقون** فسق سے بنا بمعنی نکل جانا۔ تقویٰ و پرہیزگاری سے نکلنے کو بھی فسق کہتے ہیں اور اسلام سے نکل جانے کو بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں کیونکہ پیغمبر کا انکار کفر ہے یعنی اس عہد و میثاق و گواہی شاہدی کے بعد جو کوئی اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے منہ پھیرے گا وہ کافر ہے۔ خیال رہے کہ سزا مقرر کرنے سے صرف میثاق کا اہتمام مقصود ہے ورنہ انبیائے کرام شرک و کفر سے معصوم ہیں یہ ایسا ہی فرض ہے جیسے **لئن اشرکت لیحبطن عملک** (تفسیر روح المعانی) اور اگر من سے خطاب بندوں سے ہو تو بظاہر معنی مراد ہیں اور اس صورت میں تولی کی تین صورتیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے اپنے کو باہر جاننا یہ دونوں صورتیں کفر ہیں۔ تیسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل نہ کرنا اپنے کو گناہ گار ماننا یہ فسق عمل ہے۔ جو قابل معافی ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے پہلے تو حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرایا پھر انہیں جنت میں رکھا وہاں ہی حضرت حوا کی پیدائش ہوئی پھر ان دونوں بزرگوں کو زمین پر بھیجا۔ پھر تین سو برس کی جدائی کے بعد ان دونوں کو مقام عرفات میں ملایا۔ واقعہ یہ ہوا کہ رب تعالیٰ نے انسان سے تین عہد لئے ایک اپنی ربوبیت کا جو سب سے لیا گیا۔ جس کا ذکر **الست بربکم قالوا بلی** میں فرمایا گیا۔ دوسرا اظہار دین کا جو خاص علماء اہل کتاب سے لیا گیا۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے **واذ اخذ الله ميثاق الذين اوتوا الكتب لتبيننه للناس ولا تكتمونه** تیسرا عہد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی خدمت و اطاعت کرنے کا جو بلا واسطہ سارے نبیوں سے اور بالواسطہ ان کی امتوں سے لیا گیا۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ چوتھا عہد سارے انبیاء کرام سے لیا گیا۔ جس میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں وہ تھا تبلیغ دین اور ہدایت خلق کا جس کا ذکر اس آیت میں ہے **ومنك ومن نوح** یہ چار عہد ہیں جن میں عہد کرنے والے مختلف۔ غرضیکہ یہ عہد بھی عہد ربوبیت کی طرح عام تھا مگر انبیاء سے بلا واسطہ اور ان کی امتوں سے بالواسطہ کہ آدم علیہ السلام کو جنت سے ہندوستان کو لمبو کے پہاڑ سرانديپ پر اتار گیا۔ اور حضرت حوا کو جدہ میں۔ تین سو سال تک ان میں جدائی رہی۔ اور آدم علیہ السلام معافی کے لئے گریہ زاری فرماتے رہے۔ پھر حضور علیہ السلام کے نام کی برکت سے توبہ قبول ہوئی۔ اور عرفات میں حضرت حوا سے ملاقات کی۔ پھر نعمان پہاڑ پر آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام روحوں کو نکالا گیا۔ جو باریک چیونٹیوں کی شکل میں تھیں۔ کفار کی روحیں سیاہ مسلمانوں کی سفید اور انبیائے کرام کی ارواح روشن تھیں۔ ان سے یہ عہد لئے گئے جن میں تیسرا عہد وہ تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اہل کتاب کو انہیں کا وہ عہد میثاق یاد دلادو۔ جس کا ذکر توریت و انجیل میں ہے تا

کہ انہیں عبرت حاصل ہو۔ اور ان کے دلوں میں آپ کی عظمت پیدا ہو وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے سارے پیغمبروں سے خواہ وہ محض نبی ہوں یا رسول یا مرسل بھی۔ سب کے سامنے یہ عہد لیا کہ اے گروہ انبیاء جب میں تمہیں دنیا میں بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنی کتاب یا صحیفہ اور اپنا علم و حکمت عطا فرماؤں۔ تمہیں تمغہ ءنبوت سے سرفرازی بخشوں' پھر اسی حال میں جب کہ تمہاری نبوت کا آفتاب خوب چمک رہا ہو۔ اور تمہارا کلمہ پڑھا جا رہا ہو۔ تمہارے نام کے ڈنکے بج رہے ہوں' وہ پچھلا پیغمبر دعائے خلیل اور بشارت مسیح۔ ساری خلقت کا ہادی عرش و فرش کا بادشاہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس تشریف لے آئے تو تم ان کا کلمہ پڑھ کر ان پر ایمان لانا اور ہر طرح ان کی امداد کرنا' اور اعانت کرنا' بولو کیا اقرار کرتے ہو اور اس بھاری ذمہ کو اٹھاتے ہو۔ تمہیں یہ بات منظور ہوگی سب نے عرض کیا اے مولیٰ ہم سب کو اس کا اقرار ہے' تجھ سے عہد کرتے ہیں اور اس کی پابندی کریں گے۔ فرمایا اچھا تم سب ایک دوسرے پر گواہ بن جاؤ۔ صرف تمہاری گواہی پر ہی بس نہیں۔ بلکہ ہماری شاہی گواہی بھی اس میں شامل ہے ہم بھی تمہارے ساتھ گواہ ہیں۔ خیال رہے کہ جو کوئی اس عہد و پیمان کے بعد اس نبی پر ایمان لانے سے منہ موڑے گا وہ کافر ہوگا۔

فضیلت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے سردار ہیں اس کے بیشمار دلائل ہیں۔ جن میں سے بطور اختصار کچھ عرض کیے جاتے ہیں۔ (1) یہی آیت کریمہ جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے بھی نبی ہیں اور سارے پیغمبر آپ کے امتی۔ سب سے آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا۔ اور عہد بھی نہایت پختگی سے کہ عہد ربوبیت میں صرف **الست بربکم قالوا بلی** پر کفایت ہوئی۔ مگر یہاں بجائے بلی کے اقررنا کہلوایا۔ سب کو اس پر گواہ بنایا۔ رب تعالیٰ نے اپنی شاہی گواہی کو بھی شامل فرمایا پھر اس کی مخالفت پر سزا مقرر فرمائی۔ (2) **کنتم خیر امۃ اخرجت للناس** اس آیت سے معلوم ہوا کہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام امتوں سے افضل ہے اور ظاہر ہے کہ امت کی افضلیت اس کے پیغمبر کی افضلیت سے ہوگی۔ (3) **ینساء النبی لستن کا حد من النساء** جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات جہاں بھر کی عورتوں سے افضل ہیں۔ (4) **ولکن رسول اللہ وخاتم النبین** اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام آخری نبی اور آپ کا دین غیر منسوخ ہے اور ظاہر ہے کہ باقی فانی سے افضل ہے لہٰذا اسلام دیگر ادیان سے بہتر اور یہ بہتری حضور علیہ السلام کی برکت سے ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام دین والے پیغمبروں سے افضل۔ (5) **مصدق لما معکم** اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے ذریعہ تمام کتابیں سچی ہوئیں۔ لہٰذا ساری کتابیں اور کتاب والے حضور علیہ السلام کے حاجت مند ہوئے اور حاجت والے سے وہ افضل ہے جس کی طرف حاجت ہو۔ (6) **ربنا وابعث فیھم رسولا** (7) **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام دعائے خلیل اور بشارت مسیح ہیں گویا وہ حضرات داعی ہیں اور آپ مدعی' وہ حضرات اسناد ہیں اور حضور علیہ السلام متن۔ وہ حضرات مبشر ہیں اور حضور علیہ السلام اصل بشارت۔ وہ حضرات چمن ہیں اور حضور علیہ السلام پھول' وہ حضرات طفیلی ہیں اور حضور علیہ السلام مقصود۔ وہ

سب براتی ہیں اور حضور دولہا (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ظاہر ہے کہ پھول درخت سے افضل۔ دولہا براتیوں سے اعلیٰ اور متن سے بڑھ کر۔ اسناد مبدا ہے اور متن اس کی انتہا۔ (8) **سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا** (9) **ما زاغ البصر وما طغی** ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے معراج دی اور اپنے دیدار سے سرفراز فرمایا اور ظاہر ہے کہ یہ درجہ اور کسی پیغمبر کو نہ ملا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب سے بڑھ کر قرب والے ہیں۔ (10) **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** رب تعالیٰ نے ان تمام باتوں کا اعلان فرمادیا جو طور پر موسیٰ علیہ السلام سے فرمائیں **وما تلک بیمینک یموسی** مگر اس کلام کو صیغہ راز میں رکھا جو معراج میں اپنے حبیب علیہ السلام سے فرمایا۔ **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** ہم نے اپنے اس بندہ خاص کو اس وقت جو وحی کی تمہیں کیوں بتائیں۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام صاحب اسرار ہیں اور ظاہر ہے کہ اندرونی دوست بیرونی دوستوں سے افضل ہے۔ (11) **یا یھا النبی** (12) **یا یھا الرسل** (14) **یا یھا المدثر** ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو نام پاک سے کہیں نہ پکارا۔ بلکہ آپ کے پیارے اوصاف سے۔ دیگر پیغمبروں کو ان کے نام سے پکارا گیا۔ **وما تلک بیمینک یموسی۔ یعیسی انی متوفیک۔ وقلنا یا ادم اسکن** وغیرہ اور بجائے نام شریف کے خطابات سے پکارنا کہ اے غیب کی خبریں دینے والے اے ہمارے خاص پیغمبر اے چادر اوڑھنے والے اے کپڑے پہننے والے وغیرہ دلیل محبوبیت ہے۔ (15) **لیکون للعالمین نذیرا** (16) **قل یا یھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا** (17) **وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا** ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالم کے پیغمبر ہیں اور سب پر آپ کی اطاعت واجب۔ یوں سمجھو کہ آدم علیہ السلام کی نبوت سے حضور علیہ السلام کی نبوت زیادہ عام ہے کہ وہ صرف انسان کے لئے ہے اور یہ ہر ماسوی اللہ کے لئے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا رقبہ سلطنت وسیع ہے اور ظاہر ہے کہ بڑی سلطنت کا مالک بڑا بادشاہ ہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہیں۔ خیال رہے کہ عالمین اور ناس میں انبیائے کرام بھی داخل ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ خضر و ادریس والیاس علیہم السلام جو اب تک زندہ ہیں سب حضور علیہ السلام پر ایمان لائے بلکہ مفسرین فرماتے ہیں کہ بیعت رضوان میں خضر علیہ السلام نے بھی حضور علیہ السلام سے بیعت کی (روح البیان) بلکہ اگر وفات یافتہ پیغمبر بھی اس میں داخل ہوں تو کوئی بعید نہیں کہ ان حضرات نے اپنی قبروں میں حضور علیہ السلام کا کلمہ پڑھا ہو۔ چنانچہ حجتہ الوداع میں بہت سے پیغمبروں نے حج کیا۔ معراج کی رات سارے پیغمبروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے نماز پڑھی اور ظاہر ہے کہ یہ نماز و حج اسلامی تھے لہذا وہ سب حضرات حضور علیہ السلام کے پیروکار ہوئے۔ (18) **وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** (19) **ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ** (20) **ید اللہ فوق ایدیھم** ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا فعل رب تعالیٰ کا فعل ہے۔ حضور علیہ السلام سے بیعت رب تعالیٰ سے بیعت۔ حضور علیہ السلام کا ہاتھ رب تعالیٰ کا دست قدرت اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے۔ جب حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ سے قرب خاص حاصل ہو۔ (21) **عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مقام محمود صرف حضور علیہ السلام کے لئے ہے۔ جہاں سب اولین و آخرین حضور علیہ السلام کی حمد و ثنا کریں گے۔ (22) **ورفعنا لک ذکرک۔ لک** سے معلوم ہوا کہ یہ بلندی ذکر حضور علیہ السلام سے خاص ہے کہ رب تعالیٰ کے نام کے ساتھ حضور علیہ السلام کا نام ہے عرش و فرش جنت و طوبیٰ میں آپ کا چرچا ہے۔ بہت انحصار کے ساتھ بائیس آیتیں پیش کی گئیں۔

ورنہ حضور علیہ السلام کی افضلیت مطلقہ بہت آیتوں سے ثابت ہے تعجب ہے: کہ حضرت مولانا ملا احمد جیون رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کی کوئی صریح آیت نہ ملی۔ جیسا کہ وہ اس جگہ فرماتے ہیں۔

احادیث: حضور علیہ السلام کی افضلیت کی بے شمار احادیث ہیں جن میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔(1) حضور علیہ السلام اولاد آدم کے سردار ہیں۔ قیامت میں اول حضور علیہ السلام کی ہی قبر انور کھلے گی پہلے شفیع حضور ہی ہیں۔(مسلم و مشکوٰۃ باب فضائل سید الانبیاء)۔(2) حضور علیہ السلام کی امت تمام امتوں سے زیادہ ہے اور جنت میں سب سے پہلے حضور ہی تشریف لے جائیں گے (مسلم)۔(3) حضور علیہ السلام کے لئے غنیمتیں حلال ہوئیں۔ تمام روئے زمین آپ کی مسجد بنائی گئی۔ حضور علیہ السلام ساری خلق کے نبی ہیں۔ حضور خاتم الانبیاء ہیں۔(مسلم)(4) فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ہمیں خزائن زمین کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں۔(مسلم و بخاری)(5) حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام روح و جسم کے درمیان تھے۔(ترمذی و مشکوٰۃ)(6) فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا ہمارے ہاتھ لواء الحمد ہو گا کہ اس جھنڈے کے نیچے آدم و اولاد آدم ہوں گے۔(ترمذی)(7) فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔ موسیٰ کلیم اللہ ہیں۔ عیسیٰ روح اللہ ہیں۔ آدم صفی اللہ ہیں (علیہم السلام) مگر ہم حبیب اللہ ہیں۔ ہم شفیع المذنبین ہیں ہم ہی جنت کا دروازہ کھلوائیں گے ہم اللہ کے نزدیک سارے اولین و آخرین سے افضل ہیں۔(ترمذی، دارمی و مشکوٰۃ) اس کی شرح مرقات میں ہے کہ خلیل مرید ہے حبیب مراد، خلیل سالک ہے۔ حبیب مجذوب، خلیل طالب، حبیب مطلوب، خلیل وہ جو رب کی رضا چاہے حبیب وہ کہ رب اس کی رضا چاہے۔ خلیل وہ ہے جسے مغفرت کی امید ہو حبیب وہ جس کی مغفرت درجہ یقینی میں ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ **والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین** حبیب کے لئے فرمایا گیا **لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک** اس لئے فرمایا گیا کہ ابراہیم خلیل ہیں اور ہم حبیب (مرقات)۔(8) حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب لوگ اٹھیں گے تو سب سے اول ہم ہوں گے، جب چلیں گے تو سب کے پیشوا ہم ہوں گے، جب سب خاموش ہوں گے اس دن کنجیاں اور حمد کا جھنڈا ہمارے ہاتھ میں ہو گا۔(ترمذی و دارمی)۔(9) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو سارے انبیاء اور سارے آسمان والوں پر بزرگی دی (دارمی)۔(10) عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ توریت میں حضور علیہ السلام کی صفت موجود ہے اور وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ دفن ہوں گے۔ عقل کا تقاضا بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات انبیاء سے افضل ہوں کیونکہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبیوں سے عہد و پیمان لئے۔ اس سجدہ اور اس میثاق میں کئی طرح فرق ہے ایک یہ کہ سجدہ صرف فرشتوں نے کیا یہ عہد و پیمان نبیوں نے کیا۔ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں دوسرے یہ کہ سجدہ عمل تھا اور یہ میثاق عقیدہ۔ عمل سے عقیدہ اعلیٰ ہے۔ تیسرے یہ کہ سجدہ ایک وقتی چیز تھی اور یہ عہد و میثاق دائمی چیز اس لئے فرشتے آدم علیہ السلام کے امتی نہ بن گئے مگر تمام انبیاء حضور کے امتی بن گئے۔ بعض تو بلاواسطہ جیسے حضرت خضر و الیاس و عیسیٰ علیہم السلام اور بعض بالواسطہ جیسے دوسرے انبیائے کرام کہ ان بزرگوں نے معراج کی رات حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی یہ لتؤمنن کی عملی تفسیر تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے پچاس نمازوں کی پانچ کرا دیں یہ نصرت و مدد کی عملی تفسیر ہے۔ مسجود الیہ ساجد کا نبی نہیں ہو جاتا کعبہ ہمارا مسجود الیہ ہے۔ حضرت یوسف جناب یعقوب علیہ السلام کے

مسجود لہ تھے مگر نہ کعبہ ہمارا نبی ہے نہ یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے نبی بن گئے۔ نیز آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام خلق سے درود بھجوایا۔ بلکہ رب تعالیٰ بھی اس درود بھیجنے والوں میں شریک ہے یہ درود اس سجدے سے افضل ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: رب تعالیٰ نے سارے نبیوں سے حضور علیہ السلام کا عہد لیا کہ حضور کو پائیں تو ان پر ایمان لائیں نہ کہ حضور علیہ السلام سے کسی اور کا۔ اس کے چند دلائل ہیں۔ (1) قرآن کریم میں جہاں کہیں رسول بغیر قرینہ اور بغیر قید آتا ہے اس سے حضور علیہ السلام ہی مراد ہوتے ہیں۔ جیسے **لقد جاء کم رسول یا ا فبعث فیھم رسولا** وغیرہ یہاں چونکہ رسول بغیر قرینہ ہے اس لئے حضور علیہ السلام ہی مراد ہیں۔ (2) اس آیت میں رسول کی صفت بیان کی کہ وہ ساری کتابوں کی تصدیق کریں گے۔ یہ صرف حضور علیہ السلام ہی کی صفت ہے کیونکہ کسی پیغمبر نے ساری کتابوں کی تصدیق نہ کی۔ جگہ جگہ حضور علیہ السلام کے لئے فرمایا گیا۔ **مصدق لما معکم** (3) نبیوں پر واجب نہ تھا کہ اپنے ہم زمانہ پیغمبروں پر ایمان لائیں اور ان کے امتی بن جائیں۔ دیکھو حضرت موسیٰ ہارون ہم زمانہ ہیں حضرت ابراہیم و لوط و اسماعیل و اسحاق ہم زمانہ ہیں۔ ایسے ہی حضرت یحیٰی و عیسیٰ ہم زمانہ ہیں (علیہم السلام)۔ ان میں سے کوئی کسی پر ایمان نہ لایا۔ بلکہ بعض بادشاہ ہوئے اور بعض وزیر۔ حضور علیہ السلام ہی کی صفت ہے کہ جو نبی آپ کا زمانہ پائے آپ کا امتی بن جائے جیسا کہ **لتو منن بہ** سے معلوم ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت خضر نہ تو موسیٰ علیہ السلام کے امتی بنے نہ آپ کے مطیع۔ بلکہ آپ سے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے اور پھر آپ نے جتنے کام کئے وہ شریعت موسوی کے خلاف تھے۔ جیسے کشتی توڑنا بے قصور بچہ کو ہلاک کر دینا وغیرہ اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شریعت کے مطابق آپ پر اعتراض کئے تو آپ نے رخصت تو فرمادیا مگر دین موسوی کی پیروی نہ کی مگر اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہیں۔ بیعت رضوان میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کر گئے ہیں۔ (4) اگر ہر نبی کا اپنے ہم زمانہ نبی پر ایمان لانا واجب ہوتا تو دور لازم آتا اس لئے کہ پھر ابراہیم علیہ السلام تو لوط علیہ السلام کے امتی بنتے اور لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے وغیرہ اور یہ باطل ہے لہٰذا ضروری ہے کہ یہ عہد حضور علیہ السلام کے متعلق لیا گیا ہو کہ حضور مطاع ہیں اور سب مطیع (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام سب پیغمبروں کے مصدق ہیں کسی کے مبشر نہیں جیسا کہ **مصدق لما معکم** سے معلوم ہوا اور بظاہر ہے کہ تصدیق کرنے والے مصدقین کے بعد ہوتا ہے اگر حضور علیہ السلام کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا ہوتا تو حضور علیہ السلام اس کے مصدق نہ ہوتے مبشر ہوتے پھر دیگر انبیاء میں اور حضور علیہ السلام میں کیا فرق ہوتا۔ تیسرا فائدہ: ہندوستان اصل میں اسلام ستان ہے کہ پہلے پیغمبر یعنی آدم علیہ السلام ہندوستان ہی میں اترے۔ اب بھی حضرت شیث ابن آدم علیہ السلام کا مزار شریف اجودھیا ضلع فیض آباد میں موجود ہے۔ میں نے خود زیارت کی اور تاریخ اجودھیا میں اس قبر کا تاریخی ثبوت بھی دیا گیا ہے۔ نیز علماء و مشائخ اور علم و معرفت کے لحاظ سے یہ ملک دیگر اسلامی ممالک سے پیچھے نہ رہا اسے ہندوستان کہنے کی وجہ یہ ہوئی کہ جب اسلامی سلاطین غزنوی وغیرہ یہاں آئے تو انہوں نے یہاں ڈکیتی و چوری دیکھی۔ اسلامی ممالک میں اسلامی سزائیں رائج ہونے کی وجہ سے ان جرموں کا نام و نشان نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اسے ہندوستان کہا۔ فارسی میں ہندو چور ڈاکو کو کہتے ہیں اور ستان بمعنی جگہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا بہ خال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

چوتھا فائدہ: نبی رسول و مرسل سے عام ہے کہ ہر رسول نبی ہے مگر ہر نبی کا رسول ہونا لازم نہیں جیسا النبیین سے معلوم ہوا رب تعالیٰ نے سارے نبیوں سے عہد لیا جس میں رسول و مرسل بھی داخل ہیں۔ پانچواں فائدہ: اہم اقرار میں صرف ہاں یا جی ہاں کافی نہیں بلکہ صاف الفاظ کہنا چاہئیں جیسا کہ اقررنا سے معلوم ہوا۔ اسی لئے نکاح کے وقت شوہر سے کہلواتے ہیں۔ میں نے قبول کیا صرف جی ہاں پر کفایت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہاں اور جی ہاں کے معنی لہجہ وغیرہ بدلنے سے بدل جاتے ہیں کہ بجائے اقرار کے انکار بن جاتا ہے۔ امت کا نبی کے ساتھ روحانی نکاح ہو جاتا ہے۔ یہ نکاح موت سے بھی نہیں ٹوٹتا نکاح کے معنی ہیں ملنا۔ چھٹا فائدہ: گواہی پر گواہی درست ہے جیسا کہ وانا معکم من الشھدین سے معلوم ہوا رب تعالیٰ کی گواہی ان حضرات کی گواہی پر تھی۔ ساتواں فائدہ: محفل میلاد شریف سنت الٰہیہ ہے۔ دیکھو مجلس میثاق میرے حضور (علیہ السلام) کی محفل تھی جس میں حق تعالیٰ حضور کا میلاد فرمانے والا، بزم انبیاء سننے والی تھی نبوت کی شیرینی اس مجلس کا تبرک تھا جو بقدر قابلیت انبیاء کو تقسیم ہوا۔ خیال رہے کہ ذکر ولادت ہی کا نام محفل میلاد ہے خواہ آئندہ کے لحاظ سے ہو یا گزشتہ زمانے کے اعتبار سے۔ آٹھواں فائدہ: کوئی شخص کسی مرتبہ پر پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کے احکام سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو جناب خلیل و مسیح تمام انبیاء کرام پر آپ کی اطاعت لازم فرمائی جا رہی ہے۔ نواں فائدہ: ہر مسلمان کو بقدر طاقت دینی خدمت کرنی چاہئے مسجد کی، علم کی خدمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت ہے۔ جیسا کہ ولتنصرنہ سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے والا نہ سید نہ عالم نہ پیر نہ مسلمان کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے نبی نہیں رہتے تو اس کے ہوتے ہوئے مسلمان کیسے رہے گا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ دیگر انبیاء سے حضور کا عہد لیا گیا بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہر نبی سے عہد لیا گیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں کہ جو کوئی دوسرے پیغمبر کا زمانہ پائے وہ اس کی تصدیق کرے کیونکہ دوسری جگہ فرمایا گیا۔ و اذ اخذنا من النبین میثاقھم ومنک ومن نوح و ابراھیم و موسی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ عہد لیا گیا تھا۔ جواب: اس آیت میں دوسرے میثاق کا ذکر ہے یعنی تبلیغ احکام وغیرہ اور یہ دوسرا میثاق ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو داخل ماننے میں وہ دشواریاں پیش آئیں گے جن کا ذکر ہم نے فوائد میں کیا۔ (تفسیر احمدی) دوسرا اعتراض: اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ دیگر انبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء کیونکہ لتؤمنن بہ سے صرف تصدیق لازم ہے نہ کہ امتی بن جانا۔ ہم سارے پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے امتی نہیں۔ حضور نے بھی تمام رسولوں کی تصدیق کی مگر ان کے امتی نہ ہوئے۔ جواب: ایمان کے لغوی معنی تصدیق ہیں۔ مگر شرعاً شریعت کی پیروی کو ایمان کہتے ہیں۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں نہ کہ پہلے ورنہ ثم جاءکم فرمانا بیکار ہو گیا کیونکہ تصدیق ہر اگلے پچھلے پیغمبر کی ہو سکتی ہے ہم زمانہ ہونے کی قید کیوں لگائی۔ البتہ اتباع شریعت اسی رسول کی ہو گی جس کا زمانہ پایا جائے اس معنی سے نبی پر ایمان لانا اس کا امتی بن جانا ہے۔ تیسرا اعتراض: رب کو علم تھا کہ کوئی پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہ پائیں گے پھر ان سے یہ عہد کیوں لیا؟ جواب: اظہار عظمت مصطفیٰ کے لئے کہ انبیائے

کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں یا نہ پائیں۔ مگر انہیں حضور علیہ السلام کی عظمت کا پتہ چل جائے کہ اللہ اکبر یہ ایسے اولوالعزم پیغمبر ہیں کہ رب تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور ان کی رسالت کا عہد لیا۔ اور پھر وہ اپنی امتوں کو یہ واقعہ یاد دلا کر انہیں مسلمان بننے پر آمادہ کریں کہ ان میں سے جو کوئی حضور علیہ السلام کو پائے ایمان لائے۔ حکم کیلئے امکان عمل شرط نہیں۔ سب روحوں سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا۔ حالانکہ ان میں سے بعض وہ بھی ہوں گے جو ماں کے پیٹ سے ہی واپس جائیں گی۔ بعض نابالغی میں مریں گے۔ بعض دیوانے ہو کر رہیں گے۔ معراج میں پچاس نمازیں فرض فرما کر پانچ رکھیں حالانکہ رب تعالیٰ کو علم تھا کہ پانچ رہیں گی۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھیں کہ اگر وہ حضور علیہ السلام کا زمانہ پاتے تو ایمان لاتے نیز عیسیٰ علیہ السلام انبیاء کی طرف سے نمائندگی فرماتے ہوئے اخیر زمانہ میں اتریں گے اور حضور علیہ السلام کی اطاعت کریں گے۔ چوتھا اعتراض: انبیائے کرام کفر شرک تو کیا گناہوں سے بھی پاک ہیں۔ پھر ان سے یہ کیوں فرمایا گیا کہ جو کوئی روگردانی کرے وہ کافر ہے ان کے متعلق تو یہ احتمال تھا ہی نہیں؟ جواب: قضیہ شرطیہ میں کسی جز کا امکان ضروری نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل لو کان للرحمان ولد فانا اول العبدین نیز فرماتا ہے لئن اشرکت لیحبطن عملک نیز اس میں امتوں کو ڈو کھایا گیا کہ جب مقربین سے یہ خطاب ہے تو تم کس شمار میں ہو۔ اگر تم نے اسلام سے منہ پھیرا تو اپنا انجام سمجھ لو پانچواں اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ جتنا اہتمام عہد نبوت کا کیا گیا۔ اتنا ربوبیت کے عہد کا نہ کیا گیا۔ وہاں صرف بلیٰ پر کفایت ہے یہاں اقرونا کہلوایا۔ اس پر گواہی قائم فرمائی اپنی گواہی شامل کی اور اس کی مخالفت پر سزا تجویز کی۔ کیا حضور کا درجہ اللہ سے بڑا ہے۔ جواب: رب تعالیٰ کو معلوم تھا کہ توحید ماننے والے بہت ہوں گے مگر رسالت ماننے والے تھوڑے اور پھر رسالت کے ماننے والوں میں بھی کوئی بغیر سوچے سمجھے ان کی بشریت کی رٹ لگائے گا کوئی ان کی توہین کرے گا۔ اس لئے اتنا اہتمام فرمایا گیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ عقیدہ توحید بغیر رسالت معتبر نہیں توحید سکہ ہے اور رسالت اس کی مہر۔ بازار قیامت میں شیطانی توحید کی کوئی قیمت نہیں۔ نیز ایمان کا مدار توحید پر نہیں بلکہ نبوت پر ہے۔ اگر توحید سے ایمان مل جاتا تو شیطان اور سارے کفار مومن ہوتے۔ نیز دین بدلتا ہے نبوت بدلنے سے۔ تمام آسمانی دینوں میں عقیدہ توحید یکساں رہا۔ مگر نبوت کے عقیدے بدلتے رہے دین بدلتے رہے۔ لہٰذا توحید کے اقرار سے نبوت کا اقرار بہت ہی اہم ضروری ہے۔ اس لئے یہاں اتنے اہتمام سے اقرار نبوت کرایا۔ چھٹا اعتراض: اگر اس آیت میں انبیاء سے خطاب ہے تو لما اتیتکم من کتب کیسے صحیح ہوا۔ سب پیغمبروں کو کتاب نہیں ملی۔ جواب: یہاں کتاب سے لغوی کتاب مراد ہے۔ جس میں صحیفے بھی داخل ہیں۔ اور کتاب ملنے سے بلاواسطہ ہر طرح ملنا مراد ہے اور واقعی اس معنی سے ہر نبی کو کتاب و صحیفہ ملا کسی کو بالواسطہ اور کسی کو بلاواسطہ۔ نیز انبیاء میں اہل کتاب نبی افضل ہیں۔ اور ان کے وزراء ان کے تابع۔ افضل کا ذکر فرما کر تابعین کو اس میں داخل فرمایا گیا۔ (کبیر) ساتواں اعتراض: اگر اس آیت میں پیغمبروں سے خطاب ہے تو ثم جاء کم رسول کے کیا معنی۔ پیغمبر امت کی طرف آتے ہیں۔ نہ کہ نبیوں کی طرف۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ جاء کم سے مراد جاء الی زمانکم ہے۔ یعنی آخری رسول تمہارے زمانہ میں آئیں۔ (کبیر) دوسرے یہ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے کرام کے زمانہ میں تشریف لاتے تو وہ انبیاء حضور علیہ السلام کے امتی ہوتے۔ لہٰذا آپ کا آنا امت ہی میں ہوتا۔ آٹھواں اعتراض: یہاں فرمایا گیا۔ مصدق لما معکم یعنی وہ آخری پیغمبر تمہاری کتابوں کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام تو ان کے ناسخ ہیں نہ کہ مصدق۔ جواب: اس کے جوابات بار بار دیئے جا

چکے ہیں کہ نسخ تصدیق کے خلاف نہیں۔ حضور علیہ السلام نے سب کتابوں کو سچا کہاہاں ان کے احکام باقی نہ رکھے کہ وہ اس وقت تک کے لئے تھے۔ اس کی مکمل تحقیق اس تفسیر کے پہلے پارہ نسخ کی بحث میں دیکھو۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کتابوں نے حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی کی۔ حضور علیہ السلام نے دنیا میں جلوہ گری فرما کر ان سب کو سچا کر دیا۔ اگر آپ نہ آتے تو وہ کیسے سچی ہوتیں۔ جنتریاں چاند کی خبر دیتی ہیں کہ فلاں تاریخ کو ہو گا۔ چاند چمک کر سب کو سچا کر دیتا ہے۔ پچھلی کتابیں اس ماہ نبوت کی خدائی جنتریاں تھیں۔ جو اس کے چمکنے سے سچی ہو گئیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ نواں اعتراض: جب وہ عہد و میثاق ہمیں یاد ہی نہ رہا تو اس سے فائدہ کیا بے کار رہا۔ جواب: بے کار جب رہتا جب یاد دلایا بھی نہ جاتا۔ انبیائے کرام اور آسمانی کتابوں نے یاد دلا دیا۔ کافی ہو گیا۔ سرکاری محکموں میں معاہدوں کی تحریری رجسٹری اس لئے کی جاتی ہے کہ بھول جانے پر ان کے ذریعے یاد آ جائے ہمیں والدہ کے شکم میں رہنا اس کا دودھ پینا ان کے پاس پلنا بڑھنا کچھ بھی یاد نہ رہا مگر اس اور دیگر لوگوں نے یاد دلا کر اس کا حق خدمت حق مادری اور حکم میراث ثابت کر دیا۔ جب مخلوق کے یاد دلانے پر احکام جاری ہو گئے تو کیا رب تعالیٰ کے یاد دلانے پر احکام جاری نہ ہوں گے۔ دسواں اعتراض: رب تعالیٰ کو انبیاء کی قلبی حالت معلوم تھی کہ یہ حضرات اقراری ہیں انکاری نہیں پھر اقررتم کیوں فرمایا گیا کہ کیا تم نے اقرار کیا؟ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ حکم اور عہد میں فرق یہ ہے کہ حکم میں مخاطب کا سن لینا کافی ہے مگر عہد میں منہ سے اقرار کرنا بھی ضروری ہے۔ اقرار کرا کے یہ بتایا کہ یہ امر نہیں ہے جس میں فقط سننا کافی ہو بلکہ عہد و میثاق ہے منہ سے کہو اقررنا۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کو سنانے کے لئے اقررنا کہلوایا گیا نہ کہ اپنے جاننے کے لئے' کبھی استاد لائق شاگرد کا امتحان لوگوں کے سامنے لیتا ہے تاکہ ان پر اس کی قابلیت ظاہر ہو۔ تیسرے یہ کہ یہاں سب کو گواہ بنانا مقصود تھا اگر وہ حضرات اقررنا نہ کہتے تو گواہی کس چیز کی ہوتی اس لئے نکاح وغیرہ میں قبلت کہلوایا جاتا ہے۔ گیارھواں اعتراض: فاشھدوا سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء خود ہی مقر ہیں اور خود ہی شاہد یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اور انا معکم من الشھدین سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ حاکم بھی ہے اور گواہ بھی۔ یہ بھی ناممکن ہے حاکم گواہ اور مقر علیحدہ علیحدہ چاہئیں۔ کیونکہ ان کے احکام جداگانہ ہیں۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ فاشھدوا میں ملائکہ سے خطاب ہے لہٰذا انبیاء اقراری اور فرشتے گواہ۔ دوسرے یہ کہ انبیاء سے ہی خطاب ہے مگر مطلب یہ کہ ایک دوسرے پر گواہ بن جاؤ۔ تمہارے اقرار پر وہ گواہ ان کے اقرار پر تم گواہ لہٰذا مقر اور ہے اور گواہ دوسرا۔ تیسرے یہ کہ تم اپنے پر گواہ بن جاؤ۔ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں خود مقر بھی گواہ بن سکتا ہے۔ قیامت میں مجرمین کے ہاتھ پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ چوتھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنی امتوں پر گواہ بن جاؤ یعنی دنیا میں جاؤ اور امتوں کے سامنے اس عہد کی گواہی دو یا اپنی امتوں سے اسلام کا اقرار کراؤ اور اس اقرار کے تم گواہ بنو (روح المعانی) حاکم کی گواہی معتبر ہے۔ رجسٹری تحریر و مہر عدالت حاکم گواہی تو ہے مگر یہ گواہی پر گواہی ہو گی۔

تفسیر صوفیانہ: انبیائے کرام میثاق کے دن صف اول میں تھے اور دیگر لوگ باقی صفوف میں۔ لہٰذا ہر نبی کو سارے پیغمبروں کا مقام معلوم تھا۔ اس لئے ان سے دو عہد لئے گئے۔ ایک تو وہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے بلکہ اے پیغمبرو تم سب صف اول میں ہو۔ تم نے ہر ایک کا درجہ و مقام معلوم کر لیا۔ خصوصاً اس صدر الورٰی کہف الہدیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ پہچان لیا اب تم ہم سے عہد کرو کہ دنیا میں پہنچ کر ایک دوسرے کو پہچاننا اور گواہی دینا اور دوسرا عہد وہ ہے۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے

واذ اخذنا من النبین میثاقھم ومنک ومن نوح یہ عہد آپس میں محبت رکھنے دین قائم کرنے ایک دوسرے کی تصدیق کرنے رب تعالیٰ کی عبادت کرنے اور خلق کو اطاعت نبی اور عقیدۂ توحید کی طرف بلانے کا عہد تھا۔ وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک مظاہر اور صفات اور تفصیل کی صورت میں اور دوسری تجلیات صفات اور احکام مخصوصہ کی صورت میں، پہلی معرفت میں سب یکساں ہیں۔ اور دوسری معرفت میں فرق۔ ہر ایک پیغمبر کو اس کے درجہ کے بقدر یہ معرفت عطا فرمائی گئی۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انبیائے کرام مظہر صفات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات ہیں جو کوئی اس عہد الٰہی کا جو نبیوں سے لیا گیا جان بوجھ کر انکار کرے گا وہ رب تعالیٰ کے دین سے خارج ہے جو حقیقی دین ہیں۔ باقی ادیان وہمی اور تقلیدی۔ (ابن عربی)

دوسری تفسیر : سارے پیغمبر حضور علیہ السلام کے نائب ہیں اور ازل میں حضور علیہ السلام سب کی اصل۔ نائب کے لئے ضروری ہے کہ اپنی اصل کو پہچانے کہ اس کے پردے میں رہنے کے وقت اس کی نیابت میں حکومت کرے۔ اور اس کی موجودگی میں اپنے کو کم کردے۔ سارے پیغمبر ظل ہیں۔ حضور علیہ السلام اصل۔ سارے پیغمبر تیمم ہیں۔ حضور علیہ السلام وضو۔ سارے پیغمبر دریا ہیں حضور علیہ السلام سمندر۔ سارے پیغمبر چاند تارے ہیں۔ حضور علیہ السلام سورج۔ سارے پیغمبر فیض لینے والے ہیں۔ حضور علیہ السلام دینے والے۔ جہاں سمندر کا ظہور نہ ہو وہاں دریاؤں کی بادشاہت ہے۔ جب آفتاب درون پردہ ہو تو چاند تاروں کی سلطنت ہے۔ جب وضو ناممکن ہو تو تیمم کی حکومت ہے مگر سمندر میں پہنچ کر دریا گم، سورج کے نکلتے ہی تارے غائب۔ پانی کے آتے ہی تیمم برخاست۔ فرمایا گیا تھا کہ اے گروہ انبیائے تم اپنے کو بھی پہچانو اور اپنے اس سید کو بھی۔ ہم سے عہد کرو کہ اگر تم ان کا زمانہ پاؤ تو ان کے دامن نور میں تاروں کی طرح چھپ جانا اور اپنے کو ان میں ایسا گم کردینا جیسے دریا سمندر میں پہنچ کر۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

آب آمد وہ کہے اور میں تیمم برخاست ‏ مشت خاک اپنی ہو اور نور کا اہلا تیرا

بولو تم اس کا اقرار کرتے ہو اگر کرو گے تو نبوت کا تاج، نیابت کا تخت، جوڑ ولایت سب کچھ تمہارے لئے ہے اور اگر اس سے منہ پھیرا تو نبوت، ولایت اور عنایت کا ذکر ہی کیا کسی کو اسلام بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ **فاولئک ھم الفسقون۔**

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ‏ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا ‏ تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

تجھ ہی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا ‏ حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

صوفیاء فرماتے ہیں کہ پچھلے پیغمبر دنیا میں آئے بھی اور چلے بھی گئے مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو لیکن گئے نہیں وہ آئے اور یہاں ہی رہے کہ ان کا دین تاقیامت بلکہ بعد قیامت بھی باقی ہے اسی لئے **ثم جاء کم** فرما کر ان کے آنے کا ذکر فرمایا مگر یہ نہ کہا کہ جب وہ چلے جائیں تو تم پر ان کی اطاعت لازم نہیں۔ زمانہ نبی اور ہے اور زمانہ نبوت کچھ اور پھر دوسرے انبیائے کرام زمین میں آئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دلوں جانوں ایمانوں میں بھی آئے اس لئے **جاء کم** فرمایا **جاء فی زمانکم یا جاء فی ارضکم** نہ فرمایا قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر رسول نبی نور برہان فرمایا گیا کیونکہ حضور دنیا میں شان رسالت سے آئے اور رب کے پاس شان عبدیت سے گئے۔ حاکم دفتر میں ڈی سی بن کر آتا ہے مگر گھر میں بیٹا

باپ بھائی بن کر جاتا ہے۔ دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفتر ہے وہ جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ءمطلق رسول حقیقی اور مستقل صاحب شریعت ہیں۔ باقی انبیاء حضور علیہ السلام کے تابع' یہ اقرار نامہ انبیائے کرام کی نبوت کی تمہید تھا۔ جس پر سارے انعام موقوف تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اسی اقرار پر قائم رکھے اسی پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولینا محمد و علی الہ واصحابہ برحمتہ وھو ارحم الراحمین ۝

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا
سوا دین اللہ کے تلاش کرتے ہیں وہ حالانکہ واسطے اسی کے تابع حکم ہیں وہ جو بیچ آسمانوں اور زمین کے
تو کیا اللہ کے دین کے سوا اور دین چاہتے ہیں اور اس کے حضور گردن رکھے ہیں جو کوئی آسمانوں اور
وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ
ہیں چار و ناچار اور طرف اسی کے لوٹائے جائیں گے۔ فرما دو تم ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور اس کے جو اتارا
زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور اسی کی طرف پھیریں گے یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس
عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ
گیا اوپر ہمارے اور اس کے جو اتارا گیا اوپر ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور بیٹوں ان کے
پر جو ہماری طرف اترا اور جو اترا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں پر اور جو
مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ
اور اس پر جو دیئے گئے موسیٰ اور عیسیٰ اور پیغمبر طرف سے اپنے رب کے نہیں فرق کرتے ہم درمیان کسی کے
ملے موسیٰ اور عیسیٰ اور انبیاء کو ان کے رب سے ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے
وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝
ان میں سے اور ہم واسطے اس کے اطاعت کرنے والے ہیں ۝
اور ہم ہیں واسطے اس کے مسلمان ۝

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اللہ کا دین ہے یہی سارے پیغمبروں اور ان کی امتوں کا دین تھا۔ اور اس دین کی ابتداء میثاق کے دن سے پڑی۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اسلام کے سوا جو دین ہے وہ غیر خدا کا ہے 'شیطان کا ہو یا نفس امارہ کا' گویا پچھلی آیت میں اسلام کی حقانیت کا ذکر تھا اور اب غیر اسلام کے بطلان کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں معلوم ہوا تھا کہ میثاق کے دن سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اب فرمایا جارہا ہے کہ اب بھی سب کی پناہ حضور علیہ السلام ہی میں۔ مگر کوئی تو

بخوشی انہیں مان لیتا ہے اور کوئی مجبوراً زندگی یا موت کے وقت انہیں مانے گا۔ غرضیکہ انتہا ابتداء کے موافق ہے اگرچہ درمیان میں کچھ فرق ہو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کے مصداق ہیں۔ اب قل امنا باللہ میں اس تصدیق کا اظہار ہے کہ حضور علیہ السلام سے سارے پیغمبروں کی حقانیت کا اعلان کرایا گیا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے حضرت انبیاء کرام سے فرمایا تھا کہ جو کوئی نبی آخر الزمان کی اطاعت سے منہ موڑے گا وہ فاسق ہو گا۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ محمد مصطفیٰ کی اتباع عین دین ہے اور دین سے نکل جانے والا فاسق ہی ہوتا ہے کہ گویا حکم پہلے بیان ہوا' وجہ حکم اب بیان ہو رہی ہے۔

شان نزول: ایک دفعہ اہل کتاب کے دو گروہ آپس میں جھگڑتے ہوئے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے فیصلہ چاہا۔ ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ ہمارا دین' دین ابراہیمی سے قریب تر ہے حضور علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ تم دونوں (یہود و عیسائی) دین ابراہیمی سے دور ہو۔ اس سے تمہیں کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ تمہارے عقائد و اعمال ان کے عقائد و اعمال سے بالکل مختلف ہیں۔ جس پر وہ بولے کہ نہ ہم آپکے فیصلے سے راضی ہیں اور نہ ہم آپ کا دین اختیار کریں۔ تب یہ آیت کریمہ **افغیر اللہ** اتری۔ (کبیر و خازن و معانی)

تفسیر: **افغیر دین اللہ یبغون** ہمزہ استفہام انکاری کا ہے اور ف عاطفہ یا تو یہ جملہ پچھلی شرط و جزا **فمن تولی** پر معطوف ہے اور انشاء کا عطف خبر پر جائز یا پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے اصل عبارت یوں تھی۔ **ایتولون افغیر دین اللہ یبغون** (معانی) **غیر یبغون** کا مفعول ہے اس کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ **یبغون** **بغی** سے بنا بمعنی تلاش کرنا اور میانہ روی سے تجاوز چاہنا۔ **دین اللہ** سے اسلام مراد ہے۔ جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہو چکا تھا اس لئے اب صرف اسلام ہی دین اللہ ہے یا دین اللہ سے اللہ کا اصل دین مراد ہے کیونکہ پچھلے ادیان اللہ کے دین تھے مگر عارضی قابل نسخ اور ضروریات وقت کے لحاظ سے۔ اور اسلام حقیقی باقی دائمی دین ہے۔ خیال رہے کہ دین اللہ میں اضافت لام کی ہے۔ یعنی اللہ کا پسندیدہ دین۔ چونکہ اسلام میں میانہ روی ہے اور باقی ادیان میں افراط و تفریط۔ اس لئے یہاں **یبغون** فرمایا گیا نہ کہ **یطلب** و نحو وغیرہ **یبغون** کا فاعل سارے اہل کتاب ہیں یعنی کیا یہ یہود و عیسائی اللہ کا پسندیدہ دین اسلام چھوڑ کر اور دینوں ہی کو تلاش کرتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین اللہ ہیں کہ آپ کا ماننا عین دین ہے اس میں توحید رسالت حشر و نشر سب کا ماننا آ جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے حالات شریعت ہیں۔ دل مبارک کے حالات طریقت' روح پاک کے حالات حقیقت' سر شریف کے حالات معرفت انہیں چار چیزوں یعنی شریعت' طریقت' حقیقت' معرفت کا نام دین ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین اللہ **ولہ اسلم من فی السموت والارض** واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ گزشتہ انکار کا حال مؤکدہ۔ **لہ** **اسلم** کا متعلق ہے اس کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ **ہ** کا مرجع حق تعالیٰ ہے **اسلم** اسلام سے بنا بمعنی استسلام و اطاعت فرمانبرداری۔ غالباً" یہاں یہ وسیع معنی مراد ہیں کیونکہ اس میں بہت گنجائش ہے آسمانی چیزوں سے فرشتے' حور' غلمان' بلکہ چاند تارے' سورج وغیرہ سب مراد ہیں اور زمین کی چیزوں سے انسان' جنات' چرند' پرند وغیرہ ساری مخلوق مراد۔ کیونکہ ہوا میں رہنے والی چیزیں در حقیقت زمین کی چیزیں ہیں کہ ہوا زمین پر ہے اور وہ پرندے ہوا میں یا سارے پرندے رات کو زمین پر ہی بسیرا

لیتے ہیں۔ من عقل والی چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے چونکہ عاقلین غیر عاقل سے افضل تھے اس لئے من ارشاد ہوا۔ غیر عاقلوں کو ان کا تابع فرما کر اس من میں داخل کر دیا گیا۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ماسوی اللہ کا اسلام یہ ہے کہ ہر چیز ممکن ہے اور رب واجب۔ ہر چیز مجبور ہے اور وہ قادر۔ ہر شئی محتاج ہے اور وہ مختار۔ لہذا سب اس کے حضور گردن جھکائے ہیں۔ جو بنا اس کے بنانے سے بنا۔ اور جو فنا ہو گا اس کے فنا کرنے سے فنا ہو گا۔ اس صورت میں سب کا اسلام یکساں ہے اور ممکن ہے کہ اسلام سے مراد دین اسلام ہو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماسوی اللہ کے نبی ہیں لہذا ہر چیز آپ کی امتی۔ اس صورت میں ہر مخلوق کا اسلام و احکام اس کے لائق۔ فرشتوں کی عبادت اور ہے انسانوں کی کچھ اور۔ جانوروں اور چاند تاروں کی کچھ اور۔ دیکھو انسانوں میں بھی غریب و امیر شاہ و وزیر، عورت و مرد کے احکام میں بہت فرق ہے۔ **طوعا" و کرھا"** **طوعا"** طاع یطوع کا مصدر ہے۔ یعنی رضا و رغبت و اختیار جیسے اطاعت اطاع یطیع کا مصدر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ طوع اور اطاعت ہم معنی ہیں۔ یعنی فرمانبرداری۔ بعض کے خیال میں طوع فرمانبرداری ہے اور اطاعت بمعنی حکم جاری کرنا اور مطاوعت بمعنی موافقت۔ طاع فرمانبرداری کی۔ اس کا حکم اپنے پر جاری کیا۔ اور طاوعہ اس کی موافقت کی (روح المعانی) مگر پہلی بات صحیح ہے کرھا طوعا کی ضد ہے بمعنی بے رغبتی ناراضی اور مجبوری۔ یہاں یہ دونوں مصدر بمعنی اسم فاعل ہیں اور من کا حال او راطائعین اور کارھین بمعنی چاروناچار یا بخوشی و مجبوری، راضی ہو کر یا ناراض ہو کر۔ اس طوعا اور کرھا میں چند احتمال ہیں۔ (1) خوشی کا اسلام وہ ہے جو دلائل و علم سے حاصل ہو۔ جیسے مومنین اور ملائکہ کا ایمان۔ مجبوری اسلام وہ ہے جو تلوار یا دنیوی خوف یا نزع کا عذاب دیکھ کر حاصل ہو جیسے کفار کا ایمان کر مرتے وقت سب مومن ہو جاتے ہیں۔ (معانی) (2) الوہیت کا عقیدہ طوعا" اسلام ہے۔ جس کے کفار بھی معتقد تھے اور تکلیف دہ احکام کی اطاعت کرہا" اسلام (کبیر)۔ (3) میثاق کے وقت کا ایمان کرھا" تھا اور دنیا میں شرعی اسلام قبول کرنا طوعا" ہے (کبیر)۔ (4) امام حسن فرماتے ہیں کہ آسمان والوں کا اسلام طوعا" یعنی خوشی سے ہے اور زمین والوں کا اسلام بعض کا طوعا" اور بعض کا مجبورا ہے (کبیر)۔ (5) آسمان و زمین کا اسلام خوشی سے ہے مگر زمین والوں کا اسلام بعض کا خوشی سے بعض کا مجبورا رب تعالیٰ فرماتا ہے **فقال لها وللارض ائتیا طوعا" و کرھا" قالتا اتینا طائعین** (کبیر)۔ (6) اسلام سے مراد ارادہ الٰہی کا اتباع ہے اور اس کے قضاء و قدر کے احکام قبول کرنا۔ جیسے بیماری فقیری موت وغیرہ مسلمان راضی برضا ہے اور ہر چیز کو خوشی سے قبول کرتا ہے لہذا وہ بخوشی مسلم ہے کافر کو مجبورا قانون قدرت برداشت کرنا پڑتے ہیں لہذا وہ مجبوری مسلم۔ صوفیائے کرام اس طوع و کرہ کے کچھ اور ہی معنی کرتے ہیں۔ جس کا ذکر ان شاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں ہو گا۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ **الست بربکم** کے جواب میں سب نے بلی کہا تھا مگر نیک بختوں نے بخوشی۔ لہذا انہوں نے فائدہ اٹھایا اور بد بختوں نے مجبورا اسی لئے وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اس آیت میں اسی واقعہ کا ذکر ہے یعنی اللہ ہی کے مطیع فرمانبردار ہیں۔ تمام آسمان و زمین کی چیزیں خوشی یا ناخوشی سے یا آسمان زمین کی ساری چیزیں اللہ کے لئے اسلام لائے اور سب مومن ہو گئے مگر بعض خوشی سے اور بعض مجبورا خوشی والا اسلام فائدہ مند ہے اور ناخوشی والا بے فائدہ۔ **یرجعون** کا نائب فاعل یا اہل کتاب ہیں یا سارے انسان یا آسمان و زمین کی ساری چیزیں اور یہی ظاہر ہے لہذا اس کا مرجع **من فی السموات** ہے یعنی سب رب تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔ خیال رہے کہ یہاں رب کی طرف لوٹنے سے یا تو اس کے دین کی طرف لوٹنا مراد ہے یا اس کی سزا جزا کی طرف۔ ورنہ رب تعالیٰ جگہ سے پاک ہے اور امنا جمع فرما کر یہ بتایا گیا کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ اکیلے نہیں بلکہ جماعت مومنین کے

ساتھ۔ وہی عقیدے ہم نے اختیار کئے ہیں جو تمام امت کے ہیں ایمان وہ دھاگہ ہے جو گھاس کو پھولوں کے ساتھ باندھ دیتا ہے۔ **قل امنا باللہ وما انزل علینا** ظاہر یہ ہے کہ قل میں حضور علیہ السلام سے خطاب ہے اور امنا اور علینا کی ضمیریں بھی حضوری کے لئے ہیں۔ تعظیم کے لئے جمع فرمایا گیا۔ (معانی) اور ممکن ہے کہ قل میں ہر قرآن پڑھنے والے سے خطاب ہو۔ پچھلی آیت میں گزشتہ آسمانی دینوں کو غیردین اللہ فرمایا گیا تھا جس سے شبہ ہوتا تھا کہ گزشتہ دینوں کی طرح گزشتہ نبیوں کو ماننا بھی ممنوع ہو گا۔ نیز پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ یہود و نصاریٰ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے کہ آپ بنی اسرائیل سے نہیں ان کی تردید کے لئے ارشاد ہوا۔ بعض نے یہ بھی فرمایا کہ یہود و نصاریٰ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے کہ آپ بنی اسرائیل سے نہیں ان کی تردید کے لئے ارشاد ہوا۔ بعض نے یہ بھی فرمایا کہ قل میں خطاب حضور علیہ السلام سے ہے لیکن امنا سے سارے مسلمان مراد گویا حضور علیہ اسلام سے فرمایا گیا کہ آپ اپنی طرف سے اصالتاً اور اپنی امت کی طرف سے وکالتہ" فرمادیں کہ ہم سب ایمان لائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قل میں چار احتمال ہیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ آپ یہود و نصاریٰ سے ان کے جواب میں فرمادیں کہ تم بنی اسمٰعیل کے نبی پر ایمان نہیں لائے مگر ہم بنی اسرائیل کے انبیاء پر ایمان لاتے ہیں تم نسب پرست ہو۔ ہم خدا پرست ہیں۔ دوسرے یہ کہ اے محبوب آپ تاقیامت مسلمانوں سے فرمادیں تاکہ انہیں مومن بننا آجائے۔ تیسرے یہ کہ اے قرآن پڑھنے والے تجدید ایمان کرتے ہوئے یہ کہا کر تاکہ تیرے دل کی صفائی ہوتی رہے۔ گھر میں جھاڑو لگتی رہے تو اچھا۔ چوتھے یہ کہ اے مسلمان لوگوں سے یہ کہا کر تاکہ تیرے ایمان کا اعلان ہوتا رہے۔ چونکہ اللہ کا ماننا سب سے مقدم تھا اس لئے پہلے اس کو بیان کیا اور ما انزل میں ما سے مراد یا قرآن شریف ہے یا سارے وحی الہام۔ اگر علینا سے حضور علیہ اسلام مراد ہیں۔ تب تو معنی بالکل ظاہر ہیں اور اگر امت مراد ہے تو چونکہ نبی پر کلام کا آنا امت پر آنا ہے اس لئے علینا فرمادیا گیا۔ چونکہ قرآن پاک نے ہی سارے پیغمبروں اور کتابوں کا پتہ دیا اور ہم نے اس کو اسی کی رہبری سے مانا لہٰذا قرآن کا ذکر پہلے کیا گیا۔ اور دیگر کتب کا بعد میں **وما انزل علی ابراھیم و اسمعیل واسحاق ویعقوب والاسباط** یہ پہلے ما انزل پر معطوف ہے اور اس ما سے یا تو صحیفے مراد ہیں یا ان حضرات کی ساری وحی۔ چونکہ اہل کتاب ان حضرات کو بالاتفاق مانتے تھے اور ان کی نبوت کے معتقد تھے اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ورنہ **والنبیون** میں یہ سب داخل تھے۔ ابراہیم' اسمٰعیل' اسحاق اور یعقوب کے لفظی معنی اور ان حضرات کے تاریخی واقعات پہلے پارے میں بیان کر چکے۔ اسباط کے معنی بھی ہم نے پہلے پارہ میں بیان کئے کہ یہ سبط کی جمع ہے بمعنی شاخوں والا درخت۔ اصطلاح میں خاندان اور قبیلہ کو سبط کہتے ہیں بلکہ نسل کی اصل اور قبیلہ کے جد امجد کو بھی سبط کہا جاتا ہے۔ اس لئے امام حسن و حسین کو سبطین کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اسباط یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کو کہا جاتا ہے۔ جن میں سے یوسف علیہ السلام کی نبوت قطعی اور یقینی ہے جس کا انکار کفر ہے اور دیگر گیارہ کی نبوت میں اختلاف ہے۔ جو ان کی نبوت کے قائل ہیں ان کے نزدیک بلاواسطہ ان پر صحیفے آئے اور جو ان کی نبوت کے منکر ہیں ان کے نزدیک اسباط پر صحیفوں کا آنا ایسا ہے جیسے ہم مسلمانوں پر قرآن اترنا۔ یعنی ہم اس پر بھی ایمان لائے جو حضرت ابراہیم اسمٰعیل اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور بیٹوں پر اترا **وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ والنبیون من ربھم** یہ واؤ بھی عاطفہ ہے اور ما پچھلے ما پر معطوف اس ما سے ان پیغمبروں کی کتابیں اور ان کے معجزات عصا وغیرہ مراد ہیں۔ چونکہ حضرت موسیٰ پہلے صاحب کتاب پیغمبر ہیں اور حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل

کے خاتم النبین۔ اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر کیا گیا یہاں تک تفصیل تھی اس کے بعد اجمالاً" فرمایا گیا تھا کہ **والنبیون** یعنی ہمارا ایمان ان پر ہی محدود نہیں بلکہ رب کے جتنے پیغمبر ہیں۔ انہیں جو کچھ رب کی طرف سے ملا ہمارا سب پر ایمان۔

نوٹ: یہ آیت **مصدق لما معکم** کی تفصیل ہے کہ حضور علیہ السلام نے سارے پیغمبروں کی تصدیق کی **لا نفرق بین احد منہم** اس میں اہل کتاب پر طعن ہے کہ وہ بعض پیغمبروں پر ایمان لاتے تھے بعض پر نہیں **لا نفرق** کے معنی ہم سورہ بقر کے آخر میں تفصیل میں بتا چکے ہیں کہ فرق کرنے سے یا تو ایمان میں فرق کرنے مراد ہے کہ بعض کو مانے بعض کو نہ مانے یا اپنی طرف سے فرق کرنا مراد کہ محض اپنی رائے سے ان کے مراتب مقرر کر لئے یا اس طرح فرق کرنا جس سے بعض حضرات کی توہین ہو جائے یعنی ہم پیغمبروں میں سے کسی میں ایمان میں فرق نہیں کرتے اور کیوں کریں۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ **ونحن لہ مسلمون** لہ کی تقدیم سے حصر کا فائدہ ہے اور **مسلمون** بمعنی مستسلمون ہے یعنی ہم صرف اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ہیں اور سارے پیغمبر اس کے نبی۔ لہٰذا ہم سب کے معتقد۔ تم لوگ نفس کے تابع ہو۔ جس کی نبوت نفس نے مانی۔ اس کو تم نے مان لیا۔ باقی کا انکار کر دیا۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ سارے ادیان والے اپنے کو مومن تو کہتے تھے۔ مسلم نہ کہتے تھے۔ مسلمانوں سے **ونحن لہ مسلمون** کہلوا کر انہیں سب سے ممتاز کر دیا۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عقلاً" و نقلاً" ہر طرح معلوم ہو چکا اور ان کی کتابوں نے بھی گواہی دے دی کہ صرف اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور اس کے سواء سارے دین یا شیطانی ہیں یا نفسانی تو یہ اہل کتاب جان بوجھ کر غیر اللہ کا دین تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں قانون فطرت میں رب تعالیٰ کی فرمانبردار ہیں۔ رضا و رغبت سے ہوں یا ناراضی سے کہ مسلمان رب کی ہر چیز پر خوش ہے اور کافر ناخوش۔ یا آسمان زمین کی ساری چیزیں آخر کار اسلام میں داخل ہیں خوش ہو کر یا ناخوش کہ کفار نزع کے وقت ایمان لے آتے ہیں اور باقی چیزیں پہلے ہی سے مومن ہیں۔ سب کو رب تعالیٰ کی طرف ہی لوٹنا ہے۔ پھر یہ اس کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ آپ اعلان فرما دو کہ ہم مع اپنی مسلمان جماعت کے اللہ اور اس قرآن پر ایمان لے آئے جو ہم پر اترا نیز ان تمام کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لے آئے جو حضرات ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب اور اولاد یعقوب پر اتریں (علیہم الصلوۃ والسلام) اور اس پر بھی ہمارا ایمان ہے جو حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور سارے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ملیں۔ ہم انبیاء کرام کے درمیان تمہاری طرح ایمان میں فرق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کریں۔ بلکہ سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور کیوں نہ لائیں ہم تو رب تعالیٰ کے مطیع ہیں۔ نہ اپنے نفس کے۔ جب رب تعالیٰ نے ان سب کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ پھر بعض کے نہ ماننے کے کیا معنی لہٰذا ہم سارے رسولوں ساری کتابوں اور سارے صحیفوں اور انبیائے کرام کے سارے معجزات پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہی اسلام کی حقیقت ہے اور اسی پر نجات کا مدار۔ خیال رہے کہ ہمارا ایمان قرآن شریف پر بھی ہے اور پچھلی ساری آسمانی کتابوں پر بھی۔ مگر فرق یہ ہے کہ قرآن کریم پر ایمان بھی ہے اور عمل بھی پچھلی کتابوں پر ایمان ہے عمل نہیں کہ وہ سب منسوخ شدہ ہیں اس طرح ہمارا ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہے اور پچھلے تمام رسولوں پر بھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا ایمان بھی ہے اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بھی ہیں۔ پچھلے انبیاء کرام پر ایمان تو ہے۔ مگر ہم ان کی امت نہیں۔ اس لئے کلمہ میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی نام پڑھتے

ہیں۔ اس لئے **ما انزل** میں فرق فرمایا گیا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** رب تعالیٰ کا پسندیدہ دین صرف اسلام ہے باقی سارے ادیان مردود ہیں ان میں رہ کر کوئی عبادت قبول نہیں۔ جیسا کہ دین اللہ سے معلوم ہوا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **ان الدین عند اللہ الاسلام** اسلام ہی وہ دین ہے۔ جس سے ہر قوم ہر زمانہ میں ہر طرح فائدہ اٹھا سکتی ہے کسی دین میں یہ خوبی نہیں اسلام کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اول نبی بھی ہیں اور آخری بھی کہ اگلوں نے آپ کی بشارتیں دیں اور آپ نے ان سب کی تصدیق فرمائی۔ **دوسرا فائدہ:** اگرچہ بعض لوگ شرعی قوانین کی مخالفت کریں۔ مگر فطری قانون کے سب پابند ہیں موت، زندگی، بیماری، تندرستی، فقیری اور مالداری سب رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور سب کو یہ چیزیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ اس طرح زندگی میں اگرچہ بعض لوگ اسلام قبول نہ کریں مگر مرتے وقت بلکہ مصیبتوں میں سب کو اسلام کی پناہ پکڑنی پڑتی ہے فرعون بھی ڈوبتے ہوئے کہہ گیا۔ **امنت بہ بنو اسرائیل** لیکن اس وقت کا ایمان معتبر نہیں۔ بلکہ اب تو تعلیم یافتہ قومیں آہستہ آہستہ اسلامی قوانین کی طرف مائل ہو رہی ہیں۔ آریوں میں چند بیویاں رکھنے کا مسئلہ زیر غور ہے۔ ہندوؤں نے کوشش کی ہے کہ ان کے دھرم میں طلاق کا قانون جاری ہو جائے۔ بعض سمجھدار عیسائی پردے پر بہت زور دے رہے ہیں اور اس کی پناہ میں آ رہے ہیں۔ یہ ہے کرشمہ اسلام۔ **تیسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر عرشی و فرشی کے پیغمبر ہیں۔ جیسا کہ **اسلم من فی السموت** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ کیونکہ وہ سب مسلمان ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے نبی۔ بلبل کے میرے نبی۔ پھول پکارتا ہے میرے نبی۔ چاند سورج کہتے ہیں ہماری نبی۔ جن وانس کہتے ہیں ہمارے نبی۔ لوح و قلم کہتے ہیں ہمارے نبی اور رب تعالیٰ فرماتا ہے میرا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) غرض خدا کے نبی ہیں۔ خدا کے نبی۔ خالق کے نبی، مخلوق کے نبی، بحر و بر، شجر و حجر، خشک و تر، شمس و قمر، شام و سحر سب کے نبی ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ **چوتھا فائدہ:** اکثر نفلی نیکیاں چھپا کر کرنا بہتر مگر فرائض و عقائد کا اظہار ضروری جیسا کہ **قل امنا باللہ** سے معلوم ہوا۔ انسان کو چاہئے کہ اپنا دین سب پر ظاہر کرے تاکہ بعد موت دشواری واقع نہ ہو کبھی مردہ پہچان میں نہیں آتا کہ مسلمان ہے یا ہندو۔ اس پر نماز پڑھیں یا نہ خصوصاً" فی زمانہ فیشن ایبل لوگ کہ ان کا ختنہ دیکھ کر کام نکالنا پڑتا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** ہر واعظ مبلغ کو ضروری ہے کہ جو کچھ کہے خود بھی اس پر عمل کرے تاکہ کسی کو اعتراض کا موقعہ نہ ملے۔ یہ بھی **امنا باللہ** سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے جہاں مسلمانوں کو تبلیغ اسلام کا حکم دیا وہاں یہ بھی فرمایا کہ اپنے ایمان کا اعلان کرو۔ **چھٹا فائدہ:** حسد گناہوں کی جڑ ہے۔ علماء بنی اسرائیل اس عہد و میثاق سے باخبر تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام کی مخالفت دائمی عذاب کا سبب ہے مگر محض حسد سے مسلمان نہ ہوئے۔ شیطان جانتا تھا کہ آدم علیہ السلام رب تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ اسے یہ بھی خبر تھی کہ رب تعالیٰ ہی نے انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا وہ اس سے بھی باخبر تھا کہ حکم الٰہی کی اطاعت واجب ہے۔ اسے یہ بھی پتہ تھا کہ رب تعالیٰ کی مخالفت مردود ازلی بنا دیتی ہے مگر اس نے حسد سے کسی بات کی پرواہ نہ کی۔ در حقیقت حاسد شیطان کا پیرو ہے جیسا کہ **افغیر دین اللہ** کے استفہام تعجب سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** نبوت منسوخ نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ نبی کی شریعت منسوخ ہو جائے جیسا کہ **بما انزل علی ابراھیم** سے معلوم ہوا کہ ان انبیاء کے دین منسوخ مگر ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جن لوگوں نے نبوت کو منسوخ مانا ان کی مراد نبوت کے احکام ہیں۔ کیونکہ نبی اپنے مراتب و درجات سے کبھی معزول نہیں ہوتے۔ ہاں بعد نسخ ان کے

احکام کی تبلیغ بند ہو جاتی ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب بھی قائم اور تبلیغ بھی باقی۔ **آٹھواں فائدہ:** تبرائی روافض کافر ہیں جیساکہ **ونحن له مسلمون** سے معلوم ہوا کیونکہ یہاں سارے پیغمبروں کو ماننا اور ان میں فرق نہ کرنا علامت اسلام قرار دی گئی۔ جب سارے پیغمبر رب تعالیٰ کے ہیں تو بعض کے نہ ماننے کی وجہ کیا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے سارے صحابہ اور اہل بیت کو ماننا علامت اسلام ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے تھے تو ان کی بیویاں ساری اولاد سارے ساتھی جن کے درجات قرآن کریم سے ثابت ہیں سچے کیوں نہ ہوں۔ **نواں فائدہ:** حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ کیونکہ یہاں امنا انزل اور اوتی سارے صیغے ماضی کے فرمائے گئے۔ معلوم ہوا کہ سارے رسول اور ان کی کتابیں آچکیں اگر کوئی اور نبی آنے والا ہوتا تو یہاں مستقبل کا صیغہ بھی فرمایا جاتا۔ (کبیر)۔

پہلا اعتراض: دین واسلام وایمان میں فرق کیا ہے؟ یہاں دین کو تو اللہ کی طرف نسبت دیا گیا اور اسلام کو آسمانی و زمینی مخلوق کی طرف کہ فرمایا گیا۔ **اسلم من فی السموت والارض** اور ایمان کی صرف مسلمانوں کی طرف **قل امنا باللہ** اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** ان میں چند لحاظ سے فرق ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ مجموعہ سچے عقائد اللہ کا دین ہے اور ان عقائد کا مان لینا ایمان اور اس کا اظہار و اقرار اسلام اور بھی بہت سے فرق ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** عقائد کا مسئلہ ہے کہ جبراً مشاہدہ کا اسلام معتبر نہیں۔ اسی لئے نزع والا ایمان مفید نہیں ہوتا۔ اور منافقین مسلمان نہیں کیونکہ مجبوراً ایمان لائے پھر یہاں رب تعالیٰ نے ان کی تعریف کیوں فرمائی کہ فرمایا طوعاً "و کرھاً" مجبوراً اسلام کا تو ذکر بھی نہ چاہئے تھا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں اسلام سے احکام قضا و قدر کی اطاعت مراد ہے نہ کہ شرعی اسلام اور اس سے کفار کی برائی کرنا مقصود ہے کہ یہ جب احکام قضا و قدر میں رب تعالیٰ کے مطیع ہیں اور اس کا ہر فیصلہ مانتے ہیں تو اس کے شرعی احکام کیوں نہیں مانتے۔ سلطان کے بعض قوانین ماننا بعض نہ ماننا بغاوت ہے۔ خیال رہے کہ ارادہ الٰہی کی مخالفت ناممکن ہے۔ امر الٰہی کی مخالفت ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے۔ لاکھوں آدمی نماز نہیں پڑھتے۔ دوسرے یہ کہ یہاں اسلام سے شرعی اسلام مراد ہو تب بھی اس سے کفار کی حماقت بیان کرنا مقصود ہے کہ آخر کار انہیں پٹ کٹ کر اسلام لانا ہی ہے تو ابھی بخوشی مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے پھر پٹیں گے بھی اور وہ اسلام معتبر بھی نہ ہوگا۔ **تیسرا اعتراض:** کیا یہ ممکن ہے کہ رب اپنے ارادے کے خلاف حکم دے کہ ابو جہل کے کفر کا ارادہ کرے اور اسے ایمان کا حکم فرمائے۔ **جواب:** ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے دنیا کے سارے کام اس کے ارادے کے موافق ہیں اور صدہا کام حکم کے خلاف۔ قتل، خونریزی اور کفر وغیرہ حکم کے مخالف ہیں اور ارادے کے موافق۔ دن رات ہم بھی اپنی رضا و ارادے کے خلاف حکم دیا کرتے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** قرآن کریم دیگر کتابوں سے پیچھے آیا۔ تو یہاں اس کا ذکر پہلے کیوں کیا گیا کہ **وما انزل علینا وما انزل علی ابراھیم** **جواب:** اگرچہ قرآن نزول میں پیچھے ہے لیکن ہمارے ایمان میں پہلے کہ ہم نے پہلے اسے مانا۔ پھر اس کی راہبری سے دیگر کتب کو گویا راہبر کا ذکر پہلے ہوا۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ میں پہلے محمد رسول اللہ ہونا چاہئے تھا اور پھر لا الہ الا اللہ کیونکہ حضور علیہ السلام کی راہبری سے ہمیں توحید ملی۔ مگر منشاء الٰہی یہ تھا کہ پہلے ذکر الٰہی رب کے نام سے انسان کا منہ پاک و صاف کر دیا جائے تاکہ اس پاک و ستھرے منہ سے سید الطاہرین صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے اس نام پاک کے لئے ذکر اللہ کی پاکی چاہئے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب　ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

چھٹا اعتراض: یہاں انزل علینا فرمایا گیا اور سورۂ بقر میں انزل علیک فرمایا گیا تھا۔ اس علی اور الی کی کیا وجہ ہے؟ جواب: وحی آسمان سے آتی ہے اور نبی تک آتی ہے ابتداء کے لحاظ سے علی فرمایا جاتا ہے اور انتہا کے لحاظ سے الی۔ ان میں اعتباری فرق ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ رسول کے لئے الی فرمایا جاتا ہے۔ بما انزل الیک اور امت کے لئے علی کیونکہ امت تک رسول کے ذریعہ وحی پہنچتی ہے گویا امت وحی کی انتہا ہے۔ مگر یہ غلط ہے یہاں خود موجود ہے۔ انزل علی ابو اھیم اور وہاں تھا۔ بما انزل الیک (از کبیر و معانی)۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیا و دین دونوں کا مدار اثبات و نفی پر ہے۔ مفید چیزیں اختیار کرنا مضر غذاؤں وغیرہ سے بچنے پر جسمانی زندگی قائم ہے یونہی نیک اعمال کرنے گناہوں سے بچنے کا نام تقویٰ ہے اسی طرح لا الہ نفی اور الا اللہ اثبات سے توحید قائم ہے۔ یوں ہی حضرات انبیاء کرام کے متعلق اثبات و نفی سے عقیدہ رسالت برقرار ہے امنا باللہ میں اثبات تھا اور لا نفرق بین احد میں نفی۔ اس ایک کلمہ لا نفرق نے رسالت کے متعلق نفی مکمل طور پر بیان فرمادی۔ تفریق بین الانبیاء کی چار صورتیں ہیں تین تو کفر ہیں ایک ایمان' ایمان لانے میں فرق کرنا کہ بعض کو ماننا بعض کو نہ ماننا کسی کی ایسی بزرگی ماننا کہ دوسروں کی اہانت ہو جائے۔ اپنی طرف سے فرق مراتب کرنا یہ سب سخت جرم ہے۔ رہا ان کے مختلف مراتب ماننا یہ عین ایمان ہے۔ جیسے زمین کے طبقے زمانہ کی ساعتیں' مہینے' کعبہ معظمہ کے ارکان۔ قرآن کریم کی سورتیں آیتیں یکساں نہیں۔ تو حضرات انبیاء کرام کے مراتب یکساں کیسے ہوں گے۔ ان میں کوئی کلیم اللہ ہے کوئی روح اللہ کوئی حبیب اللہ مگر ایمان سب پر ہے۔ ایسے ہی حضرات اولیاء اللہ بلکہ حضرات صحابہ کے درجات مختلف ہیں مگر ہمارا ایمان سب پر ہے۔ شیطان اور انسان کے ساری چیزیں بخوشی مسلم ہیں۔ اور انسان و شیطان مجبوراً مطیع۔ کیونکہ ان دونوں کے سوا کسی میں کفر کی گنجائش ہی نہیں۔ سب رب تعالیٰ کے مطیع ہیں۔ انسان اپنے ارادے کے حجاب اور عہد الٰہی کے بھول جانے کی وجہ سے کفر کے قابل ہوا۔ اور شیطان ظلمت نفسانی اور فخرو انانیت و تکبر کی وجہ سے کافر ہوا۔ مگر لطف یہ ہے کہ وہ خود بھی اپنے کو کافر جانتا ہے۔ اور کافر جاننا ایمان ہے۔ نیز اس کا عقیدہ ہے کہ میری گمراہی رب تعالیٰ کے ارادے سے ہے رب بما اغویتنی۔ رب تعالیٰ کا خوف ملائکہ کی دہشت اپنے جہنمی ہونے کا یقین یہ ایمانی عقیدے ہیں۔ خود رب تعالیٰ نے شیطان کا کلام نقل فرمایا۔ انی اخاف اللہ شدید العقاب دوسری جگہ فرمایا۔ وما کان لی علیکم من سلطن۔ ایک جگہ فرمایا انی کفرت بما اشرکتمون من قبل ان تمام آیتوں سے شیطان کا ایمان معلوم ہوتا ہے کہ وہ درست عقیدے رکھتا ہے مگر غیر نافع اس لئے فرمایا گیا طوعا" و کرھا" جب مجبوری ایمان شیطان کیلئے ثابت ہے تو اس کے مطیع انسانوں کے لئے بدرجہ اولیٰ ثابت۔ (ابن عربی) صوفیائے کرام کے نزدیک بغیر مقابلہء نفس رب تعالیٰ کی اطاعت اور بغیر حجاب انانیت رب تعالیٰ کا ماننا خوشی کا اسلام ہے۔ جیسے ملائکہ اور مقبول انسانوں کا ایمان' اور وساوس نفس حجاب انانیت شیطانی شبہات کے باوجود رب تعالیٰ کی اطاعت مجبوری اسلام۔ جیسا ضعیف الاعتقاد لوگوں کا ایمان۔ اللہ والوں کے نزدیک کفار دوسری قسم کے مومن ہیں کہ اگرچہ وہ رب تعالیٰ کو خالق رازق مانتے ہیں مگر نفسانی حجابوں میں رہ کر۔ ان کے حق میں فرمایا گیا۔ وما یئومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون ابن جریر نے ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ جو کوئی حق تعالیٰ کی ربوبیت اور اپنی بندگی کا زبانی اقرار کرے لیکن اس کی عبادتیں ریا سے خالی نہ ہوں۔ اس کا اسلام

بھی مجبوراً ہے۔ طوعی اسلام اس کا ہے جس کا عقیدہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور عمل بھی۔ صوفیائے کرام کے نزدیک عالم ارواح۔ عالم نفوس، عالم ملک، عالم ملکوت کی تمام چیزیں اپنے اختیار و شعور سے مسلم ہیں۔ لہٰذا ان کے اسلام طوعی ہے مگر چونکہ انہیں اپنے ایمان اور ایمانیات کی حقیقت سے بے خبری ہے پھر بے خبری سے بھی بے خبری۔ اس لحاظ سے وہ ایمان مجبوری ہے (روح المعانی) امام شاذلی فرماتے ہیں کہ اطاعت بغیر فنا اسلام طوعی ہے اور اطاعت مع الفنا اسلام کرہی۔ جس کو رب تعالیٰ نے اطاعت فنا عطا فرمائی۔ اس پر ظاہری و باطنی نعمتیں مکمل فرمادیں کسی نے ابراہیم ادھم سے کہا کہ آپ وعظ کہو۔ فرمایا میں چار فکروں میں گرفتار ہوں۔ اس لئے کوئی مضمون ذہن میں نہیں آتا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا فکر ہیں۔ فرمایا میثاق کے دن روحوں کے دو حصے کئے گئے۔ ایک کیلئے فرمایا گیا یہ جنتی ہیں۔ دوسرے کے لئے فرمایا گیا یہ جنمی ہیں مجھے خبر نہیں کہ میں کس گروہ میں تھا۔ دوسرے یہ کہ کاتب تقدیر فرشتہ ماں کے پیٹ میں بچوں کی نیک بختی لکھ جاتا ہے مجھے خبر نہیں کہ میرے متعلق قلم کیا چل گیا ہے، بدنصیبی کا یا خوش نصیبی کا۔ تیسرے یہ کہ جان قبض کرتے وقت ملک الموت رب تعالیٰ سے پوچھتے ہیں کہ مولیٰ اسے اسلام پر اٹھاؤں یا کفر پر۔ مجھے خبر نہیں کہ اس وقت میرے متعلق کیا جواب آئے گا۔ چوتھے یہ کہ قیامت میں فرمایا جائیگا۔ **وامتازوا الیوم ایھا المجرمون** اے مجرمو! نیک کاروں سے الگ ہو جاؤ، مجھے خبر نہیں کہ میں کس فریق میں ہوں گا۔ کوئی شخص اپنے متعلق فیصلہ نہیں کر سکتا کہ میرا ایمان طوعی ہے یا کرہی فائدہ مند ہے یا بے فائدہ۔ اس لئے حضرت شیخ صفی فرماتے ہیں کہ منازل سلوک طے کرنے کے بعد بھی بندہ اپنی مقبولیت کا یقین نہیں کر سکتا کیونکہ بہت لوگ اوپر سے بھی گر جاتے ہیں۔ بہت ولی بے دین ہو جاتے ہیں۔ شیطان کے واقعہ سے عبرت پکڑو۔ (روح البیان)

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ

اور وہ جو تلاش کرے سوا اسلام کے کوئی دین پس ہرگز نہ قبول کیا جاوے گا اس سے اور وہ بیچ

اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جاوے گا اور وہ آخرت

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ

آخرت کے نقصان والوں میں سے ہے کیسے ہدایت دے اللہ اس قوم کو جو کافر ہوئے بعد ایمان لانے

میں زیاں کاروں سے ہے کیونکر اللہ ایسی قوم کی ہدایت چاہے جو ایمان لا کر کافر ہو

شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

ان کے اور گواہی دی انہوں نے کہ تحقیق رسول سچے ہیں اور آئیں ان کے پاس نشانیاں اور اللہ نہیں

گئے اور گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے اور انہیں کھلی نشانیاں آچکی تھیں اور

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾

ہدایت دیتا قوم ظالم کو

اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں سے کہلوایا گیا تھا۔ **ونحن له مسلمون** کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں۔ ہمارے سوا کوئی مسلم نہیں۔ اب اس کی دلیل دی جارہی ہے کہ صرف مسلمانوں کا ہی دین مقبول ہے۔ چونکہ قبولیت صرف اسلام کی ہے۔ لہٰذا اللہ کے مقبول صرف مسلمان ہیں۔ گویا پہلے دعویٰ تھا۔ اب دلیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا تھا کہ اسلام عالمگیر مذہب ہے کیونکہ یہی آسمان و زمین والوں کا دین ہے اور اس میں سارے پیغمبروں ساری آسمانی کتابوں کی تصدیق ہے گویا خوبیوں کا جامع ہے اب اس کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ جب اسلام میں یہ خوبیاں ہیں تو جو اسلام کو چھوڑے گا وہ مردود ہوگا۔ اس صورت میں یہ آیت گزشتہ مضامین کا نتیجہ ہے کسی طبی نسخے کی خوبی تین طرح بیان کی جاتی ہے' اس کے ترکیبی اجزاء کی عمدگی دکھا کر' اس کے فوائد بتا کر' اس کے چھوڑنے کے نقصانات بیان کرکے۔ یونہی ایمانی نسخوں کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے اسلام کے ترکیبی اجزاء بیان فرمائے کہ اس میں تمام انبیاء کرام پر ایمان لانا ضروری ہے اب اسلام کے ماننے کے فوائد' نہ ماننے کے نقصانات بیان فرما کر اس کی خوبیاں بیان ہو رہی ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں پکے کافر اور پکے مومنوں کا ذکر تھا۔ اب **و من یبتغ** میں پہلے لوگوں کا ذکر ہے۔ جنہیں دین میں شک ہو اور **کیف یهدی الله** میں مرتدین کا تذکرہ جو اسلام لاکر کافر ہو جائیں۔ گویا چار جماعتوں میں سے دو کا ذکر پہلے ہو چکا تھا اور دو کا اب ہو رہا ہے۔

شان نزول: اس کے شان نزول میں چند روایتیں ہیں۔ (1) یہودی و نصاریٰ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے آپ کے وسیلہ سے دعائیں کرتے تھے اور آپکی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ لوگوں کو بشارتیں دیتے تھے۔ جب حضور علیہ السلام تشریف لے آئے تو حسد سے آپ کے منکر ہو گئے۔ ان کے بارے میں آیت **کیف یهدی الله قوما** نازل ہوئی۔ (خازن و خزائن و عرفان و کبیر وغیرہ)۔ (2) حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بارہ شخص جن میں ابو عامر راہب' حارث ابن سوید انصاری طعمہ ابن مبارک' حجوج ابن اسلت بھی داخل ہیں' مرتد ہو کر کفار مکہ سے جا ملے۔ پھر انہوں نے اہل مدینہ کے پاس خطوط لکھے کہ کیا اب ہماری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (خازن و کبیر و روح المعانی) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ حارث ابن سوید انصاری بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ خیال رہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ واقعات دونوں آیتوں کا شان نزول ہیں۔ یعنی ان موقعوں پر **ومن یبتغ** سے **القوم الظلمین** تک دو آیتیں اتریں اور بعض کے خیال میں ان موقعوں پر صرف پچھلی آیت **کیف یهدی الله** سے **ظلمین** تک نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر) پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ آیتیں اہل کتاب کے بارے میں آئیں یا مرتدین کے حق میں۔ (کبیر)

تفسیر: **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا** من شرطیہ ہے جو عقل والوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ما غیر عقل والوں کے لئے۔ چونکہ سواء انس و جن کے کوئی مخلوق کفر کرتی ہی نہیں۔ اس لئے یہاں من ارشاد ہوا۔ اس من میں تمام انسان و جنات کسی جگہ کے ہوں کسی زمانہ کے ہوں سب شامل ہیں۔ نماز کے موقعہ پر اگر من استعمال ہو تو اس سے کچھ لوگ مراد ہوتے ہیں۔ جن سے دیوانے' بچے' حائض نفساء خارج ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کے موقع پر من سے غرباء و مساکین خارج۔ حج کے موقع پر من سے بہت سے لوگ خارج۔ مگر ایسے موقعہ پر من سے سب ہی مراد ہوتے ہیں۔ دین موسوی و عیسوی خاص علاقوں کے لئے تھے۔ مگر

اسلام تمام جہان کے لئے۔ اس لئے یہاں من سے مراد ہر جن وانس ہے۔ یبتغ بغی سے بنا بمعنی حد سے بڑھنا اور درمیانی چیز کو چھوڑ کر افراط تفریط تلاش کرنا۔ غیر اسلام یا یبتغ کا مفعول ہے اور دیناً اس کی تمیز یا دیناً کا حال مقدم ہے اور دیناً یبتغ کا مفعول اسلام سے یا توحید و اطاعت مراد ہے اس صورت میں اس آیت میں سارے آسمانی ادیان داخل ہیں کہ ان میں سے ہر دین اپنے وقت میں اسلام تھا اور یہ حکم دائمی ہے۔ یا شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے تب یہ حکم اس وقت کے لحاظ سے ہے۔ دین کے معنی اور اسلام و دین میں فرق ہم پچھلی آیت میں بیان کر چکے اور اس کی مکمل تحقیق سورۂ فاتحہ **ملک یوم الدین** کی تفسیر میں ہو چکی یعنی یہ حکم دائمی ہے کہ جو کوئی اسلام کے سواء کوئی دوسرا دین تلاش کرے یا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اب جو کوئی ان کی شریعت کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرے۔ خواہ شرک و کفر کو یا یہودیت و نصرانیت کو کہ وہ ادیان اپنے وقت میں اسلام تھے اب ان کا اختیار کرنا گمراہی ہے۔ غرض کچھ بھی سہی اس کا انجام یہ ہو گا کہ **فلن یقبل منہ** یہ جملہ من یبتغ کی خبر ہے چونکہ اس میں شرط کے معنی تھے۔ لہٰذا اس پر ف آئی لن یقبل قبول سے بنا۔ اس کا نائب فاعل یا غیر اسلام یا دین یا ابتغاء ہے جو من یبتغ سے معلوم ہوا یا نیکیاں ہیں جو اشارۃً اسلام سے معلوم ہوئیں۔ منہ کا مرجع من ہے یعنی اس کا یہ تلاش کرنا یا وہ دین یا ماسوائے اسلام یا اس شخص کی نیکیاں کبھی قبول نہ کی جائیں گی بلکہ وہ اور اسکا دین اور اس کے نیک اعمال سب مردود ہوں گے جن کا نہ ثواب اور نہ اس سے رفع درجات اور اس پر کفایت نہیں بلکہ **وھو فی الاخرۃ من الخسرین** یا تو یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ اور یا فیہ کی ضمیر سے حال ہے اور واؤ حالیہ یا فلن یقبل پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے۔ جیسا کہ اس کا حال ویسا ہی اعراب ھو کا مرجع من ہے آخرت سے مراد دنیوی زندگی کے بعد کی حالت ہے۔ جس میں برزخ اور قیامت اور قیامت کے بعد کے سارے اوقات داخل ہیں۔ خاسرین خسران سے بنا جس کے معنی ہیں ثواب سے محرومی۔ بلکہ لغت میں خسران اصلی پونجی کے جاتے رہنے کو کہتے ہیں۔ خاسر وہ تاجر ہے جو بجائے نفع کے اپنا اصلی مال بھی کھو بیٹھے۔ چونکہ کافر اپنا فطری دین کھو بیٹھتا ہے۔ جو وہاں سے لایا تھا۔ اس لئے اسے خاسر فرمایا گیا۔ یعنی ایسا شخص آخرت میں ان نقصان پانے والوں میں سے ہو گا۔ جو اپنی اصل پونجی کھو بیٹھے کہ نیکیوں کا ثواب تو کیا پاتا۔ اپنا فطری دین بھی کھو بیٹھا۔ **کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم۔** یھدی ہدایت سے بنا بمعنی راہ دکھانا یا منزل مقصود پر پہنچانا۔ یہاں یا جنت کا راہ دکھانا مراد ہے یا دین حق کا راستہ دکھانا یا منزل مقصود پر پہنچانا یا توفیق خیر دینا یا ان کے دل میں معرفت پیدا کرنا مراد ہے یا دین حق کا راستہ دکھانا یا منزل مقصود پر پہنچانا یا توفیق خیر دینا یا ان کے دل میں معرفت پیدا کرنا مراد (کبیر و معانی) لہٰذا اس کا متعلق پوشیدہ ہے یعنی **الی الدین الحق یا الی الجنت یا فی قلوبھم قوما** یھدی کا مفعول ہے۔ ایمان سے ان کا اسلام قبول کرنا مراد ہے یا توریت و انجیل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا جیسا کہ شان نزول کی روایتوں سے معلوم ہوا۔ لہٰذا کفر میں بھی دو احتمال ہو گئے ارتداد اور اصلی کفر یعنی اللہ اس قوم کو جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی جنت کا راہ یا دین حق کی راہ کیسے دکھائے یا ان کے دلوں میں معرفت کیسے پیدا کرے یا انہیں توفیق خیر کیسے دے **وشھدوا ان الرسول حق** واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ ایمان پر معطوف کیونکہ ایمان میں فعل کے معنی تھے گویا **بعد ما امنوا** تھا بعض نے فرمایا کہ یہ ایمان کے معنی پر معطوف ہے نہ کہ لفظ پر جیسے **ان المصدقین والمصدقت واقرضوا اللہ** کہ یہاں **اقرضوا مصدقین** کے معنی پر معطوف ہے بعض نے فرمایا کہ شھدوا سے پہلے ان پوشیدہ ہے۔ جس سے یہ بمعنی مصدر ہو گیا یعنی و شہادتھم۔ شاعر کہتا ہے۔

ولبس عباءة و تقر عینی احب الی من لبس الشفوف

اس میں تقر فعل لبس پر معطوف ہے غرض یا شھدوا کو مصدر بنایا جائے یا ایمان کو فعل تاکہ معطوف علیہ و معطوف میں موافقت ہو جائے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ جملہ کفروا پر معطوف ہے اور واؤ ترتیب کے لئے نہیں۔ اب معنی یہ ہوئے کہ جنہوں نے گواہی دی اور کافر ہوئے (روح المعانی)۔ رسول سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حق مقابل باطل کے ہے۔ خیال رہے کہ گواہی سے یا اسلام کی گواہی مراد ہے یا وہ گواہی جو اہل کتاب حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے دیا کرتے تھے۔ **وجاء ھم البینت** یہ جملہ بھی **شھدوا** پر معطوف **بینات** بینۃ کی جمع ہے بمعنی ظاہر چیز اسی لئے گواہوں کو بینۃ کہتے ہیں وہ خود ہی ظاہر ہوتی ہے۔ اور دعویٰ کو ظاہر کرتی ہے یہاں **بینات** سے یا توریت و انجیل کی آیتیں مراد ہیں یا حضور علیہ السلام کے معجزات یا قرآنی آیات یا دلائل حقانیت **واللہ لا یھدی القوم الظلمین** یہ نیا جملہ ہے اور **لا یھدی** میں وہ یہ تین احتمال ہیں جو **کیف یھدی** میں تھے ظالم سے مراد کافر ہے۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کا حق مارتا ہے کہ کفر کے ذریعہ اسے جہنم تک پہنچاتا ہے۔ یا رب کی چیز کو غیر جگہ صرف کرتا ہے یا بجائے ایمان کفر استعمال کرتا ہے۔ غرضیکہ ظلم کے تین معنی ہیں حق مارنا' کسی کی چیز بغیر اجازت خرچ کرنا۔ چیز کو غیر مرتبہ میں رکھنا' یہ تینوں معنی کافر پر صادق آتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ظالموں (کفار) کو ہدایت نہیں فرماتا۔ خیال رہے کہ چونکہ ہدایت نہ دینے کی علت ظلم اور کفر ہے۔ اس لئے **لا یھدیھم** نہ کہا بلکہ نام لیا۔

خلاصہ تفسیر: جو کوئی شریعت محمدی یعنی اسلام کے سواء کسی دین کی تلاش کرے۔ خواہ شرک و کفر کو یا گزشتہ منسوخ دینوں میں سے ایک۔ تو اس کا دین یا تلاش دین یا اس دین میں رہ کر اس کے نیک اعمال رب تعالیٰ کی بارگاہ میں کبھی قبول نہ ہوں گے۔ وہ خود اور اس کی نیکیاں اور اس کا دین تلاش کرنا سب مردود ہیں اور صرف اس پر بس نہیں بلکہ آخرت میں ان ٹوٹے والوں میں سے ہو گا۔ جس کی اصل پونجی بھی برباد ہو جائے۔ خیال رہے کہ اسلام میں عقائد و اعمال سب ہی آگئے۔ جو اسلامی عقیدوں کے سواء اور عقیدے اختیار کرے وہ بھی مردود ہے اور جو عقائد تو اسلامی رکھے مگر اعمال غیر اسلامی اختیار کرکے ان کے ذریعہ رب سے ملنا چاہے وہ بھی بے ایمان ہے۔ بھنگی چرسی پوستی' فقیر یونہی نماز و روزے کے تارک گانا بجانا سننے والے پیر' جو نماز کے قریب نہ جائیں۔ گانے بجانے کو خدا رسی کا ذریعہ جانیں سب بے ایمان ہیں۔ ایک سنت پر عمل ہزار ہا چلوں' وظیفوں سے افضل ہے وہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت بابا شیخ فرید پاک پٹن والے بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ برس کنویں میں لٹک کر چلہ کیا کہ کنویں سے باہر آئے ہی نہیں۔ بالکل غلط ہے ورنہ بتاؤ کہ اس زمانہ کی نمازیں جماعتیں کیسے ادا کیں۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ اس قوم کو جنت کی ہدایت کیسے کرے یا اس کی ہدایت کیونکر چاہے یا اس کے دل میں معرفت کیسے پیدا کرے یا اسے منزل مقصود تک کیسے پہنچائے' جو ایمان لاکر اور اس رسول برحق کی گواہی دیکر اور کھلے ہوئے واضح دلائل دیکھ کر کافر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت دیتا ہی نہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اسلام' ایمان ایک ہے کیونکہ اگر ایمان غیر اسلام ہو تا تو وہ بھی قبول نہ ہوتا۔ جیسا آیت نے فرمایا کہ غیر اسلام کوئی دین قبول نہیں۔ **مسئلہ:** جنہوں نے اسلام کو غیر ایمان مانا وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں غیر سے مغایرت اور مخالفت مراد ہے۔ یعنی جو کوئی اسلام کے خلاف دیگر ادیان یہودیت وغیرہ کو اختیار کرے گا

وہ مردود ہے اسلام اور ایمان ذاتاً" ایک ہے مفہوم میں فرق۔ دوسرا فائدہ: کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں کیونکہ ایمان شرط قبولیت ہے۔ جیسے بے وضو کی نماز مردود ایسے ہی کافر کی نیکیاں باطل خواہ کسی قسم کی ہوں۔ کسی کے ثواب کا مستحق نہیں جیساکہ فلن یقبل سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: عالم کا جرم جاہل کے جرم سے سخت تر ہے کہ وہ جان بوجھ کر قصور کرتا ہے نیز اس کے جرم میں ضد کا شائبہ ہے۔ نیز اس کا جرم دوسروں کو مجرم بنادیگا۔ جیساکہ جاء ھم البینت سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: گمراہ عالم کی ہدایت سخت دشوار ہے جاہل کی ہدایت آسان۔ جیساکہ کیف یھدی اور لا یھدی سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: ایمان اور شہادت میں فرق ہے کیونکہ یہاں شھدوا کو ایمان پر معطوف کیا گیا۔ ایمان تصدیق کا نام ہے اور شہادت اقرار کا۔ ایمان دل کا فعل ہے اور شہادت زبان کا لہٰذا اسلام اور ایمان میں مفہوماً" فرق ہے۔ کیونکہ معطوف معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ لطیفہ: اس آیت سے اسلام و ایمان کا اتحاد بھی معلوم ہوتا ہے اور اختلاف بھی کیونکہ حضور علیہ السلام کی حقانیت کی گواہی دینا اسلام ہے مگر ایمان پر معطوف ثابت ہوا کہ یہ دونوں ذاتاً" ایک ہیں۔ مفہوماً" جداگانہ چھٹا فائدہ: مسلمان کا اسلام اور طلب اسلام اور اس کے نیک اعمال سب قبول جیساکہ لن یقبل سے معلوم ہوا کہ کافر کا دین اور تلاش دین اور نیکیاں مردود۔ مومن کا حال اس کے خلاف ہے۔

پہلا اعتراض: یہاں بہت دراز عبارت کیوں ارشاد فرمائی گئی کہ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا صرف الکفار فرمادینا ہی کافی تھا۔ جواب: اس لئے کہ اس میں پانچ قوموں کو شامل کرنا منظور ہے۔ نیکیاں کرنے والے کفار جیسے سخی عادل کافر اور وہ مسلمان جو مسلمان کہلا کر دوسرے مذاہب کی حقانیت کا شک کریں اور ان میں حق تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ ہر دین کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ طالب حق کہلوائیں گویا انہیں اسلام کی حقانیت میں تردد ہے وہ مسلمان جو دعویٰ اسلام کر کے تمام ادیان کو سچا جانیں۔ اور کہیں کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب کے اصول کی پابندی کر کے رب کو پاسکتا ہے اور ہر مذہب میں رہ کر نیکیوں کا ثواب ملے گا وہ مسلمان جو کفر کا ارادہ کرے اگرچہ اسے کافر ہونے کا موقعہ نہ ملے وہ جاہل مسلمان جو اسلامی عبادات سے منہ موڑیں اور اپنی ایجادات اور بیہودہ کاموں کو عبادت سمجھیں۔ جیسے بے نماز بھنگی چرسی فقیر اور گانے بجانے والے مسلمان سال لحو محرم میں پیٹنے والے جہلاء یہ سب من یبتغ میں داخل ہیں۔ الکفار یا کافر فرمادینے سے یہ فوائد حاصل نہ ہوتے۔ مسئلہ: ارادۂ کفر کفر ہے اگرچہ کفر بکنے کا موقعہ نہ ملے۔ دوسرا اعتراض: کیف یھدی اور لا یھدی سے معلوم ہوا کہ مرتد کو اسلام کی توفیق نہیں اور خدا اسے ہدایت کبھی نہیں دیتا۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ بہت مرتد دوبارہ اسلام لے آتے ہیں۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں خاص ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ جن کا گمراہ ہونا اور حق پر نہ آنا علم الٰہی میں آچکا تھا جیسے ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون کہ اس سے خاص کفار مراد ہیں نہ کہ عام۔ دوسرے یہ کہ ہدایت سے مراد راہ جنت کی ہدایت دینا ہے۔ یعنی آخرت میں رب تعالیٰ کفار کی جنت کو راہ نہ دکھائے گا اور ظالمین سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو کافر ہو کر مرجائیں (مدارک) تیسرے یہ کہ ہدایت سے مراد معرفت پیدا کرنا ہے۔ یعنی اللہ کافر کے قلب میں معرفت پیدا نہیں کرتا خواہ کتنا ہی مجاہدہ اور مشقت کرے۔ معرفت مومن کی عبادت سے پیدا ہوتی ہے۔ چوتھے یہ کہ اللہ ظالم کو ظالم رہتے ہوئے ہدایت نہیں دیتا۔ اور جب وہ نادم ہو کر توبہ کرلے تب ظالم نہ رہا۔

خلاصہ: یہ کہ حق تعالٰی ارادے کے بعد خلق فعل فرماتا ہے ارادۂ کفر کے بعد خلق کفر اور ارادۂ ہدایت کے بعد خلق ہدایت فرماتا ہے۔ پانچویں یہ کہ یہاں ہدایت سے منزل مقصود پر پہنچانا مراد ہے یعنی ظالم کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا راہ دکھانا مراد نہیں۔ اس لئے آگے توبہ کا ذکر آرہا ہے یعنی بغیر توبہ ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں کفار کے خسارے کو آخرت کے ساتھ کیوں خاص کیا کہ فرمایا **وھو فی الاخرۃ من الخسرین** **جواب:** اس لئے کہ اس نقصان کا ظہور آخرت میں ہی ہوگا اور وہ لوگ اس کا وہاں ہی اقرار کریں گے۔ **انا کنا ظالمین** دنیا میں بہت سے کافر عیش میں ہیں اور اپنے کو کامیاب سمجھے ہوئے لہٰذا **فی الاخرۃ** فرمایا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** **ومن یبتغ** سے معلوم ہوا کہ جو کوئی اسلام کے سواء دوسرا دین تلاش کرے وہ نقصان میں ہے اور جسے بغیر تلاش ہی دوسرا دین مل جائے تو چاہئے کہ وہ نقصان میں نہ ہو۔ خاندانی کافر جن کا کفر بچپن سے ہے۔ انہوں نے کفر کہاں تلاش کیا تو کیا وہ اس حکم سے خارج ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب اسی آیت میں دے دیا گیا۔ **واللہ لا یھدی القوم الظالمین** جس سے معلوم ہوا کہ ان سزاؤں کی وجہ کفر ہے خواہ تلاش سے حاصل ہو یا بغیر تلاش **ومن یبتغ** فرما کر اس جانب اشارہ ہے کہ جو دین کی جستجو کرے اور تلاش حقانیت کے بعد بھی کفر میں پھنسے وہ بھی نقصان میں ہے تو جو بے پرواہی سے کافر ہے اور تلاش حق کی کوشش ہی نہ کرے وہ بدرجہ اولٰی اس سزا کا مستحق کیونکہ وہ کافر بھی ہے اور بے پرواہ بھی اور ہو سکتا ہے کہ **یبتغ** فرما کر کفار کے ان بچوں کو نکالا گیا ہو جو بچپن میں فوت ہو جائیں کہ وہ ان سزاؤں کے مستحق نہیں کیونکہ انہوں نے نہ کفر تلاش کیا نہ اسے اختیار کیا۔ لہٰذا یہ آیت ان لوگوں کی دلیل ہے جو کفار کے بچوں کو ناجی مانتے ہیں۔

نوٹ ضروری: کفار کے فوت شدہ بچوں میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ جہنم میں رہیں گے کہ اولاد ماں باپ کے تابع ہوتی ہے نبی کا نابالغ بچہ نبی کے ساتھ' ولی کا ولی کے ساتھ عام مسلمانوں کا ان کے ساتھ۔ ایسے ہی کافر کا بچہ کافر کے ساتھ۔ (2) دوسرے یہ کہ ان کی نجات ہوگی اور وہ اہل جنت کے خدام بن کر جنت میں رہیں گے کیونکہ انہوں نے کفر نہیں کیا۔ اور اگرچہ کفار کے بچوں پر دنیا میں کفر کے احکام جاری ہوتے ہیں کہ نہ ان کا کفن دفن ہو نہ نماز جنازہ مگر آخرت میں ایسا نہ ہوگا کیونکہ یہاں ظاہر پر حکم ہے اور وہاں حقیقت پر۔ (3) تیسرے یہ کہ اس مسئلہ میں خاموشی چاہئے کیونکہ اس بارہ میں روایتیں مختلف ہیں اور دنیا میں بھی ان پر کفر کے سارے احکام جاری نہیں جہاد میں انہیں قتل کرنا جائز نہیں۔ مگر جن کافروں پر عذاب الٰہی آیا ان کے بچے بھی عذاب سے نہ بچے۔ یہی قول امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ (از شامی) اس آیت میں دوسرے قول والوں کی دلیل ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے لازم آتا ہے کہ سارے گنہگار مسلمان جو اسلامی احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ مردود ہوں کیونکہ غیر اسلامی کام کرتے ہیں جیسے جواء شراب خواری وغیرہ۔ **جواب:** اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں۔ جو غیر اسلام کو دین سمجھیں اور غیر اسلامی کاموں و عقیدوں کو رب تک پہنچنے کا ذریعہ جانیں۔ گنہگار مسلمان اپنے کو مجرم اپنے ان کاموں کو گناہ سمجھتا ہے اس لئے یہاں ارشاد ہوا غیر الاسلام دینا "برا کام کرنا اور ہے اور برے کام کو دین سمجھنا کچھ اور۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیائے کرام کے نزدیک اسلام توحید حقیقی ہے۔ جو ماسوی اللہ کے خیال کو ختم کردے وہی دین اللہ ہے اس کی جانب **اسلمت وجھی للہ** میں اشارہ ہے اس توحید کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان رب تعالٰی کا کامل مطیع و فرمانبردار ہو تا ہے کیونکہ

سارے اعضا قلب کے تابع ہیں جب قلب میں غیر خدا کا دھیان نہیں تو اعضائے ظاہری پر مخالفت رب تعالیٰ کا احتمال نہیں اس درجہ میں پہنچ کر انسان مسلم حقیقی بنتا ہے۔ **ونحن له مسلمون** میں اسی جانب اشارہ ہے اور حدیث **من ترک الصلوة متعمدا فقد کفر** اس درجہ کا بیان ہے کہ جو کوئی دلی ارادہ کے ساتھ نماز چھوڑ دے وہ غیر اللہ یعنی نفس و شیطان کا مطیع ہو گا جو اس توحید کے خلاف ہو کر اس توحید حقیقی کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرے خواہ شیطان کی اطاعت میں یا نفس امارہ کی پیروی میں وہ ہرگز مقبول بارگاہ نہ ہو گا کیونکہ اس کا یہ دین اسے رب تعالیٰ تک نہیں پہنچا سکتا ہے وہ رب تعالیٰ سے ہمیشہ محجوب ہی رہے گا اور آخرت میں سخت نقصان میں۔ کیونکہ اس نے اپنے نفس کو حجابات کے عوض فروخت کر دیا۔ رب تعالیٰ نے اولاً سب کو ایمان میثاق کا نور دیا۔ پھر انہیں نور استعداد عطا فرمایا پھر ان میں سے بعض کو نور ایمانی بخشا۔ یہاں تک کہ انہوں نے پیغمبر کی حقانیت کا مشاہدہ کر لیا۔ اور اس کے ساتھ دلائل عقلیہ بھی انہیں مل گئے جس سے انہیں کوئی شک باقی نہ رہا پھر نفس کی ظلمت نے ان کی عقل و دل کے انوار کو ڈھانک لیا اور ان کے مشاہدہ کرنے والی روح کو پردے میں لے لیا۔ ایسے بد نصیبوں کو اب خدا تعالیٰ کیسے ہدایت دے کہ جنہیں نور الانوار بلکہ نور فوق نور حاصل تھا۔ اور پھر ظلمات، بعضہا فوق بعض میں پھنس گئے۔ ایسے لوگ بڑے ظالم ہیں کیونکہ کوئی ظلم کرتا ہے غیروں پر یہ ظلم کرتے ہیں اپنے پر اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حجاب و ظلمت اور حق سے دوری دو قسم کی ہے ایک وہ جس میں نفس امارہ دل پر پورا غلبہ کر لے جس سے سرکشی انتہا کو پہنچ جائے اور حق سے انتہائی دوری ہو جائے یہ کبھی دور نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ گلے ہوئے لوہے کی طرح ہیں جنہیں کوئی صیقل صاف نہیں کرتی اس کو ختم کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جس میں نفس امارہ نے دل پر پورا قبضہ نہ کیا ہو اور انوار رحم یا علم کی شعاعیں بالکل بند نہ ہوئی ہوں۔ اور ان کے قلب میں منور ہونے کی قابلیت ہو یہ اس زنگ آلودہ لوہے کی طرح ہیں جو کامل کاریگر اور اعلیٰ صیقل سے صاف ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ رحمت الٰہی ان کی دستگیری کرے وہ نادم ہو کر توبہ کر لیں۔ ان کی طرف اگلی آیت میں اشارہ ہے۔ **الا الذین تابوا** (از ابن عربی) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ کفر چند قسم کا ہے۔ بے پرواہی کا کفر' جیسے عام کفار کا بے جا محبت کا کفر جیسے عیسائیوں کا' رب کی عداوت کا کفر۔ عداوت انبیاء کا کفر جیسے یہود کا عداوت ملائکہ کا کفر جیسے ابن سوریا کا جس نے کہا کہ جبریل ہمارے دشمن ہیں۔ صحابہ کرام کی عداوت کا کفر مگر ان سب میں کفر عداوت سخت تر ہے دشمن پیغمبر کو ایمان کی توفیق نہیں ملتی۔ رب چاہتا ہی نہیں کہ میرے محبوبوں کے دشمن جنت میں جائیں۔ انہیں کے بارے میں فرمایا گیا۔ **کیف یهدی الله قوما** اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس ظالم قوم کو جنہوں نے جان بوجھ کر آپ کا انکار کیا جن کے دلوں میں آپ کی عداوت کی آگ بھڑک رہی ہے کیسے ہدایت دے دیں اور انہیں اپنی جنت میں کیسے آنے دیں۔ جنت تمہاری خاطر بنی ہے تمہارے غلاموں کے واسطے بنی۔ اللہ تعالیٰ کفر حسد سے بچائے شیطان عداوت کا کافر تھا۔ جس سے اس کی ساری عبادت برباد ہو گئی۔ عداوت پیغمبر وہ آگ ہے جو ساری نیکیوں کی صرف بربادی نہیں کرتی۔ بلکہ قلب کو ایمان کے قابل نہیں چھوڑتی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پاکاں دہد

جب رب تعالیٰ کسی کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو اسے اللہ کے مقبول بندوں میں عیب نکالنے کی سوجھتی ہے۔ یہ آیتیں قابل عبرت ہیں۔

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

یہ لوگ بدلہ ان کا یہ ہے کہ تحقیق اوپر ان کے لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی

ان کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں عذاب اور سب کی ہمیشہ

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ إِلَّا الَّذِينَ

سب کی ہمیشہ رہنے والے بیچ اس کے نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ مہلت دیئے جاوینگے

اس میں رہیں نہ ان پر عذاب ہلکا ہو نہ انہیں مہلت دی جائے گی مگر جنہوں نے اس کے

تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

سوا ان کے جنہوں نے توبہ کی بعد اس کے اور درست کیا انہوں نے پس تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

بعد توبہ کی اور آپا سنبھالا تو ضرور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مرتدین یا معاندین کا ذکر تھا اب ان کی جزا کا تذکرہ ہے۔ گویا جرم اور مجرم کے ذکر کے بعد اس کے نتیجے اور سزا کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کی مردودیت کا ذکر تھا۔ اب اس کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ مردودیت کا ظہور اس طرح ہوگا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مرتدین یا معاندین کی روحانی و دنیاوی سزا کا ذکر تھا کہ رب تعالیٰ انہیں دنیا میں ہدایت نہیں دیتا اب اس کے جسمانی اور اخروی عذاب کا ذکر ہے یعنی لعنت اور جہنم کا عذاب وغیرہ۔ گویا اس جرم کی چند سزاؤں میں سے بعض کا ذکر پہلے ہو چکا۔ بعض کا اب ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں معاندین کی محرومی کا ذکر تھا کہ وہ نعمت ہدایت سے محروم ہیں اب ان کے عذاب کا تذکرہ ہے۔ چونکہ نعمت سے محرومی عذاب پر مقدم ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے ہوا اور اس کا بعد میں۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں ایک مہلک بیماری کا ذکر تھا یعنی کفر اور عذاب اس کی دوا بتائی جا رہی ہے یعنی توبہ اور اپنے گناہوں پر ندامت۔ گویا مصیبت کے ذکر کے بعد اس کے دفعیہ کا ذکر ہے۔

شان نزول: حارث ابن سوید انصاری کو کفار کے ساتھ جا ملنے کے بعد سخت شرمندگی ہوئی جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہو چکا۔ تب انہوں نے اپنی قوم کے پاس پیام بھیجا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ ان کے حق میں آیت **الا الذین تابوا من بعد ذالک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم** اتری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھائی جلاس کے ذریعہ یہ آیت ان تک پہنچائی۔ تب وہ مدینہ منورہ میں آ کر تائب ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اس کے بعد ان کا اسلام نہایت کامل ہوا۔ (تفسیر خزائن عرفان و خازن)۔

تفسیر: **اولئک جزاء هم ان علیهم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین۔ اولئک** سے ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جن کے عیوب پہلے بیان ہو چکے۔ چونکہ وہ لوگ ان عیوب کی وجہ سے گویا محسوس ہو گئے تھے اس لئے بجائے

ضمیر کے اسم اشارہ لایا گیا۔ **جزاء** **جزی**۔ **یجزی** کا مصدر ہے بمعنی برابر ہونا کافی ہونا۔ ہر بدلہ کو جزا کہا جاتا ہے۔ خواہ بدلہ نیکی کا ہو یا برائی کا جیسے **و جزا ھم بما صبروا** اور جیسے **فجزاء ہ جھنم** یہاں بمعنی سزا ہے۔ **اولئک** مبتداء اول ہے اور **جزاء ھم** دوسرا مبتدا اگلا جملہ جزا کی خبر۔ پھر یہ پورا جملہ **اولئک** کی خبر۔ لعنت کے معنی ہیں دور کرنا' رحمت سے دور کرنا رب کی لعنت ہے اور اس دوری کی دعا کرنا بندوں کی لعنت۔ یہاں اللہ کے لحاظ سے بمعنی دوری رحمت ہے اور فرشتوں اور لوگوں کے لحاظ سے بمعنی دعائے دوری۔ یہاں لعنت کو جملہ اسمیہ سے بیان فرمایا گیا۔ اور عذاب میں کمی یا مہلت نہ دینے کو مضارع سے جس سے معلوم ہوا کہ لعنت تو دنیا کی زندگی' مرتے وقت اور قبر و حشر میں ہمیشہ ہر جگہ ہے مگر عذاب میں کمی وغیرہ نہ ہونا آخرت میں ہوگا۔ دنیا میں اللہ کی لعنت یہ ہے کہ بندہ کو آخرت کی نعمتوں ایمان' عرفان نیک اعمال کی توفیق نہ ملے اور دنیاوی نعمتیں اگر ملیں تو عذاب و زحمت بن کر ملیں کہ بندہ مال و اولاد و عزت و سلطنت پاکر اور زیادہ سرکش ہو جائے۔ مرتے وقت کی لعنت یہ ہے کہ جوں جوں عمر زیادہ گزرے بندے کو دنیا میں مشغولیت زیادہ ہو۔ ورنہ چاہئے یہ کہ بڑھاپے میں انسان دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی تیاری کرے۔ پرندہ دن بھر کھیتوں میں چگتا ہے شام کو اپنے آشیانے کی طرف اڑتا ہے۔ قبر کی لعنت یہ ہے کہ بندہ کو منکر نکیر کے سوالات کے جوابات نہ سوجھیں آخرت کی لعنت یہ کہ بندے کا منہ کالا ہاتھ بندھے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ہوں۔ ظاہر یہ ہے کہ ملائکہ سے سارے فرشتے مراد ہیں۔ اور ممکن ہے کہ اس سے صرف وہ فرشتے مراد ہوں جو جہنم میں مقرر ہیں یا وہ جو جان نکالنے کے لئے آتے ہیں یا وہ جو انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں کہ یہ محافظ فرشتے اس کافر کی وجہ سے بت خانہ' جوئے' شراب کے اڈوں' کھیل تماشوں کے ٹھکانے میں جانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہاں بادل نخواستہ جاتے ہیں مگر اس پر لعنت کرتے ہوئے اور ممکن ہے کہ اس سے حاملین اور عرش کا طواف کرنے والے فرشتے مراد ہوں کہ وہ حضرات مومنوں کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے اور کافر کے لئے لعنت کی بددعا کرتے ہیں ایسے ہی **الناس** میں بظاہر سارے لوگ مراد ہیں اور ممکن ہے کہ صرف مسلمان مراد ہیں۔ **اجمعین** یا تو صرف **الناس** کی تاکید ہے یا ملائکہ اور ناس دونوں کی۔ پہلی صورت میں اس کے معنی ہوں گے سب لوگوں کی لعنت۔ دوسری صورت میں اس کے معنی ہوں گے فرشتوں اور انسانوں سب کی لعنت۔ گویا یہ فرشتوں اور انسانوں کے شمول کے لئے ہے یعنی یہ لوگ جن کے عیوب تم سن چکے ان کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی بھی لعنت ہے اور فرشتوں کی بھی اور سب انسانوں کی بھی۔ **خلدین فیھا** یہ **علیھم** کی ضمیر سے حال ہے **خلود** بمعنی ہمیشگی بھی آتا ہے اور بمعنی مدت دراز بھی۔ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ کیونکہ کفار جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ **فیھا** کی ضمیر یا لعنت کی طرف ہے یا جزاء کی طرف یا آگ کی جانب' جو اس جزا سے اشارۃً سمجھ میں آئی۔ یعنی یہ کفار اس سزا میں یا آگ میں یا اس لعنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یا تو اس طرح کہ ان پر ہمیشہ لعنت ہوتی رہے گی یا اس طرح کہ لعنت خاص وقت میں ہوگی مگر اس کا اثر یعنی عذاب ہمیشہ۔ پھر اس کے ساتھ ہی **لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون** یہ جملہ یا تو نیا ہے۔ یہ **علیھم** کا دوسرا حال۔ **یخفف** تخفیف سے بنا بمعنی ہلکا کرنا۔ **ینظرون** انظار سے مشتق ہے۔ بمعنی مہلت دینا اور دیر لگانا' رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فنظرۃ الی میسرۃ** یعنی ان کفار سے نہ تو کبھی عذاب ہلکا کیا جائے گا کہ راحت پائیں۔ اور نہ کبھی انہیں مہلت ملے کہ آرام لیں۔ **الا الذین تابوا من بعد ذالک** یہ جملہ پچھلے جملے کا مضمون ہے استثنا یا تو متصل ہے یا منقطع جیسا **لا یھدی القوم الظلمین** کی تفسیروں سے معلوم ہوا کہ اگر ظالمین سے وہ کفار مراد ہیں جن کا کفر پر مرنا علم

اسی میں آچکا تو یہ استثناء منقطع ہے اور اگر ہر کافر مراد ہے تو متصل کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہے۔ خیال رہے کہ الا گزشتہ کا مضمون توڑنے کے لئے آتا ہے۔ اگر گزشتہ میں ثبوت تھا تو الا ثبوت توڑ کر نفی کر دیتا ہے اور اگر گزشتہ میں نفی کا مضمون تھا تو نفی کو توڑ کر ثبوت کر دیتا ہے۔ یہاں لطف یہ ہے کہ پچھلی آیت میں تین لعنتوں کا ثبوت تھا اب الا کے بعد ان لعنتوں کی نفی ہو گی اور پہلے عذاب ہلکا ہونے اور مہلت ملنے کی نفی تھی۔ لہٰذا اب الا کے بعد ان کا ثبوت ہو گا۔ **تابوا** **توب** توب۔ سے بنا۔ بمعنی رجوع کرنا۔ عذاب سے رجوع رب تعالیٰ کی توبہ ہے اور گناہوں سے رجوع بندے کی توبہ۔ اس لئے اس کا فاعل کبھی اللہ آتا ہے کبھی بندے۔ جیسے **لقد تاب اللہ** اور **الا الذین تابوا**۔ **ذالک** سے ظلم اور کفر کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر **الظلمین** میں ہو چکا۔ **من بعد ذالک** فرما کر بتایا گیا کہ اتنے بڑے جرموں کے بعد بھی توبہ سے گناہ بخش دیئے جائیں گے تو چھوٹے گناہ تو بدرجہ اولیٰ قابل بخشش ہوں گے۔ یعنی یہ لوگ دائمی جہنمی ہیں سوا ان کے جو اس کفر کے بعد توبہ کرلیں اور صرف زبانی توبہ نہیں بلکہ **واصلحوا** یہ جملہ **تابوا** پر معطوف ہے۔ **اصلحوا** اصلاح سے بنا جس کا مادہ صلاح ہے۔ بمعنی درستی (فساد کا مقابل) لازم بھی آتا ہے متعدی 'اصلاح صلح' اور درستی میں داخل ہونا۔ جیسے اصبح بمعنی صبح پائی جاتی ہے۔ اصلاح بمعنی درست کرنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں دوسری صورت میں اس کا مفعول پوشیدہ ہو گا کہ اپنے کو درست کرلیں یا گزشتہ جرموں کو درست کر دیں کفارہ وغیرہ دیکر یا آئندہ کو درست کر دیں کہ جو خرابیاں ان کی بدعملی سے پیدا ہونے کا خطرہ ہو اس کا انتظام کرا دیں کہ اگر ان کے وعظ سے غلط عقیدے پھیلنے کا اندیشہ ہو تو اس سے رجوع کرلیں۔ یعنی توبہ کے ساتھ درستی میں داخل ہو جائیں۔ یا اپنے اعمال ٹھیک کرلیں۔ اگر انہوں نے یہ دونوں کام کر لئے تو **فان اللہ غفور رحیم** ف یا جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزا یا تعلیلیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ جملے کی علت ہے **غفور رحیم** کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ یہ غفر سے بنا بمعنی ڈھانپنا۔ چھپانا **غفور** فرما کر اشارۃً بتایا کہ ہم توبہ کرنے والے کے گناہ اس طرح چھپالیں گے کہ دنیا و آخرت میں کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں گے تاکہ بندہ کو شرمندگی نہ ہو۔ جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سفیان و ہندہ کے قصور ایسے چھپائے کہ پھر ذکر بھی نہ ہونے دیا۔ یہاں یا تو مغفرت سے گناہوں کا معاف کرنا مراد ہے اور رحمت سے ان کی نیکیوں کا ثواب دینا مقصود یا مغفرت سے قیامت کے دن ان کے عیب چھپانا مراد ہیں اور رحمت سے ان کی نیکیاں ظاہر کرنا مقصود۔ اس صورت میں یہ دونوں آخرت کے متعلق ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ مغفرت سے دنیا میں پردہ پوشی مراد ہے اور رحمت سے آخرت کی معافی مقصود۔ اس صورت میں یہ دونوں چیزیں دو جہانوں کے متعلق ہیں۔ مغفرت دنیا میں رحمت آخرت میں۔ مگر یہ توجیہ بعید ہے۔ یعنی اگر یہ اپنا حال درست کرلیں تو اللہ ان کے لئے غفور رحیم ہے۔ یا اللہ ان کے گناہ معاف کر دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

خلاصہ تفسیر: یہ لوگ جو مومن ہو کر رسول کی حقانیت کی گواہی دیکر دلائل قویہ دیکھ کر محض عناد و حسد سے کافر ہو گئے۔ چونکہ ان کی بغاوت سخت ہے۔ اس لئے ان کی سزا بھی سخت کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ فرشتوں کی لعنت اور سارے انسانوں کی لعنت اور پھٹکار کہ رب تعالیٰ انہیں آخرت میں ہر رحمت سے دور رکھے گا اور سارے فرشتے اور سارے انسان ان پر لعنت اور پھٹکار اور دوری کی بددعا کریں گے۔ پھر یہ نہیں کہ اس ذلت و مصیبت کی کبھی انتہا ہو جائے بلکہ اس لعنت میں یا لعنت کے عذاب میں ہمیشہ ہی گرفتار رہیں گے۔ اس طرح کہ ہر وقت لوگ انہیں لعنت کرتے رہیں گے۔ یا ہر وقت عذاب ہوتا رہے گا نہ

کبھی ان کا عذاب ہلکا ہو نہ احساس عذاب میں کچھ فرق پیدا ہو۔ اور نہ کبھی مہلت دی جائے کہ کچھ دن کے لئے عذاب موقوف ہو جائے تاکہ راحت پاکر تازہ دم ہو جائیں۔ بلکہ مسلسل اور یکساں عذاب رہے گا۔ مگر جو اب جرموں کے بعد سچے دل سے توبہ کر لیں اور اپنے آپ کو اور اپنے اعمال کو سنبھال لیں۔ یا اپنی بگاڑی چیزوں کو درست کر دیں تو ان کی بخشش ہو جائے گی۔ کیونکہ اللہ بخشنے والا بھی ہے اور بہت رحم و کرم والا بھی۔ اپنے دروازے پر آنے والوں کو دھتکارتا نہیں۔

توبہ

توبہ بڑی عبادت ہے۔ قرآن کریم میں اس کا بارہا حکم دیا گیا۔ نیز اس کے بارے میں احادیث بے شمار وارد ہیں۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ توبہ وہ تریاق ہے جو گناہ کفر شرک غرضیکہ ہر روحانی زہر کو دور کرتا ہے۔ قرآن کریم میں کہیں فرمایا گیا **توبوا الی اللہ** کہیں فرمایا گیا **الا الذین تابوا** غرضیکہ توبہ ہر دلی بیماری کا علاج اور ہر دکھ درد و رنج و غم کی دوا ہے اس کے بارے میں بیشمار حدیثیں وارد ہیں جن میں سے ہم کچھ نقل کرتے ہیں۔ (1) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ہم دن میں ستر بار سے زیادہ توبہ کرتے ہیں (بخاری و مشکوۃ باب الاستغفار والتوبہ)۔ (2) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اے لوگو رب سے توبہ کرو ہم روزانہ سو بار توبہ کرتے ہیں۔ (مسلم و مشکوۃ)۔ (3) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رب تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندو تم دن رات خطائیں کرتے ہو اور ہم گناہ بخشتے ہیں لہٰذا تم ہم سے مغفرت مانگا کرو ہم بخش دیا کریں گے۔ (مسلم و مشکوۃ)۔ (4) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو پیدا کرے جو گناہ کرکے توبہ کریں اور وہ معاف کرے (مسلم) تاکہ ان کی شان غفاری ظاہر ہو۔ (5) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ حق تعالیٰ ہر رات کو اپنا دست قدرت پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گناہگار توبہ کرکے اس کی امن میں آجائے اور ہر دن کو دست قدرت پھیلاتا ہے کہ رات کا گناہگار توبہ کرکے اس کی پناہ میں آجائے یہ جب تک ہوگا جب کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہو۔ (مسلم و مشکوۃ)۔ (6) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ جب گنہگار گناہ کا اقرار کرکے توبہ کرے تو رب تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (7) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جب کوئی گنہگار پکارتا ہے اے رب میں نے گناہ کیا۔ معاف فرما تو رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو اسے بخشنے اور پکڑنے پر قادر ہے۔ جاؤ میں نے اپنے بندہ کو معاف کر دیا پھر بندہ گناہ کرکے تڑپ کے رب تعالیٰ کو پکارتا ہے۔ پھر یہی فرما کر معافی ہو جاتی ہے۔ بارہا ایسا ہی ہوتا رہتا ہے (مسلم بخاری)۔ (8) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے انسان جب تک تو مجھ سے دعا کرتا رہیگا اور میری بارگاہ سے امید رکھے گا میں تیرے گناہ معاف کرتا رہوں گا کیسے ہی ہوں اور کچھ پروا نہ کروں گا۔ اے انسان اگر تیرے گناہ بادل تک پہنچ جائیں اور تو مجھ سے معافی چاہے تو میں بخش دونگا اور کچھ پروا نہ کروں گا۔ اے انسان اگر تو میرے پاس زمین بھر خطائیں لائے تو میں تجھے زمین بھر بخش دونگا۔ بشرطیکہ مشرک ہو کر میرے پاس نہ آ۔ (ترمذی احمد دارمی)۔ (9) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ہر انسان خطاکار ہے اور خطاکاروں میں بہتر توبہ کرنے والے ہیں۔ (ابن ماجہ و ترمذی)۔ (10) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ پیدا ہوتا ہے مگر توبہ کرلے تو صیقل ہو کر اس کا قلب صاف ہو جاتا ہے

اور اگر توبہ نہ کرے بلکہ گناہ پر گناہ کیے جائے تو اس کے دل کی سیاہی بڑھتی جائے گی یہاں تک کہ قلب کو ڈھک لے گی اسی کا نام رین ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون۔ (11) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ شیطان نے عرض کیا تھا کہ اے مولیٰ تیری عزت کی قسم میں تیرے بندوں کو اس وقت تک بہکاؤں گا جب تک کہ ان کے جسموں میں جان رہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا میری عزت و جلال کی قسم میں انہیں جب تک بخشوں گا۔ جب تک کہ وہ توبہ کرتے رہیں۔ (احمد)۔ (12) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ حق تعالیٰ نے مغرب میں ایک دروازہ بنایا۔ جس کی چوڑائی ستر سال کا راہ ہے اور یہ دروازہ توبہ کا ہے۔ جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو تب تک وہ دروازہ بند نہ ہو گا۔ (13) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ مبارک ہے وہ شخص جس کے نامہء اعمال میں توبہ و استغفار زیادہ پائی جائے۔

توبہ کے اقسام

توبہ کے معنی تفسیر میں عرض کیے جا چکے کہ گناہ سے باز آنے کا نام توبہ ہے۔ چونکہ گناہ صدہا اقسام کے ہیں اس لئے توبہ کی بھی بہت سی قسمیں ہوئیں۔ اور ہر قسم کے گناہ کی توبہ مختلف۔ (1) کفر شرک، بدمذہبی اور بدعقیدگی سے توبہ (2) بداعمالی سے توبہ۔ (3) شریعت کی حق تلفی سے توبہ۔ (4) حقوق العباد سے توبہ۔ (5) نیکیوں میں کوتاہی اور سستی کرنے سے توبہ۔ (6) خطا اور بھول چوک سے توبہ۔ (7) محض اظہار عبدیت اور بندوں کی تعلیم کے لئے توبہ۔ انبیائے کرام کی توبہ اخیری دو قسم کی ہوتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا طریقہ علیحدہ اور تاثیر جداگانہ ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کی توبہ سے دینداری و خوش اعتقادی پیدا ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی توبہ سے نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ تیسری قسم کی توبہ سے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔ اخیر دو قسم کی توبہ سے رب تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور درجے بلند ہوتے ہیں۔ پھر توبہ کے مختلف درجے ہیں۔ (1) وہ توبہ جس سے گناہ معاف ہو جائیں۔ (2) وہ توبہ جس سے گناہ کی بخشش ہو کر توبہ کرنے والے کو ولایت حاصل ہو جائے۔ غرض جیسی توبہ اور جیسا توبہ کرانے والا ویسا اس کا اثر۔ حضور غوث پاک اور حضرت رابعہ بصری رضی اللہ عنہما کے چور ایک دم ولی بن گئے۔ یہ توبہ کرانے والے کا فیض تھا۔

توبہ کے شرائط اور مستحبات وغیرہ

جیسے نماز کے لئے کچھ فرائض ہیں۔ کچھ واجبات، کچھ سنن، کچھ مستحبات ایسے ہی توبہ کیلئے بھی اور جیسے نماز کے لئے کچھ ادا کی شرطیں ہیں۔ کچھ قبولیت کی۔ ایسے ہی توبہ کے لئے کچھ شرائط جواز ہیں کچھ شرائط قبولیت۔ اور جیسا کہ نماز کے لئے کچھ اوقات مستحب ہیں، کچھ وقت مکروہ ایسے ہی توبہ کے لئے۔ چنانچہ توبہ کے شرائط یہ ہیں وقت پر توبہ کرے۔ (1) توبہ مشرک کا وقت غرغرہ سے پہلے ہے۔ (2) توبہ کرتے وقت گناہ کا ارادہ نہ ہو۔ بلکہ گناہ سے باز رہنے کا پورا قصد ہو۔ (3) توبہ کے وقت گزشتہ گناہوں پر پشیمانی ہو۔ (4) قبولیت توبہ کا یقین نہ ہو۔ بلکہ رب تعالیٰ کے کرم سے امید اور اس کے قہر سے خوف ہو۔ (5) جیسا گناہ ہو ویسی توبہ کرے کہ علانیہ گناہ کی علانیہ توبہ چھپے گناہ کی چھپی توبہ مگر یہ شرط شریعت کے لحاظ سے ہے۔ جس پر شرعی احکام جاری

ہوتے ہیں اگر کافر دل سے توبہ کر کے مرے اور کسی کو ظاہر نہ کرے وہ شرعاً" کافر ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ نہ ہو گی۔ مگر عند اللہ مومن ہے۔ (6) اگر ممکن ہو تو گزشتہ گناہ کا بدلہ کرے لہذا چھوڑی ہوئی نمازیں قضا کرے 'مارا ہوا قرض ادا کرے۔ (7) جن گناہوں کا بدلہ نہیں ہو سکتا ان کا کفارہ دے۔ حضرت وحشی نے زمانہء کفر میں سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا تو مسلمان ہو کر مسیلمہ کذاب کو مار کر اس کا کفارہ ادا کیا۔ حضرت خالد ابن ولید و عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تلوار سے جیسے مسلمان شہید ہوئے ویسے ہی اسلام لانے کے بعد کافر مارے گئے یہ کفارہ ہوا۔ (8) توبہ کا وقت مستحب یہ ہے کہ گناہ کی طاقت ہوتے ہوئے توبہ کرے۔ مثل مشہور ہے کہ بدعیار رنڈی اور معزول حاکم۔ زنا اور ظلم سے توبہ نہ کریں تو کیا کریں۔ مجبوری کی توبہ اگرچہ مقبول ہے مگر قادر کی توبہ کا درجہ بلند۔

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است وقت پیری گرگ ظالم مے شود پرہیزگار

توبہ کے یہ اجمالی مسائل بیان کئے گئے۔ انشاء اللہ اس کے تفصیلی احکام اس آیت کی تفسیر میں آئیں گے۔ **انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالۃ**

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کفار پر نام لے کر اور گنہگار مسلمان پر بغیر نام لئے صرف اس کے وصف کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے۔ مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ زید پر خدا لعنت جیسا کہ **والناس اجمعین** سے معلوم ہوا۔ مسئلہ: مرے بعد کسی کافر پر بھی لعنت جائز نہیں 'جب تک کہ اس کا کفر پر مرنا یقین سے معلوم نہ ہو۔ لہذا سوائے ابو جہل 'ابولہب 'امیہ ابن خلف فرعون وغیرہ ان کافروں کے جن کا کفر پر مرنا نص سے ثابت ہے اور کسی پر لعنت نہیں کر سکتے ہیں کہ وہ زندگی میں ملعون تھے۔ انشاء اللہ لعنت کی پوری تحقیق اٹھائیس پارہ آیت لعان میں آئے گی۔ دوسرا فائدہ: توبہ سے بدتر سے بدتر جرم معاف ہو جاتا ہے جیسا کہ **الا الذین تابوا** سے معلوم ہوا کہ بدترین مجرموں کو موقعہ دیا گیا۔ تیسرا فائدہ: جہنم میں ہمیشگی 'عذاب کا ہلکا نہ ہونا 'رب تعالیٰ کا نظر رحمت نہ فرمانا کفار کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ **ولا ھم ینظرون** سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: معافی کے لئے فقط زبانی توبہ کافی نہیں بلکہ اصلاح نفس اور اصلاح عمل بھی ضروری ہے جیسا کہ **واصلحوا** سے معلوم ہوا۔ اصلاح نفس تو یہ ہے کہ گزشتہ گناہوں پر نادم ہو۔ اور آئندہ بچنے کا عہد کرے اور اصلاح عمل یہ ہے کہ اس کے جرم سے جو فساد پھیلتے تھے ان کو دور کرے اگر کسی عالم کی غلط کتاب سے فساد پھیلا ہے تو اس کی تردید کرے 'اگر لوگوں کو نیکیوں سے روکا ہے تو انہیں اب رغبت دے 'نمازیں قضا کرے۔ قرض ادا کرے یہ سب باتیں **اصلحوا** سے معلوم ہوئیں۔ چنانچہ ان علماء یہود کے بارے میں فرمایا گیا جنہوں نے حق کو چھپایا تھا **الا الذین تابوا واصلحوا وبینوا**۔ معلوم ہوا کہ حق چھپانے کی توبہ اظہار حق ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر سارے انسانوں کی لعنت ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جو ان کے ہم مذہب ہیں وہ تو ان کی تعریف کرتے ہیں نہ کہ لعنت؟ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ واقعہ قیامت میں ہو گا کہ کفار کو ان کے ہم مذہب بھی لعنت کریں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **کلما دخلت امۃ لعنت اختھا** اور فرماتا ہے **ثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا** دوسرے یہ کہ دنیا میں ہر کافر بھی جھوٹوں اور کافروں پر لعنت کرتا

ہے مگر سمجھتا یہ ہے کہ میں کافر و جھوٹا نہیں۔ اور چونکہ وہ خود کافر بھی ہے اور جھوٹا بھی اس لئے وہ لعنت اس پر ہی پڑتی ہے۔ لہٰذا کافر پر سب کی لعنت ہوئی۔ تیسرے یہ کہ مومن ہی انسان ہیں۔ کفار جانوروں سے بدتر۔ لہٰذا مسلمانوں کی لعنت گویا سارے انسانوں کی لعنت ہے۔ چوتھے یہ کہ یہاں **الناس** سے صرف مسلمان مراد ہیں اور **اجمعین** انسان اور ملائکہ کے لئے ہے نہ کہ انسان کے افراد کے لئے۔ مطلب یہ ہے کہ کفار پر فرشتوں اور انسانوں سب کی لعنت ہے نہ کہ صرف انسان کے افراد کے لئے۔ مطلب یہ ہے کہ کفار پر فرشتوں اور انسانوں سب کی لعنت ہے نہ کہ صرف انسانوں کی اور نہ صرف فرشتوں کی۔ **دوسرا اعتراض:** **خلدین فیھا** سے معلوم ہوا کہ کفار سب کی لعنت میں ہمیشہ رہیں گے تو سب لوگ ہمیشہ لعنت کا وظیفہ پڑھیں گے اور دوسرا کام ہی نہ کریں گے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ **فیھا** کا مرجع دوزخ ہے دوسرا یہ کہ اس کا مرجع لعنت کا اثر ہے تیسرے یہ کہ اس کا مرجع لعنت ہی ہے مگر اس لعنت کا بقا ایسے ہو گا کہ ہر وقت کچھ نہ کچھ انسان لعنت کرتے ہی رہیں گے یعنی نوع انسان کی لعنت ہمیشہ رہے گی نہ کہ ہر فرد کی۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ ہر وقت کعبہ کا طواف ہوتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شخص ہر وقت طواف کرتا رہتا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ کوئی نہ کوئی جماعت طواف کرتی رہتی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مغفرت کے لئے توبہ اور اصلاح عمل دونوں ضروری ہیں تو جس شخص کو اخیر عمر میں توبہ نصیب ہو اور اسے اصلاح عمل کا موقعہ نہ ملے تو اس کی مغفرت نہ ہونی چاہئے۔ حالانکہ عقائد کا مسئلہ ہے کہ غرغرے سے پہلے ہر گناہ کی توبہ قبول ہے۔ **جواب:** ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ **اصلحوا** سے مراد اصلاح نفس بھی ہے اور اصلاح عمل بھی۔ جسے اصلاح عمل کا موقع نہ ملے اس کے لئے اصلاح نفس ہی کافی ہے اور اصلاح نفس گزشتہ پر ندامت اور آئندہ گناہ سے بچنے کا عہد ہے کیونکہ تکلیف بقدر طاقت ہے نہ کہ طاقت سے زیادہ **چوتھا اعتراض:** **فان اللہ غفور رحیم** کی ف سے معلوم ہوا کہ ہم توبہ کریں تو وہ غفور رحیم ہو ورنہ نہ ہو؟ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک وہ جو تفسیر میں گزر گیا کہ یہ ف تعلیلیہ ہے اور **ان اللہ** پوشیدہ جملے کی علت اور وہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزا ہے یعنی **فیغفرلھم فان اللہ غفور رحیم** دوسرے یہ کہ ف جزائیہ اور **غفور رحیم** سے ان کا گناہ بخشنا اور ان پر رحم کرنا مراد ہے یعنی جو توبہ کرلے اللہ اس کے لئے غفور رحیم ہے۔ خلاصہ یہ کہ صفات اور ہیں اور افعال کچھ اور۔ خدا کی صفتیں قدیم ہیں مگر ان کے تعلقات حادث۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت مرتد ہو گئی جن میں حارث ابن سوید اور ان کے کچھ ساتھی دوبارہ اسلام لائے باقی کفر پر قائم رہے اور مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ سارے صحابہ متقی پرہیزگار ہیں ان میں فاسق کوئی نہیں۔ اس واقعہ سے پتہ لگا کہ صحابہ فاسق تو کیا مرتد بھی ہوئے۔ (رافضی)۔ **جواب:** صحابی وہ جو بحالت اسلام حضور علیہ السلام کی زیارت کریں۔ اور اسلام پر ہی ان کا خاتمہ ہو۔ مرتد ہو کر مرنے والے صحابی نہیں کفار ہیں۔ نیز صحابہ کرام معصوم نہیں۔ عادل و متقی ہیں یعنی وہ گناہ پر اڑتے نہیں۔ اگر گناہ ہو جائے تو توبہ کرلیتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: گناہ حجاب ہیں اور توبہ ان کی قینچی۔ نیک اعمال و اصلاح نفس اس قینچی کی دھار۔ مضبوط حجاب کے پھاڑنے کے لئے خاص توبہ کی قینچی اور اس پر اصلاح نفس و اصلاح اعمال 'گزشتہ پر ندامت' آئندہ کے لئے عہد 'پرہیزگاری کی دھار ضروری ہے۔ اس آیت کریمہ میں اسی کا ذکر ہے کہ کفار کا عذاب نہایت سخت ہے لیکن توبہ اور اصلاح اعمال و تزکیہ نفس ان سب کا دفعیہ آسان بنا دیتی ہے ان کی بات ان کی ملاقات گناہوں کو برباد کر دیتی ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ کفار پر سب کی

لعنت یہ ہے کہ ان کے دل سخت کردیئے جائیں۔ ان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی ہو جائیں کہ نہ کان حق سن سکیں۔ نہ آنکھیں حق دیکھ سکیں۔ جیسے کہ نرم زمین میں دانہ بویا جاتا ہے۔ لوہا نرم کر کے کو ٹھا جاتا ہے۔ آٹا پانی کے ذریعہ نرم کر کے روٹی وغیرہ بنتا ہے مٹی پانی سے نرم ہو کر برتن وغیرہ بنتی ہے سونا آگ سے نرم ہو کر زیور بنتا ہے ویسے ہی انسان نرم دل ہو کر مومن عارف وغیرہ بن سکتا ہے۔ روئی میں جب تک سخت بنولہ موجود ہے نہ اس کا تار ہے نہ کپڑا وغیرہ۔ یونہی جب تک دل میں تکبرو کفروغیرہ کی سختی ہے انسان کچھ نہیں بن سکتا۔

حکایت: سری سقطی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن کہا۔ تعجب ہے اس ضعیف پر جو قوی کی مخالفت کرے۔ دوسرے دن جب میں نماز فجر سے فارغ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک خوبصورت مالدار نوجوان اپنے غلاموں کے ساتھ گھوڑے پر سوار مسجد میں آیا اور پوچھا تم میں سری سقطی کون ہیں لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ وہ میرے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا کل تم نے کہا تھا کہ اس کمزور پر تعجب ہے جو قوی کی مخالفت کرے۔ اس کا مطلب کیا۔ میں نے کہا انسان بہت کمزور ہے اور رب تعالیٰ قوی۔ مگر اس کمزوری کے باوجود وہ رب تعالیٰ کی مخالفت کی ہمت کرتا ہے۔ جوان بہت رویا اور بولا کہ کیا پروردگار مجھ جیسے ڈوبے ہوئے کی بھی دستگیری کرے گا۔ میں نے کہا اے فرزند رب تعالیٰ کے سوا ڈوبتوں کو نکالنے والا کون ہے۔ وہ بولا اے سری مجھ پر لوگوں کے حقوق بہت ہیں۔ ان سے چھٹکارا کیسے پاؤں۔ میں نے کہا اگر تو رب تعالیٰ کو راضی کرلے تو خدا تیرے حق والوں کو تجھ سے راضی کردیگا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن بعض اولیاء اللہ پر اہل حقوق دعویٰ کریں گے فرشتے ان سے کہیں گے کہ اس اللہ کے بندے کو مت پریشان کرو تمہارے حقوق اللہ کے ذمہ کرم پر ہیں۔ جاؤ اس سے وصول کرو۔ چنانچہ رب تعالیٰ ان سب کو بلند درجے دیکر ولی کے حقوق معاف کرادیگا۔ یہ سن کر جوان بہت خوش ہوا اور بولا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ میں نے کہا متوسلین کا راستہ' روزے' نماز اور گناہوں سے بچنا اور اولیاء اللہ کا راستہ دنیوی تعلقات کا توڑنا۔ اور رب تعالیٰ سے علاقہ عبدیت جوڑنا ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ تمام گناہوں سے توبہ کرے اور اپنے دل کو مشاہدہ رب کے سوا کسی اور چیز میں مشغول نہ کرے نیستی کے دوزخ پر گزر کر ہستی کے جنت تک پہنچ سکتے ہیں۔

بہشت تن آسان آنگاہ خوری   کہ بر دوزخ نیستی بگزری!

جب یہ باریک صراط طے کرو گے تب بارگاہ قادر بے چون تک پہنچو گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے مسافر یا راستہ گزرنے والا۔ اور اپنے آپ کو قبر والوں میں سے شمار کرو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ بدن روح کے لئے ایسا ہے جیسے میت قبر میں پہنچ کر اپنے کو بالکل مولیٰ کے سپرد کر دیتی ہے۔ رب تعالیٰ کے سوا کسی طرف توجہ نہیں کرتی۔ مال' اولاد' گھربار سب سے منہ موڑ کر چل دیتی ہے ایسے ہی بندہ کو لائق ہے کہ بدنی و قلبی آفتوں' جسمانی و روحانی بلاؤں اور دنیوی جھگڑوں سے دور رہے اور بارگاہ یار کا طواف کرے۔ تھوڑے گناہ کو بہت سمجھے۔ سیلاب کی ابتداء قطرے سے ہے اور گناہوں کی ابتداء خطرے سے ہے اس قطرہ اور اس خطرہ سے بچو جیسے سیلاب روکنے کے لئے مضبوط دیوار بناتے ہو۔ ایسے ہی گناہوں کا سیلاب روکنے کیلئے اپنے قلب کے آس پاس توبہ کی دیوار قائم کرو۔ دنیا کو آخرت کا وسیلہ بناؤ۔ اور رب سے رب ہی کو مانگو۔ (روح البیان) ہمیشہ توبہ کرتے رہو۔ توبہ گناہ کی توڑ ہے جیسے اینٹ توڑنے کے لئے بسولی ہے۔ حق تعالیٰ اس قال کو حال بنادے یہ چیزیں ہمارے لئے مشکل ہیں مگر وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ

تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا پیچھے ایمان اپنے کے پھر زیادہ کیا انہوں نے کفر کو ہرگز نہ قبول کی جائے

بے شک وہ جو ایمان لاکر کافر ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے ان کی ہرگز توبہ قبول نہ ہوگی

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ

گی توبہ ان کی اور یہ لوگ وہ ہی ہیں گمراہ تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے حالانکہ وہ کافر

اور وہی ہیں بہکے ہوئے وہ جو کافر ہوئے اور کافر ہی مرے ان میں سے کسی سے

مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ

ہیں پس ہرگز نہ قبول کیا جائے گا ایک سے ان میں سے بھر کر زمین سونا اگرچہ فدیہ دے وہ اس کا

زمین بھر سونا ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اگرچہ اپنی خلاصی کو دے ان

عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾

یہ لوگ ہیں کہ واسطے ان کے عذاب ہے دردناک اور نہیں ہے واسطے انکے کوئی مددگار ۞

کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی یار نہیں ۞

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں توبہ کا ذکر تھا اب توبہ مردود کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** کفار تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جنہیں رب تعالیٰ کے فضل سے توبہ مقبول نصیب ہو جائے۔ دوسرے وہ جو توبہ تو کریں مگر توبہ مردود۔ تیسرے وہ جنہیں توبہ نصیب ہی نہ ہو اور بغیر توبہ مر جائیں۔ پچھلی آیت میں پہلی جماعت کا ذکر تھا۔ اب **لن یقبل توبتھم** میں دوسری جماعت کا اور **وماتوا وھم کفار** میں تیسری جماعت کا ذکر ہے۔ گویا مجرمین کا ترتیب وار ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں گناہ مٹانے والی دوا یعنی توبہ کا ذکر تھا اب توبہ برباد کرنے والے گناہوں کا ذکر ہے گویا بعض گناہ وہ ہیں جو توبہ سے مٹتے ہیں اور بعض وہ جو توبہ کو مٹاتے ہیں۔ پہلی قسم کا ذکر پہلی آیت میں ہوا۔ اور دوسری کا ذکر اب ہے۔

شان نزول: یہود نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کیا پھر کفر میں یہاں تک بڑھے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے بھی منکر ہوئے۔ ان کے حق میں پہلی آیت **ھم الضالون** تک اتری (خازن و خزائن عرفان)۔ (2) یہود اور عیسائیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے لوگوں میں آپ کی نبوت کا اعلان کیا پھر آپ کو دیکھ کر کافر ہوئے اور پھر کفر میں اتنے بڑھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور قرآن کریم کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ ان سب کے متعلق یہ پہلی آیت **ھم الضالون** تک اتری۔ (تفسیر خزائن عرفان و خازن و روح المعانی)۔ (3) ابو صالح سوئی اصبانی فرماتے ہیں کہ جب حارث ابن سوید کے ساتھیوں نے دیکھا کہ حارث مرتد ہونے کے بعد

مسلمان ہو گئے۔ اور ان کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے سوچا کہ اسلام کوئی بڑی چیز نہیں ہے۔ جب تک دل چاہے کافر رہو اور جب دل چاہے مسلمان ہو جاؤ۔ جب ہم دوبارہ مسلمان ہوں گے تو حارث کی طرح ہمارے بارے میں بھی آیتیں اتریں گی ان کے حق میں دوسری آیت **وما لهم من نصرین** تک نازل ہوئی چنانچہ فتح مکہ کے دن حارث کے ساتھیوں میں سے بعض اسلام لے آئے جن کی توبہ قبول ہوئی اور بعض بحالت کفر ہی مرے (تفسیر خازن و روح المعانی)۔ (4) بعض علماء نے فرمایا کہ حارث ابن سوید کے کچھ ساتھیوں نے کفر و اسلام کو کھیل سمجھ رکھا تھا کہ کبھی کافر ہو جاتے کبھی مسلمان ان کے بارے میں پہلی آیت **ان الذین کفروا هم الضالون** تک اتری۔ (روح المعانی)۔

تفسیر: **ان الذین کفروا بعد ایمانهم** ظاہر یہ ہے کہ **کفروا** سے مراد ارتداد ہے اور ایمان سے مراد شرعی ایمان ہے۔ یعنی اسلام اور یہ آیت سارے مرتدین کے لئے ہے اگرچہ شان نزول خاص ہے۔ مگر عبارت عام اور عبارت کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ سب کی خصوصیت کا یعنی جو لوگ مسلمان ہو کر کافر ہو جائیں۔ اور ممکن ہے۔ **الذین** سے یہود مراد ہوں اور **کفروا** سے عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل شریف کا انکار مراد ہو اور ایمان سے موسیٰ علیہ السلام کا ماننا مقصود ہو یعنی یہودی جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہو گئے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **الذین** سے اہل کتاب مراد ہوں خواہ یہودی ہوں یا عیسائی۔ اور **کفروا** سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کا انکار مراد ہو اور ایمان سے ان کا وہ ایمان مراد ہو جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے حاصل تھا کہ لوگوں کو حضور علیہ السلام کی خوشخبریاں دیتے تھے یعنی وہ اہل کتاب جو پہلے آپ کو مان کر لوگوں کو آپ کی خوشخبریاں دے کر آپ کے منکر ہو گئے۔ **ثم ازدادوا کفرا**۔ **ثم** حرف عطف ہے اور **ازدادوا** کفر پر معطوف **ثم** کی تراخی رتبی ہے کیونکہ زیادتی کفر کفر سے بدرجہا بدتر ہے اور ممکن ہے کہ تاخیر زمانی ہو کہ زیادتیء کفر کفر کے بعد حاصل ہوتی ہے **ازدادوا** باب افتعال کا ماضی ہے۔ جس کا مصدر ازدیاد ہے۔ **ازدادوا** اصل میں **ازتادوا** تھا چونکہ پہلے ز ہے اس لئے ت کو دال سے بدل دیا۔ یہاں افتعال زیادتی کے لئے ہے۔ عجیب لطف ہے کہ **ازدادوا** کا مادہ بھی زیادتی ہے اور باب بھی زیادتی کا مفید یعنی انہوں نے خوب کفر بڑھایا۔

زیادتیء کفر میں چند احتمال ہیں۔ (1) ایک یہ کہ حقانیت اسلام کا انکار کفر ہے اور اس پر مرتے دم تک قائم رہنا زیادتیء کفر۔ (2) دوسرے یہ کہ اسلام کا نہ ماننا کفر اور اس پر طعن کرنا اس کے احکام میں خرابیاں نکالنا زیادتیء کفر۔ (3) تیسرے یہ کہ اسلام کا نہ ماننا کفر اور لوگوں کو اسلام سے روکنا زیادتیء کفر۔ (4) چوتھے یہ کہ مرتد ہونا کفر اور پھر اسلام کو ہلکا سمجھنا کہ جب چاہیں گے مسلمان ہو جائیں گے۔ اسلام کوئی بڑی چیز نہیں یہ زیادتیء کفر ہے۔ (5) پانچویں یہ کہ حضور علیہ السلام کا انکار کفر۔ پھر قرآنی آیات اور حضور علیہ السلام کے معجزات کا انکار زیادتیء کفر ہے۔ (6) چھٹے یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل شریف کا انکار کفر پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کا انکار زیادتیء کفر۔ (7) ساتویں یہ کہ ایک بار مرتد ہونا کفر اور بار بار اسلام لا کر مرتد ہو جانا زیادتیء کفر۔ (8) آٹھویں یہ کہ اسلام کا انکار کفر اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوشش کرنا زیادتیء کفر۔ غرضیکہ جیسے کفر کے بعد ایمان میں بہت احتمال تھے۔ ایسے ہی زیادتیء کفر میں بہت احتمال ہیں اور زیادتیء کفر کے ہر احتمال کو کفر بعد ایمان کے مناسب احتمال کے ساتھ ملانا چاہئے۔ **لن یقبل توبتهم** یہ جملہ **الذین کفروا** کی خبر بمعنی جزا ہے چونکہ کفر بعد ایمان اور زیادتیء

کفر توبہ قبول نہ ہونے کا مستقل سبب نہیں۔ بہت صورتوں میں زیادتیء کفر کے بعد بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے اس لئے اس پر ف نہ لائی گئی۔ لن تقبل سے یا شرعاً" توبہ قبول نہ ہونا مراد ہے یا اللہ کے نزدیک ھم کا مرجع الذین کفروا ہے۔ یعنی جنہوں نے یہ دو جرم کئے کہ بعد ایمان کافر ہوئے اور پھر اپنے کفر کو بڑھالیا۔ اس کی سزا یہ ہے کہ ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔ یا تو اس لئے کہ انہیں توبہ کی توفیق ہی نہ ملے گی اور وہ توبہ کریں گے ہی نہیں۔ پھر قبول کیا چیز ہو یا اس لئے کہ یہ لوگ دل سے نہیں بلکہ منافقت سے زبانی توبہ کرتے ہیں قبول کیسے ہو۔ یا اس لئے کہ نزع کے وقت توبہ کرتے ہیں یا اس لئے کہ وہ کفر سے توبہ کرتے نہیں، زیادتیء کفر یا گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ اور کفر کے ہوتے ہوئے گناہوں سے توبہ کیسی۔ ان سب صورتوں میں عند اللہ توبہ مردود ہے یا اس لئے کہ وہ بارہا کفر کر کے توبہ کر چکے۔ یا اس لئے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے اور توہین کی توبہ قبول نہیں۔ ان صورتوں میں شرعاً" مردودیت مراد ہے۔ (از معانی و کبیر و خازن وغیرہ) **واولئک ھم الضالون** یہ یا تو دوسری سزا ہے اور واؤ عاطفہ ہے۔ اور یہ جملہ **لن تقبل توبتھم** پر معطوف۔ یا توبہ قبول نہ ہونے کی علت ہے اور **ان الذین** پر معطوف۔ تب یہ جملہ مستقل ہے (روح المعانی) یعنی ان کافروں کی دو سزائیں ہیں ایک ان کی توبہ قبول نہ ہو تاکہ رب تعالیٰ کو کیسے راضی کرنا چاہئے۔ **ھم** سے حصر کا فائدہ ہوا اور **الضالون** سے کامل گمراہ مراد ہیں یعنی کامل گمراہ صرف یہی لوگ ہیں۔ دیگر کفار اگرچہ گمراہ ہیں مگر ان سے کم درجہ کے ناقص توبہ کرنے والوں کے بعد اب ان بدنصیبوں کا ذکر ہے۔ جنہیں ظاہری توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔ **ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار** یہاں بھی **کفروا** سے یا مرتدین مراد ہیں۔ یا اہل کتاب یا عام کفار زیادہ قوی یہی ہے۔ کفر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے قیامت تک کفر رہے جیسے شرک یا توہین نبی یا فرشتوں وغیرہ کا انکار اور بعض وہ جو کبھی ایمان تھے کبھی کفر بن گئے جیسے بہن سے نکاح کا جواز ماننا شریعت حضرت آدم میں ایمان تھا۔ زمانہ **توفی** سے کفر بن گیا۔ یا شراب وغیرہ کی حلت یا پچھلے نبیوں کے خصوصی مسائل جو اپنے اپنے زمانوں میں حق تھے اب منسوخ ہو جانے کے بعد باطل ہو گئے اور ان کا ماننا کفر قرار دیا گیا۔ **وما توا** کی واؤ عاطفہ ہے اور **ماتوا کفروا** پر معطوف **وھم کفار** کی واؤ حالی ہے اور یہ جملہ ماتوا کے فاعل سے حال یعنی جو کافر ہوئے اور کافر ہی مر گئے اس طرح کہ انہوں نے کفر سے توبہ کی ہی نہیں۔ لوگ چار قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو مومن جئے مومن مرے دوسرے وہ جو کافر جئے کافر مرے تیسرے خواہ مومن جئے ہوں یا کافر اور کفر پر مرنے سے مراد یہ ہے کہ غرغرہ کے وقت تک کافر ہے۔ ورنہ بحالت غرغرہ سارے کافر ایمان لے آتے ہیں اگرچہ غرغرہ کے وقت کا ایمان مقبول نہیں۔ لہذا آیت پر اعتراض یہ نہیں ہو سکتا کہ مرتے وقت کوئی کافر نہیں ہوتا **فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھبا** یہ جملہ **الذین کفروا** کی خبر بمعنی جزا ہے اور چونکہ کفر پر موت فدیہ قبول نہ ہونے کی مستقل علت تھی۔ ممکن نہیں کہ کافر کا فدیہ قبول ہو کر اس کی بخشش ہو جائے۔ اس لئے یہاں ف لائی گئی۔ **احدھم** سے اس جانب اشارہ ہے کہ کفار کی جماعت نہیں بلکہ اگر ان میں سے ہر ایک زمین بھر سونا دے تو قبول نہ ہو۔ **ملء الارض' لن یقبل** کا نائب فاعل اور ارض سے مراد ساری زمین از مشرق تا مغرب از جنوب تا شمال۔ **ذھبا" ملء الارض** کی تمیز ہے یعنی ان میں سے کسی کا زمین بھر سونا بھی قبول نہ کیا جائے گا کہ وہ دے کر اپنے کو عذاب سے چھڑالے **ولوافتدی بہ** یہ واؤ وصلیہ ہے اور لو شرطیہ۔ ابن منیر کہتے ہیں کہ واؤ وصلیہ در حقیقت عاطفہ ہے اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہوتی ہے اور واؤ کا مابعد اس کا معطوف ہوتا ہے جیسے کوئی کہے کہ تو زید کی تعظیم کر اگرچہ وہ تیرے ساتھ برائی کرے

یعنی بھلائی کرے تو بھی اور برائی کرے تو بھی بہر حال تعظیم کر۔ ایسے ہی یہاں ہے کہ دنیا میں صدقہ کرے تو بھی مردود اور آخرت میں فدیہ دے تو بھی مردود **افتدی** فدیہ سے بنا جس کی تفسیر ہم پہلے پارہ میں کر چکے۔ بہ کا مرجع یا **ذھبا** ہے یا **ملء الارض** (روح المعانی) **اولئک لھم عذاب الیم وما لھم من نصرین** یہ اگرچہ مستقل جملہ ہے۔ مگر **الذین** کی جزاؤں سے ایک جزا ہے۔ **عذاب** اور **الیم** کے معنی بارہا بیان ہو چکے **وما لھم** **اولئک لھم** پر معطوف ہے اور **من نصرین** کی من زائدہ ہے بعد نفی استغراق کا فائدہ دیتی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ **من** استغراقیہ صرف معناً واحد پر آتا ہے جمع پر نہیں۔ یہاں **نصرین** صورتاً جمع اور معناً واحد ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا ایک بھی مددگار نہیں یہ مطلب نہیں کہ تین مددگار نہیں ایک یا دو ہو سکتے ہیں۔ محض وزن کی مناسبت سے **نصرین** جمع فرمایا گیا کہ اس سے پہلے **خسرین اجمعین رحیم** پر آیتیں ختم ہوئی تھیں۔ اگر **من نصر** فرمایا جاتا تو آیت کی خوبی جاتی رہتی مگر صحیح یہ کہ **من** استغراقیہ واحد پر بھی آتا ہے اور جمع پر بھی اور یہاں **نصرین** لفظاً" معناً" ہر طرح جمع ہے۔ (روح المعانی) اور ان شاء اللہ اس سوال کا جواب اعتراضات و جوابات میں دیا جائے گا۔

خلاصہ تفسیر: جو لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا کر عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہوئے پھر اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو کر اپنے کفر کو اور بڑھا بیٹھے یا جو لوگ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے انہیں مان کر پہچان کر ان کی خوشخبریاں دیکر ان کے تشریف لانے پر منکر ہو گئے۔ پھر ان کے قرآن کے معجزات کا انکار کرکے اپنے کفر میں اور بڑھ گئے۔ عند اللہ ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہو گی اور یہ ہمیشہ گمراہ رہیں گے یا تو اس لئے کہ انہیں توبہ کی توفیق ہی نہ ملے گی۔ یا اس لئے کہ ان کی توبہ شرائط قبول سے خالی ہے اور وہ لوگ جو کافر ہو کر ہی کافر ہی مر گئے۔ انہیں توبہ کی توفیق ہی نہ ملی۔ اگر دنیا میں زمین بھر سونا خیرات کریں یا قیامت کے دن زمین بھر سونا فدیہ بارگاہ الٰہی میں پیش کریں اور یہ چاہیں کہ مال دے کر جان و مال سے بچ جائیں یہ بھی قبول نہ کیا جائے گا ان لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں اس لئے چاہئے کہ وقت پر توبہ کریں۔ خیال رہے کہ دنیا میں انسان مصیبت کے موقع پر سب کچھ دے دینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اگر مقدمہ لگ جائے تو گھر بیچ کر اس میں خرچ کر دیتا ہے کوئی لاعلاج بیماری پیچھے پڑ جائے تو کہتا ہے کہ چاہے میری تمام جائیداد حکیم لے لے مجھے اچھا کر دے عذاب کا تو پوچھنا کیا وہاں جو عذاب میں گرفتار ہو گا وہ پچاس زمینوں بھر سونا دینے پر بھی آمادہ ہو جائے گا۔ مال کی محبت اسی وقت تک ہے جب تک کہ مزاج درست ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مرتد کے احکام کافر اصلی سے سخت تر ہیں۔ جیسا کہ **لن تقبل توبتھم** سے معلوم ہوا۔ مگر یہ زیادتی کیفیت کی ہو گی بعض اہل دل کہتے ہیں کہ جتنا سخت انکار اتنا ہی سخت کفر اور جس قدر اعلیٰ چیز کا انکار اسی قدر اعلیٰ درجہ کا کفر۔ موسیٰ علیہ السلام کے منکر بھی کافر اور عیسیٰ علیہ السلام کا منکر بھی۔ مگر خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر سخت کافر ہے۔ کیونکہ اس نے بہت بڑی ذات کا انکار کیا اس لئے حضور نے فرمایا (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ میرا فرعون یعنی ابو جہل فرعون موسیٰ سے سخت تر ہے یا تو انکار میں سخت ہے یا اس لئے کہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہوا جیسے موسیٰ علیہ السلام کی امت سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام کے منکر حضور علیہ السلام کا منکرا

کفر (ہوا کافر)۔ **تیسرا فائدہ:** بعض وہ لوگ بھی ہیں جن کی توبہ قبول نہیں جیسا کہ **لن تقبل توبتھم** سے معلوم ہوا۔ اس کی نفیس تحقیق تفسیر میں ہو چکی۔

مسئلہ: شامی باب المرتدین میں ہے کہ گیارہ شخصوں کی توبہ قبول نہیں۔ (1) جو بار بار مرتد ہو جائے۔ (2) حضور علیہ السلام کی توہین کرنے والا۔ (3) صدیق اکبر فاروق اعظم میں سے کسی کو گالیاں دینے والا۔ (4) جادو گر۔ (5) زندیق (جس کا کوئی دین نہ ہو)۔ (6) خناق (جو لوگوں کو گلا گھونٹ کر مار ڈالتا ہو)۔ (7) کاہن (نجومی جو غیب کی خبریں دے)۔ (8) ملحد (وہ مدعی ء اسلام جو کفریہ عقائد کو اسلام بتائے۔ (9) اباحی (جو ہر چیز کو حلال جانے)۔ (10) منافق۔ (11) ضروریات دین کا دل میں منکر اور زبان سے مدعی۔ خیال رہے کہ ان میں سے بعض کفار ہیں' مرتدین اور بعض گنہگار۔ ایسے ہی ڈاکو' قاتل ہوا' زانی' چور' شرابی وغیرہ کی توبہ قبول نہیں۔ یعنی یہ لوگ توبہ کر کے سزاؤں سے نہیں بچ سکتے مگر ان کی توبہ شرعاً نامقبول ہے نہ کہ عند اللہ۔ **چوتھا فائدہ:** جو توبہ شرائط قبول سے خالی ہو وہ اللہ کے نزدیک نامقبول ہے۔ **پانچواں فائدہ:** کفر پر موت دائمی عذاب کا سبب ہے۔ یہ جو کوئی مومن ہو کر مرے زندگی میں کافر رہے ناجی ہے جیسا کہ **وما توا وھم کفار** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** قیامت میں فدیہ قبول نہ ہونا اور مددگار نہ ہونا کافروں کیلئے خاص ہے ان شاء اللہ مسلمان کا فدیہ بھی قبول ہو گا۔ اور اس کی نیکیاں صدقات گناہوں کا کفارہ بنیں گے اور مسلمان کے مددگار بھی بہت ہیں۔ انبیاء اولیاء و علماء وغیرہ۔ جیسا کہ **وما لھم من نصرین** اور **من احدھم** سے معلوم ہوا۔

لطیفہ: دیوبندی وہابی کہتے پھرتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی مددگار نہیں۔ ان سے کہنا چاہئے کہ بے شک کافروں کے لئے' رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وما للظلمین من انصار** اور فرماتا ہے **وما لھم من نصرین** مسلمانوں کیلئے رب تعالیٰ نے بہت مددگار پیدا فرمائے خود فرماتا ہے۔ **واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم** ایسے ہی یہ لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء نہیں سنتے۔ ان سے کہہ دو بے شک وہ تمہاری نہیں سنتے ہماری سنتے ہیں۔ دشمنوں کی کوئی نہیں سنتا۔ نہ انہیں کوئی دیکھے **لا ینظر الیھم** خود رب تعالیٰ فرمائے گا۔ **اخسوا فیھا ولا تکلمون** وہیں پڑے رہو۔ بات مت کرو۔ نیز یہ کہتے ہیں کہ کفنی لکھنا قبر پر اذان' تلقین' دعا بعد نماز جنازہ حرام ہے۔ کہہ دو کہ تمہیں تو کفن دینا اور تم پر نماز جنازہ پڑھنا بھی حرام ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں مسلمانوں کے لئے ہیں نہ کہ کفار کے لئے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ **ساتواں فائدہ:** کافر کی توبہ' گناہ نامقبول ہے۔ اسے چاہئے کہ پہلے کفر سے توبہ کرے پھر گناہوں سے۔ جیسا کہ **لن تقبل توبتھم** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** ہر کافر شرعی احکام کا مکلف ہے۔ اس پر واجب ہے کہ مسلمان ہو کر نماز پڑھے۔ قیامت میں کفر کا بھی عذاب پائے گا اور نماز وغیرہ نہ پڑھنے کا بھی۔ یہ بھی **لن تقبل توبتھم** کی اسی تفسیر سے معلوم ہوا' رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب جنتی جہنمی سے پوچھیں گے۔ **ما سلککم فی سقر** تمہیں دوزخ میں کون سی چیز لائی تو وہ جواب دیں گے۔ **لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین** **نواں فائدہ:** کافر کی نیکیاں مردود ہیں جیسا کہ **فلن یقبل من احدھم ملء الارض** سے معلوم ہوا۔ کیونکہ اس کے معنی ایک یہ بھی ہیں کہ اگر کافر نے زندگی میں زمین بھر سونا خیرات کیا ہو تو بھی مردود اور فدیہ دے تو نامقبول۔ (کبیر) **دسواں فائدہ:** شفاعت برحق ہے۔ کفار کے لئے فرمایا گیا کہ ان کا کوئی مددگار نہیں۔ اور شفاعت بھی ایک مدد ہی ہے معلوم ہوا کہ اس کی نفی بھی کافروں سے خاص ہے۔ (کبیر)

پہلا اعتراض: ازدادوا کفرا " سے معلوم ہوا کہ کفر میں زیادتی کمی ہوتی ہے اور عقائد کا مسئلہ یہ ہے کہ ایمان و کفر میں زیادتی کمی ناممکن۔ پھر ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: کفر کی نوعیت 'کیفیت 'حیثیت اور وقت میں زیادتی کمی ہوتی ہے وہی اس آیت کا مطلب ہے۔ رب تعالیٰ کا انکار 'رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار 'کتاب کا انکار 'یہ مختلف نوعیتوں کے کفر ہیں۔ ایسے ہی سخت انکار 'ہلکا انکار کفر کی کیفیت ہے۔ ایک دن کا انکار 'عمر بھر کا انکار زمانہ کفر کی مقداریں ہیں۔ ایک آیت کا اور ساری آیتوں کا انکار یہ کفر کی حیثیتیں ہیں ان میں زیادتی کمی ممکن ہی نہیں 'بلکہ واقع ہے۔ ابو طالب اور ابو جہل کا یکساں حال نہیں۔ لیکن کفر کی مقدار اور کمیت میں زیادتی کمی ناممکن۔ ایک آیت کا منکر بھی ویسا ہی کافر ہے جیسا کہ پورے قرآن کا منکر کوئی بھی آدھا یا پاؤ کافر نہیں۔ سب پورے ہی کافر ہیں یہی علم عقائد کے مسئلہ کا مطلب ہے۔ لہذا اس آیت میں اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ دوسرا اعتراض: پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ مرتد کی توبہ قبول ہے کہ فرمایا گیا۔ الا الذین تابوا اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس کی توبہ قبول ہی نہیں کہ فرمایا گیا لن تقبل توبتھم نیز بے شمار مرتدین مسلمان ہوئے اور ہوتے ہیں کسی کو اسلام سے نہ رو کا گیا۔ لہذا اس آیت کا مطلب کیا ہے۔ جواب: اس کے چند جواب تفسیر میں گزر گئے۔ (1) یا تو اس توبہ سے توبہ گناہ مراد ہے۔ جو کفار دن رات کرتے ہیں۔ کافر کی توبہ گناہ مردود ہے پہلے مسلمان ہو۔ پھر گناہ معاف ہوں گے۔ (2) یا ان کا ایمان یاس یعنی نزع کے وقت کی توبہ مراد ہے یعنی ملائکہ عذاب کو دیکھ کر اسلام لانا قبول نہیں۔ (3) یا منافقت کی توبہ مراد ہے کہ دل میں کفر ہو اور ظاہر توبہ کرلے۔ (4) یا بار بار مرتد کی توبہ مراد ہے جو چند بار مرتد ہو اور بار بار مسلمان۔ اس کی توبہ شرعاً" قبول نہیں۔ قتل کیا جائے گا۔ (5) یا ایسی توبہ مراد ہے جو شرائط قبول سے خالی ہو۔ (6) یا یوں کہو کہ یہ قضیہ سالبہ ہے دو طرح صادق آتا ہے موضوع نہ ہونے سے اور محمول ثابت نہ ہونے سے۔ یہاں پہلی صورت مراد ہے کہ توبہ کریں گے ہی نہیں۔ پھر قبول کیا چیز ہو۔ (7) یا روز قیامت کی توبہ مراد ہے کہ کفار وہاں کفر سے توبہ کریں گے مگر نا مقبول۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء اس سے وہ شرک و کفر مراد ہے جس سے دنیا میں توبہ نہ کی جائے۔ ورنہ توبہ سے شرک و کفر ضرور معاف ہوتا ہے۔ (8) یا ازدادوا کفرا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین مراد تھی۔ اس کے بارے میں فرمایا گیا۔ لن تقبل توبتھم یعنی اس توہین سے توبہ قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ قاضی کے نزدیک نبی علیہ السلام کے گستاخ کی توبہ قبول نہیں۔ تیسرا اعتراض: تمہاری ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ اگر کفار اپنی زندگی میں زمین بھر سونا خیرات کریں تو بھی قبول نہیں اور نہ انہیں آخرت میں اس کا ثواب اور قرآن کریم بھی فرماتا ہے۔ فجعلنہ ھباء منثورا حالانکہ تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ کفار کو بعض نیکیوں کا فائدہ مل جائے گا چنانچہ نوشیرواں کو عدل کی وجہ سے اور حاتم طائی کو سخاوت کی وجہ سے عذاب ہلکا ہوگا۔ ابولہب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانے اور ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے عذاب ہلکا ہوتا ہے۔ تمہاری یہ تفسیر تمہارے عقیدے کے خلاف ہے۔ جواب: اس آیت کریمہ میں کفار کے عذاب سے بچ جانے اور جنت میں پہنچ جانے کی نفی ہے اور احادیث میں تخفیف عذاب کا ثبوت۔ لہذا آیات و احادیث میں تعارض نہیں۔ ملزم کو جیل سے رہا کر دینا اور ہے اور سی کلاس سے بی کلاس میں منتقل کر دینا کچھ اور۔ بعض کفار کا عذاب بعض نیکیوں کی وجہ سے ہلکا ہو جائے گا مگر ختم نہ ہوگا۔ چوتھا اعتراض: تمہاری گفتگو سے معلوم ہوا کہ نبی کے گستاخ اور بار بار مرتد ہونے والے اور جادوگر وغیرہ کی توبہ قبول نہیں مگر دوسری آیت میں ارشاد ہوا۔ ویغفر ما دون

ذلک لمن یشاء کفر کے علاوہ سارے گناہ جسے چاہے گا معاف کردے گا۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں گستاخوں بدگویوں کا اسلام قبول فرمایا ان کی توبہ منظور ہوئی۔ اگر گستاخ نبی کی توبہ مردود ہوتی تو ابوجہل وغیرہ کو دعوت اسلام کیوں دی جاتی۔ اور حضرت عکرمہ اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا ایمان کیوں قبول ہوتا۔ (بعض بے علم)۔ **جواب:** اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی توبہ قاضی کے نزدیک قبول نہیں کہ یہ لوگ توبہ کرکے شرعی سزا سے نہیں بچ سکتے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود صاحب حق ہیں۔ لہٰذا اپنے گستاخ کو معافی دے سکتے ہیں۔ قاضی ء اسلام حضور علیہ السلام کے گستاخ کو معاف نہیں کرسکتا۔ دیگر حقوق العباد کا بھی یہی حال ہے کہ خود صاحب حق معاف کرے نہ کہ قاضی۔ خیال رہے کہ نبی کے گستاخ کا ایمان قبول ہے۔ رہی سزا یہ دوسری وجہ سے ضرور ہوگی لہٰذا اب بھی گستاخان رسول کو دعوت اسلام دی جائے گی اور پہلے بھی دی گئی اور جب وہ مسلمان ہوجائیں تو ان پر احکام اسلام جاری ہوں گے۔ مگر سزائے توہین سے نہیں بچ سکتے۔ (در مختار باب المرتدین) **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن کافر کا زمین بھر سونا فدیہ میں قبول نہ ہوگا تو اس دن کفار کے پاس مال کہاں ہوگا کہ وہ پیش کریں اور وہ رد کیا جائے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ فرضی اور تقدیری صورت ہے کہ اگر فرض کرو کافر کے پاس اتنا سونا ہو اور وہ اس سے فدیہ لوا کرنا چاہے تو منظور نہ ہو چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ رب تعالیٰ ہلکے عذاب والے کافر سے فرمائے گا کہ اگر آج تیرے پاس دنیا بھر کی دولت ہوتی تو تو وہ سب عذاب کے فدیہ میں دے دیتا۔ وہ عرض کرے گا ہاں۔ رب تعالیٰ فرمائے گا کہ دنیا میں ہم نے تجھ سے بہت سہل چیز طلب فرمائی تھی کہ تو شرک نہ کر تو نہ مانا (بخاری و مسلم) گویا یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے دوسرے یہ کہ اس سے دنیاوی صدقات و خیرات مراد ہیں کہ کفار کے دنیاوی صدقات و خیرات خواہ زمین بھر سونا ہو قبول نہ ہوں گے (خازن و کبیر) کیونکہ کفار کی اطاعت مردود ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا **وما لھم من نصرین** کفار کے لئے بہت سے مددگار نہیں تو کیا ان کے دو مددگار ہوں گے یہاں جمع کی نفی ہے نہ کہ ہر فرد کی؟ **جواب:** من استغراقیہ کی وجہ سے افراد ناصر کی نفی ہوئی نہ کہ جماعت ناصرین کی۔ یعنی یہ عموم سلب ہے نہ کہ سلب عموم ہے کہ من استغراقیہ نے ناصرین کو عام کیا اور اس عام کی بطریق عموم نفی کی۔ دوسرے یہ کہ ناصرین سے مددگار کے اقسام مراد ہیں یعنی ان کے لئے انبیاء' اولیاء' شہداء' علماء' نابالغ بچے' اعمال صالح کوئی مددگار نہ ہوگا۔ گویا جمعیت انواع کے لئے ہے۔ تیسرے یہ کہ **لھم** بھی جمع اور ناصرین بھی جمع اور جب جمع کیلئے جمع آوے تو تقسیم افراد ہو جاتی ہے کہ اس جمع کا ہر فرد دوسری جمع کے ہر فرد کے لئے ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے لوگ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوگئے یعنی ہر ایک آدمی ایک گھوڑے پر۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی کافر کے لئے کوئی مددگار نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** **لھم عذاب الیم** سے معلوم ہوا کہ صرف کفار کو تکلیف دہ عذاب ہوگا تو کیا گنہگار مسلمانوں کو عذاب کی تکلیف نہ ہوگی۔ جہنم تو سب ہی کے لئے تکلیف دہ ہے مسلمان ہو یا کافر۔ **جواب:** بے شک انتہائی تکلیف صرف کفار کو ہوگی کہ نہ انہیں وہاں موت آئے گی نہ کبھی اس سے نجات ملے اور عذاب کے ساتھ رسوائی لعن طعن بھی ہو۔ مسلمان بعض تو دوزخ میں جاتے ہی مرجائیں گے۔ پھر زندہ کرکے بہشت میں بھیجے جائیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے جب جان نکل گئی تو تکلیف' تکلیف کیسی اور جو زندہ رہیں گے وہ بھی آخر کار نجات پائیں گے اور رسوائی سے محفوظ رہیں گے۔ ان پر لعن طعن نہ ہوگا۔ نیز ان کا عذاب بمقابلہ کفار کے ہلکا ہوگا اتنی تکلیف کا اجتماع کہ جان نہ نکلے عذاب دائمی ہو' وغیرہ وغیرہ کفار کے ساتھ خاص ہے۔ باقی مصیبت قلبی سے سخت تر ہے۔

دنیا کے اختلافات رنج و غم، تندرستی، بیماری، فقر و غنا، جوانی بڑھاپا، غافل کو جگانے والی چیزیں ہیں جو شخص ان میں سے کسی چیز سے نہ جاگے کافر غافل جئے اور کفر یا غفلت پر مرے اس کا زمین بھر سونا بھی فدیہ نہیں بن سکے گا کہ اس نے وقت نکال دیا۔

تفسیر صوفیانہ: جب دل سے نور نکل جائے اور ظلمت وہاں گھر کرے تو پھر اس کا کوئی عمل قبول نہیں نہ تو یہ نہ کوئی اور چیز۔ اس لئے کہ مقبولیت نورانیت سے ملتی ہے اور وہ اس سے خالی۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اس دنیا کی ہر چیز مادی اور تاریک اور فانی ہے۔ اور اس عالم کی ہر چیز نورانی اور باقی ہے کیونکہ وہ عالم انوار اور عالم بقا ہے اور یہ عالم ظلمت اور عالم فنا۔ ریاء کے روزے، نماز، منافقت کا کلمہ پڑھنا مادی چیزیں ہیں کہ یہ نور سے خالی ہیں۔ مومن کا نیت خیر سے کھانا پینا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا بھی نورانی کہ وہ ایمان اور اخلاص کے ساتھ ہے۔ جیسے کھوٹا پیسہ اس بازار میں نہیں چلتا اور بغیر شاہی مہر والا سکہ یہاں رد ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی کھوٹی عبادتیں اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے خالی مجاہدے بازار قیامت میں بیکار ہوں گے۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھبا اور بتایا گیا کہ لن تقبل توبتھم ان چیزوں کی مردودیت کی وجہ یہ ہے کہ ان پر نہ سلطنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ہے اور نہ نورانیت۔ نیز کفار کے یہ مال دنیا میں ان کی محبوبیت کا سبب تھے ان ہی نے کفار کو رب تعالیٰ سے روکا تو کیونکر ممکن ہے کہ یہی مال قیامت میں ان کے لئے محبوبیت کا ذریعہ بن جائے۔ جن لوگوں نے مال کے ذریعہ محبوبیت حاصل کی وہ وہاں بھی محبوبیت حاصل کریں گے۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب فرمایا۔

ترا شہوت و کبر و حرص و حسد چو خون در رگ اندر و چو جان در جسد
گریں دشمنان تقویت یافتند سر از حکم رایت برتافتند
ہوا و ہوس را نماند ستیز چو بینند سر پنجہ عقل تیز

جو شخص شریعت کے تابع ہو اور عقل سے کام لے اور وہ اپنے نفس اور ہوا پر سوار ہے ورنہ نفس اس پر سوار ہو گا۔ خیال رہے کہ نفس برے اخلاق کی کان ہے اور اس کا اثر تمام جسم میں ہے یہی روح کا ہر وقت مقابلہ کرتی ہے اس کے مددگار شیطان اور برے ساتھی ہیں۔ یہ سب مل کر انسان کو بھلائیوں سے روکتے اور برائیوں کی رغبت دیتے ہیں۔ روح عالم ملکوت کی چیز ہے اس کے مددگار فرشتے، علماء، اولیاء اللہ اور اچھے ساتھی ہیں۔ نفس مثل جہنم کے ہے۔ جیسے جہنم کے سات طبقے ہیں۔ ایسے ہی اس میں سات عیب ہیں۔ حرص، حسد، شہوت، غصہ، بخل، کینہ، تکبر گویا یہ سات صفات جہنم کے سات طبقوں کے سات دروازے ہیں۔ جیسا کہ جنت میں وہ پہنچے گا جو جہنم کے ان ساتوں طبقوں کو طے کر جائے ایسے ہی جنت قرب تک وہ پہنچے گا جو نفس کے ان سات عیبوں سے گزر جائے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے قد افلح من زکھا کفار کی نیکیوں میں چونکہ ان سات عیوب کا دخل ہوتا ہے اس لئے وہ قابل قبول نہیں مسلمان کی نیکیاں ان ساتوں عیوب سے بفضلہ تعالیٰ صاف ہوتی ہیں۔ لہٰذا اور بار یار تک پہنچ جاتی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ الیہ یصعد الکلم الطیب۔ ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ عبادت کی کنجی فکر ہے۔ اور نیکی کی علامت مخالفت نفس (از روح البیان و ابن عربی) حق تعالیٰ اس قال کو حال بنائے اور ہمارے اعمال کو ریا، فخر، بڑائی اور نام و نمود کے خیال سے بچائے۔ اپنے مقبولوں کے طفیل ہمیں اعمال مقبول کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تفسیر نعیمی کی یہ تیسری جلد 16 شوال 1364ھ یوم دوشنبہ کو شروع ہو کر 27 جمادی الاٰخر 1365ھ یوم پنجشنبہ کو ختم ہوئی۔ رب تعالیٰ بقیہ جلدیں پوری کرنے کی توفیق دے اور انہیں قبول فرما کر میرے گناہوں کا کفارہ اور توشہ ء آخرت اور میرے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور جن حضرات نے اس میں کوئی بھی امداد دی انہیں جزا خیر دے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و زینۃ عرشہ و عروس مملکتہ سیدنا و شفیعنا و حبیبنا و مولٰینا محمد و علی الہ واصحبہ اجمعین اٰمین برحمتہ وھو ارحم الراحمین ○

ناچیز احمد یار خان نعیمی اشرفی اوجھانوی غفرلہ ولوالدیہ وعفی عنہ وعن والدیہ

27 جمادی الاٰخر 1365 بمطابق 3 مئی 1946 یوم پنجشنبہ